

کشف الاستار

اردو ترجمہ و شرح

در مختار

دوم

ترجمہ و اضافات

مفتی محمد ظفر الدین صاحب مفتاحی (مفتی دارالعلوم دیوبند)

مکتبہ فیض القرآن دیوبند



کشف الاسرار

اردو ترجمہ و شرح

درمختار

جلد دوم

کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم،
کتاب الحج، کتاب النکاح

ترجمہ و اضافات
مولانا محمد ظفر الدین صاحب مفتاحی
مفتی دارالعلوم دیوبند

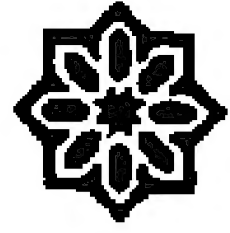
مصنفہ
فقیر، محدث، عالم، حافظ حدیث
حضرت علاء الدین حصکفی

ناشر

مکتبہ فیض القرآن دیوبند (یوپی)

Pin.247554

اس کتاب کے جملہ حقوق بحق تاج عثمانی مالک مکتبہ فیض القرآن دیوبند کے نام محفوظ ہیں
اور حکومت ہند سے رجسٹرڈ ہیں۔



نام کتاب	: کشف الاسرار ترجمہ و شرح در مختار
تالیف	: فقیہ، محدث، عالم، حافظ حدیث حضرت علامہ علاء الدین ^{حکفی}
ترجمہ و اضافات	: مولانا محمد ظفر الدین صاحب مفتاح مفتی دارالعلوم دیوبند
باہتمام	: تاج عثمانی ابن جناب مشہود اقبال صنا عثمانی
کمپیوٹر ڈیزائننگ	: حسینیہ کمپیوٹر سینٹر مدنی منزل، دیوبند
کمپیوٹر کتابت	: نواز پبلی کیشنز دیوبند، رفاہ کمپیوٹر، نئی دہلی۔
قیمت	:
مطبوعہ	: جون ۱۹۹۹ء

ناشر

مکتبہ فیض القرآن نزد مسجد چھتہ دیوبند

ضلع سہارنپور (یوپی)

Ph:01336 - 22401

فہرست مضامین

کشف الاسرار شرح اردو در مختار جلد دوم

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۳۷	خطبہ کی حالت میں سلام کا۔۔۔ اب دینا	۲۸	نماز جمعہ کے لیے جماعت کی شرط	۱۷	صحت کے زمانے کی نماز حالت بیماری میں
۳۷	دوسرے خطبوں کے وقت کان لگانا	۲۹	شرکت عام کی اجازت	۱۷	بادشاہ بھی اپنی مملکت میں مسافر ہوتا ہے
۳۷	امام کے سامنے آیت صلوٰۃ پڑھنا	۳۰	شاہی قلعہ اور محل میں نماز جمعہ	۱۷	شادی کی جگہ مرد حکماً مقیم ہو جاتا ہے
۳۷	صحابہ کے نام ﷺ کی آواز بلند کرنا	۳۰	فرضیت جمعہ کی شرطیں	۱۷	منزل سے پہلے حائضہ کا پاک ہونا {
۳۸	اذان جمعہ کے بعد کام چھوڑ کر نماز کی تیاری	۳۱	پہلی شرط مقیم ہونا		اور کافر کا مسلمان ہونا
۳۸	پہلی اذان جمعہ	۳۱	دوسری شرط تندرستی	۱۸	مشرک غلام نماز کیسے ادا کرے
۳۸	دوسری اذان جمعہ	۳۱	تیسری شرط آزاد ہونا	۱۸	ایک سوال کے مختلف جوابات اور ان کی درستی
۳۹	خطبہ اور تکبیر کے درمیان فصل	۳۱	چوتھی شرط مرد ہونا	۱۹	نماز جمعہ اور اس سے متعلق احکام و مسائل
۳۹	جمعہ میں خطابت و امامت	۳۱	پانچویں، چھٹی شرط عاقل و بالغ ہونا	۱۹	احتیاط ظہر اور اس کی تاریخ
۳۹	جمعہ کے دن سفر	۳۲	ساتویں شرط بیٹا ہونا	۲۰	جمعہ کے صحیح ہونے کی شرطیں
۴۰	گاؤں کا باشندہ جب جمعہ کے دن شہر آئے	۳۲	آٹھویں شرط چلنے پر قادر ہونا	۲۰	قنائے مصر
۴۰	بوقت خطبہ تلوار یا عصا	۳۲	نویں اور دسویں شرط قید نہ ہونا {	۲۲	جمعہ کے صحیح ہونے کی دوسری شرط
۴۱	کھاتے ہوئے اذان جمعہ ہو تو		اور خوف کا نہ ہونا	۲۲	خطیب کا نائب مقرر کرنا
۴۱	دیہاتی جب جمعہ کی نیت سے شہر آئے	۳۲	گیارہویں شرط سخت بارش کا ہونا	۲۳	قاضی و حاکم کی طرف سے اجازت جمعہ
۴۱	ناخن اور بال بنوانا	۳۳	امام جمعہ کا مستحق	۲۴	منی میں جمعہ صرف موسم حج میں
۴۱	جمعہ میں سائل کا سوال کرنا	۳۳	جمعہ کے دن نماز ظہر	۲۴	میدان عرفات میں جمعہ جائز نہیں
۴۲	وہ ساعت جس میں دعا قبول ہوتی ہے	۳۳	جمعہ کے دن ظہر کی نماز کب ہوگی اور کب نہ ہوگی	۲۴	تعداد جمعہ نہ مانا جائے تو کیا حکم ہوگا
۴۲	جمعہ کا دن افضل ہے یا رات	۳۴	معدور کا جمعہ کے دن ظہر کا ادا کرنا	۲۵	وقت کا ہونا ضروری ہے
۴۲	جمعہ کو سورہ کہف پڑھنا	۳۴	جامع مسجد کے سوا دوسری مسجدیں {	۲۶	خطبہ کا وقت کے اندر اور نماز سے پہلے ہونا
۴۲	فضائل جمعہ اور اس کی اہمیت	۳۴	جمعہ کے دن بند رکھی جائیں {	۲۶	خطبہ جمعہ اور اس کی تعداد
۴۳	عیدین کی نماز اور اسکے احکام کی تفصیل	۳۴	نماز جمعہ کی اخیر رکعت میں {	۲۷	خطبہ کا مسنون طریقہ
۴۴	عید نام رکھنے کی وجہ	۳۴	التحیات میں ملنے والا {	۲۷	خطبہ کی حالت میں گفتگو
۴۴	عید اور جمعہ کا اجتماع	۳۶	خطبہ کے لیے امام کے نکلنے کے {	۲۷	خطیب کا پاک ہونا، ستر کا چھپنا
۴۴	تاریخ عید	۳۶	بعد دوسری نماز وغیرہ نہ پڑھیں {	۲۸	خطبہ کی حیثیت
۴۴	عید و جمعہ دونوں ضروری	۳۶	خطبہ شروع کرتے وقت اگر سنت پڑھ رہا ہو	۲۸	حالت جنابت کا خطبہ
۴۴	دیہات میں نماز عید	۳۶	خطبہ جمعہ کا سننا اور خاموش رہنا	۲۸	خطبہ اور نماز کے درمیان فصل
۴۵	نماز عید اور نماز جنازہ	۳۶	وقت خطبہ اشارہ سے منع کرنا	۲۸	نماز کوئی پڑھائے اور خطبہ کوئی دے

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۲۵	زیادہ خوف کے وقت سواری پر نماز	۵۶	لاحق و مسبوق پر تکبیر تشریق	۴۵	جنازہ فرض و سنت نمازوں کے بعد
۲۶	سواری پر نماز کب فاسد ہوتی ہے	۵۷	سورج گہن کی نماز سے متعلق مسائل اور احکام	۴۶	مستحبات عید
۲۶	دریا میں تیرنے والے کی نماز	۵۸	کسوف خسوف میں فرق	۴۶	صدقہ فطر
۲۶	چند جزئیات	۵۸	نماز سورج گہن	۴۶	اظہار مسرت وغیرہ
۲۶	{ صلوٰۃ خوف شروع کرنے کے بعد جب دشمن چلا جائے	۵۹	نماز کسوف کی اطلاع	۴۷	عید گاہ جاتے ہوئے
۲۶	{ سفر معصیت والے اور باغیوں کے لیے صلوٰۃ الخوف جائز نہیں	۵۹	امام جمعہ نہ ہو تو کون امامت کرے	۴۷	عید کے بعد نماز نفل
۲۷	صلوٰۃ خوف اور آنحضرت ﷺ	۶۰	بہ وقت سخت آسمانی حادثہ نماز	۴۷	نماز شب برأت اور نماز شب قدر
۲۷	نماز جنازہ سے متعلق احکام و مسائل	۶۱	نماز کسوف و خسوف	۴۸	عید کے دن عوام کو نفل سے منع نہ کیا جائے
۲۸	صلوٰۃ جنازہ	۶۱	باران رحمت کی طلب کا بیان	۴۸	نماز عید کا وقت
۲۸	موت وجودی صفت ہے یا عددی	۶۱	نماز استسقاء	۴۹	نماز عید کی ترکیب
۲۸	موت کی علامتیں	۶۱	نماز استسقاء کا طریقہ	۴۹	نماز عید میں آخری رکعت میں ملنے کا حکم
۲۹	موت کے وقت شہادتین کی تلقین	۶۲	چادر کا پلٹنا	۴۹	نماز عید مسبوق نماز کس طرح پوری کرے
۲۹	جان کنی کے وقت کی توجہ	۶۲	نماز استسقاء میں ذمی کی شرکت کی بحث	۵۰	نماز عید میں تکبیر زائد
۲۹	تلقین شہادتین کی صورت	۶۲	نماز استسقاء تنہا تنہا	۵۱	نماز عید کا خطبہ
۲۹	سورہ یسین پڑھنا	۶۲	بارش کیلئے تین دن تک نکلا جاسکتا ہے	۵۱	خطبات کی تعداد اور اس کا طریقہ
۴۰	مرنے کے وقت تلقین	۶۲	تین مقامات میں صحراء کے بجائے مسجد میں اجتماع	۵۱	نماز عید کا خطبہ کیسے دیا جائے
۴۰	قبر میں کن لوگوں سے سوال نہیں ہوتا	۶۲	بارش کیلئے صحراء میں جانے سے پہلے صدقہ	۵۱	خطبہ میں خطیب کیا بیان کرے
۴۱	موت کی تمنا کی کراہت	۶۲	جانوروں کا باہر نکالنا	۵۲	اگر نماز عید فوت ہو جائے
۴۱	موت کے وقت کلمات کفر	۶۳	مکہ مکرمہ بیت المقدس اور مدینہ منورہ	۵۲	عید کی نماز کی تاخیر
۴۲	موت کے فوراً بعد کرنے کا کام	۶۳	میں بارش کے لیے دعا کی جگہ	۵۳	احکام عید النضحی
۴۲	{ مردے کے پاس سے ناپاک مرد عورت علیحدہ ہو جائیں	۶۳	مضر بارش کے بند ہونے کی دعا	۵۳	عید گاہ جاتے ہوئے تکبیر
۴۲	{ مرنے کی اطلاع خوشبو اور کفن دفن کا انتظام	۶۳	نکلنے سے پہلے بارش پر شکریہ	۵۳	عید النضحی کے دن کھانا بعد نماز عید
۴۲	موت کے وقت تلاوت	۶۳	حالات خوف اور جنگ میں نماز کے احکام و مسائل	۵۳	عید النضحی کا خطبہ
۴۲	مردے کے ناپاک ہونے کی بحث	۶۳	{ آنحضرت ﷺ کے بعد نماز خوف کی اجازت	۵۳	قیام عرفات کے مشابہت
۴۳	مردے کے پاس تلاوت	۶۵	امام ابو یوسف کا مسلک	۵۴	تکبیر تشریق
۴۳	مرنے کے بعد بسائے ہوئے تخت پر غسل دینے سے پہلے مردے کے پاس تلاوت کی ممانعت	۶۵	موقع جنگ میں صلوٰۃ خوف	۵۴	تکبیر تشریق کا طریقہ
۴۳		۶۵	دونوں گروہ کیسے نماز ادا کریں	۵۴	ذبح کون ہے
		۶۵	بہ وقت خوف نماز عید	۵۴	تکبیر تشریق کب واجب ہے
		۶۵	صلوٰۃ خوف میں دو امام کی اجازت	۵۵	تکبیر تشریق ۹/ ذی الحجہ سے
				۵۶	۱۳/ ذی الحجہ کی عصر تک
				۵۶	عید النضحی کی نماز کے بعد تکبیر تشریق
				۵۶	تکبیر تشریق مقتدی پر

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۸۷	جنازہ جانا رکھنا	۸۱	مردوں کے لیے مسنون کفن	۷۳	غسل کے وقت پردہ
۸۷	جب جنازہ سمت قبلہ میں نہ ہو	۸۱	کفن میں عمامہ کی کراہت	۷۳	ستر والے حصے پر تیمم
۸۸	ارکان نماز جنازہ	۸۱	تین سے زیادہ	۷۴	روح نکلنے کے بعد کپڑے نکال دیے جائیں
۸۸	نماز جنازہ کی سنتیں	۸۱	کفن بہتر ہو	۷۴	مردے کو وضو کرانا
۸۹	چار شخصوں پر نماز جنازہ نہیں	۸۱	عورتوں کا کفن	۷۵	بہر کی ہتی سے غسل
۸۹	خود کشی والے کی نماز جنازہ	۸۱	کفن کفایت	۷۵	مردے کے بال عظمیٰ یا صابن
۸۹	خود والے کی نماز جنازہ آنحضرتؐ	۸۲	کفن ضرورت	۷۵	سے دھوئے جائیں
۸۹	نے کیوں نہیں پڑھی	۸۲	کفن پہنانے کا طریقہ	۷۵	مردے کو نہلانے کا طریقہ
۸۹	والدین کے قاتل کی نماز جنازہ	۸۳	کفن کا باندھنا	۷۵	دوبارہ غسل کی ضرورت نہیں
۹۰	ترکیب نماز جنازہ	۸۳	خشکی مشکل کا کفن	۷۶	مردے کو بعد غسل خوشبو ملنا
۹۰	اسلام کی تقدیم ایمان پر	۸۳	محرم اور مراحم کا کفن	۷۶	تر زمین کی ممانعت
۹۰	اسلام میں میت کی نیت	۸۳	نابالغ کا کفن	۷۶	مردے کے ہاتھوں کو اس کے
۹۱	دعائیں وغیرہ آہستہ	۸۳	مردہ بچہ کا کفن	۷۶	بغل میں رکھا جائے
۹۱	نماز جنازہ میں نہ تلاوت ہے نہ التحیات	۸۴	اگر مردے کا کفن چوری ہو جائے	۷۶	شوہر اپنی بیوی کو نہ غسل دیکانہ چھو بیگا
۹۱	نماز جنازہ کچھلی صف میں	۸۴	جن لوگوں کو کفن دیا جائے	۷۷	حضرت فاطمہؑ کے غسل کی بحث
۹۱	نماز جنازہ چار تکبیر سے زیادہ	۸۴	جن لوگوں کا کفن دیا جاتا ہے	۷۷	عورت شوہر کو غسل دے سکتی ہے
۹۱	چار سے زیادہ تکبیر کی منسوخی	۸۴	کتمان اور یمنی چادر کا کفن	۷۷	بیوی کا نکاح سے نکل جانا
۹۲	بچے اور پاگل وغیرہ کا حکم	۸۴	سفید کفن	۷۷	مجوسیہ جس کا شوہر مسلمان ہو
۹۲	نابالغ اور پاگل کی دعائے نماز جنازہ	۸۵	جس کے پاس مال نہ ہو	۷۸	جسم کے حصے پر کب نماز پڑھی جائے
۹۲	دعائے نابالغ پر ایک اعتراض کا جواب	۸۵	بیوی کا کفن شوہر کے ذمہ	۷۸	مردے کے غسل اور اٹھانے کی اجرت
۹۲	بالغ دعائے نابالغ کے لیے نہیں	۸۵	ایسا مردہ جس کا کوئی وارث نہ ہو	۷۸	میت کو نہلانے میں نیت
۹۳	امام جنازے کے سینے کے برابر کھڑا ہو	۸۵	جہاں صرف ایک شخص ہو	۷۸	پانی میں پائے جانے والے مردے کا غسل
۹۳	نماز جنازہ میں بعد میں شریک ہو نیوالا	۸۵	کفن دینے والا کفن کا مالک ہوتا ہے	۷۸	مردے کا غسل کب سے قائم ہے
۹۳	شروع ہوتے وقت موجود رہنے والا	۸۶	نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اور اسکے احکام	۷۹	مردہ جس کا حال معلوم نہ ہو
۹۳	مقبور کیا کرے	۸۶	نماز جنازہ کی شرطیں	۷۹	مسلمان ہونے کی پہچان
۹۳	نماز جنازہ کا مسبوق اپنی بقیہ	۸۶	مردے کے بدن کے کپڑے	۷۹	مسلمان اور کافر مردے مل جائیں
۹۳	تکبیروں کو کب پورا کرے	۸۶	وغیرہ کا پاک ہونا	۸۰	حاملہ کتابیہ کی تدفین
۹۴	ایک وقت میں متعدد جنازوں کی ایک نماز	۸۶	ابتد لپاک ہونا ضروری ہے	۸۰	مرد جہاں عورتوں میں مر جائے
۹۵	امام کے قریب افضل ہو	۸۷	عورت جنازہ کی امامت کرے	۸۰	یا عورت مردوں میں
۹۵	مختلف نوع جنازہ کی ترتیب	۸۷	نماز جنازہ کی بقیہ شرطیں	۸۰	خشکی مشکل کا غسل
۹۵	ایک قبر میں بہت مردے	۸۷	غائب کی نماز جنازہ	۸۰	پانی نہ ہونے کی وجہ سے تیمم
۹۵	دفن کرنا اور اس کی ترتیب	۸۷	نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ	۸۰	کرالیا پھر پانی مل گیا

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۱۱۰	زیارت قبور	۱۰۳	جنازے میں عورتوں کی شرکت	۹۶	نماز جنازہ کی امامت
۱۱۰	زیارت کرنے والا قبرستان میں کیا کرے	۱۰۴	جنازے سے دور دور چلنا	۹۶	جنازہ کی نماز میں امام مسجد اور ولی کی امامت
۱۱۰	زندگی میں قبر کھودنا	۱۰۴	قبر کی کھدائی	۹۶	عورت کی نماز جنازہ کا مستحق شوہر ہے
۱۱۱	قبر - سو کر گزرتا	۱۰۴	قبر میں بستر رکھنا مکروہ ہے	۹۶	مرنے والے کی وصیت غسل کفن
۱۱۱	رات میں دفن کرنا اور قرآن پڑھوانا	۱۰۵	میت پہ ضرورت صندوق میں	۹۶	وغیرہ کے لیے میں باطل ہے
۱۱۱	ذمی کی ہڈی	۱۰۵	رکھ کر دفن کرنا	۹۶	ولی جنازہ دوسرے سے امامت کر سکتا ہے
۱۱۱	رونے سے عذاب	۱۰۵	سمندر میں کب مردہ کو ڈالا جائے	۹۷	اگر غیر مستحق بغیر ولی نماز جنازہ پڑھا دے
۱۱۱	عہد نامہ لکھنا	۱۰۵	مردہ مرنے والے گھوٹیں دفن نہ کیا جائے	۹۷	مستحق نے اگر نماز جنازہ پڑھی ہے
۱۱۱	پیشانی پر بسم اللہ لکھنا	۱۰۵	قبر میں کس طرح لٹایا جائے	۹۷	ذاعادہ نہیں ہے
۱۱۲	شہید سے متعلق احکام و مسائل	۱۰۵	قبر میں لٹا کر بند کرنا	۹۷	ولی کے بعد دوسرے مستحق کو بھی
۱۱۲	شہید کی تعریف	۱۰۶	لیٹائی ہوئی کی ہڈی اینٹوں کی تعداد	۹۷	نماز کی اجازت نہیں
۱۱۲	حضرت حظلہ کا واقعہ	۱۰۶	عورت کے جنازے کو اتارے وقت پردہ	۹۸	سلطان کو اعادہ حق ہے
۱۱۲	شہادت میں قصاص کی شرط	۱۰۶	قبر میں مٹی ڈالنا اور دعا	۹۸	بغیر نماز جنازہ اگر دفن ہو گیا ہو
۱۱۳	شہید کو غسل نہ دینے کی شرط	۱۰۶	دعائے مغفرت	۹۸	بلا عذر جنازہ کی نذر دینے کر
۱۱۳	زندہ نہ پائے جانے کی صورتیں	۱۰۶	قبر پر پانی چھڑکنا	۹۸	یا سوار ہو کر جائز نہیں
۱۱۳	جن میں مقتول شہید شمار ہوتا ہے	۱۰۷	قبر کیسی بنائی جائے	۹۹	مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے
۱۱۳	میدان کارزار کا زخمی	۱۰۷	قبر کو لپیٹنا	۹۹	بچہ پیدا ہو کر مر جائے
۱۱۴	شہید کی جھینڈ و تکفین	۱۰۷	قبر پر لکھنا	۹۹	ایسے بچے کا کفن
۱۱۴	شہید کی نماز جنازہ	۱۰۷	قبر سے مردے کو نکالنا منع ہے	۱۰۰	اگر بچہ نکلا اور علامت زندگی نہیں پائی گئی
۱۱۴	دیت المال سے	۱۰۷	مالک زمین کو اختیار	۱۰۰	بچہ جس میں روح پڑ چکی ہے
۱۱۵	شہر میں چوروں کا مقتول	۱۰۸	قبر پر مکان اور کاشت	۱۰۰	مشرکین کے بچے
۱۱۵	کس کو غسل دیا جائیگا کس کو نہیں	۱۰۸	حاملہ کے پیٹ کا بچہ	۱۰۰	نابالغ بچہ جو دارالسلام میں گرفتار ہو
۱۱۵	زخم کے بعد وصیت اور پھر موت	۱۰۸	مال نگل کر مر جائے تو کیا حکم	۱۰۱	عادی آدمی سے اسلام کے متعلق سوال
۱۱۵	زخم لگنے کے بعد گفتگو	۱۰۸	نفل پڑھنے سے بہتر جنازے کیے ساتھ جانا	۱۰۱	مسلمان کا کافر رشتہ دار اور اس کا حکم
۱۱۵	درمیان جنگ علامت زندگی کا اعتبار نہیں	۱۰۸	جہاں مرے وہیں کے قبرستان میں دفن	۱۰۲	جنازہ کس طرح - ۱ جایا جائے
۱۱۵	شہید کامل اور شہید آخرت	۱۰۹	جنازے کا منتقل کرنا	۱۰۲	آنحضرت ﷺ کے جنازے کو کندھا دینا
۱۱۶	شہید آخرت کی تعداد	۱۰۹	مرنے کی اطلاع دوسروں کو دینا	۱۰۲	جنازہ کی چار پائی کس طرح اٹھائی جائے
۱۱۶	علامہ سیوطی کے نزدیک	۱۰۹	مرثیہ کہنا	۱۰۳	جھوٹے بچے کا جنازہ
۱۱۷	کعبہ میں نماز پڑھنے سے متعلق احکام و مسائل	۱۰۹	تعزیت کرنا	۱۰۳	جھوٹے بچے کا جنازہ
۱۱۷	قبلہ زمین سے آسمان تک	۱۰۹	میت کے گھر والوں کو کھانا دینا	۱۰۳	جنازے کے ساتھ والے کب بیٹھیں
۱۱۷	کعبہ کی چھت پر نماز	۱۰۹	تعزیت کرنا اور غم منانا	۱۰۳	جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونا
۱۱۸	کعبہ کے اندر نماز	۱۰۹	تعزیت میں کیا کہے اور دوبارہ تعزیت	۱۰۳	جنازے کے پیچھے چلنا مستحب ہے

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۱۳۹	گائے بیل کی زکوٰۃ کا بیان	۱۳۰	ادائیگی زکوٰۃ کی شرط	۱۱۸	مقتدی اور امام کا رخ
۱۴۰	بھینس کا نصاب	۱۳۰	قرض دی ہوئی اور موجود نقد کی زکوٰۃ	۱۱۸	کعبہ کے ارد گرد نماز کی کیفیت
۱۴۱	بھیٹر اور بکریوں کی زکوٰۃ کا بیان	۱۳۱	چار تصور تیں	۱۱۸	امام کعبہ کے اندر ہو اور مقتدی باہر
۱۴۱	بھیر بکری کی زکوٰۃ	۱۳۱	ناچار تصور تیں	۱۱۹	زکوٰۃ سے متعلق احکام و مسائل
۱۴۱	ایک ساکس اور پھر بکریوں کی زکوٰۃ	۱۳۱	دین کے ذریعہ ادائیگی زکوٰۃ کا حیلہ	۱۱۹	زکوٰۃ کے معنی اور یہ کہ
۱۴۲	سال بھر سے کم کی بکری زکوٰۃ میں	۱۳۱	مال زکوٰۃ سے مکلفین کا حیلہ	{	اہانت سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی
۱۴۲	لی جائے گی یا نہیں	۱۳۲	زکوٰۃ کی ادائیگی	۱۲۰	اہانت و تملیک میں فرق
۱۴۲	یعنی اور جذب	۱۳۲	نیت یا تہدیلی کے اثرات	۱۲۰	طلع سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی
۱۴۲	گھوڑے کی زکوٰۃ	۱۳۳	مال و راحت میں نیت تجارت	۱۲۰	تملیک المال اور تملیک جزاء المال
۱۴۳	گد جوں اور فخریوں کی زکوٰۃ	۱۳۳	ہبہ اور وصیت کے مال میں نیت تجارت	۱۲۰	اپنی منفعت ختم کر دینا
۱۴۳	بھیت کے جانور اور پالتو جانور کی زکوٰۃ	۱۳۴	موتیوں اور جواہر میں زکوٰۃ نہیں	۱۲۱	شرائط فرضیت زکوٰۃ
۱۴۳	جانور کے بچوں کی زکوٰۃ	۱۳۴	زکوٰۃ کا وجوب	۱۲۱	سبب غیث والے مال کی زکوٰۃ
۱۴۳	بچے بھی ہوں اور بڑے بھی	اس باب میں ان جاؤں کی زکوٰۃ کا بیان ہے جو سال کے بیشتر حصہ میں چرنے پر گذر کرتے ہیں		۱۲۲	مال کا قرض سے فارغ ہونا
۱۴۳	زکوٰۃ میں بڑے جانور دینا			۱۲۲	عشر و خراج اور کفارہ کیلئے قرض مانع نہیں
۱۴۴	حنو میں زکوٰۃ نہیں			۱۲۳	حاجات اصلیہ سے زیادہ ہونا
۱۴۴	ہلاک شدہ مال کی زکوٰۃ			۱۲۳	مال کا بڑھنے والا ہونا
۱۴۴	اس مال کی زکوٰۃ جسکو خود ہلاک کر دے	۱۳۵	سائہ کی تعریف	۱۲۳	کن لوگوں پر زکوٰۃ نہیں
۱۴۵	زکوٰۃ میں قیمت دینا	۱۳۶	تجارت کی نیت کا اثر	۱۲۴	در میانی سال کا قرض
۱۴۵	زکوٰۃ میں در میانہ مال لینا	۱۳۶	پالتوں جانور کی زکوٰۃ	۱۲۴	کئی نصاب والے قرض کہاں محسوب کریں
۱۴۶	در میان سال میں اضافہ شدہ مال کی زکوٰۃ	۱۳۶	سائہ اور تجارت کی زکوٰۃ کے سال	۱۲۵	ضروریات کی چیزوں کی زکوٰۃ نہیں
۱۴۶	پہلے اور بعد کے خریدے ہوئے	۱۳۶	جانوروں میں نیت کی تبدیلی	۱۲۵	اہل علم کی کتابوں کی زکوٰۃ
۱۴۶	جانوروں کا حکم	۱۳۶	گھوڑے اور اندھے جانوروں کی زکوٰۃ	۱۲۵	اہل صرفہ کے آلات پر زکوٰۃ نہیں
۱۴۷	باغی	۱۳۶	اس باب میں اونٹوں کی	۱۲۵	فقہ کی کتابیں اور زکوٰۃ کا حکم
۱۴۷	اموال باطنی کی زکوٰۃ اور باغی	۱۳۸	زکوٰۃ کی تفصیل ہے	۱۲۵	گزشتہ سالوں کی کن مالوں میں زکوٰۃ نہیں
۱۴۸	زبردستی زکوٰۃ وصول کرنا	۱۳۸	اونٹ کا نصاب زکوٰۃ	۱۲۶	جن قرضوں میں زکوٰۃ نہیں
۱۴۸	بادشاہ کا اپنے مال لئے ساتھ	۱۳۸	بخٹی اونٹ	۱۲۷	زکوٰۃ کی ادائیگی کی بنیادی دلیل
۱۴۸	چھینا ہوا مال ملا لینا	۱۳۸	بچپس سے زیادہ اونٹ کی زکوٰۃ	۱۲۷	شرائط زکوٰۃ
۱۴۹	حرام مال صدقہ کرنا	۱۳۸	ایک سو بیس اونٹ سے زیادہ کی زکوٰۃ	۱۲۸	نیت کی شرط سے مستثنیٰ مال
۱۴۹	زکوٰۃ قبل از وقت نکالنا	۱۳۸	ایک سو پچاس سے اوپر کی زکوٰۃ	۱۲۸	کہاں تجارت کی نیت درست نہیں
۱۴۹	قبل از وقت عشر کی ادائیگی	۱۳۹	دو سو اونٹ سے زیادہ کی زکوٰۃ	۱۲۸	ادائے زکوٰۃ کی نیت
۱۵۰	غریبی زمین کے پھل کا حکم	۱۳۹	زکوٰۃ میں صرف زکوٰۃ کا حکم	۱۲۹	وکیل زکوٰۃ پر تادان
۱۵۰	تغلی کے مال کی زکوٰۃ			۱۲۹	مال زکوٰۃ کے وکیل کے اختیارات

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۱۵۱	شبہ میں عشر	۱۶۰	عشر وصول کر نیوالے کا بیان	۱۵۰	جانور کی زکوٰۃ میں معیار
۱۵۱	پہاڑی اور جنگلی پہاڑوں میں عشر	۱۶۰	عشر کیوں نام رکھا گیا	۱۵۰	میت کے ترکہ میں زکوٰۃ
۱۵۱	عشر کا واجب ہونا	۱۶۰	عشر کے لیے اوصاف	۱۵۰	زکوٰۃ کی وصولی قمری سال سے
۱۵۱	قرضدار، نابالغ اور وقف کی زمین میں عشر	۱۶۰	عشر کی خدمت	۱۵۱	مال کی زکوٰۃ کا بیان
۱۵۱	وہ چیزیں جن میں عشر نہیں	۱۶۱	مال والوں کے عذر کا قبول کرنا	۱۵۱	سونے کا نصاب
۱۵۲	مذکورہ چیزوں میں عشر	۱۶۱	انکار کی صورتیں بسلسلہ چوپایا	۱۵۲	سونے اور چاندی کی قیمت
۱۵۲	{ رہت وغیرہ سے سنبھلی جانے والی زمین میں عشر	۱۶۲	ذمیوں کی رعایت	۱۵۲	{ نصاب میں سونے چاندی کے وزن کا اعتبار ہے قیمت کا نہیں
۱۵۲	عشر اور نصف کل پیداوار میں ہے	۱۶۲	حربی کی بات کا اعتماد	۱۵۲	{ سونے چاندی کے سکے اور سامان میں زکوٰۃ
۱۵۲	تعلیمی سے دو گونہ عشر	۱۶۳	کس سے کتنا لیا جائے گا	۱۵۲	{ سامان تجارت کی زکوٰۃ
۱۵۳	ذمی سے عشر کے بجائے خراج	۱۶۳	نصاب سے کم ہونے کی صورت میں حکم	۱۵۲	{ سامان تجارت کی زکوٰۃ
۱۵۳	زمین کی قسمیں اور ان کا حکم	۱۶۳	حربی کے بچوں سے کچھ نہیں لیا جائے گا	۱۵۳	سامان تجارت کی قیمت
۱۵۳	ذمی کی وہ زمین جو مسلمان نے لی ہو	۱۶۳	پہلا عشر کب ساقط ہوتا ہے	۱۵۳	قیمت لگانے میں فقیر کی رعایت
۱۵۴	مسلمانوں سے کب خراج لینا چاہیے	۱۶۴	کافر کی شراب و مردار کی کھاؤں کی قیمت میں عشر	۱۵۳	مقدار زکوٰۃ
۱۵۴	گھر اور مقبرہ میں خراج نہیں	۱۶۵	خنزیر میں عشر نہیں	۱۵۴	کھوٹ ملی ہوئی چاندی سونے کا حکم
۱۵۵	رال کے چشمے پر خراج اور عشر نہیں	۱۶۵	ایک اشکال کا حل	۱۵۴	آرماءات غالب ہو
۱۵۵	چشمہ کے آس پاس کی زمین میں عشر	۱۶۵	عشر گھر کے مال کا عشر نہیں لے گا	۱۵۴	جب سونا اور چاندی باہم ملے ہوں
۱۵۵	عشر کب لیا جائے گا	۱۶۵	مال بضاعت سے عشر	۱۵۴	نقشہ زکوٰۃ مخلوط سونا چاندی میں
۱۵۵	خراج ادا کرنے سے پہلے کھانا	۱۶۵	مال مضاربہ میں عشر	۱۵۴	{ کب زکوٰۃ لازم ہے کب نہیں
۱۵۶	خراج کی وصولی کیلئے پیداوار رد کرنا	۱۶۵	ماذون سے عشر	۱۵۵	نصاب میں سال کے اول و آخر کا اعتبار
۱۵۶	{ شارح کی طرف سے اضافہ شدہ مسائل	۱۶۵	وصی، غلام مکاتب سے عشر لیا جائیگا	۱۵۶	{ سونا اور چاندی کے ملانے میں قیمت کا اعتبار ہے یا اجزاء کا
۱۵۶	قابل زراعت زمین پر قبضہ اور اس کا عشر	۱۶۶	باغیوں کو دینا کافی نہیں اگر وہ غالب نہیں	۱۵۶	{ صاحبین کے نزدیک سودرہم اور دس دنانیر کی زکوٰۃ
۱۵۶	مغصوبہ زمین کا خراج	۱۶۶	ترمیوں کا عشر	۱۵۶	{ نصاب مشترک کی زکوٰۃ
۱۵۶	بیع بالوفاء والی زمین کا خراج	۱۶۸	دفعینہ کے احکام و مسائل کا بیان	۱۵۷	قرض کی قسمیں اور ان کا حکم
۱۵۷	فروخت کردہ کھیتی کا عشر	۱۶۸	دریائی چیزوں میں خمس	۱۵۸	دین متوسط کی زکوٰۃ
۱۵۷	اجارہ والی زمین کا عشر	۱۶۸	دفعینہ، جس پر اسلامی علامت ہو	۱۵۸	دین ضعیف کی زکوٰۃ
۱۵۷	بنائی والی زمین کا عشر	۱۶۸	علامت کفر والے دفعینہ میں خمس ہے	۱۵۸	قرض والے کا معاف کرنا
۱۵۷	بیت المال سے اپنا حق لینا	۱۶۹	مستامن حربی کے لیے خمس نہیں	۱۵۹	وصول کردہ مہر کی زکوٰۃ
۱۵۸	نا جائز ٹیکس اور ظلم کا دفع کرنا	۱۶۹	دفعینہ کے مشترک طور پر تلاش کرنے والے	۱۵۹	مہر والی چیز سے زکوٰۃ معاف
۱۵۸	حکومت کے ناجائز ٹیکس کی تقسیم	۱۷۰	دارالحرف کے دفعینہ کا حکم	۱۵۹	ستوط زکوٰۃ کے لیے حیلہ
۱۵۸	مالک زمین سے خراج اور عشر نہ لینا	۱۷۱	حریوں کی زمین کا دفعینہ جو مسلمان پالے		
			عشر کے احکام و مسائل کا بیان		

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۲۰۵	عرفہ کاروزہ	۱۹۰	عید کی تقریب سے زکوٰۃ تقسیم کرنا	۱۷۹	باب المصروف
۲۰۵	مکروہ تحریمی و تنزیہی	۱۹۰	اپنی بہن کو زکوٰۃ دینا	۱۷۹	زکوٰۃ اور عشر کے مصارف کا بیان
۲۰۵	دوسرے مختلف روزے	۱۹۰	معلم کا اپنے قائم مقام کو زکوٰۃ دینا	۱۷۹	پہلا مصروف
۲۰۵	نفل کے تحت آنے والے روزے	۱۹۰	زکوٰۃ کی ادائیگی کی ایک صورت	۱۸۰	دوسرا مصروف
۲۰۶	لازم روزوں کے اقسام	۱۹۱	باب صدقة الفطر	۱۸۰	تیسرا مصروف
۲۰۶	نیت کا وقت	۱۹۱	صدقہ فطر کے احکام و مسائل کی تفصیل	۱۸۰	طالب العلم کی زکوٰۃ
۲۰۶	غروب آفتاب کے پہلے کی نیت	۱۹۱	فطر کی مراد	۱۸۰	چوتھا مصروف
۲۰۷	نفل کی نیت سے رمضان کا روزہ	۱۹۱	صدقہ فطر کا وجوب	۱۸۱	مواکفہ القلوب
۲۰۷	رمضان کا روزہ دوسرے واجب کی نیت سے	۱۹۱	فطرہ میں آنحضرت ﷺ کا دستور	۱۸۱	پانچواں مصروف
۲۰۷	مریض اور مسافر کی طرف سے نیت میں غلطی	۱۹۲	فطرہ واجب ہے فرض نہیں	۱۸۱	چھٹا مصروف
۲۰۸	جب مقیم غیر رمضان کی نیت کرے	۱۹۲	صدقہ فطر کی ادائیگی سے پہلے موت	۱۸۱	ساتواں مصروف زکوٰۃ
۲۰۹	کن روزوں کی بات میں نیت ضروری ہے	۱۹۳	صدقہ فطر کن مسلمانوں پر ضروری ہے	۱۸۲	جن کو باوجود مال ہونے کے
۲۰۹	قضا کی نیت دن میں کرنے سے نفل ...	۱۹۳	صاحب نصاب کا حکم	۱۸۲	زکوٰۃ نکالنے کا اختیار
۲۱۰	اگر مطلع صاف ہو چاند نظر نہ آئے	۱۹۴	قدرت کی قسمیں	۱۸۲	شرط تملیک ضروری ہے
۲۱۰	یوم الشک میں نفل میں روزہ	۱۹۴	صدقہ فطر اور حج کا واجب ہونا	۱۸۲	جہاں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا درست نہیں
۲۱۱	معمول کی وجہ سے روزہ	۱۹۴	صدقہ کن لوگوں کی طرف سے ادا ہوگا	۱۸۳	دہرشتے دار جن کو زکوٰۃ دینا درست نہیں
۲۱۱	نیت میں تردد	۱۹۵	جنگی طرف سے فطرہ نکالنا واجب نہیں	۱۸۴	اپنے غلام کو زکوٰۃ دینا درست نہیں
۲۱۲	بھول کر کھالیا پھر روزہ کی نیت کی	۱۹۶	فطرہ کی مقدار	۱۸۴	مالک نصاب کیلئے زکوٰۃ جائز نہیں
۲۱۲	چاند کے سلسلے میں جسکی گواہی نہ مانی جائے	۱۹۷	صدقہ فطر میں نقد دینا	۱۸۴	صاحب مال ضرور تمسک کیلئے زکوٰۃ
۲۱۲	شہادت کے رد ہونے سے پہلے افطار کرنا	۱۹۸	صدقہ فطر کے واجب ہونے کا وقت	۱۸۵	جو جانوروں کے نصاب کا مالک
۲۱۳	رمضان کے چاند میں ایک شخص کی خبر	۱۹۸	فطرہ نکالنے کا مستحب وقت	۱۸۵	ہو اس کے لیے زکوٰۃ جائز نہیں
۲۱۳	عادل کی گواہی	۱۹۹	فطرہ کس کو دے	۱۸۵	مالدار کے غلام کیلئے بھی زکوٰۃ جائز نہیں
۲۱۴	چاند کی گواہی کا اہتمام شہریت میں	۲۰۰	فطرہ کی وصولی	۱۸۵	مالدار کے نابالغ بچوں کے لیے
۲۱۴	عید کے چاند میں اہتمام	۲۰۰	مصارف فطرہ	۱۸۶	سادات کے لیے زکوٰۃ جائز نہیں
۲۱۵	نجو میوں کا قول اور جنتری معتبر نہیں	۲۰۰	زکوٰۃ فطرہ کا فرق	۱۸۶	دیگر انبیاء کرام کے لیے زکوٰۃ
۲۱۵	آسمان صاف ہونے کی صورت مجمع عام کی شرط	۲۰۱	کتاب الصوم	۱۸۶	صدقہ نائلہ اور اوقاف بنو ہاشم کے لیے
۲۱۵	موجودہ دور میں صرف دو شخص کی گواہی	۲۰۱	روزہ کے احکام و مسائل	۱۸۷	کافروں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں
۲۱۶	رمضان و عید کے ثابت ہونے کا ایک طریقہ	۲۰۲	روزہ کی فرضیت	۱۸۷	زکوٰۃ دینے کے بعد مغلوم ہو کہ غیر مستحق ...
۲۱۷	روزہ شہادت سے شروع ہوا تو	۲۰۲	روزہ کا فائدہ	۱۸۸	نصاب برابر کسی مستحق کو زکوٰۃ دینا
۲۱۷	عید کے چاند میں کیا کیا جائے	۲۰۲	روزہ کا سبب	۱۸۸	زکوٰۃ کا ایک شہر سے دوسرے شہر ...
۲۱۷	بقر عید اور دوسرے مہینوں کا چاند	۲۰۳	روزے کی قسمیں	۱۸۸	بد عقیدہ لوگوں کو زکوٰۃ دینا
۲۱۷	دن میں اگر چاند نظر آئے	۲۰۳	نفل روزے	۱۸۹	زنا سے پیدا شدہ بیٹے کو زکوٰۃ دینا
۲۱۸	مطلع کے اختلاف کا اعتبار	۲۰۴	نفل میں داخل قسمیں	۱۸۹	سوال کرنا کب ناجائز ہے
۲۱۸	طریق موجب	۲۰۴	صرف جمعہ کا روزہ	۱۹۰	مستحقین کے باب میں جگہ کا اعتبار

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۲۳۲	نمازوں کا نذیہ	۲۳۰	وہ صورتیں جن میں قضا کیساتھ	۲۱۹	باب مایفسد الصوم
۲۳۳	عبادات ہدنی اور مالی کا بدلہ		کفارہ بھی واجب ہوتا ہے		وما لا یفسدہ
۲۳۳	نذیہ کا وجوب	۲۳۱	واجب ہونے کے خیال سے قصہ اٹھایا		ان چیزوں کا بیان جن سے روزہ
۲۳۴	مہمان و میزبان ہونا طہر ہے	۲۳۱	بچھٹانے والی حدیث	۲۱۹	ٹوٹ جاتا ہے اور جن سے روزہ
۲۳۵	اکر کوئی طلاق کو کسی کے	۲۳۲	روزے کا کفارہ		نہیں ٹوٹتا
	روزہ توڑنے پر مطلق کرے	۲۳۲	روزے کا کفارہ کب	۲۱۹	بھول کر کھاتا پیتا
۲۳۵	عورت کا بلا اجازت شوہر کے ظل روزہ رکھنا	۲۳۳	دو روزوں کا ایک کفارہ	۲۲۰	حلق میں گرد و غبار اور کبھی کا چلا جانا
۲۳۶	مسافر جب مقیم ہو جائے	۲۳۳	رمضان میں طی الاطلاق کھاتا پیتا	۲۲۰	نیل سرمہ اور بچھٹانے کا
۲۳۶	روزہ شروع کرنے کے دن کا روزہ	۲۳۴	روزہ میں سے	۲۲۱	بوسہ، بزم، احتکام وغیرہ
۲۳۶	مسافر کا وطن میں افطار	۲۳۵	قصداً کرتے	۲۲۱	کان میں حیل ڈالنا
۲۳۶	نیت بغیر عمل کا اثر	۲۳۵	بلغم کی تے	۲۲۱	کان - میل لگانا
۲۳۷	ہیام مہی عنہا کے روزوں کی نذر	۲۳۵	دانت میں اچھے ہوئے گوشت کا کھانا	۲۲۱	دانت میں پھنسی ہوئی چیز چھٹانے
۲۳۸	سال بھر کے روزہ کا نیت	۲۳۵	منہ سے ہر کی چیز کھانا	۲۲۲	بعض روزہ چیزیں جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا
۲۳۹	نذر اور قسم کا اجتماع	۲۳۶	حالت روزہ میں کسی چیز کا چھٹنا	۲۲۲	استنجا میں مبالغہ
۲۳۹	شوال کے روزے	۲۳۷	ظن روزہ میں چھٹنا	۲۲۲	بھول کر کھاتا
۲۵۰	نذر میں وقت جگہ اور فقیر کی تعمیر	۲۳۶	گوشت کا چھٹنا	۲۲۳	غیر طبعی طور پر پانی لگانا
۲۵۰	نذر کی وقت معین سے پہلے	۲۳۷	مکروہ افعال	۲۲۳	چوپایہ اور مردہ سے وطی
۲۵۱	نذر کی ادائیگی سے پہلے موت	۲۳۷	حیل اور سرمہ لگانا	۲۲۳	عضو مخصوص میں پانی اور تیل چھٹانا
۲۵۲	کسی کے آنے کے دن روزہ کی نذر	۲۳۷	مسواک کرنا	۲۲۴	چھٹنا اور تھوک کا استعمال
۲۵۲	مہینہ کے روزہ کی نذر	۲۳۸	سحری کھانا	۲۲۴	غلطی سے حلق میں پانی کا جانا وغیرہ
۲۵۲	باب الاعتکاف	۲۳۸	روزوں کے دنوں میں محنت کے کام	۲۲۴	زبردستی منہ میں ڈالنا
۲۵۲	اعتکاف کے احکام و مسائل	۲۳۸	محنت کی وجہ سے افطار	۲۲۵	بھول سے وطی اور کھانا اور احتکام وغیرہ
۲۵۲	اعتکاف کے معنی اعتکاف کیلئے مسجد کا ہونا	۲۳۹	فصل فی العوارض	۲۲۵	بھول کر کھانے کے بعد پھر قصد آکھانا
۲۵۵	مسجد خانہ اور عورت		المبیحة لعدم الصوم	۲۲۵	حقہ اور کان ناک میں تیل وغیرہ ڈالنا
۲۵۵	رکن اور شرائط اعتکاف	۲۳۹	وہ عوارض جن کی وجہ سے رمضان	۲۲۶	بلا نیت رمضان کا روزہ
۲۵۵	اعتکاف کی قسمیں		میں افطار کی اجازت ہے	۲۲۶	رات میں نیت نہیں کی اور صبح میں کھالیا
۲۵۶	روزہ کا شرط ہونا	۲۳۹	نو عوارض کی وجہ سے روزہ افطار کیا جاسکتا ہے	۲۲۶	منہ میں بارش کا پانی یا برف چلا جائے
۲۵۶	صرف رات کا اعتکاف	۲۴۰	حالت سفر اور بیماری میں روزہ	۲۲۷	غیر محل میں وطی کرنا
۲۵۸	مسجد سے لگانا	۲۴۰	قضا شدہ روزوں کی ادائیگی	۲۲۷	غیر رمضان کا روزہ توڑنا
۲۵۸	طبعی ضرورت	۲۴۱	حالت سفر میں روزہ	۲۲۸	گواہوں کی گواہی پر افطار
۲۵۸	شرعی ضرورت	۲۴۱	معذورین کی طرف سے نذیہ	۲۲۸	روزہ نہ ہونے کے باوجود نہ کھاتا پیتا
۲۵۸	اعتکاف کی قضا	۲۴۱	نذیہ کا وجوب	۲۲۹	کچھ نہ کھانے پینے والے پر قضا
۲۵۸	اعتکاف کا قاسد ہونا	۲۴۲	دلی کا بطور احسان نذیہ ادا کرنا	۲۲۹	مقیم ہونے والے مسافر وغیرہ کا روزہ رکھنا
۲۵۹	اعتکاف کیلئے اجازت	۲۴۲	میت کی طرف سے کفارہ کی ادائیگی	۲۳۰	تابالغ پر روزہ

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۲۸۵	مطر کپڑے کا استعمال	۲۷۳	نکری ماسنے اور نمونڈوانے میں ترتیب	۲۵۹	خاموشی اختیار کرنا
۲۸۵	عسل کی اجازت	۲۷۳	طواف زیارت	۲۶۰	کلام خیر کی اجازت
۲۸۶	عسل کا کمرے باندھنا	۲۷۳	سر منڈوانا	۲۶۰	وہ افعال جن سے احتکاف باطل ہوتا ہے
۲۸۶	سر منہ وغیرہ کی اجازت	۲۷۴	واجبات کیلئے قاعدہ کلیہ	۲۶۰	جن کا مونس سے احتکاف باطل نہیں ہوتا
۲۸۶	تلبیہ کا اتمام	۲۷۴	آداب حج	۲۶۱	ایام کی نذر
۲۸۶	کہ نکرہ میں داخلہ کے آداب	۲۷۴	بوقت روانگی مدقہ و غیرات	۲۶۱	جنوں وہے ہوئی
۲۸۶	بیت اللہ پر نگاہ پڑنے وقت کی دعاء	۲۷۴	بال طلال کا اتمام اور استکارہ	۲۶۲	شب قدر
۲۸۷	پہنچنے پر طواف	۲۷۵	سنن حج	۲۶۲	ائمہ کے اختلاف کا اثر
۲۸۷	چمر اسود کو بوسہ	۲۷۵	منوعات حج	۲۶۳	کتاب الحج
۲۸۷	استیلام کا طریقہ	۲۷۵	حج کے مہینے	۲۶۵	حج کی فریبت
۲۸۸	طواف کی ابتدا	۲۷۵	حج کے مہینوں سے پہلے احرام	۲۶۵	حج عمر میں صرف ایک بار فرض ہے
۲۸۹	طواف سے پہلے چادر رکھنے کا طریقہ	۲۷۵	عمرہ	۲۶۵	حج کے اقسام
۲۸۹	طواف میں شوط کی تعداد	۲۷۶	افعال عمرہ	۲۶۵	بے اداسی کے لڑکے کو حج سے روکنا
۲۸۹	طواف کی جگہ	۲۷۶	سال کے پانچ دنوں میں عمرہ مکروہ	۲۶۶	حج کی فردہ
۲۸۹	بیت اللہ کا نقشہ	۲۷۶	حج کے مواقیف	۲۶۶	حج کی لواحقین میں تاخیر
۲۹۰	بعض مسائل طواف	۲۷۷	مواقیف کی تفصیل دو اہلحدیث	۲۶۶	حج کی لواحقین کے شرائط
۲۹۰	رمل	۲۷۷	ذات عرق	۲۶۷	کن لوگوں پر حج فرض ہے
۲۹۱	رمل کا بھول جانا	۲۷۸	باہر آنے والے کیلئے احرام	۲۶۷	زادہ اور سوار
۲۹۱	رمل کہاں تک	۲۷۸	حل میں آنے والے	۲۶۷	پیدل حج کرنا
۲۹۱	طواف کی وجہ	۲۷۸	میقات سے پہلے احرام	۲۶۸	حج کیلئے دوسرے کا عطیہ قبول کرنا
۲۹۲	ملتزم سے چھٹنا	۲۷۸	اندرون مواقیف	۲۶۸	ضروریات زندگی کا لحاظ
۲۹۲	سعی بین الصفا والردہ	۲۷۹	حرم والے کامیقات	۲۶۹	تاوانیسی بال بچوں کا نفقہ
۲۹۲	سعی کے بعد دو گانہ	۲۷۹	عمرہ کا احرام تنہیم سے	۲۶۹	راستہ کا پر امن ہونا
۲۹۲	عمرہ کے بعد قیام مکہ	۲۷۹	فصل فی الاحرام	۲۶۹	عورت کیلئے محرم کا ساتھ ہونا
۲۹۳	طواف کی کثرت	۲۸۰	احرام سے متعلق احکام و مسائل	۲۷۰	محرم کے اوصاف
۲۹۳	ایام حج میں خطبات	۲۸۰	حج کی اہمیت	۲۷۰	محرم نہ آنے کی صورت میں شادی
۲۹۳	منی میں	۲۸۰	آداب احرام	۲۷۰	شوہر کا اختیار
۲۹۳	عرفات کو	۲۸۱	تہ بند اور چادر	۲۷۰	نابالغ کا حج
۲۹۳	جمع بین الصلوٰتین کیلئے دو شرطیں	۲۸۳	احرام کا درست ہونا	۲۷۱	نابالغ کا احرام کے بعد بالغ ہو جانا
۲۹۵	میدان عرفات میں دعاء	۲۸۳	احرام کے بعد کفریہ	۲۷۲	حج کے فرائض
۲۹۶	مقامات مقبولیت	۲۸۴	خوشبو وغیرہ سے پرہیز	۲۷۲	حج کے واجبات
۲۹۷	مزدلفہ کو	۲۸۴	بال کاٹنے سے پرہیز	۲۷۲	طواف کی ابتدا
۲۹۷	قیام مزدلفہ	۲۸۵	سے ہوئے کپڑے کا استعمال	۲۷۳	نجاست کی پاکی
۲۹۸	راستہ میں نماز کی اجازت نہیں	۲۸۵	عمامہ اور ٹوپی کا استعمال	۲۷۳	دم اور دو گانہ

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۳۲۲	طواف صدر اور دم	۳۰۹	عورتوں کیلئے احکام حج	۲۹۸	مغرب و عشاء کی نماز مرد لفظ میں
۳۲۲	دم کا وجوب	۳۰۹	عورتوں کیلئے رعایت	۲۹۹	نماز مغرب و عشاء راستہ میں کب جائز ہے
۳۲۳	سر کا منڈانا اور دم	۳۱۰	خشی مشکل	۲۹۹	مرد لفظ میں نمازوں کے اندر ترتیب
۳۲۳	بوسہ اور منی وغیرہ میں دم	۳۱۰	حیض آنا	۲۹۹	عشاء میں وقت مغرب کی لواٹگی اور...
۳۲۳	افعال حج میں تقدیم و تاخیر	۳۱۰	باب القرآن	۲۹۹	عشرہ اول ذی الحجہ کی فضیلت
۳۲۴	دودم	۳۱۱	قرآن کے احکام و مسائل	۳۰۰	قیام مرد لفظ
۳۲۴	جنایت پر صدقہ	۳۱۱	قرآن کا طریقہ	۳۰۰	منی کی طرف روانگی
۳۲۴	صدقہ روزہ اور دم	۳۱۲	پہلے عمرہ کی ادائیگی	۳۰۰	جمرات پر کتکریاں مارنا
۳۲۵	حج کا فاسد ہونا	۳۱۲	عمرہ کے بعد حج	۳۰۱	تبلیہ کب بند کرے گا؟
۳۲۵	فاسد حج کی قضاء	۳۱۲	قربانی	۳۰۱	رمی کن چیزوں سے جائز ہے
۳۲۶	میاں بیوی جن کا حج فاسد ہو گیا ہو	۳۱۲	قربانی نہ کرنے کی صورت میں روزے	۳۰۱	کتکریاں کہاں لینا چاہیے
۳۲۶	قیام عرفہ کے بعد جماع	۳۱۳	روزے نہ رکھنے کی صورت میں	۳۰۲	حج مقبول کی ایک علامت
۳۲۶	فساد عمرہ	۳۱۳	قیام عرفات سے پہلے عمرہ کا طواف	۳۰۲	مکروہ طریقہ
۳۲۷	شکار کی حرمت	۳۱۴	باب التمتع	۳۰۲	کتکری مٹر کے برابر ہو
۳۲۷	محرم مضطر	۳۱۴	حج کی دوسری قسم تمتع کا بیان	۳۰۲	رمی کا وقت
۳۲۷	حالت اضطرار	۳۱۴	حج کا احرام	۳۰۳	قربانی
۳۲۷	شکار کی جزا	۳۱۵	روزہ بجائے قربانی	۳۰۳	بال کٹانا
۳۲۸	دو کے شرط ہونے کی وجہ	۳۱۵	قربانی کا جانور ساتھ لے جانا	۳۰۳	منوع چیزوں کا حلال ہونا
۳۲۸	غیر ماکول اللحم کا شکار	۳۱۶	مکی کیلئے قرآن اور تمتع نہیں	۳۰۳	طواف زیارت
۳۲۸	قربانی، صدقہ اور روزہ میں اختیار	۳۱۷	باب الجنایات	۳۰۴	عورت کا حلال ہونا
۳۲۹	کھانا کھانے کا طریقہ	۳۱۷	حج کی جنایات کا بیان	۳۰۴	طواف زیارت لیام نحر کے بعد
۳۲۹	تاوان کی رقم کسی کو نہ دیجائے	۳۱۷	کفارہ کا وجوب	۳۰۴	منی کی طرف
۳۳۰	شکار کے زخم کا تاوان	۳۱۸	مہندی کا خضاب	۳۰۵	جمرہ پر ٹھہرنا
۳۳۰	پاؤں کاٹنے اور پر نوچنے کا بدلہ	۳۱۸	روغن کا استعمال	۳۰۵	دوسرے دن رمی جمرات
۳۳۰	انڈے کا تاوان	۳۱۹	دم کا واجب ہونا	۳۰۵	رمی کے وقت پیدل اور سوار ہونا
۳۳۰	غیر محرم کا شکار کرنا	۳۱۹	ایک دم سے زیادہ دم	۳۰۶	محبس میں اترنا
۳۳۰	دودھ اور گھاس کا حکم	۳۲۰	سب کے تعدد سے دم کا تعدد	۳۰۶	طواف صدر
۳۳۱	کس طرح کے درخت میں صدقہ	۳۲۰	دم اور صدقہ	۳۰۷	طواف میں نیت
۳۳۱	کٹے ہوئے درخت اور پتے کا حکم	۳۲۱	ایک چوتھائی میں دم	۳۰۷	طواف وداع کے بعد نماز
۳۳۱	درخت میں اعتبار جز کا ہے	۳۲۱	حالت جنابت میں طواف یا بے وضو	۳۰۷	ز مزم پینے کا طریقہ
۳۳۲	اڑنے کی جگہ کا اعتبار	۳۲۱	عمرہ کی جنایت	۳۰۷	تعلیم کعبہ
۳۳۲	کھڑے ہوئے شکار	۳۲۱	عرفات میں دم کی صورت	۳۰۸	قیام عرفات
۳۳۲	سوئے اور لیٹے ہوئے جانور	۳۲۲	طواف فرض میں دم	۳۰۸	ایک مسئلہ
۳۳۲	شکار کرنے والا	۳۲۲	طواف زیارت اور دم	۳۰۸	عرفات میں بلا علم ٹھہرنا

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۳۵۷	واپسی اور فاضل مال	۳۴۳	عمرہ کے بعد عمرہ کا احرام	۳۳۳	حرم کا اثداء، ٹڈی اور ذبح کا حکم
۳۵۷	حج بدل والے سے حج سے پہلے مال کی...	۳۴۴	آقائی کے یکے بعد دیگرے حج اور عمرہ...	۳۳۳	جوں مارنے کی جزا
۳۵۷	وصی کا حج بدل میں جانا	۳۴۴	حج کے بعد یوم النحر میں عمرہ کا احرام	۳۳۴	جوں کی طرف اشارہ
۳۵۷	حج بدل کرنے والے پر الزام	۳۴۴	حج فوت ہونے والے کا احرام حج و عمرہ	۳۳۴	کوئے کا قتل
۳۵۸	باب الہدی	۳۴۵	باب الاحصار	۳۳۴	چیل، بچھو وغیرہ
۳۵۸	قربانی کا جانور ذبح کیلئے حرم میں	۳۴۵	کسی رکن کی ادائیگی سے رکنا	۳۳۴	مچھر چیونٹی اور کتے کا قتل
۳۵۸	لے جایا جائے اس سے متعلق	۳۴۶	جب حج کا سفر عذر کی وجہ سے نہ کر سکے	۳۳۵	حشرات الارض کا حکم
۳۵۸	احکام و مسائل	۳۴۶	جانور یوم النحر سے پہلے ذبح ہو سکتا ہے	۳۳۵	حملہ آور جانور کا قتل
۳۵۸	ہدی کا جانور	۳۴۶	ذبح نہ ہونے کی صورت میں	۳۳۵	پالتو جانور ذبح کرنا
۳۵۸	اونٹ، گائے میں سات کی شرکت	۳۴۷	حلال ہونے والے حج کی قضا	۳۳۵	غیر محرم کا شکار محرم کیلئے
۳۵۹	ہدی والے ذبیحہ کا گوشت	۳۴۷	جب عذر زائل ہو جائے	۳۳۵	غیر محرم پر صدقہ
۳۵۹	ہدی کے گوشت کا صدقہ	۳۴۷	وقوف عرفات کے بعد احصار نہیں	۳۳۶	حرم میں داخلہ کی وقت شکار کا آزاد کرنا
۳۶۰	ہدی کے نقصان پر ضمان	۳۴۸	باب الحج عن الغیر	۳۳۶	خریدے ہوئے شکار کا حکم
۳۶۱	کب ہدی کی شہرت کی جائے	۳۴۸	حج بدل کا بیان	۳۳۷	محرم نے جس جانور کو چھوڑ دیا
۳۶۱	وقوف عرفات کے بعد کی گواہی	۳۴۹	عبادت مالیہ میں نیابت	۳۳۷	شکار کا بیچنا
۳۶۱	وقوف عرفات سے پہلے گواہی	۳۴۹	عبادت بدنیہ	۳۳۷	دوسرے کا شکار کو آزاد کرنا
۳۶۱	رہی بھرات	۳۵۰	مرکب عبادت مالیہ و بدنیہ	۳۳۸	حرم کا شکار
۳۶۲	پیدل حج کی منت	۳۵۰	حج میں نیابت کی شرائط	۳۳۸	شکار کی ملکیت وراثت
۳۶۲	مسجد نبوی تک پیدل چلنے کی نذر	۳۵۰	تندرست کا حج بدل کرنا	۳۳۸	پکڑے کوئی اور مار ڈالے کوئی
۳۶۲	احرام والی عورت سے نکاح	۳۵۱	حج بدل کا حکم دینا	۳۳۸	تاوان نہ لینے کی صورت
۳۶۲	بیوی کو نفل حج کی اجازت کے بعد روکنا	۳۵۱	حج بدل کے اخراجات	۳۳۹	جنایت کے قارن پر دودم
۳۶۳	مالدار اور فقیر کا حج	۳۵۱	حج نفل میں نیابت	۳۳۹	قارن متمتع پر صدقہ
۳۶۳	حج اور والدین کی خدمت	۳۵۱	حج بدل سے آمر کے فریضہ کی ادائیگی	۳۳۹	دو محرم ایک شکار کرے
۳۶۳	حج نفل اور سرائے و مسافر خانہ	۳۵۲	حج بدل کا تذکرہ احادیث میں	۳۳۹	محرم کے شکار کا بیچنا
۳۶۳	حج اور صدقہ	۳۵۳	حج بدل کرنے والے کا اپنی جگہ...	۳۴۰	ہرنی اور اس کے بچہ کی ہلاکت کی جزا
۳۶۳	جمعہ کے دن وقوف عرفہ کی فضیلت	۳۵۴	اپنی طرف سے حج بدل	۳۴۰	حرم سے ہرن کو نکالنے کا فریضہ
۳۶۳	جب عشاء اور وقوف عرفات....	۳۵۴	حج بدل والد کی طرف سے	۳۴۰	میقات کے آگے جا کر احرام باندھنا
۳۶۳	حج سے گناہ کبیرہ کی معافی کا سوال	۳۵۴	دو شخصوں کی طرف سے حج بدل	۳۴۱	میقات سے بڑھ کر پھر واپس آنا
۳۶۵	ابن ماجہ کی حدیث پر اشکال اور....	۳۵۴	بطور احسان والدین کی طرف سے حج بدل	۳۴۱	کلی کا حل سے احرام باندھنا
۳۶۵	بیت اللہ کے اندر جانا	۳۵۵	والدین کی طرف سے حج کی فضیلت	۳۴۱	آقائی کا میقات میں بلا احرام آنا
۳۶۵	ایک غلط بات کی تردید	۳۵۵	دارث کا حج بدل کرنا	۳۴۲	بلا احرام مکہ میں داخل ہونے سے حج...
۳۶۵	غلاف کعبہ	۳۵۵	دم کے اخراجات	۳۴۲	میقات سے آگے بڑھ کر عمرہ کا احرام
۳۶۶	غلاف کعبہ کا استعمال	۳۵۵	حج بدل کر نیوالے کا حج کو فاسد کرنا	۳۴۲	جو کی عمرہ کے طواف کے بعد حج کا...
۳۶۶	حرم میں قتل کی ممانعت	۳۵۶	حج بدل والے کی موت یا مال کی چوری	۳۴۳	ایک حج کے بعد یوم النحر میں دوسرے...

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۳۹۲	دو محرم عورتوں کا جمع کرنا	۳۸۰	گواہوں کے سلسلہ میں قاعدہ کلیہ	۳۶۶	آپد محرم اور حرم کی مٹی کا استعمال
۳۹۲	جمع کی حرمت کا قاعدہ	۳۸۰	مجلس نکاح میں باپ کی موجودگی	۳۶۶	مدینہ میں حرم نہیں
۳۹۳	لوٹڈی کی بہن سے نکاح	۳۸۱	حکم کرنے والے کیلئے قاعدہ	۳۶۶	انضیاء تک اور روضہ اطہر
۳۹۳	وطی صرف ایک سے	۳۸۲	خبر دینے سے نکاح نہیں ہوتا	۶۶	کعبہ کی فضیلت
۳۹۴	دو سگی بہنوں یا دو محارم کا جمع کرنا	۳۸۲	عورت کے باپ کے نام میں غلطی کا اثر	۳۶۷	روضہ آنحضرت ﷺ کی زیارت
۳۹۴	مہر کی بحث	۳۸۳	نکاح سے پہلے تفویض طلاق درست نہیں	۳۶۷	مدینہ اور مکہ کا قیام
۳۹۵	اپنی لوٹڈی اور اپنی آقا عورت سے...	۳۸۳	موکل کو اختیار	۳۶۷	حضرت عبداللہ بن عباس کا عمل
۳۹۵	بت پرست عورت سے نکاح کی حرمت	۳۸۳	فصل فی المحرمات	۳۶۸	قیام مدینہ منورہ
۳۹۵	اہل کتاب عورت سے نکاح		ان عورتوں کا بیان جن سے مرد	۳۶۸	انعام
۳۹۵	اہل کتاب کا زیچہ	۳۸۴	کیلئے نکاح شرعاً درست نہیں	۳۶۸	ن کی تفصیل
۳۹۶	محترکہ عورت سے نکاح	۳۸۴	اسباب حرمت نکاح	۳۷۰	زیارت روضہ اطہر ﷺ
۳۹۶	صابیہ اور ستارہ پرست سے نکاح	۳۸۵	رشتے جن سے نکاح درست ہے	۳۷۱	کتاب النکاح
۳۹۶	آگ کے پجاری سے نکاح	۳۸۵	رہیمہ کی حرمت	۳۷۱	نکاح کا بیان
۳۹۶	حالت احرام میں نکاح	۳۸۵	بیوی کی سگی ماں وغیرہ کی حرمت	۳۷۱	جمع کے بعد نکاح کی بحث
۳۹۶	لوٹڈی کے ساتھ نکاح	۳۸۶	باپ دادا کی منکوحہ	۳۷۱	نکاح کی تعریف
۳۹۷	لوٹڈی کے نکاح میں ہوتے ہوئے...	۳۸۶	دودھ کا رشتہ	۳۷۲	لفظ نکاح کی وضع
۳۹۷	ایک صورت کا جواز	۳۸۶	باپ کا موطوہ لوٹڈی سے وطی جائز نہیں	۳۷۲	طلاق مغلطہ میں وطی کی شرط
۳۹۷	لوٹڈی اور آزاد عورت سے ایک...	۳۸۷	مزنہ کی ماں اور دادی نانی کی حرمت	۳۷۳	نکاح کب واجب ہے کب تک فرض
۳۹۷	بیک وقت کتنی عورتیں رکھ سکتا ہے	۳۸۷	عورت کا شہوت کے ساتھ مرد کو چھونا	۳۷۳	نکاح حرام و مکروہ و مباح
۳۹۷	زیادہ لوٹڈیوں پر اعتراض	۳۸۷	قابل اعتبار شہوت	۳۷۳	نکاح کا طلاق
۳۹۷	غلام اور آزاد کیلئے عورت کی تعداد	۳۸۸	شہوت کی مقدار	۳۷۴	نکاح کا انعقاد
۳۹۷	حاملہ من الزنا سے نکاح اور وطی	۳۸۸	انزال کی صورت میں	۳۷۵	مجلس نکاح
۳۹۹	زانی کی زانیہ سے نکاح کے بعد وطی...	۳۸۸	سالی کے ساتھ وطی کرنا	۳۷۵	نکاح بذریعہ کتابت
۳۹۹	حاملہ لوٹڈی اور ام ولد کا نکاح	۳۸۸	حرمت کی شرط	۳۷۵	صرف اقرار سے نکاح
۳۹۹	موطوہ لوٹڈی سے نکاح اور وطی...	۳۸۹	تا بالغہ بیوی کی لڑکی سے نکاح	۳۷۶	پورے ایجاب کا قبول
۳۹۹	غیر زانی کا زانیہ سے نکاح	۳۸۹	مرد میں شہوت کا ہونا	۳۷۶	قبول کا ایجاب کے مطابق ہونا
۴۰۰	بدکار عورت کو طلاق	۳۹۰	بیوی کی ماں کا بوسہ لینا	۳۷۷	نکاح مطلق اور منسوب مستقبل
۴۰۰	حلال و حرام عورت سے ایک ساتھ نکاح	۳۹۰	شہوت کا شرط ہونا	۳۷۷	ایجاب قبول کے معنی جاننا
۴۰۰	نکاح متعہ	۳۹۰	جوان لڑکی کا بوسہ	۳۷۸	لفظ بہہ وغیرہ سے نکاح
۴۰۰	نکاح موقت	۳۹۱	حرمت مصاہرت سے نکاح پر اثر	۳۷۸	مردن غلط الفاظ سے نکاح
۴۰۰	نکاح نہاریات	۳۹۱	شہوت سے شرعاً مکروہ کھنا	۳۷۹	بغیر بولے ہوئے عمل سے نکاح
۴۰۱	غلط طور پر نکاح ثابت کرنا	۳۹۱	بیوی کا دعویٰ	۳۷۹	گواہوں کا ہونا
۴۰۱	قاضی کے فیصلہ کے بعد وطی	۳۹۱	رخساروں اور لیوں کا بوسہ	۳۷۹	گواہوں کیلئے شرائط
۴۰۲	شہوت پاکر قاضی کا فیصلہ طلاق	۳۹۲	گواہی قبول کب ہوگی	۳۷۹	قاسق وغیرہ کی گواہی

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۴۲۶	مہر مثل سے کی پرولی کو حق اعتراض	۴۱۳	نا بالغ لڑکے، لڑکیوں کے ولی کو اختیار	۴۰۲	نکاح مطلق
۴۲۶	بیوی کا مہر	۴۱۴	باپ دلو کے علاوہ ولیوں کا کیا ہوا نکاح	۴۰۲	نکاح میں شرط فاسد
۴۲۷	وکیل کا کتر سے نکاح کرنا جائز نہیں	۴۱۴	لڑکی بالغ اور لڑکا نا بالغ	۴۰۲	معلق نکاح اور مشروط بشرط فاسد نکاح...
۴۲۸	موکل کی مخالفت کی صورت	۴۱۵	جدائی منجانب بیوی	۴۰۳	موجود چیز پر معلق کرنا
۴۲۸	غائب کے قبول پر ایجاب کا موقوف ہونا	۴۱۵	جدائی منجانب شوہر	۴۰۳	باب الولی
۴۲۸	طرفین کا ذمہ دار ایک شخص	۴۱۵	جدائی کے بعد مہر کی ادائیگی	۴۰۴	ولی نکاح کی تعریف اور اس سے متعلق...
۴۲۹	اجازت پر موقوف	۴۱۶	طلاق سے جدائی	۴۰۴	ولایت کی تعریف اور اسباب
۴۲۹	چچا اور بھائی کا بحیثیت ولی نکاح کرنا	۴۱۶	قضائے قاضی	۴۰۴	ولایت مستحب
۴۲۹	بالغ سے اجازت	۴۱۷	مسئلہ باکرہ کا خیال بلوغ	۴۰۴	ولایت اجبار
۴۲۹	وکیل کا خلاف ورزی کرنا	۴۱۸	تفصیل اولیاء نکاح	۴۰۴	آزاد عاقل و بالغ پر ولایت اجبار نہیں
۴۳۰	وکیل کا اپنی ذات سے موکلہ کی شادی...	۴۱۸	سبب عام	۴۰۵	ولی کو حق اعتراض
۴۳۰	نکاح فضولی کے بعد فضولی کی موت	۴۱۸	کافر کی ولایت	۴۰۵	نسخ نکاح
۴۳۰	وکیل کا موکل کی خلاف ورزی	۴۱۸	عصبہ نہ ہونے کی صورت میں حق...	۴۰۵	نسخ نکاح کی مدت
۴۳۰	پیام لے جانے والے کا حکم	۴۱۹	ولایت نانا کے بعد	۴۰۵	غیر کفو میں شادی
۴۳۱	باب المہر	۴۱۹	ولایت نکاح بار شاہ اور قاضی کو	۴۰۶	مطلقہ شہد کا غیر کفو میں شادی کرنا
۴۳۱	مہر کا بیان	۴۱۹	شارح کی طرف سے اضافہ شدہ...	۴۰۶	قریب ترین ولی کا حق
۴۳۱	مہر کی کم از کم مقدار	۴۱۹	چند جزئیات	۴۰۶	جس عورت کا کوئی ولی نہ ہو
۴۳۱	دس درہم کا وزن	۴۲۰	ولی اقرب کے نہ ہونے کی صورت میں	۴۰۶	ولی کی رضامندی
۴۳۱	قیمت لگانے میں قبضہ کے دن کا اعتبار	۴۲۰	ولی البعد کا حق ولایت	۴۰۷	عورت بالغ کی رضامندی کی صورت میں
۴۳۲	پورا مہر کب لازم ہوتا ہے	۴۲۱	ولی اقرب کے انکار کے بعد ولایت...	۴۰۷	جب ولی متعدد ہوں تو نکوت اجازت نہیں
۴۳۳	وطی سے پہلے طلاق	۴۲۱	پاگل عورت کا ولی	۴۰۷	اجازت سے پہلے نکاح
۴۳۳	طلاق اور مہر	۴۲۱	دوسرے کا اقرار	۴۰۸	عورت اور وارثین شوہر میں اختلاف
۴۳۴	مہر کے بدلے بیوی کی خدمت	۴۲۲	ولی کے اقرار کا نفاذ	۴۰۸	ولی کا اپنے ساتھ نکاح کر لینا
۴۳۴	تعلیم قرآن کی صورت میں مہر	۴۲۲	باب الکفاء	۴۰۸	نکاح کی دیگر صورتیں
۴۳۴	غلام شوہر کا بیوی کی خدمت کرنا	۴۲۲	میاں بیوی میں برابری	۴۰۹	معلوم ہونے کے بعد اجازت طلبی
۴۳۵	بے مہر نکاح	۴۲۲	کفایت کا اعتبار اور اس کا وقت	۴۰۹	بوقت طلب اجازت مقدار مہر کا بتانا
۴۳۵	مہر مثل کے وجوب کی صورت	۴۲۳	کفایت ولی کا حق ہے	۴۰۹	بالغ کے رد برو نکاح کرنا
۴۳۶	حتہ کا استحباب	۴۲۳	دو پشت کا اسلام	۴۰۹	۳۷ مسائل میں خاموشی بولنے...
۴۳۶	مہر قضا کا قاضی	۴۲۳	ذمیوں میں کفایت	۴۱۱	غیر ولی کی اجازت طلبی پر باکرہ کیلئے بولنا
۴۳۷	بعد عقد مہر نہیں پاس میں اضافہ	۴۲۳	کفایت مال میں	۴۱۱	دلالت حال سے رضا کا اظہار
۴۳۷	مہر کا معاف کرنا	۴۲۵	کفایت کا اعتبار ابتدائے نکاح میں ہے	۴۱۲	بکارت کے زائل ہونیکے بعد باکرہ کا حکم
۴۳۷	خلوت صحیحہ بحکم وطی	۴۲۵	عجمی و عربی ہم کفو نہیں	۴۱۲	میاں بیوی کے اختلاف کی صورت
۴۳۷	مانع حسی	۴۲۵	حنفی و شافعی ہم کفو ہیں	۴۱۳	قریب البلوغ کے قول کا اعتبار
۴۳۸	کاث کھانے والا کاث	۴۲۶	کفایت میں دیہات یا شہر اور حسن...	۴۱۳	شوہر و بیوی کے اختلاف کی صورت

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۴۷۱	فتح نکاح کا اختیار	۴۵۴	جب مہر مؤجل ہو	۴۳۸	خلوت کی جگہ کا مناسب ہونا
۴۷۱	حق مہر	۴۵۴	ہدیہ جو بیوی کو دیا	۴۳۸	روزے جو خلوت کے لئے مانع بنتے...
۴۷۲	بچہ کا نسب	۴۵۵	منگنی میں بھیجی جانے والی چیزیں	۴۳۹	خلوت بحکم وطی ثبوت نسبت اور تکمیل...
۴۷۳	باپ کی جگہ دادا	۴۵۶	جہیز کا سامان واپس نہیں لے سکتا	۴۳۹	خلوت سے عدت وغیرہ کا وجوب
۴۷۳	باپ کا نکاح بیٹے کی لونڈی سے	۴۵۷	جہیز کی واپسی کی صورت	۴۳۹	خلوت سے احکام پر اثر
۴۷۴	ایجاب کے بعد قبول کی شرط	۴۵۷	شوہر سے لی ہوئی رقم	۴۴۰	جہاں خلوت بحکم وطی نہیں
۴۷۴	حق ولاء	۴۵۷	سامان جہیز میں اختلاف	۴۴۰	خلوت اور مسئلہ رجعت
۴۷۴	باب نکاح الکافر	۴۵۷	سامان جہیز میں ہاں کا حق	۴۴۱	مسائل جن میں خلوت وطی کے حکم...
۴۷۵	کافروں کے نکاح کا بیان	۴۵۸	باپ کا سامان بیٹی کے جہیز میں	۴۴۱	میاں بیوی میں اختلاف کی صورت
۴۷۵	کافروں کی وراثت	۴۵۸	نقدی کا مطالبہ	۴۴۲	خلوت صحیحہ
۴۷۶	تفریق کب ہوگی	۴۵۹	کافرہ کے مہر میں خنزیر و شراب	۴۴۲	مسئلہ مہر اور قبل وطی طلاق
۴۷۷	دو کافر میاں بیوی میں ایک مسلمان ہونا	۴۶۰	حد یا مہر	۴۴۳	مہر کی کمی زیادتی شرط
۴۷۷	شوہر مسلمان ہو اور بیوی کتیبہ	۴۶۰	بکارت زائل کرنے کا بدلہ	۴۴۳	مہر مثل کا وجوب
۴۷۸	عدت کب گزارے گی	۴۶۰	نابالغہ شوہر کے حوالہ کب ہوگی	۴۴۴	خوبصورتی و بد صورتی کے معیار پر مہر
۴۷۹	میاں بیوی میں سے کسی کا مرتد ہونا	۴۶۰	عورت بھگانے والے کی سزا	۴۴۴	شیبہ اور باکرہ ہونے پر مہر
۴۸۰	مرتدہ کی سزا	۴۶۱	باب نکاح الرقیق	۴۴۴	مہر دو مختلف چیزوں کا نام
۴۸۱	دونوں میاں بیوی کا مرتد ہونا	۴۶۲	غلام کے نکاح کا بیان	۴۴۵	دخول سے پہلے طلاق اور متعہ
۴۸۲	اولاد، ماں باپ میں مسلمان کے تابع...	۴۶۲	غلام کا نکاح کون کر سکتا ہے	۴۴۵	مہر میں حیوان اور مجہول الجنس
۴۸۲	کافروں کی تقسیم و درجہات	۴۶۲	شوہر کی فرد خنکی مہر و نفقہ میں	۴۴۶	نکاح فاسد میں مہر مثل
۴۸۳	نابالغہ کے باپ کا اثر	۴۶۳	لونڈی کا نکاح	۴۴۶	مہر معین اور مہر مثل
۴۸۳	مرتد سے نکاح جائز نہیں	۴۶۳	طلاق رجعی کا حکم	۴۴۷	نکاح فاسد میں عدت
۴۸۴	باب القسم	۴۶۳	آقا کو غلام کی اجازت	۴۴۷	نسب کا ثبوت
۴۸۴	بیویوں میں مساوات کا قائم رکھنا	۴۶۵	قرض دار غلام کو نکاح کی اجازت	۴۴۸	مہر مثل شرعی
۴۸۵	بیوی کے ساتھ وطی	۴۶۵	لڑکی کی شادی مکاتب غلام سے	۴۴۹	مہر مثل میں نصاب شہادت
۴۸۵	تقسیم شب میں مساوات	۴۶۶	لونڈی کی شادی	۴۴۹	اجنبی خاندان کا اعتبار
۴۸۶	عدم مساوات کی سزا	۴۶۶	لونڈی کا نفقہ	۴۴۹	ولی کی ضمانت
۴۸۶	سفر میں شوہر کو اختیار	۴۶۷	لونڈی اور غلام کی شادی	۴۵۰	حق مطالبہ
۴۸۷	رات میں مساوات ضروری	۴۶۸	مہر کا ساقط ہونا	۴۵۰	مہر معجل کی وصولی کیلئے عورت کو حق
۴۸۷	شوہر کو اختیار	۴۶۹	استقاط حمل	۴۵۱	مہر مؤجل کا حکم
۴۸۸	اختیار کے حدود	۴۶۹	عزل کے باوجود حمل	۴۵۱	روکنے کے زمانہ کا نفقہ
۴۸۸	رات میں کام کرنے والا شوہر	۴۷۰	حق مہر	۴۵۱	بیوی کے مخصوص حقوق
۴۸۸	بیوی پر اطاعت	۴۷۰	خیار حق کا معلوم نہ ہونا	۴۵۲	عورت کو سفر میں بیجانا
۴۸۸	باپ کا حق	۴۷۰	خیار عتیق میں قضائے قاضی....	۴۵۳	مہر میں اختلاف کے وقت حکم
۴۸۸	شوہر کی رعایت	۴۷۱	بلا اجازت نکاح	۴۵۳	مہر میں اختلاف بعد طلاق

صحت کے زمانے کی نماز حالت بیماری میں البتہ مریض اپنی صحت کی حالت میں قضا شدہ نماز کو اپنے مرض میں جس طرح پڑھنے پر قدرت رکھتا ہو گا اسی طرح ادا کرے

گاہی حالت صحت کی نماز قضا ہوئی تھی اب اگر اس نماز کو بیماری کے زمانے میں بیٹھ کر پڑھے گا تو بوجہ عذر اس کی یہ نماز جائز ہوگی لیکن اگر حالت بیماری کی قضا شدہ نماز حالت صحت میں بیٹھ کر پڑھے گا تو درست نہیں ہوگی کیونکہ اس وقت اسکو کوئی عذر نہیں ہے۔

فروع سافر السلطان قصر تزوج المسافر ببلد صار مقيماً على الاوجه طهرت الحائض و بقى لمقصدها يوما تتم فى الصحيح و كسبى بلغ بخلاف كافر اسلم عد مشترك بين مقيم و مسافر ان تهائيا قصر فى نوبة المسافر و الا يفرض عليه القعود الاول و يتم احتياطاً و لا ياتم بمقيم اصلاً و هو مما يلغز قال لساءه من لم تدر منكن كم ركعة فرض فى يوم و ليلة فهى طالق فقالت احدهن عشرون والثانية سبعة عشر والثالثة خمسة عشر والرابعة احد عشر لم يطلق لان الاولى ضمت الوتر والثانية تركته والثالثة ليوم الجمعة والرابعة للمسافر والله اعلم.

بادشاہ بھی اپنی مملکت میں مسافر ہوتا ہے شارح کی طرف سے اضافہ شدہ مسائل اگر بادشاہ سفر کرے گا تو وہ بھی قصر پڑھے گا یعنی سفر شرعی کی نیت سے بادشاہ بھی مسافر کے

حکم میں ہو جاتا ہے، یہ دھوکہ نہیں ہونا چاہئے کہ چونکہ ساری مملکت کا وہ مالک ہے لہذا وہ اپنی مملکت میں جہاں ہو گا مقيم ہی رہے گا۔

شادی کی جگہ مرد حکماً مقيم ہو جاتا ہے مسافر جب کسی شہر میں شادی کر لے گا تو وہ وہاں مقيم کے حکم میں ہو جائے گا مرد جو قول یہی ہے یعنی اس کے باوجود کہ اس نے نہ وہاں

اقامت کی نیت کی ہے اور نہ وطن بنایا ہے لیکن پھر بھی وہ صرف شادی کرنے کی وجہ سے مقيم کے حکم میں قرار دے دیا جائے گا بحر الرائق میں اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ حدیث شریف میں یہ آیا ہے جو شخص کسی شہر میں شادی کرے وہ اسی شہر کا شمار ہوتا ہے اور بعض فقہاء نے لکھا ہے اگر اس کی نیت پندرہ دنوں کے اندر ہی چلے جانے کی ہوگی تو وہ مسافر نہیں ہوگا اور یہ اختلاف مرد مسافر کے باب میں ہے عورت کے باب میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ وہ متفقہ طور پر صرف شادی سے مقيم ہو جاتی ہے یعنی عورت اپنی سسرال میں حکماً مقيم ہے وہ پوری نماز پڑھے گی۔

منزل سے پہلے حائضہ کا پاک ہونا اور کافر کا مسلمان ہونا ایک حیض والی عورت اس وقت پاک ہوئی جب اس کی منزل مقصود دودن کی

مسافت پر رہ گئی تھی یا اسی طرح ایک لڑکا دو منزل باقی رہ گیا تھا کہ بالغ ہو گیا تو اس صورت میں یہ دونوں پوری نماز پڑھیں گے قصر نہیں کریں گے لیکن اگر کسی کافر کی منزل مقصود دودن کی دوری پر رہ گئی تھی کہ وہ مسلمان ہو گیا تو اس صورت میں یہ قصر پڑھے گا، وجہ یہ ہے کہ حائضہ عورت اور نابالغ لڑکے کا عذر حیض اور عدم بلوغ کا جاتے رہنا غیر اختیاری تھا اور کافر کا عذر اختیاری تھی اس لئے یہ فرق ہو گا کیوں کہ کافر ہر وقت مسلمان ہو سکتا تھا اس لئے اس کے حق میں سفر کا حکم ابتدا سے معتبر قرار دیا

گیا بخلاف جائزہ کہ وہ اپنا عذر بطور خود دور کرنے پر قادر نہیں تھی (کذا فی الثامی)

مشترک غلام کیسے نماز ادا کرے ایک غلام دو شخصوں میں مشترک ہو ان میں ایک مقیم ہو اور دوسرا مسافر، اگر اس کی خدمت کی باری مقرر کر لی گئی ہو تو وہ مسافر آقا کی باری میں

قصر نماز پڑھے گا اور مقیم آقا کی باری میں پوری، لیکن اگر باری نہیں مقرر ہوئی ہے تو احتیاطاً اس غلام پر قعدہ اولیٰ فرض ہو گا اور وہ پوری نماز پڑھتا رہے گا اور اس کی وجہ یہ ہے ایک آقا کے لحاظ سے وہ مقیم ہے اور دوسرے آقا کے لحاظ سے مسافر اسی کے ساتھ یہ بھی حکم ہے کہ ایسا غلام کسی مقیم کی ہر گز اقتدا نہیں کرے گانہ وقت کے اندر اور نہ وقت کے بعد، اس غلام کا حکم ان مسائل میں سے ہے جو معمہ کے طور پر پوچھے جاتے ہیں (اور وہ اس طرح سوال کیا جاسکتا ہے کہ بتاؤ وہ کون شخص ہے جو فرض نماز چار رکعتیں پڑھے گا اور درمیانی قعدہ اس پر فرض ہو گا، اور وہ کون شخص ہے، جس کے لئے مقیم کے پیچھے نماز پڑھنی درست نہیں ہے، اور وہ کون شخص ہے جو نہ مقیم ہے اور نہ مسافر ہی۔ اور وہ کون شخص ہے جو ایک دن قصر نماز پڑھے گا اور ایک دن پوری نماز)

ایک سوال کے مختلف جوابات اور ان کی درستی ایک شخص نے اپنی چار بیویوں سے کہا کہ تم میں سے جو یہ نہ جانے کہ دن رات میں کتنی رکعتیں فرض

ہیں تو اس کو طلاق، شوہر کے اس کہنے کے بعد ایک بیوی نے بتایا کہ دن رات میں بیس رکعتیں فرض ہیں اور دوسری نے کہا سترہ رکعتیں فرض ہیں، تیسری نے کہا کہ دن رات میں پندرہ رکعتیں فرض ہیں اور چوتھی نے کہا کہ دن رات میں گیارہ رکعتیں فرض ہیں تو اس صورت میں ان چاروں میں سے کسی کو طلاق نہیں ہوگی کیوں کہ سمجھوں کہ کعبوں کا علم صحیح تھا وہ اس طرح کہ پہلی جس نے بیس رکعتیں بتائیں اس نے فرض عملی ہونے کی وجہ سے شامل کر لیا دوسری کا جواب اس وجہ سے صحیح ہے کہ اس نے وتر کی رکعتوں کو چھوڑ دیا صرف فرض رکعتوں کو بتایا اور تیسری کا جواب اس لئے درست قرار پائے گا کہ اس نے جمعہ کے دن کی رات دن کی رکعتیں بتائیں کہ اس دن وتر کو چھوڑ کر پندرہ ہی رکعتیں ہوتی ہیں اور چوتھی کا جواب اس لئے صحیح قرار پایا کہ مسافر کی رکعتوں کی تعداد بتائی کہ وہ گیارہ ہی ہوتی ہیں اور وتر کو شامل نہیں کیا واللہ اعلم۔

باب الجمعة

بتثلیث المیم وسكونها هی فرض عین یکفر جاحداً لثبوتها بالدلیل القطعی كما حققه الکمال و هی فرض مستقل اکد من الظهر ولیست بدلاً منه كما حرر الیاقانی معزیا لسری الدین ابن الشحنة و قد افیت مراراً لعدم صلوٰۃ الاربع بعدها بنیة اخر ظهر لخوف اعتقاد عدم فرضیة الجمعة و هو الاحتیاط فی زماننا و اما من لا یخاف علیہ مفسدة منها فالاولیٰ ان تكون

فی بیتہ خفیۃ و یشرط لصحتہا سبعة اشیاء الاول المصر و هو ما لا یسع
اکبر مساجده اہلہ المکلین بها و علیہ فتوی اکثر الفقہاء مجتبی لظہور
التوانی فی الاحکام و ظاہر المذہب انہ کل موضع لہ امیر و قاض یقدر
علی اقامة الحدود کما حورناہ فیما علقناہ علی الملتقی و فی القہستانی
اذن الحاکم ببناء الجامع فی الرستاق اذن بالجمعة اتفاقا علی ما قالہ
السرخسی و اذا اتصل بہ الحکم صار مجتمعا علیہ فلیحفظ او فناءہ بکسر
الفاء و هو ما حوله اتصل بہ اولاً کما حرره ابن الکمال وغیرہ لاجل مصالحہ
کدفن الموتی و رکض الخیل المختار للفتوی تقدیرہ بفرسخ ذکرہ الولوالجی

نماز جمعہ اور اس سے متعلق احکام و مسائل

جمعہ کا نام جمعہ اس لئے رکھا گیا کہ یہ لوگوں کے جمعہ ہونے کا
دن ہوتا ہے، اور جمعہ میں تمام محلوں کے مسلمان یکجا ہوتے
ہیں، جمعہ کے متعلق اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ یہ نماز جمعہ مدینہ منورہ میں فرض ہوئی آیت جمعہ بھی مدنی ہے اور صلوٰۃ المسافر کے
بعد صلوٰۃ الجمعہ کا باب اس لئے قائم کیا گیا ہے کہ ان دونوں میں اس بات میں مناسبت ہے کہ مسافر کی نماز بھی آدمی رہ جاتی ہے
اور جمعہ کی نماز کی رکعتیں بھی، کیونکہ ظہر کی چار رکعتیں ہیں اور جمعہ کی صرف دو رکعتیں، مقیم چار رکعتیں پڑھتا ہے اور مسافر صرف
دو رکعتیں لفظ ”جمعہ“ میں جیم کو پیش ہے اور میم کو تینوں حرکتیں دی جاسکتی ہیں اور اسے ساکن بھی پڑھا جاسکتا ہے۔

جمعہ کی نماز فرض ہے اور اس کا انکار کرنے والا کافر ہے اس لئے کہ یہ نماز جمعہ دلیل قطعی سے ثابت ہے جیسا کہ محقق
کمال الدین نے ثابت کیا ہے، اور دلیل قطعی یہ آیت قرآنی ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ
الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ**، اسی حدیث رسول اور اجماع سے بھی اس کا فرض ہونا ثابت ہے، اور نماز جمعہ ایک مستقل
فرض ہے اور نماز ظہر سے زیادہ موکد ہے جمعہ ظہر کا بدلہ نہیں ہے جیسا کہ باقانی نے اس کی سری الدین کی طرف نسبت کرنے
کے سلسلہ میں تحقیق کی ہے۔

جمعہ کے زیادہ موکد کہنے کا منشا یہ ہے کہ ترک جمعہ پر جو وعید آتی ہے وہ ظہر کے ترک کے مقابلہ میں سخت ہے پھر
جمعہ میں جو شرطیں ہیں وہ ظہر میں نہیں ہیں، باقی یہ کہنا کہ جمعہ مستقل فرض ہے جمعہ کا بدلہ نہیں ہے یہ اس قول کے خلاف ہے
جو باب شروط الصلوٰۃ میں گذرا جہاں اس کو ظہر کا بدلہ کہا گیا ہے یہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ ظہر ساقط ہو جاتا ہے اور جمعہ کی
فرضیت عائد ہو جاتی ہے گو جمعہ کا وقت وہی ہے جو ظہر کا وقت ہے، اور یہی وجہ ہے کہ احناف کہتے ہیں کہ جمعہ کی نماز چھوٹ
جانے سے پہلے اگر کوئی ظہر پڑھ لے گا تو اس کا یہ فعل مکروہ تحریمی قرار پائے گا اور اس کو جمعہ پڑھنا پڑے گا۔

بحر الرائق میں ہے کہ میں نے جمعہ کی نماز کے بعد چار رکعت آخر ظہر کی نیت
سے اس خطرہ کی بنیاد پر پڑھنے سے منع کیا ہے کہ جاہل یہ نہ سمجھیں کہ جمعہ فرض

احتیاط الظہر اور اس کی تاریخ

نہیں ہے چنانچہ ایسا فتویٰ بار بار دیا ہے اور ہمارے زمانے میں احتیاط کا یہی تقاضا ہے اور جس شخص کے جمعہ کی طرف سے عقیدہ کے خراب ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ اپنے گھر میں ان چاروں رکعتوں کو چھپ کر پڑھ لے، بعض جاہل یہ کہتے تھے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک جمعہ فرض نہیں ہے صاحب بحر الرائق کہتے ہیں یہ دبا ہمارے زمانہ میں بھی موجود تھی چنانچہ جمعہ کے بعد بعض جاہل چار رکعت مزید اخیر ظہر کی نیت سے پڑھتے تھے کہ جو آخری ظہر میں نے پڑھی ہے اس کو ادا کر رہا ہوں، اس سے ممکن تھا کہ جاہلوں میں ایسا عقیدہ گھر کر جائے کہ جمعہ فرض نہیں ہے اس لئے اس خطرہ کو ختم کرنے کے لئے میں نے فتویٰ دیدیا کہ اس نماز کو ہر گز نہ پڑھا جائے۔ چنانچہ آج کل بھی یہی فتویٰ ہے کہ احتیاط الظہر کے نام سے جو چار رکعت نماز بعد جمعہ پڑھی جاتی ہے اسے نہیں پڑھا جائے اور اسی پر خواص و عوام کا عمل بھی ہے)

جمعہ کے صحیح ہونے کی شرطیں پہلی شرط اس کا بڑی آبادی ہونا جمعہ کی صحت اور درستی کے لئے سات شرطیں

ہیں پہلی شرط جمعہ کے صحیح ہونے کی اس جگہ کا شہر ہونا ہے جہاں نماز جمعہ ادا کی جا رہی ہو، یعنی ایسی بڑی آبادی جس کی سب سے بڑی مسجد میں اس شہر کے بہ باشندے نہ سما سکیں جن پر جمعہ کی ادائیگی ضروری ہے ماحصل یہ ہے اس میں عورتوں، نابالغ لڑکوں اور مسافروں کے سوا اس قدر مسلمان بستے ہوں کہ اس کی سب سے بڑی مسجد میں نہ سما سکیں، اور شہر کی یہ تعریف جو ابھی کی گئی ہے اس پر اکثر فقہاء کا فتویٰ ہے کذا فی الجنبیٰ اور یہ فتویٰ اس وجہ سے دیا گیا ہے کہ احکام کے نفاذ میں لوگ سستی کرنے لگے تھے (یعنی ظاہر مذہب میں شہر کی تعریف یہ کی گئی ہے وہاں قاضی ہو اور حدود قائم کئے جاتے ہوں مگر فقہاء نے اسلامی احکام پر عمل میں سستی کو دیکھ کر بعد میں یہ دوسری تعریف اختیار کی جو اوپر گزری)

ظاہر مذہب یہ ہے کہ شہر وہ جگہ ہے کہ جہاں قاضی اور کوئی حاکم ہو اور وہ حدود کے قائم کرنے کی قدرت رکھتا ہو، چنانچہ ہم نے ملتقی الا بحر کے حاشیہ میں اسے صاف طور سے بیان کیا ہے قہستانی میں ہے کہ حاکم اگر کسی دیہات میں جامع مسجد بنانے کی اجازت دے تو اس کی یہ اجازت متفقہ طور پر جمعہ کی اجازت ہوگی جیسا کہ سرخسی نے بیان کیا ہے اور جب اس اجازت کی وجہ سے جمعہ کی اجازت حاصل ہوگئی تو یہ بالا جماع جمعہ کی اجازت تسلیم کی جائے گی اس مسئلہ کو یاد رکھنا چاہئے ماحصل یہ ہے کہ جب کسی بڑی آبادی میں جس میں بازار بھی ہو، جب وہاں حاکم وقت جامع مسجد بنانے کی اجازت دیدے تو یہ گویا وہاں جمعہ کے فرض ہونے کا اعلان ہے اس کے بعد اختلاف کی گنجائش نہیں رہتی)

فناء مصر جمعہ کے صحیح ہونے کی شرط فناء مصر بھی ہے اور ”فنائے مصر“ شہر کے ارد گرد والی جگہ ہے جو شہر کے منافع کے لئے ہو، جیسے مردوں کے دفن کرنے کے لئے گھوڑ دوڑ کے لئے، خواہ یہ جگہ شہر سے ملی ہو، یا ملی ہوئی نہ ہو، چنانچہ اس کو ابن کمال نے واضح طور پر بیان کیا ہے، فناء کے باب میں فتویٰ کے لئے مختار یہ ہے کہ اس کا اندازہ ایک فرسخ یعنی تین میل کے اندر کا لحاظ رکھا جائے اس کو ولوالجی نے بیان کیا ہے۔

(شامی نے لکھا ہے کہ بعض محققین نے فنائے مصر کی تعریف کر کے چھوڑ دیا ہے اس کی کچھ حد مقرر نہیں کی ہے اور بعضوں نے اس کی مسافت بھی مقرر کر دی ہے اور اس مسافت کے سلسلہ میں نواقوال ہیں، کسی نے کہا کہ شہر کی آواز وہاں

پہنچتی ہو، کسی نے کہا کہ شہر کی اذان وہاں سنائی دیتی ہو، کسی نے کہا شہر سے چار سو ہاتھ کے فاصلہ کے اندر ہو، کسی نے ایک میل کہا کسی نے دو میل کسی نے تین میل، مگر صحیح یہ ہے کہ ہر شہر کی اپنی ضرورت کے لحاظ سے مسافت مختلف ہو سکتی ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ تشریف کر کے چھوڑ دیا جائے کہ وہ جگہ شہر کے مصالح کے لئے ہو، حد متعین نہ کرے)

والثانی السلطان ولو متغلبا او امرأة فيجوز امرها باقامتها لا اقامتها او مأموره باقامتها ولو عبد اولى عمل ناحية وان لم تجز انكحته واقضيته واختلف في الخطيب المقرر من جهة الامام الاعظم او من جهة نائبه هل يملك الاستنابة في الخطبة فقل لا مطلقاً اي لضرورة اولا الا ان يفوض اليه ذلك وقيل ان لضرورة جازو الا لا وقيل نعم يجوز مطلقاً بلا ضرورة لانه على شرف الفوات لتوقته فكان الامر به اذنا بالاستخلاف دلالة ولا كذلك القضاء وهو الظاهر من عباراتهم ففي البدائع كل من ملك الجمعة ملك اقامة غيره وفي النجعة في تعداد الجمعة لابن جرباش انما يشترط الاذن لاقامتها عند بناء المسجد ثم لا يشترط بعد ذلك بل الاذن مستصحب لكل خطيب وتمايمه في البحر وما قيده الزيلعي لا دليل عليه وما ذكره ملا خسر وغيره رواه ابن الكمال في رساله خاصه برهن فيها على الجواز بلا شرط واطنب فيها وابدع ولكثير من الفوائد اودع وفي مجمع الانهر انه جائز مطلقاً في زماننا لانه وتعم في تاريخ خمس واربعين وتسعمائة اذن عام وعليه الفتوى وفي السراجية لو صلى احدٌ بغير اذن الخطيب لا يجوز الا اذا اقتدى به من له ولاية الجمعة ويؤيد ذلك انه يلزم اداء النفل بجماعة واقره شيخ الاسلام مات والى مصر فجمع خليفة او صاحب الشرط بفتحيتين حاكم السياسية او القاضي الماذون له في ذلك جاز لان تفويض امر العامة اليهم اذن بذلك دلالة فلقاضي القضاة بالشام ان يقيمها وان يولى الخطباء بـ اذن صريح ولا تقرير الباشا وقالوا يقيمها امير البلد ثم الشرطى ثم القاضي ثم من ولاه قاضي القضاة ونصب العامة الخطيب غير معتبر مع وجود من ذكر اما مع عدمهم فيجوز للضرورة.

جمعہ کے صحیح ہونے کی دوسری شرط

جمعہ کے صحیح ہونے کی دوسری شرط یہ ہے کہ بادشاہ ہو، گو اس نے غلبہ حاصل کر کے یہ حیثیت حاصل کی ہو، یا وہ عورت ہو، لہذا اس کے علم سے جمعہ قائم کرنا درست ہو گا خود عورت جمعہ قائم اس معنی کر نہیں کر سکتی کہ وہ امام بن کر جمعہ پڑھائے یا خطبہ دے (منشا یہ ہے کہ خلفیہ المسلمین کے لئے مرد ہونا شرط ہے لیکن اگر کوئی عورت غلبہ حاصل کر کے اس منصب کو حاصل کر لے تو اس کے علم سے جمعہ قائم کرنا درست ہو گا)

یا وہ شخص جس کو بادشاہ وقت نے جمعہ قائم کرنے کی اجازت دے رکھی ہو، اگرچہ وہ غلام ہی کیوں نہ ہو، کہ اس کو کسی خطبہ کا عامل بنایا گیا ہو، لیکن اس غلام مامور کے کئے ہوئے نکاح اور فیصل کئے ہوئے مقدمات جائز نہیں ہوں گے، اس لئے یہ دونوں امر اس کے نافذ ہوتے ہیں جس کو غیر پر ولایت حاصل ہو اور غلام کا حال یہ ہے کہ اس کو خود اپنی ذات پر ولایت حاصل نہیں ہے اس کا دوسرا مالک ہوتا ہے۔

خطیب کا نائب مقرر کرنا

ایسے خطیب جو خلیفہ کی طرف سے یا اس کے نائب کی طرف سے مقرر ہیں ان کے اندر اختلاف ہے کہ وہ بطور خود بلا حاکم کی اجازت اپنی جگہ دوسرے کو خطبہ کے لئے خطیب بنا سکتا ہے یا نہیں، بعضوں نے کہا ہے کہ اسے ایسا کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے خواہ ضرورت کی وجہ سے ہو یا بلا ضرورت، البتہ اگر بطور مختار بنادیا ہو تو بے شک حق ہے اور بعضوں نے کہا کہ اگر اس کو اپنی جگہ دوسرے کو خطیب بنانے کی ضرورت تھی اور بنادیا تو یہ بنانا جائز ہے اور اگر ضرورت نہیں تھی اور پھر بھی بنادیا تو یہ قائم مقام بنانا جائز نہیں ہے، اور تیسرا قول یہ ہے بلا ضرورت بھی اس کو نائب بنانے کی اجازت ہے یعنی ایسا کرنا اس کے لئے جائز ہے، خواہ ضرورت کی وجہ سے ایسا کرے یا بلا ضرورت ایسا کرے وہ فہم حال میں اور اس کی وجہ یہ ہے جمعہ کا ایک محدود وقت ہے کہ اس کے نکل جانے سے جمعہ فوت ہو جاتا ہے لہذا جب اس کو جمعہ ادا کئے جمعہ کی اجازت ہے تو ضمنی طور پر دلالتا اس کو اپنا نائب مقرر کرنے کی بھی اجازت ہے البتہ قاضی بنانے میں یہ صورت جائز نہیں ہوگی کیونکہ وہ محدود وقت میں محصور نہیں ہوتا ہے۔

چنانچہ فقہاء کی عبارتوں سے ظاہر ہے کہ ایسے خطیب کو اپنے نائب مقرر کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے بدائع میں ہے کہ ہر وہ شخص جو جمعہ کا مالک ہے وہ اپنے قائم مقام بنانے کا بھی مالک ہو گا۔ اور ”نہجہ فی تعدد الجمعہ“ نامی کتاب میں ہے جو ابن حجر باش کی تصنیف ہے کہ بے شک اقامت جمعہ کی اجازت حاصل کرنے کی شرط صرف مسجد کے بنانے کے وقت ہے اس کے بعد اجازت حاصل کرنا شرط نہیں ہے۔ بلکہ ہر خطیب کو بدستور سابق اجازت رہتی ہے اور اس کی تفصیل بحر الرائق میں ہے وہاں دیکھی جائے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جب بادشاہ وقت ایک دفعہ ایک شخص کو جمعہ کے قائم کرنے کی اجازت دیدے تو اس کو حق ہوتا ہے کہ وہ اپنی جگہ دوسرے کو اس کی اجازت دیدے، اور زیلعی نے یہ قید لگائی ہے کہ اس کو بے وضو ہونے کے سوا اپنی جگہ دوسرے کو اس کی اجازت دے دے، اور زیلعی نے یہ قید لگائی ہے کہ اس کو بے وضو ہونے کے سوا اپنی جگہ دوسرے کو خلیفہ بنانے کی اجازت نہیں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے (پھر یہاں خطبہ میں خلیفہ بنانے کی بحث ہے نماز میں خلیفہ بنانے کی بحث نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ خطبہ بلا وضو بھی درست ہے) اور جس کو ملا خسرو وغیرہ نے ذکر کیا ہے اس کا ابن کمال نے اپنے ایک

خاص رسالہ میں رد کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ سلطان کی اجازت کی شرط کے بغیر خلیفہ بنانا جائز ہے اور اپنے اس قول کو دلائل سے مدلل کیا ہے، اس رسالہ میں نئے ڈھنگ سے اس مسئلہ پر بھی بحث کی ہے اور بہت سے فوائد پر روشنی ڈالی ہے (ملا خسرو نے یہ لکھا ہے کہ جب بادشاہ کی طرف سے اس کو نائب بنانے کا اختیار نہ دیا گیا ہو وہ اپنا نائب نہیں بنا سکتا ہے)

مجمع الانہر میں ہے کہ ہمارے اس زمانہ میں خطیب کو اپنے نائب بنانے کا مطلق اختیار ہے یعنی خواہ ضرورت ہو یا نہ ہو، اس لئے ۱۵۴۹ھ میں سلطان کی طرف سے عام اجازت دیدی گئی ہے کہ ہر خطیب دوسرے شخص کو اپنا نائب بنا سکتا ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے (شامی کہتے ہیں کہ غالباً شارح کے زمانہ کے علماء کا فتویٰ مراد ہے، اور فتاویٰ سرمجیہ میں ہے کہ اگر کسی شخص نے خطیب کی اجازت کے بغیر نماز جمعہ پڑھائی تو نماز درست نہیں ہوگی، ہاں جب اس شخص کی اقتداء وہ شخص کرے جس کو جمعہ کا اختیار ہے تو وہ ضمناً اجازت سمجھی جاتی ہے اور نماز درست ہوگی اور اگر والی آیا اور اس نے اس شخص کے پیچھے نماز نہیں پڑھی تو اس کی امامت درست نہیں ہوگی، اور اس کی اس سے تائید ہوتی ہے نفل کا جماعت سے ادا کرنا لازم آئے گا جو مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ جب جمعہ کی نماز درست نہیں ہوئی تو یہ نماز نفل کے حکم میں ہوگئی اور نفل کی جماعت مکروہ تحریمی ہے، مگر حلی نے لکھا ہے کہ وہ جماعت نفل مکروہ ہے جو نفل کی نیت سے شروع ہوتی ہو، جو فرض کی نیت سے شروع کی گئی ہے اور وہ نفل ہوگئی ہے وہ مکروہ تحریمی نہیں ہوگی۔

قاضی و حاکم کی طرف اجازت جمعہ شہر کے والی کی موت واقع ہوگئی (یا وہ فساد کے خوف سے جمعہ میں نہیں آیا) چنانچہ اس والی کے خلیفہ نے یا حاکم فوجداری نے یا اس قاضی نے

نماز جمعہ پڑھوائی جس کو اقامت جمعہ کی اجازت ہے تو یہ نماز درست ہوگی، اس لئے کہ جب عوام کے امور ان کے سپرد ہے تو دلائل جمعہ کے قائم کرنے کی بھی اجازت ہے، لہذا شام کے قاضی القضاۃ کے لئے جمعہ کا قائم کرنا اور بادشاہ کی صریح اجازت کے بغیر خطیبوں کو اختیار دینا جائز ہے (شامی نے کہا ہے کہ اگر اس قاضی القضاۃ کو خطیبوں کے تقرر کی عام اجازت ہے تو مضائقہ نہیں۔

فقہاء نے جمعہ قائم کرنے کے اختیار کے سلسلہ میں یہ ترتیب بیان کی ہے کہ اولاً حاکم شہر جمعہ قائم کرے پھر اس کے حاکم سیاست کو ہے پھر قاضی شہر کو، پھر اس شخص کو جس کو قاضی القضاہ نے مقرر کیا ہو، ان مذکورہ اشخاص کے ہوتے ہوئے عوام کا خطیب کو مقرر کرنا قابل اعتبار نہیں ہے۔

یعنی جب ان میں سے کوئی اجازت نہ دے اور عوام خود مقرر کر لیں تو وہ امام قابل اعتبار نہیں ہوگا۔ البتہ جب یہ مذکورہ ذمہ دار ان نہ ہو تو ضرورت کی وجہ سے عوام خطیب کا تقرر کر سکتے ہیں مبسوط میں ہے کہ اگر حاکم کافر ہو تو اس صورت میں مسلمانوں کے لئے بطور خود جمعہ قائم کرنا درست ہے، اور مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی قاضی ہو جائے گا اور پھر اس قاضی کا فرض ہے کہ وہ عوام سے مسلمان امیر منتخب کرنے کی درخواست کرے (کذا فی الشامی)

وجازت الجمعة بمنی فی الموسم فقط لوجود الخلیفۃ و امیر الحجاز
او العراق اومکة ووجود الاسواق والسکک وکذا کل ابنيۃ نزل بها الخلیفۃ

وعدم التعیید بمنی' للتخفیف لاتجوز لامیرا لموسم لقصور ولایتہ علی امور الحج حتی لو اذن له جاز ولا بعرفات لانها مفازة وتودی فی مصر واحد بمواضع کثیرہ مطلقاً علی المذهب وعلیہ الفتوی شرح المجمع العینی وامامة فتح القدير دفعا للخرج وعلى المرجوح فالجمعة لمن سبق تحريره وتفسد بالمعية والاشتباه فیصلی بعدها اخر ظهر وكل ذلك خلاف المذهب فلا یعول علیہ کما حرره فی البحر وفي مجمع الانهر معزیا للمطلب والاحوط نية اخر ظهر ادركت وقته لان وجوبه علیہ بآخر الوقت فتنبه.

منیٰ میں جمعہ صرف موسم حج میں صرف موسم حج میں منیٰ کے اندر نماز جمعہ جائز ہے کیوں کہ اس وقت خلیفہ یا امیر حجاز، یا امیر عراق یا حاکم مکہ موجود ہوتا ہے اس وقت بازار اور کوہے بھی

ہوتے ہیں، اسی طرح ان تمام مقامات میں نماز جمعہ درست ہے جہاں سلطان موجود ہو خلاصہ یہ ہے کہ منیٰ موسم حج میں شہر کے حکم میں ہو جاتا ہے اور کوئی نہ کوئی حاکم وقت بھی ہوتا ہے اور موسم حج کے علاوہ دنوں میں منیٰ گاؤں کے حکم میں ہے وہاں جمعہ جائز نہیں ہے اور سلطان جب اپنی سلطنت میں دورہ کرے تو گو وہ مسافر کے حکم میں ہو، مگر وہ جس شہر میں اترے گا وہاں جمعہ درست ہوگا اور منیٰ میں اس وجہ سے عید نہیں ہے کہ ان دنوں میں حاجی حج کے افعال میں مشغول ہوتے ہیں لہذا ان کو ہلکا رکھنے کے لئے نماز عید ان سے ساقط کر دی گئی ہے۔

میدان عرفات میں جمعہ جائز نہیں امیر حج کے موجود ہونے کی وجہ سے جمعہ درست نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ اس کی ولایت صرف حج کے کاموں تک محدود ہوتی ہے

لیکن اگر اس کو خلیفہ کی طرف سے اجازت عام ہو تو اس کی موجودگی میں بھی جمعہ جائز ہوگا اور عرفات میں بھی جمعہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ وہ جنگل ہے اس میں کوئی عمارت نہیں ہے، صرف میدان ہی میدان ہے۔

نماز جمعہ ایک شہر کی متعدد جگہوں میں ادا ہو جاتی ہے خواہ وہ شہر چھوٹا ہو خواہ بڑا، اس شہر کے درمیان سے دریا گزرتا ہو یا گزرتا نہ ہو، نماز جمعہ دو مسجدوں میں ادا کی جائے یا دو سے زیادہ مسجدوں میں، مذہب صحیح یہی ہے کہ اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ یحییٰ کی شرح مجمع اور فتح القدیر کے باب الامامة میں مذکور ہے، ایک شہر میں تعداد جمعہ کی اجازت تکلیف کو دور کرنے کے لئے ہے تاکہ لوگ تنگی میں مبتلا نہ ہوں اور ان کو زیادہ دور نہ چلنا پڑے)

تعداد جمعہ نہ مانا جائے تو کیا حکم ہوگا اگر قول موجود کو تسلیم کر لیا جائے کہ ایک شہر میں متعدد جگہ جمعہ جائز نہیں ہے تو اس صورت میں اس مسجد کا جمعہ درست ہوگا جس کا

تحریر پہلے ہوگا اور اس جگہ کا جمعہ فاسد ہوگا جس کا تحریر بعد میں ہوگا، اور ساتھ ہونے اور اشتباہ پڑنے کی صورت میں جب جمعہ فاسد ہوگا تو ایسے لوگوں کو جمعہ کی سنتوں کے بعد چار رکعت آخر ظہر کی نیت سے نماز ظہر پڑھنی چاہئے لیکن یہ سب مذہب

قوی کے خلاف ہے اور قابل اعتبار نہیں ہے جیسا کہ بحر الرائق میں بیان کیا گیا ہے۔

(پہلے بھی گذر چکا ہے کہ جمعہ کے بعد صرف اس شبہ کی وجہ سے ظہر پڑھنا کہ جمعہ درست نہیں ہوا، جائز نہیں ہے، اور اب اسی بحر الرائق والے قول پر عمل ہے، گو بعض علماء اس احتیاط کے باقی رکھنے کو درست سمجھتے ہیں) اخیر ظہر کی نماز جو بطور احتیاط جمعہ کی فرض اور سنتوں کے بعد پڑھی جائے اس کی نیت کے متعلق مجمع الانہر نامی کتاب میں دوسری کتاب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ نیت اس طرح کرے کہ ”سب سے بعد والا ظہر جس کا میں نے پایا اور ابھی ادا نہیں کیا ہے وہ پڑھ رہا ہوں“ اس لئے کہ وجوب ظہر اس پر اخیر وقت میں ہوگا (اس نیت کا منشا یہ ہے کہ اگر جمعہ جائز نہ ہوا ہو تو اس کی جگہ ظہر ہو جائے اور اگر جمعہ درست ہو گیا ہوگا تو قضا شدہ ظہر جو کبھی کا اس کے ذمہ چلا آ رہا ہے وہ ادا ہوگا)

الثالث وقت الظہر فتبطل الجمعة بخروجه مطلقاً ولولا حقا بعذر نوم
اوزحمة على المذهب لان الوقت شرط الاداء لا شرط الافتتاح والرابع
الخطبة فيه فلو خطب قبله وصلى فيه لم تصح والخامس كونها قبلها لان
شرط الشئ سابق عليه بحضرة جماعة تنعقد بهم ولو كانوا صما اونياما
فلو خطب وحده لم يجز على الاصح كما في البحر عن الظهيرية لان الامر
بالسعي للذكر ليس الا لاستماعه والمأمور جمع وجزم في الخلاصة بانه
يكفي حضور واحد وكفت تحميدة او تهليلة او تسبيحة للخطبة المفروضة
مع الكراهة وقالالابد من ذكر طويل واقله قدر التشهد الواجب بنيتها فلو
حمد لعطاسه او تعجبا لم ينب عنها على المذهب كما في التسمية على
الذبيحة لكن ذكر في الذبائح انه ينوب فتامل۔

وقت کا ہونا ضروری ہے جمعہ کے ادا ہونے کی تیسری شرط یہ ہے کہ نماز ظہر کا وقت ہو، لہذا جب جمعہ پڑھتے ہوئے ظہر کا وقت نکل جائے گا تو جمعہ کی نماز مطلقاً باطل ہو جائے گی گو مقتدی اپنے عذر (جیسے نیند یا بھیڑ) کی وجہ سے لاحق ہو گیا ہو مذہب معتمد یہی ہے اس لئے کہ وقت کا پایا جانا ادائیگی کے لئے شرط ہے صرف شروع کرنے کی وقت میں شرط نہیں ہے (جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ جمعہ کے اخیر حصہ میں اگر عصر کا وقت آجائے گا تو جمعہ باطل نہیں ہوگا یہ قول صحیح نہیں ہے مثلاً نوادر میں مذکور ہے کہ کوئی امام جمعہ کی نماز پڑھا رہا تھا اور ایک مقتدی بھیڑ کی وجہ سے رکوع اور سجدے پر قادر نہیں ہو سکا یہاں تک کہ امام نے سلام پھیر دیا اس کے بعد معاً عصر کا وقت ہو گیا، تو وہ مقتدی جمعہ کی نماز پوری کرے گا نوادر کا یہ مسئلہ درست نہیں ہے، بلکہ اس کو اب قاعدہ میں ظہر کی قضا پڑھنا ہوگی کیونکہ وقت باقی نہیں رہا، جب ادائے گی نماز کے لئے وقت کا ہونا شرط ہے تو پوری نماز از اول تا آخر وقت کے اندر ہونی چاہئے تھی حاصل یہ ہے کہ، اگر ابتدائے نماز میں وقت تھا، اور اخیر میں وقت باقی رہا تو نماز نہیں ہوگی)

خطبہ کا وقت کے اندر اور نماز سے پہلے ہونا

صحت جمعہ کی چوتھی شرط یہ ہے کہ جمعہ میں وقت کے اندر خطبہ پایا جائے لہذا اگر جمعہ کا خطبہ جمعہ داخل ہوا

سے پہلے پڑھ لیا اور نماز جمعہ وقت کے اندر پڑھی تو نماز جمعہ درست نہیں ہوگی اور پانچویں شرط یہ ہے کہ خطبہ جمعہ کی نماز سے پہلے پایا جائے اس لئے کسی شئی کی شرط اس شئی سے پہلے پائی جاتی ہے، خطبہ ان لوگوں کی موجودگی میں ہو جن کی موجودگی سے جمعہ کی نماز ہو جاتی ہے یعنی مقتدی عاقل بالغ اور مرد ہوں گودہ بہرے یا سوتے ہوئے ہوں، چنانچہ امام تنہا خطبہ اس طرح پڑھے کہ کوئی مقتدی موجود نہ ہو تو مذہب اصح یہ ہے کہ جمعہ درست نہیں ہوگا، بحر الرائق میں فتاویٰ ظہیریہ سے نقل کیا ہے کہ جمعہ کے دن یہ حکم دیا گیا ہے کہ ذکر کے لئے دوڑ کر جاؤ "فَاسْتَعُوا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ" اس سے مراد یہی ہے کہ ذکر خطبہ سننے کے لئے سعی کرو اور جس لفظ سے سعی کا حکم دیا گیا ہے وہ جمع کا صیغہ ہے (فَاسْتَعُوا) لہذا ایک شخص کا حاضر ہونا کافی نہیں ہوگا اور سوتے ہوئے یا بہرے کا پایا جانا کافی اس لئے ہے کہ گو سننا نہیں پایا جاتا ہے مگر وہ خطبہ پڑھنے والے کے سامنے موجود ہوتے ہیں، اگر ان کو عذر نہ ہو تا تو سن سکتے تھے اور خلاصہ نامی کتاب میں ہے کہ ایک مقتدی کا پایا جانا کافی ہوتا ہے (مگر خلاصہ کا یہ قول صحیح نہیں ہے اس لئے کہ جماعت کا حاضر ہونا شرط ہے جیسا کہ گذرا۔

خطبہ جمعہ اور اس کی تعداد

خطبہ میں فرض کے ادا ہونے کے لئے ایک مرتبہ الحمد للہ یا ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ یا ایک مرتبہ سبحان اللہ پڑھ دینا کافی ہے گو یہ کراہت سے خالی نہیں ہوتا، مگر صاحبین کہتے ہیں

کہ خطبہ میں ذکر طویل کا پایا جانا ضروری ہے اور اس ذکر طویل کی مقدار کم از کم واجب تشدد کے برابر ہو (آج کل عمل ذکر طویل پر ہی ہے تاکہ سمجھوں کہ نزدیک خطبہ بلا کراہت ادا ہو جائے اور یہی بہتر ہے) پس اگر کوئی اپنی چھینک کی وجہ سے الحمد للہ کہہ دے یا تعجب کی کوئی بات دیکھ کر الحمد للہ کہہ دے تو یہ خطبہ کے قائم مقام نہیں ہوگا مذہب صحیح یہی ہے، جس طرح جانور ذبح کرتے وقت چھینکنے والے کا الحمد للہ کہنا کافی نہیں ہوتا ہے گو کتاب الذبائح میں مصنف نے لکھا ہے کہ چھینکنے والے کا الحمد للہ کہنا خطبہ کے قائم مقام ہو جاتا ہے لہذا اس میں غور کر لیا جائے (کتاب الذبائح میں مصنف نے اس طرح لکھا ہے کہ "اگر ذبح کرتے وقت چھینک آگئی اور الحمد للہ کہہ دیا تو ذبیحہ حلال نہیں ہوگا صحیح تر قول یہی ہے بخلاف خطبہ کے" اس سے ظاہر یہی ہے کہ چھینک کی وجہ سے اگر خطبہ میں الحمد للہ کہہ دے گا، تو وہ خطبہ کے لئے بھی کافی ہو جائیگا اور صراحت کی ساتھ بیان کیا ہے یہ الحمد للہ کہنا خطبہ کے قائم مقام نہیں ہوتا ہے اور یہی صحیح ہے، کتاب الذبائح والا قول ضعیف ہے)

وَيُسَنُّ خُطْبَتَانِ خَفِيفَتَانِ وَتَكْرَهُ زِيَادَتُهُمَا عَلَىٰ قَدَرِ سُورَةِ مَنْ طَوَّلَ الْمَفْصَلَ بِجَلْسَةٍ بَيْنَهُمَا بِقَدَرِ ثَلَاثِ آيَاتٍ عَلَى الْمَذْهَبِ وَتَارَكَهَا مَسِيءٌ عَلَى الْأَصَحِّ لِتَرْكِهِ قِرَاءَةَ ثَلَاثِ آيَاتٍ وَيَجْهَرُ بِالثَّانِيَةِ لَا كَالْأُولَى وَيَبْدَأُ بِالتَّعْوِذِ سِرًا وَيَنْدُبُ ذَكَرَ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ وَالْعَمِينَ لَا الدُّعَاءَ لِلْإِسْلَامِ وَجُوزِهِ الْقَهْشَتَانِي وَيَكْرَهُ تَحْرِيمًا وَصَفَهُ بِمَا لَيْسَ فِيهِ وَيَكْرَهُ تَكْلِمَهُ فِيهَا إِلَّا لِمَنْ

بمعروف لانه منها ومن السنة جلوسه في مخدعه عن يمين المنبر وليس السواد وترك السلام من خروجه الى دخوله في الصلوة وقال الشافعي اذا استوى على المنبر سلم مجتبیٰ وطهارة وستر عورة قائما۔

خطبہ کا مسنون طریقہ جمعہ میں دو ہلکے خطبہ تین آیتوں کے برابر مسنون ہیں اس طرح کہ ان دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا پایا جائے، معتمد مذہب یہی ہے اور اس درمیانی جلسہ کا ترک کرنے والا برا کرنے والا ہے شارح نے کہا کہ دونوں خطبوں کو اس قدر لمبا کرنا کہ وہ طوال مفصل کی ایک سورت کے برابر ہو جائے مکروہ ہے، جس طرح یہ مکروہ ہے کہ کوئی خطیب تین آیتوں کے برابر بھی خطبہ نہ پڑھے یعنی خطبہ کو نہ اس قدر طول دے کہ وہ طوال مفصل کے برابر ہو جائے اور نہ اتنا مختصر کرے کہ تین آیتوں کی مقدار بھی باقی نہ رہے (دونوں خطبہ کے درمیان اتنی دیر بیٹھنا چاہئے کہ خطیب کے تمام اعضاء اپنی جگہ آجائیں اس نشست میں کوئی خاص دعا منقول نہیں ہے، دونوں خطبوں کے درمیان ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا بھی درست نہیں ہے۔

جمعہ کے ان دونوں خطبوں کو بلند آواز سے پڑھے، پہلے خطبہ کی نسبت دوسرے میں آواز ہلکی کرے اور خطبہ شروع کرنے سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بھی پڑھے یعنی پہلے اعوذ باللہ پھر حمد و ثنا، پھر شہادتین پھر درود شریف پھر نصح اور آیات قرآنی، اور خطبہ میں مستحب یہ ہے کہ خلفاء راشدین کا ذکر کرے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں چچا سید الشہداء حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ کا بھی، بادشاہ کے خطبہ میں دعا مانگنا مستحب نہیں ہے البتہ قہستانی میں اس کو جائز کہا گیا ہے، مگر بادشاہ کے لئے ایسے اوصاف بیان کرنے جو اس میں نہ ہوں مکروہ تحریمی ہے، اس سے بچنا چاہئے۔

خطبہ کی حالت میں گفتگو خطیب کا خطبہ کی حالت میں گفتگو کرنا مکروہ ہے البتہ جب امر بالمعروف کرنا ہو تو مکروہ نہیں ہے، اس لئے کہ یہ بھی خطبہ میں داخل ہے، کیونکہ اچھی باتوں کا حکم کرنا خطبہ کا جز ہے، طحاوی نے خطبہ میں گفتگو کو مکروہ تحریمی لکھا ہے۔

سنت یہ ہے کہ خطیب منبر کے دائیں جانب بیٹھے، اور سیاہ لباس پہنے اور جب اپنی جگہ سے خطبہ کے لئے چلے اس وقت سے لیکر نماز میں داخل ہونے کے وقت تک کسی کو سلام نہ کرے، امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ خطیب جب منبر پر بیٹھ چکے تو سلام کر سکتا ہے کذا فی المجتبیٰ (مخدع اس خلوتخانہ کو کہتے ہیں جو پہلے مسجد میں بنا ہوتا تھا، اب اس کا رواج نہیں ہے، خطبہ سے پہلے محراب میں امام کا نماز پڑھنا مکروہ ہے کذا فی الشامی)

خطیب کا پاک ہونا اور ستر کا چھپانا خطبہ دیتے ہوئے امام کا پاک رہنا اور ستر کو چھپائے رکھنا بھی مسنون ہے اور یہ بھی مسنون ہے کہ خطبہ کھڑے ہو کر دے، (یہ تینوں چیزیں شرط نہیں ہیں بلکہ سنت ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ بے وضو اگر کوئی خطبہ دے یا بیٹھ کر دے، تو یہ جائز ہوگا، مگر کراہت کے ساتھ، اسی طرح خطبہ کی حالت میں ستر کھل جائے، تو بھی خطبہ ادا ہو جائے گا، ان صورتوں میں خطبہ کا اعادہ واجب نہیں ہوگا۔

وہل ہی قائمة مقام رکعتین الاصح لا ذکرہ الزیلعی بل کشطرها فی

الثواب ولو خطب جنبا ثم اغتسل وصلى جاز ولو فصل باجنبى فان طال بان رجع لبية فتغدى او جامع واغتسل استقبل خلاصة اى لزوما لبطلان الخطبة سراج لكن سيجى انه لا يشترط اتحاد الامام والخطيب۔

خطبہ کی حیثیت ایک سوال یہ ہے کہ کیا خطبہ جمعہ دور کعتوں کے قائم مقام ہے؟ جواب یہ ہے کہ صحیح تر مسئلہ یہ ہے کہ خطبہ دور کعتوں کے قائم مقام نہیں ہے اس کو زبلی نے ذکر کیا ہے البتہ خطبہ ثواب میں نماز جمعہ کے آدمے کے مانند ہے (یہ جو صحابہ کے قول میں آیا ہے کہ خطبہ نصف صلوٰۃ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ خطبہ کا ثواب آدمے جمعہ کے برابر ہوتا ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ خطبہ واقعی دور کعتوں کے قائم مقام ہے تاکہ کوئی یہ حکم لگا دے کہ جو شرطیں نماز کے لئے ہوتی ہیں وہ خطبہ کے لئے بھی ہونی ضروری ہیں)

حالت جنابت کا خطبہ اگر کسی خطیب نے حالت جنابت میں خطبہ دیا، اور خطبہ سے فارغ ہو کر غسل کرے اور پاک ہو کر نماز پڑھائی تو یہ نماز اور خطبہ جائز ہے، لیکن اس صورت میں بہتر یہ ہے کہ خطبہ لوٹالے، کذا فی البحر۔

خطبہ اور نماز کے درمیان فصل اگر خطبہ اور نماز کے درمیان اجنبی کام کے ذریعہ امام فصل کرے اور وہ فصل اس قدر طویل ہو کہ مثلاً امام خطبہ پڑھا کر جائے دن کا کھانا کھائے یا گھر میں جا کر بیوی سے بھست ہو، پھر غسل کر کے آئے تو ان صورتوں میں اس کو دوبارہ از سر نو خطبہ پڑھنا ہوگا، کذا فی الخلاصہ، یعنی خطبہ کا از سر نو پھر سے پڑھنا واجب ہے اس وجہ سے کہ مذکورہ صورت میں اس کا پہلا خطبہ باطل ہو چکا ہے۔

نماز کوئی پڑھائے اور خطبہ کوئی دے رکن آگے یہ بات بھی آرہی ہے کہ نماز جمعہ میں امام اور خطیب کا ایک ہونا شرط نہیں ہے یعنی ان دونوں کا ایک شخص کو انجام دینا ضروری نہیں ہے، بلکہ خطبہ کوئی پڑھے اور نماز کوئی اور پڑھا دے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، مثلاً ایک شخص خطبہ دے کر دوسرے شخص سے کہے کہ تم مری جگہ نماز پڑھا دو اور وہ یہ انتظام کر کے گھر چلا جائے اور دوسرا نماز پڑھا دے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

والسادس الجماعة واقلها ثلاثة رجال ولو غير الثلاثة الذين حضرو الخطبة سوى الامام بالنص لانه لا بد من الذاكر وهو الخطيب وثلاثة سواء بنص فاسعوا الى ذكر الله فان نفروا قبل سجوده وقالوا قبل التحريمة بطلت وان بقى ثلاثة رجال ولذا اتى بالتاء او نفروا بعد سجوده او عاد واوا دركوه راكعا او نفروا بعد الخطبة وصلى باخرين لا تبطل واتمها جمعة۔

نماز جمعہ کے لئے جماعت کی شرط جمعہ کے صحیح ہونے کی چھٹی شرط یہ ہے کہ نماز جمعہ جماعت سے ادا کی

جائے جس میں امام کے علاوہ کم سے کم تین مرد ہوں جو نص کا تقاضا ہے گوان تین کے علاوہ خطبہ میں اور بھی شریک ہوں فَاَسْتَعُوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ آیت قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ذکر کرنے والا ہو وہ امام اور خطیب ہوا، اور جمع کا صیغہ ہے وہ چاہتا ہے کہ امام کے سوا تین شخص اور ہوں، (اب یہ مرد خواہ آزاد ہوں، غلام ہوں، مسافر ہوں، بیمار ہوں، امی ہوں، یا گونگے، ہر حال میں تین کی شرط پوری ہو جائے گی اور جمعہ درست ہوگا، البتہ مرد کی قید سے عورتیں اور نابالغ لڑکے نکل گئے کہ صرف ان کے ہونے سے شرط پوری نہیں ہوگی، امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ تین مرد کی شرط امام کے ساتھ ہے کذا فی الطحاوی مگر فتویٰ پہلے قول پر ہے)

لہذا اگر امام کے سجدہ کرنے سے پہلے جماعت کے لوگ چلے جائیں گے تو جمعہ باطل ہو جائے گا (اور از سر نو ظہر کی نماز ادا کرنی ہوگی) اور صاحبین کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ سے پہلے جماعت کے لوگ چل دیں گے تب تو جمعہ باطل ہوگا، لیکن اگر تحریمہ میں موجود رہے اور اس کے بعد گئے تو جمعہ باطل نہیں ہوگا، امام تہا جمعہ کی نماز پوری کرے گا اس کی نماز جمعہ ہو جائے گی اور از سر نو ظہر پڑھنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

نماز جمعہ سے کچھ لوگ تو چلے گئے لیکن تین مرد جماعت میں رہ گئے، یا امام کے سجدہ کرنے کے بعد جو لوگ جماعت میں شریک تھے سب چلے گئے یا وہ تحریمہ اور خطبہ کے بعد تو چلے گئے تھے مگر پھر بعد میں آرا امام کے ساتھ رکوع میں مل گئے یا خطب کے بعد وہ لوگ چلے گئے جو خطبہ میں شریک تھے، اور امام نے دوسرے تین مقتدیوں کے ساتھ نماز جمعہ پڑھی جو خطبہ میں شریک نہیں تھے، تو ان صورتوں میں جمعہ باطل نہیں ہوگا اور امام اپنی تمام جماعت ہی پوری کرے گا (سجدہ کرنے کے بعد جماعت شرط نہیں ہے)

وَالسَّابِعُ الْاِذْنَ الْعَامَ مِنَ الْاِمَامِ وَهُوَ يَحْصِلُ بِفَتْحِ ابْوَابِ الْجَامِعِ
لِلْوَارِدِيْنَ كَافِي فَلَا يَضُرُّ غَلْقَ الْقَلْعَةِ لِلْعَدُوِّ وَلِعَادَةُ قَدِيْمَةٍ لَّا اِذْنَ الْعَامِ
مَقْرَرٍ لَّا هَلَهُ وَغَلْقُهُ لَمَنْعِ الْعَدُوِّ لَا الْمَصْلَةَ نَعَمْ لَوْلَمْ يَغْلِقْ لَكَانَ اِحْسَنَ كَمَا فِي
مَجْمَعِ الْاَنْهَرِ مَعْزِيَا لَشَرْحِ عِيُوْنِ الْمَذَاهِبِ قَالَ وَهَذَا اَوَّلِيْ مَا فِي الْبَحْرِ
وَالْمَنْحِ فَلْيَحْفَظْ فَلَوْ دَخَلَ اَمِيْرٌ حِضًّا اَوْ قَصْرًا وَاغْلَقَ بَابَهُ وَصَلَّى بِاصْحَابِهِ
لَمْ تَتَعَقَّدْ وَلَوْ فَتَحَهُ وَاِذْنَ لِلنَّاسِ بِالْاِدْخَوْلِ جَازٌ وَكَرِهٌ فَالْاِمَامُ فِي دِيْنِهِ وَدِيْنَاهِ
اِلَى الْعَامَةِ مَحْتَاجٌ فَسَجَانٌ مِنْ تَنْزِهِ عَنِ الْاِحْتِيَاجِ۔

جمعہ کی صحت کے لئے ساتویں شرط یہ ہے کہ امام اور خلیفہ کی طرف سے شرکت کی عام اجازت ہو، اور یہ اذن عام (عام اجازت) جامع مسجد کے دروازہ کو تمام نمازیوں کے لئے کھلا ہوا رکھنے سے حاصل ہوتا ہے یعنی جن لوگوں پر جمعہ واجب ہے ان کے آنے کے لئے کوئی روک ٹوک نہ ہو، ماحصل یہ ہے کہ عام اجازت کے لئے اعلان کی ضرورت نہیں ہے بلکہ جمعہ کی نماز کے لئے جامع مسجد کے دروازہ کا کھلا رکھنا اور جمعہ کے لئے

آنے والے والوں کا روکا نہ جانا عام اجازت کے لئے اتنا کافی ہے، لہذا کہیں رواج کی وجہ سے دروازہ بند کر دیا جاتا ہے، اور بند کرنا دشمنوں کے لئے ہوا کرتا ہے نمازیوں کو روکنا مقصد نہیں ہوتا جب نمازی آتے ہیں قلعہ کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ بحر الرائق اور مخ الثغار میں جو عبارت ہے اس سے یہ مذکورہ عبارت اچھی ہے۔

شاہی قلعہ اور محل میں نماز جمعہ اگر خلیفہ وقت قلعہ میں یا اپنے محل میں داخل ہو اور اس کے دروازے بند کر دے اور وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز جمعہ پڑھے تو اس کی نماز جمعہ نہیں ہوگی (البتہ دروازہ کھول دے اور لوگوں کو داخلہ کی عام اجازت دے دے تو نماز جمعہ ہو جائے گی مگر اس کا یہ فعل مکروہ ہوگا کہ اس نے جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے کے بجائے محل میں ادا کی کذا فی الطحاوی)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ خلیفہ وقت اپنے دین اور اپنی دنیا دونوں میں عوام کا محتاج ہے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اس احتیاج سے پاک ہے خلیفہ کو جمعہ اور عیدین میں بھی جو عبادت ہے عوام اور جماعت کی ضرورت ہوتی ہے اور سلطنت کی حفاظت کے لئے بھی عوام کی ضرورت ہے جو اس کی دنیا ہے۔

وشرط لافتراضها تسعة تختص بها اقامة بمصر اما المنفصل عنه فان كان يسمع النداء تجب عليه عند محمد وبه يفتى كذا في الملتقى وقدمنا عن الواو الجية تقديره بفرسخ ورجح في البحر اعتبار عوده لبיתه بلا كلفة وصحة والحق بالمريض الممرض والشيخ الفاني وحرية والاصح وجوبها على مكاتب ومبعض واجير ويسقط من الاجر بحسابه ولو بعيداً والاولو اذن له مولاه وجبت وقيل يخبر جوهره ورجح في البحر التخيير وذكورة محققة وبلوغ وعقل ذكره الزيلعي وغيره وليسوا خاصين ووجود بصر فتجب على الاعور وقدرته على المشي جزم في البحر بان سلامة احدهما له كاف في الوجوب لكن قال الشمني وغيره لا تجب على مفلوج الرجل و مقطوعها وعدم حبس وعدم خوف وعدم مطر شديد ووحل وثلج ونحوهما وفاقد ها اي هذه الشروط او بعضها ان اختار العزيمة وصلاها وهو مكلف بالغ عاقل وقعت فرضاً عن الوقت لئلا يعود على موضوعه بالنقض وفي البحر هي افضل الا للمرأة

فرضیت جمعہ کی شرطیں جمعہ کے فرض ہونے کے نو شرطیں ہیں جو جمعہ ہی کے ساتھ خاص ہیں (ماتن نے گیارہ شرطیں لکھی ہیں اور دو میں عقل اور بلوغ کا اضافہ کیا ہے، مگر یہ دونوں شرطیں جمعہ کے

ساتھ خاص نہیں ہیں اس لئے شارح نے صرف لوکا ذکر کیا ہے جو جمعہ کے لئے مخصوص ہیں)

پہلی شرط مقیم ہونا فرضیت جمعہ کی پہلی شرط شہر میں مقیم ہونا ہے، لہذا جمعہ مسافر پر واجب نہیں اور نہ اس شخص پر واجب ہے جو شہر سے علیحدہ ہے البتہ اگر شہر سے اس طرح قریب ہے کہ جمعہ کی اذان جو شہر میں ہوتی ہے وہ وہاں تک پہنچتی ہے، تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر جمعہ واجب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، جیسا کہ مسلمی میں مذکور ہے اور ہم پہلے دلوالبیہ سے نقل کر چکے ہیں کہ شہر سے متصل ہونے کا اندازہ میل سے تین میل ہے اور بحر الرائق میں اس قول کو ترجیح دیا گیا ہے کہ نمازی اس قدر قریب ہو کہ وہ وہاں نماز جمعہ پڑھ کر باسانی پلٹ آئے اس کو کوئی مشقت پیش نہ آئے (مگر وہاں یہ بتایا جا چکا ہے کہ تحقیق یہ ہے کہ میل کا کوئی اعتبار نہیں ہے بلکہ فناء الشہر سے مراد وہ جگہ ہے جہاں شہر کے منافع کی چیزیں ہوں)

دوسری شرط تندرستی فرضیت جمعہ کی دوسری شرط تندرستی ہے یعنی بیمار پر جمعہ واجب نہیں ہے اور بیمار ہی کے حکم میں وہ شخص بھی ہے جو اس بیمار کی دیکھ بھال کرنے پر اس طرح لگا ہوا ہے کہ اگر وہ چلا جائے تو بیمار کو خبر گیری نہ ہو سکے یعنی اس پر بھی جمعہ واجب نہیں، اور شیخ فانی بھی بیمار کے حکم میں ہے یعنی اس پر بھی جمعہ واجب نہیں ہے، شیخ فانی سے بہت بوڑھا شخص مراد ہے جو چلنے پھرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔

تیسری شرط آزاد ہونا فرضیت جمعہ کی تیسری شرط آزاد ہونا ہے یعنی غلام پر جمعہ واجب نہیں ہے مگر غلام کے سلسلہ میں صحیح تر قول یہ ہے کہ مکاتب غلام پر جمعہ واجب ہے، اور اس غلام پر جمعہ واجب ہے جس کا ایک حصہ آزاد ہو چکا ہے اور بقیہ کے لئے کمائی کرتا ہو، اور اسی طرح جمعہ مزدور پر بھی واجب ہے اگر مزدور جامع مسجد سے دور ہو تو اس کی مزدوری جمعہ میں جانے کے اوقات میں حساب سے وضع ہو جائے گی۔ لیکن اگر جامع مسجد کے قریب ہو تو نماز جمعہ پڑھنے سے اس کی مزدوری میں سے کوئی حصہ وضع نہیں ہوگا (مثلاً نماز جمعہ کے لئے اتنی دور جانا پڑتا ہے کہ چوتھائی دن لگ جاتا ہے تو ایک چوتھائی کے حصہ کی مزدوری ساقط ہو جائے گی، آج کل مزدور کے لئے آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی سرکاری طور پر طے ہے اب اگر یہ اوقات وہ پورے کرتا ہے تو وضع کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، یا جمعہ کی اجازت حاصل ہو تو بھی وضع کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ سرکاری دفاتروں میں جمعہ کے لئے ایک گھنٹہ وقت قانونی طور پر حاصل ہوتا ہے)

غلام کو اگر اس کے آقا نے جمعہ کی اجازت دے رکھی ہے تو اس پر نماز جمعہ واجب ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ غلام کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جمعہ پڑھے، یا ظہر، اور بحر الرائق میں اسی اختیار کو ترجیح دیا گیا ہے۔

چوتھی شرط مرد ہونا فرضیت جمعہ کی چوتھی شرط اس کا مرد یقینی طور پر ہونا اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت اور خنثی مشکل پر جمعہ واجب نہیں ہے۔

پانچویں چھٹی شرط عاقل و بالغ ہونا جمعہ کے فرض ہونے کی پانچویں شرط یہ ہے وہ بالغ ہو اور چھٹی شرط یہ ہے کہ وہ عاقل ہو، اس کا حامل یہ ہے کہ وہ نابالغ اور پاگل پر واجب نہیں ہے، اس کو زلیعی وغیرہ نے ذکر کیا ہے، مگر یہ دونوں شرطیں جمعہ کے ساتھ خاص نہیں ہیں بلکہ ہر فرض کے فرض ہونے کے

لئے شرط ہے

ساتویں شرط بیٹا ہونا ساتویں شرط بیٹا ہونا ہے لہذا معلوم ہوا کہ کانے پر جمعہ واجب ہے شامی نے کہا ہے کہ اسی طرح چوندھے پر بھی جمعہ واجب ہے البتہ اندھے پر جمعہ واجب نہیں اگرچہ اس کو پہنچانے والا موجود ہو۔

آٹھویں شرط چلنے پر قادر ہونا آٹھویں شرط یہ ہے کہ نمازی چلنے پر قادر ہو، بحر الرائق میں ہے کہ ایک پاؤں کا صحیح سالم ہونا جمعہ کے وجوب کے لئے کافی ہے مراد یہ ہے کہ لنگڑ

پر جمعہ واجب ہے، جو چل سکتا ہو، لیکن شمشنی وغیرہ نے کہا ہے کہ اس شخص پر جمعہ واجب نہیں ہے جس کے پیر پر فالج پڑ گیا ہو جس کا پیر کٹا ہوا ہو، یہاں شمشنی کی مراد یہ ہے کہ وہ چلنے پر قدرت نہ رکھتا ہو۔

نویں اور دسویں شرط قید نہ ہونا اور خوف کا نہ ہونا نویں شرط یہ ہے کہ وہ قید نہ ہو، دسویں شرط یہ ہے کہ حاکم اور دشمن کا خوف نہ ہو۔

گیارہویں شرط سخت بارش کا نہ ہونا اور گیارہویں شرط یہ ہے کہ سخت بارش کیچڑ اور برف وغیرہ نہ ہو، وغیرہ میں سخت آندھی اور طوفان داخل ہے۔

جس شخص میں یہ تمام شرائط پائی جائیں یا ان میں سے بعض نہ پائی جائیں اگر وہ عزیمت پر عمل کرنے اور جمعہ پڑھے در آنحالیہ کہ وہ عاقل بالغ ہو تو اس کی نماز جمعہ ہو جائے گی اور وقتی فرض سے وہ سبکدوش ہو جائیگا اور بحر الرائق میں ہے تمام عذر والوں کے حق میں جمعہ وقتی نماز ظہر سے افضل ہے البتہ صرف عورت کے لئے جمعہ پڑھنا افضل نہیں اس لئے کہ اس کی نماز گھر کے اندر باہر کی نماز سے افضل ہے۔

رخصت کے مقابلہ میں عزیمت استعمال ہوتا ہے رخصت میں شارع کی طرف سے تخفیف ہوتی ہے اور عزیمت میں مشقت اٹھانا پڑتی ہے، مسافر مریض وغیرہ کو مشقت سے بچانے کے لئے شریعت نے ان پر جمعہ کو فرض قرار نہیں دیا، اور ظہر پڑھنے کی اجازت دی ہے، اب اگر ان میں سے کوئی رخصت پر خود عمل نہ کرے اور عزیمت کو اختیار کرے اور بجائے ظہر کے جمعہ پڑھے تو جمعہ ادا ہو جائے گا اب اگر جمعہ کو جائز نہ کہیں تو یہ اس کے حق میں مشقت کے حکم میں ہو جائے گا اور جو سولت حاصل تھی وہ باقی نہ رہ سکے گی۔

وَيُصَلِّحُ لِلْإِمَامَةِ فِيهَا مَنْ صَلَحَ لَغَيْرِهَا فَجَازَتْ لِمَسَافِرٍ وَعَبْدٍ وَمَرِيضٍ وَتَنَعَّدَ الْجُمُعَةَ بِهِمْ أَيْ بِحُضُورِهِمْ بِالطَّرِيقِ الْأُولَى وَحَرَّمَ لِمَنْ لَا عَذْرَ لَهُ صَلَاةَ الظُّهْرِ قَبْلَهَا أَمَّا بَعْدُهَا فَلَا يَكْرَهُ غَايَةَ فِي يَوْمِهَا بِمَصْرِ لَكُونَهُ سَبَبًا لِتَقْوِيَةِ الْجُمُعَةِ وَهُوَ حَرَامٌ فَإِنْ فَعَلَ ثُمَّ نَدِمَ وَسَعَى عِبْرِيهِ اتِّبَاعاً لِلآيَةِ وَلَوْ كَانَ فِي الْمَسْجِدِ لَمْ تَبْطُلْ إِلَّا بِالشَّرْعِ قَيْدٌ بِقَوْلِهِ إِلَيْهَا لِأَنَّهُ لَوْ خَرَجَ

لحاجة او مع فراغ الامام او يلقيها اصلا لم تبطل في الاصح فالبطالان به
مقيد بامكان ادراكها بان انفصل عن باب داره والامام فيها ولو لم يدركها
بعد المسافة فالاصح انه لا تبطل سراج بطل ظهره لا اصل الصلوة ولا ظهر
من اقتدى به ولم يسمع ادركها او لا بلا فرق بين معذور وغيره على المذهب۔

امام جمع کا مستحق وہ جس نے نمازوں کے امام ہونے کی ایماقت رکھتا ہے وہ نماز جمعہ کے امام ہونے کے بھی لائق
ہوتا ہے لہذا مسافر، غلام اور بیمار نے لئے جمعہ کی امامت کرنا درست ہے اور ان لوگوں کے موجود
ہونے سے بھی جمعہ کی نماز ہر جہاں ہونی جائز ہوگی یعنی اگر کسی ایک لوگ مقتدی ہوں اور انہی میں کا ایک امام ہو تو بھی نماز جمعہ جائز
ہوگی۔

جمعہ کے دن نماز ظہر جن لوگوں کے لئے کوئی عذر شرعی نہ ہو ان کے لئے جمعہ کے دن جمعہ سے پہلے شہر میں
ظہر کی نماز کا ادا کرنا حرام ہے لیکن نماز جمعہ کے بعد ظہر کا ادا کرنا ان کے لئے مکروہ نہیں کذا
فی غایۃ الہیان، علمہ کا جمعہ سے پہلے ادا کرنا اس لئے حرام ہے کہ وہ جمعہ کے فوت کرنے کا سبب بنتا ہے اور جمعہ کا فوت کرنا حرام
ہے، لہذا جو جمعہ ام کا سبب ہوگی وہ خود حرام قرار پائے گی، (شامی نے کہا "فی یومہا" کا منشا یہ ہے کہ اس دن کی ظہر کا پڑھنا حرام
ہے پہلے کا فوت شدہ ظہر ادا کرنا حرام نہیں ہے اور شہر کی قید اس وجہ سے لگائی گئی ہے کہ گلاں میں جمعہ سے پہلے ظہر کی نماز کا ادا
کرنا حرام نہیں ہے اور نہ اس میں کچھ کراہت ہے اس وجہ سے کہ گلاں میں جمعہ جائز نہیں۔

جمعہ کے دن ظہر کی نماز کب ہوگی اور کب نہ ہوگی پس اگر غیر معذور جمعہ سے پہلے ظہر پڑھ لے
پھر وہ اپنے اس فعل پر شرمندہ ہو اور جمعہ کی
نماز کے لئے جگہ پڑے اس طرح کہ وہ ان سے گھر کے دروازہ سے جدا ہو جائے تو اس صورت میں اس کی نماز ظہر کی فرضیت
باطل ہو جائے گی اصل نماز باطل نہ ہوگی بلکہ اس کی وہ نماز اہل کے حکم میں ہو جائے گی خواہ اس کو جمعہ کی نماز ملے یا نہ ملے اس
مقصد کی نماز ظہر باطل نہیں ہوگی جس نے غیر معذور کے پیچھے نماز پڑھی ہوگی اور جمعہ کے لئے سعی نہیں کی ہوگی اس میں کوئی
فرق نہیں ہے کہ وہ معذور ہو یا نہ ہو صحیح مذہب یہی ہے۔

شارح نے بتایا ہے کہ ماتن نے چلنے کو سعی سے اس لئے تعبیر کیا کہ تاکہ آیت کی اتباع ہو سکے اس لئے وہاں فاستعوا
الی ذکر اللہ کا لفظ آیا ہے، اور ماتن نے یہ قید جو لگائی ہے کہ وہ جمعہ کی سعی کی نیت سے نکلے اس کی وجہ یہ ہے کہ ظہر پڑھنے والا
اپنے کسی کام سے نکلے یا امام کے فارغ ہو چکنے کے بعد اگلے یا امام نے جمعہ سرے سے قائم ہی نہیں کیا ہو تو ان صورتوں میں ظہر
باطل نہیں ہوگا اس لئے اس صورت میں اس کی سعی جمعہ کے لئے نہیں ہوتی ہے پس سعی الی الجمعہ کے ساتھ جمعہ کا باطل ہونا
اس وقت مقید ہے جب کہ جمعہ کا پالینا ممکن ہو، لہذا مسافت کی دوری کی وجہ سے اگر جمعہ نہیں پایا ہے تو صحیح تر قول یہ ہے کہ ظہر
باطل نہیں ہوگا کذا فی السراج۔

(شامی نے لکھا ہے کہ شارح کا جمعہ پالینے کے امکان کی قید لگانا صحیح نہیں ہے)

وكره تحريماً لمعذور مسجون ومسافر أداء الظهر بجماعة في مصر قبل الجمعة وبعد ها لتقليل الجماعة وصورة المعارضة وافاد ان المساجد تغلق يوم الجمعة الا الجامع وكذا اهل مصر فاتتهم الجمعة فانهم يصلون الظهر بغير اذان ولا اقامة ولا جماعة ويستحب للمريض تأخيرها الى فراغ الامام وكره ان لم يوخز هو الصحيح ومن ادركها في تشهد او سجود سهو هو على القول به فيها يتمها جمعة خلافاً لمحمد كما يتم في العيد اتفاقاً كما في عيد الفتح لكن في السراج انه عند محمد لم يصرمدركا له وينوي جمعة لا ظهراً بالاتفاق فلو نوى الظهر لم يصح اقتداءه ثم الظاهر انه لا فرق بين المسافر وغيره نهر بحثاً.

معذور قیدی، اور مسافر کا شہر میں جمعہ کی نماز سے پہلے یا اس کے بعد ظہر **معذور کا جمعہ کے دن ظہر کا ادا کرنا** ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے اس وجہ سے کہ اس سے جمعہ کی جماعت میں کمی آجاتی ہے اور جمعہ سے مقابلہ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے قضاء ظہر کا اس دن جماعت سے ادا کرنا مکروہ نہیں ہے اسی طرح گاؤں والوں کے لئے بھی ظہر کی جماعت مکروہ نہیں ہے بہر حال شہر میں جمعہ کی اہمیت کا تقاضا ہے کہ اس کے مقابلہ میں دوسری جماعت نہ کی جائے۔

اس مکروہ تحریمی سے یہ بھی **جامع مسجد کے سوا دوسری مسجد میں جمعہ کے دن بند رکھی جائیں** نکالا ہے کہ جمعہ کے دن جامع مسجد کے سوا تمام اور مسجدیں بند رکھی جائیں تاکہ کوئی اس دن دوسری نماز کی جماعت نہ کر سکے، اور اس کا موقع باقی نہ رہے اسی طرح ان لوگوں کا ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے جن کی نماز جمعہ فوت ہو گئی ہو، ایسے لوگ ظہر کی نماز بغیر اذان، بغیر تکبیر اور بغیر جماعت پڑھیں گے بیمار کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ اپنی نماز کو اس وقت تک نہ پڑھے جب تک امام نماز جمعہ سے فارغ نہ ہو جائے، اگر وہ امام کے فارغ ہونے کا انتظار کئے بغیر پڑھے گا تو یہ اس کے لئے مکروہ تنزیہی ہو گا صحیح مذہب یہی ہے۔

وہ شخص جو جمعہ کی نماز میں التحیات میں آکر ملے یا **نماز جمعہ کی اخیر رکعت میں التحیات میں ملنے والا** مسجد میں سو میں آکر ملے یا سجدہ سو کے تشهد میں آکر ملے وہ نماز جمعہ ہی پوری کرے گا یہ شیخین کے نزدیک ہے جس طرح عید کی نماز میں التحیات میں جو آکر ملے گا وہ بالاتفاق عید ہی کی نماز پوری کرے گا چنانچہ فتح القدیر کے باب العید میں صراحت ہے کہ اگر کوئی عید کے تشهد یا سجدہ سو میں آکر ملے گا تو وہ بالاتفاق دور کعتیں عید کی ہی پڑھے گا لیکن سراج نامی کتاب میں ہے کہ امام محمد کے نزدیک تشهد میں آکر ملنے

والے کی نماز عید نہیں ہوگی، وہ بقیہ نماز نفل کی طرح پوری کرے۔ عید کی طرح پوری نہ کرے، جمعہ کے باب میں بھی امام محمدؒ کا قول یہی ہے کہ جو شخص جمعہ کی ایک رکعت سے کمتر میں آکر ملے گا وہ ظہر کی نماز پوری کرے گا، جمعہ پوری نہیں کرے گا، شامی نے کہا کہ پہلا قول صحیح ہے کہ تشہد میں ملنے والا عید ہی کی نماز پوری کرے گا۔

نماز جمعہ میں جو شخص تشہد میں آکر امام کے ساتھ ملا ہے وہ بالاتفاق جمعہ کی نیت کرے گا ظہر کی نیت نہیں کرے گا، اگر وہ ملنے والا ظہر کی نیت سے آکر ملے گا اس کی اقتداء درست نہیں ہوگی کیونکہ امام کی نیت سے موافقت باقی نہیں رہے گی، جو مقتدی کے لئے ضروری ہے، اس مسئلہ میں مسافر اور غیر مسافر کے اندر کوئی فرق نہیں ہے جو بھی تشہد میں آکر ملے گا وہ جمعہ کی نماز ہی پوری کرے گا۔

وإذا خرج الإمام من الحجرة ان كان والافقيامه للصعود شرح المجمع فلا
صلوة ولا كلام الى تمامها وان كان فيها ذكر الظلمة في الاصح خلا قضاء
فائتة لم يسقط الترتيب بينها وبين الوقتية فانها لا تكره سراج وغيره
لضرورة صحة الجمعة والا لا ولو خرج وهو في السنة او بعد قيامه لثالثة
النفل يتم في الاصح ويخفف القراءة وكل ما حرم في الصلوة حرم فيها له
في الخطبة خلاصه وغيرها فيحرم اكل وشرب وكلام ولو تسبيحاً او رد
سلام او امراً بمعروف بل يجب عليه ان يستمع ويسكت بلا فرق بين قريب
وبعيد في الاصح محيط ولا يرد تحذير من خيف هلاكه لانه يجب لحق آدمي
وهو محتاج اليه والانصات لحق الله تعالى ومبناه على المسامحة وكان
ابو يوسف ينظر في كتابه ويصححه والا صح انه لا بأس بان يشير برأسه او
يده عنه روية منكر والصواب انه يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم
عند سماع اسمه في نفسه ولا يجب تشميت عاطس ولا رد سلام به يفتي
وكذا يجب الاستماع لسائر الخطب لخطبة نكاح وخطبة عيد على المعتمد
وقالا لا بأس بالكلام قبل الخطبة وبعدها واذ جلس عند الثاني والخلاف في
كلام يتعلق بالآخرة اما غيره فيكره اجماعاً وعلى هذا فالترقية المتعارفه في
زماننا تكره عنده لا عندهما واما ما يفعله المودنون حال الخطبة من
الترضى ونحوه فمكروه اتفاقاً وتمايمه في البحر والعجب من المرقى ينهى
عن الامر بالمعروف بمقتضى حديثه ثم يقول النصتوا رحمكم الله قلت الا

ان يحمل على قولهما فتنبه۔

خطبہ کے لئے امام کے نکلنے کے بعد دوسری نماز وغیرہ نہ پڑھی جائے

امام حجرہ میں
ہوا اور وہ وہاں

سے خطبہ کے لئے نکلے یا مسجد میں ہو اور خطبہ کے لئے منبر پر چڑھنے کے لئے کھڑا ہوا تو اس کے بعد اس وقت تک نہ کوئی نماز ہے اور نہ کوئی بات چیت جب تک امام خطبہ پورا نہ کرے اگرچہ خطبہ میں ظالموں کا تذکرہ ہی کیوں نہ ہو صحیح تر قول یہی ہے (اس کے مقابلہ میں ایک قول یہ ہے کہ جب خطبہ میں ظالموں کا ذکر ہو تو کلام کرنا درست ہے مگر فتویٰ پہلے قول پر ہے)

خطبے کے وقت میں کوئی نماز جائز نہیں ہے سوائے قضاء نمازوں کے کہ ان میں اور وقتی نماز (جمعہ) میں ترتیب ساقط نہ ہوئی ہو، اس وقت اس فوت شدہ نماز کا پڑھنا مکروہ نہیں ہے بلکہ اس کا پڑھنا واجب ہے، اس لئے کہ جمعہ کی صحت اس کے پڑھنے پر موقوف ہے، البتہ اگر ترتیب واجب نہ ہو تو خطبہ کے وقت میں قضاء کا پڑھنا بھی مکروہ ہے۔

خطبہ شروع کرتے وقت اگر سنت پڑھ رہا ہو

امام جمعہ خطبہ کے لئے اس وقت نکلا کہ نمازی سنت پڑھ رہا تھا یا وہ نفل کی تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو رہا تھا تو اس

صورت میں نمازی اپنی سنت اور نفل پوری کرے گا صحیح تر مذہب یہی ہے البتہ ان نمازوں میں قرأت مختصر بقدر واجب کرے گا۔ جو چیزیں نماز میں حرام ہیں وہ خطبہ میں بھی حرام ہیں کذا فی الخلاصہ، چنانچہ اس اصول کی بنیاد پر خطبہ کے وقت کھانا پینا، اور بات چیت کرنا حرام ہے اگرچہ وہ تسبیح یا سلام کا جواب اور امر بالمعروف ہی کیوں نہ ہو۔

خطبہ جمعہ کا سننا اور خاموش رہنا

جمعہ میں شریک ہونے والے پر واجب یہ ہے کہ وہ خطبہ سننے اور خاموش رہے، اس میں کوئی تمیز نہیں ہے کہ وہ شخص امام کے قریب ہے، یا اس سے دور ہے، یعنی خطبہ کے وقت دور والا جو خطبہ کی آواز نہیں سنتا ہے اس پر بھی واجب ہے کہ وہ کان لگائے رکھے اور خاموش رہے۔

اگر کسی کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہو تو اس وقت البتہ خطبہ میں شریک ہونے والے پر لازم ہے کہ وہ اس کو خبردار کر دے اور بچانے کی سعی کرے خواہ بولنا پڑے خواہ کچھ کرنا پڑے اس لئے یہ ایک انسانی فریضہ جو اس پر عاید ہوتا ہے اور اس کی ادائیگی اس پر ضروری ہے، لہذا اس مسئلہ سے خاموش رہنے والے مسئلہ پر اعتراض نہیں ہوتا ہے، باقی خطبہ کے وقت خاموش رہنا حقوق اللہ میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ اس بات پر اس سے درگزر فرما سکتا ہے۔

امام ابو یوسفؒ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جب وہ خطیب سے اس قدر دور ہوتے تھے کہ آواز نہیں پہنچتی تھی تو آپ اپنی کتاب دیکھا کرتے تھے اور اس کی تصحیح کرتے رہتے تھے (شامی نے لکھا ہے کہ اس کی بنیاد اس ضعیف قول پر ہے جس میں صراحت ہے کہ اگر خطیب سے دور ہو اور آواز نہیں پہنچ رہی ہو تو بات کرنا اور کتاب دیکھنا جائز ہے۔

وقت خطبہ اشارہ سے منع کرنا

جمعہ کے خطبہ کے وقت اگر کسی کو کوئی بری حرکت یا بری بات کرتے دیکھے تو صحیح تر قول کے مطابق کوئی مضاقتہ نہیں ہے کہ وہ اپنے سر یا ہاتھ کے اشارہ

سے اس کو روکے، البتہ زبان سے منع کرنا حرام ہے کذا فی الطحاوی۔

خطبہ کے وقت جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی خطیب سے سنے تو اس باب میں درست قول یہ ہے کہ اپنے جی میں آپ پر درود بھیجے، زبان سے نہ پڑھے اور بعض کہتے ہیں کہ آہستہ زبان ہی سے پڑھے۔

خطبہ کی حالت میں سلام کا جواب دینا خطبہ سننے کی حالت میں چھینکنے والے اور سلام کرنے والے کا جواب دینا واجب نہیں ہوتا ہے مفتی بہ قول یہی ہے، طحاوی نے لکھا ہے کہ چھینکنے والا چھینکنے کے بعد الحمد للہ کہے تو بہت آہستہ کہے (مگر یہاں بھی بہتر یہی ہے کہ جی میں کہے زبان سے نہ کہے۔

دوسرے خطبوں کے وقت کان لگانا جس طرح جمعہ کا خطبہ سننا نماز جمعہ میں شریک ہونے والوں کو ضروری ہے کہ اسی طرح دوسرے خطبوں میں شریک ہونے والے پر بھی واجب ہے کہ وہ اس کو سننے جیسے نکاح کا خطبہ، ختم قرآن اور خطبہ عیدین ہے، یعنی ان خطبوں کا سننا بھی موجود رہنے والوں پر واجب ہے قول معتمد یہی ہے۔

صاحبین امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جب تک امام خطبہ شروع نہ کرے اس سے پہلے اور خطبہ کے قائم ہو جانے کے بعد کلام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ اس وقت بھی کلام میں مضائقہ نہیں ہے جب امام دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھا ہو، مگر یہ اختلاف اس کلام میں ہے جو آخرت سے متعلق ہو کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ اس سے بھی منع کرتے ہیں اور صاحبین اس میں مضائقہ نہیں سمجھتے، باقی وہ بات چیت جس کا تعلق آخرت سے نہ ہو وہ بالاتفاق خطبہ کے ہوتے ہوئے مکروہ ہے۔

امام کے سامنے آیت صلوٰۃ پڑھنا اسی اختلاف میں وہ ترقیہ بھی داخل ہے جو ہمارے (یعنی مصنف کے زمانہ میں مروج تھا یعنی یہ ترقیہ امام اعظمؒ کے نزدیک مکروہ ہے اور صاحبین اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے) ترقیہ کی صورت یہ ہوتی تھی کہ مؤذن جو تکبیر کہتا تھا وہ پہلے امام کے سامنے کھڑا ہو کر یہ پوری آیت پڑھتا تھا اِنَّ اللہَ وَمَلَائِکَتُہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ الْبَہِیْمِ پھر وہ حدیث پڑھتا تھا جس میں لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ جب امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو اس وقت کسی سے یہ کہنا کہ تم چپ رہو یہ کہنا بھی لغو ہے)

صحابہ کے نام رضی اللہ عنہم کی آواز بلند کرنا اذان دینے والے خطبہ ہوتے وقت "رضی اللہ عنہ" اور اس طرح کے دوسرے جملوں کی جو صدا لگاتے ہیں وہ بالاتفاق مکروہ ہے اور اس کی پوری تفصیل بحر الرائق نامی کتاب میں ہے (عرب کے بعض شہروں میں رواج یہ تھا کہ امام کی زبان پر خطبہ میں خلفاء راشدین و صحابہ کرام کا نام آتا تھا تو مؤذن بلند آواز سے "رضی اللہ عنہم" کہتے تھے اور جب سلطان کا نام آتا تھا تو وہ "خلد اللہ ملکہ" اور دوسرے دعائیہ کلمات بلند آواز سے کہتے تھے)

جو لوگ امام کے سامنے ترقیہ میں حدیث اور آیت پڑھتے ہیں ان پر تعجب ہے کہ ایک طرف تو ایسی حدیث سناتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ امام جب خطبہ کے لئے نکلے اس وقت بالکل خاموش رہو، اور دوسری طرف خود یہ کہہ کر کہ تم

خاموش رہو اللہ تم پر رحم کرے اس حدیث کی خلاف ورزی کرتے ہیں شارح کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ وہ صاحبین کے اس قول پر عمل کرتے ہیں جس میں انہوں نے کہا ہے کہ خطبہ سے پہلے امر بالمعروف کرنے میں مضائقہ نہیں ہے۔

ووجب السعي اليها وترك بيع ولو مع السعي وفي المسجد اعظم وزرا با الاذان الاول في الاصح وان لم يكن في زمان الرسول بل في زمن عثمانؓ وافاد في البحر صحة اطلاق الحرمة على المكروه تحريماً ويؤذن ثانياً بين يديه اي الخطيب افاد بوحدة الفعل ان المؤذن ان كان اكثر من واحد اذنوا واحد بعد واحد ولا يجتمعون كما في الجلابي والتمرتاشي ذكره القهستاني اذا جلس على المنبر فاذا اتم اقيمت ويكره الفصل بامر الدنيا ذكره العيني

اذان جمعہ کے بعد کام وھام چھوڑ کر نمازی کی تیاری پہلی اذان جمعہ کے بعد نماز جمعہ کے لئے جانا اور خرید و فروخت کا چھوڑنا دینا واجب ہے گو یہ پہلی اذان عہد نبوی میں نہیں تھی بلکہ اس اذان کا رواج عہد عثمانی میں ہوا، شارح نے بتایا کہ مسجد جاتے ہوئے بھی خرید و فروخت چھوڑ دینا ضروری ہے اور مسجد میں خرید و فروخت کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

(یہاں بیچ سے مراد ہر وہ کام ہے جو نماز جمعہ میں حارج ہو لہذا خرید و فروخت کے سوا دوسرے کام میں بھی اذان اول کے بعد مشغول رہنا مکروہ تحریمی ہے البتہ مسجد جاتے ہوئے اس طرح خرید و فروخت کرنا جس سے جمعہ کے لئے جانے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو، سراج نامی کتاب میں لکھا ہے کہ مکروہ نہیں ہے، شارح نے بھی باب البیع الفاسد کے اخیر میں ”لاباس“ کا جملہ لکھا ہے (یعنی اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے)

پہلی اذان جمعہ اذان اول کے سلسلہ میں بھی اختلاف ہے کہ یہ کون سی اذان ہے بعض فقہاء نے کہا کہ اول وہ اذان ہے جو امام کے سامنے اس کے منبر پر بیٹھنے کے بعد ہوتی ہے، یہ کہتے ہیں کہ شروع ہونے کے اعتبار سے اذان اول یہی ہے کہ عہد نبوی، اور صدیقی اور دور خلافت فاروقی میں صرف یہی اذان ہوا کرتی تھی۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں آدمی بہت زیادہ ہو گئے تو اپنے دور میں ایک اذان اور پڑھا دی، مگر اس سلسلہ میں صحیح یہ ہے کہ پہلی اذان وہ ہوگی جو وقت کے بعد پہلے ہوتی ہے اور زوال کے بعد منارہ مسجد سے نکل پکاری جاتی ہے)

بحر الرائق میں لکھا ہے کہ مکروہ تحریمی کے لئے حرمت کا لفظ بولنا صحیح ہے (یہ اس کا جواب ہے کہ صاحب ہدایہ نے اذان اول کے وقت خرید و فروخت کو حرام لکھا ہے حالانکہ وہ مکروہ تحریمی ہے جواب کا ماہر حاصل یہ ہے کہ مکروہ تحریمی کو حرام لکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ درست ہے۔

دوسری اذان جمعہ مؤذن دوسری اذان اس وقت خطیب کے سامنے کھڑا ہو کر دے گا جب وہ منبر پر بیٹھ جائے،

شراح نے بتایا ہے کہ ماتن ”یؤذن“ واحد کا صیغہ یہاں لایا ہے اس سے یہ فائدہ ہوا جب اذان دینے والے ایک سے زیادہ ہوں تو وہ ایک ساتھ مل کر نہ کہیں بلکہ یکے بعد دیگرے جیسا جلابی اور تمر تاشی میں صراحت ہے اس کو قہستانی نے ذکر کیا ہے۔

خطبہ اور تکبیر کے درمیان فصل

امام جب خطبہ پورا کر لے گا تو اس کے بعد تکبیر کہی جائے گا، خطبہ اور تکبیر کے درمیان کسی دنیاوی امر کی وجہ سے فاصلہ کرنا مکروہ ہے، اس کو عینی نے اپنے شرح میں ذکر کیا ہے (ما حصل یہ ہے کہ خطبہ کے ختم ہوتے ہی تکبیر شروع کر دی جائے اور دنیاوی امر کی قید کا نشانہ یہ ہے کہ اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وجہ سے خطبہ کے بعد تکبیر میں کچھ تاخیر ہو جائے تو یہ مکروہ نہیں ہے اور خطیب دوسرے خطبہ میں جو منبر کی آخری سیڑھی سے پہلی سیڑھی پر آتے ہیں پھر اوپر چڑھتے ہیں یہ بدعت ہے۔

بحر الرائق نے لکھا ہے کہ منبر کا قبلہ کے پائیں جانب ہونا مسنون ہے، اسی طرح یہ بھی مسنون ہے کہ امام نماز جمعہ میں بسلسلہ قرأت سورہ جمعہ اور منافقون پڑھے یا سورہ اعلیٰ اور غاشیہ پڑھے۔

لا ینبغی ان یصلے بالقوم غیر الخطیب لانہما کشیء واحد فان فعل

بان خطب صبی بان السلطان و صلی بالغ جاز ہو المختار ولا باس بالسفر یومها اذا خرج من عمر ان المصر قبل خروج وقت الظهر کذا فی الخانیة لکن عبادہ الظہیریة وغیرہا بلفظ دخول بدل خروج وقال فی شرح المنیة والصحیح انه یکرہ السفر بعد الزوال قبل ان یصلیہا ولا یکرہ قبل الزوال القروی اذا دخل المصر یومها ان نوى المکث ثمة ذلك اليوم لزمته الجمعة وان نوى الخروج من ذلك اليوم قبل وقتها او بعده لا تلزمه لکن فی النهر ان نوى الخروج بعده لزمته وقیل لا کما لا تلزم لو قدم مسافر یومها علی عزم ان لا یرجع یومها ولم ینو الاقامة نصف شهر۔

جمعہ میں خطابت و امامت

یہ مناسب نہیں ہے کہ خطیب کے علاوہ دوسرا شخص جمعہ کی امامت کرے، اس لئے کہ خطبہ اور نماز دونوں ایک چیز کے درجہ میں ہیں، لہذا دونوں کا فاعل ایک ہی شخص کا ہونا مناسب ہے (گویہ بھی جائز ہے کہ خطبہ کوئی اور دے اور امامت کوئی اور کرے) پس اگر ایسا ہو کہ خطیب جدا ہو اور امام جدا ہو، اس طرح کہ ایک نابالغ لڑکا سلطان کی اجازت سے جمعہ کا خطبہ دے اور دوسرا نابالغ اسی نماز جمعہ کی امامت کرے تو یہ جائز ہے اور مذہب مختار یہی ہے لڑکے کے خطبہ کی قید لگا کر اس بات کو بتانا چاہا ہے کہ نابالغ لڑکے کا خطبہ پڑھنا جائز ہے، ناجائز نہیں، اور خطبہ میں سلطان کی اجازت کی قید کا مطلب یہ ہے کہ اجازت کی شرط خطبہ میں ہے نماز میں نہیں ہے کذا فی الطحاوی

جمعہ کے دن سفر

جمعہ کے دن ظہر کے وقت داخل ہونے سے پہلے جب شہر کی آبادی سے نکل چکا ہو تو اس دن سفر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے (یہاں سفر سے مراد ایسی جگہ ہے جہاں کے باشندوں پر

(واجب نہیں ہے کذا فی الثانی) اور شرح للنیہ میں لکھا ہے کہ جمعہ کے دن زوال کے بعد جمعہ پڑھنے سے پہلے سفر کرنا مکروہ۔ البتہ زوال سے پہلے سفر کرنا مکروہ نہیں ہے، کیونکہ زوال سے پہلے جمعہ فرض نہیں ہوتا ہے۔

باس کا باشندہ جب جمعہ کے دن شہر آئے گاؤں کے رہنے والے پر جمعہ واجب نہیں ہے اگر جمعہ کے دن شہر میں داخل ہو اور وہ اس دن وہاں قیام کی نیت کرے۔ تو اس پر جمعہ لازم ہوگا اور اگر اسی دن سے چلے جانے کا ارادہ اور نیت ہو خواہ جمعہ سے پہلے ہو یا جمعہ کے بعد اس پر جمعہ لازم نہیں ہوگا، لیکن نہر الفائق میں یہ ہے کہ اگر شہر سے واپسی کی نیت کی ہے تو اس پر جمعہ کی نماز لازم ہوگی اور اگر جمعہ کے بعد واپسی کی نیت نہیں ہے بلکہ پہلے ہے تو لازم نہیں، اور شرح للنیہ میں ہے کہ اگر اس کی نیت جمعہ کی نماز کے وقت تک ٹھہرنے کی ہے تو اس پر جمعہ لازم ہوگا اور دوسرا ضعیف قول یہ ہے کہ لازم نہیں ہوگا، جیسے اس مسافر پر جمعہ لازم نہیں ہوتا جو جمعہ کے دن شہر میں اس عزم کے ساتھ آیا ہے کہ وہ اس دن شہر سے نہیں واپس ہوگا اور نہ اس نے شہر میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ رہنے کی نیت کی ہے، البتہ اگر وہ اقامت کی نیت کر لے گا تو اس پر جمعہ لازم ہوگا۔

يُخْطِبُ الْإِمَامُ بِسَيْفٍ فِي بَلَدَةٍ فَتَحَتْ بِهِ كَمَكَةً وَالْأَلَا كَالْمَدِينَةِ وَفِي الْحَاوِي الْقَدْسِيِّ إِذَا فَرَّغَ الْمُؤَذِّنُونَ قَامَ الْإِمَامُ وَالسَّيْفُ فِي يَسَارِهِ وَهُوَ مَتَكِي عَلَيْهِ وَفِي الْخُلَاصَةِ وَيَكْرَهُ أَنْ يَتَكِي عَلَى قَوْسٍ أَوْ عَصَا فُرُوعٍ سَمِعَ الْفَدَاءَ وَهُوَ يَأْكُلُ تَرَكَهُ أَنْ خَافَ فُوتَ جَمْعُهُ أَوْ مَكْتُوبُهُ لَا جَمَاعَةَ رَسْتَا قِي يَسْعَى يَرِيدُ الْجُمُعَةَ وَحَوَائِجُهُ أَنْ مَعْظَمُ مَقْصُودِهِ الْجُمُعَةَ نَالِ ثَوَابِ السَّعْيِ إِلَيْهَا وَبِهَذَا يَعْلَمُ أَنَّ مَنْ شَرِكَ فِي عِبَادَتِهِ فَالْعَبْرَةُ لِلْأَغْلَبِ الْإِفْضَلُ حَلَقُ الشَّعْرِ وَقَلَمُ الظُّفْرِ بَعْدَهَا لَا بَاسَ بِالتَّخْطِي مَالِمَ يَأْخُذُ الْإِمَامُ فِي الْخُطْبَةِ وَلَمْ يُوْذَ أَحَدًا إِلَّا أَنْ لَا جِدَّ الْإِفْرَجَةَ إِمَامُهُ فَيَتَخَطَّى إِلَيْهَا لِلضَّرُورَةِ وَيَكْرَهُ التَّخْطِي لِلِسُّوَالِ بِكُلِّ حَالٍ۔

بوقت خطبہ تلوار یا عصا جو شہر قوت سے فتح ہوا ہے جیسے مکہ مکرمہ وہاں امام جمعہ کا خطبہ تلوار کے سہارے دے گا اور اگر وہ شہر قوت سے فتح نہیں ہوا ہے (جیسے مدینہ منورہ) تو وہاں تلوار لے کر خطبہ نہیں دے گا۔ حاوی قدسی میں ہے کہ مؤذن جب امام کے سامنے دوسری اذان دے چکے تو امام اس طرح کھڑا ہو کر خطبہ دے، کہ تلوار اس کے ہائیں طرف ہو جس پر وہ سہارے لئے ہوئے ہو (لیکن بحر الرائق میں لکھا ہے کہ تلوار حائل کر کے خطبہ دے اور نہر الفائق میں ہے کہ تلوار کو حائل کر کے اس کی لوک زمین پر رکھے اور اس پر ہاتھ کا سہارا دے تاکہ دونوں ہاتھیں حاصل ہو جائیں) اور خلاصہ نامی کتاب میں لکھا ہے کہ خطبہ میں لاٹھی یا تلوار کا سہارا لینا مکروہ ہے (لیکن خلاصہ کی اس عبارت پر لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ ابوداؤد کی حدیث میں صراحت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لاٹھی

کے سہارے خطبہ دیا ہے، چنانچہ محیط میں ہے کہ جس طرح خطبہ میں کھڑا ہونا سنت ہے اسی طرح خطبہ میں لاشی کا سہارا لینا بھی مستنون ہے (کذا فی الشامی)

کھاتے ہوئے اذان جمعہ ہو تو کوئی کھانے کی حالت میں اذان سننے اور اس کو جمعہ چھوٹ جانے کا خطرہ ہوا فرض نماز کے فوت ہونے کا، تو اس صورت میں وہ کھانا کھانا چھوڑ دے، لیکن اگر جماعت کے چھوٹنے کا خوف نہ ہو تو کھانا کھانا نہیں چھوڑے (کیونکہ پہلے گذر چکا ہے کہ جس کھانے سے دل لگا ہو وہ ایسا عذر ہے جس کے لئے جماعت چھوڑی جاتی ہے)

دیہاتی جب جمعہ کی نیت سے شہر آئے ایک دیہات کا رہنے والا جمعہ اور اپنی دوسری ضرورتوں کے ارادہ سے شہر روانہ ہوا، اس صورت میں اگر اہم مقصد اس کا جمعہ پڑھنا ہے تو اس کو جمعہ کے لئے چلنے کا ثواب ملے گا اس مسئلہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص اپنی عبادت میں شریک کرے اور کوئی دوسرا مقصد شامل کر لے تو جو زیادہ غالب ہو اس کا اعتبار ہوگا (مثلاً حج میں تجارت کا ارادہ کر لے مگر غالب ہوجج کا ارادہ تو حج کا ثواب ملے گا ورنہ نہیں)

ناخن اور بال بنوانا بال بنوانا اور ناخن ترشوانا جمعہ کے بعد بہتر ہے (تاتار خانیہ میں لکھا ہے کہ نماز جمعہ سے پہلے بالوں اور ناخنوں کا بنوانا اچھا نہیں ہے، کیونکہ جمعہ میں حج کی سی ایک کیفیت ہے تو جس طرح حج میں بعد فراغت حج بال بنواتے ہیں اسی طرح یہاں جمعہ کے دن بھی بعد نماز جمعہ بہتر ہوگا)

جب تک امام خطبہ شروع نہ کرے اس وقت تک لوگوں کی گردن پھاند کر آگے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے مگر شرط یہ ہے کہ کسی کو تکلیف نہ دے، لیکن اگر وہ اپنے سامنے خالی جگہ کے علاوہ کوئی جگہ نہ پائے تو اس خالی جگہ کو ہڈ کرنے کے لئے گردن پھاند کر آگے جاسکتا ہے، اس لئے کہ ضرورت ہے (ماحصل یہ ہے کہ خطبہ ہونے کی حالت میں گردن پھاند کر آگے جانا جائز نہیں ہے اور نہ کسی کو اپنے اس عمل سے تکلیف پہنچانا ہی درست ہے، البتہ اگر جگہ نہ ہو اور آگے جگہ خالی ہو تو گردن پھاند کر آگے جانے میں مضائقہ نہیں خواہ کسی کو اس سے تکلیف ہی کیوں نہ ہو)

جمعہ میں سائل کا سوال کرنا سوال کے لئے گردنوں کا جمعہ کے دن پھاندنا ہر حال میں مکروہ ہے خواہ کسی کو ایذا ہو یا نہ ہو (مسجد میں مانگنے اور سائل کو دینے کے باب میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ اگر سائل نمازیوں کے سامنے سے نہ گزرے اور نہ گردنوں کو پھاندے اور نہ اصرار کے ساتھ مانگے تو مانگنا اور دینا دونوں درست ہے، ورنہ مکروہ ہے۔

وسئل علیہ السلام عن ساعة الاجابة فقال ما بين جلوس الامام الى ان يتم الصلوة وهو الصحيح وقيل وقت الحصر واليه ذهب المشايخ كما في التاتار خانية وفيها سئل بعض المشايخ دليلة الجمعة افضل ام يومها فقال يومها وذكر في احكامات الاشباه مما اختص به يومها قراءة الكهف

فبما ومن فهم عطفه علی قوله ویکره افرادہ بالصوم وافرأ ولیلته بالقیام فقد
هم وغیه تجتمع الارواح وتزار القبور ویامن المیت من عذاب ابقر ومن
مات فیه وفی لیلته امن من عذاب القبور ولا تسجرفیه جهنم وفیه یزور اهل
الجنة ربهم نسالی

وہ ساعت جس میں دعا قبول ہوتی ہے

بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ جمعہ کی وہ
ساعت کون سی ہے جس میں دعا قبول ہوتی ہے، آپ نے فرمایا کہ
جب امام خطبہ دینے کے لئے بیٹھتا ہے اس وقت سے لے کر نماز کے پورا ہونے تک ہے، اور یہی قول صحیح ہے، ایک دوسرا قول
یہ ہے کہ وہ ساعت عصر کے وقت ہے اور مشائخ اسی طرف گئے ہیں۔ جیسا کہ تاتارخانیہ میں مذکور ہے۔

صحیحین میں ایک حدیث آئی ہے کہ جمعہ کے اندر ایک ساعت ایسی ہے کہ جب کوئی بندہ اس میں کھڑا ہو کر نماز
پڑھتا ہے پھر اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز عطا کرتا ہے اس ساعت کے تعیین میں اختلاف ہے کہ وہ کون
سی ساعت ہے، اس سلسلہ میں بائیس اقوال ہیں، اس میں دو قول زیادہ صحیح ہیں ایک امام کے خطبہ کے لئے بیٹھنے کے وقت سے
لے کر نماز ختم ہونے تک، دوسرا قول یہ کہ وہ جمعہ کی آخری ساعت ہے جس کو یہاں عصر کے وقت سے شارح نے تعبیر کیا

جمعہ کا دن افضل ہے یا رات

تاتارخانیہ میں یہ بھی ہے کہ بعض مشائخ سے سوال کیا گیا کہ بتائیں جمعہ کی رات
افضل ہے یا اس کا دن، انہوں نے جواب میں فرمایا کہ جمعہ کا دن افضل ہے اس کی
دہ یہ ہے کہ اس کی رات کو بھی فضیلت صرف نماز جمعہ ہی کی وجہ سے ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ نماز جمعہ دن میں شروع ہوتی
ہے

جمعہ کو سورہ کف پڑھنا

اور کتاب الاشباہ کے احکام جمعہ میں مذکور ہے، کہ جمعہ کو جن امور کی وجہ سے فضیلت
حاصل ہے ان میں سے اس دن سورہ کف کا پڑھنا بھی ہے خواہ جمعہ کی رات میں ہو یا دن
میں، کیونکہ سورہ کف کے متعلق حدیث میں ہے کہ جو کوئی جمعہ کے دن سورہ کف پڑھتا ہے وہ اس جمعہ سے لے کر دوسرے
جمعہ تک بلکہ تین دن زیادہ تک محفوظ رہتا ہے۔

فضائل جمعہ اور اس کی اہمیت

قرأت کف کا عطف جن لوگوں نے اس کا لائیکرہ افرادہ بالصوم الخ پر سمجھا ہے اس سے غلطی ہوئی ہے، اس وجہ سے
کہ اس کی وجہ سے اس نے ایک مسنون چیز کو مکروہ میں شامل کر دیا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، اس کا عطف ”لکیرہ“ پر نہیں ہے۔
جمعہ کے دن ارواح اکٹھی ہوتی ہیں اور اسی دن قبروں کی زیارت ہوتی ہے اور اس
دن مردے عذاب قبر سے محفوظ ہوتے ہیں اور جو شخص جمعہ کے دن یا اس کی

رات میں مرتا ہے وہ عذاب قبر سے محفوظ ہوتا ہے جمعہ کے دن دوزخ گرم نہیں کی جاتی، اور جمعہ کے دن اہل جنت اپنے
پروردگار کے دیدار سے مشرف ہوتے ہیں، اشباہ میں تفصیل ہے کہ جمعہ کو بہت سی باتوں میں خصوصیت حاصل ہوتی ہے مثلاً

اس دن نماز جمعہ کا لازم ہونا نماز جمعہ کے لئے جماعت کا شرط ہونا، امام کے سوا تین مرد مقتدی کا موجود ہونا، نماز جمعہ سے پہلے خطبہ ہونا، اور اس میں مخصوص سورتوں کا استحباب کے طور پر پڑھنا، اس دن غسل کا مسنون ہونا، خوشبو لگانا، اچھا لباس پہننا، بال ناخن وغیرہ ہونا، اس دن مسجد کو خوشبو سے معطر کرنا، جمعہ کی نماز کے لئے سویرے نکلنا، جب تک خطیب نہ نکلے عبادت میں مشغول رہنا، جمعہ کے دن مخصوص طور پر صرف اسی دن کا روزہ رکھنا، یا اس کی رات میں جاگنا مکروہ ہے، جمعہ کے فضائل اور بھی ہیں)

باب العیدین

سمى به لان لله فيه عوائد الاحسان ولغوده بالسرور غالباً او تفاولاً و يستعمل في كل يوم فيه مسرة ولذا قيل عيدٌ وعيدٌ صرن مجتمعة وجه الحبيب ويوم العيد والجمعة فلو اجتمعا لم يلزم الا صلوة احدهما وقيل الاولى صلوة الجمعة وقيل صلوة العيد كذا في القهستاني عن التمر تاشي قلت قدر اجعت التمر تاشي فرايته حكاة عن مذهب الغير وبصيغة التمريض فتنبه وشرع في الاولى من الهجرة تجب صلواتهما الاصح على من تجب عليه الجمعة بشرائطها المقدمة سوى الخطبة فانها سنة بعدها وفي القنية صلوة العيد في القرى تكره تحريماً اي لانه اشتغال بما لا يصح لان المصر شرط الصحة.

عیدین کی نماز اور اس کے احکام کی تفصیل

اس باب میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے احکام بیان ہوں گے (جمعہ کے بعد عیدین کو اس وجہ سے بیان کیا ہے کہ دونوں میں مناسبت ہے مثلاً دونوں میں قرأت بلند آواز سے ہوتی ہے، یہ دونوں میں نمازوں کے لئے جماعت شرط ہے، تنہا یہ نمازیں نہیں پڑھی جاتی ہیں پھر یہ کہ عیدین کی نمازیں انہیں لوگوں پر واجب ہے جن پر جمعہ واجب ہے، جمعہ کو پہلے اور عید کے بعد میں اس لئے بیان کیا کہ جمعہ کا ثبوت کتاب اللہ سے ہے اور سال میں بکثرت آتا ہے، اور عیدین کا ثبوت قرآن سے نہیں ہے بلکہ حدیث سے ہے پھر یہ نماز بھی سال میں صرف ایک ایک بار پڑھی جاتی ہے)

عید کا نام رکھنے کی وجہ

عید کا نام عید اس وجہ سے رکھا گیا کہ اس دن بندوں پر اللہ تعالیٰ کے انعامات بار بار ہوتے ہیں اور عام طور پر یہ دن خوشی کے ساتھ پلٹ کر آتا ہے یا بطور فال عید کہا کہ پھر خوشی لے

کر واپس آئے۔

عید کا استعمال ہر اس دن کے لئے ہوتا ہے جس میں خوشی ہو اور اسی خوشی کی مناسبت سے کسی نے یہ شعر کہا، جس کا

ترجمہ یہ ہے۔

تین عیدین جمع ہو گئی ہیں، محبوب کا دیکھنا، عید کا دن اور جمعہ کا دن یہ تینوں خوشی کے اوقات ہیں۔

عید اور جمعہ کا اجتماع

اگر جمعہ اور عید دونوں ایک دن جمع ہو جائیں تو صرف ایک کی نماز لازم ہوتی ہے، بعضوں نے کہا کہ اس دن جمعہ کی نماز اولیٰ اور افضل ہے اور بعضوں نے کہا عید کی نماز افضل و بہتر ہے،

قہستانی نے تمر تاشی سے ایسا ہی نقل کیا ہے، شارح کہتے ہیں میں نے تمر تاشی دیکھا تو اس طرح نہیں ہے بلکہ اس نے غیر کا مذہب کمزور قول کے ساتھ نقل کیا ہے، لہذا غلطی میں نہیں پڑنا چاہئے۔

(اس سلسلہ میں صحیح وہ ہے جو جامع صغیر میں ہے، وہ یہ کہ اگر ایک دن میں عید اور جمعہ دونوں جمع ہو جائے تو نماز عید سنت ہے اور نماز جمعہ فرض ہے اور ان دونوں نمازوں میں سے کوئی ترک نہ کی جائے، بلکہ دونوں ادا کی جائیں، پہلا قول جو نقل ہوا کہ دونوں میں ایک نماز پڑھے یہ احناف پڑھے یہ احناف کا قول نہیں ہے، بلکہ دوسرے ائمہ کا قول ہے اور وہ کمزور قول ہے کذا فی الشامی)

تاریخ عید

پہلی نماز میں عید بھری۔ کے پہلے سال میں مشروع ہوئی (ابوداؤد میں حضرت انس کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ یہاں لوگ سال کے دونوں میں کھیلا کرتے ہیں، آپ نے ان سے دریافت کیا یہ کیسے دن ہیں انہوں نے کہا کہ یہ وہ دن ہیں جن میں ہم حالت سفر میں کھیلا کرتے تھے، یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ان دنوں کو عید الفطر اور عید الاضحیٰ سے بدل دیا ہے کذا فی الخطاوی)

عید و جمعہ دونوں ضروری

صحیح تر قول کے مطابق عید الفطر اور عید الاضحیٰ دونوں کی نماز اس شخص پر واجب ہے جس پر جمعہ واجب ہے اپنی تمام شرطوں کے ساتھ جو جمعہ کے سلسلہ میں پہلے

گذریں، سوائے خطبہ عید کے کہ یہ سنت ہے اور جمعہ کا خطبہ واجب ہے، لہذا اس میں تو فرق ہے بقیہ میں نہیں (پھر جمعہ کا خطبہ نماز سے پہلے ہوتا ہے اور عیدین کا نماز کے بعد)

دیہات میں نماز عید

قنیہ نامی کتاب میں مذکور ہے کہ دیہاتوں میں عید کی نماز مکروہ تحریمی ہے کیونکہ عیدین کی نماز پڑھنا ایسی نمازوں میں مشغول ہونا ہے جو دیہات میں درست نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے

کہ عیدین کی نماز کے لئے شہر کا ہونا شرط ہے، دیہات میں درست نہیں ہے۔

وتقدم صلوتها على صلوة الجنازة اذا اجتمعتا لانه واجب عیناً والجنازة

کفاية وتقدم صلوة الجنازة على الخطبة وعلى سنة المغرب وغيرها والعید على الكسوف لكن فی البحر قبیل الاذان عن الحلبي الفتوى على تاخير الجنازة عن السنة واقره المصنف كانه الحالقا لها بالصلوة لكن فی آخر احكام دين الاشباه ينبغي تقديم الجنازة والكسوف حتى على الفرض اما لم يضق وقته فتامل۔

نماز عید اور نماز جنازہ اگر عید اور جنازہ کی نمازیں جمع ہو جائیں تو پہلے عید کی نماز پڑھی جائے گی پھر جنازہ کی نماز، اس لئے کہ عید کی نماز واجب الہین ہے یعنی ہر عاقل بالغ مسلمان پر واجب ہے اور جنازہ کی نماز فرض کفایہ ہے کہ کچھ لوگوں کے پڑھنے سے سکھوں کے ذمہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔

اور جنازہ کی نماز خطبہ عید اور مغرب وغیرہ کی سنتوں سے پہلے پڑھی جائے گی۔ کیونکہ جنازہ کی نماز فرض ہے اور خطبہ عید اور سنتیں مسنون ہیں، اور عید کی نماز سورج کی گھن کی نماز پر مقدم ہوگی (اگر سورج گھن عید کے دن اور عید کی نماز کے اوقات میں اتفاق سے ہو جائے، عموماً ایسا ہوا نہیں کرتا ہے، اس وجہ سے کہ سورج گھن مہینہ کے پورے ہونے کے بعد ہوا کرتا ہے اور عید ابتدائے ماہ میں ہوتی ہے)

جنازہ فرض و سنت نمازوں کے بعد لیکن بحر الرائق نے باب الاذان سے ذرا پہلے حلبي کے حوالہ سے لکھا ہے کہ فتویٰ اس پر ہے کہ نماز جنازہ وقتی نمازوں کی سنتوں کے بعد پڑھی جائے۔ اور مصنف نے بھی اسی کو برقرار رکھا ہے اور اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ سنتوں کو فرض نمازوں کے ساتھ ملحق قرار دیا ہے کہ وہ فرض نماز کے تابع ہیں لہذا فرض نماز کے بعد سنت پڑھے پھر نماز جنازہ (مفتی بہ قول یہی ہے) الاشباہ میں لکھا ہے کہ مناسب یہ ہے کہ نماز جنازہ اور سورج گھن کی نماز کو فرض پر مقدم کرے اگر فرض نماز کا وقت تنگ نہ ہو، لہذا اس مسئلہ میں تامل کر لیا جائے اس کہنے کا منشاء یہ ہے کہ جنازہ کی تاخیر میں لاش کے بگڑنے کا خوف ہے اور سورج گھن کی نماز کے موخر کرنے میں آفتاب کے روشن اور صاف ہو جائے گا لیکن پہلے لکھا جا چکا کہ فتویٰ پہلے قول پر ہے اس پر نہیں ہے)

ونذب يوم افطر اكله حلوا لو و تراولوقرويا قبل خروجه الى صلواتها واستياكه واغتساله وتطيبه بما له ريح لا لون ولبسه احسن ثيابه ولو غير ابيض وا اداء فطرته صح عطفه على اكله لان الكلام كله قبل الخروج ومن ثم اتى بكلمة ثم خروجه ليفيد تراخيه عن جميع ما مر ما شيا الى الجبابة وهي المصلى العام والواجب مطلق التوجه والخروج اليها اي الجبابة لصلوة العيد سنة وان وسعهم المسجد الجامع هو الصحيح ولا باس باخراج منبر اليها لكن في الخلاصة لا بأس ببنائه دون اخراجه لا بأس بعوده

راكبا دونه وندب كونه من طريق آخر واطهار البشاشة واكثر الصدقة والتختم والتهنية يتقبل الله منا ومنك لا تنكر۔

مستحبات عید عید الفطر کے دن مستحب یہ ہے کہ نماز عید کے لئے جانے سے پہلے میٹھی چیز کھائے (اور کھجور وغیرہ طاق عدد کھائے مثلاً ایک، تین پانچ اگرچہ وہ دیہات کا رہنے والا ہو) عید کے دن یہ بھی مستحب ہے کہ مسواک کرے، غسل کرے اور خوشبو لگائے جس میں خوشبو تو ہو مگر رنگ نہ ہو، اپنے کپڑوں میں سے بہتر اور عمدہ کپڑا پہنے، وہ سفید نہ ہو (یہاں مستحب سے مراد سنت ہے اس لئے یہ چیزیں عید کے دن مسنون ہیں، مستحب بول کر سنت مراد لیتا درست ہے البتہ اس کے برعکس جائز نہیں)

صدقہ فطر یہ بھی مستحب ہے کہ نماز عید کے لئے جانے سے پہلے صدقہ فطر نکالے، پھر نماز عید کے لئے گھر سے نکلے اور عید گاہ کی طرف روانہ ہو، (صدقہ فطر نکالنا واجب ہے) اسی طرح مطلقاً عید کی نماز کے لئے نکالنا واجب ہے اور عید گاہ جانا سنت ہے گو جامع مسجد تمام لوگوں کی گنجائش رکھتی ہو، مگر کے عید گاہ لے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ لیکن خلاصہ نامی کتاب میں لکھا ہے کہ منبر عید گاہ کے اندر بنادینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، البتہ منبر لیجانے میں مضائقہ ہے۔ اس سے بچنا بہتر ہے، (اس دور میں بلکہ پہلے سے مفتی بہ عمل یہی چلا آ رہا ہے کہ عید گاہ میں اگر منبر بنادیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ وہیں بنادینا بہتر ہے اور آج کل اسی پر عمل ہے) عید گاہ سے نمازی اگر سواری سے واپس ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے مگر مستحب یہ ہے کہ واپسی دوسرے راستے سے ہو یعنی جس راستے سے گیا ہے اس کے علاوہ راستے سے واپسی ہو، (بخاری شریف میں ہے کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہی کرتے تھے کہ ایک راستے سے جاتے تھے دوسرے راستے سے واپس ہوتے تھے۔

اظہار مسرت وغیرہ اس دن میں خوشی کا ظاہر کرنا اور زیادہ خیرات کرنا بھی مستحب ہے، انگوٹھی پہننا اور مبارکباد دینا بھی مستحب ہے اس طرح سے کہ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں سے اور تم لوگوں سے اسے قبول فرمائے، اس مبارکبادی کا انکار نہیں کیا جاتا ہے (کیونکہ صاحب حلیہ نے صحیح سندوں کے ساتھ اس سلسلہ کے بہت سے آثار صحابہ کرام سے نقل کیے ہیں، البتہ محیط نامی کتاب میں مذکور ہے کہ نماز عید کے بعد مصافحہ کرنا ہر حال میں مکروہ ہے، کیونکہ صحابہ کرام سے ایسا ثابت نہیں ہے بلکہ یہ رافضیوں کا طریقہ ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عید بعد معانقہ کرنے کا ہندوستان میں جو رواج ہے وہ بے اصل اور مکروہ ہے)

ولا یکبر فی طریقہا ولا ینتقل قبلہا مطلقاً یتعلق بالتکبیر والتنفل کذا قرره المصنف تبعاً للبحر لکن تعقبہ فی النہر ورجح تقييده بالجهر زاد فی البرهان وقالوا الجهر به سنة كالاضحی وهو رواية عنه ووجهاً ظاهراً قوله تعالى ولتکملوا العدة ولتکبروا الله على ما هداکم ووجه الاول ان رفع

الصوت بالذكر بدعة فيقتصر على مورد الشرع انتهى وكذا لا يتنفل بعدها في مصلاها فانه مكروه عند العامة وان تنفل بعدها في البيت جاز بل يندب التنفل باربع وهذا للخواص اما العوام فلا يمنعون من تكبير ولا تنفل اصلا لقلة رغبتهم في الخيرات بحر وفي حاشيه بخط ثقة وكذا صلوٰۃ رغائب وبراءة وقدر لان عليا رضي الله عنه راى رجلا يصلى بعد العيد فقيل اما تمنعه يا امير المومنين فقال اخاف ان ادخل تحت الوعيد قال الله تعالى ارايت الذى ينهى عبدا اذا صلى۔

عید گاہ جاتے ہوئے عید الفطر میں عید گاہ جاتے ہوئے راستے بدلتے میں تکبیر نہیں کہے گانہ بلند آواز سے اور نہ آہستہ اور عید الفطر کے دن نماز سے پہلے مطلقاً نفل نہیں پڑھے گانہ گھر میں اور نہ عید گاہ میں لیکن نہر الفائق میں عید گاہ جاتے ہوئے تکبیر صرف بلند آواز سے کہنے کو روکا گیا ہے اور اسی کو انہوں نے ترجیح دی ہے۔

برہان نامی کتاب میں یہ زیادہ کیا ہے کہ صاحبین کے نزدیک عید گاہ جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر کہنا اس طرح سنت ہے جس طرح عید الاضحیٰ میں، اور اس طرح ایک روایت امام اعظم ابو حنیفہؒ سے بھی نقل ہوئی ہے اور بلند آواز سے عید الفطر میں تکبیر کہنے کی وجہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ظاہر ہے ولتکملوا العدة ولتکبروا واللہ علیٰ ما ہدٰکم (تاکہ تم تکمیل پوری کرو اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان کرو کہ اس نے تم کو ہدایت عطاء کی) اس آیت سے نعمتوں کا اظہار و مقصود ہے اور بلند آواز سے خدا کی بڑائی ظاہر کرنا بھی نعمت ہے اور وہ جو پہلی روایت ہے کہ بلند آواز سے تکبیر نہ کہی جائے اس کی وجہ یہ ہے ذکر اللہ میں آواز بلند کرنا بدعت ہے، لہذا جہاں بلند آواز کی صراحتاً اجازت ہے وہاں اس کو جائز رکھا جائے گا، دوسری جگہ کا اس پر قیاس درست نہیں ہوگا۔

عید کے بعد نماز نفل اسی طرح عید الفطر کے دن عید کی نماز کے بعد بھی کوئی عید گاہ میں نفل نماز نہیں پڑھے گا، کہ یہ اکثر فقہاء کے نزدیک مکروہ (تحریمی) ہے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھنا ثابت نہیں ہے، ہاں عید کی نماز کے بعد اگر کوئی گھر آکر نفل پڑھے تو یہ جائز ہے بلکہ گھر آکر چار رکعت نفل پڑھنا مستحب ہے۔ فتح القدیر میں لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کی نماز سے گھر واپس ہو کر دو رکعت پڑھتے تھے، اور قہستانی نے چار رکعت کو افضل کہا ہے، اور یہ تکبیر نہ کہنے اور نفل پڑھنے سے کسی حال میں روکا نہیں جائے گا، اس لئے کہ عموماً ان کو نیک کاموں کی رغبت نہیں ہوتی ہے کذا فی البحر (خواہ عوام بلند آواز سے تکبیر کہیں یا آہستہ، اسی طرح وہ نوافل نماز عید سے پہلے پڑھیں یا بعد میں، کذا فی الطحاوی)

نماز شب برات اور نماز شب قدر بحر الرائق کے حاشیہ میں ایک معتبر عالم کے ہاتھ سے یہ لکھا ہوا ہے کہ اسی طرح عوام کو رغائب شب برات اور شب قدر کی نماز سے نہ روکا

جائے (مگر پہلے یہ بتایا جا چکا ہے کہ ان نمازوں کے باب میں جو روایتیں آئی ہیں وہ سب موضوع ہیں لہذا اشارح کا ثقہ کے درجے سے یہاں یہ نقل کرنا درست نہیں ہے (کذا فی الشامی)

عید کے دن عوام کو نفل سے منع نہ کیا جائے

عید الفطر کے دن عوام کو نفل سے اس روایت کی امام سے روکا نہیں جائے گا حضرت علی رضی اللہ عنہ

ایک شخص کو دیکھا کہ وہ عید بعد نفل پڑھ رہا ہے کسی نے آپ سے عرض کیا کہ یا امیر المومنین آپ اس کو منع کیوں نہیں کرتے آپ نے فرمایا مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں میں وعید میں داخل نہ ہو جاؤں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ا ر آیت الذی ینہی عبداً ان یمسک (کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جو بندہ کو جب وہ نماز پڑھتا ہے تو روکتا ہے۔

ووقتھا من الارتفاع قدر رمح فلا یصح قبلہ بل تكون نفلاً محرماً الى الزوال باسقاط الغایة فلو زالت الشمس وهو فی اثنائھا فسدت کما فی الجمعة کذا فی السراج وقدمناه فی الاثنی عشریة ویصلی الامام بهم رکعتین مثنیاً قبل الزوائد وهی ثلاث تکبیرات فی کل رکعة ولو زاد تابعه الى ستة عشر لانه ما ثور الا ان یسمع من المكبرین فیاتی بالکل ویوالی ندبا بین القراءتین ویقرأ کالجمعة ولو ادرك المؤتم الامام فی القيام بعد ما کبر کبر فی الحال برائی نفسه لانه مسبق ولو سبق برکعة یقرأ ثم یکبر لثلاث یتوالی التکبیرات فلو لم یکبر حتی رکع الامام قبل ان یکبر المؤتم لا یکبر فی القيام ولكن یرکع ویکبر فی للركوع علی الصحیح لان الركوع حکم القيام ولكن یرکع ویکبر فی الركوع علی الصحیح لان الركوع حکم القيام فالاثنتان بالواجب اولی من المسنون کما لو رکع الامام قبل ان یکبر فان الامام یکبر فی الركوع ولا یعود الى القيام لیکبر فی ظاهر الروایة فلو عاد ینبغی الفساد نهر ویرفع یدیه فی الزوائد وان لم یر امامه ذالك الا اذا کبر راکعاً کما مر فلا یرفع یدیه علی المختار لان اخذ الركبتین سنة فی محله ولیس بین تکبیراته ذکر مسنون ولذا یرسل یدیه ویسکت بین کل تکبیرتین مقدار ثلث تسبیحات هذا یختلف بکثرة الزحام وقلته۔

نماز عید کا وقت

نماز عید کا وقت آفتاب کے ایک نیزہ کے برابر اونچا ہونے سے لے کر زوال سے ذرا پہلے تک ہے، لہذا اگر آفتاب کے نیزہ برابر اونچا ہونے سے پہلے عید کی نماز پڑھی جائے گی تو وہ درست نہیں

ہوگی بلکہ وہ نفل حرام ہوگی، یعنی ایسی نفل نماز جس سے روکا گیا ہے (ایک نیزہ کی مقدار تین گز (چھ ہاتھ) ہے کذا فی الثامی) چنانچہ اگر عید کی نماز میں ہوتے ہوئے ہی آفتاب ڈھل جائے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی جیسے جمعہ پڑھتے ہوئے اگر عصر کا وقت آجاتا ہے تو جمعہ فاسد ہو جاتا ہے کذا فی السراج، اس کو ہم پہلے بارہ اختلافی مسائل میں ذکر کر چکے ہیں، (فاسد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ نماز جو پڑھ رہا تھا وہ نہیں ہوگی البتہ اسے نفل نماز کا ثواب مل جائے گا) کذا فی الثامی

نماز عید کی ترکیب امام لوگوں کو عید کی دو رکعت نماز پڑھائے گا اس طرح کہ پہلے سبحانک اللہم الخ پڑھے گا پھر تین تکبیر زوائد کہے گا، تکبیر زوائد ہر رکعت میں تین تین ہیں اگر امام تکبیر زوائد دونوں رکعتوں میں ملا کر چھ سے زیادہ کہے گا تو مقتدی سولہ تکبیروں تک میں اس کی پیروی کرے گا اس لئے کہ اتنی تکبیروں تک کا ذکر حدیث میں ہے اور اگر مقتدی تکبیر زوائد امام سے نہیں سن رہا ہے، بلکہ ممبر سے سن رہا ہے تو ممبر سولہ سے زیادہ کہے گا تو اس میں بھی اس کی مقتدی پیروی کرے گا، اس وجہ سے کہ ہو سکتا ہے ممبر نے غلطی کی ہو (تکبیر زوائد کا طریقہ یہ ہے کہ امام تکبیر تحریمہ کے بعد ٹاپڑھے گا اس کے بعد تین زائد تکبیر کہے گا پھر اعوذ، بسم اللہ کے ساتھ قرأت کرے گا اور رکوع سجدہ کرے گا، دوسری کے لئے جب کھڑا ہوگا تو پہلے قرأت کرے گا اور قرأت ختم کر کے تین زائد تکبیریں کہے گا اور چوتھی تکبیر کہتا ہوا رکوع میں چلا جائے گا تو پہلے قرأت ختم کر کے تین زائد تکبیریں کہے گا اور چوتھی تکبیر کہتا ہوا رکوع میں چلا جائے گا چنانچہ آگے لکھتے ہیں) کہ مستحب یہ ہے کہ امام دونوں قرأت لگاتار کرے (مطلب یہ ہے کہ پہلی رکعت میں تکبیر زوائد قرأت سے پہلے کہے اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد کہے اس طرح دونوں قرأت کے درمیان تکبیر زوائد حائل نہیں ہوگی) اور نماز عید میں جمعہ جیسی قرأت کرے یعنی پہلی رکعت میں بح اسم ربک الاعلیٰ اور دوسری رکعت میں ہل اتاک حدیث الغاشیہ۔

نماز عید میں اخیر رکعت میں ملنے کا حکم اگر مقتدی امام کو قیام میں اس وقت پائے جب وہ تکبیر زوائد کہہ چکا تھا، تو مقتدی اس وقت اپنے مذہب کے مطابق تکبیر زوائد کہے لے، کیونکہ وہ مسبوق ہے اور مسبوق اپنی نماز میں امام کا تابع نہیں ہوتا ہے چنانچہ حنفی تین تکبیر زوائد کہہ کر امام کے ساتھ ملے گا اور اگر اس مقتدی کی ایک رکعت چھوٹ گئی ہے تو جب وہ اپنی رکعت پوری کرنے چلے تو پہلے قرأت کرے اور پھر قرأت کے بعد تکبیر زوائد کہے اور اس کے بعد رکوع میں جائے، تاکہ اس کی تکبیریں لگاتار نہ ہو جائیں بلکہ دونوں قرأت کا فاصلہ ہو جائے۔

نماز عید کا مسبوق نماز کس طرح پوری کرے پس اگر مقتدی نے ابھی تکبیر نہیں کہی تھی کہ امام رکوع میں چلا گیا تو اس صورت میں مقتدی قیام میں تکبیر نہ کہے، بلکہ وہ امام کے ساتھ رکوع کرے اور رکوع میں ہی تکبیر زوائد کہے لے صحیح قول یہی ہے اس وجہ سے کہ رکوع کے لئے قیام کا حکم ہے لہذا اس میں مسنون کے ادا کرنے سے بہتر یہ ہے کہ واجب کو ادا کرے (سنون رکوع کی تسبیح ہے اور واجب تکبیر زوائد رکوع میں تکبیر کہنے کا حکم اس وقت ہے جب دوسری رکعت میں ملنے والے مقتدی کو خوف ہو کہ اگر تکبیر زوائد کہہ کر رکوع میں گیا تو اس وقت تک امام رکوع ہے سر اٹھالے گا کذا فی الطحاوی)

جس طرح خود امام عید کی دوسری رکعت میں قرأت کے بعد تکبیر زوائد کے بغیر رکوع میں چلا جائے تو یہ امام بھی رکوع میں تکبیر زوائد کے لئے رکوع سے قیام کی طرف واپس نہیں ہوگا، ظاہر الروایت یہی ہے، اگر وہ رکوع میں تکبیر زوائد کے لئے لوٹے گا تو قاعدہ میں اس کی نماز فاسد ہو جانی چاہئے کذا فی النہر (حلی نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے اس صورت میں اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی، اس کا جرم یہی تو ہے کہ اس نے واجب کے لئے فرض چھوڑ دیا ہے مگر یہ نماز کی درستی کے لئے لگ نہیں ہے)

نماز عید میں تکبیر زوائد

نماز عید میں تکبیر کہنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان میں اپنے دونوں ہاتھوں کو کالوں تک اٹھائے، اگرچہ اس کا امام ہاتھ کے اٹھانے کا قائل نہ ہو، مگر جب ان تکبیرات زوائد کا رکوع میں ادا کرے گا تو دونوں ہاتھوں کو وہ کالوں تک نہیں اٹھائے گا مذہب مختار یہی ہے، اس لئے کہ رکوع میں نمازی کا اپنے دونوں گھٹنوں کو پکڑنا سنت ہے اور تکبیرات زوائد میں گویا ہاتھوں کا اٹھانا بھی سنت ہے مگر یہ اس کا محل نہیں ہے لہذا اسے اختیار کیا جائے گا۔

عید کی تکبیرات زوائد کے درمیان کوئی ذکر مسنون نہیں ہے، اسی وجہ سے حکم ہے کہ تکبیر کہہ کر ہاتھوں کو چھوڑ دے کیونکہ ہاتھوں کا باندھنا وہاں مسنون ہے جہاں کوئی ذکر مسنون ہو اور ہر دو تکبیروں کے درمیان تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار خاموش رہے۔ شارح نے کہا کہ سکوت کی مقدار جماعت کی کثرت و قلت پر ہے یعنی اگر مجمع کثیر ہے تو دو تکبیروں کے درمیان وقفہ زیادہ کرے اور کم ہو تو کم، مقصد یہ ہے کہ اشتباہ باقی نہ رہنے پائے۔

ويخطب بعدها خطبتين وهما سنة فلو خطب قبلها صح واساء لترك السنة وما يسن في الجمعة ويكره يسن فيها ويكره والخطب ثمان بل عشر ويبدأ بالتحميد في ثلث خطبة جمعة واستسقاء ونكاح وينبغي ان تكون خطبة الكسوف وختم القرآن كذا لم اره ويبدأ بالتكبير في خمس خطبة العيدين وثلث خطب الحج الا ان التي بمكة وعرفة يبدأ فيها بالتكبير ثم بالتلبية ثم بالخطبة كذا في خزانة ابي الليث ويستحب ان يستفتح الاولى بتسع تكبيرات تترى اے متتابعات والثانية لبيع هو السنة و ان يكبر قبل نزوله من المنبر اربع عشرة واذا صعد عليه لا يجلس عندنا معراج و ان يعلم الناس فيها احكام صدقة الفطر ليوديها من لم يودها وينبغي تعليمهم في الجمعة التي قبلها ليخرجوها في محلها ولم اره وهكذا كل حكم احتيج اليه لان الخطبة شرعت للتعليم۔

نماز عید کا خطبہ عید کی نماز ختم کرنے کے بعد دو خطبے پڑھے کہ اس کا پڑھنا سنت ہے، اگر کوئی نماز عید سے پہلے ہی خطبہ پڑھ دے تو یہ گودرست ہے مگر برا کرنے والا ہوگا، اس لئے کہ اس نے سنت کی خلاف ورزی کی، اور سنت کو چھوڑ دیا، اور جو چیزیں نماز جمعہ میں مسنون اور مکروہ ہیں وہی چیزیں نماز عید میں بھی مسنون اور مکروہ ہیں، (طحطاوی نے بتایا کہ دو چیزوں میں جمعہ اور عید کے اندر فرق ہے ایک یہ کہ عید میں خطبہ سے پہلے تکبیر کہنا مسنون ہے اور جمعہ میں یہ مسنون نہیں دوسرے یہ کہ جمعہ میں خطبہ شروع کرنے سے پہلے منبر پر امام کا بیٹھنا مسنون ہے اور عید میں بیٹھنا مسنون نہیں)

خطبات کی تعداد اور اس کا طریقہ کل خطبے آٹھ بلکہ دس ہیں، ان میں تین خطبہ الحمد للہ سے شروع کئے جائیں گے جمعہ کا خطبہ استسقاء کا خطبہ اور نکاح کا خطبہ، اور مناسب یہ ہے کہ اسی طرح کسوف اور ختم قرآن کا خطبہ بھی الحمد للہ سے شروع کیا جائے لیکن ان دونوں کا حکم میں نے صراحت کے ساتھ نہیں دیکھا ہے، اور پانچ خطبات اللہ اکبر سے شروع کئے جائیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے خطبے اور حج کے تین خطبوں کو، مگر یہ جو کہ خطبہ مکہ اور عرفہ میں دیا جائے اس میں پہلے اللہ اکبر کہے پھر لبیک کہے، پھر خطبہ شروع کرے، ابواللیث کی کتاب خزائن الروایات میں ایسے ہی ہے، اور جو خطبہ ارذی الحجہ کو منیٰ میں ہوتا ہے اس میں تکبیر کے بعد لبیک نہ کہے کذا فی الطحطاوی۔

نماز عید کا خطبہ کیسے دیا جائے عید کے خطبہ میں مستحب یہ ہے کہ پہلے خطبہ میں اولاً مسلسل نو مرتبہ اللہ اکبر کہے اور دوسرے خطبہ میں سات مرتبہ، یہ سنت ہے، اور مستحب یہ ہے کہ منبر سے اترنے سے پہلے چودہ مرتبہ اللہ اکبر کہے، اور جب عید کے خطبہ کے لئے منبر پر چڑھے تو خطبہ سے پہلے نہ بیٹھے ہمارے نزدیک یہی طریقہ مسنون ہے کذا فی المعراج، منبر پر بیٹھنا دراصل اذان ختم ہونے کے انتظار میں ہوتا ہے اور عید کے خطبہ میں اذان ہے نہیں کہ بیٹھے۔

خطبہ میں خطیب کیا بیان کرے خطبہ میں امام لوگوں کو صدقہ فطر کے احکام بتائے، تاکہ جس نے فطرہ ادا نہیں کیا ہے وہ ادا کرے اور مناسب یہ ہے کہ عید سے پہلے جو جمعہ ہو اس میں لوگوں کے سامنے احکام فطرہ بیان کر دے تاکہ لوگ وقت پر صدقہ فطرہ ادا کر دیں، اور میں نے اس بات کو کہیں صراحت کے ساتھ نہیں دیکھا ہے (شامی نے لکھا ہے کہ حدیث میں یہ مضمون آیا ہے شارح نے وہیں سے لیا ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عید سے دو دن پہلے خطبہ دیتے اور اس میں صدقہ فطرہ ادا کرنے کا حکم دیتے تھے)

امام کو چاہئے کہ جن احکام کے بتانے کی ضرورت ہو، خطبہ میں ان کو بیان کرے، اس لئے کہ خطبہ اسی کام کے لئے شروع ہوا ہے۔

ولا یصلیہا وحدہ ان فاتت مع الامام ولو بالافساد اتفاقاً فی الاصح
کما فی تیمم البحر وفیہا یلغز ای رجل افسد صلوٰۃ واجۃ علیہ ولا قضاء
علیہ ولو امکنہ الذہاب الی امام اخر فعل لانہا تودی بمصر واحد بمواضع

كثيرة اتفاقاً فان عجز صلى اربعا كالضحى وتوخر بعذر كمطر الى الزوال
من الغد فقط فوقتها من الثانى كالاول وتكون قضاء لاداء كما سيجىء فى
الاضحية وحكى القهستانی قولین۔

اگر عید کی نماز فوت ہو جائے اگر عید کی نماز امام کے ساتھ فوت ہو جائے اگرچہ یہ فوت ہونا فاسد کر دینے سے ہو، وہ تھا اس فوت شدہ نماز کو ادا نہیں کرے گا، اسی میں سب کا اتفاق ہے اور یہی صحیح ترمذی ہے، جیسا کہ بحر الرائق باب التمسیم میں مذکور ہے اور اسی مسئلہ میں بطور چیتان پوچھا جاتا ہے کہ وہ کون شخص ہے جو اپنے ذمہ واجب نماز کو فاسد کر ڈالتا ہے اور اس کے باوجود اس کی قضا اس پر نہیں ہے (لیکن اگر کوئی بغیر عذر شرعی عید بقر عید کی نماز چھوڑ دے گا تو وہ ترک واجب کا مرتکب ہو گا اور گنہ گار ہو گا اس باب میں صحیح ترمذی کے مقابلہ میں امام ابو یوسف کا ایک قول یہ ہے کہ اگر کوئی عید کی نماز فاسد کر دے گا تو اس پر قضا لازم ہو گی، مگر مفتی بہ پہلا قول ہے واللہ اعلم کذا فی الطحاوی)

عید کی نماز کی تاخیر اگر کوئی عذر ہو جیسے بارش وغیرہ تو صرف دوسرے دن کے زوال تک عید کی نماز موخر کی جائے گی (یعنی دوسرے دن زوال سے ذرا پہلے پڑھ لینا ضروری ہو گا اس کے بعد موخر کرنے کی اجازت نہیں ہے، گویا دوسرے دن کے زوال کے بعد عید ادا کرنے کا موقع باقی نہیں رہتا ہے) گویا دوسرے دن تک عید کی نماز کا وقت ایسا ہی رہتا ہے جیسے پہلے دن۔ مگر دوسرے دن یہ نماز قضا ہو گی ادا نہیں ہو گی، جیسا کہ کتاب الاضحیہ میں اس کا تذکرہ آئے گا اور تہ تانی نے دو قول نقل کیا ہے (ایک یہ کہ دوسرے دن عید کی نماز قضا ہو گی دوم یہ کہ ادا ہو گی اس کو قضا نہیں کہا جائے گا کذا فی الطحاوی)

واحكامها احكام الاضحى لكن هنا يجوز تاخيرها الى ثالث ايام النحر
بلا عذر مع الكراهة وبه اى بالعذر بدونها فالعذر هنا لنفى الكراهة وفى الفطر
للصحة ويكبر جهرا اتفاقا فى الطريق قيل وفى المصلى وعليه عمل الناس
اليوم لا فى البيت ويندب تاخير اكله عنها وان لم يضح فى الاصح ولو اكل
لم يكره اى تحريما ويعلم الاضحية وتكبير التشريق فى الخطبة ووقوف
الناس يوم عرفة فى غيرها تشبيها فى الواقفين ليس بشيء هونكرة فى
موضع النفى فتعم انواع العبادة من فرض وواجب ومستحب فيفيد الا
باحة زقيل يستحب ذلك كذا فى مسكين قال الباقرى لو اجتمعوا لشرف
ذلك اليوم اسماع والوعظ بلا ووقوف وكشف راسى جاز بلا كراهة اتفاقاً۔

احکام عید الاضحیٰ عید الفطر اور عید الاضحیٰ دونوں کے احکام یکساں ہیں دونوں کا وقت ایک سا ہے دونوں کے لئے شرطیں ایک سی ہیں لیکن اتنا فرق البتہ ہے کہ بقر عید کی نماز تیسرے دن یعنی ہار ہو بر اذی الحجہ کے زوال سے پہلے تک عذر کی وجہ سے بلا کراہت موخر کی جاسکتی ہے اور بلا عذر ہار ہویں تک تاخیر کراہت کے ساتھ درست ہوگی، لہذا بقر عید میں عذر کراہت دور کرنے کے لئے شرط ہے اور عید الفطر میں نماز کے درست ہونے کے لئے شرط ہے یعنی بقر عید میں بلا عذر بھی ہار ہویں تک نماز موخر کر سکتے ہیں گو وہ مکروہ ہے مگر بلا عذر عید الفطر کا دوسرے دن انا موخر کرنا درست نہیں ہے۔

عید گاہ جاتے ہوئے تکبیر عید الاضحیٰ میں عید گاہ جاتے ہوئے بلند آواز سے اللہ اکبر کہے جائیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ عید گاہ میں بھی بلند آواز سے اللہ اکبر کہے، البتہ گھر میں اللہ اکبر نہیں کہے گا آج کل اسی قول پر عمل ہے۔

عید الاضحیٰ کے دن کھانا بعد نماز عید عید الاضحیٰ میں مستحب یہ ہے کہ نماز عید کے بعد کھائے اگر اس نے قربانی نہ کی ہو، لیکن اگر کوئی نماز عید الاضحیٰ کے پہلے کھالے گا تو یہ مکروہ تحریمی نہیں ہوگا (بلکہ مکروہ تنزیہی بھی نہیں ہے کیونکہ بدائع میں صراحت ہے کہ چاہے کھائے چاہے نہ کھائے مگر مستحب یہ ہے کہ نماز بعد کھائے)

عید الاضحیٰ کا خطبہ عید الاضحیٰ کے خطبہ میں امام قربانی اور ایام تشریق کے مسائل و احکام بیان کرے (تاکہ لوگ ان احکام و مسائل سے واقف ہوں طحاوی نے لکھا ہے کہ عید الاضحیٰ سے پہلے والے جمعہ میں ہی احکام قربانی وغیرہ بیان کر دینا مناسب ہے)

قیام عرفات کی مشابہت عرفہ یعنی ۹ رذی الحجہ کو نوگوں کا عرفات کی مشابہت میں ٹھہرنا کوئی چیز نہیں ہے یعنی اس کی کوئی اصل نہیں ہے نہ فرض ہے نہ واجب اور نہ مستحب پس زیادہ سے زیادہ مباح ہو سکتا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ ایسا کرنا مستحب ہے مگر یہ قول ضعیف ہے اسے ملا مسکین نے ذکر کیا ہے، باقانی نے لکھا ہے کہ اگر لوگ اس دن کی عظمت کے پیش نظر جمع ہوں اور وعظ سنیں اس طرح کہ وقوف نہ کریں اور نہ سر کھولیں تو ایسا کرنا بلا کراہت جائز ہوگا اور اس میں کسی کا اختلاف نہ ہوگا (اس طرح کا رواج ہمارے ہندوستان میں نہیں ہے اس لئے اس پر زیادہ بحث مناسب نہیں ہے اور اچھا ہے کہ یہ رواج نہیں ہے)

ووجب تکبیر التشریق فی الاصح للامر بہ مرة وان زاد علیہا یكون فضلا قاله العینی صفته الله اکبر الله اکبر لا اله الا الله والله اکبر الله اکبر ولله الحمد هو الماثور عن الخلیل والمختاران الذبیح اسمعیل وفی القاموس انه الاصح قال ومعناه مطیع الله عقب کل فرض عینی بلا فصل

يمنع البناء ادى بجماعته او قضى فيها منها من عامه لقيام وقته كالاخصية
مستحبة خرج جماعة النساء والعراة لا العبيد فى الاصح جوهره۔

تکبیر تشریق صحیح ترمذی ہے کہ تکبیر تشریق ایک مرتبہ گنا واجب ہے اس لئے کہ اس کا حکم دیا گیا ہے اگر کوئی ایک بار سے زیادہ کہے گا تو اس کو ثواب ہوگا جیسا کہ یحییٰ نے بیان کیا ہے (بعض لوگوں نے تکبیر تشریق کہنے کو سنت کہا ہے۔ تکبیر تشریق کا حکم اس آیت سے ثابت کیا گیا ہے واذا کروا للہ فی ایام معدودات (یعنی گئے ہوئے دنوں میں اللہ کا ذکر کرو) اس آیت میں ایام معدودات سے مراد ایام تشریق ہونا چاہا گیا ہے)

تکبیر تشریق کا طریقہ تکبیر تشریق اس طرح کہے اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد حضرت ابراہیم غلیل اللہ علیہ السلام سے یہی کلمات منقول ہیں (لقہاء نے اس کی تفصیل اس طرح لکھی ہے کہ جب حضرت ابراہیم غلیل اللہ اپنے لاڈلے حضرت اسمعیل کو اللہ کے حکم سے ذبح کر رہے تھے تو حضرت جبریل جنت سے ان کا ندیہ لے کر پہنچے اور انہیں خطرہ ہوا کہ کہیں جلدی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسمعیل علیہ السلام کو ذبح نہ کر ڈالیں چنانچہ اس وقت ان کی زبان پر یہ کلمات آئے اللہ اکبر اللہ اکبر، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب حضرت جبریل کو دیکھا تو بول پڑے لا الہ الا اللہ، واللہ اکبر، اور جب حضرت اسمعیل علیہ السلام کو ندیہ آنے کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا اللہ اکبر واللہ الحمد، کذا فی الطحاوی)

ذبح کون ہے قول مختار یہ ہے کہ ذبح حضرت اسمعیل علیہ السلام ہیں اور قاموس میں ہے کہ یہی قول زیادہ صحیح ہے، لفظ اسمعیل کا معنی عبرانی زبان میں مطیع اللہ (اللہ کی فرمانبرداری کرنے والا) ہے (اس باب میں اختلاف ہے کہ ذبح کرنے کا حکم حضرت اسحق کے متعلق ہوا تھا، یا حضرت اسمعیل علیہ السلام کے متعلق، فقیہ ابواللیث نے اپنی کتاب بستان میں ذکر کیا ہے کہ قرآن حدیث سے زیادہ مطابق قول یہ ہے حضرت اسمعیل علیہ السلام کے متعلق ذبح کا حکم دیا گیا تھا کیونکہ قرآن پاک میں ذبح کا قصہ بیان کرنے کے بعد ارشاد باری تعالیٰ ہے "وَبَشِّرْنَاهُ بِاسْحَاقَ" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذبح کا حکم حضرت اسمعیل علیہ السلام کے متعلق تھا حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انا ابن الذبیحین میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں، ایک ذبح آپ کے والد محترم حضرت عبد اللہ تھے اور دوسرے آپ کے جد اعلیٰ حضرت اسمعیل اور یہ بالاتفاق ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حضرت اسمعیل علیہ السلام کی نسل سے ہیں کذا فی الطحاوی)

تکبیر تشریق کب واجب ہے تکبیر تشریق ہر اس فرض عین نماز کے بعد متصلاً کہے گا جو جماعت مستحب کے ساتھ ادا کی گئی ہے جماعت کے ختم کے بعد متصلاً کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد کوئی ایسا مانع دور میان میں نہ آنے پائے جو بناء نماز کو روک دینے والا ہو، یعنی اگر نماز بعد اس طرح کا فاسد ہو جائے کہ مثلاً بول پڑے یا باہر چلا جائے یا کچھ کھاپی لے تو پھر تکبیر تشریق اس کی وجہ سے ساقط ہو جائے گی۔ شارح نے کہا کہ اس فرض نماز کے بعد بھی تکبیر کہی جائے جو قضا اسی سال کی لی گئی ہے اس لئے کہ تکبیر کا وقت قائم ہے جس طرح قربانی اگر پہلے دن نہ کرے تو

دوسرے تیسرے دن کر لے کہ وہ بھی قرہانی کے دن ہیں۔

جماعت مستحب کی قید سے عورتوں اور ننگوں کی جماعت کُل گئی کہ ان کی جماعت مستحب نہیں ہے، لیکن صحیح تر قول میں غلاموں کی جماعت خارج نہیں ہے یعنی ان کی جماعت کے بعد تکبیر تشریق واجب ہے اس لئے جماعت میں آزاد کا ہونا شرط نہیں ہے (یہاں فرض میں کی قید اس لئے لگائی تاکہ فرض کفایہ کُل جائے چنانچہ نماز جنازہ کے بعد تکبیر تشریق واجب نہیں ہے، یا فرض قضاء کی جماعت کے بعد تکبیر تشریق کے واجب ہونے کی تین شرطیں ہیں اول یہ کہ ایام تکبیر کے نماز کی قضا ہو، دوسرے یہ کہ یہ قضا ایام تکبیر میں ہی پڑھی جائے، تیسرے یہ کہ یہ اسی سال کی قضا ہے سال نہ ہو اس سے معلوم ہوا کہ اگر غیر ایام تکبیر کی قضا نماز اگر جماعت سے ان دنوں میں پڑھی جائے تو اس کے بعد تکبیر تشریق واجب نہیں ہوگی، اسی ایام تکبیر کی قضا اگر غیر ایام تکبیر میں جماعت سے پڑھے تو اس کے بعد بھی تکبیر تشریق نہیں ہے، اور دوسرے سال کی ایام تکبیر کی قضا اگر جماعت سے اس سال پڑھے گا تو اس کے بعد بھی تکبیر تشریق نہیں ہے)

اولہ من فجر عرفة و آخرہ الی عصر العید بادخال الغایۃ فہی ثمان
صلوات وجوبہ علی امام مقیم بمصر و علی مقتد مسافر او قروی او امرأۃ
بالتبعیۃ لکن المرأة تخافت و یجب علی مقیم اقتدی بمسافر و قالوا بوجوبہ
فورکل فرض مطلقا ولو منفردا او مسافرا او امرأۃ لانہ تبع للمکتوبۃ الی
عصر الیوم الخامس آخر ایام التشریق وعلیہ الاعتماد والعمل والفتویٰ فی
عامۃ الامصار وکافة الاعصار ولا یاس بہ عقب العید لان المسلمین توارثوہ
فوجب اتباعہم وعلیہ البلخیون ولا یمنع العامة من التکبیر فی الاسواق فی
الایام العشر و بہ ناخذ بحرومجتبی و غیرہ ویاتی الموتم بہ وجوبا وان ترکہ
امامہ لادائہ بعد الصلوٰۃ قال ابو یوسف صلیت بہم المغرب یوم عرفہ
فسہوت ان اکبر فکبر بہم ابو حنیفۃ والمسبوق یکبر وجوبا کا للاحق لکن
عقب القضاء لما فاتہ ولو کبر مع الامام لا تفسدولو لبی فسدت ویداء
الامام بسجود السہو لوجوبہا فی تحریمتہا ثم بالتکبیر لوجوبہ فی حرمتہا
ثم بالتلبیۃ لو محرما لعدمہما خلاصہ و فی الولوالجیۃ لو بداء بالتلبیۃ سقط
السجود والتکبیر واللہ اعلم۔

تکبیر تشریق کی ابتداء نویں ذی الحجہ کی نماز فجر سے ہے اور ختم عید کی نماز عصر پر ہے پس یہ کُل آٹھ نمازیں ہوئیں (پانچ نمازیں ۹ ذی الحجہ کی فجر سے لے

تکبیر تشریق ۹ ذی الحجہ سے

کر عشاء تک اور تین نماز عید کے دن کی ہوئی فجر، ظہر اور عصر) اور تکبیر تشریق کا وجوب اس امام پر ہے جو شہر میں مقیم ہو اور مسافر مقتدی پر یا گاؤں کے رہنے والے مقتدی پر، یا عورت مقتدی پر امام کی پیروی کی وجہ سے، لیکن عورت مقتدی آہستہ تکبیر کے تھی، اور اس مقیم پر بھی تکبیر تشریق واجب ہے جو کسی مسافر کی اقتدا کرے، اور صاحبین کہتے ہیں کہ تکبیر تشریق ہر فرض کے بعد مطلقاً واجب ہے جو کسی مسافر کی اقتدا کرے، اور صاحبین کہتے ہیں کہ تکبیر تشریق ہر فرض کے بعد مطلقاً واجب ہے اگرچہ وہ نما ہو یا مسافر ہو یا عورت ہو، اس لئے کہ تکبیر فرض کے تابع ہے، لہذا جن لوگوں پر نماز فرض ہوگی ان پر تکبیر تشریق بھی واجب ہونی چاہئے۔

۱۳/ ذی الحجہ کی عصر تک یہ تکبیر تشریق نویں ذی الحجہ کی نماز فجر سے لے کر پانچویں دن کی نماز عصر تک ہے یعنی ایام تشریق کے اخیر دن کی نماز عصر تک، جو ذی الحجہ کی تیسری تاریخ ہوتی ہے (اس طرح صاحبین کے قول کے مطابق جن فرض نمازوں کے بعد تکبیر تشریق کہی جائیں گی ہو کل ملا کر ۲۳ نمازیں ہوں گی) صاحبین کے ہی قول پر لٹوئی ہے اور اسی پر اعتماد اور عمل ہے تمام شہروں میں اور کل زمانوں میں، (اس لئے کہ یہ قول باہتمام دلیل قوی ہے کذا فی الطحاوی)

عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر تشریق عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد بھی تکبیر تشریق کہنے میں کوئی ممانعت نہیں ہے اس لئے مسلمان برابر اسی طرح کرتے آئے ہیں، لہذا ان کی پیروی واجب ہے اور علماء اہل کاہنہ کا یہی مسلک ہے (لاباس کا کلمہ کبھی مستحب کے موقع پر بھی بولا جاتا ہے لہذا یہاں بھی مستحب کی ہی جگہ استعمال ہوا ہے منشا یہ ہے کہ عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر تشریق کہنا مستحب ہے عام لوگوں کو عشرہ ذی الحجہ میں بازاروں کے اندر تکبیر تشریق سے روکا نہیں جائے گا، احناف نے اس کو اختیار کیا ہے کذا فی البحر والجبلی۔

تکبیر تشریق مقتدی پر مقتدی پر واجب ہے کہ وہ بھی تکبیر تشریق کہے اگرچہ امام اس کو چھوڑ دے تاکہ نماز کے بعد تکبیر ادا ہو جائے، امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ میں نے نویں ذی الحجہ کو لوگوں کو مغرب کی نماز پڑھائی اور تکبیر کہنا بھول گیا، لہذا امام ابو حنیفہؒ نے لوگوں کو تکبیر کہلائی، یعنی انہوں نے تکبیر کہی اور آپ سے سن کر دوسرے مقتدیوں نے بھی کہی (اس سے معلوم ہوا کہ اگر امام تکبیر کہنا بھول جائے تو جس مقتدی کو یاد ہو وہ تکبیر کہہ کر یاد دلا دے، اس حکایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر شاگرد سے کہے کہ امامت کرو، تو اس کو آگے بڑھ جانا چاہئے، یہ بھی معلوم ہوا کہ استاذ کو چاہئے کہ اپنے لائق شاگرد کی عظمت کو ظاہر کرے تاکہ دوسرے لوگ بھی اس کی عزت کریں۔ لیکن ہر حال میں شاگرد کا فرض ہے کہ اپنے استاذ کی توقیر و عظمت میں ذرا بھی کوتاہی نہ ہونے دے)

لاحق و مسبوق پر تکبیر تشریق مسبوق پر بھی واجب ہے کہ لاحق کی طرح اپنی نماز پوری کرنے کے بعد وہ بھی تکبیر تشریق کہے لیکن اگر مسبوق اور لاحق امام کے ساتھ تکبیر کہدے گا تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی (باقی یہ کہنا اس کے لئے کافی نہیں ہوگا اس لئے کہ یہ اس کے لئے بے محل ہے اس کو پھر اپنی بقیہ

نماز پوری کرنے کے بعد کہنا ہو گا) اور اگر مقتدی اپنے امام سے ساتھ بیٹھ لئے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی (اس لئے کہ بیک آدمیوں کے کلام کے مشابہ ہے کذا فی الشامی)

امام پہلے سجدہ سو سے ابتداء کرے گا اس لئے کہ اس کا تکبیر تحریرہ کے باقی رہنے کی حالت میں کہنا واجب ہے (کہ نماز کی حالت باقی رہتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ سجدہ سو میں امام کی القداء درست ہے) پھر تکبیر تشریق کے کہ اس کا ہا فصل نہنا واجب ہے پھر اگر امام احرام ہاندھے ہو تو وہ بیک ہے اس لئے کہ بیک کہنا نماز کی تحریرہ کے اندر یا ہا فصل واجب نہیں ہے کذا فی الخلاصہ۔

ولو الجہ میں ہے کہ اگر بیک کہنے سے ابتداء کرے گا تو سجدہ سو اور تکبیر تشریق کہنا ساقط ہو جائے گا (اس لئے کہ بیک لوگوں کے کلام کے مشابہ ہے اور اس سے نماز قطع ہو جاتی ہے لہذا اس کہنے کے بعد نہ تحریرہ باقی رہے گی جو سجدہ سو کے لئے شرط ہے اور نہ اتصال باقی رہے گا جو تکبیر تشریق کے لئے ضروری ہے اس وجہ سے دونوں ساقط ہو جائیں گے کذا فی الشامی)

باب الکسوف

مناسبتہ اما من حیث الاتحاد او التضاد ثم الجمهور علی انه بالكاف والخاء للشمس والقمر یصلی بالناس من یملك اقامة الجمعة بیان للمستحب وما فی السراج لابد من شرائط الجمعة الا الخطبة رده فی البحر عند الکسوف رکعتین بیان لاقلها وان شاء اربعاً او اکثر کل رکعتین بتسلیمة او کل اربع مجتبی وصفتها کالنفل ای برکوع واحد فی غیر وقت مکروه بلا اذان ولا اقامة ولا خطبة وینادی الصلوٰۃ جامعة لیجتمعو وتطیل فیها الركوع والسجود والقراءة والا جهود والاذکار الذی هو من خصائص النافلة ثم یدعو بعدھا جالساً مستقبل القبلة او قائماً مستقبل الناس والقوم یومنون حتی ینجلی الشمس کلھا وان لم یحضر الامام الجمعة صلی الناس فرادی فی منازلهم تحرزاً عن الفتنة کالکسوف للقمر

سورج گھن کی نماز سے متعلق مسائل واحکام

نماز عید اور سورج گھن کی نمازوں کے درمیان مناسبت اتحاد کے اعتبار سے ہے یا بیک کا دورہ کے خلاف مناسبت

نماز کسوف کی اطلاع

سورج گھن کے دن لوگوں کو بکار دیا جائے تاکہ لوگ جمع ہو جائیں یعنی الان کے بجائے الصلوة جامعہ کہہ کر اطلاع کر دی جائے، سورج کی نماز میں قرأت رکوع، سجدے اور دعاء و ذکر کو طول دیا جائے جو نفل نماز کے خواص ہیں، پھر نماز ختم کر کے قہر رخ بیٹھ کر بالوگوں کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو کر اس وقت تک دعاء کرے، اور سارے لوگ آمین کہیں جب تک آفتاب پورے طور پر روشن نہ ہو جائے یعنی اس کی گلی ہوئی روشنی پھٹ نہ آئے (قرأت کے طول کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ اگر یاد ہو تو پہل رکعت میں سورہ البقرہ پڑھے اور دوسری میں آل عمران اور پھر سورہ قیں یاد نہ ہوں تو ان کے برابر کوئی دوسری سورہ قیں، طحاوی نے لکھا ہے کہ مسئلہ یہ ہے کہ گھن کا سارا وقت نماز اور دعا میں ختم ہو جائے اور نماز ہلکی اور مختصر ہو تو دعا لمبی کر دے اور دعا مختصر ہو تو قرأت لمبی کر دے، یہ بھی فقہاء نے کہا ہے کہ کھڑے ہو کر لوگوں کی طرف منہ کر کے دعا مانگنا بہتر ہے مگر دعاء کے لئے منہ پر نہ چڑھے)

امام جمعہ نہ ہو تو کون امامت کرے

اگر سورج گھن کے موقع سے جمعہ کا امام حاضر نہ ہو سکے (یا وہ شخص نہ ہو) جس کی ذمہ داری پر جمعہ ادا ہوتا ہے تو لوگ تمنا تمنا اپنے اپنے گھروں میں سورج گھن کی نماز پڑھیں گے، تاکہ جھگڑے سے محفوظ رہ سکیں (جس طرح چاند گھن میں (رات ہونے کی وجہ سے) نماز پڑھا کرتے ہیں، (منشاء یہ ہے کہ جب بڑے مجمع میں کوئی ذمہ دار نہیں ہوتا ہے تو عموماً جھگڑے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے، اس سے بچنے کے لئے الگ الگ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے)

(سورج گھن میں جامع مسجد کے امام یا دوسرے ذمہ داروں کی اجازت سے محلہ کی مسجد کا امام بھی امامت کر سکتا ہے)

والريح الشديدة والظلمة القوية نهارا والضوء القوي ليلا والفرع الغالب ونحو ذلك من الآيات المخوفة كالذلازل والصواعق والثلج والمطر الدائم وعموم الامراض ومنه الدعاء برفع الطاعون وقول ابن حجر بدعة اى حسنة وكل طاعون وباء ولا عكس وتمايمه فى الاشباه وفى العينية صلوة الكسوف سنة واختار فى الاسرار وجوبها وصلوة الكسوف حسنة وكذا البقية وفى الفتح واختلف فى استئذان صلوة الاستسقاء فلذا اخرها .

بوقت سخت آسمانی حادثہ نماز

بہت تیز آندھی خواہ دن میں ہو خواہ رات میں، اسی طرح دن میں جب سخت تاریکی ہو جائے یا رات میں سخت روشنی ہو جائے اور جب دشمن وغیرہ کا خوف غالب ہو جائے یا اور کوئی خوفناک حادثہ پیش آجائے جیسے سخت زلزلہ، بجلی کی کڑک، مسلسل برف باری، مسلسل سخت بارش، اور وبائی امراض کے عام ہونے کے وقت بھی تنہا تنہا نماز پڑھیں گے اور اسی میں یہ بھی داخل ہے کہ طاعون کی وجہ سے دور کھت نفل پڑھ کر دعاء کی جائے اور ابن حجرؒ نے جو یہ کہا ہے کہ یہ بدعت ہے اس کی مراد بدعت حسنہ ہے، ہر طاعون و بایہ لیکن ہر وبایہ طاعون نہیں، اس کی پوری تفصیل اشباہ میں مذکور ہے (حدیث میں ہے جب کوئی سخت پہچناک وقت ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے، اور اللہ تعالیٰ سے دعاء فرماتے، بارش رحمت ہے مگر جب مسلسل ہو تو وہ بلا ہو جاتی ہے۔

نماز کسوف و خسوف یعنی میں ہے کہ سورج گھٹن کی نماز سنت ہے اور اسرار نامی کتاب میں اس کو ترجیح دیا ہے کہ واجب ہے، اور چاند کی نماز مستحسن ہے اور ایسی بقیہ نمازیں جو آندھی وغیرہ کے موقع پر پڑھی جاتی ہیں جن لوگوں نے نماز کسوف (سورج گھٹن) کو واجب کہا ہے انہوں نے حدیث کے صیغہ امر سے استدلال کیا ہے اور صاحب القدر نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں امر کا صیغہ استحباب کے لئے ہے کذا فی المطحطاوی (فتح القدیر میں ہے کہ نماز استسقاء کے مسئلہ میں اختلاف کیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ مصنف نے اس باب کو باب الکسوف کے بعد رکھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب الاستسقاء

هو دعاء واستغفار لانه السبب لارسال الامطار بلا جماعة مسنونة بل هي جائزة وبلا خطبة وقالا تفعل كالعيد وهل يكبر الزوائد خلاف وبلا قلب رداء خلافا لمحمد وبلا حضور ذمی وان كان الراجح ان دعاء الكافر قد يستجاب استدراجا واما قوله تعالى وما دعاء الكافرين الا في ضلال ففي الآخرة شروح مجمع وان صلوا فرادى جاز فهي مشروعة للمنفرد وقول التحفة وغيرها ظاهر الرواية لا صلوة اے بجماعة ويخرجون ثلاثة ايام لانه لم ينقل اكثر منها متتابعات ويستحب للامام ان يامرهم بصيام ثلاثة ايام قبل الخروج وبالتوبة ثم يخرج بهم في الرابع مشاة في ثياب غسيلة او مرقعة متذللين متواضعين خاشعين لله ناكسين رؤوسهم ويقدمون الصدقة في كل يوم قبل خروجهم ويجددون التوبة ويستغفرون للمسلمين وليستقون بالضعفاء والشيوخ والعجائز والصبيان ويبعدون الاطفال عن امهاتهم ويستحب اخراج الدواب والاولى خروج الامام معهم وان خرجوا باذنه او بغير اذنه جاز ويجتمعون في المسجد بمكة وببيت المقدس ولم يذكر المدينة كانه لضيقه وان دام المطر حتي اضر فلا باس بالدعاء بجسه وصرفه حيث

يَنْفَعُ وَاِنْ سَقَوْا قَبْلَ خُرُوجِهِمْ نَدْبُ اَنْ يَخْرُجُوا شَكَرًا لِلّٰهِ تَعَالٰی۔

بارانِ رحمت کی طلب کا بیان

(اس باب کی پہلے باب سے مناسبت ظاہر ہے کہ ان دونوں میں لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے، استسقاء کا معنی لغت میں ہے دوسرے سے پانی دینے کی درخواست، اور شریعت میں استسقاء کہتے ہیں خشک سالی کے موقع پر مخصوص طور پر اللہ تعالیٰ سے پانی برسانے کی درخواست کرنا، اور یہ ایسی جگہ مشروع ہے جہاں کھیتوں کے سینچنے اور چوپایوں کے پانی پلانے کے لئے جھیلیں اور نہریں نہ ہوں، یا ہوں مگر وہ کافی نہ ہوں، اور اگر وہ کافی ہوں تو پھر دعاء کے لئے باہر نہیں جاتا چاہئے کذا فی الطحاوی)

نماز استسقاء استسقاء اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی اور اپنے گناہوں کی معافی کی درخواست ہے اس لئے دعاء واستغفار بادل کے برسنے کا سبب ہے ہوتا ہے (یعنی امام کھڑا ہو کر قبلہ رو ہو کے ہاتھوں کو اٹھا کر دعا مانگے اور دوسرے لوگ قبلہ رو بیٹھے ہوئے آمین کہتے جائیں، اور امام دعاء میں یہ الفاظ کہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مِنْ مَغِيْثٍ هَنِيْئًا مَرِيْنًا عَدَقًا عَاجِلًا غَيْرَ رَائِتٍ مُّجَلِّلاً سَيِّحًا طَبَقًا ذَائِمًا۔ یا اسی طرح کے دوسرے الفاظ کے ساتھ۔ دعاء آہستہ اور بلند آواز دونوں طرح کر سکتا ہے اور استغفار کو جو بارش کا سبب کہا گیا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے فَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُرْسِلُ السَّمَاءَ عَلَیْكُمْ مِدْرَارًا۔ اس آیت میں استغفار کو بادل کے برسنے کا سبب فرمایا گیا ہے کذا فی الطحاوی)

نماز استسقاء کا طریقہ استسقاء یعنی پانی طلب کرنا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بغیر جماعت مسنون اور بلا خطبہ کے ہے۔ البتہ اس میں جماعت جائز ہے مگر وہ نہیں ہے اور صاحبین کہتے ہیں کہ اس میں دعاء عید کی طرح کی جائے یعنی امام اذان تکبیر کے بغیر پہلے دو رکعت نماز جہر کے ساتھ پڑھائے پھر زمین پر کھڑا ہوا عصا کے سہارے سے خطبہ دے اور اس کے اکثر حصہ میں گناہوں سے معافی کی درخواست ہو۔ باقی تکبیر زوائد کہنے کے باب میں اختلاف ہے امام محمدؒ کہتے ہیں زوائد تکبیریں بھی کہیں جائیں گی مگر صاحبین سے روایت یہ آئی ہے تکبیر زوائد نہیں کہی جائیں گی کذا فی الشامی)

چادر کا پلٹنا اور دعاء کرتے وقت چادر کو پلٹا نہیں جائے گا البتہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ چادر پلٹی جائے گی، یعنی خطبہ کا چھ حصہ پڑھ کر چادر اس طرح پلٹے کہ دایاں کنارہ بائیں طرف آجائے اور بایاں کنارہ دائیں جانب، نیچے کا رخ اوپر آجائے اور اوپر والا نیچے، اس لئے کہ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا تھا۔ شامی نے لکھا ہے کہ فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے اور چادر صرف امام پلٹے گا، مقتدی نہیں پلٹے گا۔

نماز استسقاء میں ذمی کی شرکت کی بحث نماز استسقاء میں ذمی کافر حاضر نہیں ہوں گے اگرچہ رات یہ ہے کہ کافر کی دعا بھی کبھی نہ عادت قبول کی جاتی ہے اور قرآن پاک میں جو یہ آیت آئی ہے وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِيْنَ اِلَّا فِی ضَلٰلٍ (کافروں کی دعاء نہیں ہے مگر بے گمراہی) تو یہ آخرت کے سلسلہ

میں ہے کذا فی شرح مجاز اس باب میں اختلاف ہے کہ کافر کی دعاء قبول ہوتی ہے یا نہیں بعض کہتے ہیں کہ قبول نہیں ہوتی اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ قبول ہوتی ہے چنانچہ جو قرآن میں ہے کہ شیطان جو سب سے بڑا کافر ہے اس نے اللہ تعالیٰ سے دعاء مانگی اور وہ قبول ہوئی اور صدر شہید نے کہا ہے فتویٰ اسی پر ہے کہ کافر کی دعاء بھی قبول ہوتی ہے خصوصاً جب کہ وہ مظلوم ہو حدیث میں بھی ہے کہ مظلوم کی دعاء قبول ہوتی ہے گو وہ کافر ہو کذا فی المطحطاوی

نماز استسقاء تنہا تنہا استسقاء کی نماز اگر لوگ اکیلے اکیلے پڑھیں تو یہ بھی جائز ہے اس لئے نماز دراصل تنہا ہی کے لئے مشروع ہوئی ہے اور تحفہ وغیرہ نامی کتابوں میں جو یہ آیا ہے کہ ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ استسقاء میں نماز نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز نہیں ہے۔

بارش کے لئے تین دن تک نکلا جاسکتا ہے لوگ استسقاء (طلب پانی) کے لئے تین دنوں تک مسلسل نکلیں گے اس سے زیادہ سے زیادہ دنوں کے لئے باہر نکلا منقول نہیں ہے اور امام کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ لوگوں سے کہیں کہ نکلنے سے پہلے تین دن تک روزہ رکھیں اور گناہوں سے توبہ کریں، پھر چوتھے دن امام ان لوگوں کو لے کر باہر چٹیل میدان میں جائے، اور سب کے سب پیدل چل کر جائیں ان کے بدن پر ہڈانے یا پیوند لگے ہوئے کپڑے ہوں، یہ سب اپنی صورتیں عاجزی اور پریشان حال لوگوں کی سی بنائے ہوئے ہوں اور خشوع و خضوع ان پر طاری ہو، اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے آگے گردنیں جھکی ہوئی ہوں۔

تین مقامات میں صحرا کے بجائے مسجد میں اجتماع (جنگل اور صحرا میں جانے کا حکم مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ اور بیت المقدس کے لوگوں کے لئے نہیں بلکہ ان تین مقامات کے علاوہ آبادیوں کے باشندوں کے لئے ہے، باقی ان جگہوں میں تو افضل مساجد بیت اللہ، مسجد نبوی اور بیت المقدس موجود ہیں یہ لوگ اپنی اپنی ان مسجدوں میں دعا کے لئے جائیں گے)

بارش کے لئے صحرا میں جانے سے پہلے صدقہ ان تین دنوں میں جن میں عوام و خواص پانی کی دعا کے لئے آبادی سے باہر جائیں گے، ان میں پہلے ہر دن بقدر وسعت صدقہ کریں اور ہر دن از سر نو توبہ کریں اور مسلمانوں کے لئے استغفار کریں اور پھر ضعیفوں، بوڑھوں اور بچوں کے ذریعہ پانی برسانے کی اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور چھوٹے بچوں کو ان کی ملاؤں سے علیحدہ رکھیں (حدیث میں ہے کہ رزق تمہارے ضعیفوں کی بدولت ملتا ہے اس لئے فقہاء نے حکم دیا ہے کہ ان لوگوں کو دعا میں بھی آگے رکھیں اور بچے معصوم ہوتے ہیں ان کی دعاء قبول ہوتی ہے اس لئے ان کو بھی آگے رکھیں، بوڑھے اور ضعیف دعاء کریں، اور جوان اور بچے آمین کہیں اور ان کی وجہ سے لوگوں پر گریہ طاری ہو اور چھوٹے بچوں کو ماں سے جدا رکھنے میں بھی یہی مصلحت ہے دل نرم ہوں رقت طاری ہو، آہ و بکاء کا سماں پیدا ہو)

جانوروں کا باہر نکالنا ان دنوں میں جانوروں کا باہر نکالنا بھی مستحب ہے کہ ان کی وجہ سے بھی رحمت خداوندی جوش میں آتی ہے (قحط سے یہ جانور بھی متاثر ہوتے ہیں اور اس زمانہ میں یہ بھی ہر طرح

قابل رحم ہوتے ہیں۔

بہتر یہ ہے کہ امام بھی عوام و خواص کے مجمع کے ساتھ ہی میدان اور صحرائیں اور اگر عوام و خواص امام کی اجازت سے باہر نکلیں یا اس کی اجازت کے بغیر تو بھی درست ہے، اس کے نکلنے پر موقوف نہیں ہے۔

مکہ مکرمہ، بیت المقدس اور مدینہ منورہ میں بارش کے لئے دعاء کی جگہ مکہ مکرمہ میں جب استسقاء

کے لئے جمع ہوں تو سب مل کر مسجد حرام میں آئیں اور بیت المقدس کے لوگ مسجد اقصیٰ میں اور مدینہ منورہ کے مسجد نبوی میں، ماتن نے مدینہ کو شاید اس لئے ذکر نہیں کیا کہ اس کی مسجد تنگ رہی ہے (مگر اب وہ بھی بہت وسیع اور کشادہ ہے، شامی نے لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں بارش کی دعا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کی جائے اور چوپایوں کو بوقت دعا ان مسجدوں کے باہر دروازوں پر کھڑا کیا جائے۔

مضر بارش کے بند ہونے کی دعاء اگر کبھی مسلسل بارش ہو جس سے نقصان کا خطرہ پیدا ہو جائے اس وقت
اس بارش کے بند ہونے کی دعا کرنے میں بھی مضائقہ نہیں ہے اور اس دعا کرنے میں کہ اللہ تعالیٰ اس بارش کو وہاں برساتیں جہاں مفید ہو (اس طرح دعاء کیجئے اللہ العالمین) (اس وقت جہاں بارش مفید ہو، وہاں برسا اور یہاں سے اس کو دوسری طرف منتقل فرما دے۔

نکلنے سے پہلے بارش پر شکریہ اگر بارش کی دعاء کے لئے باہر جانے والے ہی تھے کہ بارش شروع ہو گئی
تو مستحب یہ ہے کہ پھر بھی اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کے لئے باہر میدان میں جائیں (اور اس نعمت و فضل خداوندی کا وہاں جا کر شکریہ ادا کریں تاکہ خاطر خواہ بارش ہو)

باب صلوة الخوف

من اضافة الشيء لشرطه هي جائزة بعده عليه السلام عندما ای عند
ابی حنیفہ و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ خلافاً للثانی بشرط حضور عدد یقیناً
فلو صلوا علی ظنہ فبان خلافہ اعادوا و سبع اوحیة عظيمة ونحوها و حان
خروج الوقت کما فی مجمع الانهر ولم ارہ لغيره فلیحفظ قلت ثم رایت فی
شرح البخاری للعینی انه لیس بشرط الا عندا لبعض عند التحام الحرب
فیجعل الامام طائفة بازاء العدوا رها باله ویصلی باخری رکعة فی الثانی
ومنه الجمعة والعید و رکعتین فی غیره لزوما و ذهب الیه وجاءت الاخری

فصلے بهم مابقی وسلم وحده وذهبت الیه ندبا وجاءت الطائفة الاولى
 واتموا صلوٰتہم بلا قراءۃ لانہم لاحقون وسلموا ثم جاءت الطائفة الاخری
 واتموا صلوٰتہم بقراءۃ لانہم مسبوقون وهذا ان تنازعوا فی الصلوٰۃ خلف
 واحد والا فالافضل ان یصلی بكل طائفة امام وان اشتد خوفہم وعجزوا عن
 النزول صلوا رکبانا فرادی الا اذا کان ردیفا للامام فیصح الاقتداء بالایماء
 الی جهة قدرتہم للضرورة وفسدت بمشیء بغير اصطفاف وسبق حدث
 وركوب مطلقا وقتال كثير لا بقليل كرمية سهم والسباح فی البحر ان امکنہ
 ان یرسل اعضاءه ساعة صلی بالایماء والا لا تصح كصلوٰۃ الماشی
 والسالف وهو یضرب بالسيف۔

حالت خوف اور جنگ میں نماز کے احکام و مسائل

بارش رک جانے کی وجہ سے جب انسان خوف میں مبتلا ہوتا ہے تو بارش کے لئے دعا کرتا ہے تو استقاء میں بھی خوف ہے اور جنگ اور خوف کا موقع تو خوف ہے ہی، یہی وجہ ہے کہ یہاں استقاء کے بعد ”صلوٰۃ خوف“ کا بیان شروع کیا، شارح نے بتایا کہ صلوٰۃ الخوف میں شئی کی اپنی شرط کی طرف اضافت ہے یعنی یہ نماز اس وقت ہوگی جب خوف پایا جائے گا۔

آنحضرتؐ کے بعد نماز خوف کی اجازت امام ابو حنیفہؒ و امام محمدؒ کے نزدیک نماز خوف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی جائز ہے شرط یہ ہے کہ دشمن یقینی طور پر موجود ہو یا درندہ ہو یا اثر دہا سانپ ہو یا اس جیسی دوسری خوفناک چیز ہو اور یہ نماز خوف اس وقت درست ہے جب کہ وقت ختم ہو رہا ہو جیسا کہ مجمع الانہر میں ہے، شارح کہتے ہیں یہ قید کسی اور کے کلام میں نہیں دیکھی۔ لہذا اسے یاد رکھا جائے، پھر عینی کی شرح بخاری میں دیکھا کہ وقت کا اخیر ہونا اس نماز خوف کے لئے شرط نہیں ہے البتہ بعض کے نزدیک وقت کے قریب الختم ہونے کو اس وقت شرط قرار دیا ہے جب کہ لڑائی اور قتال جاری ہو۔ شارح نے یہ بھی لکھا ہے کہ دشمن کی موجودگی میں یقین کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ اگر لوگوں کو صرف دشمن کا اندیشہ ہو اور اس اندیشے کی وجہ سے صلوٰۃ الخوف ادا کریں اور بعد میں معلوم ہو کہ اندیشہ صحیح نہیں تھا اور دشمن موجود نہیں تھے۔ تو یہ نماز دوبارہ از سر نو سب کے سب ادا کریں گے۔

امام ابو یوسفؒ کا مسلک (امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صلوٰۃ خوف جائز نہیں ہے، آپ کی موجودگی میں آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کا جو ثواب ہے وہ دوسرے کے پیچھے حاصل نہیں ہو سکتا تھا اس لئے صلوٰۃ خوف کی اجازت تھی کہ ہر ایک کو آپ کے پیچھے نماز ادا کرنے کا موقع مل سکے۔ اب آپ کے بعد یہ بات جاتی رہی، اب دو جماعت ہو سکتی ہے لہذا اب اس طور پر ادا کرنا جائز نہ ہو گا مگر فتویٰ امام ابو حنیفہؒ و امام محمدؒ کے قول پر ہی

ہے جو پہلے نقل ہوا)

موقع جنگ میں صلوٰۃ خوف

صلوٰۃ خوف جنگ میں اس طرح ادا ہوگی کہ امام ایک گروہ دشمن کے مقابلہ میں کر دے گا کہ وہ خوف زدہ رہیں اور دوسرے گروہ کو بطور وجوب دور کعت والی نماز میں ایک رکعت اور دور کعت سے زیادہ والی نمازوں میں دور کعت پڑھائے گا، جمعہ اور عید کی نماز دور کعت والی میں داخل ہے، پہلا گروہ جس کو امام نے ایک یا دور کعت پڑھائی ہے وہ دشمن کے مقابلہ میں چلا جائے گا اور دوسرا گروہ جو وہاں مقابلہ میں تھا یہاں امام کے پیچھے نماز کے لئے آجائے گا اور امام ان کو بقیہ رکعت پڑھا کر تنہا سلام پھیر دے گا، اب مستحب یہ ہے کہ یہ دوسرا گروہ یہاں آجائے اور وہ سب بغیر قرأت اپنی اپنی نماز پوری کریں گے اور سلام پھیر کر ختم کریں گے، بغیر قرأت اس لئے پڑھیں گے کہ یہ لوگ لاحق کے حکم میں ہیں پھر دوسرا گروہ جس نے بعد میں امام کے ساتھ شرکت کی ہے وہ آئے گا اور وہ لوگ اپنی اپنی نماز قرأت کے ساتھ پوری کریں گے اس لئے کہ یہ لوگ مسبوق کے حکم میں ہیں۔

دونوں گروہ کیسے نماز ادا کریں

پہلا گروہ دور کعت والی نماز میں ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھے گا اور پہلی رکعت کے دوسرے سجدے سے اٹھتے ہی دشمن کے مقابلہ میں چلا جائے گا اور چار اور تین رکعت والی نماز میں پہلا گروہ امام کے ساتھ دور کعت پڑھے گا اور التحیات سے فارغ ہو کر دشمن کے مقابلہ میں جائے گا۔ دوسرا گروہ اگر دور کعت والی میں آخر کی ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھے گا اور تین رکعت والی میں بھی قعدہ اخیرہ میں امام کے ساتھ بیٹھے گا اور امام تنہا سلام پھیر دے گا تو پھر دشمن کے مقابلہ میں جائیں گے مگر یہ جانا ان کے لئے مستحب ہے واجب اور فرض نہیں، اگر فوراً نہ جائیں بلکہ امام کے سلام کے بعد وہ سب اسی جگہ اپنی بقیہ نماز پوری کر لیں تو ان کے لئے یہ بھی درست ہے۔

بوقت خوف نماز عید

عید کی قید سے معلوم ہوا کہ صلوٰۃ خوف صرف فرض نمازوں میں مختصر نہیں ہے بلکہ واجب نماز میں بھی ہوتی ہے مسافر دور کعت والی نماز میں شمار ہو گا دشمن کے مقابلہ میں ایک رکعت کے بعد جانا پیدل ہو گا اور سوار ہو کر جائیں تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ واللہ اعلم)

صلوٰۃ خوف میں دو امام کی اجازت

صلوٰۃ خوف کا اس طرح پڑھنا جو اوپر بتایا گیا اس صورت میں ہے جب کہ مقتدی ایک امام کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے جھگڑا کریں، ورنہ افضل یہ ہے کہ ہر گروہ علیحدہ امام کے ساتھ نماز پڑھے (یعنی ایک گروہ دشمن کے مقابل ہو اور دوسرا گروہ اپنا ایک امام بنا کر اس کے پیچھے اپنی پوری نماز پڑھ لے پھر فارغ ہو کر یہ دشمن کے مقابل گروہ آکر اپنا دوسرا امام بنائے اور اس کے ساتھ پوری نماز ادا کرے۔

زیادہ خوف کی بوقت سواری پر نماز

اور اگر بہت زیادہ خوف ہو اور سواری سے اترنا ان کے لئے دشوار ہو اور وہ اس پر قادر نہ ہوں تو یہ سب کے سب تنہا تنہا سوار ہو کر ہی نماز ادا کریں رکوع اور سجدے کے لئے سر سے اشارہ کریں اور جس سمت رخ کر کے پڑھنا ممکن ہو، اسی طرف رخ کر کے نماز پڑھیں کہ ایسے وقت مجبوری ہے اس کا تقاضا یہی ہے، البتہ جو شخص امام کی سواری کے پیچھے اس کے ساتھ بیٹھا ہو اس کے لئے درست ہے کہ

وہ حالت سواری میں امام کی اقتدا کرے اس لئے کہ دونوں کی جگہ متحد ہے۔

سواری پر نماز کب فاسد ہوتی ہے سواری پر جو نماز پڑھی جا رہی ہے وہ اترنے سے فاسد ہو جاتی ہے اگر وہ اترنا دشمن کے سامنے صف باندھنے اور وضو ٹوٹنے کی وجہ سے نہیں ہے، ای طرح وہ نماز بہت قتال سے بھی فاسد ہو جاتی ہے معمولی قتال سے فاسد نہیں ہوگی، کیونکہ یہ عمل قلیل ہے اور بہت لڑا عمل کثیر ہے اس لئے اس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

دریا میں تیرنے والے کی نماز جو شخص دریا میں تیر رہا ہو، اگر اس کے لئے اپنے اعضاء کو ایک ساعت ڈھلا کر ناممکن ہو تو وہ اشارہ سے اسی حالت میں نماز پڑھ لے، ورنہ اس کی نماز ایسے مسلسل تیرنے کی حالت میں درست نہیں ہوگی کہ اس کے اعضاء ڈھیلے نہ ہو سکیں جیسے اس شخص کی نماز درست نہیں ہوتی ہے جو پیدل چل رہا ہے اور اسی چلنے کی حالت میں نماز پڑھے، اور اس تلوار چلانے والے کی نماز بھی درست نہیں جو تلوار سے مار رہا ہو اور اسی حالت میں نماز پڑھے، (منشایہ ہے کہ تیرنے والے کو پانی سے نکل کر نماز پڑھنے کا موقع نہ ہو اسی طرح تلوار چلانے والے کو جب موقع نہ ہو تو یہ حکم ہے)

فروع الراكب ان كان مطلوباً تصح صلواته وان كان طالباً لا لعدم خوفه شرعوا ثم ذهب العدو لم يجز انحرافهم وبعكسه جاز لا تشرع صلوة الخوف للعاصي في سفره كما في الظهيرة وعليه فلا تصح من البغاة صبح انه عليه الصلوة والسلام صلاها في اربع ذات الرقاع وبطن نخل وعسفان وذی قرد۔

چند جزئیات شارح کی طرف سے اضافہ کردہ مسائل، اگر کوئی سوار ہو اور دوسرا اس کے پیچھے اس کو پکڑنے آ رہا ہو تو اس صورت میں سواری پر اس کی نماز درست نہیں ہے اس وجہ سے کہ اس کو کوئی خوف نہیں (اتر کر نماز پڑھ سکتا ہے)

صلوٰۃ خوف شروع کرنے کے بعد جب دشمن چلا جائے کچھ لوگوں نے صلوٰۃ خوف شروع کی نماز جب شروع ہو چکی تھی کہ دشمن چلا گیا تو اس صورت میں ان سب کا اپنی جگہ سے ٹلنا جائز نہیں ہے جو گروہ جہاں ہو اس کو وہیں نماز ادا کر لینا چاہئے اور اگر اس کے برعکس ہو یعنی جب نماز شروع کی تھی تو دشمن کا کوئی خوف نہیں تھا، لیکن ابھی نماز ہی کی حالت میں تھا کہ دشمن کا خوف سامنے آ گیا تو اس صورت میں کچھ لوگ اسی حالت میں دشمن کے مقابلہ میں چلے جائیں گے تو بھی نماز ہو جائے گی، یہ جانا نماز کے لئے مغل نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ جانا ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے ہے کذا فی الطحاوی

سفر معصیت والے اور باغیوں کے لئے صلوٰۃ خوف جائز نہیں جو شخص سفر معصیت کرے

یعنی وہ گنہ کے ارادہ سے ستر کر رہا ہو جیسے ڈکیتی اور چوری کی نیت سے تو اس کے لئے صلوٰۃ خوف جائز نہیں ہے جیسا کہ ظہیر یہ میں آیا ہے اور اسی بنیاد پر باغیوں کے لئے صلوٰۃ خوف کا پڑھنا جائز نہیں ہے،

صلوٰۃ خوف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چار مقام پر نماز خوف پڑھنا ثابت ہے (۱) غزوۃ ذات الرقاع میں آپ نے صلوٰۃ خوف پڑھی (اس غزوہ میں صحابہ کرام کے پاؤں زخمی ہو گئے اور ناخن گر گئے تھے اس کی وجہ سے انہیں پاؤں پر چھتھرے لپیٹنے پڑے تھے اور اسی وجہ سے اس کا نام ”ذات الرقاع“ ہوا اس لئے کہ رقاع چھتھرے اور پیوند کو کہتے ہیں۔ غزوۃ خندق سے پہلے ہوا تھا (۲) بطن نخل میں بھی آپ نے صلوٰۃ خوف پڑھی تھی (بطن نخل ایک جگہ کا نام ہے)۔ (۳) غزوہ عسفان میں بھی آپ نے نماز خوف پڑھی (یہ جگہ مکہ مکرمہ سے دو منزل کی دوری پر واقع ہے) (۴) غزوہ ذی قرد میں نماز خوف پڑھی (یہ جگہ مدینہ منورہ سے قریب ہے اس کو غزوہ غابہ بھی کہتے ہیں یہ غزوہ سن ۶ھ میں ہوا ان چار غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خوف پڑھی ہے)

(مخطاوی میں امداد الفتاح سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خوف چوبیس پڑھی اور یہاں صرف چار غزوات کا ذکر ہے تو ان میں تطبیق کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ آپ نے غزوات میں سے صرف چار غزوات میں ہی نماز خوف پڑھی ہے باقی ہیں مرتبہ دوسری جگہوں میں پڑھی ہوگی، یا صرف ان چار جگہوں میں ہی کل نمازوں کو ملا کر چوبیس نمازیں پڑھی ہوں۔ واللہ اعلم۔

بَابُ صَلَوةِ الْجَنَازَةِ

من اضافة الشيء الى وهى بالفتح الميت وبالكسر السرير وقيل لغتان والموت صفة وجودية خلقت لحد الحيوة وقيل عدمية بوجه المحتضر وعلامته استرخاء قدميه واعوجاج منخره وانخساف صدغيه القبلة على يمينه وهو السنة وجاز الاستلقاء على ظهره وقد ماها اليها وهو المعتاد في زماننا ولكن يرفع راسه قليلا ليتوجه للقبلة وقيل يوضع كما تيسر على الاصح صححه في المبتغى وان شق عليه ترك على حاله والمرجوم لا يوجه معراج ويلقن ندبا وقيل وجوبا بذكر الشهادتين لان الاولى لا تقبل بدون الثانية عنده قبل الغرغرة واختلف في قبول توبة الياس والمختار قبول توبة لا

ایمانہ والفرق فی البزازیة و غیرها من غیر امرہ بہ لثلا یضجر و اذا قالہا مرۃ کفاه ولا یکرر علیہ مالم یتکلم لیکون اخر کلامہ لا الہ الا اللہ وینذب قراءۃ لیس ورعد ولا یلقن بعد تلحیدہ وان فعل لا ینہی عنہ وفی الجوہرہ ان مشروع عند اہل السنۃ ویکفی قولہ یا فلان با ابن فلان اذکر ما کنت علیہ وقل رضیت باللہ رباً وبہ الاسلام دیناً وبمحمد نبیاً قیل یا رسول اللہ و ان لم یعرف اسمہ قال ینسب الی آدم وحواء ومن لا یسال ینفی ان لا یلقن والاصح ان الانبیاء علیہم السلام لا یسألون والاطفال المؤمنین وتوقف الامام فی اطفال المشرکین وقیل ہم خدم اہل الجنۃ۔

نماز جنازہ سے متعلق احکام و مسائل

نماز خوف کے بعد نماز جنازہ کی مناسبت ظاہر ہے کہ خوف و قال کا انجام عموماً موت کی صورت میں سامنے آتا ہے، لہذا اس اعتبار سے موت سے یہ قریب تھا، پھر یہ کہ نماز جنازہ انسان کا آخری انجام ہے اور یہ نماز جنازہ دوسری نمازوں سے ممتاز بھی ہے کیونکہ اس نماز میں نہ رکوع ہے نہ سجدہ، نہ قرأت ہے اور نہ اذان، اور نہ تکبیر، اس لئے نمازوں کا بیان ختم کر کے اخیر میں اس نماز جنازہ کا باب رکھا۔

صلوٰۃ الجنازہ شارح نے بتایا کہ صلوٰۃ الجنازہ میں شئی کی اضافت اس شئی کے سبب کی طرف ہے یعنی یہاں میت ہی نماز کا سبب ہے، پھر یہ بتایا کہ لفظ ”جنازۃ“ جیم کے زبر کے ساتھ ہو تو اس کا معنی میت ہے اور اگر جیم کو زیر کے ساتھ پڑھا جائے تو وہ تخت کے معنی میں ہے جس کو تابوت بھی کہتے ہیں، اور جس پر مردہ کو لٹاتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ جنازہ خواہ جیم کے زبر کے ساتھ ہو، خواہ زیر کے ساتھ، دونوں کے معنی مردہ کے آتے ہیں کذا فی الشامی۔

موت وجودی صفت ہے یا عدمی موت ایک وجودی صفت ہے جو زندگی کے مقابل پیدا کی گئی ہے اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ موت عدمی صفت ہے اس لئے کہ زندہ چیز سے حیات کو نیست کر دینے کا نام موت ہے، لفظ موت میں اختلاف ہے کہ یہ وجودی ہے یا عدمی، وجودی کہنے والوں کی دلیل یہ آیت خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ اللہ تعالیٰ نے موت کو بھی وجود بخشا اور زندگی کو بھی، لیکن ان دونوں میں مقابلہ ضدین ہے دونوں جمع نہیں ہو سکتے، اور جو موت کو عدمی کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ زندگی سے جب حیات معدوم ہو جاتی ہے تو اسی کا نام موت ہوتا ہے لہذا موت و حیات میں عدم اور ملکہ کا مقابلہ ہے اور اکثر نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے (

موت کی علامتیں جو شخص موت کے قریب پہنچ چکے سنت یہ ہے کہ اس کا چہرہ دائیں کروٹ کر کے قبلہ کی طرف پھیر دیا جائے، موت کے قریب ہونے کی پہچان یہ ہے کہ اس کے دونوں پاؤں ڈھیلے

بڑ جائیں، اور اس کی ناک کا بانسا ٹیڑھا ہو جائے اور کنپٹیاں اندر کودھنس جائیں مختصر باب افعال سے اسم مفعول کا صیغہ ہے وہ شخص جس کے لئے موت موجود ہو جائے یا جس کے پاس موت کے فرشتے آ موجود ہوں۔

قریب الموت کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ اس کو چت پیٹھ کے بل لٹا دیا جائے، اس طرح اس کے دونوں پیر قبلہ کی طرف ہوں، لیکن اس کا سر تھوڑا سا اونچا کر دیا جائے تاکہ چہرہ قبلہ کی طرف ہو جائے، شارح نے بتایا کہ ہمارے زمانہ میں اسی طرح لٹانا مروج ہے اور ایک قول یہ ہے کہ جیسے بھی سہولت ہو کیا جائے، مگر چہرہ قبلہ کی طرف ہو، صحیح ترمذی باب میں یہی ہے۔ جتلی نامی کتاب میں اس قول کی تصحیح کی ہے، اور اگر قریب الموت شخص کو قبلہ رخ کرنے میں تکلیف اور اذیت ہو تو اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے، وہ شخص جس کو زنا کاری کی سزا کیوجہ سے سنگسار کیا گیا ہو اس کو قبلہ رخ نہیں کیا جائے گا اور ایسا معاملہ اس کے ساتھ زجر آگیا جائے گا۔ تاکہ دوسرے کو عبرت ہو۔

موت کے وقت شہادتین کی تلقین

موت کے وقت شہادتین کی تلقین مرتے وقت مستحب یہ ہے کہ مرنے والے کو شہادتین کی تلقین کی جائے اور بعضوں نے کہا کہ تلقین کرنا ان پر واجب ہے مگر یہ غرہ سے پہلے کیا جائے اس وجہ سے کہ پہلی شہادت دوسرے کے بغیر قبول نہیں ہوتی (تلقین کی مراد یہ ہے کہ مرنے والے کے پاس جو لوگ موجود ہوں وہ اَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ اس طرح پڑھیں کہ وہ آواز اس کے کان میں جائے اور یہ بھی ان کلمات کو بطور خود دہرا کر رطب اللسان ہو، بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ صرف لا الہ الا اللہ کی تلقین ہو، اور بعض نے دونوں جز کی تلقین کو کہا ہے، لا الہ الا اللہ بھی، اور محمد رسول اللہ بھی)

جان کنی کے وقت کی توجہ

جان کنی کے وقت کی توجہ جان کنی کے وقت کی توبہ قبول ہوتی یا نہیں اس میں اختلاف ہے مذہب مختار یہ ہے کہ اس کی توبہ مقبول ہوتی ہے البتہ اس وقت کا ایمان مقبول نہیں ہے اور ان دونوں کا فرق بڑا یہ وغیرہ میں مرقوم ہے اس حالت میں ایمان کے سلسلہ میں قرآن میں صراحت ہے **فَلَمْ يَكُنْ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوُا بُنَيَّانَا** ان کا ایمان ان کو اس وقت کام نہیں آیا جب انہوں نے ہمارے عذاب کو دیکھ لیا، اور توبہ کے سلسلہ میں ارشاد **رَبَّانِي هُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ** اللہ تعالیٰ وہ ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے

تلقین شہادتین کی صورت

تلقین شہادتین کی صورت مگر مرنے والے کو تلقین کی وقت کلمہ شہادت کے پڑھنے کا حکم نہیں دیا جائے گا (بلکہ صرف نزدیک والے خود ہلکی آواز کے ساتھ پڑھیں گے پڑھنے کا حکم اس لئے نہیں دیا جائے گا کہ ہو سکتا ہے کہ حق ہو کر کہیں اپنی اس وقت کی تکلیف کی وجہ سے پڑھنے سے انکار نہ کر دے۔ جب قریب المرگ ایک مرتبہ کلمہ شہادت پڑھ لے تو بس یہ اس کے لئے کافی ہے۔ دوبارہ بار بار تلقین نہ کی جائے جب تک اس پڑھنے کے بعد وہ کوئی بات نہ کرے، تاکہ اس کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہو، اور اس پڑھنے کے بعد اگر وہ دوسری بات کرے تو پھر تلقین کی جائے۔ تاکہ آخری کلام لا الہ الا اللہ ہو۔

سورہ یسین پڑھنا

سورہ یٰسین پڑھنا مستحب یہ ہے کہ مرنے والے کے پاس آخری وقت میں سورہ یٰسین اور سورہ رعد پڑھی جائے حدیث میں ان سورتوں کے پڑھنے کا حکم آیا ہے حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ سورہ رعد پڑھنے سے

جان آسانی سے نکلتی ہے کذا فی الشامی)

دفن ہو جانے کے بعد تلقین نہیں کی جائے گی اور اگر کوئی کرے تو اس کو روکا نہیں جائے گا (اس وجہ سے کہ حدیث میں صراحت ہے کہ لَقِنُوا مَوْتَكُمْ اپنے مرنے والوں کو تلقین کرو، بعض نے یہاں اس سے حقیقی موت مراد لیا ہے، یعنی موت واقع ہو جانے کے بعد تلقین کا حکم لہذا جائز ہے اور بعض دوسروں نے قریب الموت کا معنی مراد لیا ہے اس لئے کہ آیت رہا ہے إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَى یعنی تم مردہ کو نہیں سنا سکتے ہو اس لئے انہوں نے کہا ہے کہ دفن کے بعد بھی تلقین میں کم نقصان نہیں فائدہ یہ ہے کہ اس کلمہ شہادت سے صاحب قبر کو انس ہوتا ہے، طحاوی میں ہے کہ ظاہر آثار یہ ہے کہ تلقین نہ کی جائے)

مرتے وقت تلقین جو ہر نامی کتاب میں ہے کہ اہل سنت کے نزدیک تلقین جائز ہے (کیونکہ اللہ تعالیٰ مردہ کو قبر میں زندہ کرتا ہے جیسا کہ حدیث میں اس کی تفصیل موجود ہے کذا فی الطحاوی تلقین میں فلاں ابن فلاں کہہ کر اس طرح خطاب کرنا کافی ہوتا ہے کہ اے فلاں ابن فلاں تو ان باتوں کو یاد کر جن پر تو دنیا میں قائم تھا یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ضروریات دین پر ایمان رکھتا تھا جب فرشتے سوال کریں تو اس طرح کہنا کہ میں رب العالمین کے رب ہونے اسلام کے دین ہونے اور محمد رسول اللہ کے نبی ہونے پر راضی ہوا، کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر مردہ کا نام معلوم نہ ہو تو آپ نے فرمایا اس کو آدم حوا کی طرف منسوب کر کے کہے یعنی مرد ہو تو کہے اے آدم کے بیٹے، اور عورت ہو تو کہے اے حوا کی بیٹی اور جن لوگوں سے قبر میں سوال نہیں ہوتا ہے مناسب یہ ہے کہ دفن ہونے کے بعد ان کو تلقین نہ کی جائے۔

قبر میں کن لوگوں سے سوال نہیں ہوتا وہ لوگ جن سے قبر میں سوال نہیں ہوگا صحیح ترمذی میں ہے کہ ان میں انبیاء علیہم السلام ہیں، اور مسلمانوں کے نابالغ بچے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ نے مشرکین کے نابالغ بچوں کے سلسلہ میں توقف فرمایا ہے کہ ان سے قبر میں سوال کیا جائے یا نہیں، اور وہ دورانیہ میں ہوں گے یا جنت میں، کہا جاتا ہے کہ اہل جنت کے خادم ہوں گے (قبر میں جن سے سوال نہیں ہوتا ہے ان میں فہد، غازی، صدیق، جو شخص جمعہ کے دن یا اس کی رات میں مرے، جو ہر رات سورہ ملک پابندی سے پڑھتا رہا ہو کا اضافہ کیا ہے، مشرکین کے بچے کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑا جائے اس لئے کہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ مشرکین کے بچے کہا کرتے۔ کذا فی الطحاوی)

و یکرہ تمنہ الموت و تمامہ فی النہر سیجی فی الحظرو ما ظہر منه من کلمات کفریۃ یستغفر فی حقہ و یعامل معاملۃ موتی المسلمین حملا علی انہ فی حال زوال عقلہ و لذا اختار بعضهم زوال عقلہ قبل موتہ ذکرہ الکمال واذا مات تشد لحياءه وتغمض عيناه تحسینا له یقول مغمضه بسم

اللہ و علی ملة رسول اللہ الہم یسر علیہ امرہ و سہل علیہ ما بعدہ و اسعدہ بلقائک و اجعل ما خرج الیہ خیرا مما خرج الیہ ثم تمد اعضاءہ و یوضع علی بطنہ سیف او حدید لثلا ینتفخ و یحضر عنده الطیب و یرج من عنده الحائض و النفساء و الجنب و یعلم بہ جبرانہ و اقاربہ و یسرع فی جہازہ و لا یقرأ عنده القرآن الی ان یرفع الی الغسل کما فی القہستانی مغریا للنتف قلت و لیس فی النتف الی الغسل بل الی ان یرفع فقط و نسرہ فی البحر برفع الروح و عبارة الزیلعی و غیرہ تکرہ القراءة عنده حتی یغسل و عللہ الشرء نبلا لی فی امداد الفتح تنزیہا للقرآن من نجاسة المیت لتنجسہ بالموت قیل نجاسة خبث و قیل حدث و علیہ فینبغی جوازہا کقراءة المحدث و یوضع کما مات کما تیسر فی الاصح علی سریر مجمر و نزا الی سبع فقط فتح ککفنه و عند موته فی ثلث لا خلفہ و لا فی القبر او کرہ قراءة القرآن عنده الی تمام غسلہ عبارة الزیلعی حتی یغسل و عبارة النہر قبل غسلہ و تستر عورته الغلیظة فقط علی الظاہر من الروایة و قیل مطلقا الغلیظة والخفیفة و صح صححہ الزیلعی و فیرہ و یغسلہا تحت خرقة السترة بعد لف خرقة مثلہا علی یدیه لحرمة اللمس کالنظر و یجرد من ثیابہ کما مات و غسلہ علیہ السلام فی قمیصہ من خواصہ

موت کی تمنا کی کراہت موت کی تمنا کرنی مکروہ ہے یعنی تکلیف اور کوفت سے تلک ہو کر موت کی آرزو کرنا درست نہیں ہے اس کی تفصیل نہر الفائق نامی کتاب میں ہے اور اس کتاب کی پانچویں جلد میں کتاب الخطر والے باب میں یہ مسئلہ آ رہا ہے (نہر الفائق میں یہ ہے کہ اگر مجبور او عا کرنا پڑے تو اس طرح کہے یا اللہ جب تک زندگی میرے لئے بہتر ہے مجھے زندہ رکھ، اور اگر میرے لئے موت بہتر ہو تو موت دے دے)

موت کے وقت کلمات کفر مرنے والے سے جان کنی کے موقع پر جو کلمات کفر ظاہر ہوں، ان کی وجہ سے اس کے حق میں دعائے مغفرت کی جانی چاہئے اور اس کے ساتھ مسلمانوں کے مردوں کا سا معاملہ کیا جائے یعنی جان کنی کے موقع پر کفر یہ کلمات نکلنے سے اس کو کافر نہیں کہا جائے گا۔ بلکہ مسلمان ہی مانا جائے گا اور سمجھا جائے گا کہ اس سے اس کی عقل کے زائل ہونے کی حالت میں یہ کلمات سرزد ہوئے ہیں یہی وجہ ہے کہ بعض فقہاء نے یہ مسلک اختیار کیا ہے اس وقت موت سے پہلے اس کی عقل جاتی رہتی ہے اس کو کمال نے ذکر کیا ہے۔ (خدا کا شکر یہ

ہے کہ مسلمان کی زبان پر کبھی بھی مرنے کے وقت کلمات کفر سننے میں نہیں آیا، یہ خود علامت ہے کہ عقل و ہوش میں اس سے یہ نہیں ہوتا ہے اگر کبھی کسی سے خدا نخواستہ ایسا ہو تو سمجھنا چاہئے کہ اس کی عقل ماؤف ہو گئی ہے)

موت کے فوراً بعد کرنے کا کام مرنے والا جب مر چکے تو جو لوگ وہاں موجود ہوں یا اس وقت آجائیں ان کو چاہئے کہ اس کے جڑے سر سے ملا کر ہاندھ دئے جائیں (تاکہ منہ کھلا

نہ رہنے پائے) اور اس کی آنکھوں کو بند کر دیا جائے (تاکہ وہ کھلی نہ رہنے پائیں) اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ مرنے والے کا چہرہ اچھا معلوم ہوتا ہے (اور اگر منہ کھلایا آنکھیں پھٹی رہ جاتی ہیں تو چہرہ خوف ناک بن جاتا ہے) جو آنکھیں اس وقت بند کرے وہ بند کرتے وقت یہ دعا پڑھے بسم اللہ و علی ملۃ رسول اللہ اللہم یسر علیہ امرء و استعده بلقائك واجعل ما خرج الیہ خیرا مما خرج عنہ (اللہ تعالیٰ کے نام اور رسول اللہ کی ملت کی بنیاد پر اے اللہ اس مرنے والے پر اس کا معاملہ آسان فرما دے اور بعد آگے جو پیش آنے والا ہے اسے اس کے لئے سہل کر دے اور اس کو اپنے دیدار سے بہرہ ور فرما اور وہ جہاں جا رہا ہے اس کو اس دنیا سے بہتر کر جہاں سے نکل کر جا رہا ہے)

مردے کے پاس سے ناپاک مرد و عورت علیحدہ ہو جائیں منہ اور آنکھوں کے بند کرنے کے بعد مردے کے اعضا کو سلقہ سے

اپنی اپنی جگہ پھیلا دیا جائے اور اس کے پیٹ پر تلوار یا لوہار کھ دیا جائے تاکہ پیٹ پھولنے نہ پائے (شامی کا بیان ہے کہ لوہا اور آئینہ کی تاثیر یہ ہے کہ وہ پیٹ کو پھولنے نہیں دیتے اور اگر ان دونوں میں سے کوئی چیز نہ ملے تو کوئی بھاری چیز رکھ دی جائے پھر اس کے پاس خوشبو لائی جائے اور حیض و نفاس والی عورتیں اور ناپاک (جنبی) مرد اس کے نزدیک سے ہٹ جائیں)

مرنے کی اطلاع خوشبو اور کفن دفن کا انتظام مرنے والے کی موت کی اطلاع اس کے پڑوسیوں اور غولیش و اقارب کو کر دی جائے اور اس کے کفن دفن کے سامان میں

جلدی کی جائے (حدیث میں ہے مسلمان کے مردہ کو اس کے گھر والوں کو نہیں روکنا چاہئے کذا فی الشامی) اور جب تک مردے کو غسل نہ دیا جائے اس وقت تک اسکے پاس قرآن پاک نہ پڑھا جائے، جیسا کہ قہستانی میں صحت کی طرف منسوب کر کے درج ہے۔

موت کے وقت تلاوت شارح کہتے ہیں کہ صحت نامی کتاب میں "الی الغسل" کا لفظ نہیں ہے بلکہ صرف "الی ان یرفع" کا لفظ ہے۔ کہ، جب تک مردہ اٹھایا نہ جائے، اور بحر الرائق میں

اٹھائے جانے کی تفسیر میت کی روح کے اٹھائے جانے سے کی گئی ہے یعنی صرف روح کے نکلنے تک قرآن پڑھے اور جب روح نکل جائے تو تلاوت بند کر دے اور زبلی وغیرہ میں یہ ہے کہ مردے کے پاس قرآن پڑھنا مکروہ تحریمی ہے جب تک اس کو غسل نہ دے دیا جائے اور شرح مہللی نے امداد الفتح میں اس کی صحت بیان کی ہے کہ میت سے قرآن کو علیحدہ رکھنا میت کے نجس ہونے کی وجہ سے ہے، کیونکہ مردہ موت کی وجہ سے نجس ہو جاتا ہے۔

مردہ کے ناپاک ہونے کی بحث مردہ کی نجاست کو بعض نے حقیقی کہا ہے اور بعض نے حکمی قرار دیا ہے (جو لوگ حقیقی نجاست کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ دوسرے جانداروں کی

طرح آدمی کا خون بھی پتلا ہوتا ہے لہذا جس طرح دوسرے مردار نجس ہوتے ہیں، اسی طرح آدمی بھی نجس ہو جاتا ہے، اور اکثر فقہاء کا قول یہی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اگر مردہ مسلمان نہلانے سے پہلے کنویں میں گر جائے تو کنویں کا پانی ناپاک ہو جاتا ہے اور جو حکمی قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اپنے پیٹھ دوں کو نجس نہ سمجھو، مسلمان نہ زندہ ہونے کی حالت میں نجس ہوتا ہے اور نہ مرنے کے بعد، مگر اس حدیث کا مفہوم وہ یہ لیتے ہیں کہ مردہ کی نجاست حکمی ہے نہ لادینے سے پاک ہو جاتا ہے، دائمی طور پر وہ نجس نہیں ہوتا جیسے کافر کہ نہلانے کے بعد بھی نجس ہی رہتا ہے۔

مردے کے پاس تلاوت اگر مردہ کی نجاست حکمی قرار پائے تب تو بلاشبہ غسل سے پہلے بھی اس کے پاس قرأت جائز ہوگی جیسے بے وضو کا قرآن پڑھنا درست ہے (اور اگر نجس حقیقی کہا جائے تو غسل سے پہلے اس کے پاس تلاوت مکروہ ہوگی، طحاوی نے کہا کہ اگر مردے کے پاس سے الگ تھلگ ہو کر تلاوت کی جائے تو کراہت نہیں ہوگی، شامی نے اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ اگر مردہ کو پاک چادر سے چھپادیں اور وہاں تلاوت کریں تو بھی کراہت نہیں ہے البتہ اگر پاک چادر سے چھپایا ہو نہ ہو تو کراہت ہوگی۔)

مرنے کے بعد بسائے ہوئے تخت پر مرنے والا جوں ہی مرے جیسے بن پڑے اسکو ایک تخت یا چارپائی پر لٹا دیا جائے جس کو خوشبو کی دھونی دی جا چکی ہو، اور یہ خوشبو کی دھونی تین مرتبہ یا پانچ یا سات مرتبہ دی گئی ہو، اس سے زیادہ نہیں۔ کذا فی الفتح۔ جس طرح مردہ کے کفن کو خوشبو سے بساتے ہیں اسی طرح مردہ کے مرنے کے وقت بھی بسایا جائے پس خوشبو سے تین دفعہ بسانا ہوتا ہے (مرنے کے وقت، تخت پر رکھنے سے پہلے اور کفن پہنانے سے پہلے) ان تین دفعہ کے بعد نہیں ہے اور نہ قبر میں ہے، مرنے کے وقت بسانے کا مطلب یہ ہے کہ موت واقع ہونے کے فوراً بعد خوشبو جلائیں، اور یہ جو کہا گیا کہ مرنے کے فوراً بعد تخت پر رکھیں یہ اس وقت ہے جب وہ زمین پر مرا ہو، اس لیے کہ زمین کی نمی سے نقش کے بگڑنے کا خطرہ ہوتا ہے تخت یا چارپائی خواہ جنوباً، شمالاً رکھیں جس طرح قبر ہوتی ہے یا شرقاً، غرباً رکھیں کہ پاؤں قبلہ کی طرف ہو اور سر ڈرا اوٹھا ہو، اور زیادہ صحیح یہ ہے جس طرح سہولت ہو اس طرح رکھا جائے کوئی قید نہیں ہے۔ (کذا فی الشامی)

غسل دینے سے پہلے مردے کے پاس تلاوت کی ممانعت مردے کے پاس اس وقت تک قرآن پڑھنا مکروہ تحریمی ہے جب تک اس کو غسل نہ دیدیا جائے۔ زیلعی کی عبارت اس طرح ہے ”حتی بغسل“ اور نہر الفائق کی عبارت یہ ہے ”قبلہ غسلہ“ مفہوم دونوں کا وہی ہے جو اوپر لکھا گیا۔

غسل کے وقت پردہ مردے کو غسل دینے میں ظاہر روایت یہ ہے کہ اس کا صرف ستر غلیظ چھپایا جائے اور دوسرا قول یہ ہے کہ مطلقاً ستر چھپایا جائے خواہ وہ غلیظ ہو یا خفیفہ، اور اسی دوسرے قول کو زیلعی نے صحیح کہا ہے۔ منشاء یہ ہے کہ ناف سے لے کر گھٹنے تک چھپایا جائے اس لیے کہ یہ پورا حصہ ستر میں داخل ہے۔ حدیث میں صراحت ہے زندہ اور مردہ کی ران نہ دیکھو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ران کا کھولنا حرام ہے۔

ستر والے حصہ پر متمم ستر والا حصہ ہاتھ میں کپڑا لپیٹ کر اور تہ کے نیچے ہاتھ لے جا کر دھوئے اس لیے کہ اس حصہ کو ہاتھ لگانا بھی ایسا ہی حرام ہے جس طرح اس کا دیکھنا حرام ہے، ایک تھیلا ساسی کر ہاتھ میں

پہنا لے اور پھر اس سے دھوے، کہ جسم کا ہاتھ سے چھونا لازم نہ آئے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بچوں کے لیے ہاتھ میں کپڑا لپیٹنا اور تہہ رکھنا ضروری نہیں ہے۔

روح نکلنے کے بعد کپڑے نکال دیئے جائیں

روح کے پرواز ہوتے ہی مردہ کے جسم سے کپڑا نکال دیا جائے تاکہ کپڑوں کی گرمی سے جسم میں کوئی خرابی نہ آنے پائے، آنحضرت ﷺ کو آپ کی قمیص میں نہلایا جاتا آپ کی خصوصیات سے ہے۔ (ابوداؤد میں ہے بوقت غسل لوگوں کو تردد ہوا کہ کپڑا نکال کر غسل دیا جائے یا کپڑے سمیت تو گھر کے گوشہ سے آواز آئی آپ کو کپڑے سمیت نہلاؤ۔ کذا فی الثانی)

و يؤضأ من يؤمر بالصلوة بلا مضمضة و استنشاق للخرج و قيل يفعلان بخرقه و عليه العمل اليوم و لو كان جنبا او حائضا او نفساء فعلا اتفاقا تیمما للطهارة كما فی امداد الفتاح مستمدا من شرح المقدسی و يبدأ بوجه و يمسح رأسه و يصب عليه ماء مغلي بسدر و رق النبق او حرص بضم فسكون الا شنان ان تيسر والا فماء خالص مغلي و يغسل رأسه و لحيته بالخطمي لت بالعراق ان وجد و الا فبالصابون و نحوه هذا لو كان بهما شعر حتى لو كان امرد او اجرد لا يفعل و يضع على يساره ليبدأ بيمينه فيغسل حتى يصل الماء الى ما يلي التخت منه ثم على يمينه كذلك ثم يجلس مستمدا بالبناء للمفعول اليه و يمسح بطنه رفيقا و ما خرج منه يغسله ثم بعد اقعاده يضعه على شقه الايسر و يغسله و هذه غسلة الثالثة ليحصل المسنون و يصب عليه الماء عند كل اضجاع ثلاث مرات لما مرو ان زاد عليها او نقص جاز اذا لوجب مرة ولا يعاد غسله ولا وضوؤه بالخارج منه لان غسله ما وجب لرفع الحدث لبقائه بالموت بل التنجسه بالموت كسائر الحيوانات الدموية الا ان المسلم يطهر بالغسل كرامة له و له حصل بحر و شرح مجمع و ينشف في ثوب و يجعل الحنوط و هو بفتح الحاء العطر المركب من الاشياء الطيبة غير زعفران و ورس لكراهتهما للرجال و جعلهما في الكفن جهل على رأسه و لحيته نديا و الكافور على مساجده كرامة لها ولا يسرج شعره اى يكره ذلك تحريما ولا يقص ظفره الا المكسور ولا شعره و لا يحنن و لا بأس بجعل القطن على وجهه و في مخارقه كدبر و قبل و اذن و لم .

مردے کو وضو کرانا جس شخص کو نماز کا حکم دیا جاتا ہے اس کو مرنے کے بعد بغیر کلی اور ناک میں پانی ڈالے ہوئے وضو کرائے گا اس لیے کلی کرانے اور ناک میں پانی ڈالنے میں عقلي ہے، ایک قول یہ ہے کہ کلی اور

ناک میں پانی ڈالنے کے بجائے کپڑا بھگو کر دونوں کو صاف کیا جائے گا اور آج کل اسی پر عمل ہے، اور اگر مرنے والا جنبی (ناپاک) ہو یا عورت حیض و نفاس والی ہو تو سب کا اتفاق ہے کپڑے سے اس کی ناک اور دانت اور مسوڑھے وغیرہ صاف کیے جائیں گے، تاکہ اس کی طہارت پوری ہو جائے۔ (سات سال کے بچہ، بچی کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ ان کو نماز کا حکم دیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو اس عمر سے کم کا مردہ ہو گا اسے وضو نہیں کر لیا جائے گا۔ لیکن بقول شامی وضو کر دینا بہتر ہے۔ واللہ اعلم) مردے کو وضو کرانے میں ابتداء چہرے سے ہوگی اور اس وضو میں سر کا مسح بھی کیا جائے گا۔ (استنجا میں اختلاف ہے۔ طرفین اسی کے قائل ہیں اور امام ابو یوسف قائل نہیں ہیں اور استنجا پاک کرنے کی شکل بھی یہی ہوگی ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر وہ جگہ دھو دی جائے گی۔)

بیر کی پتی سے غسل مردہ کو اس پانی سے غسل دیا جائے جس میں بھر کی پتی یا اُشنان گھاس ڈال کر جوش دیا گیا ہو، اگر یہ چیزیں مل سکیں ورنہ خالص پانی جوش دیئے ہوئے سے نہلایا جائے گا۔

مردے کے بال خطمی یا صابن سے دھوئے جائیں مردے کے سر اور ڈاڑھی کے بال خطمی سے دھوئے جائیں اگر وہ گل جائے۔ اور اگر وہ نہ پانی

جائے تو صابون سے یا اس جیسی دوسری چیز (جیسے ملتانی کی مٹی وغیرہ) سے دھویا جائے (تاکہ میل پچیل نکل جائے اور بدن صاف سترا ہو جائے) یہ حکم اس صورت میں ہے جب مرنے والے کے چہرہ اور سر پر بال ہوں اور اگر وہ بے آلائش ہو یا سر پر بال نہ ہوں تو پھر خطمی اور صابن سے دھونے کی ضرورت نہیں ہے۔ شامی نے بتایا کہ خطمی عراق میں ایک گھاس ہوتی ہے۔

مردے کو نہلانے کا طریقہ مردے کو نہلاتے وقت اس کے ہاتھیں پہلو پر لٹایا جائے تاکہ دھونا اس کے دائیں سے شروع ہو، دائیں طرف اتنا پانی ڈالا جائے کہ وہ بدن کے اس حصہ تک پہنچ

جائے جو تخت سے ملا ہوا ہے۔ پھر دائیں کروٹ پر لٹایا جائے اور ہاتھیں پہلو پر اس طرح پانی بہایا جائے کہ وہ دائیں پہلو تک پہنچ جائے جو تخت سے ملا ہوا ہے، پھر نہلانے والا مردے کو ذرا سہارا دے کر ہٹائے اور آہستہ آہستہ اس کے پیٹ کو سہلایا جائے اور جو کچھ لگے اس کو دھو دیا جائے، اس کے بعد نہلانے والا اس کو پھر ہاتھیں کروٹ پر لٹائے اور غسل دے اور پھر تیسری بار پانی بہانا ہو گا تاکہ اس سے سنت حاصل ہو جائے، کیونکہ تین دفعہ پانی بہانا مسنون ہے اور لٹانے کے وقت تین مرتبہ پانی بہایا جائے کہ یہ مسنون طریقہ ہے اور اگر تین مرتبہ سے زیادہ یا کم ہر کروٹ پر پانی بہائے تو یہ بھی جائز ہے اور غسل ہو جائے گا، اس لیے کہ صرف ایک بار ہی تمام بدن کا دھونا غسل میں فرض ہے، تین مرتبہ مسنون ہے۔

دوبارہ غسل کی ضرورت نہیں اگر مردے کے پیٹ دہانے سے کوئی نجاست نکلے تو جیسا کہ گذرا اس کو وضو کر لیا جائے گا مگر اس کی وجہ سے غسل اور وضو کو دہرایا نہیں جائے گا، مردہ کا نہلانا

میت کے حدیث کو دور کرنے کے لیے واجب نہیں ہوا ہے، کیوں کہ وہ تو بوجہ موت قائم ہے۔ نہلانا اس لیے واجب ہے کہ موت کی وجہ سے وہ ناپاک ہو گیا ہے جس طرح دوسرے خون والے جانور مرنے سے ناپاک ہو جاتے ہیں لیکن مسلمان مردہ اپنی شرافت و عظمت کی وجہ سے غسل کے ذریعہ پاک ہو جاتا ہے اور اس کو یہ پاکی نہلانے کی وجہ سے حاصل ہو چکی۔ کذا فی الجمع، (اب اگر کوئی نجاست نکلے تو صرف اسی کو دور کرنا ضروری ہے وہ دھو ڈالی جائے گی، اس کی وجہ سے دوبارہ غسل کرانے کی ضرورت نہیں ہے)۔

مردے کو بعد غسل خوشبو ملنا

مردے کو نہلانے کے بعد اس کا پانی کسی پاک کپڑے سے خشک کر لیا جائے اور مستحب یہ ہے کہ اس کے بعد سر اور ڈاڑھی میں حنوط خوشبو ملی جائے اور اُن اعضاء میں کافور ملیں جو سجدہ میں زمین سے لگتے ہیں جیسے پیشانی، ناک، دونوں ہتھیلیاں، دونوں گھٹنے، دونوں پاؤں، اور ایسا ان اعضاء کی کرامت و عزت کو ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ شارح نے کہا حنوط عطر مرکب کا نام ہے جو مختلف خوشبودار چیزوں سے بنتا ہے، جس خوشبو میں زعفران اور ورس نہیں ہوتا ہے، زعفران اور کسم آن دونوں چیزوں کا استعمال مردوں کے لیے مکروہ ہے اور زعفران ورس کا کفن میں رکھنا جہالت ہے۔ لہذا اس سے بچنا چاہیے۔

ترکین کی ممانعت

مردے کے بالوں میں کنگھی نہیں کی جائے گی اس لیے کنگھی کرنا مکروہ تحریمی ہے اور نہ ناخن کترے جائیں گے۔ البتہ جو ناخن ٹوٹ کر لٹکا ہو گا اس کو کاٹ کر پھینک دیا جائے گا۔ اور نہ اس کے بال کاٹے جائیں گے اور نہ مردے کا ختنہ کیا جائے گا۔ (نہر الفائق میں ہے کہ مرنے کے بعد مردے کی ترکین جائز نہیں ہے) البتہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ مردے کے چہرہ پر یا اس کے سوراخوں کی جگہوں پر روئی رکھ دی جائے جیسے منہ، کان اور پاخانہ اور پیشاب کی جگہ، شرمگاہوں میں بعض علماء نے روئی رکھنے کو پسند نہیں کیا ہے۔ زیلعی میں اسی کی بہتری کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

و یوضع یداه فی جانبیه لا علی صدره لانه من عمل الکفار ابن ملک و یمنع زوجها من غسلها و مسها لا من النظر الیها علی الاصح منیه و قالت الائمة الثلاثة یجوز لان علیها غسل فاطمة رضی اللہ عنہا قلنا هذا محمول علی ابقاء الزوجية لقوله علیہ السلام کل سبب و نسب ینقطع بالموت الا سببی و نسبی مع ان بعض الصحابة انکر علیہ شرح المجمع للعینی و ہی لا تمنع من ذلك و لو ذمیه بشرط بقاء الزوجية بخلاف ام الولد والمدبرة والمکاتبه فلا یغسلنه ولا یغسلهن علی المشهور مجتبیٰ والمعتبر فی الزوجية صلاحيتها لغسله حالة الغسل لا حالة الموت فتمنع من غسله لو بانت قبل موته او ارتدت بعده ثم اسلمت او مست ابنه بشهوة لزوال النکاح و جاز لها غسله لو اسلم زوج المجوسية لمات فاسلمت بعده یحل مسها حیثما اعتبارا بحالة الحیوة.

مردے کے ہاتھوں کو اس کے بغل میں رکھا جائے

مردے کے دونوں ہاتھ اس کے دونوں پہلو میں رکھے جائیں گے اس کے سینہ پر ان کو نہیں رکھا جائے گا۔ اس وجہ سے کہ سینے پر مردے کے ہاتھوں کا رکھنا کفار کا طریقہ ہے اس کو ابن ملک نے ذکر کیا ہے۔

شوہر اپنی بیوی کو نہ غسل دے گا نہ چھوے گا

مردہ عورت کے شوہر کو اپنی مرنے والی بیوی کے نہلانے اور چھونے سے منع کیا جائے گا، البتہ دیکھنے سے روکا نہیں جائے گا۔ صحیح ترمذی میں یہی ہے۔ کذا فی المیة۔ بقیہ تینوں اماموں کا قول ہے کہ شوہر کے لیے مرنے والی بیوی کو غسل دینا جائز

ہے، اس لیے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی اہلیہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دیا تھا۔ ہم احناف اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کا یہ نہلانا زوجیت کے قائم رہنے پر محمول ہے آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ بجز میرے سبب اور نسبت کے ہر سبب انساب موت کی وجہ سے منقطع ہو جاتا ہے اس کے علاوہ بعض حضرات صحابہ کرام نے اس نہلانے کا ان پر انکار کیا ہے۔ کذا فی شرح الجمع المعنی، خانہ میں لکھا ہے کہ اگر عورت کا کوئی محرم مرد ہو گا تو وہ اس کو اپنے ہاتھ سے تیمم کرائے گا اور اگر اجنبی ہو گا تو ہاتھ پر کپڑا پیٹ کر تیمم کرائے گا، یہ اس صورت میں ہے کہ جب کہ وہاں عورت نہلانے والی نہ ہو۔

حضرت فاطمہؑ کے غسل کی بحث

حضرت فاطمہؑ کے متعلق لکھا ہے کہ ان کو حضرت ام ایمنؓ نے وفات کے بعد غسل دیا تھا، حضرت علیؑ کی طرف اس کی نسبت اس سبب سے کر دی گئی کہ یہ سارا انتظام انہوں نے ہی کیا تھا، اور اگر حضرت علیؑ کا غسل دینا ثابت بھی ہو جائے تو کہا جائے گا کہ یہ ان کی خصوصیات سے ہے اور خصوصیت کی وجہ وہ حدیث ہے جس میں نبی کریم ﷺ کا حضرت علیؑ سے ارشاد ہے کہ فاطمہ تمہاری زوجہ دنیا میں بھی ہیں اور آخرت میں بھی، دوسری حدیث وہ ہے جو متن میں اوپر بیان کی گئی، اس حدیث میں ”سبب“ سے قرابت سببی مراد ہے جیسے زوجیت اور دامادی، اور نسب سے مراد قرابت نسبی ہے۔ کذا فی الثامی۔

عورت شوہر کو غسل دے سکتی ہے

البتہ عورت کو اپنے وفات شدہ شوہر کے غسل دینے سے نہیں روکا جائے گا۔ گو وہ عورت کتابیہ، ذمیہ ہی کیوں نہ ہو، صرف شرطیہ ہے کہ موت سے پہلے تک نکاح باقی رہا ہو، البتہ ام ولد، مدبرہ اور مکاتبہ باندی اپنے آقا کو مرنے کے بعد غسل نہ دے گی، اور نہ آقا ان باندیوں کو بعد موت غسل دے سکتا ہے، روایت مشہور یہی ہے، مجتبیٰ (اس کی وجہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد ام ولد اور مدبرہ میں ملک باقی نہیں رہتی ہے، اور مکاتبہ زر کتابت ادا کرنے کے بعد آزاد ہو جاتی ہے۔)

بیوی کا نکاح سے نکل جانا

بیوی کا بوقت غسل لائق ہونا معتبر ہے نہ کہ موت کے وقت، لہذا وہ عورت جو شوہر کی موت سے پہلے بائن ہو چکی ہے اس کو فوت شدہ شوہر کو نہلانے سے منع کیا جائے گا، اسی طرح اس عورت کو بھی نہلانے سے منع کیا جائے گا جو شوہر کی موت کے بعد مرتد ہوئی پھر وہ مسلمان ہوئی، یا اپنے شوہر کے لڑکے کو شہوت کے ساتھ چھو لیا، اس وجہ سے کہ اس کا تو نکاح ختم ہو گیا، کیوں کہ ارتداد سے بھی نکاح فسخ ہو جاتا ہے اور شوہر کے لڑکے کو شہوت کے ساتھ چھونے سے بھی، اور جس کو موت سے پہلے شوہر طلاق دے چکا ہے تو اس کے نکاح کے باقی رہنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مجوسینہ جس کا شوہر مسلمان ہو

مجوسی عورت کا شوہر اگر مسلمان ہو کر مرا اور اس کے بعد اس کی بیوی اسلام لائی تو ایسی عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی زندگی کی حالت پر قیاس کر کے اپنے شوہر کو غسل دے اس لیے کہ اگر دنیا میں پہلے شوہر مسلمان ہوتا اور بعد میں بیوی، تو نکاح قائم رہتا اور عورت کے لیے اپنے اس شوہر کا چھونا درست رہتا، اسی طرح جب وہ شوہر کے مرنے کے بعد مسلمان ہوئی ہے تو اس صورت میں بھی ہاتھ لگانا درست رہے گا۔

وجد راس آدمی او احد شقیہ لا یغسل ولا یصلی علیہ بل یدفن الا ان یوجد اکثر من نصفہ ولو بلا راس و الافضل ان یغسل المیت مجانا فان ابتغی الغاسل الاجر جاز ان

كان ثمه غيره والا لا لتعينه عليه وينبغي ان يكون حكم الحمال والحفار كذلك سراج
و ان غسل الميت بغیر نية اجزاى لطهارته لا لاسقاط الفرض عن ذمة المكلفين وللا
قال لو وجد ميت فى الماء فلا بد من غسله ثلثا لانا امرنا بالغسل فيحركه فى الماء بنية
الغسل ثلثا فتح و تعليله يفيد انهم لو صلوا عليه بلا اعادة غسله صح و ان لم يسقط وجوبه
عنهم فتدبر و فى الاختيار الاصل فيه تغسيل الملائكة لآدم عليه السلام و قالوا لولده هذه
سنة موتاكم .

کسی آدمی کا صرف سر پیا گیا، یا اس کا آدھا دھڑ پیا گیا، تو اس سر یا دھڑ کو
جسم کے حصہ پر کب نماز پڑھی جائے نہ غسل دیا جائے گا اور نہ ان پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، بلکہ اسی
طرح بغیر غسل اور بلا نماز جنازہ ان کو دفن کر دیا جائے گا۔ البتہ اگر کسی مسلمان کا آدھے سے زیادہ جسم کا حصہ پایا جائے گو وہ بیمار
کے ہو اس صورت میں اس کو غسل بھی دیا جائے گا اور اس پر نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔

افضل یہ ہے کہ مسلمان مردہ کو مفت غسل دیا جائے، اس کی کوئی
مردے کے غسل اور اٹھانے کی اجرت اجرت نہ لی جائے، لیکن اگر غسل دینے والا اس کی اجرت طلب
کرے تو اس کا یہ طلب کرنا اس وقت جائز ہے، جب وہاں اس کے علاوہ دوسرا غسل دینے والا ہو، اور اگر اس کے سوا کوئی دوسرا
نہلانے والا نہ ہو، تو پھر اس کے لیے اجرت مانگنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ ایسے وقت میں اس پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ اس مردے
کو اٹھائے اور اس کی قبر کھودے، اور مناسب یہ ہے کہ جنازہ اٹھانے والے اور قبر کھودنے والے کا بھی حکم ہو کہ اگر دوسرے
لوگ موجود ہیں تو اجرت چاہنا جائز، ورنہ نہیں کیوں کہ دوسرے کے موجود نہ ہونے کی صورت میں اس پر یہ خدمت انجام دینا
شرعاً واجب ہو جاتا ہے، اور اس طرح کی واجب طاعت پر اجرت لینی درست نہیں ہے۔

میت کو بغیر نیت نہلانے سے بھی غسل ہو جاتا ہے اور وہ پاک ہو جاتا ہے۔ البتہ جن
میت کو نہلانے میں نیت لوگوں پر یہ ذمہ داری عاید ہوتی ہے بغیر نیت کے ان کے ذمہ سے فرض ساقط نہیں
ہوگا، اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ نیت طہارت کی شرط نہیں ہے بلکہ فرض کی ادائیگی کے لیے شرط ہے۔

اسی بنیاد پر مصنف نے کہا ہے کہ اگر پانی میں کوئی مردہ پایا جائے
پانی میں پائے جانے والے مردے کا غسل تو اس کو بھی تین مرتبہ نہلانا ضروری ہے، اس لیے کہ ہم ا
مردے کے نہلانے کا حکم دیا گیا ہے، جب تک ہم اس کو نہیں نہلائیں گے فرض ادا نہیں ہوگا، اگر پانی میں پائے جانے والے مردے
کو غسل کی نیت سے جب اسی پانی میں تین مرتبہ غوطہ دیں گے تو وہ پاک ہو جائے گا۔ اور فریضہ ادا ہو جائے گا۔ اور فتح القدیر میں
علت بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ قول قابل اعتماد یہ ہے کہ نہلانے میں نیت شرط نہیں ہے چنانچہ اگر اس مردہ پر بغیر نیت
نہلائے لوگ نماز جنازہ پڑھ دیں گے تو یہ نماز درست ہوگی اگرچہ ان کے ذمہ جو غسل کا واجب عاید ہو رہا تھا وہ ساقط نہیں ہوگا۔
مردے کا غسل کب سے قائم ہے اختیار نامی کتاب میں لکھا ہے کہ میت کے غسل دینے کی اصل یہ ہے کہ

فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو غسل دیا تھا، اور آپ کی اولاد سے کہا کہ تمہارے مردہ کے لیے یہی طریقہ ہے۔ (طحاوی نے اس کے بعد لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کے غسل دینے کا طریقہ بہت قدیم ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ مردے کو غسل دیں، ان کا مکلف ہونا شرط نہیں ہے، چنانچہ آدم علیہ السلام کو فرشتوں کے بعد آپ کی اولاد نے غسل نہیں دیا، بلکہ فرشتوں کے نہلانے پر ہی اکتفا کیا گیا، جو یقیناً مکلف نہیں تھے۔

فروع

لو لم يدرا مسلم امكافر و لا علامة فان في دارنا غسل و صلى عليه والا لا اختلط موتانا بكفار و لا علامة اعتبر الاكثر فان استورا غسلوا و اختلف في الصلوة عليهم و محل دفنهم كدفن ذمية جلی من مسلم قالوا و الاحوط دفنها على حدة و يجعل ظهرها الى القبلة لان وجه الولد لظهرها ماتت بين رجال او هو بين نساء تیممه المحرم فان لم يكن فالاجنبی بخرقه و یمم الخنثی المشكل لو مرأقا والا فكفیره فيغسله الرجال والنساء یمم لفقد ماء و صلى عليه ثم وجدوه غسلوه وصلوا ثانيا و قيل لا .

مردہ جس کا حال معلوم نہ ہو شارح کی طرف سے بڑھائے ہوئے مسائل۔ ایسا مردہ جس کا حال معلوم نہ ہو کہ یہ مسلمان ہے یا کافر ہے اور نہ اس پر مسلم و کافر کی کوئی علامت پائی جا رہی ہو، ایسا مردہ اگر دارالاسلام میں ہو تو اس کو احتیاطاً غسل دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اگر دارالحرب میں پایا جائے تو نہ غسل دیا جائے گا اور نہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

مسلمان ہونے کی پہچان (بدائع میں لکھا ہے کہ مسلمان کی بظاہر چار علامتیں ہیں: (۱) خضاب، (۲) ختنہ، (۳) سیاہ لباس، (۴) زیر ناف بال کا موٹنا، لیکن ظاہر ہمارے اس زمانہ میں نہ سیاہ لباس مسلمان ہونے کی پہچان رہی اور نہ خضاب کا لگانا، البتہ ختنہ ہندوستان میں مسلمان ہونے کی پختہ پہچان ہے، اپنے دور کے اعتبار سے اگر کوئی مخصوص پہچان اور ہو تو اس کا اعتبار لیا جائے گا۔)

مسلمان اور کافر مردے مل جائیں مسلمانوں کے مردے کفار کے مردوں کے ساتھ مل جائیں اور کوئی پہچان نہ ہو تو اس وقت اکثریت کا اعتبار ہوگا، یعنی اگر زیادہ تعداد مسلمان مردوں کی ہے تو سب مسلمان قرار دیئے جائیں گے اور ان پر نماز پڑھی جائے گی اور دعاء میں مسلمانوں کی نیت کی جائے گی اور کافر کی تعداد زیادہ ہے تو کسی پر نماز نہیں پڑھی جائے گی، نہلا کر اور کفن دے کر کفار کے قبرستان میں دفن کیے جائیں گے اور اگر گنتی میں دونوں برابر ہوں تو سب کو غسل دیا جائے گا اور نماز پڑھنے اور دفن کرنے میں اختلاف ہے۔ (بعض فقہاء کہتے ہیں کہ

نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور بعض کہتے ہیں کہ نماز نہیں پڑھی جائے گی، جو کہتے ہیں کہ نماز نہیں پڑھی جائے گی ان کی دلیل یہ ہے کہ بعض مسلمان ایسے ہیں کہ باوجود مسلمان ہونے کے ان پر نماز جنازہ نہیں ہوتی ہے جیسے راہزن اور باغی، اور کافر کا حال یہ ہے کہ ان پر کسی صورت میں نماز جائز نہیں۔ اس لیے کہ ارشاد خداوندی ہے و لَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّا تَابَ اَبَدًا یعنی جو کافر مر جائے ان میں سے کسی پر آپ نماز نہ پڑھیں اور جو کہتے ہیں کہ نماز پڑھی جائے گی وہ کہتے ہیں کہ یقین کرنے میں مجبوری ہے، لیکن مسلمان کا قصد کرنے اور ان کی نیت کرنے میں تو مجبوری نہیں، لہذا جو مسلمان ہوں ان کی نیت کر کے نماز پڑھی جائے۔ شامی نے لکھا ہے کہ باقی تین اماموں کا بھی یہی مذہب ہے اور یہی رائے بہتر بھی معلوم ہوتی ہے، اسی طرح ان کے محل دفن میں بھی اختلاف ہے بعضوں نے کہا کہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہوں، اور بعضوں نے کہا کہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے، چنانچہ ہندوانی نے کہا ہے کہ ایسے لوگوں کے لیے علیحدہ قبرستان بنایا جائے کیوں کہ احتیاط اسی میں ہے۔ کذا فی المحموی

حاملہ کتابیہ کی تدفین مسلمان اور کافر مردوں کے اس طرح ملے ہوئے ہونے میں کہ کوئی علامت نہ ہو، دفن میں اختلاف ہے جیسا کہ ابھی گذرا اس اختلاف کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ اختلاف ایسا ہے (جسے اس ذمہ کتابیہ کے دفن کے اندر اختلاف ہے جو کسی مسلمان نے حاملہ ہو، اس میں فقہاء نے کہا کہ زیادہ احتیاط یہ ہے اس کتابیہ کو مسلمان قبرستان سے الگ تھلگ دفن کیا جائے اور اس ذمہ کی پیٹھ قبلہ کی طرف کی جائے اس لیے کہ پیٹھ کے بچہ کا رخ ماں کی پیٹھ کی طرف ہوتا ہے) باپ کی وجہ سے بچہ مسلمان کے حکم میں ہے اس لیے دفن میں اس کا لحاظ رکھا جائے گا تاکہ بچہ کا رخ قبلہ کی طرف رہے۔ (شامی نے لکھا ہے کہ یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب پیٹھ کے بچہ میں جان پڑ گئی ہو، جس کی مدت کم از کم چار ماہ ہے اور اگر حمل چار ماہ سے کم کا ہو گا تو جان اس میں نہیں آئی ہو گی، لہذا سب کہتے ہیں کہ ایسی ذمہ حاملہ کو غیر مسلم کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔)

مرد جہاں عورتوں میں مرجائے یا عورت مردوں میں اگر کوئی عورت ایسی جگہ مرجائے جہاں صرف مرد ہوں، کوئی عورت نہ ہو، اسی طرح اگر کوئی مرد ایسی جگہ انتقال کر جائے جہاں عورتیں ہی عورتیں ہوں کوئی مرد نہ ہو، تو اس صورت میں جو اس کا محرم ہو وہ یتیم کرادے یعنی مرنے والی عورت کا محرم مرد یتیم کرادے اور اگر مرد مرد مرے تو جو عورت اس مرنے والے مرد کی محرم ہو، اس کو وہ یتیم کرادے اور اگر ان میں وہاں کوئی محرم نہ ہو، نہ عورت کا کوئی مردوں میں محرم ہو، اور نہ مرد کا عورتوں میں، تو اس صورت میں کوئی اجنبی مرد یا عورت اپنے ہاتھ پر کپڑا پیٹ کر مردہ کو یتیم کرادے گا۔

خنثی مشکل کا غسل اسی طرح قریب البلوغ خنثی مشکل کا انتقال ہو جائے تو اس کو بھی یتیم کرادیا جائے گا اور اگر وہ خنثی مشکل نابالغ ہے، قریب البلوغ نہیں ہے تو وہ بچوں کے حکم میں ہے اس کو مرد بھی غسل دے سکتے ہیں اور عورت بھی غسل دے سکتی ہے۔

پانی نہ ہونے کی وجہ سے یتیم کرایا گیا پھر پانی مل گیا کہیں کوئی شخص مر گیا اور وہاں پانی نہ ہونے کی وجہ سے اس کو یتیم کر کے لوگوں نے نماز جنازہ پڑھ دی، نماز جنازہ پڑھنے کے بعد ان کو پانی مل گیا تو اب ان کو چاہیے کہ اس مردے کو غسل دیں اور اس پر دوبارہ نماز جنازہ

پڑھیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ اب نہ غسل دیں اور نہ دوبارہ نماز جنازہ پڑھیں۔ (امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ صرف غسل دیدیا جائے دوبارہ نماز جنازہ نہ پڑھی جائے، شامی نے لکھا ہے رائج اور اصول کے مطابق یہی قول ہے البتہ امام ابو یوسفؒ غسل اور نماز جنازہ دونوں کے اعادہ کے قائل ہیں)

و یسن فی الکفن له ازار و قمیص و لفافہ و تکرہ العمامۃ للمیت فی الاصح مجتبیٰ و استحسنہا المتأخرون للعلماء والاشراف و لا باس بالزیادۃ علی الثلثۃ ویحسن الکفن لحديث حسنوا اکفان الموتی فانهم یتزاورون فیما بینہم و یتفاخرون بحسن اکفانہم ظہیریۃ ولہا درع ای قمیص و ازار و خمار و لفافہ و خرقة تربط بہا ثدیہا و بطنہا و کفایۃ له ازار و لفافہ فی الاصح و لہا ثوبان و خمار و یکرہ اقل من ذلك و کفن الضرورۃ لہما ما یوجد و اقلہ ما یعم البدن و عند الشافعی ما یستر العورۃ کالحی۔

مردوں کے لیے مسنون کفن مرد کے لیے مسنون کفن تین کپڑے ہیں (۱) ازار یعنی چھوٹی چادر جو سر سے لے کر پاؤں تک ہو (۲) قمیص یعنی کفنی جو گردن سے پاؤں تک ہو مگر اس میں آستین نہ ہو (۳) لفافہ یعنی بڑی چادر یہ بھی سر سے پاؤں تک ہوگی بلکہ کچھ نکلی ہوئی ہو تاکہ دونوں کناروں کو باندھ سکیں۔

کفن میں عمامہ کی کراہت صحیح ترمذی ہے کہ کفن میں عمامہ دینا مکروہ ہے۔ مجتبیٰ، البتہ متأخرین فقہاء نے علماء اور اشرف کے لیے کفن میں عمامہ کو مستحسن قرار دیا۔ مردے کو کفن دینا فرض کفایہ ہے مگر یہ تین کی تعداد مسنون ہے اور محیط نامی کتاب میں ہے کہ مردہ کو کسی حال میں پگڑی نہ باندھی جائے، خواہ وہ عالم ہو یا زاہد، اور زاہدی نے لکھا ہے کہ زیادہ صحیح یہی ہے کہ مردہ کو عمامہ دینا ہر حال میں مکروہ ہے۔ کذا فی الشامی۔

تین سے زیادہ کفن میں تین کپڑوں سے زیادہ دینا کوئی مضائقہ نہیں ہے (بعضوں نے یہی لکھا ہے مگر مجتبیٰ نامی کتاب میں ہے کہ تین سے زیادہ کپڑا دینا مکروہ ہے۔ کذا فی الطحاوی)

کفن بہتر ہو کفن اچھا دیا جائے اس لیے کہ حدیث نبوی ہے کہ مرنے والوں کے لیے کفن عمدہ بناؤ کہ یہ مردے جب آپس میں ملاقات کرتے ہیں تو اپنے عمدہ کفن ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ (یعنی اظہار مسرت کرتے ہیں کہ کفن سنت کے مطابق ملا۔ کذا فی الظہیریہ۔ اچھے کفن سے مراد یہ ہے کہ مرنے والا جیسا کپڑا اپنی زندگی میں عیدین اور جمعہ میں پہنا کرتا تھا اس طرح کا ہو، لہن سفید اور پاکیزہ ہو، یہ ہر گز مراد نہیں ہے کہ زیادہ قیمتی ہو اس لیے کہ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔)

عورتوں کا کفن اور عورتوں کے لیے مسنون کفن پانچ کپڑے ہیں (۱) قمیص یعنی کفنی جو گردن سے پاؤں تک ہو (۲) ازار، چھوٹی چادر جو سر سے پاؤں تک ہو (۳) اوڑھنی (دوپٹہ) جو سر سے لے کر رانوں تک ہوتی ہے

(۴) لفافہ، بڑی چادر جو سر سے پیر تک ہو (۵) سینہ بند جو اس کی چھاتی اور پیٹ پر لپٹایا جائے۔ یہ بغل سے لے کر رانوں تک ہوتا ہے (قہستانی میں ہے کہ عورت کی کفنی کا گریبان سینہ پر ہونا چاہیے اور مرد کی کفنی کا گریبان موٹھوں پر)

کفن کفایت اور مرد کے لیے کفن کفایت دو کپڑے ہیں ایک ازار، چھوٹی چادر اور دوسرے لفافہ بڑی چادر، اور عورت کے

لیے کفایت تین کپڑے ہیں مذکورہ دو کپڑے اور ایک اوڑھنی باوجود قدرت ان سے کم کفن دینا مرد یا عورت کو مکروہ ہے (مرد کے لیے دو کپڑے اس لیے کافی سمجھے گئے کہ مرد عموماً زندگی میں دو ہی کپڑے پہنا کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اگر وہ دو کپڑوں میں نماز پڑھے گا تو... بلا کراہت درست ہے، بحر الرائق میں لکھا ہے کہ مناسب یہ ہے کہ دو کپڑوں کی تعیین نہ کی جائے بلکہ کفن دینے والے کی صواب دید پر چھوڑ دیا جائے خواہ وہ ازار اور لفافہ دیں خواہ وہ کفنی اور لفافہ دیں، عورت کے لیے کفن کفایت میں اوڑھنی کا نام لیا گیا بقیہ دو کا نام نہیں لیا گیا، کہ وہ کفنی اور چادر ہو یا دو چادریں ہوں، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ متعین نہ کر ہی اولیٰ ہے۔ شامی نے لکھا ہے کہ ستر کے پیش نظر عورت کے لیے اوڑھنی کے علاوہ دو کپڑوں میں دونوں چادروں کا ہونا بہتر ہوگا، تاکہ سر اور گردن اور پاؤں سب ڈھکے ہوئے ہوں۔)

کفن ضرورت باقی کفن ضرورت مرد و عورت دونوں کے لیے وہ ہے جو بروقت میسر آجائے، اور اس کی کم سے کم مقدار یہ ہے کہ تمام بدن چھپ جائے، اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس کی مقدار یہ ہے کہ ستر کا حصہ چھپ جائے۔ اس لیے کہ جو حصہ ستر ہوتا ہے اور اس کا چھپانا ضروری ہوتا ہے (کل بدن چھپانے کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں حضرت مصعب بن عمرؓ صحابی کے متعلق آیا ہے کہ آپ جب غزوہ احد میں شہید ہوئے، تو آپ کے پاس صرف ایک چادر تھی دوسرا کوئی کپڑا نہیں تھا، اور چادر بھی ایسی تھی کہ جب پاؤں چھپایا جاتا تھا، تو سر کھل جاتا تھا، اور جب سر کو ڈھانکا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتے تھے، یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چادر سے سر ڈھانپ دو اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دو اس حدیث کا ذکر کہتے ہیں کہ اگر صرف ستر کا چھپانا کافی ہوتا جیسا کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں، تو آنحضرت ﷺ پاؤں پر گھاس ڈال فرماتے۔ کذا فی الطحاوی)

تبسط اللفافة أولاً ثم يبسط الازار عليها و يقمص و يرضع على الازار و يلف بستره ثم يمينه ثم اللفافة كذلك ليكون الايمن على الایسر و هی تلبس الدرع و يجعل شعرها ضفیرتین علی صدرها فوقه ای الدرع والخمار فوقه ای الشعر تحت اللفافة ثم يفعل كما مرو یعقد الکفن ان خیف انتشاره و خنثی مشکل كأمرأة فيه ای الکفن والمحرم كالحلل والمراهق كالبالغ و من لم يراهق ان کفن فی واحد جاز والسقط بلف ولا یکفن كالعضو من الميت.

کفن پہنانے کا طریقہ مردے کو کفن دینے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے سب سے نیچے بڑی چادر بچھائی جائے پھر اس کے اوپر چھوٹی چادر بچھائی جائے اور مردہ کو کفنی پہنا کر اس پر ڈال دیا جائے۔ اس کے بعد دونوں چادروں کو اس طرح لپیٹا جائے کہ پہلے چھوٹی چادر کا بایاں حصہ لیا جائے پھر اس چادر کا دایاں حصہ اٹھایا جائے پھر اسی طرح پہلے بڑی چادر کا بایاں حصہ اٹھایا جائے پھر دایاں حصہ، گویا دونوں چادروں کا بایاں حصہ نیچے ہو اور دایاں اوپر۔ اور عورت کو نہلا کر کفنی پہنائی جائے اور اس کے بالوں کو دو چوٹی بنا کر اس کے سینے پر کفنی کے اوپر ڈال دیا جائے، اور اس کے بال کے اوپر ہوگی اور چادروں کے نیچے، پھر اس طرح کرے جیسا کہ گذرا یعنی ہر ایک چادر الگ الگ لپیٹی جائے۔ چھوٹی پہلے

بڑی، اور اس طرح بایاں حصہ نیچے ہو اور دایاں اوپر (شارح نے سینہ بند کا یہاں ذکر نہیں کیا کہ کہاں ہو، بحر الرائق میں ہے کہ بڑی چادر کے اوپر ہو تاکہ کفن کھلنے نہ پائے اور جو ہرہ میں ہے کہ پہلے چھوٹی چادر لپیٹیں، اس کے اوپر سینہ بند باندھیں، اس کے اوپر بڑی چادر گو سینہ بند دونوں چادروں کے بیچ میں ہو۔ کذانی الطحاوی)

کفن کا باندھنا اگر کفن کے کھل جانے کا اندیشہ ہو تو اس کو کنارے سے باندھ دیا جائے۔

خنثیٰ مشکل کا کفن خنثیٰ مشکل کفن میں عورت کی مانند ہے یعنی احتیاط یہ ہے کہ اس کو کفن میں پانچ کپڑے دیئے جائیں کیوں کہ اگر وہ مرد ہو تو زیادہ کپڑے دینے میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اگر عورت ہو تو کم دینا خلاف سنت ہوگا، البتہ اس کو ریشم اور زعفرانی رنگ کا کفن نہ دیا جائے کہ ہو سکتا ہے مرد ہو، گویا دونوں طرف احتیاط کا پہلو اختیار کیا جائے۔

محرم اور مراہق کا کفن کفن کے معاملہ میں محرم (حجج کا احرام باندھنے والا) حلال کے حکم میں ہے، جو عام مردوں کو کفن دیا جاتا ہے وہی اس کو بھی دیا جائیگا جو احرام باندھے ہوئے ہونے کی حالت میں مراہق، اسی طرح مراہق (قریب البلوغ) بالغ کے حکم میں ہے، جس طرح اور جو بالغ کو کفن دیا جاتا ہے وہی اس مرنے والوں کو بھی دیا جائے گا جو مراہق (قریب البلوغ) ہے اور اسی حال میں وفات پائی (عام مرنے والے کا کفن جس طرح خوشبو میں بسایا جاتا ہے حالت احرام میں مرنے والے کا کفن بھی خوشبو میں بسایا جائے گا، جس طرح عام مردے کا سر کفن میں چھپایا جاتا ہے حالت احرام میں مرنے والے کا سر بھی کفن میں چھپایا جائے گا، اور جس طرح بالغ مرد کو تین اور بالغ عورت کو پانچ کپڑے کفن میں دیئے جاتے ہیں اسی طرح مراہق (قریب البلوغ) مرد کو تین اور قریب البلوغ کو پانچ کپڑے دیئے جائیں گے)

نابالغ کا کفن جو نابالغ مراہق (قریب البلوغ) نہ ہو، اگر اس کو ایک کپڑا بھی کفن میں دیا جائے تو یہ جائز ہے (حلیہ نامی کتاب میں لکھا ہے کہ جو بچہ حد شہوت کو ابھی نہ پہنچا ہو، اس کے لیے سب سے بہتر یہ ہے کہ اس کو بالغ کی طرح کفن دیا جائے اور اگر صرف کفن کے دو کپڑے دیدیئے جائیں تو یہ بھی جائز ہے، اور اگر صرف ایک کپڑا کفن میں دیا جائے تو بھی درست ہے۔ کذانی الشامی)

مردہ بچہ کا کفن پیٹ کا بچہ جو پیدا ہوتے ہی مر جائے اس کو ایک کپڑے میں لپیٹا جائے اور مسنون کفن نہ دیا جائے، جس طرح کسی مردہ کا صرف ایک عضو اگر پڑا ہوا ملا ہے، تو اس کو بھی ایک کپڑے میں لپیٹ دیا جائے گا اور مسنون کفن نہیں دیا جائے گا (اور یہی حال اس بچہ کا ہے جو مردہ پیدا ہو۔ کذانی الشامی)

و آدمی منبوش طری لم یتفسخ یکفن کالذی لم یدفن مرة بعد اخرى و ان تفسخ کفن فی ثوب واحد و الی هنا صار المكفنون احد عشر والثانی عشر الشہید ذکرہا فی المجتبیٰ ولا باس فی الکفن ببرود و کتان و فی النساء بحریر و مزعفر و معصفر لجوازہ بکل ما يجوز لبسه حال الحیوة و احبه البیاض او ما کان یصلی فیہ

اگر مردہ کا کفن چوری ہو جائے

وہ مردہ آدمی جس کا کفن اتار لیا گیا ہو اور وہ تازہ ہوا بھی متغیر نہ ہوا ہو، اس کو ہر مرتبہ ایسا کفن دیا جائے گا جیسے اس مردے کو کفن دیا جاتا ہے جس کو سرے سے ابھی دفن نہیں کیا گیا ہے۔ یعنی مرد ہو تو تین کپڑے اور عورت ہو تو پانچ کپڑے۔ (ہر مرتبہ مطلب یہ ہے کہ پہلی مرتبہ کوئی کفن چرا لے گا تو بھی دینا پڑے گا اور پھر دوبارہ چرا لے گا تو بھی۔ اور سہ بارہ چوری ہو جائے اور مردہ کو تازہ پائے تو پھر کفن دے، جب تک اس مردہ کی لاش پھٹے گی کفن دیا جاتا رہے گا، اگر اُس مرنے والے کا مال موجود ہے تو اس سے کفن دیا جائے گا اور اگر وہ وارثوں میں تقسیم ہو گیا ہے تو کفن کی مقدار سمجھوں سے واپس لی جائے گی۔

اور اگر مردہ پھٹ گیا ہو تو اس کو ایک کپڑے کا کفن دیا جائے گا (اسی طرح اگر کسی مسلمان کا کوئی کافر عزیز مر جائے تو وہ اس کو بھی ایک کپڑے کا کفن دے گا۔ کذا فی البدائع)

جن کو کفن دیا جاتا ہے ان کی تعداد گیارہ ہوئی، بارہواں شہید ہے اس کو مجتبیٰ میں ذکر کیا ہے۔ (پانچ کا متن میں تذکرہ ہے (۱) بالغ مرد (۲) بالغ عورت (۳) خنثی مشکل

(۴) وہ شخص جس کا کفن چوری ہو گیا ہو (۵) وہ مردہ جو پھٹ گیا ہو، چھ شارح نے بیان کیے: (۱) احرام والا (۲) مراہق مرد (۳) مراہق عورت (۴) وہ جو مراہق نہ ہو، (۵) پیٹ کا بچہ جو فوراً مر گیا ہو (۶) مردہ کا کوئی عضو، اس طرح یہ گیارہ ہوئے اور بارہویں شہید جس کا بیان بعد میں آئیگا، شامی نے دو کا اضافہ کیا ہے: (۱) وہ بچہ جو مردہ پیدا ہوا ہو (۲) اور کافر مردہ، ان کو ملا کر کل چودہ ہوئے۔

کفن میں یمنی چادر اور کتان کے کپڑے دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اور اسی طرح عورتوں کے کفن کے اندر ریشمی کپڑے، اور زعفران اور کسم کے رنگے ہوئے کپڑے

کتان اور یمنی چادر کا کفن

دینے میں مضائقہ نہیں، اس لیے کہ ان کپڑوں کا مردوں کو کفن دینا جائز ہے جن کا استعمال زندگی میں ان کے لیے جائز تھا۔

کفن کے کپڑوں میں سب سے زیادہ پسندیدہ سفید کپڑا ہے یا وہ رنگ جس رنگ کے کپڑوں میں وہ زندگی میں نماز

سفید کفن

پڑھا کرتا تھا۔

و کفن من لامال له علی من تجب علیہ نفقته فان تعدد و افعلی قدر میراثهم و اختلف فی الزوج والفتویٰ علی وجوب کفنها علیہ عند الثانی و ان ترکت مالا خالیة و رجحه فی البحر بانہ الظاهر لانه ککسوتها و ان لم یکن ثمة من تجب علیہ نفقته ففی بیت المال فان لم یکن بیت المال معمورا او منتظما ففعلی المسلمین تکفینه فان لم یقدروا سألوا الناس له ثوبا فان فضل شیء رد للمتصدق ان علم و الا کفن به مثله والا تصدق به مجتبیٰ و ظاہره انه لا یجب علیهم الا سؤال کفن الضرورة لا الکفاية و لو کان فی مکان لیس فیہ الا واحد و ذلك الواحد لیس له الا ثوب لا یلزمه تکفینه به و لا ینخرج الکفن عن ملک المتبرع.

جس کے پاس مال نہ ہو جس مرنے والے کا کچھ مال باقی نہ ہو، اس کا کفن اُس شخص پر واجب ہے جس پر اس کا نفقہ واجب تھا، اور اگر ایسے اشخاص کئی ہوں تو ان سب پر ان کے میراث کے مطابق کفن واجب ہوگا، اس کی تفصیل باب النفقہ میں آئے گی۔

بیوی کا کفن شوہر کے ذمہ اس میں اختلاف ہے کہ شوہر پر اس کی بیوی کا کفن واجب ہے۔ یا نہیں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فتویٰ اس پر ہے کہ شوہر پر بیوی کو کفن دینا واجب ہے، اگرچہ اس عورت نے مل چھوڑا ہو۔ کذا فی الحانیہ، بحر الرائق میں اسی کو ترجیح دی ہے کہ ظاہر یہی ہے اس لیے کہ مرنے والی بیوی کا کفن ایسا ہے جیسے بیوی کی زندگی میں بیوی کا لباس (یعنی عورت کے پاس مال ہونہ ہو، اسی طرح شوہر مالدار ہو یا نہ ہو، ہر صورت میں بیوی کا کفن شوہر پر واجب ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ شوہر پر بیوی کا کفن اس وقت واجب ہے جب بیوی نے کچھ نہ چھوڑا ہو، اصل اس باب میں یہ ہے کہ جس شخص پر اس کی زندگی میں مرنے والے کے لیے جبر کیا جاتا جائز ہے بعد وفات اس پر کفن کے لیے بھی جبر کیا جائے گا۔)

ایسا مردہ جس کا کوئی وارث نہ ہو اگر ایسا شخص موجود نہ ہو جس پر اس مردہ کا نفقہ واجب ہوتا ہو تو ایسے مردے کا کفن بیت المال سے دیا جائے گا، اور اگر بیت المال میں خزانہ یا جنس نہ ہو، یا ہو مگر انتظام کے ساتھ نہ ہو یعنی جن مصارف میں جو رقم صرف ہونی چاہیے اس میں صرف نہ ہوتی ہو، تو کفن عام مسلمانوں پر واجب ہوگا۔ یعنی جن لوگوں کو ایسے مرنے والے کی اطلاع ہوگی وہ انتظام کر کے دیں گے، اور یہ دینا ان پر واجب ہوگا، اور اگر یہ لوگ خود کفن نہ دے سکتے ہوں تو وہ سب لوگوں سے مانگیں گے اور اس چندہ سے کفن دیں گے، اگر اس چندہ کی رقم سے کچھ بچ رہے گی تو جنہوں نے دیا ہے وہ رقم ان کو واپس کر دی جائے گی، اگر معلوم ہو کہ فلاں فلاں نے یہ رقم دی تھی، اور اگر دینے والے کا پتہ نہ ہو یا وہ واپس نہ لے تو اس بچی ہوئی رقم سے اسی طرح کے دوسرے مردے کو کفن دیا جائے گا، اور اگر ویسا کوئی مردہ نہ ہو تو وہ رقم صدقہ کر دی جائے گی (بجٹی) اس سے یہ ظاہر ہوا کہ کفن ضرورت کے مطابق مانگا جائے گا نہ کفن کفایت کے مطابق، طحاوی نے کہا ہے کہ کفن دینا فرض کفایہ ہے، اگر واقف کار نہ دیں گے تو سب گنہگار ہوں گے۔

جہاں صرف ایک شخص ہو اور اگر مردہ ایسی جگہ ہو جہاں ایک شخص کے علاوہ کوئی دوسرا شخص موجود نہ ہو اور اس ایک کے پاس بھی ایک کپڑے سے زیادہ نہ ہو تو اس صورت میں اس شخص پر مردہ کو اپنے اس کپڑے میں کفن دینا لازم نہیں ہوگا اس وجہ سے کہ اس ایک کپڑے کا مردہ سے زیادہ زندہ محتاج ہے۔

کفن دینے والا کفن کا مالک ہوتا ہے کفن جس نے بطور احسان دیا ہے وہ کفن احساناً دینے والے کی ملکیت سے نکلتا نہیں ہے، یعنی اگر کبھی مردہ کو کوئی جانور کھا جائے اور کفن رہ جائے تو وہ کفن اصل مالک کو پہنچے گا جس نے دیا تھا، مردہ کے وارث کو وہ کفن نہیں ملے گا۔

والصلوة علیہ صفتها فرض کفایۃ بالاجماع فیکفر منکرھا لانہ انکر الاجماع قنیہ کدفنہ و غسلہ و تجهیزہ فانھا فرض کفایۃ و شرطھا ستۃ اسلام المیت و طہارتہ مالہ یہل علیہ التراب فیصلی علی قبرہ بلا غسل و ان صلی علیہ او لا استحسانا و فی القنیۃ الطہارۃ من

النجاسة في ثوب و بدن و مكان و ستر العورة شرط في حق الميت والامام جميعا فلو لم
بلا طهارة والقوم بها اعيدت و بعكسه لا كما لو امت امرأة و لو امة لسقوط فرضها بواحد
وبقى من الشروط بلوغ الامام تأمل و شرطها ايضا حضوره و وضعه و كونه هو او اكثره
امام المصلي و كونه للقبلة فلا تصح على غائب و محمول على نحو دابة و موضوع خلفه
لانه كالامام من وجه دون وجه لصحتها على الصبي و صلوٰۃ النبي صلى الله عليه وسلم
على النجاشي لغوية او خصوصية و صحت لو وضعوا الراس موضع الرجلين و اسأوا ان
تعمدوا و لو اخطأوا القبلة صحت ان تحروا والا لا مفتاح السعادة.

نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اور اس کے احکام نماز جنازہ فرض کفایہ ہے، یہ اجماع سے ثابت ہے لہذا جو
اس کا منکر ہو گا اس کی تکفیر کی جائے گی کیوں کہ اس نے
اجماع سے ثابت شدہ چیز کا انکار کیا ہے، جیسے مردہ کا دفن کرنا، اس کا غسل دینا اور اس کے دفن کفن کا سامان کرنا فرض کفایہ ہے
(نماز جنازہ کے وجوب کا سبب مسلمان مردہ ہے اور نماز جنازہ کا وقت جنازہ کا حاضر ہو جانا ہے اور جن چیزوں سے دوسری اذقی
نمازیں فاسد ہوتی ہیں، اُن سے نماز جنازہ بھی فاسد ہوتی ہے البتہ عورت کا محاذ میں ہونا نماز جنازہ کا مفسد نہیں ہے، اور اوقات
مکروہہ میں یہ نماز جنازہ مکروہہ ہے، نماز جنازہ پڑھاتے ہوئے اگر امام کا وضو ٹوٹ جائے تو وہ اس میں اپنا خلیفہ بنا سکتا ہے)

نماز جنازہ کی شرطیں نماز جنازہ کی چھ شرطیں ہیں اول مردہ کا مسلمان ہونا، دوم اس کا پاک ہونا یعنی اس کے بدن،
پٹرے اور جگہ کا پاک ہونا اور پاکی اس وقت تک شرط ہے جب تک اس پر مٹی نہ ڈالی جائے
اور قبر میں ڈالنے اور مٹی پڑ جانے کے بعد اس پر اس کو غسل دیئے بغیر نماز جنازہ استحساناً پڑھی جائے گی، اگرچہ پہلے اس پر نماز
جنازہ پڑھی جا چکی ہو۔ (اس استحسان کی وجہ یہ ہے کہ جب جنازہ کو قدرت کے باوجود غسل نہیں دیا گیا اور اس کے باوجود اس پر
نماز جنازہ پڑھی گئی، تو وہ نماز نہیں ہوئی، لیکن جب اس کو بغیر غسل دفن کیا جا چکا تو اب اس کو غسل دینے کی صورت باقی نہیں
رہی اس لیے دوبارہ اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور یہ نماز جائز ہوگی۔ کذا فی الطحاوی)

مردے کے بدن کے پٹرے وغیرہ کا پاک ہونا قنیہ نامی کتاب میں ہے کہ مردے کا نجاست سے کپڑا
پاک ہونا، بدن پاک ہونا، جگہ کا پاک ہونا اور ستر کا
چھپانا شرط ہے۔ میت کے حق میں بھی اور امام کے حق میں بھی اگر امام نے بغیر وضو جنازہ کی امامت کی، لیکن مقتدی با وضو تھے تو
یہ نماز لوٹائی جائے گی اور دوبارہ پڑھی جائے گی، اور اگر اس کے برعکس ہو یعنی مقتدی بے وضو ہوں اور امام با وضو تو نماز دوبارہ
نہیں پڑھی جائے گی، اس لیے کہ جب امام کی نماز ہو گئی تو فرض کفایہ ادا ہو گیا، اس لیے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، بخلاف پہلی
صورت کے کہ جب امام بے وضو تھا تو کسی کی بھی نماز نہیں ہوئی، لہذا دوبارہ پڑھنی ہوگی۔

ابتداءً پاک ہونا ضروری ہے (جگہ کا پاک ہونے سے اُس چارپائی کا پاک ہونا مراد ہے جس پر جنازہ رکھا ہوا ہو،
مردہ زمین پر ہو تو زمین کا پاک ہونا ضروری ہے ماحصل یہ ہے کہ مردہ جس چیز پر

ہو، اس کا پاک ہونا ضروری ہے۔ اور کپڑے اور بدن کا پاک ہونا ابتداء میں شرط ہے لہذا کفنانے کے بعد اگر مردے سے نجاست نکلے اور کفن ناپاک ہو جائے یا مردہ کا بدن نجس ہو جائے تو اس کو دھویا جائے گا، دوبارہ غسل دینے کی ضرورت نہیں ہے، اور دفع حرج کے طور پر نجاست نماز کے لیے مانع بھی نہیں ہے، البتہ اگر ناپاک کپڑے کا ابتداء ہی میں کفن دیا جائے گا تو نماز درست نہیں ہوگی۔ (کذا فی الطحاوی)

عورت جنازہ کی امامت کرے اگر نماز جنازہ کی امامت کوئی عورت کرے خواہ وہ لوٹڈی ہی کیوں نہ ہو تو اس صورت میں نماز کا اعادہ نہیں ہوگا اس وجہ سے کہ ایک شخص کے نماز جنازہ پڑھنے سے بھی فرض ساقط ہو جاتا ہے۔

نماز جنازہ کی بقیہ شرطیں نماز جنازہ کی تیسری شرط یہ ہے کہ اس نماز کا امام بالغ ہو، اس میں غور کرے، چوتھی شرط جنازہ کا موجود ہونا ہے، پانچویں شرط مردے کا زمین پر رکھا جانا ہے، چھٹی شرط یہ ہے کہ پورا جنازہ یا اس کا اکثر حصہ قبلہ کی جانب نمازی کے سامنے ہو۔

غائب کی نماز جنازہ لہذا وہ مردہ جو سامنے موجود نہیں ہے اس کی نماز جنازہ درست نہیں ہوگی۔ اسی طرح اس کی نماز جنازہ بھی درست نہیں ہے جو جانور جیسے پر لادا ہوا ہو، یعنی کسی گاڑی پر ہو جس کا جو جانور کے کندھوں پر ہو، یا وہ جنازہ لوگوں کے کندھوں پر ہو، اس لیے کہ ان صورتوں میں جنازہ کے لیے جو شرط ہے وہ شرط نہیں پائی گئی اور نہ اس جنازہ پر نماز درست ہوگی جو نمازی کے سامنے کے بجائے پیچھے رکھا ہوا ہو، اس لیے کہ مردہ ایک طرح سے امام کی مانند ہے اور دوسری طرح سے امام کی مانند نہیں ہے اس وجہ سے کہ بچہ پر نماز جنازہ درست ہوتی ہے۔

نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ باقی نبی کریم ﷺ کا نجاشی پر نماز پڑھنا تو اس سے مراد یا تو دعا کرنا ہے یا کہا جائے گا کہ یہ آنحضرت ﷺ کی وصیت تھی (ماحصل یہ ہے کہ حدیث میں صلوٰۃ کے لفظ سے دعا مراد لی جائے، یا یہ کہا جائے کہ غائب پر نماز جنازہ آنحضرت ﷺ کے لیے مخصوص تھا۔ نجاشی حبشہ کا بادشاہ تھا اس کا نام اصمہ تھا، اس کے موت کی خبر سرور کائنات ﷺ کو بذریعہ وحی ہوئی، آپ نے صحابہ کرام کو خبر دی، اور ان کے ساتھ اس کے لیے نماز پڑھی۔ شامی نے لکھا ہے کہ اس واقعہ میں صلوٰۃ کے معنی دعا کرنا بعید از قیاس ہے، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ جنازہ آپ کے سامنے کر دیا گیا ہو، آپ دیکھتے ہوں اور صحابہ کرام کو نظر نہ آتا ہو)

جنازہ الٹا رکھنا اگر جنازہ کو اس طرح رکھیں کہ سر کی جگہ پاؤں ہو جائے اور پاؤں کی جگہ سر ہو تو بھی نماز جنازہ درست ہو جائے گی، لیکن ایسا قصد اگر نابراہ ہے اور مکروہ تنزیہی ہے۔

جب جنازہ سمت قبلہ میں نہ ہو اگر غلطی سے قبلہ میں چوک ہو گئی یعنی جنازہ کی نماز بجائے قبلہ کے دوسری جانب منہ کر کے پڑھی، تو اس وقت درست ہوگی جب ان لوگوں نے قبلہ کے بارے میں تحری کی ہوگی یعنی معلوم کرنے کی سعی کی ہوگی اور غور و فکر کے بعد رائے قائم کی ہوگی اور اگر بلا تحری ایسا کیا ہوگا تو نماز درست نہیں ہوگی، کیوں کہ جب قبلہ مشتبہ ہو تو اس وقت حکم یہ ہے کہ تحری کی جائے یعنی بطور خود قبلہ کا یقین پیدا کرے کہ کس طرف ہے۔

و رکنها شیئان التکبیرات الاربع فالاولی رکن ایضا لا شرط فلذا لم یجز بناء اخرى علیها والقیام فلم تجز قاعدا بلا عذر و سننها ثلثة التحمید والثناء والدعاء فیها ذکره الزاهدی وغیره و ما فهمه الکمال من ان الدعاء رکن والتکبیرة الاولی شرط رده فی البحر بتصریحهم بخلافه.

ارکان نماز جنازہ نماز جنازہ کے دو رکن ہیں اول چار تکبیریں دوم نماز میں کھڑا ہونا، شارح نے کہا کہ اس سے معلوم ہوا کہ جنازہ کی پہلی تکبیر بھی رکن میں داخل ہے یہ شرط نہیں ہے، اس وجہ سے دوسری تکبیر کی پہلی پر جائز نہیں اور جب نماز جنازہ میں کھڑا ہونا شرط ہے تو معلوم ہوا کہ بلا عذر بیٹھ کر جائز نہیں ہوتی ہے (بناء کی مراد یہ ہے کہ پہلی تکبیر کبھی پھر اسی کے ساتھ دوسری تکبیر کی بھی نیت کر لی، وہ کبھی نہیں، بقیہ دو کبھی تو اس صورت میں نماز درست نہیں ہوگی کہ صرف تین تکبیریں پائی گئیں۔)

نماز جنازہ کی سنتیں نماز جنازہ کی سنتیں تین ہیں: (۱) حمد کرنا (۲) ثنا کرنا (۳) اور نماز میں دعا کرنا۔ اس کو زاہدی وغیرہ نے ذکر کیا ہے اور محقق کمال نے جو یہ سمجھا ہے کہ دعا رکن ہے اور تکبیر اولی شرط ہے، بحر الرائق نے اس کا رد کیا ہے کیوں کہ فقہاء سے اس کے خلاف صراحت موجود ہے شارح کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ حمد الگ چیز ہے اور ثنا الگ، حالاں کہ دونوں ایک ہیں اس لیے ثنایا کی تفسیر میں ذکر آئے گا کہ اس سے مراد سبحانک اللہم وبحمدک پڑھنا ہے اس طرح حمد اور ثنا ایک سنت ہوئی، لہذا تیسری سنت میں درود کو ذکر کرنا چاہیے۔ محقق کمال نے دیکھا کہ نماز جنازہ کی حقیقت اور اس کا مقصود دعا ہے اس لیے انہوں نے دعا کو رکن کہہ دیا اور تکبیر اولی کو تکبیر تحریمہ کی جگہ ہونے کی وجہ سے شرط ہے بحر الرائق نے لکھا کہ یہ قول فقہاء کی تصریح کے خلاف ہے چنانچہ محیط میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ دعا سنت ہے، پھر مسبوق کے لیے نماز جنازہ میں فقہاء کہتے ہیں کہ وہ لگاتار تکبیریں کہے گا درود اور دعا کو ترک کر دے گا۔ سوال یہ ہے کہ اگر دعا رکن ہوتی تو مسبوق کے لیے اس کا ترک کرنا کیسے درست ہوتا، اور تکبیر اولی اگر شرط ہوتی تو دوسری تکبیر کی بنا اس پر ناجائز نہیں ہوتی، ثانی نے کہا کہ شارح باب شروط الصلوٰۃ میں میت کے لیے دعا کو واجب پہلے لکھ چکے ہیں، لہذا کمال کا قول درست ہے، اور تکبیر اولی کے سلسلہ میں قول فیصل یہ ہے کہ وہ من وجہ شرط ہے اور من وجہ رکن ہے۔

و هی فرض علی کل مسلم مات خلا اربعة بغاة و قطاع طریق فلا یغسلون ولا یصلی علیہم اذا اقتلوا فی الحرب ولو بعدہ صلی علیہم لانه حد او قصاص و کذا اهل عصبۃ و مکابر فی مصر لیلایا سلاح و خناق خنق غیرہ مرة فحکمہم کالبغاة من قتل نفسۃ و لو عمدا یغسل و یصلی علیہ بہ یفتی و ان کان اعظم وزرا من قاتل غیرہ و رجع الکمال قول الثانی بما فی مسلم انه علیہ السلام اتی برجل قتل نفسه فلم یصل علیہ لا یصلی علی قاتل احد ابویہ اہانة له والحقہ فی النہر بالبغاة.

چار شخصوں پر نماز جنازہ نہیں

جنازہ کی نماز ہر اس مسلمان پر فرض ہے جو وفات پا جائے، سوائے چار شخصوں کے۔ (۱) باغی (۲) ڈاکو (۳) مکابر جو رات میں ہتھیار لیے پھرے (۴) گلا گھونٹنے والا جس نے کئی مرتبہ یہ کام کیا ہو، یہ سب باغیوں کے حکم میں ہیں، شارح نے کہا باغیوں کو نہ غسل دیا جائے گا اور نہ ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اگر وہ لڑائی میں قتل ہوئے ہیں لیکن اگر جنگ کے بعد قتل ہوئے ہیں تو ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اس لیے کہ یہ قتل جو بعد لڑائی ہوا ہے یا حد ہے یا قصاص۔ اور جو شخص حد یا قصاص میں مارا جاتا ہے تو اس کو نہلایا بھی جاتا ہے اور اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جاتی ہے، شامی میں لکھا ہے کہ باغی اگر گرفتاری سے پہلے یا بعد اپنی موت سے مرے گئے تو بھی ان کی نماز جنازہ ہوگی اور انہی باغیوں کے حکم میں وہ اہل عصبہ ہیں جو اپنی قوم کی حمایت میں ظلم کریں، اگر یہ اہل عصبہ یا مکابر مدد میں یا گلا گھونٹنے والا مقابلہ میں مارا جائے تو یہ بھی باغیوں کے حکم میں ہوں گے۔ ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

خودکشی والے کی نماز جنازہ

جو شخص خودکشی کرے اگرچہ عموماً اور قصد اہو تو اس کو نہلایا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی فتویٰ اسی قول پر ہے۔ اگر وہ قاتل اپنے نفس کا بہت بڑا گنہ گار ہے بہ نسبت غیر کے قتل کرنے کے، کمال نے امام ابو یوسفؒ کے قول کو ترجیح دی ہے اس حدیث کی بنیاد پر جو صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص خدمت نبوی ﷺ میں لایا گیا، جس نے بطور خود خودکشی کی تھی تو آپ نے اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی امام ابو یوسفؒ کا قول یہ ہے کہ خودکشی کرنے والے کے جنازہ کو غسل تو دیا جائے گا مگر اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

خودکشی والے کی نماز جنازہ آنحضرت ﷺ نے کیوں نہیں پڑھی

شامی نے لکھا ہے کہ حدیث مذکورہ میں اس بات پر کوئی دلالت نہیں جاتی ہے کہ کسی نے بھی نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی، یہ درست ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نہیں پڑھی، اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آپ کا منشا جرو تو بخ ہے یعنی اس بات کو بتانا ہو کہ اس نے بہت برا کام کیا، پیغمبر اسلام اس کو بالکل پسند نہیں فرماتے، تاکہ آئندہ کوئی ایسا اقدام کرنے کی جرأت نہ کرے جیسے آپ نے مقروض پر بھی نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی۔

والدین کے قاتل کی نماز جنازہ

جس نے اپنے ماں باپ میں سے کسی کو قتل کر ڈالا ہو، اس کی بھی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی تاکہ اس قاتل کی اہانت کا اظہار ہو سکے اور نہر الفائق میں والدین کے قاتل کو باغیوں کے ساتھ لاحق کیا ہے۔ کذا فی الطحاوی۔

وہی اربع تکبیرات کل تکبیرۃ قائمۃ مقام رکعۃ یرفع یدیه فی الاولی فقط و قال ائمة بلخ فی کلھا ویشی بعدھا و ہر سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَ یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما فی التشہد بعد الثانیۃ لان تقدیمہا سنۃ الدعاء و یدعو بعد الثالثۃ بامور الآخرة والمآثور اولی و قدم فیہ الاسلام مع انه الایمان لانه منبئ عن الانقیاد فکانہ دعاء فی حال الحیوة بالایمان والانقیاد دواما فی حال الوفات فالانقیاد و هو العمل غیر موجود و یسلم بلا دعاء بعد الرابعۃ بتسلیمتین ناویا المیت مع القوم۔

ترکیب نماز جنازہ

نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہیں، ان میں سے صرف پہلی تکبیر میں نمازی اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے گا بقیہ تین میں ہاتھ کالوں تک نہیں اٹھائے گا ان چار تکبیروں میں سے ہر تکبیر ایک رکعت کے قائم مقام ہے، پہلی تکبیر کے بعد تمام لوگ ثناء پڑھیں گے اور وہ یہ ہے سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ السُّمُّكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَجَلَّ ثَنَاءُكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ اور دوسری تکبیر کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود بھیجیں گے یعنی وہ درود پڑھیں جو نماز کے قیام میں التحیات کے بعد پڑھتے ہیں، یہ اس وجہ سے بھی کہ دعا سے پہلے درود کا پڑھنا دعاء کی سنت ہے اور تیسری تکبیر کے بعد امور آخرت سے متعلق دعا کریں گے اور دعائے ماثورہ پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ (جنازہ کی مشہور دعایہ ہے، اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِحَيَاتِنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا وَذَكِّرِنَا وَأُنْثَانَا اللَّهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَلَّهُ عَلَى الْإِيمَانِ، اس کے علاوہ دعا بھی آنحضرت ﷺ سے منقول ہے، حدیث کی دعائے جنازہ میں سے کوئی دعا بھی پڑھ سکتا ہے اور جس کو دعائے جنازہ یاد نہ ہو وہ یہ مختصر دعا پڑھے اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلِوَالِدَيْنَا وَلَهُ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ، کذا فی المنح)

اسلام کی تقدیم ایمان پر

شارح نے بتایا ہے کہ دعائے جنازہ میں حدیث کے اندر اسلام کو ایمان پر مقدم کیا ہے باوجود اس کے کہ اسلام ہی کا دوسرا نام ایمان ہے اس کی تقدیم کی وجہ یہ ہے کہ اسلام فرماں برداری کی خبر دیتا ہے گویا زندگی کی حالت میں ایمان فرماں برداری دونوں کی دعا ہے اور وفات کی حالت میں صرف ایمان کی دعا ہے جس کا تعلق قلب سے ہے، فرماں برداری کی دعا نہیں ہے، اس لیے کہ یہ عمل کا نام ہے اور وفات کے بعد عمل کا موقع باقی نہیں رہتا۔ (اسلام کا ایک معنی باعتبار لغت ہے اور دوسرا باعتبار شریعت شرعی معنی میں اسلام و ایمان ایک ہے مگر لغت کے اعتبار سے دونوں میں فرق ہے اسلام کا تعلق عمل سے ہے اور ایمان کا دل سے، زندگی میں عمل بھی چاہیے اور قلبی تصدیق بھی، اور مرنے کے بعد انسان عمل کے لائق رہتا نہیں ہے صرف قلبی تصدیق ساتھ رہتی ہے) اور چوتھی تکبیر کے بعد بغیر کچھ پڑھے ہوئے سلام پھیر دے گا، سلام دائیں بائیں دونوں طرف پھیرے گا۔

سلام میں میت کی نیت

سلام میں میت کے ساتھ قوم کی بھی نیت کرے گا (خانیہ میں لکھا ہے کہ سلام پھرتے وقت سلام میں مردہ کی نیت نہیں کرے گا صرف مقتدیوں کی کرے گا جو نماز میں شریک ہیں، مردہ کی نیت اس وجہ سے نہیں کرے گا کہ مردہ سلام کا مخاطب نہیں رہتا ہے لیکن خیر الدین رٹلی نے کہا ہے کہ مردہ کی بھی نیت کرے گا اس لیے کہ آخر قبرستان میں جب زندہ حاضر ہوتا ہے تو مردوں کو خطاب کر کے السلام علیکم کہتا ہے، پھر کوئی وجہ نہیں کہ مردے کو سلام کا مخاطب قرار نہ دیا جائے۔)

و یسر الكل الا التكبير زيعلى وغيره لكن فى البدائع العمل فى زماننا على الجهر بالتسليم وفى جواهر الفتاوى يجهر بواحدة ولا قراءة ولا تشهد فيها وعين الشافعى الفاتحة فى الاولى وعندنا تجوز بنية الدعاء وتكره بنية القراءة لعدم ثبوتها فيها عنه عليه السلام افضل صفوفها آخرها اظهار اللتواضع ولو كبر امامه خمسا لم يتبع لانه منسوخ فيمكث المؤتم حتى يسلم معه اذا سلم به يفتى هذا اذا سمع من الامام ولو من المبلغ

تابعہ و ینوی الافتتاح بكل تکبیرۃ و کذا فی العید.

دعائیں وغیرہ آہستہ تکبیر کے سوا بقیہ تمام دعاؤں کو آہستہ ادا کرے۔ زیلعی وغیرہ میں ایسا ہی ہے۔ بدائع میں ہے کہ ہمارے زمانہ میں اس پر عمل ہے کہ سلام بلند آواز سے کہے اور جواہر الفتاویٰ میں ہے کہ پہلا سلام بلند آواز سے کہے اور دوسرا آہستہ۔

نماز جنازہ میں نہ تلاوت ہے اور نہ التحیات جنازہ کی نماز میں نہ قرأت (تلاوت قرآن) ہے اور نہ اس میں التحیات ہے، لیکن امام شافعیؒ نے متعین طور پر کہا ہے کہ

نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ (الحمد شریف) پڑھے لیکن احناف کہتے ہیں کہ الحمد کا دعا کی نیت سے نماز جنازہ میں پڑھنا جائز ہے مگر قرأت کی نیت سے پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اس لیے کہ الحمد کا قرأت کی نیت سے نماز جنازہ میں پڑھنا آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں ہے (لہذا تکبیر اولیٰ کے بعد اگر کوئی بہ نیت دعا سورہ فاتحہ پڑھ لے گا تو وہ ثنا کے قائم مقام ہو جائے گی۔)

نماز جنازہ پچھلی صف میں نماز جنازہ کی تمام صفوں میں بہتر صف اس کی سب سے پچھلی صف ہے اس لیے کہ اس میں تواضع کا اظہار ہے۔

نماز جنازہ چار تکبیر سے زیادہ امام اگر نماز جنازہ میں چوتھی تکبیر کے بعد پانچویں تکبیر کہے تو حنفی مقتدی اس کی پیروی نہیں کریں گے، اس لیے کہ پانچویں مرتبہ تکبیر کہنا منسوخ ہے۔ لہذا

مقتدی کو چاہیے کہ اس صورت میں وہ رُکار ہے، اور جب اس کا امام سلام پھیرے تو وہ بھی اس کے ساتھ سلام پھیرے، فتویٰ اسی پر ہے، یہ اس صورت میں ہے کہ جب وہ اپنے امام کو تکبیر کہتے ہوئے سنے، لیکن اگر وہ پانچویں تکبیر کسی مکبر سے سنے گا تو وہ بھی کہے گا اور ہر تکبیر سے شروع والی تکبیر مراد لے گا۔ یہی حکم عیدین کی زوائد تکبیروں کا ہے کہ چھ زائد تکبیروں میں امام کی پیروی کرے گا لیکن اگر وہ چھ سے زیادہ تکبیریں کہے گا تو مقتدی اس کی پیروی نہیں کرے گا۔ البتہ جب مکبر سے سنے گا تو پیروی کرے گا۔

چار سے زائد تکبیروں کی منسوخی نماز جنازہ میں چار سے زیادہ تکبیر کے منسوخ ہونے کی دلیل میں زیلعی نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نجاشی کی نماز جنازہ میں صرف چار تکبیریں

کہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اس سے پہلے جن احادیث میں پانچ۔ سات یا نو تکبیریں مذکور ہیں وہ آپ کے اس فعل سے منسوخ ہیں۔ کذا فی الطحاوی۔

ولا یستغفر فیہا لصبی و مجنون و معتوہ لعدم تکلیفہم بل یقول بعد دعاء البالغین اللہ

اجعلہ لنا فرطا بفتحین ای سابقا الی الحوض لیہیء الماء و ہو دعاء لہ ایضا لتقدمہ فی

الخیر لا سیما و قد قالوا حسنات الصبی لہ لا لابیوہ بل لہما ثواب التعلیم وجعلہ لنا ذخرا

بضم الذال المعجمة ذخیرۃ و شافعا و مشفعا مقبول الشفاعۃ و یقوم الامام ندبا بحذاء

الصدر مطلقا للرجل والمرأۃ لانه محل الایمان والشفاعۃ لاجلہ والمسبوق ببعض

التکبیرات لا یکبر فی الحال بل ینتظر تکبیر الامام لیکبر معہ للافتتاح لما مر ان کل

تکبیرۃ کرکعة والمسبوق لا يبدأ بما فاتہ و قال ابو یوسف یکر حين یحضر کما لا ینظر الحاضر فی حال التحریمة بل یکر اتفاقا للتحریمة لانه کالمدرک ثم یکر ان ما فاتهما بعد الفراغ نسقا بلا دعاء ان خشیا رفع المیت علی الاعناق و ما فی المجتبی من ان المدرک یکر کل الحال شاذ نهر فلو جاء المسبوق بعد تکبیرۃ الامام الرابعة فاتته الصلوٰۃ لتعذر الدخول فی تکبیرۃ الامام و عند ابی یوسف یدخل البقاء التحریمة فاذا سلم الامام کبر ثلثا کما فی الحاضر و علیہ الفتوی ذکرہ الحلبي وغیرہ۔

بچے اور پاگل وغیرہ کا حکم نماز جنازہ میں بچے، پاگل اور بے عقل کے لیے دعائے مغفرت نہیں کی جائے گی اس لیے کہ یہ سب مکلف نہیں ہیں (شامی نے لکھا ہے کہ یہاں پاگل اور بے عقل سے ایسے لوگ مراد ہیں جو شروع سے لے کر موت کے وقت تک پاگل اور بے عقل رہے ہوں، باقی جو بالغ ہونے کے کچھ دنوں بعد پاگل اور بے عقل ہوئے ہوں ان کے لیے دعائے مغفرت کی جائے گی۔)

نابالغ اور پاگل کی دعائے جنازہ نابالغ بچوں اور پاگل اور بے عقل کے لیے نماز جنازہ میں بالغ کے لیے جو دعا ہے اس کی جگہ یہ دعاء پڑھی جائے گی۔ اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا قَرَطًا وَّ اجْعَلْهُ لَنَا دُخْرًا وَّ اجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَّ مُشَفَّعًا اے اللہ تو اس کو ہمارے لیے حوض کوثر پر پہلے سے تیار رہنے والوں میں بنادے اور اس کو ذخیرہ بنا اور ہمارے لیے اس کو سفارش کرنے والا اور سفارش قبول کیا ہو ابنا، شارح نے بتایا کہ قَرَطٌ فا اور راء کے زبر کے ساتھ ہے اس کے معنی ہے وہ شخص جو حوض کوثر پر پہلے پہنچ کر پانی تیار رکھے اور دُخْرٌ ذال کے پیش کے ساتھ ہے اس کے معنی ذخیرہ کے ہیں اور مُشَفَّعًا کے معنی مقبول الشفاعۃ ہے۔

دعائے نابالغ پر ایک اعتراض کا جواب یہ دعا نابالغ کے لیے اس وجہ سے ہوئی کہ یہ لڑکے پہلے خیر کی طرف خود پڑھنے والے ہوتے ہیں، خصوصاً اس وجہ سے بھی کہ فقہاء نے کہا ہے کہ بچوں کی نیکیاں ان کو ہی ملتی ہیں، اس کے ماں باپ کو نہیں ملتی ہیں، البتہ والدین کو تعلیم و تربیت دینے کا ثواب حاصل ہوگا۔

سوال یہ ہے کہ نماز جنازہ میں دعائیت کے لیے ہوتی ہے اور نابالغ کی دعا میں اس کے والدین کے لیے دعا کی گئی ہے ایسا کیوں؟ اوپر اس جواب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جب بچہ کو پہلے حوض کوثر پر پانی پلانے کے لیے تیار رہنے کی دعا کی گئی ہے تو ضمناً پہلے بچہ کے لیے دعا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اس کو حوض کوثر پر پہنچائے تاکہ وہ خود بھی اس سے مستفیض ہو اور پھر وہ اپنے والدین کو بھی فائدہ پہنچائے۔

بالغ کی دعا نابالغ کے لیے نہیں بعض کتابوں میں اس کی صراحت موجود ہے کہ جو دعا بالغین کے لیے ہے وہ نابالغوں کی نماز جنازہ میں نہیں پڑھی جائے گی، بلکہ نابالغ کے لیے جو دعا حدیث میں آئی ہے اسی کے پڑھنے پر اکتفا کرے، فقہ کی کتابوں میں نابالغ کی پوری دعا اس طرح ہے، اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا قَرَطًا وَّ اجْعَلْهُ لَنَا

اجرا و اجعلہ لنا ذخرا و اجعلہ لنا شافعا و مشفعا اور اگر وہ لڑکے کے بجائے لڑکی ہو تو ضمیر مذکر (ہ) کو ضمیر مؤنث (ھا) سے بدل کر پڑھے اور شافعا و مشفعا کو شافعة و مشفعة پڑھا جائے۔

امام جنازہ کے سینہ کے برابر کھڑا ہو مستحب یہ ہے کہ امام ہر حال میں جنازہ کے سینہ کے برابر کھڑا ہو، خواہ مرد ہو، خواہ عورت، بالغ ہو یا نابالغ، اس لیے کہ سینہ محل ایمان ہے اور

اس کی شفاعت ایمان ہی کی وجہ سے آخرت میں ہوگی۔

نماز جنازہ میں بعد میں شریک ہونے والا اور جو شخص نماز جنازہ میں آکر بعد میں ملے یعنی کچھ تکبیر امام کے ساتھ اس نے پائی ہو اور بعض تکبیریں چھوٹ گئی ہوں،

وہ آتے ہی اللہ اکبر نہیں کہے گا بلکہ امام کی تکبیر کا انتظار کرے گا تاکہ اس کے ساتھ وہ افتتاح کا اللہ اکبر کہے پہلے گذر چکا ہے کہ ہر تکبیر ایک رکعت کے قائم مقام ہے اور بعد میں آنے والا چھٹی ہوئی رکعتوں سے ابتدا نہیں کرتا ہے (یعنی مسبوق اپنی بقیہ رکعتوں کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد پوری کرتا ہے اسی طرح نماز جنازہ کے مسبوق کو چھٹی ہوئی تکبیروں کو امام کے سلام کے بعد کہنا چاہیے، اگر بعد میں آنے والا آتے ہی اللہ اکبر کہہ کر ملے گا تو اس کی نماز جنازہ بھی درست ہوگی مگر یہ اللہ اکبر چار تکبیروں میں شمار نہیں ہوگا)

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں آنے والا جس وقت آکر ملے گا اللہ اکبر کہے گا (صورت مسئلہ یہ ہے کہ نماز جنازہ کا امام اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کر چکا تھا، اس کے بعد کوئی آکر ملا تو وہ کیا کرے آتے ہی اللہ اکبر کہہ کر ملے یا صرف مل جائے اور اللہ اکبر اس وقت کہے جب امام کہے، طرفین کہتے ہیں جب امام کہے تب وہ کہے، یوں آکر مل جائے اور امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ جس وقت آکر ملے اسی وقت اللہ اکبر کہے اور دوسری تکبیر امام کے ساتھ کہے گویا یہ ان کے نزدیک مسبوق نہیں ہوگا اور طرفین کے نزدیک اس کی پہلی تکبیر رہ گئی لہذا وہ اس کو امام کے سلام کے بعد کہے گا، اور حکماء یہ مسبوق ہوگا)

شروع ہوتے وقت موجود رہنے والا جس طرح وہ شخص جو امام کی پہلی تکبیر کے وقت موجود تھا اور اس نے امام کے ساتھ اللہ اکبر نہیں کہا تو اب یہ دوسری تکبیر کا

انتظار نہیں کرے گا بلکہ وہ اللہ اکبر کہہ کر مل جائے گا اس پر طرفین اور امام ابو یوسفؒ سب کا اتفاق ہے اس لیے کہ وہ موجود شخص مدرک کے مثل ہے کیوں کہ بوقت تحریمہ موجود تھا۔

ماسبوق کیا کرے امام کے فارغ ہونے کے بعد جن کی تکبیریں چھوٹ گئیں ہیں وہ ان چھٹی ہوئی تکبیروں کو بغیر درمیان میں دعا پڑھے ہوئے مسلسل کہے گا جب کہ ان کو خوف ہو کہ لوگ جنازہ کو اٹھالیں گے

(مثلاً ایک شخص نماز جنازہ میں اس وقت آکر ملا جب امام دو تکبیریں کہہ چکا تھا دو تکبیریں اس صورت میں وہ امام کے ساتھ کہے گا اور بقیہ دو کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد کہہ لے گا)

نماز جنازہ کا مسبوق اپنی بقیہ تکبیروں کو کب پورا کرے مجتبیٰ نامی کتاب میں جو یہ لکھا ہوا ہے کہ مدرک اپنی کل فوت شدہ تکبیروں کو

شریک ہوتے وقت فوراً کہے یہ خلاف قیاس ہے۔ کذا فی النہر۔

یعنی انہوں نے لکھا ہے کہ امام کے نماز شروع کرتے وقت ایک شخص موجود تھا، مگر وہ امام کے ساتھ نہ ملا دوسری تیسری تکبیر میں ملا تو جس تکبیر میں ملے گا اس کو کہنے کے بعد فوت شدہ کو بھی اسی وقت کہہ لے گا۔ شارح نے بتایا کہ یہ قول فقہاء کی تصریح کے خلاف ہے، کیوں کہ اکثر فقہاء یہ کہتے ہیں کہ وہ اپنے امام کے سلام کے بعد فوت شدہ تکبیریں کہے گا۔

پس اگر کوئی شخص امام کی چوتھی تکبیر کے بعد آیا ہے تو طرفین کہتے ہیں کہ اس کی نماز جنازہ فوت ہو گئی اس لیے کہ امام کی تکبیر میں شرکت کی کوئی صورت نہیں باقی رہی، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ نماز میں داخل شمار ہو گا کیوں کہ ان کے نزدیک تحریمہ باقی ہے، چنانچہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ بقیہ تین تکبیریں کہہ لے گا جیسے وہ شخص جو شروع سے موجود ہو اور امام کے ساتھ شریک نہیں ہوا، اور امام کے ساتھ اس وقت ملا جب وہ چوتھی تکبیر کہہ چکا (تو ایسا شخص متفقہ طور پر سلام کے بعد تین بقیہ تکبیریں کہے گا اور فتویٰ امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے اس کو حلبی وغیرہ نے ذکر کیا) گویا طرفین کے نزدیک مسبوق کو امام کی تکبیر کا انتظار کرنا ہو گا، اس کی تکبیر کے ساتھ وہ شریک ہو سکتا ہے اور جب وہ چوتھی تکبیر بھی کہہ چکا تو اب انتظار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک سلام پھیرنے سے پہلے تکبیر تحریمہ باقی رہتی ہے۔ اس لیے آنے والا شریک ہو سکتا ہے۔ (کذا فی الثامی)

و اذا اجتمعت الجنائز فافراد الصلوة علی کل واحدة اولی من الجمع و تقدیم الافضل افضل و ان جمع جاز ثم ان شاء جعل الجنائز صفا واحدا و قام عند افضلهم و ان شاء جعلها صفا مما یلی القبلة واحد اخلف واحد بحيث یكون صدر کل جنازه مما یلی الامام لیقوم بحذاء صدر الكل و ان جعلها درجا فحسن لحصول المقصود و راعی الترتیب المعهود خلفه حالة الحیوة فیقرب منه الافضل فالافضل الرجل مما یلیه فالصبی فالخنثی فالبالغة فالمرأهة والصبی الحر یقدم علی العبد والعبد علی المرأة و اما ترتیبهم فی قبر واحد لضرورة فبعکس هذا فیجعل الافضل مما یلی القبلة فتح.

ایک وقت میں متعدد جنازوں کی ایک نماز جب کئی جنازے جمع ہو جائیں تو اس صورت میں ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ نماز جنازہ پڑھنا سب پر اکٹھے پڑھنے سے زیادہ بہتر ہے، اور اس جمع شدہ جنازے میں جو افضل ہو ترتیب میں اس کو مقدم کرنا اولیٰ ہے یعنی ان جمع شدہ نمازوں میں جو سب سے بہتر عمل والا ہو اس کی نماز جنازہ پہلے پڑھی جائے پھر اسی ترتیب سے بقیہ کی یوں تمام موجود نمازوں میں اکٹھے ایک نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔

اگر کئی جنازے جمع ہو جائیں اور ان سب پر ایک ہی نماز جنازہ پڑھنا چاہیں تو یہ جائز ہے، جب ایک ساتھ تمام جنازوں پر ایک نماز جنازہ پڑھی جائے گی تو اس کی صورت کے متعلق فقہاء لکھتے ہیں کہ ایک ساتھ نماز جنازہ پڑھنے میں تمام جنازوں کو چاہے ایک صف میں رکھ دیں اس طرح کہ ایک کا سر دوسرے کے پاؤں کی طرف ہو، اور ان میں سے اس جنازے کے سینے کے مقابل کھڑا ہو جو ان سب سے افضل ہو، اور اگر چاہے تو ان تمام جنازوں کو قبلہ کی طرف یکے بعد دیگرے برابر برابر رکھے بالکل

ایک صف میں، اس طرح کہ سب کے سینے ایک سیدھ میں ہوں، اور امام ان کے سینے کے مقابل کھڑا ہو اور اگر چاہے تو ان جنازوں کو زینے کی طرح رکھے، اس طرح کہ ایک کا سر دوسرے کے سر سے کچھ نیچے کرے یعنی ہر ایک جنازہ پہلے کی بہ نسبت تھوڑا سا بائیں طرف کور ہے ہر صورت میں ایک ساتھ نماز جنازہ ادا ہو جائے گی۔ (لیکن ان میں بہتر صورت دوسری معلوم ہوتی ہے، کہ سب جنازے ایک سیدھ میں امام کے آگے ہوتے ہیں اور امام سبھوں کے سینے کے مقابل کھڑا ہوتا ہے۔ واللہ اعلم)

امام کے قریب افضل ہو ایک ساتھ بہت سے جنازوں کے جمع ہونے کی صورت میں متعین ترتیب کی رعایت رکھے جس طرح ان کی زندگی میں ترتیب رکھی جاتی تھی یعنی امام سے متصل سب سے افضل شخص کا جنازہ رکھا جائے پھر اس کا جس کا درجہ اس کے بعد ہو، مثلاً عالم دین ہو تو اس کو امام سے متصل مقدم کرے پھر جو درجہ میں اس سے کم ہو، پھر جو اس سے کم ہو اور اگر علم میں سب برابر ہوں تو عمر کا لحاظ کر کے ترتیب قائم کرے مثلاً پہلے سب سے بڑی عمر والے کا جنازہ امام کے قریب ہو پھر جو اس سے عمر میں کم ہو، پھر جو اس سے کم ہو۔

مختلف نوع جنازوں کی ترتیب اگر مختلف قسم کے جنازے ہوں تو امام سے قریب پہلے مرد کا جنازہ ہو پھر بچہ کا، پھر خنثی کا، پھر عورت بالغہ کا، پھر قریب المبلوغ عورت کا، اس ترتیب میں آزاد بچہ کا جنازہ بالغ غلام پر مقدم ہو گا اور غلام مقدم ہو گا عورت پر۔

ایک قبر میں بہت مردے دفن کرنا اور اس کی ترتیب اگر ایک قبر میں کسی مجبوری کی وجہ سے بہت سے مردوں کو دفن کرنا پڑ جائے تو وہاں ترتیب اس کے برعکس ہوگی یعنی افضل کا جنازہ قبلہ کی طرف سب سے پہلے رکھا جائے گا پھر اس کے پیچھے دوسرے کا جو رتبہ میں اس سے کم ہو، پھر اسی ترتیب سے (مجبوری کی قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ بلا ضرورت دو شخصوں کا ایک قبر میں دفن کرنا درست نہیں ہے، لیکن اگر کسی وجہ سے ایک قبر میں دو شخصوں کو دفن کرنا ہی پڑے، تو ہر دو کے درمیان مٹی ڈالی جائے گی یا کچی اینٹ کھڑی کی جائے گی تاکہ حکماء و قبروں کی صورت ہو جائے)

و يقدم في الصلوة عليه السلطان ان حضر او نائبه و هو امير المصر ثم القاضي ثم صاحب الشرط ثم خليفته ثم خليفة القاضي ثم امام الحي فيه ايها و ذلك ان تقديم الولاة واجب و تقديم امام الحي مندوب فقط بشرط ان يكون افضل من الولي والا فالولي اولي كما في المجتبی و شرح المجمع للمصنف و في الدراية امام المسجد الجامع اولي من امام الحي ای مسجد محلته نهر ثم الولي بترتيب عصبية الا نکاح الا اب فيقدم على الابن اتفاقا الا ان يكون عالما والاب جاهلا فالابن اولي فان لم يكن له ولي فالزوج ثم الجيران و مولی العبد اولي من ابنه الحر لبقاء ملكه والفتوى على بطلان الوصية بغسله والصلوة عليه وله ای للولي و مثله كل من يقدم عليه من باب اولي الاذن لغيره فيها لانه

حقہ فیملک ابطالہ الا انہ ان کان هناك من یساویہ فلہ ای لذلك المساوی ولو اصغر سناً
المنع لمشارکتہ فی الحق اما البعید فلیس لہ المنع۔

نماز جنازہ کی امامت نماز جنازہ میں امامت کے لیے اگر بادشاہ موجود ہو، تو اس کو مقدم کیا جائے گا یا اس کے نائب کو، یا پھر قاضی کو، پھر حاکم سیاست کو، پھر اس کے خلیفہ کو، پھر اس کے بعد درجہ قاضی کے خلیفہ کا ہے، اور یہ سب نہ ہوں تو محلہ کی مسجد کا امام مقدم سمجھا جائے گا۔

شارح نے بتایا کہ مصنف کی عبارت میں ابہام ہے اس لیے کہ اس کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ وغیرہ اور امام محلہ دونوں کو درجہ بدرجہ مقدم کرنا یکساں ہے، حالاں کہ ایسا نہیں ہے بلکہ بادشاہ وغیرہ اگر موجود ہوں تو اس کو امام بنانا واجب ہے اور یہ نہ ہوں تو امام محلہ کا امام بنانا صرف مستحب ہے اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ امام محلہ میت کے ولی سے افضل ہو، اور اگر ولی بہتر ہو تو اسی کا امام ہونا افضل ہے، چنانچہ مجتبیٰ اور شرح الجمع میں ایسا ہی ہے۔

جنازہ کی نماز میں امام مسجد اور ولی کی امامت درایہ میں ہے کہ جامع مسجد کا امام جنازہ کی امامت کے لیے محلہ کی مسجد کے امام سے بہتر ہے (محلہ سے مراد مردہ کا

محلہ ہے کذا فی الشہر)

متفقہ طور پر محلہ کی مسجد کے امام کے بعد جنازہ کی امامت کا مستحق خود ولی ہے اور ولی میں ترتیب نکاح کرانے کی جو ترتیب عصبہ میں ہے وہی ہے البتہ میت کا باپ اسکے بیٹے پر متفقہ طور پر مقدم ہوگا۔ ہاں اگر اس کا بیٹا عالم ہو اور باپ جاہل ہو تو بیٹا بہتر ہوگا۔

عورت کی نماز جنازہ کا مستحق شوہر اگر میت کا ولی نہ ہو اور مرنے والی عورت ہو تو اس کی نماز جنازہ کی امامت کے لیے اس کا شوہر اولیٰ ہے، پھر ہمسایہ کے لوگ اجنبی سے افضل ہیں اور اگر

غلام مر گیا ہو تو اس کی نماز جنازہ کی امامت کے لیے اس کا آقا مرنے والے کے آزاد بیٹے سے افضل ہے، اس لیے کہ آقا کی ملک باقی ہے (قاعدہ میں آقا غلام میت کے تمام اقارب سے بہتر ہے، اور یہاں ملک سے حکمی ملک مراد ہے، ورنہ موت کے بعد آقا کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے۔ کذا فی الشامی)

مرنے والے کی وصیت غنسل، کفن وغیرہ کے سلسلہ میں باطل ہے فتویٰ اس پر ہے کہ اگر مرنے والا وصیت کر جائے کہ مجھے

فلاں شخص غسل دے یا فلاں شخص نماز جنازہ پڑھائے تو یہ وصیت باطل ہے (اسی طرح اگر کسی نے وصیت کی ہے کہ کفن میں فلاں کپڑا مجھے دیا جائے یا مجھے فلاں جگہ دفن کیا جائے، تو یہ وصیت بھی باطل ہے، اس پر عمل ضروری نہیں ہے۔ کذا فی الشامی)

ولی جنازہ دوسرے سے امامت کر سکتا ہے ولی یا جس کو امامت کا حق ہے اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی جگہ دوسرے شخص کو امامت کی اجازت دے، اس لیے جب

امامت اس کا حق ہے تو اس کو اپنے اس حق کے باطل کرنے کا بھی اختیار ہے، لیکن اگر ولی کے مساوی دوسرا ولی ہو، تو اس دوسرے کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ غیر شخص کو امامت سے روک دے، خواہ یہ دوسرا ولی پہلے سے عمر میں چھوٹا ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ حق امامت میں یہ دوسرا ولی شریک ہے، البتہ ولی بعید نو یہ حق حاصل نہیں ہے۔ (مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ مرنے والے کے

مثلاً دو بیٹے ہیں بڑے بیٹے نے زید کو اجازت دی کہ وہ نماز جنازہ پڑھا دے، اب چھوٹے بیٹے کو اختیار ہے کہ وہ زید کو امامت سے روک دے، مگر دور کا رشتہ دار ایسا نہیں کر سکتا ہے۔ اس کو روکنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

فان صلی غیرہ ای الولی ممن لیس له حق التقدم علی الولی و لم یتابعہ الولی اعاد الولی و لو علی قبرہ ان شاء لاجل حقہ لا لاسقاط الفرض و کذا قلنا لیس لمن صلی علیہا ان یعید مع الولی لان تکرارہا غیر مشروع و الا ای و ان صلی من له حق التقدم کقاض او نائبہ او امام الحی او من لیس له حق التقدم و تابعہ الولی لا یعید لانہم اولی بالصلوۃ منہ و ان صلی ہو ای الولی بحق بان لم یحضر من یقدم علیہ لا یصلی غیرہ بعدہ و ان حضر من له التقدم لکونہا بحق اما لو صلی الولی بحضرة السلطان مثلاً اعاد السلطان کما فی المجتبى وغیرہ و فیہ حکم صلوۃ من لا ولایۃ له کعدم الصلوۃ اصلاً فیصلی علی قبرہ مالم یتمدق و ان دفن و اہیل علیہ التراب بغیر صلوۃ او بہا بلا غسل او ممن لا ولایۃ له صلی علی قبرہ استحساناً مالم یغلب علی الظن تفسخہ من غیر تقدیر ہو الاصح و ظاہرہ انہ لو شک فی تفسخہ صلی علیہ لکن فی النہر عن محمد لا کانہ تقدیماً للمانع۔

اگر غیر مستحق بغیر ولی نماز جنازہ پڑھا دے اگر جنازہ کی نماز اس شخص نے پڑھا دی جس کو ولی پر مقدم ہونے کا حق نہیں تھا، اور خود ولی میت نے اس امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھی، تو اس ولی کو حق ہے کہ اگر وہ چاہے تو دوبارہ نماز جنازہ پڑھے، گو اس کی قبر پر نماز پڑھنی پڑے، اس لیے کہ یہ حق اس کو شرعاً حاصل ہے اگرچہ فرضیت دوسرے کے پڑھنے سے بھی ساقط ہو جاتی ہے، اور ولی نماز نہ پڑھے، تو کوئی گنہ گار نہیں ہوگا، ولی کو دوبارہ نماز جنازہ کی اجازت اس کے حقدار ہونے کی حیثیت سے دی گئی ہے۔ کذا فی الطحاوی، ہم کہتے ہیں کہ جو شخص پہلے امام کے ساتھ نماز جنازہ پڑھ چکا ہے اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ پھر ولی کے ساتھ نماز جنازہ پڑھے، اس وجہ سے کہ دوبارہ نماز جنازہ مشروع نہیں ہے۔ (جن لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی دوبارہ نماز جنازہ پڑھی، وہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیات تھیں جو دوسروں کو حاصل نہیں)

مستحق نے اگر نماز جنازہ پڑھی ہے تو اعادہ نہیں ہے اور اگر اوپر والی صورت کے بجائے یہ صورت ہو کہ نماز جنازہ بجائے غیر مستحق کے مستحق نے پڑھا ہے

نے پڑھائی ہو، جیسے قاضی نے پڑھی جس کو ولی پر بھی فضیلت حاصل ہے یا اس کے نائب نے پڑھی ہو، یا محلہ کے امام نے پڑھی ہو یا ایسے شخص نے جس کو آگے بڑھنے کا حق نہیں تھا مگر ولی نے اس کی اقتدا کر لی ہو تو ان تمام صورتوں میں ولی دوبارہ نماز جنازہ نہیں پڑھے گا، اس لیے کہ جن کو ولی پر امامت میں فضیلت حاصل ہے، وہ سب ولی سے افضل و بہتر ہیں اور جب ولی نے اس کے پیچھے نماز پڑھ لی تو یہ اس کی طرف سے ضمانت اجازت کے قائم مقام شمار ہوگی۔

ولی کے بعد دوسرے مستحق کو بھی نماز کی اجازت نہیں لی، اس طرح کہ ہو ولی پر مقدم تھے وہ نہیں آئے، تو ولی کے نماز پڑھ لینے کے بعد وہ حقدار لوگ دوبارہ نماز جنازہ نہیں پڑھیں گے اگر وہ بعد میں آجائیں، کیوں کہ ولی کی نماز ہو گئی کیوں کہ وہ مستحق تھا۔

لیکن اگر سلطان کی موجودگی میں ولی نے نماز جنازہ پڑھی ہے تو سلطان کو نماز کے اعادہ کا حق ہے وہ لوٹا سکتا ہے، کمافی الجبتي وغیرہ البتہ اس کو نماز پڑھنے کا استحقاق نہیں تھا اس کا پڑھنا مثل بالکل نہ پڑھنے کے ہے لہذا اس صورت میں ولی اس کی قبر پر اگر چاہے تو نماز پڑھ سکتا ہے، مگر اسی وقت تک جب تک وہ مردہ قبر میں پھٹا نہ ہو (اور پھٹنے کی مدت میں اختلاف ہے کم سے کم مدت تین دن بیان کی گئی ہے اور یہ دراصل جگہ اور موسم کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے لہذا مقامی تجربہ کاروں سے اندازہ لگوانا چاہیے)

بغیر نماز جنازہ اگر دفن ہو گیا ہو اگر مردہ کو بغیر نماز جنازہ دفن کر دیا گیا ہو اور اس پر مٹی ڈال دی گئی ہو، یا نماز تو پڑھی گئی مگر بغیر غسل دیئے ہوئے، یا ایسے شخص نے نماز پڑھی جس کو حق حاصل نہیں تھا، تو ان تمام صورتوں میں جب تک غالب گمان مردے کے پھٹنے کا نہ ہو، اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، استحسان کا تقاضہ یہی ہے پھٹنے کے لیے کوئی خاص مدت مقرر نہ کرنا زیادہ صحیح ہے، اور اس کے ظاہر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر قبر میں مردہ کے پھٹنے میں شک ہو تو اس صورت میں بھی اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی لیکن نہر الفائق میں امام محمدؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ شک کی صورت میں نماز نہیں پڑھی جائے گی، گویا انھوں نے مانع کو ترجیح دی ہے، (شامی نے لکھا ہے کہ جب مردہ بغیر نماز جنازہ دفن کر دیا گیا ہو یا بغیر غسل دیئے ہوئے اور اس پر جنازہ کی نماز پڑھی گئی ہو، اور دفن کر دیا گیا ہو، تو ان دونوں صورتوں میں قبر پر نماز پڑھنی واجب ہے، اور تیسری صورت میں جب کہ اس شخص نے نماز پڑھی ہو، جس کو ولایت حاصل نہیں تھی اور دفن کر دیا گیا ہو، تو صرف ولی کے لیے اس حق کی وجہ سے دوبارہ نماز پڑھنے کی اجازت ہے واجب نہیں۔

(پھٹنے کی مدت کی عدم تعیین کو اصح کہہ کر اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اس سلسلہ میں دوسرے اقوال بھی ہیں مثلاً بعض لوگ تین دن کہتے ہیں اور بعضوں نے دس دن کہا ہے اور بعضوں نے ایک مہینہ، عدم تعیین کو اصح اس لیے کہا گیا ہے کہ جگہ اور موسم کے تفاوت سے یہ پھٹنا بھی متفاوت ہوتا ہے)

و لم تجز الصلوٰۃ علیہا راكبا ولا قاعدا بغیر عذر استحسانا و کرہت تحریمًا و قبل تنزیہا فی مسجد جماعة ہو ای المیت فیہ وحدہ او مع القوم واختلف فی الخارجة عن المسجد وحدہ او مع بعض القوم والمختار الکراهة مطلقا خلاصة بناء علی ان المسجد انما بنی للمکتوبة و توابعها کنافلة و ذکر و تدريس علم و هو الموافق لاطلاق حدیث ابی داؤد من صلی علی میت فی المسجد فلا صلوٰۃ له .

بلا عذر جنازہ کی نماز بیٹھ کر یا سوار ہو کر جائز نہیں استحسان اسی کو چاہتا ہے (اس عبارت سے خود معلوم

ہو کہ عذر ہو تو سوار ہو کر پڑھنا جائز ہے اور بیٹھ کر بھی، مثلاً کچھڑ ہو یا کھڑے ہونے کی طاقت نہ ہو تو مجبوری میں اس طرح نماز درست ہوگی۔

مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے جس مسجد میں نماز باجماعت ہوتی ہو، اس میں نماز جنازہ مکروہ تحریمی ہے اور بعضوں نے تنزیہی کہا ہے، اس طرح کہ صرف مردہ مسجد میں ہو، یا مردہ بھی مسجد میں ہو اور نماز جنازہ پڑھنے والے بھی، یا کچھ نمازی اندر ہوں اور بعض باہر، مختار قول یہ ہے کہ ہر صورت میں مکروہ ہے کذا فی الخلاصہ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مسجد فرض نمازوں کے لیے بنائی جاتی ہے یا فرض نمازوں کے توابع نفل وغیرہ کے لیے جیسے نوافل، ذکر اللہ، اور درس و تدریس، اور کراہت کا یہ قول ابو داؤد کی اس حدیث کے مطابق ہے جس میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس نے مردہ پر مسجد میں نماز جنازہ پڑھی تو اس کے لیے نماز نہیں اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ اس کے لیے کچھ ثواب نہیں۔ (جب کوئی عذر نہ ہو تو یہ کراہت ہے لیکن اگر کوئی عذر ہو تو مسجد میں نماز جنازہ مکروہ نہیں ہوگی۔ کذا فی الشامی)

و من ولد فمات یغسل و یصلی علیہ و یرث و یورث و یسمی ان استہل بالبناء للفاعل ای وجد منه ما یدل علی حیوۃ بعد خروج اکثرہ حتی لو خرج رأسہ فقط و ہو یصح فذبحہ رجل فعلیہ الغرة و ان قطع اذنه فخرج حیا فمات فعلیہ الدیۃ والاّ یستہل غسل و سمی عند الثانی و هو الاصل فیفی بہ علی خلاف ظاہر الروایۃ کراما لبنی آدم کما فی ملتقى البحار و فی النہر عن الظہیریۃ و ان استبان بعض خلقہ غسل و حشر هو المختار۔

بچہ پیدا ہو کر مر جائے جو بچہ پیدا ہو کر آواز کے بعد مر جائے اس کو غسل بھی دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی، وہ بچہ دوسرے کا وارث ہو گا اور دوسرے لوگ اس کے وارث ہوں گے اس کا نام بھی رکھا جائیگا شارح نے بتایا کہ (ان استہل) سے مراد یہ ہے کہ پیدا ہونے کے بعد اس میں کوئی ایسی بات پائی جائے جس سے اس کا زندہ ہونا معلوم ہو سکے، لیکن اس کے اکثر حصہ کے نکل آنے کے بعد، یہاں تک کہ اگر بچہ کا سر نکلا وہ چیخ رہا تھا اور اسی وقت کسی نے اس کو ذبح کر دیا تو اس قاتل پر غرہ واجب ہے اور اگر سر نکلنے کے بعد اس کا کان کاٹ لیا اور اس کے بعد وہ زندہ نکلا اور پھر وہ مر گیا تو اس پر خون بہا لازم ہوگا۔

ایسے بچہ کا کفن مصنف نے ایسے بچہ کے غسل اور نماز کا ذکر کیا مگر کفن کا ذکر نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بات ظاہر تھی کہ جب غسل دیا جائے گا، اور نماز پڑھی جائے گی تو یقینی طور پر اسے کفن بھی دیا جائے گا۔ نام اس لیے رکھا جائے گا کہ وہ آدمی کا بچہ ہے اور اس کے نام رکھے جانے میں اس کی تعظیم ہے۔ استہلال چاند دیکھنے کے وقت جو آواز نکلتی ہے اسے کہتے ہیں پھر پیدائش کے وقت بچہ کے رونے کی آواز کو بھی استہلال کہنے لگے، اسی وجہ سے شارح نے کہا کہ رونا شرط نہیں ہے۔ بلکہ زندہ رہنے کی علامت کا پایا جانا شرط ہے اور ایسا بچہ زندہ کے حکم میں ہے لہذا وہ وارث و مورث دونوں ہوگا، غرہ بھسم غین و تشدید راہ مرد کے بیسویں حصہ کو کہتے ہیں اور مردہ کا خون بہا دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار ہے۔ لہذا غرہ کی قیمت پانچ سو درہم ہوگی یا پچاس دینار، پیٹ کے بچہ کے ضائع کرنے کی دیت غرہ ہے اور کان کاٹنے کے بعد مرنے سے دیت اس وجہ

سے لازم ہوئی کہ موت کا سبب کان کاٹنے کو تسلیم کیا۔ اور شبہ کی وجہ سے قصاص سے بچ گیا۔ کذافی الشامی۔

اگر بچہ نکلا اور علامت زندگی نہیں پائی گئی اور بچہ کے اکثر حصہ نکلنے کے بعد زندگی کی کوئی علامت اگر نہیں پائی گئی تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کو نہلایا جائے گا،

نام رکھا جائے گا، یہی قول زیادہ صحیح ہے اور ظاہر الرویۃ کے خلاف اسی پر فتویٰ دیا جائے گا اس لیے کہ آدمی کی تعظیم اسی صورت میں ہے۔ کذافی الممتحنی الاکبر۔

بچہ جس میں روح پڑ چکی ہے نہر الفائق میں فتویٰ ظہیر یہ سے نقل کیا گیا ہے کہ جب بچہ کا بعض حصہ باہر ہو جائے تو اس کو غسل دیا جائے گا اور اس کا حشر ہوگا، مختار قول یہی ہے۔ فقہاء نے کہا کہ اگر

اس میں روح پڑ چکی ہوگی تو حشر ہوگا اور بعض فقہاء نے کہا کہ اگر بعض حصہ ظاہر ہوا ہوگا تو حشر ہوگا، بہر حال اگر زندگی کی علامت نہیں ہے تو غسل دینے کے بعد ایک کپڑے میں لپیٹا جائے گا اور دفن کر دیا جائے گا اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

و ادرج فی خرقۃ و دفن ولم یصل علیہ و کذا لا یرث ان انفصل بنفسہ کصبی سبی مع احد ابویہ لا یصلی علیہ لانہ تبع لہ ای فی احکام الدنیا لا العقبی لما مر انہم خدم اهل الجنة و لو سبی بدونہ فهو مسلم تبعاً للدار اوللسابی او به فاسلم هو او اسلم الصبی و هو عاقل ای ابن سبع سنین صلی علیہ لصیور تہ مسلماً .

مشرکین کے بچے اسی طرح وہ بچہ وارث نہیں ہوگا جو خود بخود علیحدہ ہوا ہو، جیسے وہ بچہ جو اپنے والدین میں سے کسی کے ساتھ قید کیا گیا ہے اگر وہ مر جائے گا تو اس کی نماز جنازہ نہیں ہوگی اس لیے کہ وہ احکام دنیا میں اپنے والدین کے تابع ہے البتہ آخرت کے احکام میں تابع نہیں ہے اس لیے کہ گذر چکا ہے کہ مشرکین کے بچے اہل جنت کے خادم ہوں گے (خود بخود کی قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ اگر کوئی حاملہ عورت کے پیٹ پر مار دے اور اس کی وجہ سے اس کے پیٹ سے بچہ مردہ نکل پڑے تو وہ وارث بھی ہوگا اور مورث بھی، کیوں کہ شریعت نے اس مجرم سے غرہ دلویا ہے تو معلوم ہوا کہ ضمناً اس نے اس کی زندگی کا حکم لگایا۔

نابالغ بچہ جو دارالاسلام میں گرفتار ہو اور اگر نابالغ بچہ بغیر ماں باپ کے گرفتار ہوا ہے تو وہ دارالاسلام میں مسلم سمجھا جائے گا جب کہ گرفتار کرنے والا ذمی ہو، اور گرفتار کرنے

والا مسلمان ہے اور اس کی تبعیت میں مسلمان شمار ہوگا، یا وہ نابالغ بچہ گرفتار ہوا اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی کے ساتھ اور وہ مسلمان ہو گیا یا خود لڑکا مسلمان ہو گیا اور وہ سمجھدار تھا یعنی اس کی عمر سات سال کی ہو چکی تھی اگر ایسا بچہ مر جائے گا تو اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی، اس لیے حکماء وہ مسلمان ہو چکا ہے، خواہ اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کے ساتھ ہونے کی وجہ سے خود اس کے مسلمان ہونے کی وجہ سے۔

قالوا ولا ینبغی ان یسال العامی عن الاسلام بل یدکر عندہ حقیقۃ و ما یجب الایمان بہ لم یقال لہ هل انت مصدق بهذا فاذا قال نعم اکتفی بہ و لا یضر توقفہ فی جواب ما الایمان ما

الاسلام فتح و يغسل المسلم و يكفن و يدفن قريبه كخاله الكافر الا صلى اما المرتد فيلقى في حفرة كالكلب عند الاحتياج فلو له قريب فالاولى تركه لهم من غير مراعاة السنة فيغسله غسل الثوب النجس و يلفه في خرقة و يلقيه في حفرة و ليس للكافر غسل قريبه المسلم.

عامی آدمی ہے اسلام کے متعلق سوال فقہاء نے کہا ہے کہ عامی آدمی سے اسلام کے متعلق سوال نہیں کرنا چاہیے، بلکہ اس کے سامنے اسلام کی حقیقت اور جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے اس کو ذکر کرنا چاہیے، بیان کر کے اس سے کہا جائے کہ تو کیا اس کی تصدیق کرتا ہے اگر وہ اس کے جواب میں کہے کیوں نہیں، تصدیق کرتا ہوں، تو اس شخص کے مسلمان ہونے کے لیے اسی پر اکتفا کیا جائے گا۔ اور جب اس شخص سے پوچھا جائے کہ ایمان کیا ہے اور اسلام کیا ہے؟ اور وہ اس کے جواب میں سکوت اختیار کرے تو یہ اس کے لیے مضر نہیں ہے (کیوں کہ عوام ان تفصیلات سے ناواقف ہوتے ہیں، مگر وہ اس کے باوجود توحید و رسالت کا اقرار کرتے ہیں اور ان کے قائل ہوتے ہیں۔

مسلمان کا کافر رشتہ دار اور اس کا حکم مسلمان کا قریبی رشتہ دار اصلی کافر، جیسے اس کا ماموں مر جائے تو بوقت ضرورت بلا سنت کی رو رعایت کے وہ اس کو نہلائے گا، کفن دے گا اور دفن کرے گا لیکن اگر اس کافر کے دوسرے رشتہ دار کافر موجود ہوں تو بہتر یہ ہے کہ مسلمان رشتہ دار اس کافر مردے کو اس کے کافر رشتہ داروں کے حوالہ کر دے، خود غسل اور کفن دفن کا ذمہ دار نہ بنے۔ سنت کی رعایت نہ کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ نہلانے میں دائیں سے مثلاً شروع کرنا سنت ہے یا وضو کرنا سنت ہے کافر کے لیے یہ اہتمام نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس کو اس طرح غسل دیا جائے گا جس طرح ناپاک کپڑے کو دھوتے ہیں، نہلانے کے بعد اس کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر ایک گڈھے میں ڈال دے گا، نہ کفن میں سنت کی رعایت کرے گا اور نہ قبر کھودنے میں۔ اور نہ اس کے اندر لٹانے میں۔

لیکن کسی کافر کے لیے اپنے مسلمان رشتہ دار کو اس کے مرنے کے بعد غسل دینا جائز نہیں ہے (اسی طرح کافر کا مسلمان کی قبر میں اترنا تاکہ وہ مسلمان جنازے کو قبر میں لٹائے اور اتارے مکروہ ہے۔ کذا فی الشامی)

فاذا حمل الجنازة وضع ندبا مقدما بسكر الدال و تفتح و كذا المؤخر على يمينه عشر خطوات لحديث من حمل جنازة اربعين خطوة كفرت عنه اربعين كبيرة ثم وضع مؤخرها على يمينه كذلك ثم مقدما على يساره ثم مؤخرها كذلك فيقع الفراغ خلف الجنازة فيمشي خلفها وضح انه عليه السلام حمل جنازة سعد بن معاذ و يكره عندنا حملة بين عمودي السرير بل يرفع كل رجل قائمة باليد لا على العنق كالامتعة ولذا كره حملة على

ظهر و دابة والصبي الرضيع او الفطيم او فوق ذلك قليلا يحمله او احد على يديه ولو راكبا و ان كان كبيرا حمل على الجنازة و يسرع بها بلا خيب اي عد و سريع ولو به كره و كره تاخير صلوته و دفنه ليصلي عليه جمع عظيم بعد صلوٰۃ الجمعة الا اذا خيف فوتها بسبب دفنه فنيه كما كره المتبعها جلوس قبل وضعها و قيام بعده ولا يقوم من في المصلي لها اذارها قبل وضعها ولا من مرت عليه هو المختار و ما ورد فيه منسوخ زيلعي و ندب المشي خلفها لانها متبوعة الا ان يكون خلفها نساء فالمشي امامها احسن اختيار و يكره خروجهن تحريما و تزجر النائحة ولا يترك اتباعها لاجلها ولا يمشي عن يمينها و يسارها و لو مشي امامها جاز و فيه فضيلة ايضا و لكن ان تباعد عنها او تقدم الكل او ركب امامها كره كما كره فيها رفع صوت بذكر او قراءة فتح.

جنازہ کس طرح لے جایا جائے جب کسی جنازہ کو کوئی اٹھائے تو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ اٹھانے والا پہلے جنازہ کے اگلے حصہ (سرہانے) کو اپنے دائیں کندھے پر اٹھائے اور دس قدم چلے پھر جنازے کے پچھلے حصہ (پیتانے) کو وہ اپنے دائیں کندھے پر رکھے اور دس قدم چلے، پھر اس کے اگلے حصہ سرہانے کو اپنے بائیں کندھے پر رکھ کر دس قدم لے چلے پھر اس کے پچھلے حصہ (پیتانے) کو اپنے بائیں کندھے پر رکھ کر دس قدم چلے، اس طرح چالیس قدم جنازہ اٹھانے میں صرف کرے پھر اس سے فراغت کے بعد جنازے کے پیچھے پیچھے چلے، اور یہ چالیس قدم اٹھانا اس لیے مستحب ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کوئی کسی جنازے کو لے کر چالیس قدم چلے گا اس سے اس کے چالیس گناہ کبیرہ مٹ جائیں گے (کبیرہ وہ بڑے گناہ مراد ہیں جو دوسرے گناہوں کی نسبت بڑے ہوتے ہیں، یا اس سے خود گناہ کبیرہ مراد ہیں)

آنحضرت ﷺ کا جنازے کو کندھا دینا یہ درست ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ (صحابی) کا جنازہ اٹھایا ہے (حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ نے فرمایا کہ ان کی موت سے عرش خداوندی ہل گیا)

جنازہ کی چارپائی کس طرح اٹھائی جائے جنازے کی چارپائی کے دو پایوں کے درمیانی حصہ کو پکڑ کر اٹھانا مکروہ ہے، بلکہ ہر شخص کو چاہیے کہ وہ چارپائی کا ایک پایہ ہاتھ سے پکڑ کر اٹھائے اور اپنے کندھے پر رکھے، شروع میں ہی گردن پر نہ اٹھائے جس طرح اسباب و سامان کو اٹھاتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے جنازہ کا اپنی پشت پر اور چوپائے پر لادنا بھی مکروہ ہے، کہ یہ طریقہ سامان کے اٹھانے کا ہے، جنازہ اٹھانے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ چارپائی کے چار پایوں کو چار شخص ایک ایک پایہ ایک ایک شخص ہاتھ سے پکڑ کر اٹھائے اور اس کی پٹی اپنے اپنے کندھے پر رکھ کر چلے۔

چھوٹے بچہ کا جنازہ شیرخوار بچہ یا وہ بچہ جس نے ابھی دودھ چھوڑا ہو، یا اس سے ذرا بڑا ہو تو اس کے جنازہ کو ایک شخص اپنے دستان ہاتھوں پر اٹھا کر چل سکتا ہے اگرچہ یہ ہاتھوں میں اٹھانے والا سوار ہو، اور اگر جنازہ اس عمر سے بڑے کا ہو تو اس کو چارپائی یا کھٹولے پر اٹھایا جائے گا، اور جنازہ کی چارپائی کو لے کر تیز چلیں مگر لے کر دوڑیں گے نہیں کیوں کہ دوڑ کر لے چلنا مکروہ ہے (اس لیے کہ دوڑ کر لے کر چلنے میں مردہ کو بھی تکلیف ہوگی اور جنازہ کے ساتھ چلنے والے لوگوں کو بھی)

جمعہ کی وجہ سے جنازہ کے دفن میں تاخیر مردے کی نماز جنازہ یا اس کو دفن کرنے میں اس لیے تاخیر کرنا کہ نماز جمعہ کے بعد اس کی نماز جنازہ میں بہت بڑا مجمع اکٹھا ہوگا مکروہ ہے، ہاں اس خطرہ کی وجہ سے نماز جنازہ اور دفن میں دیر کرنا مکروہ نہیں ہے کہ جمعہ کی نماز سے پہلے دفن کفن میں لگنے سے جمعہ کی نماز فوت ہو جائے گی۔ کذا فی القنیہ۔

جنازہ کے ساتھ والے کب بیٹھیں جنازے کے پیچھے چلنے والوں کے لیے جنازہ کو کندھے سے اتار کر زمین پر رکھنے سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے اور جب جنازہ رکھا جا چکے تو کھڑا رہنا مکروہ ہے (حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب جنازہ نیچے رکھا جا چکے تو بیٹھ جاؤ، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس کے بعد کھڑا رہنا مکروہ تحریمی ہے)

جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونا جو شخص نماز پڑھنے کی جگہ بیٹھا ہو جب وہ جنازہ کو اس کے رکھے جانے سے پہلے دیکھے تو کھڑا نہ ہو، اور نہ وہ شخص کھڑا ہو، جس کے پاس سے ہو کر جنازہ گزرے قول مختار یہی ہے اور جنازہ کو دیکھ کر کھڑے ہونے کے سلسلہ میں جو کچھ آیا ہے وہ منسوخ ہے۔ کذا فی التزیلی۔ (یعنی بعض حدیث میں یہ جو آیا ہے کہ جب تم جنازہ کو دیکھو تو اس کے لیے کھڑے ہو جاؤ، یہاں تک کہ وہ تمہاری نگاہ سے اوچھل ہو جائے یا زمین پر رکھا جائے یہ حدیث منسوخ ہے اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صراحت منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پہلے جنازہ کو دیکھ کر کھڑے ہونے کا حکم فرمایا تھا پھر بعد میں آپ نے بیٹھے رہنے کا حکم فرمایا، مسلم نے اس روایت کو نقل کر کے کہا ہے کہ پہلے کھڑے ہونے کا حکم تھا مگر پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔)

جنازہ کے پیچھے چلنا مستحب ہے جنازہ کے پیچھے چلنا مستحب ہے اس لیے کہ جنازہ کی حیثیت متبوع کی ہوتی ہے، اسی کی وجہ سے لوگ اس کے ساتھ چلتے ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ متبوع آگے ہوتا ہے اور تابع پیچھے، لیکن اگر کسی جنازے کے پیچھے عورتیں ہوں تو اس وقت مردوں کے لیے جنازہ کے آگے چلنا بہتر ہے۔ کذا فی الاختیار۔

جنازہ میں عورتوں کی شرکت عورتوں کا جنازہ کے ساتھ ٹکنا مکروہ تحریمی ہے، مردہ پر نوحہ کرنے والی عورتوں کو ڈانٹ ڈپٹ کیا جائے گا، لیکن نوحہ کرنے والیوں کی وجہ سے جنازہ کے ساتھ قبرستان جانا چھوڑا نہیں جائے گا (حدیث میں ہے کہ ایک جنازے کے ساتھ عورتوں کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم جنازہ اٹھانے والوں کے ساتھ جنازہ اٹھاؤ گی؟ یا قبر میں جنازہ اتارنے والوں کے ساتھ مردے کو قبر میں اتارو گی؟ یا نماز پڑھنے والوں کے

ساتھ نماز پڑھو گی؟ عورتوں نے عرض کیا ان میں سے کوئی کام ہم نہیں کریں گے، یہ سن کر آپ نے فرمایا پھر جاؤ ہٹو، یہ گناہ کا کام ہے تمہارے لیے ثواب کا کام نہیں ہے اور نوحہ کرنے والیوں کو دیکھ کر جنازہ کے ساتھ چلنا اس وجہ سے نہیں چھوڑا جائے گا کہ ایک بدعت کی وجہ سے کسی سنت کا ترک کرنا دانش مندی نہیں ہے پھر یہ کہ جنازے کی تدفین کا کام کیسے انجام پائے گا)

جنازہ سے دور دور چلنا جنازہ سے دائیں بائیں ہٹ کر نہ چلیں البتہ اگر آگے ہو کر چلیں تو یہ جائز ہے، اور اس میں بھی فضیلت ہے لیکن اگر جنازے سے دور ہو گیا یا سارے لوگ آگے بڑھ گئے اور آگے

آگے سوار ہو کر چلا تو یہ مکروہ ہے، جس طرح جنازہ کے آگے بلند آواز سے ذکر اللہ کرتے ہوئے یا تلاوت کرتے ہوئے چلنا مکروہ ہوتا ہے فتح القدیر (جنازہ کے پیچھے چلنا جب افضل ہے تو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آگے چلنا گوا فضل نہیں ہے مگر فی الجملہ اس میں بھی فضیلت ہو گی، اور جنازہ سے اس قدر دور ہو کر چلنا جس سے دیکھنے والے سمجھے کہ یہ جنازہ کے ساتھ نہیں ہے اس سے منع کیا گیا ہے، رہ گیا ذکر اللہ۔ دل میں کر سکتا ہے)

وحفر قبرہ فی غیر دار مقدار نصف قامۃ فان زاد فحسن و یلحد و لا یشق الا فی ارض رخوة ولا یجوز ان یوضع فیہ مضربة و مخدرة و ماروی عن علی فغیر مشہور و لا یأخذ بہ ظہیریۃ ولا باس باتخاذ تابوت ولو من حجر او حدید لہ عند الحاجة کرخاوة الارض و یسن ان یفرش فیہ التراب مات فی سفینۃ غسل و کفن و صلی علیہ والقی فی البحر ان لم یکن قریبا من البر فتح ولا ینبغی ان یدفن المیت فی الدار ولو کان صغیرا لا اختصاص ہذہ السنۃ بالانبیاء علیہم السلام .

قبر کی کھودائی مردے کے لیے قبر اس کے مکان کے علاوہ جگہ میں کھودی جائے۔ اس کی گہرائی نصف قد کے برابر ہو، اور اگر زیادہ ہو تو اور بہتر ہے، البتہ اس سے کم نہ ہو، قبر لحد (بغلی والی) بنائی جائے، سیدھی کھودی نہ جائے، جس کو اصطلاح میں شق کہتے ہیں، ہاں اگر وہاں کی مٹی نرم ہو، لحد نہ بن سکتی ہو دھنس جانے کا خطرہ ہو، تو اس صورت میں سیدھی قبر جسے شق کہتے ہیں کھودی جاسکتی ہے (اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ لحد ہمارے لیے ہے اور شق ہمارے غیروں کے لیے ہے، لحد کہتے ہیں گڑھا کھود کر قبلہ کی جانب اندر سے قبر بنائی جائے۔ قبر مردہ کے قد کے برابر لمبی ہو گی جس میں اس کو آسانی سے لبا لٹایا جاسکے اور چوڑی اتنی کہ مردہ کو اس میں آسانی سے رکھا جاسکے۔

قبر میں گدار کھا جانا جائز نہیں ہے اور اس سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو روایت منقول ہے وہ مشہور نہیں ہے، اور نہ اس پر عمل ہے کذا فی الظہیر یہ۔

قبر میں بستر رکھنا مکروہ ہے (ظہیر یہ میں حضرت علیؑ کے بجائے حضرت عائشہؓ کا ذکر ہے کہ انہوں نے قبر میں گدار کھوایا مگر یہ ثابت نہیں ہے، بلکہ دوسری حدیثوں میں اس کے خلاف مذکور ہے۔

چنانچہ لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ تبر میں مردہ کے لیے گدار اور کسی چیز کے رکھوانے کو مکروہ جانتے تھے حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میرے جسم اور زمین کے درمیان میں کوئی چیز نہ حائل کی جائے مختصر یہ کہ قبر میں

گدا آگیا اور چٹائی وغیرہ رکھوانا مکروہ ہے۔ (کذا فی الشامی)

میت بہ ضرورت صندوق میں رکھ کر دفن کرنا

زمین نرم اور گیلی ہو، اور مسنون یہ ہے کہ صندوق یا تابوت میں مٹی بچھا دی جائے۔ (اور دائیں بائیں ہلکی کچی اینٹیں کھڑی کر دی جائیں اور اوپر والے حصہ میں مٹی لپیٹ دی جائے۔ تاکہ ہر چہار طرف مٹی ہو جائے، بلا ضرورت صندوق میں دفن کرنا مکروہ ہے)

سمندر میں کب مردہ کو ڈالا جائے

ایک شخص کشتی میں مر گیا (یا جہاز) میں مر گیا، تو اس کو غسل دیا جائے گا اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اگر وہ کشتی خشکی کے قریب نہیں ہوگی تو جنازہ کو سمندر میں ڈال دیا جائے گا فتح القدیر۔

مردہ مرنے والے گھر میں دفن نہ کیا جائے

مردہ کا گھر میں دفن کرنا مناسب نہیں ہے اگرچہ وہ بچہ ہی کیوں نہ ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ طریقہ انبیاء علیہم السلام کے لیے مخصوص ہے کذا فی الواقعات (یعنی جس مکان میں موت واقع ہو اس میں دفن کرنے سے متعلق یہ حکم بیان کیا گیا ہے)

واقعات و يستحب ان يدخل من قبل القبلة بان يوضع من جهتها ثم يحمل فليحد و ان

يقول واضعه بسم الله و بالله و على ملة رسول الله صلى الله عليه وسلم و يرجع

اليها وجوبا و ينبغي كونه على شقه الايمن ولا ينش ليوجه اليها وتحل العقدة للاستغناء

عنها ويسوى اللبن عليه والقصب لا الاجر المطبوع و الخشب لو حوله اما فوقه فلا

يكره ابن ملك فائده عدد لبنات لحد النبي صلى الله عليه وسلم تسع بهنسي و حاز ذلك

حوله بارض رخوة كالتابوت و لسجي اى يغطي قبرها و لو خشى لا قبره الا لعذر كمطر

و يهال التراب عليه و تكره الزيادة عليه من التراب لانه بمنزلة البناء و يستحب حثيه

من قبل راسه ثلثا و جلوس ساعة بعد دفنه لدعاء و قراءة بقدر ما ينحر الجزور و يفرق

لحمه و لا باس برش الماء عليه حفظا الترابه عن الاندرا س.

قبر میں کس طرح لٹایا جائے

مستحب یہ ہے کہ مردہ کو قبلہ کی طرف سے قبر میں داخل کرے یعنی قبلہ کی طرف جنازے کو رکھا جائے اور اُدھر سے ہی قبر میں اتارا جائے۔ پھر اٹھا کر لحد میں داخل کیا جائے، قبر میں اتارنے والے کیلئے مستحب ہے کہ یہ کہیں بسم الله و بالله و على ملة رسول الله اور اس کا رخ قبلہ کی طرف کر دیا جائے اور ایسا کرنا واجب ہے۔ (شامی نے لکھا ہے کہ تحفہ میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ مردہ کا قبلہ رخ کرنا سنت ہے)

قبر میں لٹا کر بند کرنا

بہتر یہ ہے کہ مردہ کو دائیں کروٹ پر قبر میں لٹایا جائے، لیکن اگر قبلہ رخ نہیں رکھا تھا اور قبر بند کر دی گئی ہو تو قبلہ رخ کرنے کے لیے اس کی قبر کھودی نہیں جائے گی اور مردہ کو قبر میں رکھنے

کے بعد اس کے کفن کی گرہیں کھول دی جائیں گی اس لیے کہ اب وہاں کپڑے کے کھلنے اور بکھرنے کا کوئی خدشہ نہیں ہے اور قبر کی کچی اینٹوں اور نرکل سے بند کیا جائے۔ پختہ اینٹیں اور تختے نہ لگائے جائیں یعنی ارد گرد تختہ نہیں لگایا جائے گا، لیکن اوپر تختہ لگانا مکروہ نہیں ہے اس کو ملک نے ذکر کیا ہے۔

لحد نبوی کی کچی اینٹوں کی تعداد آنحضرت ﷺ کی لحد میں نوں کچی اینٹیں لگائی گئی تھیں پہنسی نے اس کو ذکر کیا ہے، طحاوی نے لکھا ہے کہ کچی اینٹوں کے ساتھ نرکل کے مٹھے بھی تھے لیکن جہاں زمین نرم اور ڈھیلی ہو وہاں مردہ کے ارد گرد کچی اینٹیں اور تختے بھی لگانے درست ہیں، جس طرح صندوق میں ڈال کر دفن کرنا بوقت ضرورت جائز ہے۔

عورت کے جنازے کو اتارتے وقت پردہ عورت کو قبر میں اتارتے وقت قبر پر پردہ کرنا چاہیے گو وہ خنثی ہو جب قبر بند ہو جائے تو پردہ ہٹالیا جائے لیکن مرد کی قبر پر پردہ نہیں کیا جائے گا، ہاں اگر کوئی عذر ہو، جیسے بارش تو اس سے بچنے کے لیے البتہ سامان کیا جائے گا۔

قبر میں مٹی ڈالنا اور دعا مردہ کو قبر میں رکھنے اور قبر یا لحد بند کرنے کے بعد اس پر مٹی ڈالی جائے گی اور جتنی مٹی قبر سے نکلی ہو اس سے زیادہ مٹی ڈالنا مکروہ ہے۔ اس لیے کہ زائد مٹی دیوار کے حکم میں ہے اور مستحب یہ ہے کہ مٹی مردے کے سرہانے کی طرف سے ڈالی جائے اور تین مٹھی دونوں ہاتھوں سے ڈالی جائے، پہلی مٹھی کی جب ڈالے تو پڑھے ”مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ“ دوسری میں پڑھے ”وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ“ اور مٹی کی تیسری مٹھی ڈالتے وقت یہ پڑھے ”وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى“ ابن ماجہ میں آنحضرت ﷺ سے اسی طرح کی روایت منقول ہے اور مردہ کو دفن کرنے کے بعد ایک ساعت دعاء اور قرأت کے لیے رکنا مستحب ہے ایک ساعت کی مراد اتنی دیر ہے کہ اونٹ ذبح ہو کر اس کا گوشت بٹ جائے۔

دعائے مغفرت (قبر کی مٹی سے زیادہ قبر پر مٹی ڈالنے کی ممانعت اس لیے ہے کہ ابوداؤد کی حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے، اور دفن کے بعد میت کی دعا کے لیے بھی حدیث میں آیا ہے ابوداؤد میں حدیث ہے کہ مردہ جب دفن کیا جا چکا تو آنحضرت ﷺ قبر پر کھڑے ہو جاتے اور فرماتے کہ اپنے بھائی کے لیے مغفرت اور سابت قدم رہنے کی دعا کرو کہ اب اس سے قبر میں سوال ہوگا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ دفن کے بعد قبر پر سورہ بقرہ کا شروع اور اس کا اخیر حصہ پڑھنا مستحب جانتے تھے۔ کذا فی الثامی)

قبر پر پانی چھڑکنا بعد دفن کے قبر پر پانی چھڑکنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے تاکہ اس کی مٹی اڑنے نہ پائے بلکہ محفوظ رہے (آنحضرت ﷺ نے حضرت سعید رضی اللہ عنہ اور اپنے فرزند حضرت ابراہیم کی قبر پر پانی چھڑکوا لیا تھا۔

وَلَا يَرْبَعُ لِلنَّهْيِ عَنْهُ وَ يَسْنَمُ نَدْبًا وَ فِي الظَّهْرِ وَ جُوبًا قَدْرَ شَبْرٍ وَلَا يَجْصَصُ لِلنَّهْيِ عَنْهُ
وَلَا يَطِينُ وَلَا يَرْفَعُ عَلَيْهِ بِنَاءٌ وَ قِيلَ لَا بَأْسَ بِهِ وَ هُوَ الْمَخْتَارُ كَمَا فِي كِرَاهَةِ السَّرَاجِبَةِ
وَ فِي جَنَائِزِهَا وَ لَا بَأْسَ بِالْكِتَابَةِ إِنْ اِحْتِجَّ إِلَيْهَا حَتَّى لَا يَذْهَبَ الْاَثَرُ وَلَا يَمْتَنُ.

قبر کیسے بنائی جائے

قبر کو چوکور نہ بنائی جائے اس لیے کہ اس سے روکا گیا ہے مستحب یہ ہے کہ کوہان نما بنائی جائے اور فتاویٰ ظہیر یہ میں ہے کہ قبر کو ایک بالشت اونچا کرنا واجب ہے قبر پختہ نہ بنائی جائے، اس لیے کہ اس سے منع کیا گیا ہے (کتاب الآثار میں امام محمدؒ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے چوکور قبر بنانے سے منع کیا ہے اور مسلم میں حدیث آئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قبر کو پختہ کرنے اور اس پر عمارت بنانے سے روکا ہے کذا فی الشامی)

قبر کو لیپنا

قبر کو لیپا پوتانا جائے اور نہ اس پر کوئی عمارت بنائی جائے اور بعضوں نے کہا ہے کہ ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اور یہی قول مختار ہے جیسا کہ فتاویٰ سراجیہ میں ہے (شامی نے لکھا ہے کہ سراجیہ میں قبر کے لیپنے کو مکروہ نہیں کہا گیا ہے اس کی عبارت یہ ہے ذکر فی تجرید ابی الفضل ان تطہیین القبور مکروہ والمختار انه لا یکرہ یعنی ابوالفضل کی تجرید نامی کتاب میں مذکور ہے کہ قبروں کو لیپنا مکروہ ہے اور مختار قول یہ ہے کہ لیپنا مکروہ نہیں ہے، باقی قبر پر عمارت بنانے کا تذکرہ میں نے کہیں نہیں دیکھا کہ کسی نے اس کو مختار کہا ہو، جیسا کہ ماتن کی ظاہر عبارت سے سمجھ میں آتا ہے، طحاوی نے شرملائیہ سے نقل کیا ہے قبر پر زینت کے لیے عمارت بنانا حرام ہے، اور دفن کے بعد اس کی مضبوطی کی نیت سے بنانا مکروہ ہے، باقی بنی ہوئی عمارت میں دفن کرنا مکروہ نہیں ہے)

قبر پر لکھنا

سراجیہ کے باب الجنائز میں مذکور ہے کہ قبر پر اگر لکھنے کی ضرورت اس وجہ سے ہو کہ قبر کا نشان مٹنے نہ پائے اور وہ پامال نہ ہو، تو لکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے (مسلم شریف میں حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قبر کو پختہ کرنے، ان پر لکھنے اور عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ممانعت اُس وقت ہے جب اس کی ضرورت نہ ہو، اور لا باس کا لفظ بتاتا ہے کہ قبر پر نہ لکھنا ہی بہتر ہے، بعض کتاب میں ہے کہ قبر پر قرآن کا لکھنا اس وجہ سے مکروہ ہے کہ بوسیدہ ہو کر کلمات قرآن پامال نہ ہونے پائیں، حالاں کہ وہ واجب التعمیم ہیں۔

و لا یخرج منه بعد اہالة التراب الا لحق آدمی کان تكون الارض مغصوبة او اخذت بشفعة و یخیر المالك عین اخراجہ و مساواتہ بالارض کما جاز زرعه والبناء علیہ اذا بلی و صار ترابا زیلعی حامل ماتت و ولدھا حی یضطرب شق بطنھا من الایسر و یخرج ولدھا و لو بالعکس و خیف علی الامام قطع و اخرج لو میتا والا لا کما فی کراہة الاختیار و لو بلغ مال غیرہ و مات هل یشق فیہ قولان والاولی نعم فتح.

قبر سے مردے کو نکالنا منع ہے

مردے کو قبر میں ڈال کر جب مٹی ڈال دی جائے تو پھر اس کو نکالا نہیں جائے گا ہاں اس میں کسی انسان کا حق ہو، مثلاً قبر کی زمین غصب کی ہوئی ہو، اور مالک زمین مردے کا اس میں دفن رہنا پسند نہ کرے، یا جس زمین میں دفن کیا گیا ہو، اس کو کسی نے آزار میں لے لیا ہو، اور وہ نہیں چاہتا ہو کہ مردہ اس زمین میں رہے، تو ایسے وقت کھودی جائے گی۔

مالک زمین کو اختیار

مالک زمین کو مردے کو نکالنے اور زمین کو ہموار کرنے کا اختیار دیا جائے گا، یعنی مالک زمین، زمین کے اندر اور باہر دونوں حصوں پر حق رکھتا ہے، کہ مردے کو اندر زمین میں رہنے دے اور اوپر

سے زمین برابر کر دے اور وہ چاہے تو اندر بھی نہ رہنے دے، مردے کو نکال دے۔

قبر پر مکان اور کاشت جس طرح یہ جائز ہے کہ جب مردہ پرانا ہو کر مٹی ہو گیا ہو تو قبر کی زمین جوت دی جائے اور اس پر عمارت بنادی جائے۔ کذا فی الترمذی۔

حاملہ کے پیٹ کا بچہ اگر حاملہ عورت مر گئی اور اس کے پیٹ کا بچہ زندہ ہو اور حرکت کر رہا ہو، تو جائز ہے کہ عورت کا پیٹ بائیں طرف سے آپریشن کر کے اس سے اس کا بچہ نکال لیا جائے اور اگر معاملہ برعکس ہو، یعنی بچہ پیٹ میں مر گیا ہو اور عورت زندہ ہو اور اس کی وجہ سے ماں کے مر جانے کا خطرہ ہو، تو اس صورت میں اس مردہ بچہ کاٹ کر پیٹ سے نکالا جائے گا اور اگر پیٹ کا بچہ زندہ ہو تو سا کو کاٹ کر نہیں نکالا جائے گا، اس لیے کہ ماں کے مرنے کا وہم ہے اور وہم کی وجہ سے بچہ کا قتل کرنا جائز نہیں ہوگا۔

مال نکل کر مر جائے تو کیا حکم اگر کوئی شخص کسی دوسرے کا مال نکل کر مر جائے تو کیا اس کا پیٹ چیر کر وہ مال نکالا جائے گا یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں اور بہتر یہ ہے کہ پیٹ چیر کر مال نکالا جائے گا۔ (لیکن اگر خود سے وہ مال پیٹ میں بلا قصد چلا گیا ہو تو مردہ کا پیٹ اس صورت میں چیرا نہیں جائیگا)

فروع الاتباع افضل من النوافل لو لقرا بته او جوار او فیه صلاح معروف یندب دفنه فی جهة موته و تعجیلہ و ستر موضع غسلہ فلا یراہ الاغانم و من یعینه و ان رأى به ما یکرہ لم یجز ذکرہ لحديث اذکروا محاسن موتاکم و کفوا عن مساویہم لا باس بنقلہ قبل دفنه بالاعلام بموته و بارثائہ بشعر او غیرہ لکن یکرہ الافراط فی مدحہ لا سیما عند جنازہ لحديث من تعزی بعزاء الجاهلیة و بتعزیة اہلہ و ترغیبہم فی الصبر و باتخاذ طعام لہم بالجلوس لہا فی غیر مسجد ثلثة ایام و اولہا افضل و تکرہ بعدہا الالغائب و تکرہ التعزیا ثانیاً و عند القبر و عند باب الدار و یقول عظم اللہ اجرک و احسن جزاءک و غفر لمیتک۔

نفل پڑھنے سے بہتر جنازہ کے ساتھ جانا ہے شارح کے بڑھائے ہوئے مسائل، نقل پڑھنے سے بہتر یہ ہے کہ مردے کے ساتھ چلا جائے

اگر مرنے والے کے ساتھ اس کی قرابت یا ہمسائیگی ہو، یا وہ نیک بخت ہو (بہتر اس وجہ سے ہے کہ اس میں ثواب زیادہ ہے) حسن سلوک بھی ہے۔ کذا فی الطحاوی

جہاں مرے وہیں کے قبرستان میں دفن مستحب یہ ہے کہ آدمی جس مقام پر مرا ہو، اس کو وہیں کے قبرستان میں دفن کیا جائے وہاں سے دوسرے مقام پر

نہ کیا جائے یہ بھی مستحب ہے کہ مرنے والے کے دفن میں جلدی کی جائے، اور جہاں اس کو غسل دیا جائے اس جگہ میں پروردگار کا غسل دلانے والوں اور اس کے معاون کے سوا دوسرے لوگ نہ دیکھیں، اور اگر مردہ میں کوئی ناگواریات دیکھی جائے تو مستحب یہ ہے کہ اس کو کہیں بیان نہ کیا جائے بلکہ اس طرح کی بات کا بیان کرنا ناجائز ہے، اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ

اپنے مرنے والوں کی خوبیاں بیان کرو اور ان کی برائیوں کے بیان کرنے سے باز رہو۔

جنازے کا منتقل کرنا اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ دفن سے پہلے مردے کو دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے (دفن کرنے کے بعد تو متفقہ طور پر منتقل کرنا درست نہیں ہے اور دفن سے پہلے منتقل کرنا بعضوں کے نزدیک درست ہے خواہ کتنا ہی فاصلہ ہو، اور بعضوں نے کہا ہے کہ اگر درمیان میں سفر کی مدت (۲۸ میل) نہ ہو تو منتقل کرنا درست ہے اور اس سے زیادہ فاصلہ ہو تو منتقل کرنا مکروہ ہے اور امام محمدؒ نے ایک دو میل کی فاصلہ کی قید لگائی ہے کہ اتنی دوری پر منتقل کرنا درست ہے اور اس سے زیادہ پر مکروہ ہے۔

مرنے کی اطلاع دوسروں کو دینا اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ مرنے والے کی موت کی خبر دوسروں کو دی جائے، تاکہ لوگ تجہیز و تکفین میں شریک ہوں اور اس کا حق ادا کریں۔

مرثیہ کہنا مرنے والے کے لیے مرثیہ کہنے میں بھی مضائقہ نہیں ہے اشعار میں یا غیر اشعار میں، لیکن تعریف میں مبالغہ کرنا مکروہ ہے بالخصوص جنازہ کے پاس رہ کر، اس حدیث کی وجہ سے جس میں اس کی ممانعت آئی ہے، اور کہا گیا ہے کہ جو کوئی ایام جاہلیت کے واویلا کی طرح واویلا کرے گا وہ ہم میں سے نہیں (جاہلیت کے واویلا سے مراد چیخا، نوحہ کرنا، کپڑا پھاڑنا وغیرہ ہیں جو ناجائز ہیں)

تعزیت کرنا مرنے والے متعلقین کی تعزیت کرنے، ان کو صبر دلانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ شرح منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے کہ تعزیت مستحب ہے۔ (اس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس نے اپنے بھائی کو کسی مصیبت میں صبر دلایا، اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن کرامت کا لباس پہنائے گا)

میت کے گھر والوں کو کھانا دینا میت کے گھر والوں کے لیے کھانا پکوانے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے (فتح القدیر میں ہے کہ میت کے ہمسایوں اور دور کے رشتہ داروں کے لیے مستحب ہے کہ میت کے گھر والوں کے لیے اس قدر کھانا پکوائیں اور ان کے یہاں بھجوائیں کہ وہ سب دو شام شکم سیر ہو کر کھا سکیں، حدیث میں ہے کہ جب حضرت جعفرؓ کے موت کی خبر آئی تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جعفر کے متعلقین کے لیے کھانا تیار کرو)

تعزیت کرنا اور غم منانا مسجد کے سوا دوسری جگہوں میں سوگ کے لیے تین دن بیٹھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، جس دن مردہ دفن ہو اس دن تعزیت کرنا افضل ہے اس لیے کہ اس دن غم اور وحشت زیادہ ہوتی ہے، لیکن تین دن کے بعد تعزیت مکروہ ہے۔ البتہ جو موجود نہ ہوں یا جس کو معلوم نہ ہو سکے وہ تین دن کے بعد بھی تعزیت کر سکتا ہے ان کے لیے مکروہ نہیں ہے، یا میت کا رشتہ دار مرنے کے دن ہو یا اس کے تین دن کے بعد آئے تو بھی اس کی تعزیت بعد میں کرنے میں کراہت نہیں۔

تعزیت میں کیا کہے اور دوبارہ تعزیت ایک دفعہ تعزیت کر چکنے کے بعد دوبارہ تعزیت کرنا مکروہ ہے قبر کے پاس بھی تعزیت مکروہ ہے، اسی طرح گھر کے دروازہ پر تعزیت مکروہ ہے تعزیت میں اس طرح کہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اجر و ثواب میں زیادتی فرمائے، آپ کو صبر جمیل کی دولت سے نوازے

اور مرنے والے کی مغفرت فرمائے۔

وبزيارة القبور و لو للنساء لحديث كنت نهيتكم عن زيارات القبور الا فزوروها و يقول السلام عليكم دار قوم مؤمنين و انا ان شاء الله بكم لاحقون و يقرأ يس و في الحديث من قرأ الاخلاص احد عشر مرة ثم وهب اجرها للاموات اعطى من الاجر بعدد الاموات و يحفر قبر نفسه و قيل يكره والذي ينبغي انه لا يكره تهيئه نحو الكفن بخلاف القبر يكره المشي في طريق ظن انه محدث حتى اذا لم يصل الى قبره الا بوطي قبر تركه لا يكره الدفن ليلا و لا اجلاس القارئ عند القبر و هو المختار عظم الذمي محترم انما يعذب الميت ببكاء اهله اذا اوصى بذلك كتب على جبهة الميت او عمامته او كفنه عهد نامه يرجي ان يغفر الله للميت اوصى بعضهم ان يكتب في جبهته و صدره بسم الله الرحمن الرحيم لفعل ثم ربي في المنام فسئل فقال لما وضعت في القبر جاء تني ملائكة العذاب فلما راوا مكتوب على جبهتي بسم الله قالوا آمنت من عذاب الله.

زیارت قبور

قبروں کی زیارت کرنے میں مضائقہ نہیں ہے، اگرچہ عورت زیارت کریں، اس حدیث کی وجہ سے جس میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا لیکن اب سن لو کہ قبروں کی زیارت کیا کرو۔ (مگر بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ عورتوں کے لیے قبروں کی زیارت حرام ہے، شارح نے کہا کہ اس میں مضائقہ نہیں ہے یعنی خلاف اولیٰ ہے خیر الدین رطبی نے تفصیل کی ہے کہ اگر عورتیں قبروں پر اس لیے جائیں کہ غم تازہ ہو اور قبروں پر رونا پیٹنا کریں تو اس صورت میں زیارت ہرگز جائیں نہیں، اور جس حدیث میں زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت کی گئی ہے اس سے اسی طرح کی عورتیں مراد ہیں، اور اگر عورتیں قبروں پر اس لیے جائیں کہ عبرت حاصل کریں اور صلحاء کی قبروں پر بطور تبرک جائیں اور عورتیں بوڑھی ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں، اور اگر جوان ہوں تو ان کے لیے زیارت مکروہ ہے، البتہ مردوں کے واسطے زیارت قبر مستحب ہے اور افضل یہ ہے کہ جمعہ کے دن زیارت قبر کے لیے حاضر ہو، یا جمعہ سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد)

زیارت کرنے والا قبرستان میں کیا کرے

زیارت کرنے والا جب قبرستان میں جائے تو یہ الفاظ کہے۔
السلام علیکم دار قوم مؤمنین و انا انشاء اللہ بکم لاحقون اور وہاں سورہ یسین پڑھے اور حدیث میں ہے کہ جو شخص گیارہ بار سورہ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب قبر والوں کو بخش دے تو مردوں کی گنتی کے برابر اس کو ثواب دیا جائے گا۔

زندگی میں قبر کھودنا

اپنے واسطے زندگی ہی میں قبر کھود کر رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور بعضوں نے کہا کہ یہ مکروہ ہے اور قاعدہ کے مطابق بات یہ ہے کہ کفن وغیرہ تیار کرنے میں کراہت نہیں ہے لیکن قبر تیار کرانے میں کراہت ہے (کراہت کی وجہ یہ لکھی ہے کہ یہ کسی کو معلوم نہیں ہے کہ وہ کہاں مرے گا لہذا متعین جگہ میں قبر

تیار کرانا اس نص کے خلاف ہوگا، طحاوی نے لکھا ہے کہ قبر تیار کرانا نص قرآنی کے خلاف نہیں ہے اس لیے کہ اس قبر سے کسی نہ کسی کو فائدہ ہوگا۔ اس کے کام نہ آئے گی تو کسی اور کے کام آئے گی۔

قبر سے ہو کر گزرنا اگر کسی قبر تک بغیر کسی قبر کو روندے بغیر نہیں پہنچ سکتا ہے تو اس قبر پر جانا چھوڑ دے۔

رات میں دفن کرنا اور قرآن پڑھوانا رات میں مردہ دفن کرنا مکروہ نہیں ہے (شرح منیہ میں ہے کہ دن میں دفن کرنا مستحب ہے کذا فی الثامی) قرآن پڑھنے والوں کو قبر کے

پاس بٹھانا مکروہ نہیں ہے قول مختار یہی ہے (اور الايضاح میں لکھا ہے کہ قبر کے پاس تلاوت کے لیے اس لیے بٹھائے کہ تلاوت اچھی ہو، اور باعث عبرت ہو تو قول مختار میں یہ مکروہ نہیں ہے۔

ذمی کی ہڈی ذمی کا فر کی ہڈی محترم ہے (لہذا اگر قبر میں اس کی ہڈی ملے تو اس کو توڑنا نہ جائے اور نہ اس کی توہین کی جائے)

رونے سے عذاب کمر کے لوگوں کے رونے سے مردہ پر اس وقت عذاب ہوتا ہے جب اس نے رونے کی وصیت کی ہو (اس سے اس سلسلہ میں جو اختلافی قول ہے وہ بھی باقی نہیں رہتا ہے۔

عہد نامہ لکھنا میت کی پیشانی یا عمامہ یا اس کے کفن پر عہد نامہ لکھا گیا تو توقع ہے کہ میت کو بخش دیا جائے گا۔ (عہد نامہ کے الفاظ مختلف ہیں یہ ایک طرح کی دعا ہے) مگر بعض دوسرے علماء نے فتویٰ دیا ہے کہ قرآن یا اسمائے الہی کفن وغیرہ پر نہ لکھا جائے فتح القدیر میں ہے کہ قرآن اور اسماء الہی کا روپے محراب اور دیواروں پر لکھنا مکروہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ مردہ کے کفن یا جسم پر لکھنا بدرجہ اولیٰ مکروہ ہوگا کہ وہاں اس کے ملوث ہونے کا اندیشہ ہے)

پیشانی پر بسم اللہ لکھنا کسی مرنے والے نے نصیحت کی تھی کہ میری پیشانی اور سینہ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھ دینا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا یعنی بسم اللہ الخ لکھ دی گئی، بعد میں کسی نے اس کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ کیا معاملہ ہوا، اس نے کہا کہ میں جب قبر میں ڈالا گیا تو میرے پاس عذاب کے فرشتے آئے، جب انہوں نے میری پیشانی پر بسم اللہ لکھی ہوئی دیکھی تو اس نے کہا کہ تو خدا کے عذاب سے بچ گیا (یہ لکھنا بغیر سیاہی صرف انگلی پھیر کر کیا گیا ہوگا اور اسی طرح لکھنے کو بعض فقہاء لکھتے ہیں روشنائی وغیرہ سے نہیں مگر یہ ظاہر ہے کہ شرعی احکام کا مدار خواب پر نہیں ہو سکتا ہے، اس لیے یہ کوئی دلیل نہیں بن سکتی ہے۔ واللہ اعلم)

باب الشہید

فعل بمعنى مفعول لانه مشهود له بالجنة او فاعل لانه حي عند ربّه فهو شاهد هو كل مكلف مسلم طاهر فالحائض ان رأت ثلثة ايام غسلت والا لا لعدم كونها حائضا ولم يُعذ

عليه السلام غسل حظلة لحصوله بفعل الملائكة بدليل قصة آدم قتل ظلما بغير حق بجارحة اى بما يوجب القصاص و لم يجب بنفس القتل مال بل قصاص حتى لو وجب المال بعارض كالصلح او قتل الاب ابنه لا تسقط الشهادة و لم يُرْتَك فلوارث غسل كما سيجئ .

شہید سے متعلق احکام و مسائل

شہید کی بھی موت ہوتی ہے مگر اس کو جو فضیلت حاصل ہے اس کے پیش نظر اس کے احکام و مسائل کو ایک الگ باب کے تحت ذکر کیا گیا ہے، باب الجنائز کے تحت بیان نہیں کیا گیا۔

شہید فعیل کے وزن پر ہے مگر معنی میں مشہود لہ کے ہے اس وجہ سے کہ اس کے لیے جنت سامنے لے آئی جاتی ہے، یا شہید بمعنی شاہد ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ پروردگار کے پاس حاضر ہونے والا ہے (بتانا چاہتے ہیں کہ اس وزن پر جو صفت کا صیغہ آتا ہے وہ اسم مفعول کے معنی میں بھی آتا ہے اور اسم فاعل کے معنی میں بھی، یہاں دونوں معنی ہو سکتے ہیں، شہید بمعنی مشہود بھی اور شہید بمعنی شاہد بھی)

جس شہید کا حکم بیان کیا جا رہا ہے یہ ہر وہ عاقل بالغ پاک مسلمان ہے جو ظلماً ناحق قتل کیا گیا ہو، (شہید کی یہ تعریف ان احکام کے پیش نظر کی گئی ہے جو آگے بیان کیے جائیں گے مطلق شہید کی تعریف یہ نہیں ہے، منشا یہ ہے کہ نابالغ اور دیوانہ شہید ہو گا تو اسے غسل دیا جائے گا اسی طرح حیض و نفاس والی عورت شہید ہو گی تو اسے بھی غسل دیا جائے گا، بالغ اور طاہر کی قید کا فائدہ یہی ہے)

حیض والی عورت نے اگر تین دن تک مسلسل خون آتے دیکھا ہے اس کے بعد وہ ظلماً ماری گئی تو اس کو غسل دیا جائے گا ورنہ غسل نہیں دیا جائے گا کیوں کہ جب تین دن تک مسلسل خون نہیں آیا تھا تو وہ حیض کا خون شمار نہیں ہو گا (بلکہ وہ استحاضہ کا خون ہو سکتا ہے)

حضرت خظلہ کا واقعہ آنحضرت ﷺ نے حضرت خظلہؓ کو دوبارہ اس وجہ سے غسل نہیں دیا کہ فرشتوں نے ان کو غسل دیدیا تھا اور ایسا ہوتا ہے چنانچہ آدم علیہ السلام کو بھی فرشتوں نے ہی غسل دیا تھا (حضرت خظلہ صحابی ہیں ان کی بیوی نے بتایا تھا کہ یہ حالت جنابت میں جہاد میں تشریف لے گئے تھے، تو قاعدہ میں ان کو غسل دینا چاہیے تھا، مگر غسل اس وجہ سے نہیں دیا گیا تھا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے بھائی خظلہؓ کو فرشتے غسل دے رہے ہیں)

شہادت میں قصاص کی شرط شہید وہ پاک عاقل بالغ مسلمان ہے جو ظلماً ناحق زخم لگانے والی چیز سے قتل کیا گیا ہو، اور وہ موجب قصاص ہو اور نفس قتل سے مال واجب نہ ہو بلکہ قصاص واجب ہو (جیسے تلوار، چاقو، چھری وغیرہ سے قتل کیا گیا ہو) لاشی وغیرہ سے مارا گیا ہو گا تو قصاص واجب نہیں ہو گا۔ لیکن کسی عارض کی

وجہ سے مال واجب ہوا ہوگا، قتل کی وجہ سے نہ ہوا ہوگا تو اس کی شہادت ساقط نہیں ہوگی جیسے قتل کے معاملہ میں مال پر کوئی صلح کر لے کہ نفس قتل کی وجہ واجب تو قصاص ہی تھا مگر صلح کی وجہ سے قصاص ساقط ہو گیا، یا باپ اپنے بیٹے کو قتل کر دے یہاں بھی نفس قتل سے قصاص ہی واجب ہے، مگر باپ ہونے کی وجہ سے اس سے قصاص ساقط ہو جائے گا۔ ان دونوں صورتوں میں شہادت ختم نہیں ہوگی، بلکہ شہید باقی رہے گا، اور اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔

شہید کو غسل نہ دینے کی شرط غسل نہ دینے کی ایک شرط یہ ہے کہ زخمی ہونے کے بعد زندہ نہ رہا ہو، لہذا اگر زخمی ہونے کے بعد زندہ رہا ہوگا تو غسل دیا جائے گا جیسا کہ آئندہ آرہا ہے، (اربعین زخمی کو زندہ حالت میں میدان جنگ سے اٹھالانے کو کہتے ہیں)

وَكُذًا يَكُونُ شَهِيدًا لَوْ قَتَلَهُ بَاغٌ أَوْ حَرْبِيٌّ أَوْ قَاطِعٌ طَرِيقٍ وَلَوْ تَسْبِيًا أَوْ بِغَيْرِ آلَةٍ جَارِحَةٍ فَإِنْ مَقُولُهُمْ شَهِيدٌ بَأَيِّ آلَةٍ قَتَلُوهُ لِأَنَّ الْأَصْلَ فِيهِ شَهَادَةُ أَحَدٍ وَلَمْ يَكُنْ كُلُّهُمْ قَتِيلًا سِلَاحًا أَوْ وَجَدَ جَرِيحًا مَيِّتًا فِي مَعْرَكَتِهِمُ الْمُرَادُ بِالْجَرَا حَةِ عِلَامَةُ الْقَتْلِ كَخُرُوجِ الدَّمِ مِنْ عَيْنِهِ أَوْ مِنْ أُذُنِهِ أَوْ حَلْقِهِ صَافِيًا لَا مِنْ أَنْفِهِ أَوْ ذَكَرِهِ أَوْ دُبُرِهِ أَوْ حَلْقِهِ جَامِدًا.

زندہ نہ پائے جانے کی صورتیں جن میں مقتول شہید شمار ہوتا ہے اور اسی طرح زندہ نہ پائے جانے کی وجہ سے اس وقت شہید شمار ہوگا جس اس کو کسی باغی نے قتل کیا ہو، یا کافر حربی نے قتل کیا ہو، یا ڈاکو (رہزن) نے قتل کیا ہو، اگرچہ انہوں نے کسی سبب کی وجہ سے قتل کیا ہو، اور گو غیر دھاردار آلے سے قتل کیا ہو، مگر وہ شہید ہی ہوگا، اس لیے کہ ان لوگوں کا قتل کیا ہوا شہید ہی ہوتا ہے، گو انہوں نے کسی بھی ہتھیار اور آلے سے قتل کیا ہو، اس لیے کہ شہادت میں اصل غزوہ احد کے شہید ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ یہ سب کے سب ہتھیار سے قتل نہیں کیے گئے تھے (یہ جو کہا کہ اگرچہ انہوں نے کسی سبب سے قتل کیا ہو، یہاں سبب کی مثال یہ ہے کہ وہ کسی کافر حربی، یا باغی یا رہزن سوار کے پاؤں تلے دب کر یا پھل کر مر گیا ہو یا انہوں نے کسی مسلمان کے ہی گھوڑے کو بھڑکا دیا ہو اور اس سے گر کر مر گیا ہو، یا انہوں نے جہاں جہاں رہتے ہوں وہاں آگ لگا دی ہو اور اس کی وجہ سے وہ مر گئے ہوں ان تمام صورتوں میں مسلمان شہید ہی شمار ہوگا)

میدان کارزار کا زخمی یا وہ شخص شہید شمار ہوگا جو میدان کارزار میں مردہ یا زخمی پایا گیا ہو، شارح نے بتایا کہ زخم سے مراد یہ ہے کہ اس کے جسم پر قتل کے نشانات ہوں خواہ ظاہر میں نشان ہو یا نہ ہو۔ مثلاً آنکھ، کان اور حلق سے صاف خون نکلنا مگر اس کی ناک، عضو تناسل، پاخانہ کے مقام یا حلق سے خون بستہ نکلنا علامت قتل نہیں ہے (شامی میں ہے کہ پہلی جگہ خون بستہ کہنا چاہیے اور دوسری جگہ صاف خون شارح نے برعکس کر دیا ہے)

فَيَنْزِعُ عَنْهُ مَا لَا يَصْلَحُ لِلْكَفْنِ وَ نَرَادُ أَنْ نَقْصُ مَا عَلَيْهِ عَنْ كَفْنِ السَّنَةِ وَ يَنْقُصُ أَنْ زَادَ لِأَجْلِ أَنْ يَتِمَّ كَفْنُهُ الْمَسْنُونُ وَ يَصْلِي عَلَيْهِ بِلَا غَسْلٍ وَ يَدْفِنُ بَدْمَهُ وَ ثِيَابَهُ لِحَدِيثِ زَمْلُوهُمْ بِكُلِّ مَوْجِبٍ وَ يَغْسِلُ مَنْ وَجَدَ قَتِيلًا فِي مِصْرَ أَوْ قَرْيَةٍ فِيمَا أَيْ فِي مَوْضِعٍ تَجِبُ فِيهِ

الدية ولو في بيت المال كالمقتول في جامع او شارع ولم يعلم قاتله او علم ولم يجب القصاص فان وجب كان شهيدا كمن قتله اللصوص ليلا في المصر فانه لا قسامة ولا دية فيه للعلم بانه قاتله اللصوص غاية الامر ان عينه لم تعلم فليحفظ فان الناس عنه غافلون او قتل بعد او قصاص اى يغسل و كذا بتعزير او افتراس سبع او جرح و ارتك و ذلك بان اكل او شرب او نام او تداوى و لو قليلا او آوى خيمة او مضى عليه وقت صلوٰۃ و هو يعقل و يقدر على ادائها او نقل من المعركة و هو يعقل سواء وصل حيا او مات على الايدي و كذا لو قام من مكانه الى مكان آخر بدائع لالخوف وطئ الخيل او اوصى بامور الدنيا و ان بامور الآخرة لا يصير مرثا عند محمد و هو الاصح جوهره لانه من احكام الاموات او باع او اشترى او تكلم بكلام كثير و الا فلا وهذا كله اذا كان بعد انقضاء الحرب و لو فيها اى في الحرب لا يصير مرثا بشيء مما ذكر و كل ذلك في الشهيد الكامل و الا فالمرث شهيد الآخرة و كذا الجنب و نحوه و من قصد العدو فاصاب نفسه والغريق والحريق والغريب والمهدوم عليه والمبطون والمطعون والنفساء والميت ليلة الجمعة و صاحب ذات الجنب و من مات و هو يطلب العلم و قد عذهم السيوطي نحو الثلثين.

شہید کی تجہیز و تکفین شہید کے بدن سے وہ چیز اتار لی جائے گی جو کفن کے لائق نہ ہوگی، اور اگر بدن پر کپڑے مسنون کفن سے کم ہوں گے تو وہ بڑھائے جائیں گے، اور لباس میں جو کپڑا کفن مسنون سے زیادہ ہو گا وہ کم کر دیا جائے گا، یہ کم و بیش اس لیے کیا جائے گا تاکہ مسنون کفن پورا ہو جائے۔ (لہذا پو ستین، موزہ، ٹوپی، زرہ، ہتھیار اتار دیئے جائیں گے)

شہید کی نماز جنازہ شہید کی نماز جنازہ اس کو بغیر غسل دیئے ہوئے پڑھی جائے گی اور اس کو اس کے خون اور کپڑوں سمیت دفن کیا جائے گا اس لیے کہ حدیث نبوی ہے کہ شہیدوں کو ان کے کپڑوں میں ان کے زخموں کے ساتھ لپیٹو (یہ ارشاد آنحضرت ﷺ نے غزوہ احد کے شہیدوں کے لیے فرمایا تھا، انہی شہداء کے سلسلہ میں آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ان کے بدن سے لوہا اور پو ستین اتار لو، اور ان کو انکے کپڑوں اور زخموں کے ساتھ دفن کرو)

دیت بیت المال سے اگر کوئی شخص شہر اور آبادی کی ایسی جگہ میں مقتول پایا جائے گا جس میں خون بہا واجب ہوتا ہے خواہ بیت المال سے ہو، اور اس کے قاتل کا پتہ نہ مل سکے یا قاتل کا پتہ ہو مگر اس پر قصاص واجب نہ ہو تا تو اس کو غسل دیا جائے گا بیت المال سے قصاص واجب ہونے کی صورت یہ ہے کہ مثلاً کوئی جامع مسجد میں یا شاہراہ پر قتل کیا ہو پایا گیا تو اس کی دیت بیت المال سے دی جائے گی۔

شہر میں چوروں کا مقتول

اگر قاتل معلوم ہو اور اس کی وجہ سے قصاص بھی واجب ہو تو وہ مقتول بھی شہید ہوگا جیسے وہ شخص جس کو چوروں نے شہر کے اندر رات میں قتل کر دیا ہو تو اس صورت میں محلے والوں پر نہ قسامت ہے اور نہ دیت، اس لیے کہ یہ معلوم ہے کہ اس کے قاتل چور ہیں، زیادہ سے زیادہ یہ بات ہے کہ متعین طور پر چوروں کا نام معلوم نہیں ہے، لہذا یہ مقتول شہید ہوگا۔

کس کو غسل دیا جائے گا کس کو نہیں

اور اس شخص کو بھی غسل دیا جائے گا جو حد یا قصاص میں قتل کیا جائے، اسی طرح جو شخص تعزیر میں قتل کیا گیا ہو یا اس کو درندوں نے پھاڑ ڈالا ہو یا وہ زخمی ہو اور زندہ ہو اور زندہ رہنے سے مراد یہ ہے کہ زخم لگنے کے بعد اس نے کھایا ہو، پیایا ہو، یا سویا ہو، یا دوا علاج کیا ہو گویا باتیں بہت مختصر سی ہوئی ہوں یا اس نے کسی خیمہ میں پناہ لی ہو، یا اس پر ایک نماز کا وقت گذر چکا ہو، اور وہ عقل و ہوش رکھتا ہو اور نماز کے ادا کرنے پر قادر ہو یا میدان جنگ سے ہوش کی حالت میں اٹھایا گیا ہو، خواہ وہ زندہ پہنچا ہو یا لاتے ہوئے ہاتھوں میں دم توڑ دیا ہو، اور اسی طرح اپنی جگہ سے اٹھ کر دوسری جگہ گیا ہو، تو ان تمام صورتوں میں اس کو غسل دیا جائے گا۔ اسی طرح اس کو میدان جنگ سے اس خوف سے اٹھایا گیا تھا کہ گھوڑے سے رونداجائے گا یا پس جائے گا تو اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔

زخم کے بعد وصیت اور پھر موت

اگر زخمی نے زخم لگنے کے بعد دنیا کے کاموں کے متعلق وصیت کی ہو تو وہ بھی زندہ شمار ہوگا اور اس کو مرنے کے بعد غسل دیا جائے گا، اور اگر اس نے امور آخرت کے متعلق وصیت کی ہو تو وہ امام محمدؒ کے نزدیک ایسا زندہ شمار نہیں ہوگا جس کو اصطلاح میں ارثاٹ کہتے ہیں اور یہی قول زیادہ صحیح ہے اس وجہ سے کہ امور آخرت سے متعلق وصیت امعات کے احکام سے ہے (لہذا اس کو غسل نہیں دیا جائے گا) یا زخم لگنے کے بعد اس نے خرید و فروخت کیا ہو، یا بہت بات چیت کی ہو، تو وہ زندہ شمار ہوگا اور اس کو غسل نہیں دیا جائے گا البتہ اگر زخم کے بعد زیادہ بات نہ کر سکا ہو تو وہ زندہ شمار نہ ہوگا اور اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔

درمیان جنگ علامت زندگی کا اعتبار نہیں

یہ سب باتیں جن کی وجہ سے شہادت ناقص ہوتی ہے اور جن کا اوپر ذکر ہوا ہے اس صورت میں ہے کہ لڑائی ختم ہو چکی ہو اور اگر یہ سب باتیں لڑائی کے درمیان پیش آئی ہوں تو وہ مرنے والا ان میں سے کسی وجہ سے مرث شمار نہیں ہوگا یعنی زندہ رہنے والا نہیں سمجھا جائے گا اور تمام صورتوں میں وہ شہید کامل شمار ہوگا اور اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔

شہید کامل اور شہید آخرت

اوپر یہ جو شرطیں ذکر کی گئی ہیں یہ سب شہید کامل کی ہیں، جو دنیا اور آخرت دونوں میں شہید قرار پایا ہے ورنہ وہ شخص جو زخمی ہونے کے بعد زندہ رہتا ہے وہ بھی شہید آخرت ضرور ہوتا ہے یعنی شہادت کا ثواب پاتا ہے گو شہید دنیا نہیں ہوتا یعنی وہ بغیر غسل و دفنایا نہیں جائے گا اسی طرح جو حالت جنابت اور اسی طرح کی دوسری چیزوں میں قتل کیا گیا ہو وہ بھی شہید آخرت ہے اور اس کو شہادت کا ثواب حاصل ہوگا۔

شہید کامل کی چھ شرطیں مذکور ہوئی ہیں: (۱) عاقل ہونا (۲) بالغ ہونا (۳) پاک ہونا (جنابت وغیرہ سے) (۴) ظلماً قتل ہونا یا جہاد میں قتل ہونا (۵) مالی عوض کا واجب نہ ہونا (۶) زخمی ہونے کے بعد مذکورہ بالا امور سے منقطع نہ ہونا۔

شہید دنیا کی مراد یہ ہے کہ اس کو غسل نہیں دیا جائے گا سوائے اس کے کہ وہ ناپاک (حالت جنابت میں) رہا ہو، اور شہید آخرت کی مراد یہ ہے کہ جو ثواب شہداء کے لیے ثابت ہے اس کو بھی حاصل ہوگا۔

آخرت کا شہید باعتبار ثواب وہ بھی ہوگا جس نے دشمن کو مارنے کا ارادہ کیا، اور وہ زخم خود اسی کو لگ گیا، اور شہید آخرت وہ بھی ہے جو ڈوب کر مرا ہو، جو جل کر مرا ہو، جو حالت سفر

شہید آخرت کی تعداد

میں مرا ہو، جس پر مکان گر گیا ہو اور وہ اس میں دب کر مرا ہو، وہ جو پیٹ کی بیماری سے مرا ہو، جیسے دست استقام، وہ جو طاعون یعنی وبائی بیماری میں مرا ہو، وہ عورت جو حالت نفاس میں مری ہو، خواہ جننے کے وقت مری ہو یا مدت نفاس میں، وہ شخص جو جمعہ کی رات میں مرا ہو، وہ جو ذات الجنب کی بیماری میں مرا ہو، وہ جو طالب علمی کی حالت میں مرا ہو، خواہ وہ پڑھ رہا ہو، خواہ پڑھاتا ہو خواہ تصنیف و تالیف میں مشغول ہو، یہ سب کے سب شہید آخرت ہیں، ان سب کو شہادت کا ثواب ملے گا اور علامہ جلال الدین سیوطی نے شہید آخرت کی تعداد تقریباً تیس بتائی ہے، واللہ اعلم۔

علامہ سیوطی نے اپنی ایک کتاب میں اس کی تفصیل اس طرح کی ہے: (۱) پیٹ کی بیماری میں مرنے والا، (۲) ڈوب کر مرنے والا (۳) دب کر مرنے والا (۴) ذات الجنب کی

علامہ سیوطی کے نزدیک

بیماری سے مرنے والا (۵) جو عورت پیٹ کے حمل وغیرہ کی وجہ سے مر جائے (۶) سبل کی بیماری سے مرنے والا (۷) حالت سفر مرنے والا (۸) مرگی سے مرنے والا (۹) بخار میں مرنے والا (۱۰) اپنے گھر کی حفاظت کے سلسلہ میں مرنے والا (۱۱) مال کی حفاظت میں مرنے والا (۱۲) جان کی حفاظت کے سلسلہ میں مرنے والا (۱۳) ظلم سے مرنے والا (۱۴) عشق میں مرنے والا بشرطیکہ پارسا ہو اور عشق چھپا کر رکھتا ہو (۱۵) گلے میں پانی اٹک کر مرنے والا (۱۶) درندہ نے پھاڑ کر مارا ہو (۱۷) جس کو بادشاہ نے ظلم مارا اور وہ مر گیا (۱۸) جس کو بادشاہ نے زبردستی پٹوایا ہو (۱۹) یا بادشاہ کے خوف سے چھپتا پھرتا ہو اور اسی حالت میں مر گیا (۲۰) جو سانپ بچھو کے ڈسنے سے مرا ہو (۲۱) جو علم شرعی کے طلب میں مرا ہو (۲۲) جو ثواب کی نیت سے اذان دیتا ہو اور مر گیا ہو (۲۳) جو سوداگر بچ بولتا ہو اور وہ مر گیا ہو (۲۴) جو اپنے بال بچوں اور ماتحتوں میں اللہ تعالیٰ کا حکم جاری کرتا ہو اور حلال کمائی سے ان کو کھلاتا ہو اور وہ مر گیا ہو (۲۵) جس کی جہاز میں متلی اور تے سے موت واقع ہوئی ہو (۲۶) جس عورت نے غیرت پر قائم رہ کر صبر کیا ہو اور مر گئی ہو (۲۷) جو شخص روزانہ ۲۵ مرتبہ یہ کلمات پڑھتا ہو اللھم بارک لی فی الموت و فی ما بعد الموت (۲۸) جو شخص پابندی کے ساتھ نماز چاشت پڑھتا ہو اور ہر مہینے میں تین روزے رکھتا ہو اور ترک نہ کرتا ہو (۲۹) جو شخص امت میں فساد کے وقت سنت نبوی پر مضبوطی سے قائم ہو (۳۰) جس شخص نے اپنے مرض الموت میں چالیس بار لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین پڑھتا رہا ہو کذابی الطحاوی۔ شامی نے علماء مالکیہ کے حوالہ سے کچھ اور اضافہ کیا ہے۔ مثلاً جو ہر شب سورہ یسین پڑھے جو سواری کے جانور سے گر کر مر جائے، جو رات کو طہارت کے ساتھ سوئے اور مر جائے، جو شخص لوگوں کی زندگی بھر مدارات کرتا رہے، جو شخص ہر روز ہر روز سو بار درود شریف پڑھے، جو شخص سچے دل سے اللہ کی راہ میں قتل ہونے کی دعا مانگے، جو شخص ضرورت کے وقت لوگوں میں غلہ تقسیم کرے، جو شخص جمعہ کے دن انتقال کرے، ان تمام کے لیے احادیث میں شہادت کا ثواب آیا ہے اور یہ سب شہید آخرت شمار ہوں گے۔

باب الصلوة فی الکعبہ

فی الباب زیادة علی الترجمة و هو حسن یصح فرض و نفل فیها وفوقها و لو بلا سترة لان القبلة عندنا هی العرصة والهواء الی عنان السماء و ان کره الثالی للنهی و ترک التعظیم منفردا او بجماعة و ان وصلیة اختلفت وجوههم فی التوجه الی الکعبہ الا اذا جعل قفاه الی وجه امامه فلا یصح اقتداؤه لتقدمه علیه و یکره جعل وجهه لوجهه بلا حائل و لو لجنبه لم یکره لہی اربع وتصح لو تحلقوا حولها و لو کان بعضهم اقرب الیها من امامه ان لم یکن فی جانبہ لتاخره حکما و لو وقف مستامنا لورکن فی جانب الامام و کان اقرب لم ارہ و ینبغی الفساد احتیاطا لترجیح جهة الامام و هذه صورته مقتدی و کذا لو اقتدوا من خارجها بامام فیها والباب مفتوح صح لانه کقیامہ فی المحراب.

کعبہ میں نماز پڑھنے سے متعلق مسائل واحکام

اس باب میں کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کی کیفیت بیان کی گئی ہے، چنانچہ اس میں عنوان کی نسبت مضمون زیادہ ہے اور یہ اچھی بات ہے کہ عنوان سے زیادہ بیان کیا جائے زیادہ یہ ہے کہ کعبہ کے اگر گرد اور اس کے اوپر نماز پڑھنے کے احکام اور طریقے بھی بیان کیے گئے ہیں۔

قبلہ زمین سے آسمان تک کعبہ کے اندر اور اس کے اوپر فرض اور نفل نماز درست ہے اگرچہ بغیر سترہ ہو، اس لیے کہ ہمارے نزدیک قبلہ میدان سے لے کر آسمان تک کی فضا ہے۔ (امام مالک کے نزدیک کعبہ کے اندر نماز درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ جب کسی ایک طرف منہ کرے گا تو دوسری طرف اس کی پشت ہوگی اور وہ سمت بھی قبلہ ہی ہوگی) اور ہم یہ کہتے ہیں کہ کعبہ کے جس جز اور حصہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے گا نماز ہو جائے گی اس لیے کہ وہ بھی قبلہ ہی ہوگا، باقی کعبہ کے کسی حصہ کی طرف پشت کرنے یا ہونے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے یہ ظاہر ہے کہ صرف کعبہ ہی قبلہ نہیں ہے بلکہ وہ جگہ زمین سے آسمان تک قبلہ کے حکم میں ہے۔

کعبہ کی چھت پر نماز خانہ کعبہ کی چھت پر نماز مکروہ ہے اس لیے کہ اس سے منع کیا گیا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ تعظیم کعبہ کے بھی خلاف ہے (شرح مبسوط میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سات جگہوں پر نماز کی تھی)

میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، اول اونٹ کے بیٹھنے کی جگہ میں، دوم قبرستان میں، سوم نجاست ڈالنے کی جگہ میں، چہارم شاہرہ یعنی عام سڑک پر، پنجم جانوروں کے ذبح کرنے کی جگہ میں، ششم خانہ کعبہ کی چھت پر، ہفتم غسل خانہ کے اندر۔

کعبہ کے اندر نماز کعبہ کے اندر تنہا بھی نماز صحیح ہے اور جماعت کے ساتھ بھی، اگرچہ جماعت میں مقتدیوں کے چہرے کعبہ کی مختلف سمت میں ہوں، البتہ اس صورت میں اقتداء اور نماز درست نہیں ہوگی جب مقتدی کی پشت امام کے چہرے کی طرف ہو، اس وجہ سے کہ اس صورت میں مقتدی امام کے آگے ہو جائے گا۔

مقتدی اور امام کا رخ مقتدی کے لیے مکروہ ہے کہ وہ اپنا چہرہ امام کے چہرے کی طرف کرے، اور دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو، اس لیے کہ یہ صورت پرستی کے مشابہ ہو جائے گا، اور اگر مقتدی اپنا منہ امام کے پہلو کی طرف کرے گا تو یہ مکروہ نہیں ہوگا، لہذا یہ چار صورتیں ہوں گی (اول یہ کہ مقتدی کا منہ امام کے منہ کی طرف ہو یہ صورت مکروہ ہے، دوم مقتدی کا منہ امام کے پہلو کی طرف ہو، یہ بلا کراہت جائز ہے، سوم مقتدی کا منہ امام کی پشت کی طرف ہو یہ بھی بلا کراہت درست ہے، چہارم یہ کہ مقتدی کی پشت امام کے منہ کی طرف ہو یا صورت جائز نہیں ہے کذا فی المخطوطی)

کعبہ کے ارد گرد نماز کی کیفیت کعبہ کے گرد اگر حلقہ کر کے نماز ادا کریں تو یہ بھی جائز ہے۔ اگرچہ بعض مقتدی امام کے اعتبار سے کعبہ سے زیادہ قریب ہوں، بشرطیکہ امام کی سمت میں زیادہ قریب نہ ہوں، اور کعبہ سے قریب والوں کی نماز اس لیے درست ہے کہ وہ حکماً امام کے پیچھے ہی رہے گا (یہ کعبہ سے باہر نماز کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ کعبہ کے گرد اگر حلقہ کی صورت میں نماز درست ہوتی ہے، اس لیے کہ آنحضرت ﷺ کے وقت سے اس طرح نماز ہوتی آئی ہے، جو شخص امام کی نسبت سے کعبہ سے قریب تر ہے اس میں یہ دیکھا جائے گا کہ وہ شخص اسی طرف تو نہیں ہے جس طرف امام ہے اگر ایسا ہوگا تو اس کی نماز نہیں ہوگی کیوں کہ اس صورت میں مقتدی آگے ہو جائے گا اور امام پیچھے ہوگا اگر مقتدی دوسری جانب میں ہے اور کعبہ سے بہ نسبت امام کے قریب تر ہے تو اس کی نماز ہو جائے گی۔ اگر کوئی مقتدی اس کونے کی سیدھ میں ہو جو امام کی جانب میں ہے اور بہ نسبت امام کے وہ کعبہ سے زیادہ قریب ہے تو اس مسئلہ کا حکم میں نے کہیں نہیں دیکھا اور احتیاط کی رو سے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی کی نماز فاسد ہو جانی چاہیے کیوں کہ امام کی جہت غالب ہوتی ہے اور اس کی صورت یہ ہے۔

امام کعبہ کے اندر ہو اور مقتدی باہر اسی طرح اگر مقتدی کعبہ کے باہر رہ کر اس امام کی اقتداء کرے، جو کعبہ کے اندر ہو اور کعبہ کا دروازہ کھلا ہو، تو یہ اقتداء درست ہے اس لیے کہ یہ صورت ایسی ہوگئی جیسے امام محراب میں ہو اور مقتدی باہر اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اس طرح مقتدی کی بھی نماز ہو جاتی ہے اور امام جو کعبہ کے اندر کھڑا ہے اس کے ساتھ اندر مقتدی ہوں، یا نہ ہوں دونوں صورتوں میں نماز جائز ہوگی۔ دروازہ کھلے رہنے کی قید اس لیے لگائی تاکہ اس سے امام کا حال معلوم ہوتا رہے کہ امام کب رکوع میں گیا اور کب سجدہ میں یوں اگر دروازہ بند ہوگا اور کبتر اس کی آواز پہنچاتا رہے گا، تو بھی مقتدی کی نماز جائز ہوگی البتہ چوں کہ امام قد آدم اونچائی پر ہوگا اور مقتدی نیچے اس لیے کراہت آجائے گی، واللہ اعلم۔

کتاب الزکوٰۃ

قرنها بالصلوة فی اثین و ثمانین موضعا فی التنزیل دلیل علی کمال الاتصال بینہما و فرضت فی السنة الثانیة قبل فرض رمضان ولا تجب علی الانبیاء اجماعا ہی لغة الطہارة والنماء و شرعا تملیک خرج الاباحۃ فلو اطعم یتیمناویا الزکوٰۃ لا یجزیہ الا اذا دفع الیہ المطعوم کما لو کساه بشرط ان یعقل القبض الا اذا حکم علیہ بنفقتہم مضمرات خلافا للثانی بزازیة جزء مال خرج المنفعة فلو اسکن فقیر ادارہ سنة ناویا لا یجزیہ عینہ الشارع و هو ربع عشر نصاب حولی خرج النافلة والفطرة من مسلم فقیر ولو معتوها غیر ہاشمی و لا مولاه ای معتقہ و هذا معنی قول الكنز تملیک المال ای المعہود اخراجه شرعا مع قطع المنفعة عن المملک من کل وجه فلا یدفع لاصلہ و فرعہ.

زکوٰۃ سے متعلق احکام و مسائل

قرآن پاک میں زکوٰۃ کا بیان صلوٰۃ سے متصل بیاسی جگہوں میں ہے یہ دونوں کے کمال اتصال کی دلیل ہے، زکوٰۃ رمضان کے روزے کے فرض ہونے سے پہلے دوسری ہجری میں فرض ہوئی (طحاوی نے لکھا ہے کہ بیاسی جگہ کی تعداد صحیح نہیں ہے، نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر قرآن میں بتیس مقامات میں ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے استاذ نے اس کو شمار کیا ہے) زکوٰۃ انبیاء علیہم السلام پر بالاتفاق واجب نہیں ہے (عدم وجوب کی وجہ علماء نے یہ لکھی ہے کہ انبیاء کرام اپنے پاس کی چیزوں کو امانت سمجھتے تھے، جہاں خرچ کا موقع ہوتا خرچ کرتے تھے، اور بے موقع خرچ کرنے سے منع فرماتے تھے، دوسری وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ اس شخص کے حق میں طہارت اور پاکیزگی ہے، جو گناہوں سے آلودہ ہو، اور انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں)

زکوٰۃ کے معنی اور یہ کہ اباحت سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی

زکوٰۃ کے معنی لغت میں پاک ہونا اور بڑھنا ہے اور شریعت میں زکوٰۃ نام ہے فقیر کو اس حصہ مال کا مالک بنادینا جو شارع نے متعین کر دیا ہے، شارح نے بتایا کہ تملیک کی قید سے اباحت نکل گیا، جس کے معنی ہیں کسی چیز کا مباح کر دینا، لہذا اگر کوئی شخص کسی یتیم کو زکوٰۃ کی ادائیگی کی نیت سے کھانا کھلا دے گا، تو وہ کافی نہیں ہوگا، اور زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اس لیے کہ اس میں تملیک نہیں ہوتی ہے، ہاں اگر کھانا کا یتیم کو مالک بنا کر اس کے حوالہ کر دے گا تو البتہ زکوٰۃ ادا ہوگی،

جیسے کوئی کسی مستحق اور یتیم کو کپڑا پہنا دے، بشرطیکہ وہ یتیم قبضہ کو سمجھتا ہو، اور وہ چیز کو نہ پھینک دیتا ہو، مگر جب اس شخص پر یتیم کا لفظ کا فیصلہ کر دیا گیا ہو گا تو اب کپڑا پہنانے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، کذا فی المفصلات (سمجھانہ جائے گا یہ اس پر از روئے فیصلہ ضروری تھا) یہ مسئلہ امام ابو یوسفؒ کے خلاف ہے کذا فی الہمز از یہ (امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اباحت سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔)

(کسی پر یتیم کے نفقہ کے فیصلہ کی صورت یہ ہوگی کہ قاضی نے کسی وجہ سے کسی شخص کے ذمہ لازم کر دیا ہو کہ وہ اس کو نفقہ دیا کرے، اس فیصلہ کے بعد اگر وہ نفقہ کی چیز کو زکوٰۃ میں شمار کرے گا تو اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اس لیے کہ قاضی کے حکم کی تعمیل اس پر واجب ہے اور وہ اسی کی تعمیل میں یہ خرچ کر رہا ہے لہذا اس کو زکوٰۃ کی ادائیگی میں سمجھنا کسی طرح درست نہیں ہوگا)

اباحت و تملیک میں فرق (اباحت و تملیک میں فرق یہ ہے کہ اباحت سے اس چیز کا کام میں لانا مباح ہو جاتا ہے، وہ اس میں جو چاہے تصرف نہیں کر سکتا ہے، اور تملیک کے بعد اس کو اس مال میں ہر طرح کے تصرف کا حق ہو جاتا ہے کیوں کہ وہ مالک ہو جاتا ہے، مثلاً کھانا کھلانا ہے اس میں یتیم کو صرف کھانے کا اختیار رہتا ہے اس میں وہ دوسرا تصرف نہیں کر سکتا ہے، اور اگر کھانا دے کر اس کو مالک بنادے تو وہ اس میں جو چاہے تصرف کر سکتا ہے خواہ خود کھائے خواہ دوسرے کو کھلا دے، یا فروخت کر دے)

نفع سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی مال کے ایک ایسے حصہ کا مسلمان مستحق کو مالک بنادینا زکوٰۃ ہے جس کو شارح نے مقرر کر دیا ہو، اور وہ حصہ اس نقد مال کا چالیسواں حصہ ہے جس پر سال گذر چکا ہو، شارح نے بتایا کہ ”مال کا حصہ“ کہنے سے ”نفع“ خارج ہو گیا یعنی نفع زکوٰۃ میں محسوب نہیں ہوگا مثلاً کسی نے کسی فقیر کو اپنے گھر میں سال بھر ادائے زکوٰۃ کی نیت سے رکھا، تو اس سے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اس لیے کہ اس صورت میں گھر والے نے نفع کا مالک بنایا ہے مال کا مالک نہیں بنایا۔ اور چالیسویں حصہ کی قید سے صدقہ نافلہ نکل گیا اور صدقہ فطر بھی، صدقہ نافلہ اس وجہ سے کہ اس کی کوئی تعیین نہیں ہوتی ہے اور صدقہ فطر اس وجہ سے کہ وہ مال کا چالیسواں حصہ نہیں ہوتا۔

تملیک المال اور تملیک جزاء المال مسلمان محتاج جس کو مالک بنایا ہے وہ گونا گویا عقل ہو تو بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی شرط یہ ہے کہ وہ نہ ہاشمی ہو اور نہ بنو ہاشم کا آزاد کردہ غلام ہو، اور صاحب کنز کے قول ”تملیک المال“ کی یہی مراد ہے یعنی اس مال کا مالک بنانا جس کا نکالنا شرعاً معلوم ہے (مصنف تنویر الابصار نے زکوٰۃ کی تعریف میں ”تملیک جزاء مال عینہ الشارع“ کا جملہ لکھا ہے، اور صاحب کنز نے تملیک المال کہا ہے جزء المال کا لفظ نہیں کہا ہے، شارح کہتے ہیں مال اور نتیجہ کے اعتبار سے دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے کیوں کہ کنز میں ”المال“ سے متعین مال مراد ہے، اس میں الف لام عہد کا ہے وہی مال جس کو شارح نے متعین کیا ہے۔

اپنی منفعت ختم کر دینا مسلمان مستحق کو زکوٰۃ کے مال کا اس طرح مالک بنادینا ہے کہ زکوٰۃ دینے والے کی ہر طرح کی منفعت اس مال سے منقطع ہو جائے۔ لہذا زکوٰۃ ادا کرنے والا اپنی زکوٰۃ نہ اپنے اصل (یعنی ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی) کو دے گا اور نہ اپنی فرخ (بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی اور نواسہ، نواسی) کو دے گا اس لیے کہ ان کے دینے میں فی الجملہ اس کی منفعت ہے۔

لِلّٰہِ تَعَالٰی بَیَانُ لَاشْتِرَاطِ النِّیَّةِ وَ شَرْطِ افْتِرَاضِهَا عَقْلَ وَ بُلُوغَ وَ اِسْلَامَ وَ حَرِیَّةَ وَ الْعِلْمَ بِہِ

ولو حکما ککونه فی دارنا وسببه ای سبب افتراضها ملک نصاب حولی نسبة للحول
لحولانه علیه تام بالرفع صفة ملک خرج مال المكاتب اقول انه خرج باشتراط الحرية علی
ان المطلق ينصرف الی الکامل و دخل ما ملک بسبب خبیث کمغصوب خلطه اذا کان له
غیره منفصل عنه یوفی دینه فارغ عدن دین له مطالب من جهة العباد سواء کان لله
کزکوٰۃ و خراج او للعبد ولو کفالة او موجلا ولو صدق زوجته المؤجل للفراق او نفقة
لزمته بقضاء اورضاء بخلاف دین نذر و کفارة و حج لعدم المطالب ولا يمنع الدین
وجوب عشر و خراج و کفارة و فارغ عن حاجته الاصلية لان المشغول بها کالمعدوم
و لسه ابن الملك بما يدفع عنه الهلاك تحقیقا کثیابه او تقدیرا کدینه نام ولو تقدیرا
بالقدرة علی الاستمناء ولو بنائبه.

شرائط فرضیت زکوٰۃ زکوٰۃ کے فرض ہونے کی شرطیں یہ ہیں عاقل ہونا، بالغ ہونا، مسلمان ہونا، آزاد ہونا اور فرض
ہونے کو جاننا، اگرچہ فرض ہونے کا علم حکم کی رو سے ہو، جیسے صاحب نصاب کا دارالاسلام میں
ہونا کہ یہاں بے علمی عذر نہیں ہو سکتی ہے، ہاں اگر کوئی حربی کا فردا الحرب میں مسلمان ہوا اور چند سال وہاں رہا اور اس کو زکوٰۃ
کے فرض ہونے کا علم نہیں ہوا تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، ان قیود سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ نہ پاگل کے مال میں فرض ہے، نہ
تابلغ بچے کے مال میں، نہ کافر اور غلام کے مال میں۔

زکوٰۃ کے فرض ہونے کا سبب اس نصاب مال کا پورا مالک ہونا ہے جس پر سال گذر چکا ہو، اس قید سے مکاتب کامل نکل گیا
اس وجہ سے کہ اس پر مکاتب کو ملک کامل حاصل نہیں ہوتی ہے اور جب تک ملک کامل نہ ہو اس کے مال پر زکوٰۃ نہیں ہے (یہاں
سال سے مراد قمری سال ہے، شمسی سال مراد نہیں ہے، قمری سال شمسی سال سے نسبتاً چھوٹا ہوتا ہے۔
شارح کہتا ہے کہ میں کہتا ہوں کہ حریت کی شرط سے مکاتب تو نکل ہی چکا ہے اس کے علاوہ ایک بات یہ ہے کہ مطلق
ملک سے ملک تام مراد ہوگی اس لیے کہ مطلق سے فرد کامل مراد ہوا کرتا ہے، لہذا ملک کامل ملک تام ہوگی (شارح کہنا چاہتا ہے
کہ یہاں ”تام“ لانا ضروری نہیں تھا، یہ ایک علمی بحث ہے جس کی تفصیل یہاں بے فائدہ ہے، البتہ یہ بات طے ہے کہ تام کا لفظ
لانا فائدہ سے خالی نہیں)

سبب خبیث والے مال کی زکوٰۃ جس نصاب پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، اس میں وہ مال بھی داخل ہوگا، جس کا
مالک کوئی خبیث سبب سے ہوا ہوگا جیسے کسی نے چھینی ہوئی چیز کو اپنے مال میں
ملا دیا، بشرطیکہ اس کے پاس اس مال مخلوط کے سوا دوسرا اتنا مال بھی پایا جاتا ہو، جس سے مال مغصوب والا قرض وہ ادا کر سکے۔

(مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس اپنا ذاتی مال پہلے سے تھا اس نے اس میں دوسرے کا مال چھین کر اس طرح
ملا لیا کہ اب چھینا ہوا مال اس سے جدا نہیں ہو سکتا ہے امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی دوسرے کے مال کو اس طرح زبردستی لے
کر ملا لے، تو یہ ضائع کر دینے کے حکم میں ہے اور اس پر اس چھینے ہوئے مال کا تاوان لازم ہوگا، لہذا جس نے ملایا ہے وہ اس چھینے

ہوئے مال کا مالک ہو گیا لہذا اب وہ سب کی زکوٰۃ ادا کرے گا، مگر شرط یہ ہے کہ چھیننے والے کے پاس اس طے ہوئے مال کے علاوہ مال اور پایا جائے جس سے وہ اس تاوان لازم کو ادا کر سکے لیکن اگر اس کے پاس علیحدہ سے اس قدر مال نہیں ہے، تو اس چھیننے والے پر اس چھینے ہوئے مال کی جس کو ملا لیا ہے زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی کیوں کہ یہ غیر کا حق ہے جو اس کے مال میں مل گیا ہے، صاحبین کے یہاں چھینے ہوئے مال کا چھیننے والا کسی حال میں مالک نہیں ہوتا ہے لہذا اس کی زکوٰۃ ان کے نزدیک واجب نہیں ہوگی)

زکوٰۃ کے واجب ہونے کا سبب نصاب کا مالک ہونا ہے لیکن یہ نصاب ایسا ہو جو اس مال کا قرض سے فارغ ہونا

فرض مذکور اللہ تعالیٰ کا ہو جیسے زکوٰۃ و خراج، یا یہ قرض بندہ کا ہو گو وہ بطور کفالت ہو، یا وہ میعاد قرض ہو اگرچہ وہ اس کی بیوی کا مہر مؤجل ہو جس مہر کا موت یا طلاق کے وقت ادا کرنا ضروری ہوتا ہے، یا اس کے ذمہ بندہ کا قرض ایسا نفقہ ہو جو اس پر قاضی کے فیصلہ کی وجہ سے یا باہم رضامندی سے لازم ہو چکا ہو، بخلاف نذر (منت) کفارہ اور حج کے قرض کے، کہ ان قرضوں کا بندوں میں سے کوئی دنیا میں طلب کرنے والا نہیں ہے لہذا نصاب کا ایسے قرض سے زائد ہونا شرط نہیں ہے (زکوٰۃ والے قرض کے مطالبہ کا حق خلیفۃ المسلمین کے عامل کو ہوتا ہے گو بعد میں خود صاحب مال کو وکیل بنادیا گیا ہے کہ وہ خود بھی اس کو بلا طلب نکالے، زکوٰۃ جو ذمہ میں قرض ہو اس کی وجہ سے زکوٰۃ واجب نہ ہونے کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص بقدر نصاب کا مالک تھا اور اس پر دو تین سال گذر گئے، اور اس درمیانی سالوں کی زکوٰۃ اس نے ادا نہیں کی، پہلے سال جو زکوٰۃ اس پر واجب ہوئی ہے اگر اتنی رقم اس مالیت سے اگلے سال نکال دی جاتی ہے تو وہ مال نصاب کو نہیں پہنچتا ہے، لہذا دوسرے سال اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ باقی مہر مؤجل کو بعض فقہاء نے مانع زکوٰۃ تسلیم نہیں کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ عادت یہ ہے کہ اس قرض کو کوئی مانگتا نہیں ہے اور قبضہ میں اسی کو صحیح کہا ہے، لہذا شارح کا قول مہر مؤجل کے باب میں ضعیف قرار دیا جائے گا، لیکن اگر کسی دور میں مہر مؤجل کی ادائیگی ضروری سمجھی جاتی ہو اور لوگ وصول کرتے ہوں تو وہ مانع زکوٰۃ بنے گا اور شارح کا قول اپنی جگہ مضبوط رہے گا۔ واللہ اعلم)

عشر و خراج اور کفارہ کے لیے قرض مانع نہیں

البتہ عشر و خراج اور کفارہ کے واجب ہونے میں قرض مانع نہیں ہے، یعنی قرض ہونے کے باوجود عشر و خراج اور کفارہ ادا کرنا واجب ہوگا (اس لیے کہ عشر و خراج کا تعلق کھیت کی پیداوار سے ہے، جو ہر فصل کے موقع سے ہوتی رہتی ہے اور کفارہ کا تعلق ذمہ سے ہے اس میں مالدار و غریب کی کوئی تفریق نہیں ہے دونوں کو ادا کرنا لازم ہے زیادہ سے زیادہ غریب کو جب ملے تب ادا کرنا لازم ہوگا یعنی اس کے لیے تھوڑی ڈھیل اور مہلت ہے)

حاجات اصلیہ سے زیادہ ہونا

اس نصاب زکوٰۃ کا اس شخص کی حاجات اصلیہ سے زائد ہونا بھی ضروری ہے، اس لیے کہ جو مال اصلی ضرورتوں میں لگا ہوا ہے وہ نہ ہونے کے درجے میں ہے، ان ملک نے ضرورت میں لگے ہوئے مال کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ مالک اس کے ذریعہ اپنے اوپر سے ہلاکت کو دور کرے خواہ حقیقت میں ہلاکت کو دور کرے جیسے اس کے کپڑے جن کو وہ استعمال کرتا ہے یا وہ ہلاکت تقدیری کو دور کرے جیسے ذمہ کا قرض جو اسے آج نہیں کل بہر حال دینا ہے (حاجت اصلیہ میں یہ چیزیں داخل ہیں روزمرہ کے اخراجات، رہنے کا مکان، لڑائی کے آلات، جائے گرمی کے کپڑے، پیشہ وروں کے اوزار و آلات، سواری کے جانور، اہل علم کی کتابیں)

مال کا بڑھنے والا ہونا

نصاب مذکور کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ وہ مال بڑھنے والا ہو، اگرچہ وہ نقد یا بڑھنے والا ہو یعنی مالک اس کے بڑھانے پر قدرت رکھتا ہو اگرچہ وہ اپنے نائب اور قائم مقام کے ذریعہ ہی اس کو بڑھانے پر قدرت رکھتا ہو (زکوٰۃ کا مال دو طرح کا ہوتا ہے ایک خلقتی جو ضروریات کے پورا کرنے کے لیے ہی پیدا کیا گیا ہے وہ چاندی اور سونا ہے ان دونوں میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، خواہ آدمی ان دونوں میں تجارت کی نیت کرے یا نہ کرے، دوسرا مال خفی ہے کہ اس میں آدمی کی نیت سے نمو کی لیاقت آتی ہے اور وہ سونا چاندی کے سوا دوسری چیزیں ہیں، پھر مال بڑھانا دو طرح سے ہوا کرتا ہے ایک حقیقی تجارت اور جانوروں سے بچے پیدا کرنے اور دوسرا نقدی کی کہ اس میں تجارت کی قدرت ہو اس طرح کہ مال اپنے قبضہ میں ہو یا اپنے کسی نائب یا معتمد کے۔

ثم فرع علی سببه بقوله فلا زکوٰۃ علی مکاتب لعدم الملك التام ولا فی کسب ماذون ولا فی مرهون بعد قبضه ولا فیما اشتراه لتجارة قبل قبضه ومدیون للعبد بقدر دینه فین کی الزائد ان بلغ نصابا و عروض الدین کالہلاک عند محمد ورجحه فی البحر ولو له نصب صرف الدین لایسرها قضاء ولو اجناسا صرف لاقلها زکوٰۃ فان استویا کاربعین شاة و خمس ابل خیر ولا فی ثياب البدن المحتاج اليها لدفع الحر والبرد ابن ملک واثاث المنزل ودار السکنی و نحوها و کذا الکتب و ان لم تکن لاهلها اذا لم تنو للتجارة غیر ان الاہل له اخذ الزکوٰۃ وان سادت نصبا الا ان تكون غیر فقہ و حدیث و تفسیر او تزیید علی نسخین منها هو المختار و كذلك آلات المحترفين الا ما یبقی اثر عینہ کالعفص لدیغ الجلد ففیہ الزکوٰۃ بخلاف ما لا یبقی کصابون یساوی نصابا وان حال الحول و فی الاشباه الفقیہ لا یكون غنیا بکتبه المحتاج اليها الا فی دین العباد فتباع له ولا فی مال مفقود وجده بعد سنین وساقط فی بحر استخراجہ بعدها ومغصوب لا بینة علیه فلو له بینة تجب لما مضی الا فی غصب السائمة فلا تجب و ان کان الغاصب مقرا کما فی الخانیة ومدفون ببریة نسی مکانہ ثم تذکرہ و کذا الودیعة عند غیر معارفہ بخلاف المدفون فی حرز واختلف فی المدفون فی کرم وارض مملوكة.

کن لوگوں پر زکوٰۃ نہیں

اس کے بعد مصنف نے زکوٰۃ کے سبب وجوب پر تفریع کی ہے کہ مکاتب پر زکوٰۃ اس وجہ سے نہیں ہے کہ اس کو اپنے مال پر ملک تام (پوری ملکیت) حاصل نہیں ہوتی ہے، کیوں کہ جب تک اس کے ذمہ کتابت کا مال باقی ہے اس میں اس کے آقا کا حق شامل ہے اسی طرح اس غلام کی کمائی میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے جس کو اس کے آقا نے تجارت کی اجازت دے رکھی ہے، بشرطیکہ مال اس غلام کے قبضہ میں ہو، رہن (گروی) رکھی ہوئی چیز میں زکوٰۃ نہیں ہے یعنی اگر کسی نے اپنا مال کسی کے پاس گروی رکھا ہے اور کئی سال تک اس شخص کے پاس وہ گروی رہا، دو

تین سال بعد اس نے گروی والا مال چھڑالیا، تو اب زمانہ گروی کی زکوٰۃ مالک پر نہیں ہے، اس لیے کہ وہ مال اس کے قبضہ میں نہیں تھا اور اس کی زکوٰۃ اس شخص پر بھی نہیں ہے جس کے پاس وہ گروی تھا، اس لیے کہ وہ مال اس کی ملکیت میں داخل نہیں ہے اور اس مال میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے جس کو کسی نے تجارت کے لیے خریدا، مگر اس نے قبضہ نہیں کیا جس سے خریدا تھا اسی کے پاس سال بھر تک چھوڑ دیا، تو اس سال گذشتہ کی زکوٰۃ اس پر واجب نہیں ہوگی، اور جو شخص کسی دوسرے شخص کا قرضدار ہے اس پر اس قرض کے برابر مال کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے، البتہ جو مال اس قرض سے جو اس کے ذمہ باقی ہے، زیادہ ہو، اور وہ زیادہ مال نصاب کو بھی پہنچتا ہو تو اس کی زکوٰۃ اس پر واجب ہوگی، مثلاً کسی کے پاس ڈیڑھ ہزار روپیہ ہو، اور وہ زیادہ مال نصاب کو بھی پہنچتا ہو تو اس کی زکوٰۃ اس پر واجب ہوگی، مثلاً کسی کے پاس ڈیڑھ ہزار روپیہ ہو، اور اس کے ذمہ پانچ سو روپے کسی کا قرض باقی ہے تو پانچ سو قرض والے روپیہ کی زکوٰۃ نہیں ہے ایک ہزار کی البتہ وہ زکوٰۃ دے گا، اور یہ اس کے ذمہ واجب ہے اس لیے کہ یہ نصاب کو پہنچتا ہے، لیکن اگر اس کے پاس سات سو روپیہ ہو تا اور پانچ سو قرض ہو تا تو دو سو روپے چونکہ نصاب کو نہیں پہنچتے ہیں اس لیے زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، نصاب ساڑھے ہاون تولہ چاندی یا اس کی قیمت ہے اور آج کل چاندی کی قیمت بارہ روپے تولہ ہے اس حساب سے روپے کا نصاب سو اچھ سو روپے ہوگا۔

درمیان سال میں قرض کا ہو جانا امام محمدؒ کے نزدیک مال کے ہلاک ہونے کے مانند ہے اور بحر الرائق میں اسی قول کو ترجیح دی گئی ہے (ایک شخص کے پاس ایسا مال تھا جس پر زکوٰۃ واجب

تھی، مثلاً ایک ہزار روپیہ کا تھا چھ ماہ کے بعد اس کے ذمہ آٹھ سو روپے قرض ہو گئے اور ختم سال پر پھر ایک ہزار ہو گیا، اس صورت میں امام محمدؒ کہتے ہیں کہ اب از سر نو سال شمار ہو گا گذشتہ سال کی زکوٰۃ بھی اس پر نہیں ہوگی، لیکن امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ درمیان کا قرض جس کی تلافی اخیر سال میں ہو گئی، مانع زکوٰۃ نہیں ہے اس لیے کہ گذشتہ سال کی زکوٰۃ بھی اس پر لازم ہوگی، اور اگر یہ قرض سال پورا ہونے کے بعد ہو تو بالاتفاق سب کے یہاں زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی، بلکہ اس پر لازم ہوگی۔

اگر صاحب مال کے پاس کئی طرح کے نصاب ہوں تو قرض کئی نصاب والے قرض کہاں محسوب کریں

سب سے زیادہ آسان ہو، اور اگر ایک قسم کے مال کی اس کے پاس مختلف جنسیں ہوں تو قرض اس نصاب میں لگایا جائے گا، جس کی زکوٰۃ سب سے کم ہو، اور اگر زکوٰۃ جنسیں یکساں ہوں جیسے چالیس بکریاں ہوں اور پانچ اونٹ کہ ان دونوں کی زکوٰۃ ایک ایک بکری ہے، تو صاحب مال کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ جس جنس کو چاہے قرض میں روک لے اور بقیہ جنسوں کی زکوٰۃ ادا کرے (کئی نصابوں کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس روپے اور اثرفیاں بھی بقدر نصاب ہوں اور مال تجارت بھی نصاب کے مطابق ہے، اور جانور بھی، تو اس صورت میں قرض پہلے اثرفیوں میں محسوب ہوگا، پھر اسباب تجارت میں، پھر مویشی میں)

(اور مختلف جنسوں کی مثال جیسے جانوروں کی زکوٰۃ میں بکریوں کا نصاب (۴۰) ہے گایوں کا (۳۰) اور اونٹ پانچ یعنی چالیس بکریوں میں ایک بکری زکوٰۃ ہے اسی طریقیں گایوں میں ایک بکری اور پانچ اونٹوں میں ایک بکری، یہاں قرض بکریوں میں محسوب ہوگا اور یا اونٹ میں، اس لیے کہ گایوں کا بچھڑا زیادہ قیمت رکھتا ہے اور بکری کی قیمت کم ہوتی ہے، اور یہ صورت اس وقت ہے جب صدقہ لینے والا موجود ہو، ورنہ صاحب مال کو اختیار ہے کہ قرض کو جس طرف چاہے لگا دے۔ کذا فی الثامی)

ضروریات کی چیزوں کی زکوٰۃ نہیں

اسی طرح زکوٰۃ نہ بدن کے کپڑوں میں ہے جن کی آدمی کو گرمی سردی میں ضرورت ہوتی ہے تاکہ گرمی سردی سے اپنی حفاظت کرے اور نہ گھر کے سامانوں میں اور نہ رہنے کے گھروں میں، اور نہ اس جیسی دوسری ضرورت کی چیزوں میں، جیسے دکانوں اور سراپوں میں، جن کا کرایہ ملتا ہو۔ کذا فی المخطاوی۔

اہل علم کی کتابوں کی زکوٰۃ

اسی طرح کتابوں میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے اگرچہ وہ کتابیں اہل علم کے پاس نہ ہوں یعنی بے علم کے پاس ہوں تو بھی زکوٰۃ نہیں ہے مگر شرط یہ ہے کہ ان میں تجارت کی نیت نہ ہو، البتہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ اہل علم کے پاس خواہ کتنی بھی کتابیں ہوں اور گو وہ کئی نصابوں کے برابر ہوں، ان کے لیے زکوٰۃ لینی جائز ہے صرف ان کتابوں کی وجہ سے وہ صاحب نصاب نہیں ہوگا، بخلاف بے علم کے کہ اگر اس کے پاس کتابیں نصاب کی قیمت یا اس سے زیادہ کی ہوں گی، تو اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہوگا، لیکن اگر یہ کتابیں فقہ، حدیث، اور تفسیر کے علاوہ دوسرے فنون کی ہوں اور وہ نصاب کے برابر قیمت کی ہوں تو عالم کو بھی زکوٰۃ لینا درست نہیں ہوگا، یا یہ کہ کتابیں تو علوم دینیہ ہی سے متعلق ہوں مگر دو دو نسخوں سے زیادہ ہوں، تو بھی اس کو زکوٰۃ لینی جائز نہیں قول مختار یہی ہے (مخطاوی نے دو نسخوں سے زیادہ ہونے کے قول کو ضعیف کہا ہے وہ کہتے ہیں کہ زکوٰۃ لینے نہ لینے میں معتبر یہ ہے کہ اگر ایک ایک نسخہ سے بھی زیادہ ہوں گی تب بھی زکوٰۃ لینی درست نہیں ہے، فتح القدیر اور نہر الفائق میں اسی کو مختار کہا گیا ہے)

اہل صرفہ کے آلات پر زکوٰۃ نہیں

اسی طرح پیشہ وروں کے آلات اور اوزاروں میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے، البتہ جس آلہ کا اثر باقی رہے جیسے گس جو کھال کی دباغت کے لیے ہوتا ہے اس میں زکوٰۃ ہے اس کے خلاف جس کا اثر باقی نہ رہے اس میں زکوٰۃ نہیں ہے جیسے صابون گو یہ کئی نصابوں کے برابر ہو، اور گواں پر سال گذر چکا ہو۔

پیشہ وروں کے آلات دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ آلہ جو کام کے بعد بھی باقی رہتے ہیں، جیسے بسولہ وغیرہ، دوسرے وہ آلے جو کام کے بعد باقی نہیں رہتے ہیں یہ بھی دو نوع کے ہوتے ہیں ایک نوع وہ کہ اس کا اثر باقی رہتا ہے جیسے کم زعفران جس سے کپڑے رنگے جاتے ہیں اور گس اور تیل جن سے کھالیں رنگی جاتی ہیں۔

دوسرے وہ نوع جس کا اثر باقی رہتا ہے، جیسے صابون۔ ان کی پہلی قسم (بسولہ وغیرہ) میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اور دوسری قسم کی پہلی نوع کم، زعفران وغیرہ میں زکوٰۃ ہے اور دوسری نوع صابون وغیرہ میں زکوٰۃ نہیں ہے)

فقہ کی کتابیں اور زکوٰۃ کا حکم

اشاہ نانی کتاب میں ہے کہ فقہ اپنی ان کتابوں سے بے نیاز نہیں ہوتا جنکی اس کو ضرورت رہتی ہے (لہذا اس پر زکوٰۃ نہیں ہے، بلکہ زکوٰۃ لے بھی سکتا ہے اگر کتابوں کے سوا کچھ نہیں رکھتا) مگر وہ فقہ بندوں کے قرض میں کتابوں کے مالک ہونے کی وجہ سے مالدار سمجھا جائے گا چنانچہ لوگوں کے قرض ادا کرنے کے لیے اس کی کتابیں بیچی جائیں گی۔

گذشتہ سالوں کی کن مالوں میں زکوٰۃ نہیں

اس گم شدہ مال میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے جو اس نے کئی برسوں بعد پایا ہو، یعنی گذرے ہوئے دنوں کی زکوٰۃ واجب نہیں

ہوگی اور نہ اس مال میں زکوٰۃ ہے جو دریا میں گر گیا ہو اور کئی برس کے بعد اس نے اس کو نکالا ہو، اور نہ اس مال میں زکوٰۃ ہے جو اس سے کسی نے زبردستی چھین لیا ہو اور اس کے پاس اس کا کوئی ثبوت نہ ہو، اگر ثبوت ہو گا تو قبضہ میں آنے کے بعد گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی، مگر سائمہ جانور جس کو زبردستی چھین لیا اس میں زکوٰۃ نہیں ہے اگرچہ غاصب نے اس کا اقرار کر لیا ہو جیسا کہ حانیہ میں ہے (سائمہ ان جانوروں کو کہتے ہیں جو سال کے اکثر حصہ میں جنگل وغیرہ میں چر کر گزارا کرتے ہوں) اور جانور والا اسے چرائے اور اس کا مقصد اس سے دودھ اور بچہ حاصل کرنا ہو، چوں کہ غصب کے بعد یہ چیز حاصل نہیں ہوتی ہے لہذا زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

اس مال میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے جس کو جنگل میں دفن کر دیا ہو اور وہ جگہ بھول گیا ہو، پھر اس کو یاد کیا کیوں کہ جگہ محفوظ نہیں تھی، اتفاق سے مال مل گیا، اسی طرح اس امانت میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے جو غیر آشنا لوگوں کے پاس ہو، لیکن اگر وہ امانت جان پہچان والوں کے پاس ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی، بخلاف اس مال کے جو کسی محفوظ جگہ میں دفن کیا گیا ہو اس پر زکوٰۃ واجب ہے اور اس مال کی زکوٰۃ کے واجب ہونے میں اختلاف ہے جو کسی باغ یا مملوک زمین میں دفن کیا گیا ہو بعض زکوٰۃ کو واجب کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ زکوٰۃ نہیں ہے۔

وَدِّينَ كَانَ جُحْدَهُ الْمَدْيُونِ سَنِينَ وَلَا بَيْنَةَ لَهُ عَلَيْهِ ثُمَّ صَارَتْ لَهُ بَانَ اقْرَ بَعْدَهَا عِنْدَ قَوْمٍ وَ قِيدَهُ فِي مَصْرَفِ الْخَالِيَةِ بِمَا اِذَا حَلَفَ عَلَيْهِ عِنْدَ الْقَاضِي اَمَّا قَبْلَهُ فَتَجِبُ لِمَا مَضَى وَ مَا اخَذَ مَصَادِرَةَ اَي ظُلْمًا ثُمَّ وَصَلَ اِلَيْهِ بَعْدَ سَنِينَ لِعَدَمِ النَّمُوِّ وَالْاَصْلُ فِيهِ حَدِيثٌ عَلَى لَازِكُوَّةٍ فِي مَالٍ لِضِمَارٍ وَ هُوَ مَا لَا يُمْكِنُ الْاِنْتِفَاعُ بِهِ مَعَ بَقَاءِ الْمَلِكِ وَلَوْ كَانَ الدِّينُ عَلَى مَقْبَرٍ مَلَى اَوْ عَلَى مَعْسَرٍ اَوْ مَفْلَسٍ اَي مُحْكَمٍ بِالْفَلَسِ اَوْ عَلَى جَا حِدٍ عَلَيْهِ بَيْنَةٌ وَ عَنْ مُحَمَّدٍ لَازِكُوَّةٌ وَ هُوَ الصَّحِيحُ ذَكَرَهُ ابْنُ مَلِكٍ وَغَيْرُهُ لِأَنَّ الْبَيْنَةَ قَدْ لَا تَقْبَلُ اَوْ عِلْمٌ بِهِ قَاضٍ سَيَجِيءُ اِنْ الْمَفْتَى بِهِ عَدَمُ الْقَضَاءِ بَعْلَمَ الْقَاضِي فَوْصَلَ اِلَى مَلِكِهِ لَزِمَ زَكُوَّةٌ مَا مَضَى وَ سَنَفَصَلَ الدِّينُ فِي زَكُوَّةِ الْمَالِ.

جن قرضوں میں زکوٰۃ نہیں اس قرض میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے جس کا قرضدار برسوں انکار کرتا رہا اور مالک کے پاس اس قرض کا کوئی ثبوت نہیں تھا، مگر بعد میں اس کا ثبوت اس طرح فراہم ہو گیا کہ خود قرض دار نے کچھ لوگوں کے سامنے برسوں کے بعد اس قرض کا اقرار کیا۔

حانیہ کے باب المصروف میں زکوٰۃ کے واجب نہ ہونے کو اس بات کے ساتھ مقید کیا ہے کہ انکار کرنے والے قرضدار سے قاضی کے یہاں قسم لی گئی ہو، اس عبارت سے معلوم ہوا کہ انکار کرنے والا قرضدار اگر قسم سے پہلے قرض لینے کا اقرار کر لے گا تو مالک پر گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

اور اس مال میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے جو زبردستی ظلماً لے لیا گیا ہو، اور پھر وہ چند سالوں کے بعد مالک تک پہنچ گیا ہو، اس طرح کے مالوں میں اس وجہ سے گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی ہے کہ ایسے مالوں میں (نمو) بڑھنا نہیں پایا جاتا ہے اور

نہ مالک کو ان میں بڑھانے کی قدرت رہتی ہے۔

اس طرح کے مالوں میں زکوٰۃ واجب نہ ہونے کی بنیادی وجہ حضرت علیؓ کی حدیث ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ مال ظہر میں زکوٰۃ نہیں ہے، اور مال ضار وہ مال ہے کہ مالک کی ملک رہتے ہوئے بھی مالک کے لیے اس سے فائدہ اٹھانا ممکن نہ ہو۔ اگر قرض ایسے شخص کے ذمہ ہے جو اقرار کرتا ہے مگر تادہ ہند ہے اور ٹال مٹول کرنے کا عادی ہو، یا قرض کسی تنگ دست کے ذمہ ہے یا دیوالیے پر ہے جس کے افلاس کا حکم مشتہر ہو چکا ہے یا قرض ایسے شخص پر ہے جو انکار کرتا ہے مگر اس کا ثبوت مالک کے پاس موجود ہے یا اس قرض کے ہونے کو خود قاضی جانتا ہے اس طرح کے قرض جب مالک کی ملک میں وصول ہو کر پہنچیں گے تو ان تمام صورتوں میں اس پر گزرے ہوئے برسوں کی زکوٰۃ لازم ہوگی۔

شارح نے کہا کہ امام محمدؒ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ اگر انکار کرنے والے کے ذمہ قرض ہے تو ثبوت ہونے کے باوجود بھی مالک پر اس کی زکوٰۃ لازم نہیں ہوگی، اور یہی قول صحیح ہے اس کو ابن مالک اور دوسرے لوگوں نے ذکر کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات ثبوت قبول نہیں کیا جاتا ہے، لہذا اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہوتا ہے، باقی جس قرض کو قاضی جانتا ہے اس کے متعلق آگے آرہا ہے کہ مفتی بہ قول یہ ہے کہ اگر قاضی اپنے علم کی بنیاد پر کسی معاملہ میں حکم دیا تو اس کا یہ حکم صحیح نہیں ہوگا، جہاں مال کی زکوٰۃ کا بیان آرہا ہے وہاں قرض کی تفصیل کی جائے گی، یعنی یہ بتایا جائے گا کہ قرض کی تین قسمیں ہیں دین قوی، دین ضعیف، اور دین اوسط، ان میں سے ضعیف دین پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

وسب لزوم ادائها توجه الخطاب یعنی قوله تعالى آتوا الزکوٰۃ وشرطه ای شرط افتراض ادائها حولان الحول و هو فی ملکہ و ثمنیۃ المال کالدراہم والدنانیر لتعینہما للتجارة باصل الخلقة فتلزم الزکوٰۃ کیفما امسکھما و لو للنفقة او السوائم بقیدھا الاتی اونیۃ التجارة فی العروض اما صریحا ولا بد من مقارنتھا لعقد التجارة کما سیجئ او دلالة بان یشتري عینا بعرض التجارة او یوجر داره التي للتجارة بعرض فتصیر للتجارة بلانیۃ صریحا و استثنوا من اشتراط النیۃ ما یشتريه المضارب فانه یكون للتجارة مطلقا لانه لا یملك بمالھا غیرھا۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کی بنیادی دلیل زکوٰۃ کی ادائیگی کے لازم ہونے کا سبب اللہ تعالیٰ کا قول ہے جس میں حکم فرمایا گیا ہے آتوا الزکوٰۃ زکوٰۃ دیا کرو (یعنی جب قرآن میں مکلفوں کو دینے کا حکم دیا گیا ہے تو اس کی ادائیگی ان پر لازم ہے، شامی نے لکھا ہے کہ یہ آیت سبب حقیقی ہے اور پہلے جو ملک نصاب کو سبب قرار دیا گیا ہے وہ سبب مجازی تھا۔

شرائط زکوٰۃ زکوٰۃ کی ادائیگی کے فرض ہونے کی شرط پورے ایک سال کا گزر جانا ہے، اس طرح کہ مال مالک کی ملک میں باقی رہے، اور ایک شرط یہ کہ مال ثمن ہو جیسے دراہم اور دنانیر، اس لیے کہ یہ دونوں اپنی اصل خلقت کے اعتبار سے تجارت کے لیے متعین ہیں، لہذا دراہم (چاندی) دنانیر (سونا) میں زکوٰۃ لازم طور پر ہوگی، خواہ ان دونوں کو کوئی کسی

طرح بھی روک کر رکھے، اگرچہ روزمرہ کے اخراجات کے لیے ایسا ہو گیا، یہ تو نقدی میں ہے اور جانوروں کی زکوٰۃ شرط ان جانوروں کا آنے والی قید کے ساتھ سائمہ ہونا بھی ہے یعنی سال کے بیشتر حصہ میں ان کا چرنے پر گزارا ہو (اور سامان کی زکوٰۃ کے لیے شرط تجارت کی نیت کا پایا جانا ہے) عقل و بلوغ وغیرہ کی شرط صاحب مال کے لیے تھی اور یہ شرطیں خود مال کے لیے ہیں، البتہ کھیتوں اور پھلوں کی زکوٰۃ میں حوالان حول (برس کا گذرنا) شرط نہیں ہے)

اسباب میں تجارت کی نیت یا صراحتاً پائی جائے اور عقد تجارت سے یہ نیت ضروری طور پر متصل ہو، جیسا کہ آگے آ رہا ہے یعنی معاملہ کے وقت یہ نیت کر لے کہ میری ملک میں جو چیز آرہی ہے وہ تجارت کے لیے ہے اب اگر کوئی سامان گھر کی نیت سے خریدے پھر بعد میں تجارت کی نیت کر لے، تو یہ تجارت کی نیت نہیں ہوگی اس کی تفصیل بعد میں آئے گی، یا اسباب میں تجارت کی نیت صراحتاً پائی نہیں جائے تو کم از کم دلالت پائی جائے اس طرح کہ کوئی متعین چیز تجارت کے سامان کے لیے خریدے، یا اجارہ پر اپنا وہ مکان دے جو تجارت کے لیے ہے تو یہ صریح نیت کے بغیر بھی تجارت کے لیے ہوگا۔

نیت کی شرط سے مستثنیٰ مال

علماء نے نیت کی شرط سے اس مال کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جس مال کو مضارب خرید کرے، اس لیے کہ مضارب کا خریدنا مطلقاً تجارت کے لیے ہی ہوتا ہے کہ خواہ وہ اس کی نیت کرے خواہ نیت نہ کرے، کیوں کہ مضارب مال مضارب سے تجارت کے لیے مال خریدنے کے سوا دوسرا اختیار نہیں رکھتا ہے۔

ولا تصح لية التجارة فيما خرج من ارضه العشرية او لخراجية او المستاجرة او المستعارة
لثلاثا يجتمع الحقان و شرط صحة ادائها نية مقارنة له اى للاداء و لو كانت المقارنة
حكما كما لو دفع الوكيل بلا نية ثم نوى والمال قائم فى يد الفقير او نوى عند الدفع
للوكيل ثم دفع الوكيل بلانية او دفعها للذمى ليدفعها للفقراء جاز لان المعبر نية الامر
ولذا لو قال هذا تطوع او عن كفارتى ثم نواه عن الزكاة قبل دفع الوكيل صح و لو خلط
زكاة موكله ضمن و كان متبرعا الا اذا و كله الفقراء.

کہاں تجارت کی نیت درست نہیں

عشر یا خراجی یا اجارہ پر لی ہوئی یا مانگی ہوئی زمین میں جو پیداوار ہوتی ہے اس میں تجارت کی نیت درست نہیں ہوتی ہے تاکہ دو حق جمع نہ ہونے پائیں۔ (عاریت اور کرایہ کی زمین میں اس وقت نیت تجارت درست نہیں ہوگی جب وہ زمین عشری ہو یہاں دو حق سے مراد ایک عشر ہے اور دوسرا زکوٰۃ یا خراج اور زکوٰۃ، ان دونوں میں سے ایک ہی ادا کرنا ضروری ہے، عاریت اور کرایہ پر زمین لینے والے کی زمین اگر خراجی ہوگی تو نیت تجارت سے دو حق جمع نہیں ہوں گے کیونکہ کرایہ دار عاریت والے پر زکوٰۃ ہوگی اور مالک زمین پر خراج)

ادائے زکوٰۃ کی نیت

ادائے زکوٰۃ کے صحیح ہونے کی شرط ایسی نیت ہے جو ادا کے ساتھ ملی ہوئی ہو، اگرچہ یہ ادا کے ساتھ ملا ہوا ہونا حکماً ہو، مثلاً فقیر کو زکوٰۃ تو بلا نیت دی لیکن وہ مال زکوٰۃ اس کے پاس ابھی موجود ہی تھا کہ دینے والے نے زکوٰۃ کی نیت کر لی، یا کسی شخص نے زکوٰۃ کی ادائیگی کا کسی کو وکیل بنایا، اور زکوٰۃ کی نیت کر کے رقم ان کے حوالہ کی، پھر وکیل نے بغیر نیت مستحقین میں وہ رقم تقسیم کر دی، یا کسی نے زکوٰۃ کی رقم کسی ذمہ دار کے سپرد کی، تاکہ وہ اس رقم

کو مستحقوں میں تقسیم کر دے تو یہ درست ہے اس وجہ سے کہ دینے والے کی نیت کا اعتبار ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اگر مالک نے وکیل سے کہا کہ یہ صدقہ نافلہ کی رقم ہے یا میرے کفارہ کی رقم ہے لیکن ابھی وکیل نے وہ رقم فقراء، مساکین کو نہیں دی تھی کہ مالک نے اس سے زکوٰۃ کی نیت کر لی تو یہ درست ہے یعنی اگرچہ وکیل دینے کے وقت صدقہ نافلہ یا کفارہ ہی کی نیت کرے اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا بلکہ دینے سے پہلے مؤکل جو نیت کرے گا اس کا اعتبار ہوگا اور اسی مد میں وہ رقم شمار ہوگی، ذمی کی مثال دے کر یہ بتانا چاہا ہے کہ عبادت مالی میں کافر کو نائب بنانا جائز ہے، لیکن جس عبادت میں عبادت مالی اور بدنی دونوں جمع ہوں گی اس میں کافر کو وکیل بنانا درست نہیں ہوگا یہی وجہ ہے کہ حج میں کافر کی نیابت جائز نہیں ہے کیوں کہ حج عبادت مالی کے ساتھ عبادت بدنی بھی ہے۔ کذا فی الثانی۔

وکیل زکوٰۃ پر تاوان اگر وکیل اپنے مؤکل کی زکوٰۃ میں خلط ملط کر دے گا تو وہ اس کا ضامن ہوگا اور اس کو تاوان دینا ہوگا اور اگر وہ خلط ملط والا مال مستحقوں کو دیدے گا تو اپنی طرف سے احسان کرنے والا شمار ہوگا۔ مؤکل کی طرف سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، مگر جب فقیروں نے اس کو اپنا وکیل بنادیا ہوگا تو پھر مؤکل کی طرف سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی (اور وکیل کے لیے مؤکل کی رقم کا اپنی رقم میں ملانا اس وقت درست نہیں ہے جب اس کو مؤکل نے اس کی اجازت نہ دی ہو، لیکن اگر اس نے صراحتاً یا دلالتاً ملانے کی اجازت دیدی ہوگی تو اس صورت میں ملانا جائز ہوگا کذا فی الطحاوی۔

وللوکیل ان یبلغ لولده الفقیر و زوجته لا لنفسه الا اذا قال ربها ضعتها حیث شئت ولو تصدق بدراهم نفسه اجزاء ان کان علی نية الرجوع و کانت دراهم الموکل قائمة او مقارنة لعزل ما وجب کله او بعضه ولا یخرج عن العهدة بالعزل بل بالاداء للفقراء او تصدق بکله الا اذا نوى نذراً او واجبا آخر فیصح و یضمن الزکوۃ و لو تصدق ببعضه لا تسقط حصته عند الثانی خلافاً للثالث و اطلقه فعم العین والدين حتی لو ابرأ الفقیر عن النصاب صح و سقط عنه.

مال زکوٰۃ کے وکیل کے اختیارات مال زکوٰۃ کا جو شخص وکیل ہے اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ زکوٰۃ کے مال میں سے محتاج و مستحق لڑکے اور بیوی کو دے لیکن خود اپنے لیے اس کا رکھ لینا جائز نہیں ہے، البتہ اس وقت وہ خود بھی اس زکوٰۃ کے مال کو لے سکتا ہے جب اس کے مالک نے کہہ دیا ہو کہ تم جس طرح چاہو اس رقم کو خرچ کر سکتے ہو، یعنی اگر وکیل مختار کل بنادیا گیا ہے تو وکیل مستحق زکوٰۃ ہونے کی صورت میں اپنے لیے بھی رکھ سکتا ہے، لیکن اگر وہ مستحق زکوٰۃ نہیں ہے تو وہ اپنے لیے اس میں سے نہیں رکھ سکتا ہے۔ کذا فی الحلّی۔

اگر وکیل نے خود اپنے روپے مؤکل کی زکوٰۃ میں رکھے ہیں تو یہ کافی ہوگا مگر شرط یہ ہے کہ وکیل کی نیت یہ ہو کہ وہ اپنے مؤکل کے روپوں میں سے اپنی دی ہوئی رقم واپس لے لے گا، دوسری چیز یہ کہ مؤکل کی رقم زکوٰۃ اس کے پاس موجود ہو، لہذا اگر مؤکل کی زکوٰۃ والی رقم ختم ہو چکی ہو یا اس نے اپنی دی ہوئی رقم کے واپس لینے کی نیت نہ کی ہو تو اس وقت مؤکل کی طرف سے یہوائی کافی نہیں ہوگی۔ کذا فی الطحاوی۔

ادائیگی زکوٰۃ کی شرط

زکوٰۃ کی ادائیگی کے درست ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ ادا کرتے وقت ادا کرنے والے کی یہ نیت ہو کہ جو کچھ مجھ پر زکوٰۃ واجب ہے اس کو اپنے سے علیحدہ کر رہا ہوں، خواہ کل زکوٰۃ کے علیحدہ کرتے وقت یہ نیت ہو یا زکوٰۃ کے بعض حصہ کے نکالتے وقت، مگر صاحب مال صرف زکوٰۃ کی رقم علیحدہ کر دینے سے ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ اس وقت بری الذمہ ہوگا جب وہ زکوٰۃ کی رقم فقیروں اور مستحقوں کو پہنچ جائے گی (مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ کی نکالی ہوئی رقم اگر ضائع ہو گئی اور فقیروں اور مستحقوں کو وہ رقم نہیں پہنچ سکی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ اداۓ زکوٰۃ کے درست ہونے کے لیے یا یہ شرط ہے کہ صاحب مال اپنا کل مال صدقہ کر دے، لیکن اگر اس نے اس صدقہ سے کسی نذریا کسی دوسرے واجب کی ادائیگی کی نیت کی ہے تو اس کی نیت کے مطابق نذریا دوسرا واجب ادا ہوگا اور زکوٰۃ کی ضمان اس کے ذمہ واجب رہے گی (اسی طرح زکوٰۃ کے واجب ہونے کے بعد اگر کوئی اپنا کل مال کسی غنی (مالدار) کو ہبہ کر دے گا تو بھی اس کے ذمہ سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی بلکہ باقی رہے گی)

اگر کسی نے اپنے مال کا بعض حصہ صدقہ کر دیا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس صدقہ کیے ہوئے حصہ کی زکوٰۃ اس کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوگی البتہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس حصہ کی زکوٰۃ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی (امام ابو حنیفہؒ اس مسئلہ میں امام محمدؒ کے ساتھ ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ راجح امام محمدؒ کا یہی قول ہے۔ کذا فی الطحاوی)

شارح کہتے ہیں کہ مصنف نے تصدق کا لفظ مطلقاً کہا ہے، کوئی قید نہیں لگائی ہے لہذا یہ موجود چیز کو بھی شامل ہے اور جو دوسرے کے ذمہ قرض ہے اس کو بھی شامل ہے چنانچہ اگر کسی صاحب مال کا روپیہ کسی مستحق زکوٰۃ کے ذمہ قرض ہو اور وہ بقدر نصاب ہو، اور صاحب مال اس قرض کو معاف کر دے تو یہ معاف کرنا صحیح ہوگا اور صاحب مال کے ذمہ سے اس کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔

واعلم ان اداء الدين عن الدين والعين عن العين و عن الدين يجوز و اداء الدين عن العين و عن دين سيقبض لايجوز وحيلة الجواز ان يعطى مديونه الفقير زكوته ثم ياخذها عن دينه ولو امتنع المديون مديده واخذها لكونه ظفر نجس حقه فان مانعه رفعه للقاضي و حيلة التكفين بها التصديق على فقير ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما و كذا في تعمير المسجد و تمامه في حيل الاشباه.

قرض دی ہوئی اور موجود نقد کی زکوٰۃ

یہ واضح رہنا چاہیے کہ دین کے عوض دین کا ادا کرنا اور موجود چیز اور قرض کے بدلے میں موجود چیز کا ادا کرنا جائز ہے لیکن موجود چیز اور اس قرض کے بدلے میں جو قرض عنقریب قبضہ میں آنے والا ہے قرض کا ادا کرنا جائز نہیں (یہاں دین اور قرض سے مراد وہ مال زکوٰۃ ہے جو دوسرے کے ذمہ میں ہو اور عین اور موجود چیز سے مراد وہ مال زکوٰۃ ہے جو خود اس کی ملک میں پائی جا رہی ہے خواہ نقد کی صورت میں ہو خواہ سامان کی شکل میں، چنانچہ یہاں مسئلے کی چار صورتیں ہیں، اس لیے کہ مال زکوٰۃ یا دوسرے کے ذمہ میں ہو گیا خود اپنے قبضہ میں موجود ہوگا، اور جس مال کی زکوٰۃ ادا کرنی ہے اس کی بھی دو صورت ہوگی کہ یا تو وہ دوسرے کے ذمہ قرض

ہو گیا اور اپنے پاس موجود ہو گا، پھر مال بھی دو طرح کا ہو سکتا ہے ایک وہ جو قبضہ میں آنے والا نہیں ہے اور دوسرا وہ جس پر زکوٰۃ دینا کر کے بعد قبضہ ہو سکتا ہے، اس طرح مسئلہ کی پانچ صورتیں ہو جاتی ہیں، ان میں تین صورتیں جواز کی ہیں اور دو عدم جواز کی۔

جائز صورتیں پہلی صورت یہ ہے کہ جو رقم کسی مفلس کے ذمہ قرض ہے وہ اس کی بالکل معاف کر دی جائے اس صورت میں اس کی زکوٰۃ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی۔ دوسری صورت یہ ہو کہ مالک مال کے پاس جو مال موجود ہو وہ اس کی زکوٰۃ مستحق زکوٰۃ کو اپنے مال سے ادا کر دے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ مالک مال نے جو رقم دوسرے کو قرض ہو کر رکھی ہے اس کی زکوٰۃ اپنے پاس سے ادا کرے مثلاً کسی کے پاس دو سو روپے تھے اس نے وہ دو سو کسی کو قرض دیدیئے اور اس کی زکوٰۃ اپنے پاس سے پانچ روپے ادا کر دیئے اور اس کی یہ تینوں صورتیں جائز ہیں۔

ناجائز صورتیں اور دو ناجائز صورتیں یہ ہیں (۱) جو مال مالک مال کے پاس موجود ہے وہ اس کی زکوٰۃ اس رقم کو معاف کر کے ادا کرے جو کسی مفلس کے ذمہ باقی تھی، مثلاً ایک شخص کے پاس ایک ہزار روپے نقد موجود تھے چھ سو روپے اس نے گزرنے پر اس کی زکوٰۃ اس کے ذمہ بھیج دی روپے واجب ہوئی، اس نے اس کی صورت یہ اختیار کی کہ پچیس روپے جو کسی غریب پر اس کے قرض تھے اس کو اس نے معاف کر دیا، اور اس کی یہ صورت جائز نہیں ہے (۲) جو رقم دوسرے کے ذمہ قرض ہو اس کی زکوٰۃ اس طرح ادا کرے کہ اس رقم میں سے ایک مقدار معاف کر دے، مثلاً زید کے چھ سو روپے بکرم کے ذمہ قرض تھے زید نے دو سو روپے معاف کر دیئے قاعدہ میں اس دو سو کی زکوٰۃ زید سے معاف ہو گئی، مگر بقیہ چار سو کی زکوٰۃ واجب رہے زید اب اگر زید یہ سوچ لے کہ دو سو روپے قرض کے جو اس نے معاف کیے ہیں اسی میں اس چار سو کی بھی زکوٰۃ ادا ہو گئی تو یہ درست نہیں، اس لیے کہ جب وہ چار سو اس کے قبضہ میں آئیں گے جو وہ عین قرار پائے گا اور مال عین (موجود) کی زکوٰۃ دینا (قرض) کے ذریعہ ہوا نہیں ہوتا ہے۔

دین کے ذریعہ ادا کی زکوٰۃ کا حیلہ موجود مال کی زکوٰۃ دین والے مال سے ادا کرنے کا جائز حیلہ یہ ہے کہ جس محتاج کو اس نے روپے قرض دے رکھے ہیں، اپنی زکوٰۃ نقد صورت میں اس کے ہونے کو دے، اور پھر وہی رقم اس کے قبضہ کر لینے کے بعد اس سے اپنے قرض میں وصول کر لے، اور اگر وہ محتاج قرض دانہ دے تو پھر پھر اس سے چھن لے کیوں کہ اس طرح اس کو اس سے اپنا واجب حق حاصل کر رہا ہے اور اگر قرض دہن کرے تو وہ یہ مقدمہ قاضی کے سامنے پیش کرے، اور اس کے ذریعہ اپنا قرض محتاج سے وصول کرے اس طرح اس کی زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی اور وہ اپنا حق بھی وصول کر لے گا۔

مال زکوٰۃ سے تکفیل کا حیلہ ہر زکوٰۃ سے تکفیل دینے کا جائز حیلہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کا پہلے کسی محتاج مستحق کو دے دے پھر وہ محتاج مستحق اس رقم سے مرزے کو تکفیل دے، اس صورت میں دونوں کو ثواب ہو گا یہ غیر کرنے والے کو بھی اور محتاج مستحق کو بھی، یہی تدبیر مسجد کی تعمیر میں زکوٰۃ کی رقم لگانے کے لیے بھی ہے کہ زکوٰۃ کی مستحق غریب کو دے اور پھر وہ غریب اپنی طرف سے وہ زکوٰۃ ان رقم تعمیر مسجد کے لیے دے اور اس کی تعمیر لاشعوراً اس حیلہ کے تحت میں موجود ہے۔

(زکوٰۃ سے سادات کے مدد کرنے کی بھی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ پہلے زکوٰۃ کی رقم کسی مستحق محتاج کو دے اور پھر محتاج وہ رقم اپنی طرف سے بطور امداد سید کو دیدے)

وافتراضها عمری ای علی التراخی و صححه الباقانی وغیرہ و قبل فوری ای واجب علی الفور و علیہ الفتویٰ کما فی شرح الوهبالیۃ فیائم بتاخیرھا بلا عذر و ترد شہادتہ لان الامر بالصرف الی الفقیر معہ قرینۃ الفور و ہی الہ لدفع حاجتہ و ہی معجلۃ فمتی لم تجب علی الفور لم یحصل المقصود من الایجاب علی وجه التمام و تمامہ فی الفتح.

زکوٰۃ کی ادائیگی زکوٰۃ کا فرض ہونا عمر ہے اگر وہ اپنی زندگی کے کسی بھی حصہ میں ادا کر دے گا اس کے ذمہ سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور اس پر اس کا گناہ باقی نہ رہے گا، باقانی وغیرہ نے اسی کو صحیح کہا ہے اور ایک دوسرا قول اسی سلسلہ میں یہ ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت فوری ہے یعنی جو بھی واجب ہو اسی وقت فوراً اس کا ادا کرنا ضروری ہے فتویٰ اسی دوسرے قول پر ہے جیسا کہ شرح وہبانیہ میں اس کی صراحت ہے۔

جب فتویٰ اس قول پر ہوا کہ زکوٰۃ کا فوراً ادا کرنا ضروری ہے تو جو شخص بلا عذر زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر کرے گا اس کی گواہی شرعاً رد کر دی جائے گی اس لیے کہ ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے وہ فاسق قرار پائے گا۔ فوری طور پر زکوٰۃ کی ادائیگی کی وجہ یہ ہے کہ مال زکوٰۃ محتاج پر فوراً خرچ کرنے کا قرینہ موجود ہے کہ وہ ضرورت مند ہے اور اس کی ضرورت فوری طور پر پوری ہونی چاہیے پس جب زکوٰۃ کی ادائیگی فی الفور واجب نہیں ہوگی تو زکوٰۃ کے واجب قرار دینے کا اصل منشا پورے طور پر حاصل نہیں ہو سکے گا پوری بحث فتح القدیر میں ہے۔

لا یبقی للتجارة ما ای عبد مثلاً اشتراه لها فنوی بعد ذلك خدمته ثم ما نواه للخدمة لا یصبر للتجارة و ان نواه لها مالہ یبعہ بجنس ما فیہ الزکوٰۃ والفرق ان التجارة عمل فلا یتم بمجرد النية بخلاف الاول فانه ترك العمل فیتم بها وما اشتراه لها ای للتجارة كان لها لمقارنة النية العقد التجارة لا ما ورثه و نواه لها لعدم العقد الا اذا تصرف فيه ای ناویا فتجب الزکوٰۃ لاقتران النية بالعمل الا الذهب والفضة والسائمة لما فی الخانية لو ورث سائمة لزمه زکوٰۃها بعد حول نواه اولاً.

نیت کی تبدیلی کے اثرات جس مال کو پہلے تجارت کی نیت سے خریدا تھا اور بعد میں خدمت کی نیت کر لی تو اب وہ مال تجارت کے لیے باقی نہیں رہے گا۔ مثلاً غلام تجارت کے لیے خریدا تھا پھر اس سے خدمت لینے کی نیت کر لی تو محض اس نیت خدمت سے وہ تجارت کے لیے باقی نہیں رہا، اسی طرح جو مال استعمال کی نیت سے لیا گیا ہے وہ اس وقت تک محض نیت سے تجارت کے لیے نہیں ہوگا۔ جب تک اس کو اس مال کے بدلے میں نہ بیچ ڈالا جائے۔ جس میں زکوٰۃ ہوتی ہے، مثلاً ایک غلام خدمت کی نیت سے خریدا تھا پھر بعد میں اس سے تجارت کی نیت کر لی، تو صرف اس نیت

سے وہ تجارت کا نہیں قرار پائے گا جب تک مالک اس کے عوض ایسا مال نہ لے لے جس میں زکوٰۃ ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ جو مال تجارت کی نیت سے خرید اگیا تھا بعد میں خدمت اور استعمال کی نیت کر لی تو وہ استعمال کا ہو گیا اور تجارت کا باقی نہیں رہا، لیکن جو مال خدمت اور استعمال کی نیت سے خرید اگیا تھا اور بعد میں اس کے اندر تجارت کی نیت کر لی گئی تو یہ مال صرف نیت سے تجارت کے لیے نہیں ہوگا، بلکہ جب یہ بک جائے گا اور اس کے بدلے قابل زکوٰۃ چیز لی جائے گی تب تجارت کے لیے قرار پائے گا۔

سوال یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں کیا فرق ہے؟ جواب یہ ہے کہ پہلی صورت میں خدمت کی نیت کافی اس لیے ہے کہ خدمت تجارت کی طرح کوئی عمل اور کاروبار نہیں ہے کہ وہاں صرف نیت کافی نہ ہو وہاں تو ترک عمل ہے اور اس کے لیے صرف نیت کافی ہے بخلاف خدمت کے بعد تجارت کی نیت کے کہ یہاں عمل درکار ہے، اور عمل صرف نیت سے تکمیل نہیں پاتا، بلکہ کچھ کرنے سے ہوتا ہے، مثلاً ایک شخص مسافر ہے اس نے اقامت کی نیت کر لی وہ مقیم ہو گیا کیوں کہ اقامت ترک سفر کا نام ہے لیکن ایک مقیم صرف نیت سفر سے مسافر نہیں ہو جائے گا۔ بلکہ اس کے لیے اسے وہاں چل کر باہر ہونا پڑے گا۔

خدمت کے بعد تجارت کی نیت پر جو یہ قید لگائی گئی ہے کہ اس کو ایسی چیز کے بدلے فروخت کرے جس میں زکوٰۃ ہو، اس قید کا فائدہ یہ ہے کہ اگر خدمت کے لیے خرید اہوا غلام کوئی شخص بیوی کے مہر میں دیدے گا یا قصاص کے صلح میں تو اس صورت میں اس پر زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

اور جو مال تجارت کے لیے خرید اگیا ہے وہ تجارت کے لیے ہی ہوگا اس لیے کہ **مال وراثت میں نیت تجارت** اس میں تجارت کی نیت پائی گئی ہے، لیکن جو مال وراثت میں ملا ہے صرف تجارت کی نیت سے وہ تجارت کا نہیں ہوگا اس لیے کہ وراثت کی صورت میں کوئی معاملہ عقد کا نہیں پایا گیا ہے جس کی وجہ سے نیت کا اعتبار کیا جاتا، البتہ جب وہ اس مال وراثت میں تجارت کی نیت سے تصرف کر چکے گا تو اس کے بدلے میں جو چیز آئے گی اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی اس لیے کہ یہاں نیت عمل کے ساتھ پائی گئی۔

لیکن اگر کسی کو وراثت میں سونا، چاندی اور چرائی پر گذر کرنے والے جانور ملیں تو سال گذرنے کے بعد ان پر زکوٰۃ لازم ہوگی، خواہ وہ ان میں تجارت کی نیت کرے خواہ نہ کرے، ان چیزوں میں زکوٰۃ کے لازم ہونے کے لیے نیت تجارت کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔

وما ملکہ بضعہ کھبة او وصية او نکاح او خلع او صلح عن قود قید بالقود لان العبد التجارة اذا قتله عبد خطأ ودفع به كان المدفوع للتجارة خانية و کذا کل ما قبض به مال التجارة فان يكون لها بلانية كما مروناه لها كان لها عند الثاني والاصح انه لا يكون لها بحر عن البدائع و فی اول الاشباه و لو قارنت النية مایس بدل مال بمال لا تصح علی الصحيح۔

جس مال اور شئی کا وہ اپنے فعل سے مالک ہوا ہے جیسے ہبہ اور وصیت میں ملا ہوا مال۔ یا مہر نکاح یا خلع اور صلح قصاص کے **ہبہ اور وصیت کے مال میں نیت تجارت**

عوض میں ملا ہوا مال، اگر اس میں وہ تجارت کی نیت کر لے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ تجارت کا مال شمار ہو گا اور صحیح تر یہ ہے کہ تجارت کے لیے نہیں ہو گا۔ اس لیے کہ تجارت کہتے ہیں مال کے بدلے میں مال کا حاصل ہونا اور اوپر کی صورتوں میں ساری چیزیں بغیر کسی مال کے بدلہ کے حاصل ہوئی ہیں۔ کذا فی البحر عن البدائع۔

شارح نے بتایا کہ صلح میں قصاص کی قید اس لیے ماتن نے لگائی کہ اگر کوئی غلام تجارت کے غلام کو خطا قتل کر ڈالے اور مقتول کے قتل کے بدلے میں وہ غلام مقتول کے وارث کو دیدیا جائے تو یہ غلام مالک کی نیت کے بغیر تجارت کا غلام شمار ہو گا۔ اسی طرح جو چیز بھی تجارت کے مال کے عوض میں قبضہ میں آئے گی وہ بھی بغیر نیت تجارت، تجارت کے لیے شمار ہو گی، جیسا کہ پہلے گذرا۔

اشباہ کے ابتداء میں آیا ہے کہ جو مال کسی مال کے بدلے میں نہ ہو اس میں تجارت کی نیت مذہب اصح کے مطابق درست نہیں ہو گی۔ امام ابو یوسفؒ کے مقابلہ میں جو قول نقل کیا گیا ہے اس کی تائید کے لیے شارح نے یہ قول یہاں نقل کیا ہے۔

لا زکوٰۃ فی اللآلی والجواهر و ان ساوت الفاتفاقا الا ان تكون للتجارة والاصل ان ما عدا الحجرین والسوائم انما یزکی بنية التجارة بشرط عدم المانع المودی الی الثنی و شرط مقارنتها لعقد التجارة وهو کسب المال بالمال بعقد شراء او اجارة او استقراض ولو نوى التجارة بعد العقد او اشترى شیئا لنفسه ناویا انه ان وجد ربحا باعه لا زکوٰۃ علیہ کما لو نوى التجارة فیما خرج من ارضه کما مر و کما لو شری ارضا خراجیة ناویا التجارة او عشریة و زرعها او بذرا للتجارة و زرعه لا یكون للتجارة لقیام المانع.

موتیوں اور جواہر میں زکوٰۃ نہیں موتیوں اور جواہر میں بالاتفاق زکوٰۃ نہیں ہے، گو وہ ہزاروں کی قیمت کے ہوں، البتہ جب یہ دونوں تجارت کے لیے ہوں گے تو ان میں زکوٰۃ ہو گی، (جواہر سے مراد یاقوت، زمرد جیسے قیمتی پتھر ہیں، پیدائش کے اعتبار سے چوں کہ ان کا شمار ثمن میں نہیں ہے اس لیے ان میں زکوٰۃ نہیں ہے)

زکوٰۃ کا وجوب زکوٰۃ کے واجب ہونے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ، سونا، چاندی اور سائے جانوروں کے علاوہ اور چیزوں میں اس وقت زکوٰۃ ہوتی ہے جب ان میں تجارت کی نیت ہو، اور اسی کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ کوئی مانع ایسا نہ ہو جس کی وجہ سے دوبارہ زکوٰۃ کی نوبت آئے اور یہ بھی شرط ہے کہ عقد تجارت کی نیت پائی جائے اور عقد تجارت کہتے ہیں مال کا مال کے بدلے حاصل کرنا خواہ خرید و فروخت کے ذریعہ ہو، یا اجارہ کے ذریعہ ہو اور یا قرض لینے کے طور پر ہو۔

اگر معاملہ کے بعد تجارت کی نیت کی ہیا کوئی چیز گھر میں استعمال کے لیے اس نیت سے خریدی، کہ اگر نفع ملے گا تو اس کو بیچ ڈالیں گے، تو ایسی چیز میں زکوٰۃ نہیں ہے جس طرح اس پیداوار میں زکوٰۃ نہیں ہے جو اس کی عشری یا خراجی زمین میں پیدا ہو، کیوں کہ یہاں عشر و خراج مانع زکوٰۃ موجود ہے، جس کو پہلے وصول کر چکے ہیں۔

اور جیسا کہ اگر کوئی عشری یا خراجی زمین میں تجارت کی نیت سے خریدے، اور اس زمین میں کاشت کر دے یا کسی نے بیج

تجارت کی نیت سے خرید کیا، پھر اس کو بویا، تو ان صورتوں میں یہ تجارت کے لیے نہیں ہوگا، کیوں کہ مانع پایا گیا، اور وہ مانع عشری اور خراج ہے۔

باب السائمة

ہی لغة الراعية و شرعا المكثفة بالرعى المباح ذكره الشمني في اكثر العام لقصد الدر والنسل ذكره الزيلعي و زاد في للحيط والزيادة والسمن ليعم الذكور فقط لكن في البدائع لو اسامها للحم لا زكوة فيها كما لو اسامها للحمل والركوب ولو للتجارة ففيها زكوة التجارة و لعلمهم تركوا ذلك لتصريحهم بالحكمين فلو علفها نصفه لا تكون سائمة فلا زكوة فيها لشك في الموجب و يبطل حول زكوة التجارة بجعلها للسم لان زكوة السوائم و زكوة التجارة مختلفان قدرا و سببا فلا يبنى حول احدهما على الآخر فلو اشترى لها اى للتجارة ثم جعلها سائمة اعتبر اول الحول من وقت الجعل للسم كما لو باع السائمة في وسط الحول او قبله بيوم بجنسها او بغير جنسها او بنقد و لا نقد عنده او بعروض و نوى بها التجارة فانه يستقبل حولا آخر جوهره و فيها ليس في سوائم الوقف والخيال المسيلة زكوة لعدم المالك ولا في المواشى العمى ولا مقطوعة القوائم لانها ليست بسائمة.

اس باب میں ان جانوروں کی زکوٰۃ کا بیان ہے

جو سال کے بیشتر حصہ میں چرنے پر گزر کرتے ہیں

سائمتہ کی تعریف سائمتہ لغت میں چرنے والے جانور کو کہتے ہیں جو جائز مباح چرائی پر اکتفا کرے اور مالک کو اس کا معاوضہ نہ دینا پڑے، اس کو شمنی نے ذکر کیا ہے۔ سال کے بیشتر حصہ میں چرنے پر اکتفا کرے یا دودھ کے لیے ایسا کرے یا بچہ حاصل کرنے کے لیے اس کو زیلعی نے ذکر کیا، اور محیط نامی کتاب میں اتنا اور زیادہ کیا ہے کہ یا چرنے پر اکتفا یا دہی اور موٹاپے کے لیے کرے، تاکہ یہ صرف نروں کو شامل ہو، اور بدائع نامی کتاب میں ہے کہ اگر جانوروں کو گوشت کے لیے چرایا تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہوگی، جس طرح کوئی جانوروں کو اس لیے چرائے کہ وہ اس سے لادنے کا کام لے گا یا سواری کا، تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہوتی۔

تجارت کی نیت کا اثر اور اگر کسی نے جانوروں کو تجارت کی نیت سے چرایا تو ان میں تجارت والی زکوٰۃ ہوگی بلور متن والوں نے اس قید کو شاید اس لیے چھوڑ دیا ہے کہ ان دونوں حکموں کی صراحت پہلے آچکی ہے، یعنی یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ جو مال تجارت کے لیے ہوگا اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی، اور مال کا لفظ حیوانات کو بھی شامل ہے مگر وہ ایسے چرنے والے جانور جو ہار برداری یا سواری کے لیے ہوں ان میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

پالتو جانور کی زکوٰۃ اگر جانوروں کو گھر پر باندھ کر آدھے سال گھاس کھلایا ہے تو وہ ایسے سائمه نہیں ہوں گے جن پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، کیوں کہ ایسے پالتو جانوروں میں زکوٰۃ نہیں ہے اس لیے کہ ان کا سائمه ہونا مشکوک ہو گیا ہے۔

سائمه اور تجارت کی زکوٰۃ کے سال تجارت کی زکوٰۃ کا سال ان جانوروں کے لیے سائمه بتانے سے باطل ہو جاتا ہے، کیوں کہ سائمه جانوروں کی زکوٰۃ اور تجارت کی زکوٰۃ دونوں مقدار اور سبب میں مختلف ہیں لہذا ان دونوں میں کسی ایک کا سال دوسرے کے سال پر مبنی نہیں ہوگا (اس مسئلہ کی صورت یہ لکھی ہے کہ ایک شخص کے پاس تجارت کے جانور تھے کچھ دونوں کے بعد اس کے مالک نے ان جانوروں کو دودھ اور افزائش نسل کے لیے چرنے کے واسطے چھوڑ دیا، تو اس صورت میں زکوٰۃ کا سال چرائی کے دن سے شروع ہوگا، اس سے پہلے کے دن سال میں محسوب نہیں ہوں گے، کیوں کہ تجارت کی زکوٰۃ کی مقدار مال کا چالیسواں حصہ ہے، اور سوائم (چرنے والے جانوروں) کی زکوٰۃ میں مختلف تعداد پر جانور دینے پڑتے ہیں، ان دونوں کی زکوٰۃ کا سبب بھی الگ الگ ہے، مال تجارت میں سبب ”نصاب مالی کا مالک ہونا ہے، اور سوائم میں عدد معین کا مالک ہونا ہے، لہذا سائمه جانوروں اور مال تجارت کی زکوٰۃ میں کسی ایک کا سال دوسرے کے سال پر مبنی نہیں ہو سکتا ہے)

جانوروں میں نیت کی تبدیلی اب اگر کسی نے تجارت کی نیت سے جانور خریدے پھر ان جانوروں کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا تو ایسی صورت میں اول سال اس وقت سے معتبر ہوگا جب سے اس نے ان جانوروں کو چرائی کے لیے چھوڑا ہے، جس طرح کہ کوئی چرنے والے جانور کو درمیان سال میں یا سال پورے ہونے سے ایک دن پہلے اس کے جنس یا غیر جنس کے بدلے میں بیچ دے یا نقد کے عوض بیچ دے، اور اس کے پاس نقد پہلے سے موجود نہ ہو یا اسباب کے بدلے بیچے اور اس اسباب میں تجارت کی نیت کر لے۔

ان سب صورتوں میں از سر نو سال شروع ہوگا کذا فی الجوہرہ، اور اسی جوہرہ نامی کتاب میں یہ بھی ہے کہ جو سائمه جانور وقف ہوں یا جو گھوڑے فی سبیل اللہ رکھے گئے ہوں، ان میں زکوٰۃ نہیں ہے، اس لیے وقف اور فی سبیل اللہ مال کا کوئی مالک نہیں ہوتا ہے، اسی طرح اندھے اور پاؤں کٹے ہوئے جانوروں میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے، اس لیے کہ یہ سائمه باقی نہیں رہتے۔

گھوڑے اور اندھے جانوروں کی زکوٰۃ (صاحبین کہتے ہیں کہ گھوڑوں میں بالکل زکوٰۃ نہیں ہے اور فلکوی ظہیر یہ میں لکھا ہے کہ اندھے جانوروں میں دو روایتیں آئی ہیں یعنی ایک روایت میں لکھا ہے کہ زکوٰۃ نہیں ہے اور دوسری میں ہے کہ زکوٰۃ ہوگی چنانچہ صاحبین اندھے جانوروں میں بھی زکوٰۃ کو واجب قرار دیتے ہیں)

باب زکوة الابل

يَصَابُ الْإِبِلُ بِكُسْرِ الْبَاءِ وَ تَسْكُنُ مُؤَنَّثَةً لَا وَاحِدَ لَهَا مِنْ لَفْظِهَا وَالنَّسْبَةُ إِلَيْهَا أَبْلَى بِفَتْحِ الْبَاءِ سَمِيَتْ بِهَا لِأَنَّهَا تَبُولُ عَلَى اخْتِذَاهَا هُوَ خَمْسٌ فَيُؤْخَذُ مِنْ كُلِّ خَمْسٍ مِنْهَا إِلَى خَمْسٍ وَ عَشْرِينَ بَنَتْ جَمْعُ بَنَتْ وَ هُوَ مَالُهُ سَنَامَانٌ مَنْسُوبٌ إِلَى بَنَتْ نَصْرٌ لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ جَمَعَ بَيْنَ الْعَرَبِيِّ وَالْعَجَمِيِّ فَوُلِدَ مِنْهُمَا وَلَدٌ فَسُمِيَ بِبَنَتْ أَوْ عَرَابُ شَاةٌ وَ مَا بَيْنَ النَّصَابِيِّينَ عَفْوٌ فِيهَا أَيْ الْخَمْسُ وَالْعَشْرِينَ بَنَتْ مَخَاضٌ وَ هِيَ الَّتِي طَعَنْتَ فِي السَّنَةِ الثَّانِيَةِ سَمِيَتْ بِهِ لِأَنَّ أُمَهَا غَالِبًا تَكُونُ مَخَاضًا أَيْ حَامِلًا بِأُخْرَى وَ فِي سِتٍّ وَ ثَلَاثِينَ إِلَى خَمْسٍ وَ أَرْبَعِينَ بَنَتْ لَبُونٌ وَ هِيَ الَّتِي طَعَنْتَ فِي الثَّالِثَةِ لِأَنَّ أُمَهَا تَكُونُ ذَاتَ لَبَنٍ لِأُخْرَى غَالِبًا وَ فِي سِتٍّ وَ أَرْبَعِينَ إِلَى سِتِّينَ حَقَّةً بِالْكَسْرِ وَ هِيَ الَّتِي طَعَنْتَ فِي الرَّابِعَةِ وَ حَقٌّ رَكُوبَهَا وَ فِي أَحَدِي وَ سِتِّينَ إِلَى خَمْسٍ وَ سَبْعِينَ جَذَعَةً بِفَتْحِ الذَّالِّ الْمَعْجَمَةِ وَ هِيَ الَّتِي طَعَنْتَ فِي الْخَامِسَةِ لِأَنَّهَا تَجْدَعُ أَيْ تَقْلَعُ أَسْنَانَ اللَّبَنِ وَ فِي سِتٍّ وَ سَبْعِينَ إِلَى تَعِينِ بَنَاتِ لَبُونٍ وَ فِي أَحَدِي وَ تِسْعِينَ حَقَّتَانِ إِلَى مِائَةٍ وَ عَشْرِينَ كَذَا كَتَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ثُمَّ تَسْتَأْنِفُ الْفَرِيضَةَ عِنْدَنَا فَيُؤْخَذُ فِي كُلِّ خَمْسٍ شَاةٌ مَعَ الْحَقَّتَيْنِ ثُمَّ فِي كُلِّ مِائَةٍ وَ خَمْسٍ وَ أَرْبَعِينَ بَنَتْ مَخَاضٌ وَ حَقَّتَانِ ثُمَّ فِي كُلِّ مِائَةٍ وَ خَمْسِينَ ثَلَاثُ حَقَاقٍ ثُمَّ تَسْتَأْنِفُ الْفَرِيضَةَ بَعْدَ الْمِائَةِ وَالْخَمْسِينَ فَفِي كُلِّ خَمْسٍ شَاةٌ مَعَ ثَلَاثِ حَقَاقٍ ثُمَّ فِي كُلِّ خَمْسٍ وَ عَشْرِينَ بَنَتْ مَخَاضٌ مَعَ الْحَقَاقِ ثُمَّ فِي سِتٍّ وَ ثَلَاثِينَ بَنَتْ لَبُونٌ مَعَهُنَّ ثُمَّ فِي مِائَةٍ وَ سِتٍّ وَ تِسْعِينَ أَرْبَعُ حَقَاقٍ إِلَى مِائَتَيْنِ ثُمَّ تَسْتَأْنِفُ الْفَرِيضَةَ بَعْدَ الْمِائَتَيْنِ أَبَدًا كَمَا تَسْتَأْنِفُ فِي الْخَمْسِينَ الَّتِي بَعْدَ الْمِائَةِ وَالْخَمْسِينَ حَتَّى تَجِبَ فِي كُلِّ خَمْسِينَ حَقَّةٌ وَلَا تَجْزَى ذَكَورُ الْإِبِلِ إِلَّا بِالْقِيَمَةِ لِلْإِنَاثِ بِخِلَافِ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ فَإِنَّ الْمَالِكَ مُخِيرٌ.

اس باب میں اونٹوں کی زکوٰۃ کی تفصیل ہے

اونٹ کا نصاب زکوٰۃ اونٹ کا نصاب پانچ ہے لہذا پانچ اونٹ سے لے کر پچیس اونٹوں تک ہر پانچ اونٹ میں ایک بکری زکوٰۃ ہے، یہ اونٹ خواہ بختی ہو، خواہ عربی، اور ہر دو نصاب کے درمیان جو زیادہ اونٹ ہوں گے ان کی زکوٰۃ معاف ہے (یعنی پانچ سے لے کر نو اونٹ تک ایک ہی بکری ہوگی اسی طرح دس سے لے کر چودہ تک دوسری بکری، اور پندرہ سے لے کر انیس تک تین بکریاں اور بیس سے لے کر چوبیس تک چار بکریاں اور پچیس میں بنت مخاض ہے)

بختی اونٹ شارح نے بتایا کہ بخت بختی کی جمع ہے اور بختی دو کوہان والے اونٹ کو کہتے ہیں، یہ بختی کا لفظ بخت نصر بادشاہ کی طرف منسوب ہے اس لیے کہ سب سے پہلے اسی نے عربی اور عجمی اونٹوں کو جمع کر کے ایک نئی نسل حاصل کی تھی۔

پچیس سے زیادہ اونٹ کی زکوٰۃ جب کسی کے پاس پچیس اونٹ ہوں گے تو ان کی زکوٰۃ میں ایک ایسا اونٹ کا یک سالہ بچہ واجب ہوگا، جس پر ایک سال پورا ہو کر دوسرا سال چڑھ چکا ہو ایسے ایک سالہ اونٹ کو بنت مخاض کہتے ہیں اور یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ مخاض حاملہ کو کہتے ہیں اور اس کی ماں اونٹ مادہ دوسرے سال عموماً حاملہ ہو جاتی ہے اور چھتیس اونٹ سے لے کر ۴۵ اونٹوں تک میں ایک بنت لبون ہے یعنی اونٹ کا دو سالہ بچہ جس کا تیسرا سال شروع ہو چکا ہو، بنت لبون کہنے کی وجہ یہ ہے کہ دو سالہ بچے کی ماں عموماً اس عرصہ میں دوسرا بچہ دے کر دودھ والی ہو چکی ہوتی ہے، اور چھیا لیس سے لے کر ساٹھ اونٹ تک کی زکوٰۃ ایک حقہ ہے یعنی اونٹ کا تین سالہ بچہ جس کا چوتھا سال شروع ہو چکا ہو، اور وہ سواری کے قابل ہو گیا ہو، اور اکٹھ اونٹ سے لے کر ۷۵ تک اونٹوں کی زکوٰۃ ایک جذعہ ہے یعنی اونٹ کا چار سالہ بچہ جو پانچویں برس میں قدم رکھ چکا ہو، جذعہ کے لفظی معنی توڑنے کے ہیں، اس کو جذعہ اس لیے کہا گیا ہے کہ اس عمر میں دودھ کے دانت ٹوٹنے لگتے ہیں، اور ۷۶ اونٹ سے لے کر ۹۰ تک اونٹوں میں دو بنت لبون زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، اور اکیانوے سے لے کر ایک سو بیس اونٹ میں دو حقہ، آنحضرت ﷺ اور حضرت صدیق اکبرؓ کی باہم مکاتبت میں یہی تفصیل درج ہے۔

ایک سو بیس اونٹ سے زیادہ کی زکوٰۃ علماء احناف کے نزدیک ایک سو بیس اونٹوں کے بعد حساب پھر از سر نو شروع ہوگا، اس طرح کہ ایک سو بیس اونٹوں میں دو حقے ہوں گے اس کے بعد ہر پانچ اونٹ پر دو حقوں کے ساتھ ایک بکری ہوگی، مثلاً ایک سو پچیس اونٹ ہیں، تو دو حقے ایک بکری زکوٰۃ دینا ہوگی، اور اگر ایک سو تیس اونٹ ہیں، تو دو حقے اور دو بکری، ایک سو پینتیس میں دو حقے تین بکریاں، ایک سو چالیس میں دو حقے اور چار بکریاں، اور ایک سو پینتالیس میں دو حقے اور ایک بنت مخاض پھر ہر ایک سو پچاس میں تین حقے۔

ایک سو پچاس سے اوپر کی زکوٰۃ ایک سو پچاس اونٹوں میں تین حقے ہو گئے اس کے بعد اضافہ پر حساب پھر از سر نو شروع ہوگا مثلاً ایک سو پچپن اونٹ ہیں تو تین حقے اور ایک بکری، اور ایک سو ساٹھ میں تین حقے دو بکریاں، اور ایک سو پینٹھ میں تین حقے اور تین بکریاں، ایک سو ستر میں تین حقے اور چار بکریاں، اور

ایک سو پچتر میں تین حقے اور بنت مخاص اور ایک سو چھیاسی میں تین حقے اور ایک بنت لبون۔

یہاں اس کو اس طرح ادا کیا ہے کہ ایک سو پچاس کے بعد ہر پانچ اونٹ میں حقوق کے ساتھ ایک بکری اور پچیس میں حقوق کے ساتھ ایک بنت مخاص اور چھتیس میں حقوق کے ساتھ ایک بنت لبون، پھر ایک سو چھیانوے میں چار حقے دو سو اونٹ تک۔

دو سو اونٹ سے زیادہ کی زکوٰۃ

دو سو کی تعداد پوری ہونے کے بعد پھر ہمیشہ از سر نو زکوٰۃ کا حساب شروع ہوگا، جیسے ڈیڑھ سو کے بعد پچاس میں کیا جاتا رہا ہے یہاں تک کہ ہر پچاس میں ایک حقہ واجب ہوگا، مثلاً دو سو پانچ اونٹ ہوئے تو چار حقے اور ایک بکری ہوگی، اور دو سو دس اونٹ میں چار حقے اور دو بکریاں، اور دو سو پندرہ اونٹ میں چار حقے اور تین بکریاں، اور دو سو بیس اونٹ میں چار حقے اور چار بکریاں، اور دو سو پچیس میں چار حقے اور ایک بنت مخاص الخ۔

زکوٰۃ میں صرف نرا اونٹ کا حکم

زکوٰۃ میں صرف نرا اونٹ دینا کافی نہیں ہوتا ہے البتہ اگر مادہ اونٹنی کی قیمت کے اعتبار سے نرا اونٹ دیا جائے گا تو وہ کافی ہوگا منشاء یہ ہے کہ چونکہ مادہ اونٹنی کی قیمت زیادہ ہوتی ہے اور نرا اونٹ کی قیمت کم اس لیے مادہ اونٹنی کے حساب سے نرا اونٹ دیا جائے گا تب وہ زکوٰۃ میں قابل قبول ہوگا، بخلاف گائے اور بکری کے، کہ ان دونوں میں مالک کو اختیار ہے خواہ نردے خواہ مادہ۔

باب زکوٰۃ البقر

من البقر بالسكون و هو الشق سمى به لانه يشق الارض كالثو لانه يثير الارض و مفردة بقرة والتاء للوحدة نصاب البقر والجاموس ولو متوالدا من وحشى و اهلية بخلاف عكسه و وحشى بقر و غنم وغيرهما فانه لا يعد في النصاب ثلثون سائمة غير مشتركة وفيها تبیع لانه يتبع امه ذو سنة كاملة او تبیعة انشاء وفي اربعين من ذو سنتين او مسنة و فيما زاد على الاربعين بحسابه في ظاهر الرواية عن الامام و عنه لا شی فیما زاد الى ستين ففيها ضعف ما في ثلثين و هو قولهما والثلثة و عليه الفتوى بحر عن النابيع و تصحيح القدوري ثم في كل ثلثين تبیع و في كل اربعين مُسنة الا اذا تداخلا كمائة و عشرين فيخير بين اربع اتبعة و ثلث مسنات و هكذا .

گائے بیل کی زکوٰۃ کا بیان

بقر (پہلے دو حرف کے زیر کے ساتھ) بَقْر سے مشتق ہے جس کا درمیانی حرف ساکن ہے اس کے معنی پھاڑنے کے آتے

ہیں، بقر کو بقر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ زمین کو پھاڑتا ہے، جیسے اس کے زکوٰۃ فور کہتے ہیں اس لیے کہ وہ زمین اکھڑتا ہے اور کاشت کے لائق بناتا ہے اور بقر کا۔ مفرد بقرۃ ہے اور اس میں تادم وحدت کی ہے، تانیف کی نہیں ہے۔

گائے بھینس کا نصاب گائے اور بھینس کی زکوٰۃ کا نصاب تیس ہے جو کہ جنگل میں چرنے والے ہوں اور سامی کے نہ ہوں شارح کا کہنا ہے کہ اگرچہ وہ گائے بھینس (وحشی) اور زراعی سے پیدا ہوئے ہوں اور اگر اس کے برعکس وہ ملوہ جنگلی اور زراعی سے پیدا ہوئے ہوں تو نصاب میں شمار نہیں ہوگا، اسی طرح جنگلی گائے اور بکری بھی نصاب میں داخل نہیں ہیں، اس لیے کہ جانوروں میں ملوہ کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ نہیں (غیر مشترک کی شرط اس لیے لگائی گئی ہے کہ اگر تیس جانور مشترک ہوں گے تو ان پر زکوٰۃ نہیں ہوگی، کیوں کہ اس صورت میں ہر ایک کا حصہ نصاب سے کم ہو جائے گا، جب تیس گائیں ہوں گی تو ان کی زکوٰۃ میں ایک سال کا ایک بچھڑا یا بچھڑی دینا واجب ہوگا۔ ایک سالہ بچھڑے کو تیج اس لیے کہتے ہیں کہ تیج کے لفظی معنی ہیں ساتھ رہنے والا۔ اور عموماً ایک سال کا بچھڑا اپنی ماں کے ساتھ ہی رہتا ہے، (کاملہ یعنی پورے ایک سال کی قید اس لگائی ہے، کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ دوسرے برس میں وہ داخل ہو چکا ہو، بس جو گائے کا بچہ پورے ایک سال کا ہو چکا ہو گا تو یقینی طور پر اس کا دوسرا برس شروع ہو چکا ہوگا) اور چالیس گائے میں پورے دو برس کا نہ یا ملوہ (گائے) کا بچہ کو واجب ہے جس کو عربی میں مَسْن کہتے ہیں۔

(مسن کے معنی ہیں دانت والا، اور اس کو مَسْن اس لیے کہتے ہیں کہ دو سالہ گائے کا بچہ خواہ بچھڑا ہو خواہ بچھڑی اس کے دودھ کے دانت ٹوٹنے شروع ہو جاتے ہیں اور نئے دانت نکلنے لگتے ہیں) اور چالیس سے جتنے زیادہ ہوں گے ان کی زکوٰۃ ساٹھ تک اسی حساب سے لی جائے گی، یعنی اگر چالیس پر ایک زیادہ ہوگا تو دو سالہ بچھڑے کے ساتھ ایک دوسرے دو سالہ بچھڑے کا چالیسواں حصہ اور دو کی زیادتی میں اس کا بیسواں حصہ امام صاحب کا ظاہر الروایات کے مطابق یہی مذہب ہے، اور امام کی ایک دوسری روایت یہ ہے کہ چالیس سے اوپر ساٹھ تک دو سالہ بچھڑے یا بچھڑی کے سوا کچھ لازم نہیں ہے البتہ جب ساٹھ ہو جائیں گے تو اس میں اس سے دو گنا زکوٰۃ واجب ہوگی یعنی جو تیس پر زکوٰۃ لازم ہوتی تھی اس کا دو گنا یعنی پورے ایک سال کا دو بچھڑا یا بچھڑی، صاحبین اور باقی تین اماموں کا بھی یہی قول ہے اور اسی پر فتویٰ بھی ہے، پھر ہر تیس کے اضافہ پر ایک سالہ گائے کا بچہ جس کو تیج کہتے ہیں اور ہر چالیس کے اضافہ پر ایک مسنہ یعنی گائے بیل کا مالک و مختار ہے تو وہ خواہ چار تبیعہ دے یا تین مسنہ، علیٰ ہذا القیاس، یعنی دو سو چالیس میں آٹھ تبیعہ یا چھ مسنہ۔

(متداخل سے یہ مراد ہے کہ ایسا عدد جو تیس اور چالیس دونوں پر پورا تقسیم ہو جائے تو تیس کے حساب سے چاہے تیج دے یا چالیس کے حساب سے مسنہ)

باب زکوٰۃ الغنم

مشتق من الغنیمۃ لانہ لیس لها آلۃ الدفاع لکانت غنیمۃ لكل طالب نصاب الغنم ضانا او

معزاً فانهما سواء في تكميل النصاب والاضحية والربا لا في اداء الواجب والايمان اربعون و فيها شاة تعم الذكور والاناث و في مائة واحدى و عشرين شاتان و في مائتين و واحدة ثلث شياه و في اربعمائة اربع شياه و ما بينهما عفو ثم بعد بلوغهما اربعمائة في كل مائة شاة إلى غير نهاية و يؤخذ في زكرتها اى الغنم الثنى من الضان والمعز وهو ما تمت له سنة لا الجذع الا بالقيمة وهو ما اتى عليه اكثرها على الظاهر و عنه جواز الدع من الضان و هو قولهما والدليل يرجحه ذكره الكمال والثنى منى البقر ابن سنتين و من الابل ابن خمس والجذع من البقر ابن سنة و من الابل ابن اربع.

بھیڑ اور بکریوں کی زکوٰۃ کا بیان

غَنَمٌ غَنِيمَةٌ سے مشتق ہے اور غنم کو غنم اس کہا گیا ہے کہ اس کے پاس ایسے آلات نہیں ہوتے ہیں جن سے وہ اپنے طالب کو دفع کر سکے پس گویا یہ ہر طلب کرنے والے کے لیے غنیمت ہے بکری اور بھیڑ کا سینگ مدافعت کے لائق نہیں ہوتا ہے لہذا اس کا پایا جانا اور نہ پایا جانا برابر ہے۔

بھیڑ بکری کی زکوٰۃ بھیڑ اور بکری کا نصاب چالیس ہے، چالیس بھیڑ ہو یا چالیس بکری، اس کی زکوٰۃ ایک بکری یا ایک بکر ہے یعنی مادہ ہو یا نر، دونوں زکوٰۃ میں دیئے جاسکتے ہیں، شارح نے بتایا کہ غَنَمٌ کا لفظ بکری کے لیے بھی آتا ہے اور بھیڑ کے لیے بھی، اس لیے کہ نصاب زکوٰۃ کے پورا کرنے اور قربانی اور باب ربوا میں بھیڑ اور بکری دونوں برابر ہیں۔

البتہ واجب کی ادائیگی اور قسم کی ادائیگی میں دونوں برابر نہیں ہیں (نصاب پورا کرنا) کی مراد یہ ہے کہ اگر بھیڑ بکری دونوں ملا کر چالیس کی تعداد پوری ہو جائے گی تو بھی زکوٰۃ لازم ہوگی جس طرح صرف چالیس بکری یا صرف چالیس بھیڑ میں زکوٰۃ لازم ہوتی ہے، اسی طرح جیسے بکری کی قربانی جائز ہے بھیڑ کی قربانی بھی درست ہے اور سود میں برابر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بکری کے گوشت کے بدلے بھیڑ کا گوشت لے اور کم بیش کر کے لے دے تو یہ حرام ہے، اس کے خلاف ادائے واجب میں اور قسم کے باب میں دونوں برابر نہیں ہیں یعنی اگر کسی کے پاس چالیس بھیڑیں ہوں گی اور زکوٰۃ میں اس پر ایک بھیڑ واجب ہوگی، اس بھیڑ کے بدلے زکوٰۃ میں بکری نہیں لے سکتے ہیں) مثلاً کسی نے قسم کھائی کہ بھیڑ کا گوشت نہیں کھاؤں گا اس قسم کے بعد اگر وہ بکری کا گوشت کھالے گا تو حاث نہیں قرار پائے گا۔

ایک سو اکیس سے اوپر بکریوں کی زکوٰۃ ایک سو اکیس بھیڑ اور بکریوں میں دو بکریاں زکوٰۃ ہوں گی اور جب بھیڑ بکریوں کی یہ تعداد دو سو تین ہو جائے گی تو اس کی زکوٰۃ میں تین بکری دینا ہوں گی اور چار سو بکریوں میں چار بکریاں اور ایک نصاب سے دوسرے نصاب تک جو درمیانی عدد ہیں، ان کی

زکوٰۃ معاف ہے مثلاً چالیس بکریوں کی زکوٰۃ ایک بکری ہے اور ایک سو اکیس میں دو بکریاں زکوٰۃ ہے اب چالیس سے لے کر ایک سو بیس تک جو زائد بکریاں یا بھیڑ ہیں ان کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے، ایک سو بیس بکریوں میں صرف ایک ہی بکری زکوٰۃ میں دیا واجب ہے جس طرح صرف چالیس بکریوں میں ایک بکری زکوٰۃ ہے، زکوٰۃ وصول کرنے والے کو یہ حق ہرگز نہیں ہے کہ جس کے پاس ایک سو بیس بکریاں ہیں اس سے ہر چالیس بکریوں پر ایک بکری وصول کرے، اسی طرح اگر چالیس بکریوں کی ملکیت آدمیوں کو پہنچتی ہے تو اس میں بھی زکوٰۃ نہیں ہوگی اس لیے کہ نصاب کامل نہیں پایا گیا۔

جب بکریاں یا بھیڑ چار سو ہو جائیں گی تو پھر ہر سو بکری میں ایک بکری زکوٰۃ میں دی جائے گی، خواہ کتنی ہی تعداد ہو جائے۔

بکری اور بھیڑ کی زکوٰۃ میں پورے ایک سال کا بکر اور پورے سال کا مینڈھا لیا جائے گا جو

سال بھر سے کم کی بکری زکوٰۃ میں لی جائے گی یا نہیں

دوسرے سال میں داخل ہو چکا ہو، سال بھر سے کم کا ایسا بکر یا مینڈھا نہیں لیا جائے گا جس پر سال کا اکثر حصہ گذر چکا ہو لیکن سال پورا نہ ہو اہو لیکن اگر وہی لینا پڑے تو قیمت لگا کر لیا جائے ظاہر الروایت یہی ہے، گو امام صاحب سے دوسری روایت یہ بھی آئی ہے کہ بکری یا مینڈھا جس پر سال کا اکثر حصہ گذر چکا ہو زکوٰۃ میں لیا جاسکتا ہے، اور صاحبین کا بھی یہی قول ہے، اور دلیل سے یہی قول رائج معلوم ہوتا ہے ابن الہمام نے اسی طرح ذکر کیا ہے، لیکن صاحب بحر الرائق نے ظاہر الروایت پر اعتماد کیا ہے اور بعض دوسروں نے اسی کو ترجیح بھی دیا ہے۔

بکری اور بھیڑ میں پورے ایک سال کا ہوتا ہے اور بیل اور گائے میں دو برس کا ہوتا ہے اور اونٹ پانچ برس کا، اور جذع بھیڑ بکری میں سال سے کچھ کم کا ہوتا ہے اور گائے بیل میں ایک برس کا اور اونٹ میں

بکری اور جذع

چار برس کا۔

ولاشی فی خیل سائمة عندهما و علیہ الفتوی خانیة و غیرہا ثم عند الامام هل لها نصاب مقدار الاصح لا لعدم النقل بالتقدير و لا فی بغال و حمیر سائمة اجماعا لیست للتجارة فلو لها فلا كلام لانها من العروض و لا فی عوامل و علوفة مالم تكن العلوفة للتجارة و لا فی حمل بفتحین ولد الشاة و فصيل ولد الناقة و عجول بوزن سنور ولد البقرة و صورته ان يموت کل الکبار و یتیم الحول علی اولادها الصغار الاتبعوا لکبیر و لو واحدا و یجب ذلک الواحد مالم یکن جیدا فیلزم الوسط و هلاکه یسقطها۔

جو گھوڑے جنگل میں سال کے اکثر حصہ میں چرتے ہوں اور اسی پر زندگی پالتے ہوں تو صاحبین کے نزدیک ان میں کوئی زکوٰۃ نہیں ہے اور صاحبین کے ہی قول پر فتویٰ بھی ہے کذا فی الخانیة وغیرہ۔

گھوڑے کی زکوٰۃ

البتہ امام اعظمؒ کے نزدیک ایسے گھوڑوں میں زکوٰۃ ہوتی ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک ان کا کوئی نصاب بھی مقرر ہے یا نہیں، اس کا صحیح تر جواب یہ ہے کہ کوئی نصاب مقرر نہیں ہے، گو کسی نے نصاب تین قرار دیا ہے اور کسی نے پانچ، سلف سے کوئی اندازہ منقول نہیں ہے۔

(گھوڑوں کی زکوٰۃ کے سلسلہ میں طحطاوی، زیلعی، اور کافی وغیرہ نے صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے، البتہ فتح القدیر میں امام کے قول کو راجح کہا گیا ہے اور صاحبین کے قول کے متعلق بیان ہے کہ ان کی مراد عازیوں کے گھوڑے ہیں جن میں زکوٰۃ نہیں ہوتی)

گدھوں اور خچروں کی زکوٰۃ خچروں، گدھوں میں جو جنگل میں چرتے ہوں کسی کے نزدیک بھی زکوٰۃ نہیں ہے، شرط یہ ہے کہ تجارت کے لیے نہ ہوں، البتہ یہ اگر تجارت کے ہوں گے تو زکوٰۃ کے واجب ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے، کیوں کہ یہ سامان تجارت کے حکم میں ہو جائیں گے، جن پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

کھیتی کے جانور اور پالتو جانور کی زکوٰۃ اسی طرح کھیتی وغیرہ کے کام کرنے والے جانوروں اور گھر میں گھاس کھا کر پلنے والے جانوروں میں زکوٰۃ نہیں ہے، جب تک یہ جانور تجارت کے لیے نہ ہوں، جب تجارت کے لیے ہوں گے تو سامان تجارت میں داخل ہو کر ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی، تجارت کی قید پالتو جانوروں کے لیے ہے، اس لیے کہ جو کھیتی وغیرہ کے کام کے ہوں گے ان کا تجارت کے لیے ہونے کا سوال پیدا نہیں ہوتا ہے، اور ایسے جانور میں تجارت کی نیت کرنے سے بھی تجارت کے قرار نہیں پائیں گے۔ کذا فی الشامی۔

جانور کے بچوں کی زکوٰۃ اگر صرف بکری یا بھیڑ کے بچے ہی بچے ہوں یا اسی طرح اونٹ اور گائے کے بچے ہی بچے ہوں، ان کیساتھ بڑے جانور نہ ہوں، تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہے چنانچہ اس کی صورت یہ بتائی گئی ہے کہ کسی کے پاس چھوٹے بڑے جانور تھے، بڑے سارے جانور مر گئے اور صرف ان کے بچے رہ گئے اور سال پورا ہو گیا تو امام اعظم اور امام محمد کا قول یہی ہے البتہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ جتنے بچے ہوں گے ان میں سے ایک بچہ زکوٰۃ میں دیدیا جائے گا اور ان بچوں کا نصاب ان کے نزدیک پچیس ہے، پچیس بچوں سے کم میں زکوٰۃ کے وہ بھی قائل نہیں ہیں مگر اس سلسلہ میں امام اعظم اور امام محمد کے قول کو ترجیح دی گئی ہے۔ کذا فی الشامی۔

بچے بھی ہوں اور بڑے بھی جیسا اوپر ذکر کیا گیا کہ جانوروں کے اگر صرف بچے ہی بچے ہوں، تو ان پر زکوٰۃ نہیں ہے لیکن یہی بچے اگر بڑے جانوروں کے ساتھ ہوں گے تو بڑوں کے ساتھ ان کے بچوں کی زکوٰۃ بھی دی جائے گی، اگر بچے زیادہ ہوں اور بڑا ایک ہی کیوں نہ ہو، مگر زکوٰۃ میں وہی ایک جو بڑا ہے دینا واجب ہوگا۔ اگرچہ وہ ناقص ہو، اور اگر وہ ایک جانور اول درجہ کا ہو تو زکوٰۃ میں وسط درجہ لازم ہوگا، اور اگر وہ ایک بڑا جانور سال گزرنے کے بعد ہلاک ہو جائے تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔

ولو تعدد الواجب وجب الکبار فقط ولا یکمل من الصغار خلافا للثانی و لا فی عفو و هو ما بین النصب فی کل الاموال و خصاه بالسوائم و لا فی هالك بعد وجوبها و منع الساعی فی الاصح لتعلقها بالعين لا بالذمة و ان هلك بعضه سقط حظه۔

زکوٰۃ میں بڑے جانور دینا اور اگر جانوروں کی زکوٰۃ میں متعدد جانوروں کا دینا واجب ہو تو زکوٰۃ میں صرف بڑے ہی واجب ہوں گے، چھوٹوں سے ملا کر زکوٰۃ پورا کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس

باب میں امام ابو یوسفؒ کا قول مخالف ہے (تفصیل اس کی اس طرح سمجھی جائے کہ کسی شخص کے پاس دو بڑے جانور (مسئہ) ہوں اور ایک سوانیس بچے ہوں، تو اس صورت میں ہالا اتفاق زکوٰۃ میں دو مسئہ (بڑے جانور) دینے واجب ہوں گے اور اگر ایک بڑا جانور (مسئہ) ہو اور ایک سو بیس بچے، تو طریق کے نزدیک صرف ایک بڑا جانور دینا واجب ہو گا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایک بڑا جانور دینا ہو گا اور ایک بچہ۔

عفو میں زکوٰۃ نہیں وہ عدد جو تمام قسم کے اموال میں دو نصابوں کے درمیان ہو، وہ عفو کہلاتا ہے، اس عفو میں زکوٰۃ نہیں ہے، اور صاحبین نے اس عفو کو سوائم (چرنے والے جانوروں) کے ساتھ خاص کیا ہے، نقد رقم میں یہ عفو کو نہیں مانتے ہیں، البتہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ معاف ہے مثلاً دو سو درہم سے اگر انتالیس زیادہ ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس انتالیس میں زکوٰۃ نہیں ہے جب چالیس پورے ہوں گے تو اس میں ایک درہم زکوٰۃ ہوگی گویا دو سو انتالیس میں صرف پانچ درہم اور دو سو چالیس میں چھ درہم، اور صاحبین کے نزدیک اس دو سو سے زیادہ انتالیس درہم کی بھی زکوٰۃ واجب ہوگی چالیسواں حصہ کے اعتبار سے جو زکوٰۃ بھی آئے وہ دینی ہوگی۔

ہلاک شدہ مال کی زکوٰۃ جو مال سال گزرنے کے بعد ہلاک ہو جائے اور صدقہ وصول کرنے والے کے مطالبہ کے بعد بھی مال والے نے زکوٰۃ نہیں دی تھی تو اس کی زکوٰۃ بھی صحیح ترمذیہ کی بنیاد پر اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی اس کے ذمہ زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، اس وجہ سے کہ زکوٰۃ متعین چیز سے تعلق رکھتی ہے اس کا تعلق کسی کے ذمہ سے نہیں ہے اور اگر کچھ مال ہلاک ہو گیا ہے تو جس قدر ہلاک ہوا ہے اس کی زکوٰۃ ساقط ہوگی بقیہ کی دینی ہوگی۔

و یصرف الهالك الى العفو اولا ثم الى نصاب يليه ثم و ثم بخلاف المستهلك بعد الحول لوجود التعدى و منه ما لو حبسها عن العلف و الماء حتى هلكت فيضمن بدائع و التوى بعد القرض و الاعادة و استبدال مال التجارة بمال التجارة يعد هلاكا و بغير مال التجارة و السائمة بالسائمة استهلاكاً۔

جس قدر مال ہلاک ہوا ہے پہلے اس کو عفو (معاف والے حصہ) کی طرف لے جایا جائے گا، پھر اس نصاب کی طرف جو اس سے متصل ہے، پھر اسی طرح اس نصاب کی طرف جو اس کے نیچے ہے۔ (تاکہ محتاج کا نقصان نہ ہونے پائے)

اُس مال کی زکوٰۃ جس کو خود ہلاک کر دے بخلاف اُس صورت کے کہ کوئی سال پورا ہونے کے بعد قصداً مال ہلاک کر دے تو اس صورت میں زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی اس لیے کہ اس میں اس کی طرف سے تعدی پائی گئی ہے۔ اگر کوئی قصد اُجانوروں کو گھاس پانی نہ دے اور باندھے رکھے اور اس کی وجہ سے وہ ہلاک ہو جائیں تو اس صورت میں وہ زکوٰۃ کا ضمان دے گا۔ کذا فی البدائع۔

مال کا قرض یا عاریت پر دینے کے بعد گم ہو جانا اور مال تجارت کا تجارت کے مال کے عوض بدلنا ہلاک کے حکم میں ہے، اور اگر تجارت کے مال کا مال تجارت کے علاوہ دوسرے مال سے بدلنا اسی طرح چرنے والے جانور کا چرنے والے جانور سے بدلنا استہلاک یعنی ہلاک کر دینے کے حکم میں ہے اور نقد کا حکم مال تجارت کا سا ہے مثلاً کسی کے پاس ہزار درہم تھے اس نے اس سے

تجارت کا غلام خریدایا تجارت کا دوسرا سامان خریدا۔ پھر وہ ہلاک ہو گیا تو زکوٰۃ ساقط ہو گئی، اور اگر خدمت کے لیے غلام خریدا تھا تو اس صورت میں زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی۔

وجاز دفع القيمة فی زکوٰۃ و عشر و خراج و فطرة و نذر و كفارة غیر الاعتاق و تعتبر القيمة يوم الوجوب و قالایوم الاداء و فی السوائیم يوم الاداء اجماعا هو الاصح و يقوم فی البلد الذی فیہ المال ولو فی مفازة ففی اقرب الامصار الیہ فتح والمصدق لا یأخذ الا الوسط و هو اعلی الادنی و ادنی الاعلی و لو کله جیدا فجید وان لم یجد المصدق و کذا ان وجد فالقید اتفقی ماوجب من ذات سن دفع المالك الادنی مع الفضل جبرا علی الساعی لانه دفع بالقيمة او دفع الاعلی ورد الفضل بلا جبر لانه شراء فیشرط فیہ الرضا هو الصحيح سراج او دفع القيمة و لو دفع ثلث شیاہ سمان عن اربع وسط جاز

زکوٰۃ میں قیمت دینا زکوٰۃ میں عشر، خراج، فطرہ، نذر اور کفارہ میں جو آزاد کرنے کے سوا ہے، قیمت کا دینا درست ہے اور قیمت کی صورت میں دینے میں اس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا، جو زکوٰۃ کے واجب ہونے کے دن تھی، اور صاحبین کہتے ہیں کہ اس دن کی قیمت معتبر ہوگی، جس دن وہ زکوٰۃ کے واجب ہونے کے دن تھی، اور صاحبین کہتے ہیں کہ اس دن کی قیمت معتبر ہوگی، جس دن وہ زکوٰۃ ادا کر رہا ہے اور جانوروں میں بالاتفاق ادا کرنے کے دن کی قیمت کا اعتبار ہے اور صحیح تر یہی قول ہے۔

اور مال کی قیمت میں وہاں کی قیمت چاہیے جس شہر میں وہ مال ہو اور اگر وہ مال جنگل میں ہے تو اس صورت میں اس شہر کی قیمت کا اعتبار ہوگا جو شہر اس جنگل سے قریب تر ہو، کذا فی الفتح۔ (اور اگر کسی غلام کو ایک دوسرے شہر میں تجارت کے لیے بھیجا تھا تو اسی شہر کی قیمت قابل اعتبار ہوگی مالک کے شہر کی قیمت کا اعتبار نہیں ہوگا)

زکوٰۃ میں درمیانہ مال لینا زکوٰۃ وصول کرنے والے کا فرض ہے کہ وہ زکوٰۃ میں اوسط درجہ کا مال لے، (نہ بالکل عمدہ لے اور نہ گھٹیا) اور اوسط درجہ کا مال وہ ہے جو اعلیٰ سے کم درجہ کا ہو، اور ادنیٰ سے زیادہ درجہ کا، اور اگر سارا مال عمدہ ہی ہو تو، زکوٰۃ وصول کرنے والا زکوٰۃ میں بھی اعلیٰ قسم کا ہی لے گا۔ (ماحصل یہ ہے کہ دونوں طرف کی رعایت میں مالک مال کی بھی اور بیت المال کی بھی)

اگر صدقہ وصول کرنے والا اس طرح کا جانور نہ پائے جو قاعدہ میں واجب ہوا ہے، تو اس صورت میں مالک اس سے ادنیٰ درجہ کا دے گا مگر اس کے ساتھ کچھ فاضل بھی دے گا جس سے کمی کی تلافی کی جائے۔ اس لیے کہ اس صورت میں قیمت کا لحاظ کرنے کے ادا کرنا چاہیے، یا مالک اس واجب شدہ جانور سے بڑا جانور دے اور جو قیمت زیادہ ہو، صدقہ وصول کرنے والا بلا جبر وہ مالک کو واپس کرے، اس لیے کہ اس صورت میں صدقہ وصول کرنے والا خریدار کے حکم میں ہے لہذا اس کی رضامندی ضروری ہے، یہی صحیح ہے کذا فی السراج یا مالک اس واجب شدہ جانور کے بدلے اس کی قیمت ادا کر دے مقصد یہ ہے کہ صدقہ پورے طور پر بلا کم و بیش ادا ہو جائے۔

اگر کوئی چار اوسط درجہ کی بکریوں کے بدلے میں تین موٹی عمدہ بکریاں زکوٰۃ کے اندر دے تو یہ جائز ہے (اگر قیمت کے اعتبار سے بیت المال کو خسارہ نہیں ہے)

والمستفاد ولو بهبة او ارث وسطا لحول يضم الى نصاب من جنسه فيركبه بحول الاصل و لو ادى زكوة نقده ثم اشترى به سائمة لا تضم ولو له نصابان مما لم يضم احدهما كضمن سائمة مزكاة والف درهم وورث الفا ضمت الى اقربهما حولا و ربح كل يضم الى اصله.

درمیان سال میں اضافہ شدہ مال کی زکوٰۃ جو مال درمیان سال میں حاصل ہوا ہے وہ بذریعہ ہبہ آیا ہوا وراثت میں پایا ہوا اس کو اس کی جنس کے نصاب کے ساتھ ملا دیا جائے گا پھر اصل نصاب کے سال پورا ہونے پر اس کی زکوٰۃ دی جائے گی۔ (جانوروں میں بچے کا درمیان سال میں اضافہ ہو، یا تجارت کے مال میں نفع سے اضافہ ہوا ہے سب کا حکم یہی ہے جو مذکور ہوا بشرطیکہ اس کے پاس پہلے سے نصاب کامل ہو لیکن اگر پہلے سے وہ مالک نصاب نہیں تھا، تو بچوں کے اضافہ کے بعد یا نفع والے مال کے اضافہ کے بعد جس وقت نصاب پورا ہوا ہے اس کے بعد جب سال پورا ہو گا تب زکوٰۃ واجب ہوگی، بخلاف اس صورت کے کہ سال کے شروع میں نصاب کامل کا مالک تھا پھر درمیان میں وہ نصاب کسی وجہ سے ناقص ہو گیا، پھر اخیر سال میں نصاب پورا ہو گیا تو اس صورت میں درمیان سال کے نقصان کا اعتبار نہیں ہوتا ہے اول و آخر کا اعتبار ہو گا اور حکم دیا جائے گا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اصل نصاب کا باقی رہنا ضروری ہے، اگر اصل نصاب ضائع ہو جائے گا تو درمیان سال میں جو کچھ حاصل ہوا ہے اس کا سال نئے سرے سے شمار کیا جائے گا۔

پہلے اور بعد کے خریدے ہوئے جانوروں کا حکم اگر کوئی اپنی نقد رقم کی زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اس نقد سے چرنے والے جانور خریدے، تو یہ جانور پہلے جانوروں کے ساتھ نہیں ملائے جائیں گے (اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس کچھ جانور تھے اور کچھ نقد مال، اس نقد کی زکوٰۃ نکال کر اس نے اس بقیہ نقد سے مزید جانور خرید لیے تو حکم یہ ہے کہ یہ نئے خریدے ہوئے جانور پہلے والے جانوروں کے ساتھ نہیں ملائے جائیں گے، بلکہ ان نئے خریدے ہوئے جانوروں کا سال زکوٰۃ الگ ہوگا۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے اور صاحبین کہتے ہیں کہ ان دونوں جانوروں کو ملا دیں گے، یہی حکم اس صورت کا بھی ہو گا جب ایسا شخص جانوروں کی زکوٰۃ ادا کر کے جانوروں کو نقد کے بدلے بیچ دے گا۔

اگر کسی کے پاس ایسے دو نصاب ہیں جن میں سے ایک کو دوسرے میں ملایا نہیں جاتا ہے جیسے زکوٰۃ ادا کیے ہوئے جانوروں کی قیمت ہو اور نقد ایک ہزار درہم ہوں، پھر اس کو وراثت میں ایک ہزار درہم اور ملے تو یہ ہزار کی رقم پہلے دونوں نصابوں میں سے اُس نصاب کے ساتھ ملائی جائے گی جس نصاب کا سال پہلے پورا ہونے والا ہو، کیوں کہ اس میں فقیروں کا فائدہ ہے، اور ان میں سے ہر ایک کا نفع اس کی اصل کے ساتھ ملایا جائے گا گو اس کے سال کے پورا ہونے میں دیر ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ نفع اپنی اصل کے تابع ہوا کرتا ہے اور جانوروں کے بچوں کا بھی یہی حکم ہوتا ہے کہ وہ اپنے اصل کے ساتھ ملائے جائیں گے۔

اخذ البغاة والسلاطین الجائزة زکوٰۃ الاموال الظاهرة كالسوائم والعشر والخراج لا اعادة على اربابها ان صرف الماخوذ في محله الآتی ذکره والا یصرف فیہ فعلیہم فیما بینہم و بین اللہ اعادة غیر الخراج لانہم مصارفہ و اختلف فی الاموال الباطنة ففی اللوایجیہ و شرح الوہابیہ المفتی بہ عدم الاجزاء و فی المبسوط الاصح الصحة اذا نوى بالدفع لظلمة زماننا الصدقة علیہم لانہم بما علیہم من التبعات فقراء حتی افقی امیر بلخ بالصیام لکفارة عن یمینہ ولو اخذها الساعی جبرا لم تقع زکوٰۃ لکونها بلا اختیار و لكن یخیر بالحبس یرد بنفسہ لان الاکراه لا ینافی الاختیار لكن فی التجنیس المفتی بہ سقوطها فی الاموال الظاهرة لا الباطنة.

باغی اور ظالم بادشاہ کا زکوٰۃ لینا اگر کہیں باغی یا ظالم بادشاہ اموال ظاہری کی زکوٰۃ لے لے جیسے جانوروں کی زکوٰۃ یا عشر اور خراج، تو اس صورت میں مالکوں کے ذمہ زکوٰۃ دوبارہ ادا کرنا لازم نہیں ہے مگر اس کے لیے شرط یہ ہے کہ باغی اور ظالم بادشاہ نے زکوٰۃ اور عشر وغیرہ کو اس کے صحیح مصرف میں خرچ کیا ہو، جس کی تفصیل باب اسرف میں آرہی ہے، لیکن اگر اس نے اس زکوٰۃ اور عشر وغیرہ کی رقم جائز مصرف میں خرچ نہیں کی ہے، تو ازراہ دیانت مال والوں کو اس مال کی زکوٰۃ دوبارہ دینا ہوگی، البتہ خراج کا اعادہ اس صورت میں لازم نہیں ہے، کیوں کہ وہ لوگ بھی خراج کے مصرف میں داخل ہیں کیوں کہ خراج مقتاتین کا حق ہے، اور باغی حربیوں سے جنگ کرتے ہیں، (اموال ظاہری اس مال کو کہتے ہیں جس کی زکوٰۃ حاکم اہل اسلام سے وصول کرے یا جو مال عشر لینے والے کے سامنے آئے)

اموال باطنی کی زکوٰۃ اور باغی اموال باطنیہ میں البتہ اختلاف ہے کہ باغیوں نے اگر اس کی زکوٰۃ لے لی ہو تو پھر دوبارہ دینی ہوگی یا نہیں ولو الجیہ اور شرح الوہابیہ میں عدم کفایت کو مفتی بہ قرار دیا ہے یعنی باغیوں کا لے لینا کافی نہیں ہوگا، (مال باطنی نقد اور اسباب تجارت کو کہتے ہیں، باغیوں نے اگر مال باطن کی زکوٰۃ لے لی ہے تو فتویٰ اس پر ہے کہ مالک کی طرف سے یہ کافی نہیں ہوگی، اس کو پھر دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنی چاہیے مگر شرط یہ ہے کہ یہ عشر وصول کرنے والے کے سامنے نہ لی گئی ہو، ورنہ مال ظاہر کی زکوٰۃ کا حکم ہوگا)

اور اموال باطنیہ کی زکوٰۃ کے سلسلہ میں جسے باغیوں نے لے لی ہو مبسوط میں یہ ہے کہ صحیح تر قول کے مطابق زکوٰۃ کی ادائیگی درست ہو جائے گی اور مالک کو دوبارہ دینا لازم نہیں ہے، مگر یہ درستی اس وقت ہے جب مالک نے ظالموں اور باغیوں کو دینے سے اس کے اوپر صدقہ کرنے کی نیت کی ہو کیوں کہ وہ لوگ بسبب ان حقوق کے جو ان کے پیچھے لگے ہوئے ہیں محتاج ہیں اور یہی وجہ ہے کہ امیر بلخ کو یہ فتویٰ دیا گیا تھا کہ وہ اپنے قسم کے کفارہ میں روزہ رکھے (قسم کا کفارہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے، یا ان کو کپڑے دے، یا غلام آزاد کرے، اور جب ان میں سے کسی کی سکت نہ ہو تو پھر روزے رکھے، امیر بلخ کے پاس موجود لوگوں کے حقوق سے زیادہ چوں کہ مال نہیں تھا، اس لیے اس کو محتاج قرار دے کر یہ فتویٰ دیا گیا تھا کہ کفارہ یمین میں دو روزے رکھ لے)

زبردستی زکوٰۃ وصول کرنا اگر صدقہ وصول کرنے والا کسی شخص سے زبردستی زکوٰۃ لے لے، تو اس سے اس مالک کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اس لیے کہ اس مال میں مالک کا اختیار اور اس کی نیت نہیں پائی گئی جس کا پایا جانا ضروری تھا اس وجہ سے حکم یہ ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے والے مالک مال کو قید کر کے مجبور کیا جائے کہ بطور خود زکوٰۃ کی رقم ادا کر دے کیوں کہ دباؤ ڈالنا اختیار کے منافی نہیں ہے (مگر مختصر کرنی میں یہ لکھا ہے کہ اگر امام نے جبراً کسی سے صدقہ وصول کر کے اس کے مصرف میں لگا دیا ہے تو وہ کافی ہے اور زکوٰۃ ادا ہو گئی، کیوں کہ امام المسلمین کو مال لینے کا اختیار حاصل ہے، لہذا اس کا لے لینا مالک کے دینے کے قائم مقام ہو جائے گا، بحر الرائق میں اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ اگر اس نے اموال ظاہری میں زبردستی زکوٰۃ لی ہے، تو فرض ساقط ہو جائے گا اس وجہ سے کہ سلطان اور اس کے نائب کو مال کے لینے کا حق حاصل ہے اور اگر اس نے اموال باطنی میں سے زکوٰۃ کی رقم زبردستی لی ہے تو فرض ساقط نہیں ہوگا) اور تجنیس نامی کتاب میں یہ ہے کہ ظالم حاکم کو زکوٰۃ وغیرہ دینے کی صورت میں مفتی بہ قول یہ ہے کہ اموال ظاہری میں زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے مگر اموال باطنی میں زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی ہے۔

ولو خلط السلطان المال المفسوب بماله ملكه فتجب الزکوة فيه و یورث عنه لان الخلط استهلاك اذا لم یمكن تمیزه عند ابی حنیفہ وقوله ارفق اذ قلما یخلو مال عن غصب و هذا اذا كان له مال غیر ما استهلكه بالخلط منفصل عنه یوفی دینه والا فلا زکوٰۃ کما لو كان الكل خبیثا کما فی النهر عن الحواشی السعدیة و فی شرح الوهبانیة عن البزازیة انما یکفر اذا تصدق بالحرام القطعی اما اذا اخذ من انسان مائة و من آخر مائة و خلطهما ثم تصدق لا یکفر لانه لبس بحرام لعینه بالقطع لاستهلاكه بالخلط.

بادشاہ کا اپنے مال کے ساتھ چھینا ہوا مال ملا لینا اگر کوئی بادشاہ... چھینا ہوا مال اپنے مال کے ساتھ ملا لے گا تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا، اور اس مال میں زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اس وقت وراثت بھی جاری ہوگی، چھینا ہوا مال اس طرح ملا لینا کہ تمیز ممکن نہ ہو، امام ابو حنیفہ کے نزدیک قصد اضائع کر دینے کے درجہ میں ہے (اور ضائع کر دینے سے ضمان لازم آتا ہے، لہذا ضمان کے عوض وہ مال مغضوب کا مالک ہو جائے گا) امام ابو حنیفہ کے قول میں لوگوں کے لیے سہولت ہے اس واسطے کہ کمتر ہی مال ایسا ہوتا ہے جو غصب سے خالی ہوتا ہے (البتہ صاحبین کے نزدیک ضمان لازم نہیں ہوتا ہے اور جب ضمان لازم نہیں ہوتا تو ملک بھی ثابت نہیں ہوگی اور جب ملک ثابت نہیں ہوگی تو وراثت بھی جاری نہ ہو سکے گی)

اور ملانے کی صورت میں زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جب اس کے پاس اس مال کے سوا جس کو ملا کر ہلاک کیا گیا اتنا مال اور موجود ہو جو اس کے دین کے لیے کافی ہو، ورنہ زکوٰۃ لازم نہیں ہوگی، جس طرح کل مال کے خبیث ہونے کی صورت میں زکوٰۃ لازم نہیں ہوتی ہے کذا فی النهر عن الحواشی السعدیہ۔

(مطلب یہ ہے کہ مال خبیث جب نصاب کو پہنچ جائے گا تو اس میں زکوٰۃ لازم نہیں ہوگی کیوں کہ اس تمام مال خبیث کا

صدقہ کر دینا واجب ہے)

حرام مال صدقہ کرنا

وہابیہ کی شرح میں فتاویٰ بزازیہ سے نقل کر کے لکھا ہے کہ آدمی اس وقت کافر ہوتا ہے جب وہ حرام قطعی کو حلال سمجھ کر بہ نیت ثواب صدقہ کرے، لیکن اگر اس نے ایک شخص سے سو روپے لیے اور پھر دوسرے سے بھی سو روپے لیے اور ان دونوں روپوں کو ملا دیا پھر صدقہ کیا تو اس صورت میں وہ کافر نہیں ہوگا، کیوں کہ یہ دونوں سو روپے حرام قطعی نہیں ہیں کیوں کہ دونوں کو ملا کر اس نے ہلاک کر دیا اور ہلاک کرنے کی وجہ سے اس پر ضمان لازم ہو گیا، اور ضمان کے واجب ہونے کی وجہ سے وہ اس مال کا مالک بن گیا۔

(شارح نے صرف یہ بتایا ہے کہ وہ اس طرح کافر نہیں ہوگا اور اسی کے ساتھ اس طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ ملے ہوئے مال میں اس وقت تصرف درست ہے جب وہ ضمان ادا کر دے، گو وہ ملا دینے کی وجہ سے اس کا مالک ہو گیا ہے، فتاویٰ ظہیریہ میں لکھا ہے کہ کسی شخص نے کسی فقیر کو مال حرام سے ثواب کی نیت سے کچھ دیا، تو وہ کافر ہو گیا، اور اگر فقیر بہ تفصیل جانتا ہو اور اس کے باوجود اس نے اس کو دُعا دی ہے اور دینے والے نے اس پر آمین کہی تو دونوں کافر ہو گئے، اور شرح وہابیہ میں لکھا ہے کہ اگر غیر شخص آمین کہے گا تو ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ وہ بھی کافر ہو جائے گا، اور حال یہ ہے کہ لوگ اس مسئلہ سے غافل ہیں، شارح نے یہاں حرام قطعی کی قید لگا کر فتاویٰ ظہیریہ کے قول کو مقید کر دیا ہے اور بتایا ہے کہ حرام سے حرام قطعی مراد ہے جس میں آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ کذا فی الشامی)

ولو عجل ذو نصاب زکوٰۃ لسنین او لنصب صح لوجود السبب و کذا لو عجل عشر زرعہ او ثمرہ بعد الخروج قبل الادراک و اختلف فیہ قبل النبات و طلوع الثمرۃ والاظهر الجواز و کذا لو عجل اخراج راسہ و تمامہ فی النهر و ان وصیلة ایسر الفقیر قبل تمام الحول او مات او ارتد و ذلك لان المعبر کونه مصرفا وقت الصرف الیہ لا بعده و

لو غرس فی ارض الخراج کر ما فما لم یتم الکرم کان علیہ خراج الزرع مجمع الفتاویٰ اگر صاحب نصاب کئی سال کی پیشگی زکوٰۃ ادا کر دے یا چند نصابوں کی زکوٰۃ دیدے تو اس کا یہ دینا درست ہے، اس وجہ سے کہ زکوٰۃ کا سبب (نصاب) پایا جا رہا ہے اسی طرح اگر کوئی کئی سال کا کھیت کا عشر پیشگی ادا کر دے یا پھل کا عشر پیشگی ادا کر دے کھیتی اور پھل نکلنے کے بعد اور اس کے پکنے سے پہلے تو یہ ادائیگی درست ہے۔ (منشایہ ہے کہ آنے والے متعدد سال کی زکوٰۃ وقت سے پہلے دیدے گا تو وہ دینا درست ہوگا، اور اتنے سال کی زکوٰۃ اس کے ذمہ سے ادا ہو جائے گی۔)

لیکن اگر پھل نکلنے اور کھیتی اگنے سے پہلے پیشگی عشر نکالے گا تو عشر ادا ہو جائے گا یا نہیں اس میں اختلاف ہے اور ظاہر یہ ہے کہ نکالنا بھی جائز ہے۔ اسی طرح اگر کوئی

قبل از وقت عشر کی ادائیگی

ذی خراج جو زمیوں پر لگایا جاتا ہے اپنی طرف سے پیشگی کئی سال کا نکال دے اور ادا دیدے وہ بھی جائز ہوگا۔ اس کی پوری تفصیل نہر الفائق میں ہے (ہستانی میں مذکور ہے کہ زمین کا خراج پیشگی ادا کرنا بھی درست ہے)

کئی سال بعد کا عشر پیشگی ادا کر دینا درست ہے اگرچہ فقیر سال کے پورا ہونے سے پہلے مالدار ہو جائے، یا مر جائے یا مرتد ہو جائے اس لیے کہ فقیر کو جس وقت عشر یا زکوٰۃ دی گئی ہے یا دی جائے اس وقت کا اعتبار ہے بعد میں کیا ہوا، اس کا اعتبار نہیں ہے اور دینے کے وقت وہ فقیر تھا تو ادائیگی میں کوئی شبہ نہیں۔

خراجی زمین کے پھل کا حکم اگر خراجی زمین میں کسی نے انگور لگائے تو جب تک انگور پورے طور پر پھل نہیں لائے گا اس پر کھیتی کا خراج لازم ہو گا کیوں کہ بونے کی وجہ سے زرعی زمین معطل ہوگی اور جب انگور پھل دینے لگے گا تو اس وقت اس پر انگور کا خراج ہوگا (کھیتی کا خراج فی جریب ایک صاع اور ایک درہم ہے اور انگور کا خراج دس درہم ہے)

ولا شی فی مال صبی تغلبی بفتح اللام و تکسر نسبة لبنی تغلب بکسرھا قوم من نصاری العرب وعلی المرأة ما علی الرجل منهم لان الصلح وقع منهم كذلك و یؤخذ فی زکوۃ السائمة الوسط لا الهزم ولا الکرائم ولا تؤخذ من ترکته بغير وصية لفقد شرطها و هو النية وان اوصی بها اعتبرت من الثلث الا ان تجیز الورثة و حولها ای الزکوۃ قمری بحر عن القنیة لاشمسی و سیجی الفرق فی العین شک انه ادی الزکوۃ اولاً یودیها لان وقتها العمر اشباه۔

تغلبی کے مال کی زکوٰۃ تغلبی نابالغ لڑکوں کے مال میں زکوٰۃ نہیں ہے (تغلبی لام کے زیر کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے اور زیر کے ساتھ بھی) یہ قبیلہ بنی تغلب کی طرف منسوب ہے جو عرب کے نصاریٰ کا ایک قبیلہ ہے۔ اور جس قدر خراج بنی تغلب کے مردوں پر لازم ہے اتنا ہی ان کی عورتوں پر بھی لازم ہے (اور یہ نصف عشر ہے) اس وجہ سے کہ ان سے صلح اسی طرح طے پائی تھی، تغلبی لڑکوں کے مال میں زکوٰۃ تو نہیں ہے مگر ان سے عشر لیا جاتا ہے اور وہ مسلمان لڑکوں کے اعتبار سے دو گنا لیا جاتا ہے۔ کیوں کہ ان سے اسی شرط کے ساتھ مصالحت ہوئی تھی۔

جانور کی زکوٰۃ میں معیار جانوروں کی زکوٰۃ میں اوسط درجہ کا جانور لیا جائے گا نہ بوڑھا لیا جائے گا اور نہ خوب بڑھیا (نہ دودھ دینے والا جانور لیا جائے گا نہ گا بھن، اور نہ وہ جانور جو جانوروں کے گلے میں نسل کی افزائش کے لیے رکھے جاتے ہیں)

میت کے ترکہ میں زکوٰۃ میت کے ترکہ سے بغیر مرنے والے کی وصیت کے زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی۔ کیوں کہ زکوٰۃ کے لیے نیت شرط ہے اور وہ اس صورت میں پائی نہیں گئی، اور اگر مرنے والے نے وصیت کی تھی تو زکوٰۃ کا اس کے تہائی مال سے لینا معتبر ہوگا۔ کل مال سے لینا معتبر نہیں ہے کیوں کہ وصیت تہائی مال میں جاری ہوتی ہے البتہ جب ورثاء کل مال سے دینے کو خود جائز رکھیں گے تو کل مال سے لینا درست ہوگا۔

زکوٰۃ کی وصولی قمری سال سے زکوٰۃ کی ادائیگی قمری سال سے معتبر ہے، اس مسئلہ کو بحر نے قنیہ سے نقل کیا ہے، زکوٰۃ میں شمسی سال کا اعتبار نہیں ہے، ان دونوں یعنی قمری اور شمسی سالوں کا فرق

باب العنین میں آئے گا (یعنی وہاں یہ بتائیں گے کہ قمری سال ۵۴۳ دن کچھ اوپر کا ہوتا ہے اور شمسی سال قمری سال سے گیارہ دن زیادہ ہوتا ہے۔

صاحب نصاب کو اس بات میں شک پیدا ہوا کہ اس نے زکوٰۃ ادا کر دی ہے یا نہیں، تو اس صورت میں وہ دوبارہ ادا کرے، اس لیے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا وقت پوری عمر ہے کوئی ایسا وقت مقرر نہیں ہے کہ اس کے بعد اس کو قضا کہا جائے۔ کذا فی الاشباہ۔

باب زکوٰۃ المال

آل فیہ للعہد فی حدیث ہاتھ اربع عشر اموالکم فان المراد بہ غیر السائمة لان زکوٰۃہا غیر مقدرة بہ نصاب الذهب عشرون مثقالا والفضة مائتا درہم کل عشرة درہم وزن سبعة مثاقیل والدينار عشرون قيراطا والدرہم اربعة عشر قيراطا والقيراط خمس شعيرات فيكون الدرہم الشرعي سبعين شعيرة والمثقال مائة شعيرة فهو درہم وثلث اسباع درہم و قيل يفتى في كل بلد بوزنهم و سنحقيقه في متفرقات البيوع والمعتبر وزلہما اداء وجوبا لا قيمتهما واللازم مبتدأ في مضروب كل منهما و معموله و لو تبرأ او حليا مطلقا مباح الاستعمال اولا و لو للتجمل والنفقة لانہما خلقا ائمانا فيزكيہما كيف كانا و في عرض تجارة قيمته نصاب الجملة صفة عرض و هو هنا ما ليس بنقد و اما صدم صحة النية في نحو الارض الخراجية فلقيام المانع كما قدمنا لا لان الارض ليست من العروض فتنبه من ذهب او ورق اي فضة مضروبة فافادان التقويم انما يكون بالمسكوك عملا بالعرف .

مال کی زکوٰۃ کا بیان

زکوٰۃ المال میں المال پر الف لام عہد ذہنی کا ہے اس سے اس مال کی طرف اشارہ ہے جس کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ تم اپنے مالوں کا چالیسواں حصہ دو اور یہاں مال سے نقد اور تجارت کے سامان مراد ہیں، جانوروں کی زکوٰۃ اس مال میں داخل نہیں ہے اس لیے کہ جانوروں کی زکوٰۃ میں چالیسواں حصہ مقرر نہیں ہے۔

سونے کا نصاب میں مثقال ہے اور چاندی کا دو سو درہم اس طرح کہ ہر دس درہم سات مثقال کے وزن کے برابر ہوں، اور دینار بیس قیراط کا ہے، اور درہم چودہ قیراط کا، اور ایک قیراط پانچ جو کے برابر

سونے کا نصاب

ہوتا ہے، اس حساب سے درہم شرعی ستر جو کا ہوا، اور مثقال سو جو کا، اس حساب سے ایک مثقال برابر ہوا ایک درہم اور تین ساتویں حصے درہم کے۔

سونے اور چاندی کی قیمت (سونے کا نصاب ہیں مثقال یعنی ساڑھے سات تولے ہے، اور چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولے، اس کی قیمت ہر زمانہ میں مختلف ہوتی ہے، اس لیے کہ سونا اور چاندی کا بھاؤ گھٹتا اور بڑھتا رہتا ہے اس وقت ۱۳۹۵ھ میں سونا چاندی کا بھاؤ بہت تیز ہے بازار سے قیمت معلوم کر کے ساڑھے سات تولے سونے کی قیمت لگائی جائے اور اسی طرح ساڑھے باون تولے چاندی کی، جو قیمت جس زمانہ میں آئے گی نقد سے وہی نصاب متعین ہوگا۔)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہر شہر میں ان کے وزن کے مطابق فتویٰ دیا جائے۔ متفرقات المبیوع میں اس کی تحقیق آئے گی (شامی نے کہا ہے کہ ولو الجیہ میں اسی فتویٰ کو پسند کیا گیا ہے اور اسی کو مجتہبیٰ میں پسند کیا گیا ہے)

نصاب میں سونے چاندی کے وزن کا اعتبار ہے قیمت کا نہیں سونے چاندی کی زکوٰۃ کے نصاب میں ادا اور وجوب کے

اعتبار سے ان دونوں کے وزن کا اعتبار ہے، ان کی قیمت کا اعتبار نہیں ہے، یعنی سونے چاندی کا جو نصاب بیان کیا گیا ہے اس کے برابر وزن پایا جائے، قیمت کا اعتبار نہیں ہوتا ہے، مثلاً کسی کے پاس چاندی کا ایک برتن ہے اس کا وزن سودرہم ہے مگر اس برتن کی بناوٹ اتنی اچھی ہے کہ بازار میں اس کی قیمت دو سودرہم ملتی ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ نصاب پورا ہوا یا نہیں، جواب یہ ہے کہ چونکہ وزن سودرہم ہے حالانکہ نصاب دو سودرہم ہے اس لیے نصاب مکمل نہیں ہوا لہذا زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی گو قیمت کے اعتبار سے وہ دو سودرہم کا ہے مگر اس کا اعتبار نہیں ہوگا)

سونے چاندی کے سکے اور سامان میں زکوٰۃ اس مال میں جو سونے چاندی سے ڈھلا ہو جیسے دینار اور درہم یا سونے چاندی سے بنا ہو جیسے برتن یا لگام، اگرچہ وہ

سونے یا چاندی کی ڈلی ہیں یا ان سے زیور بنایا گیا ہو خواہ اس کا استعمال جائز ہو یا جائز نہ ہو، پھر وہ خود آرائش کیلئے ہو یا نفقہ اور اخراجات کیلئے رکھا گیا ہو، سب میں زکوٰۃ چالیسواں حصہ لازم ہوگا، اس لیے کہ سونا اور چاندی دونوں ثمن کیلئے پیدا کیے گئے ہیں لہذا ان دونوں کی زکوٰۃ دینا ہوگی، جس طرح بھی ان کو رکھا گیا ہو (امام ابو حنیفہؒ کے یہاں زیورات میں بھی زکوٰۃ فرض ہے، گو وہ استعمال کے لیے ہوں، اس لیے کہ سونا چاندی ثمن ہیں، ان کو کسی طرح بھی رکھا جائے زکوٰۃ دینے میں ملک وقت کا خسارہ ہے)

سامان تجارت کی زکوٰۃ تجارت کے سامان کے اندر جس کی قیمت نصاب کو پہنچتی ہو، قیمت کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دینا ہوگا، شارح نے بتایا کہ یہ پورا جملہ عرض کی صفت ہے اور عرض (سامان) سے

مراد یہ ہے کہ نقد نہ ہو، خراجی زمین میں تجارت کی نیت صحیح نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کا دوبارہ دینا لازم آتا ہے، کیوں کہ جب اس زمین کا خراج لیا جا رہا ہے تو پھر تجارت کی نیت کو درست قرار دے کر دوبارہ اس کی زکوٰۃ کیسے لی جائے گی، بس یہ وجہ ہے ورنہ زمین پر عرض (سامان) کا لفظ صادق آتا ہے، لہذا اسے یاد رکھنا چاہیے۔ نصاب کے سلسلہ میں اسباب تجارت کی قیمت سونے یا چاندی کے سکے سے لگائی جائے گی، شارح نے بتایا کہ اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ متعارف یہ ہے کہ قیمت عملاً

سکہ سے لگائی جاتی ہے دوسری چیز سے قیمت نہیں لگائی جاتی ہے۔

مَقْرُومَا بِأَحَدِهِمَا إِنْ اسْتَوِيَا فَلَوْ أَحَدُهُمَا أَرْوَجَ تَعِينَ التَّقْوِيمِ بِهِ وَلَوْ بَلَغَ بِأَحَدِهِمَا نَصَابًا دُونَ الْآخِرِ تَعِينَ مَا يَبْلُغُ بِهِ وَلَوْ بَلَغَ بِأَحَدِهِمَا نَصَابًا وَخَمْسًا وَبِالْآخِرِ أَقْلَ قَوْمِهِ بِالْإِنْفَعِ لِلْفَقِيرِ سِرَاجٌ رُبْعُ عَشَرَ خَبَرٌ قَوْلُهُ الْإِلَازِمُ وَفِي كُلِّ خَمْسٍ بَضْمُ الْخَاءِ بِحِسَابِهِ فَفِي كُلِّ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ وَفِي كُلِّ أَرْبَعَةِ شَاقِلٍ قِيرَاطَانِ وَمَا بَيْنَ الْخَمْسِ إِلَى الْخَمْسِ عَفْوٌ وَقَالَا مَا زَادَ بِحِسَابِهِ وَهِيَ مَسْئَلَةُ الْكُسُورِ.

سونا چاندی دونوں سکوں کا چلن اگر برابر ہو کوئی فرق نہ ہو تو نصاب کے سلسلہ میں سامان تجارت کی قیمت یا سونے سے لگائی جائے گی یا چاندی سے لیکن اگر ان میں سے ایک زیادہ رائج ہو اور دوسرا کم یا بالکل نہیں تو اس صورت میں قیمت اس سکہ سے لگائیں گے جس کا زیادہ رواج ہے اور قیمت لگانے میں یہی سکہ متعین ہوگا۔

سامان تجارت کی قیمت

سونا چاندی میں ایک سے قیمت لگائی جاتی ہے تو وہ قیمت نصاب کو پہنچ جاتی ہے اور دوسری سے قیمت لگائی جاتی ہے تو نصاب کو نہیں پہنچتی ہے تو اس صورت میں جس کے ساتھ قیمت لگانے سے قیمت نصاب کو پہنچتی ہے قیمت لگانے کے لیے وہی چیز متعین ہوگی (مثلاً مال تجارت کی قیمت اگر چاندی سے لگائی جاتی ہے تو ساڑھے باون تولے کی قیمت کو پہنچ جاتی ہے اور سونے سے قیمت لگائی جاتی ہے تو ساڑھے سات تولے کی قیمت کو نہیں پہنچتی ہے تو اس صورت میں چاندی سے قیمت لگائی جائے گی سونے سے قیمت نہیں لگائی جائے گی اس لیے کہ اس میں فقراء کا فائدہ ہے۔

اسی طرح اگر چاندی سے قیمت لگائی جاتی ہے تو وہ قیمت نصاب کو بھی پہنچتی ہے اور اس سے زیادہ بھی ہو جاتی ہے، اور سونے سے قیمت لگانے میں صرف نصاب کو قیمت پہنچتی ہے زیادہ نہیں ہوتی ہے، یا اس کا برعکس ہے تو اس صورت میں اس چیز سے قیمت لگائی جائے گی جس میں فقیر کا نفع زیادہ ہو، اور یہ بات ظاہر ہے کہ فقیر کا نفع اس صورت میں ہے جس میں قیمت نصاب سے بڑھ جائے تاکہ زکوٰۃ کی رقم زیادہ نکلے کذا فی السراج۔ (مثلاً اگر درہم (چاندی) سے قیمت لگاتے ہیں تو دو سو چالیس درہم قیمت ہوتی ہے اور زکوٰۃ زیادہ نکلتی ہے اور دینار سے قیمت لگاتے ہیں تو زکوٰۃ کم نکلتی ہے تو اس صورت میں درہم سے قیمت لگائی جائے گی)

نصاب کے ہر پانچویں حصہ میں زکوٰۃ اسی مذکور حساب سے واجب ہوتی ہے یعنی ہر چالیس درہم میں ایک درہم اور ہر چار مثقال میں دو قیراط اور ایک خمس سے دوسرے خمس تک کے درمیان کی زکوٰۃ معاف ہے، البتہ صاحبین کہتے ہیں کہ خمس سے جتنا زیادہ ہو گا حساب سے اتنے کی بھی زکوٰۃ واجب ہوگی اور یہ کسور کا مسئلہ ہے جو اس حدیث سے ماخوذ ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ کسروں میں کچھ زکوٰۃ نہ لو "لَا تَأْخُذْ مِنَ الْكُسُورِ شَيْئًا"

مقدار زکوٰۃ

وَالْغَالِبُ الْفِضَّةُ وَالذَّهَبُ فَضَّةٌ وَذَهَبٌ وَ مَا غَلَبَ غَشَّةٌ مِنْهُمَا يَقُومُ كَالْعُرُوضِ وَ

يشترط فيه النية الا اذا كان يخلص منه ما يبلغ نصابا او اقل و عنده ما يتم به او كانت الثمانا رائجة و بلغت نصابا من ادنى نقد تجب زكوته فتجب والا فلا واختلف في الفس المساوى والمختار لزومها احتياطا خانية و لذا الاتباع الاوزنا و اما الذهب المخلوط بفضة فان غلب الذهب فذهب والا فان بلغ الذهب او الفضة نصابا وجبت .

کھوٹ ملی ہوئی چاندی سونے کا حکم سونا اور چاندی میں اگر ملاوٹ ہو تو یہ دیکھا جائے گا کہ غالب حصہ کیا ہے؟ اگر ملاوٹ پر سونا چاندی غالب ہے تو اس پر سونا چاندی کا حکم ہوگا اور اس میں سونا چاندی کی زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اگر ملاوٹ یعنی کھوٹ کا حصہ غالب ہو تو وہ سونا چاندی سامان کے حکم میں قرار پائے گا اور جس طرح سامان تجارت کی قیمت لگا کر زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اسی طرح اس صورت میں بھی کریں گے اور اس وقت شرط یہ ہوگی کہ اس ملاوٹ والی چاندی میں اور سونا میں تجارت کی نیت ہو۔

اگر ملاوٹ غالب ہو ملاوٹ اور کھوٹ کے غالب ہونے کی صورت میں نیت شرط ہے مگر اس وقت جب اس ملاوٹ والی چیز سے اتنا سونا چاندی نکل سکے جو نصاب زکوٰۃ کی تعداد کو پہنچتا ہو، یا سونا چاندی تو نصاب سے کم ہو، مگر اس کے پاس تجارت کی دوسری چیز اس مقدار میں ہو کہ نصاب کی کمی اس سے پوری ہو سکتی ہو، یا اس کے پاس نقد ہو، جس سے نصاب کی تکمیل ہو جاتی ہو، یا وہ ملاوٹ اور کھوٹ والا سونا اور چاندی اس وقت کا مروجہ ثمن ہو اور وہ نقد کے ادنیٰ نصاب کے برابر ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، تو ان تمام صورتوں میں زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اگر مذکورہ صورتیں نہیں ہیں اور نصاب کے برابر نہیں ہو پاتی تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ملاوٹ والی چاندی اور ملاوٹ والا سونا میں چاندی اور کھوٹ اور اسی طرح سونا اور کھوٹ برابر برابر ہو، تو اس میں اختلاف ہے مگر مذہب مختار یہ ہے کہ اس صورت میں احتیاطاً زکوٰۃ لازم ہوگی۔ کذا فی الخانیہ، اور اسی وجہ سے اس کو بغیر تولے ہوئے نہیں بیچا جائے گا۔ تاکہ ربوا (سود) لازم نہ آنے پائے۔

جب سونا اور چاندی باہم ملے ہوں اور اگر سونا اور چاندی باہم ملے ہوں تو اگر سونا کا حصہ زیادہ ہوگا، تو وہ سونے کے حکم میں ہوگا اور اگر سونا غالب نہ ہو لیکن سونا چاندی دونوں مل کر نصاب کو پہنچتے ہوں تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (تاتارخانیہ میں ہے کہ جب چاندی غالب ہو اور سونا مغلوب، یعنی دو ٹکٹ چاندی اور ایک تہائی سونا، تو اس صورت میں کل کا حکم چاندی کا نہیں ہوگا، کیوں کہ سونا قیمتی چیز ہے، اپنے سے کمتر کا تابع نہیں ہو سکتا ہے، یوں اس کے ملنے کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں نیچے ایک نقشہ دیا جا رہا ہے اسے ملاحظہ فرمائیں اور سمجھنے کی سعی کریں۔

نقشہ زکوٰۃ مخلوط سونا چاندی میں کب زکوٰۃ لازم ہے کب نہیں

(۱)	(۲)	(۳)
سونا غالب اور ہر ایک نصاب بقدر نصاب سونا کا حکم ہوگا	چاندی غالب اور ہر ایک بقدر نصاب سونا کا حکم ہوگا	دونوں برابر اور ہر ایک بقدر نصاب سونا کا حکم ہوگا

(۶)	(۵)	(۴)
دونوں برابر اور فقط سونا بقدر نصاب سونا کا حکم ہوگا	چاندی غالب اور فقط سونا بقدر نصاب حکم سونا کا ہوگا	سونا غالب اور فقط سونا ہی بقدر نصاب سونا کا حکم ہوگا
(۹)	(۸)	(۷)
دونوں برابر اور فقط چاندی بقدر نصاب ناممکن ہے	چاندی غالب اور صرف سونا بقدر نصاب چاندی کا حکم ہوگا	سونا غالب اور صرف چاندی بقدر نصاب ناممکن ہے
(۱۲)	(۱۱)	(۱۰)
دونوں برابر اور کوئی بقدر نصاب نہیں زکوٰۃ نہیں ہے	چاندی غالب اور دونوں میں کوئی بقدر نصاب نہیں اس میں زکوٰۃ نہیں	سونا غالب اور دونوں میں سے کوئی بقدر نصاب نہیں زکوٰۃ نہیں ہوگی

اس میں ایک شکل رہ گئی کہ سونا چاندی دونوں مل کر نصاب پورا کرتے ہوں یہ صورت متن میں آچکی ہے۔

و شرط کمال النصاب و لو سائمة فی طرفی الحول فی الابتداء للانعقاد و فی الانتهاء للوجوب فلا یضر نقصانه بینهما فلو هلك كله بطل الحول و اما الدین فلا یقطع الحول و لو مستغرقا و قيمة العرض للتجارة تضم الی الثمنین لان الكل للتجارة وضعا وجعلا و يضم الذهب الی الفضة و عکسه بجامع الثمنیة قيمة و قالوا بالاجزاء فلوله مائة درهم و عشرة دنائیر قیمتها مائة و اربعون تجب ستة عنده و خمسة عندهما فافهم

نصاب میں سال کے اوّل و آخر کا اعتبار نصاب کے پورے ہونے کی شرط سال کے اوّل و آخر میں ابتداء انعقاد کے لیے ہے اور آخر میں وجوب کے لیے، خواہ وہ جانور ہی کیوں نہ ہوں لہذا درمیان سال میں نصاب کا نقصان (کم ہونا) زکوٰۃ کے واجب ہونے میں مانع نہیں ہے یعنی اس صورت میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اگر کل کا کل نصاب ہلاک ہو گیا ہے تو اس سال کا حساب باطل ہو جائے گا یہاں تک کہ اگر اسی سال میں اس کو دوسرا مال مل جائے گا تو اس کے لیے نیا سال شروع ہوگا کذانی الشامی، رہا قرض تو یہ سال کو ختم نہیں کرتا ہے اگرچہ دین میں سب فرق ہو، یہ قول امام ابو یوسف کا ہے اور امام اعظم سے بھی ایسا ہی منقول ہے جیسا کہ مجمع میں ذکر کیا گیا ہے۔

شارح نے شروع کتاب الزکوٰۃ میں جہاں مصنف نے یہ کہا ہے ”فلا زکوٰۃ علی مکاتب و مدیون للعبد الخ“ وہاں انھوں نے کہا ہے کہ قرض کا پیش آجانا امام محمد کے نزدیک نصاب کے ہلاک ہو جانے کے مانند ہے اور اسی کو بحر میں ترجیح دیا ہے، کذانی الشامی۔ زکوٰۃ کی ادائیگی میں تجارت کے سامان کی قیمت نقد کے ساتھ ملائی جائے گی، اس لیے کہ یہ ساری پونجی تجارت کی ہی

ہے، نقد اصل وضع کے اعتبار سے اس میں شامل ہے اور تجارت کا سامان مالک کی نیت تجارت کی وجہ سے۔

سونا اور چاندی کے ملانے میں قیمت کا اعتبار ہے یا اجزاء کا

جائے گا، کیوں کہ ان دونوں (سونا چاندی) میں ثمنیت پائی جاتی ہے اور صاحبین فرماتے ہیں کہ سونے کو چاندی کے ساتھ اور چاندی کو سونے کے ساتھ باعتبار اجزاء ملائیں گے، لہذا اگر زکوٰۃ دینے والے کے پاس ایک سو درہم ہوں اور دس دنانیر (اثر فیاں) اور ان دنانیر کی قیمت ایک سو چالیس ہو، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس میں چھ درہم زکوٰۃ واجب ہوگی، اور صاحبین کے نزدیک پانچ درہم (بات یہ ہے کہ سو درہم چاندی کا آدھا نصاب ہے، اور دس دنانیر، سونے کا آدھا نصاب ہے، اجزاء کے اعتبار سے دونوں مل کر ایک نصاب بنے گا، لہذا صاحبین کہیں گے ایک نصاب (وہ سو درہم) کی زکوٰۃ چونکہ پانچ درہم ہوتی ہے لہذا مالک نصاب پانچ درہم زکوٰۃ دے گا، اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ سونا اور چاندی کے ملنے میں قیمت کا اعتبار ہوتا ہے تو اس قاعدہ سے قیمت چونکہ دو سو چالیس درہم ہوئی اس کی زکوٰۃ چھ درہم ہوگی کیوں کہ سو درہم کی زکوٰۃ ڈھائی درہم ہوئی، اور ایک سو چالیس درہم جو دس دنانیر کی قیمت ہے اس کی زکوٰۃ ساڑھے تین درہم ہوئی، سو کی ڈھائی اور چالیس کی ایک، اس طرح دونوں مل کر چھ درہم ہوئے ہیں لہذا وہ چھ درہم زکوٰۃ ادا کرے گا۔

صاحبین کے نزدیک سو درہم اور دس دنانیر کی زکوٰۃ

پانچ درہم ہوگی حالانکہ ایسا نہیں ہے کیوں کہ صورت مفروضہ میں صاحبین کے نزدیک بھی زکوٰۃ چھ درہم ہی ہوگی، کیوں کہ ہر نصف و نصاب کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں لازم ہوگا، جب دس دنانیر نصف نصاب ہے تو اس کا چالیسواں حصہ ایک دنانیر کا چوتھائی حصہ زکوٰۃ قرار پائے گا، اور جب دس دینار کی قیمت ایک سو چالیس مانی گئی ہے، تو اس حساب سے ایک دینار کی قیمت چودہ درہم ہوگی، اور چوتھائی دینار کی قیمت درہم کے اس حساب سے ساڑھے تین درہم ہوگی، ساڑھے تین درہم یہ اور ڈھائی درہم سو درہم کی زکوٰۃ اس طرح ساڑھے تین اور ڈھائی مل کر چھ درہم ہوئے نہ کہ پانچ۔ فافہم کہہ کر شارح نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک قیمت کا اعتبار کرنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ دونوں کا نصاب پورا ہو سکے۔ بلکہ عرض یہ ہے کہ دونوں میں سے کسی کا بھی نصاب پورا ہو جائے خواہ چاندی کا خواہ سونے کا۔

ولا تجب الزکوٰۃ عندنا فی نصاب مشترک من سائمة و مال تجارة ان صحت الخلطة فيه باتحاد اسباب الاسامة التسعة التي يجمعها اوص من يشفع و بيانه في شروح المجمع و ان تعدد النصاب تجب اجماعا و تيراجعان بالحصص و بيانه في الحاوی فان بلغ نصيب احدهما نصابا زكاة دون الآخر و لو بينه و بين ثمانين رجلا ثمانون شاة لا شيء عليه لانه مما لا يقسم خلافا للثانی سراج.

نصاب مشترک کی زکوٰۃ

احتاف کے نزدیک ”مشترک نصاب“ میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے، خواہ یہ جانور کا نصاب ہو خواہ مال تجارت کا اور خواہ یہ ملائتان نوسبوں کے متحد ہونے کی وجہ سے درست ہی کیوں نہ

ہو جس کی طرف اوص من بشفع کا جملہ اشارہ کرتا ہے، اور جس کی تفصیل شرح مجمع میں موجود ہے (نصاب مشترک سے یہاں مراد یہ ہے کہ ہر شخص کا جدا جدا مال تو نصاب کو نہ پہنچے، اور وہ زکوٰۃ کے لائق نہ ہو، مگر جب ان دونوں کے مال ملا دیئے جائیں تو نصاب پورا ہو جائے اور نو سبب اتحاد جس کی طرف جملہ سے اشارہ ہے یہ ہے: (۱) دونوں شریک، وجوب زکوٰۃ کے اہل ہونے میں شریک ہوں، (۲) شروع سال میں دونوں ملے ہوئے ہوں، (۳) اور یہ ملنا اختیاری رہا ہو، (۴) دونوں کے جانور ایک جگہ چرنے جاتے ہوں، (۵) دونوں کے جانور کے دوہنے کے برتن ایک ہوں، (۶) دونوں کے جانور کو ایک شخص چراتا ہو، (۷) دونوں شخصوں کے جانور کے پانی پینے کا ایک تالاب یا ایک کنواں ہو، (۸) دونوں کے جانور ایک نر سے پال کھاتے ہوں، (۹) دونوں کے جانوروں کی چراگاہ بھی ایک ہو۔ ان سارے اسباب اتحاد کے باوجود جب الگ الگ دونوں کے جانور یا اسی طرح مال، نصاب کو نہ پہنچتے ہوں اور ملا دینے سے نصاب کو پہنچ جاتے ہوں تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی)

البتہ جب ان کے نصاب ملانے سے پہلے متعدد ہوں تو بالاتفاق دونوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی اس لیے کہ دونوں کے مال الگ الگ نصاب کو پورا کرتے ہیں اور دونوں جب مل کر زکوٰۃ نکالیں گے تو ان میں سے ہر ایک دوسرے سے اپنے مال کے حصہ کے حساب سے جو زیادہ ہے واپس لے لے گا۔ لیکن جب ان دونوں میں سے ایک کا مال نصاب کو پہنچتا ہے اور دوسرے کا نہیں تو جس کا پہنچتا ہے صرف اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اور وہی زکوٰۃ دے گا دوسرے پر واجب نہیں ہوگی اور وہ نہیں دے گا۔ اور اگر اس ایک شخص اور دوسرے اتنی شخصوں کی شرکت میں اتنی بکریاں ہوں تو اس صورت میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے کیوں کہ یہ مال مشترک اس طرح کا ہے کہ اس کی تقسیم نہیں ہو سکتی ہے یعنی ہر بکری کو آدھا آدھا تقسیم نہیں کیا جاسکتا ہے۔

و اعلم ان الديون عند الامام ثلاثة قوى و متوسط و ضعيف فتجب زكوتها اذا تم نصابا و حال الحال لكن لا فوراً بل عند قبض اربعين درهما من الدين القوي كقرض و بدل مال تجارة فكلما قبض اربعين درهما درهما و عند قبض مائتين لغيرها اى من بدل مال لغير تجارة و هو المتوسط كضمن سائمة و عبيد خدمة و نحوهما مما هو مشغول بحوائجه الاصلية كطعام و شراب و املاك و يعتبر ما مضى من الحال قبل القبض فى الاصح و مثله مال و رث دينا على رجل و عند قبض مائتين مع حوْلان الحال بعده اى بعد القبض من دين ضعيف و هو بدل غير مال كمهر و دية و بدل كتابة و خلع الا اذا كان عنده ما يضم الى الدين الضعيف كما مر و لو ابرأ رب الدين المديون بعد الحال فلا زكوة سواء كان الدين قويا او لا خاتية و قيده فى المحيط بالمعسر و اما الموسر فهو استهلاك فيلحفظ بحر قال فى النهر و هذا ظاهر فى انه تقييد للاطلاق و هو غير صحيح فى الضعيف كما لا يخفى

قرض کی قسمیں اور ان کا حکم دیون کی امام ابو حنیفہ کے نزدیک تین قسمیں ہیں: (۱) قوی (۲) متوسط (۳) ضعیف، پس زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب نصاب پورا ہو اور اس پر سال گزر جائے

لیکن فی الفور نہیں، بلکہ اس وقت جب کہ دین قوی میں سے چالیس درہم پر اس کا قبضہ ہو جائے گا اور دین قوی قرض یا مال تجارت کا بدل ہے لہذا جب جب چالیس درہم وصول کرے گا ایک ایک درہم زکوٰۃ میں دے گا گویا ہر چالیس درہم پر ایک درہم زکوٰۃ لازم ہوگی۔

دین متوسط کی زکوٰۃ اور جب وہ تجارت کا مال نہ ہو تو دو سو درہم قبضہ میں آنے کے بعد زکوٰۃ لازم ہوگی اور یہ دین متوسط ہے جیسے جانوروں کی قیمت یا خدمت کے غلام ہوں یا اس کی طرح کوئی اور چیز ہو جو حوائج اصلیہ میں مشغول ہو، جیسے کھانا پینا اور دوسری ملکیت کی چیز اور سال کے سلسلہ میں وہ سال لگایا جائے گا جو دین متوسط کے قبضہ سے پہلے گذر چکا ہے صحیح تر یہی ہے یعنی جس وقت بیچا تھا اس وقت سے سال لگایا جائے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قبضہ میں آنے کے بعد پھر جب سال گذرے گا تب زکوٰۃ دے گا۔

دین متوسط کی ہی طرح وہ مال بھی ہے جس کا وہ وارث ہوا ہے اور حال یہ ہو کہ وہ کسی دوسرے پر قرض رہا ہو، یعنی وارث ہونے کے وقت سے نصاب کا اعتبار ہوگا۔ ظاہر الرویۃ یہی ہے لیکن ادائیگی اس وقت واجب ہوگی جب وہ مال اس کے قبضہ میں آجائے گا۔

دین ضعیف کی زکوٰۃ وار دین ضعیف میں زکوٰۃ اس وقت لازم ہوگی جب اس دین ضعیف میں سے دو سو پر مالک کا قبضہ ہو جائے گا اور قبضہ کے بعد سال گذر جائے گا، دین ضعیف وہ ہے جو مال کا بدل نہ ہو۔ جیسے مہر، دیت، بدل کتابت اور بدل خلع، (معلوم ہوا کہ عورت کا جو مہر شوہر کے ذمہ باقی رہتا ہے اس کی زکوٰۃ اس پر اس وقت واجب ہوگی جب شوہر سے وہ رقم اس کو مل جائے گی اور مل جانے کے بعد اس پر ایک پورا سال گذر جائے گا۔ نکاح کے بعد کے گذشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ نہیں ہے)

دین ضعیف والے کے پاس اگر پہلے سے دوسرا مال موجود تھا تو دین ضعیف سے وصول ہوتے ہی موجود مال کی زکوٰۃ کے ساتھ اس کی زکوٰۃ بھی دے گا سال گذرنے کا انتظار نہیں کرے گا۔

قرض والے کا معاف کرنا اور اگر دین کے مالک نے سال گذرنے کے بعد مدیون کو معاف کر دیا تو پھر اس مالک کے ذمہ زکوٰۃ نہیں ہے، خواہ یہ دین قوی ہو یا دین قوی نہ ہو، دونوں صورتوں میں اور فتاویٰ خانہ میں لکھا ہے کہ اگر وہ مدیون جس کو معاف کر دیا ہے مفلس ہے، تو واقعی مالک پر زکوٰۃ نہیں ہے کیوں کہ یہ صورت مال کے ہلاک ہونے کے حکم میں ہے، لیکن اگر مدیون جس کو معاف کیا گیا ہے مالدار ہے تو معاف کرنے والے پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اس لیے کہ یہ معاف کرنا مال کے ہلاک کر دینے کے حکم میں ہے، اسے یاد رکھا جائے کذا فی البحر، نہر الفائق میں ہے کہ بحر الرائق کا قول مطلقاً ذکر کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام دیون کو یہ حکم شامل ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، کیوں کہ یہ حکم دین ضعیف اور دین متوسط کا نہیں ہے دین ضعیف میں اگر مالدار کو معاف کر دیا جائے گا تو بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اس لیے کہ اس دین میں نصاب کے برابر قبضہ ہو جانے اور سال گذر جانے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوتی ہے لہذا وجوب سے پہلے بری کرنا ہلاک کرنے کے معنی میں کیسے ہوگا، اور یہی حال متوسط دین کا ہے کذا فی الشامی۔

وتجب علیہا ای المرأة زکوٰۃ نصف مہر من نقد مردود بعد مضی الحول من الف

كانت قبضته مهرا ثم ردت النصف لطلاق قبل الدخول فتزكى الكل لما تقرر ان النقود لا تتعين في العقود والفسوخ وتسقط الزكاة عن موهوب له في نصاب مرجوع فيه مطلقا سواء رجع بقضاء او غيره بعد الحول لو ورد الاستحقاق على عين الموهوب و لذا لا رجوع بعد هلاكه قيد به لانه لا زكاة على الواهب اتفاقا لعدم الملك و هي من الحيل و منها ان يهبه لطفله قبل التمام بيوم .

وصول کردہ مہر کی زکوٰۃ وہ عورت جس کا نکاح ایک ہزار درہم مہر کے عوض ہوا اور نکاح کے بعد عورت نے اس ہزار پر قبضہ کر لیا اور وہ سال بھر عورت کے قبضہ میں رہا، شوہر نے اس کو ایک سال کے بعد دخول سے پہلے طلاق دیدی، چنانچہ عورت نے نصف یعنی پانچ سو درہم شوہر کو واپس کر دیا۔ اس صورت میں عورت کل درہم یعنی ایک ہزار کا زکوٰۃ دے گی۔ کیوں کہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ معاملات (عقود) جیسے بیوع (اجارہ) نکاح اور اسی طرح فسوخ جیسے اقالہ اور خلع وغیرہ میں نقود متعین نہیں ہیں، اس ہزار پر جب اس عورت نے قبضہ کر لیا تو وہ اس کی ملک میں ہو گیا تھا، اور اب طلاق کے بعد جو اس کو واپس کرنا پڑا، تو یہ ضروری نہیں ہے کہ بعینہ وہی پانچ سو درہم وہ واپس کرے بلکہ اس کے بدلہ میں دوسرے پانچ سو درہم بھی واپس کر سکتی ہے، اس بنیاد پر اس کے ذمہ زکوٰۃ لازم ہوئی، سال گزرنے کے بعد جو دین کسی کے ذمہ لازم ہو جائے وہ زکوٰۃ کے لیے مانع نہیں ہے۔

ہبہ والی چیز سے زکوٰۃ معاف جسکے نام کوئی چیز ہبہ کی گئی ہے اسکے ذمہ سے اس صورت میں زکوٰۃ ساقط ہوتی ہے جب ہبہ کرنے والے نے سال پورا ہونے کے بعد نصاب کی تعداد دے کر واپس لے لیا ہو، خواہ قاضی کے فیصلہ کے بعد اس نے ایسا کیا یا اس کے فیصلہ کے بغیر، اس کی وجہ یہ ہے کہ متعین طور پر اس چیز پر استحقاق حاصل ہوا ہے جو ہبہ کی گئی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب وہ ہبہ کی ہوئی چیز ہلاک ہو جاتی ہے تو پھر اس کو واپس نہیں لیا جاسکتا ہے۔ یہ جو قید لگائی ہے کہ زکوٰۃ اس کے ذمہ سے ساقط ہوتی ہے جس کے لیے ہبہ کی گئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہبہ کرنے والے کے ذمہ تو بالاتفاق زکوٰۃ واجب نہیں کیوں کہ اس کی ملکیت منقطع ہو چکی تھی اور یہ صورت زکوٰۃ کے ساقط ہونے کے لیے ایک حیلہ کا درجہ رکھتی ہے۔

سقوط زکوٰۃ کے لیے حیلہ زکوٰۃ ساقط ہونے کا ایک حیلہ یہ ہے کہ سال پورا ہونے کے ایک دن پہلے کوئی اپنا مال اپنے لڑکے کو ہبہ کر دے، لیکن ایسا حیلہ امام محمدؒ کے نزدیک مکروہ ہے گو امام محمدؒ و ابو یوسفؒ کے نزدیک مکروہ نہیں، کیوں کہ فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے۔

باب العاشر

فیل هذا من تسمية الشئ باسم بعض احواله و لا حاجة اليه بل العشر علم لما ياخذہ العاشر

مطلقاً ذکرہ سعدی ای علم جنس ہو حر مسلم بهذا يعلم حرمة تولیۃ الیہود علی الاعمال غیر ہاشمی لما فیہ من شبہۃ الزکوٰۃ قادر علی الحماية من اللصوص والقطاع لان الجبایۃ بالحماۃ لصبہ الا امام علی الطريق للمسافرین خرج الساعی فانه الذی یسمی فی القبائل لیاخذ صدقۃ المواشی فی اماکنہا لیاخذ الصدقات تغلیباً للعبادۃ علی غیرہا من التجار بوزن فجار الثمارین باموالہم الظاہرۃ والباطنۃ علیہ و ماورد من ذم العشار محمول علی الاخذ ظہمًا.

عشر وصول کرنے والے کا بیان

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ عشر وصول کرنے والے کا نام عاشر اس کے بعض حالات کی وجہ سے عاشر کیوں نام رکھا گیا رکھا گیا ہے۔ (کیوں کہ کبھی یہ عشر (دسواں حصہ) وصول کرتا ہے کبھی نصف عشر (بیسواں حصہ) اور کبھی ربع عشر (چالیسواں حصہ) لیکن ان میں عشر لینے کی بھی حالت یہی ہوتی ہے اس لیے اس کا نام عاشر تجویز کیا گیا) اور بعض دوسرے لوگوں نے کہا کہ ان تکلفات کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ کہا جائے کہ عشر اس چیز کا نام ہے جو عاشر وصول کرتا ہے، خواہ وہ عشر (دسواں حصہ) ہو خواہ نصف عشر (بیسواں حصہ) اور یا ربع عشر (چالیسواں حصہ) ما حصل یہ ہے عشر کو علم جنس مان لیا جائے، شامی کی رائے یہ ہے ”علم جنس“ کی جگہ ”اسم جنس“ کہنا مناسب ہے۔

عاشر کے لیے اوصاف عاشر کے لیے ضروری ہے کہ وہ آزاد ہو، غلام نہ ہو، مسلمان ہو یعنی کافر نہ ہو، اور اس شرما سے معلوم ہوا کہ یہودی کو عامل بنانا حرام ہے، غیر ہاشمی ہو یعنی ہاشمی نہ ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہاشمیوں کے لیے زکوٰۃ کے جائز ہونے میں شبہ ہے (لیکن اگر عامل ہاشمی ہو اور وہ اجرت نہ لے یا اس کی محنت کی اجرت دوسری مد سے دی جائے تو وہ عامل ہو سکتا ہے) عاشر کو یہ قدرت ہو کہ وہ تجارت کے مالوں کو چور اور ڈاکو سے بچا سکے، کیوں کہ تاجروں سے عشر اسی لیے لیا جاتا ہے کہ حکومت ان کے مال کی حفاظت کرتی ہے۔

عاشر کی خدمت اس عشر وصول کرنے والے کو امام یعنی امیر المؤمنین یا خلیفۃ المسلمین نے راستہ پر مسافروں کے لیے مقرر کیا ہو، اس شرط سے ”ساعی“ نکل گیا جو قبائل میں جا کر اور لوگوں کے گھر پہنچ کر مویشیوں کے صدقات وصول کرتا ہے، عاشر کو امام المسلمین اس لیے مقرر کرتا ہے تاکہ وہ مال لے کر گزرنے والے تاجروں سے صدقات وصول کرے، عاشر مسلمانوں سے صدقات وصول کرتا ہے اور ذمیوں سے جزیہ بھی، لیکن تعریف میں صرف صدقہ کا ذکر کیا اور جزیہ کا ذکر نہیں کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادت کو غیر عبادت پر اذیت حاصل ہے، یہ عاشر اموال ظاہری کی بھی زکوٰۃ وصول کرتے ہیں اور اموال باطنی کی بھی۔ اموال ظاہری میں وہ مویشی ہیں جن کو لے کر تاجر عاشر کے پاس سے گزرتے ہیں اور اموال باطنی میں سونا، چاندی اور تجارت کے سامان ہیں۔

وہ جو حدیث میں عاشر کی مذمت آئی ہے کہ ”لا یدخل صاحب المکس الجنة“ عشر وصول کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا یہ ان عاشروں کے لیے ہے جو ظلم و تعدی سے کام لیتے ہیں (اور اعتدال کی اسلامی راہ چھوڑ دیتے ہیں)

فمن الکرتام الحول او قال لم انو التجارة او علي دين محيط او منقص للنصاب الان ما یرخذہ زکوٰۃ معراج و هو الحق بحر و لذا اطلقہ المصنف او قال ادیت الی عاشر آخر و کان عاشر آخر محققا و قال ادیت انا الی الفقراء فی المصر لا بعد الخروج لما یراتی و حلف صدق فی الكل بلا اخراج براءة فی الاصح لاشتباه الخط حتی لو اتی بها علی خلاف اسم ذلک العاشر و حلف صدق و عدت عدما و لو ظهر کذبہ بعد سنین اخذت منه الا فی السوائم والاموال الباطنة بعد اخراجها من البلد لانها بالخراج التحقت بالاموال الظاهرة فکان الاخذ فیها للامام فیکون هو الزکوٰۃ والاول ینقلب نفلا و یرخذها منه بقوله لقول عمر لا تنبشوا علی الناس متاعهم لکنه یحلفه اذا اتهم .

مال والوں کے عذر کا قبول کرنا پس جو شخص سال پورا ہونے کا انکار کر دے یا کہے کہ میں نے اس مال میں تجارت کی نیت نہیں کی ہے، یا کہے کہ میرے ذمہ ایسا قرض ہے جو میرے تمام مال کو گھیرے ہوئے ہے یا کہے کہ مجھ پر اس قدر دین ہے کہ اس کے ادا کرنے کے بعد مال نصاب کی مقدار نہیں بچتا، یا کہے کہ میں اپنے مال کا عشر دوسرے عشر وصول کرنے والے کو ادا کر چکا، اور وہ دوسرا عشر کرنے والا واقعی طور پر پایا جاتا ہو، یا کہے کہ میں شہر کے دوسرے فقراء کو زکوٰۃ کی رقم دے چکا، اور اپنی ان باتوں کو وہ حلف کے ساتھ مؤکد کر دے تو اس کی بات ان تمام صورتوں میں مانی جائے گی اور دوسرے عشر وصول کرنے والے کی تحریر پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی صحیح ترمذی ہی ہے، تحریر کے پیش کرنے کی ضرورت اس لیے نہیں ہے کہ خطوط مشتبہ ہوتے ہیں، اور جس عاشر کا مالک نے نام لیا تھا اس کو دے چکا ہوں اگر اس کے علاوہ کی تحریر پیش کی اور اس کے ساتھ قسم کھائی تو اس کو مان لیا جائے گا اور تحریر کا عدم شمار ہوگی، لیکن اگر چند سال بعد یہ ظاہر ہو کہ مالک نے کذب بیانی سے کام لیا تھا تو پھر اس سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔

جہاں مالک یہ کہتا ہے کہ مجھ پر قرض ہے وہاں شارح نے بتایا کہ قرض کی تقسیم اس لیے ہے کہ عاشر زکوٰۃ وصول کرتا ہے اور قرض اگر اتنا ہو جس کے ادا کرنے کے بعد نصاب کو نہیں پہنچ سکتا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے۔

انکار کی صورتیں بسلسلہ چوپایا اوپر جو صورتیں زکوٰۃ سے انکار کی درج کی گئی ہیں کہ حلف کے بعد مالک کی بات مان لی جائے گی، کہتے ہیں کہ انکار کی مذکورہ بالا صورتیں چوپاؤں اور اموال باطنہ کے سلسلہ میں اگر وہ ان کو شہر سے نکال چکا ہے مانی نہیں جائے گی، اس لیے کہ شہر سے نکالنے کے بعد وہ اموال ظاہرہ کے ساتھ ملحق ہو گئے، اور جب اموال ظاہرہ کے ساتھ ملحق ہو گئے تو اب ان کی زکوٰۃ کے لینے کا حق امام کو حاصل ہوگا بس اس وقت لینا زکوٰۃ ہوگی اور پہلا دیا ہوا نفل شمار ہوگا۔

اور زکوٰۃ وصول کرنے والا مال والے سے زکوٰۃ حضرت عمرؓ کے اس قول کے مطابق لے گا جس میں انھوں نے فرمایا ہے کہ

لوگوں کے سامان کی تفتیش نہ کرو، البتہ جب متہم سمجھو تو تم ان سے حلف لے لو اور اس پر اعتماد کرو۔

وَكُلُّ مَا صَدَقَ فِيهِ مُسْلِمٌ مِمَّا مَرَّ صَدَقَ فِيهِ ذِمِّي لَانْ لَهُمْ مَالُنَا اِلَّا فِي قَوْلِهِ اَدَيْتُ اَنَا اِلَى فَقِيرٍ لَعْدَمٍ وَلَا يَؤِيْذُكَ لَا يَصْدُقُ حَرْبِيْ فِي شَيْءٍ اَمْ فِي امٍ وَلَدِهِ وَقَوْلُهُ لَغْلَامٍ يُّوْلَدُ مِثْلَهُ لِمِثْلِهِ هَذَا وَلَدِيْ لِفَقْدِ الْمَالِيَةِ فَاِنْ لَمْ يُوْلَدْ عَتَقَ عَلَيْهِ وَعُشْرٌ لَا اِنْ اَقْرَبَ بِالْعَتَقِ فَلَا يَصْدُقُ فِي حَقِّ غَيْرِهِ وَ اِلَّا فِي قَوْلِهِ اَدَيْتُ اِلَى عَاشِرٍ اٰخَرَ وَ تَمَّةٌ عَاشِرٍ اٰخَرَ لِثَلَا يُوْدِيْ اِلَى اسْتِيْصَالِ الْمَالِ جَزْمٌ بِهِ فَلَا خَسْرَ وَ ذِكْرُهُ الزَّيْلَعِيُّ تَبَعًا لِلْسُرُوْجِيِّ بِلَفْظٍ يَنْبَغِيْ كَذَا اِنْقَابُ الْمَصْنَفِ عَنْ اَبِي حَرٍّ لَكِنْ حَزْمٌ فِي الْعَنَاءِ وَ الْغَايَةِ بَعْدَ تَصَدِيقِهِ وَ رَجَحَهُ فِي النَّهْرِ.

اور زکوٰۃ کے جن امور مذکورہ میں مسلمانوں کی بات مانی جاتی ہے اُن میں ایک ذمی کی بات بھی مانی جائے گی، اس لیے کہ اسلامی حکومت میں جو رعایت مسلمانوں کے لیے ہے وہی رعایت ذمی کافروں کے لیے بھی ہے، البتہ ذمی کا یہ قول نہیں مانا جائے گا کہ میں نے فقیر کو دیدیا ہے، اس وجہ سے کہ کافر کے لیے فقیر کو دینے کا حق نہیں ہے (کیوں کہ ان سے جو لیا جاتا ہے وہ دراصل جزیہ ہے اور جزیہ کا مصرف اہل ذمہ کے فقراء نہیں ہیں، دوسری بات یہ کہ کافر کو مسلمان مستحق پر خرچ کرنے کا حق نہیں، البتہ کافر حربی کا قول ان امور مذکورہ میں نہیں مانا جائے گا، اور اس سے عشر وصول کیا جائے گا، البتہ اگر وہ کسی کے ام ولد ہونے کا اقرار کرے تو اسے مانا جائے گا۔ کہ وہ اس کی ام ولد ہے۔

اگر حربی کسی غلام کے متعلق کہے کہ یہ میرا بیٹا ہے اور وہ غلام ایسا ہو کہ وہ کہنے والے کا بیٹا ہو سکتا ہو (یعنی وہ عمر میں اتنا بڑا ہو کہ اس غلام کا باپ ہو سکتا ہے، پھر یہ کہ غلام پہلے سے ثابت الذنب نہ ہو اور نہ اس نے اس دعویٰ کی تکذیب کی ہو، تو اس کی بات مانی جائے گی اور ام ولد ہونے اور غلام کے بیٹے ہونے کی بات اس لیے ماننے کی وجہ یہ ہے کہ اس دونوں مسئلوں میں مالیت نہیں ہے اور زکوٰۃ مال کی لی جاتی ہے۔)

لیکن اگر غلام ایسا ہو کہ وہ حربی کا بیٹا نہیں ہو سکتا تو اس کہنے سے وہ غلام اس پر آزاد ہو جائے گا اور اس شخص سے عشر لیا جائے گا اس لیے کہ اس حربی نے اس کے آزاد ہونے کا اقرار کیا ہے لہذا عشر پر عشر کے باطل کرنے میں اس کا یہ کہنا حجت نہیں ہوگا۔ البتہ اس صورت میں اس کی بات مانی جائے گی جب کہ وہ کہے کہ میں دوسرے عشر کو ادا کر چکا اور وہاں دوسرے عشر موجود بھی ہوں، اور اس ماننے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا مال سرے سے ختم نہ ہو جائے یعنی وہ ہر عشر کو عشر دیتے دیتے سارا سرمایہ ہی نہ کھودے، اس کا ملا خسرو نے یقین کیا ہے اور سراجی کی پیروی میں زیلعی نے ینبعی (مناسب) کے لفظ سے ذکر کیا ہے۔ اسی طرح مصنف نے بحر سے نقل کیا ہے، لیکن عنایہ اور غلیہ البیان میں یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ اس کی یہ بات نہ مانی جائے، اور نہر الفائق نے اسی قول کو ترجیح دیا ہے۔

وَ اُخِذَ مِنْ رَّبْعِ عَشْرٍ وَ مِنَ الذَّمِّي سِوَاءَ كَانَتْ غَلْبِيًّا اَوْ لَمْ يَكُنْ كَمَا فِي الْبِرِّ جَنْدِيْ عَنِ الظَّهْرِيَّةِ ضَعْفُهُ وَ مِنَ الْحَرْبِيِّ عَشْرٌ بِذَلِكَ اَمْرٌ عَمْرٍ بِشَرْطِ كَوْنِ الْمَالِ لِكُلِّ وَاحِدٍ نَصَابًا لَانْ مَا دُونَهُ عَفْوٌ وَ بِشَرْطِ جَهْلِنَا بِقَدْرِ مَا اخَذُوا مِنْهَا فَاِنْ عَلِمَ اخَذَ مِثْلَهُ مَجَازَاةً اِلَّا اِذَا

اخذوا الكل فلا ناخذہ بل نترك له ما يبلغه مامنہ ابقاء للامان .

کس سے کتنا لیا جائے گا | مسلمانوں سے چالیسواں حصہ لیا جائے گا اور ذمی کافروں سے بیسواں حصہ خواہ وہ ذمی تغلبی ہو یا تغلبی نہ ہو، بر جندی میں فتاویٰ ظہیریہ سے ایسا ہی نقل کیا گیا ہے اور حربی کافر سے دسواں حصہ لیا جائے گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کا حکم فرمایا ہے، یعنی آپ نے آپ صدقہ اور عشر وصول کرنے والے کو یہی حکم دیا تھا، بحر الرائق میں تفصیل ہے کہ مسلمانوں سے جو چالیسواں حصہ لیا جاتا ہے وہ زکوٰۃ ہے اور ذمیوں سے جو بیسواں حصہ لیا جاتا ہے وہ صدقہ اور کفار حربی سے جو دسواں حصہ لیا جاتا ہے وہ اس کی حفاظت لی خاطر، بقیہ کافروں سے لیا ہوا مال جزیرہ کے مصارف میں خرچ ہو گا جب کہ ان میں سے ہر ایک کا نصاب پورا ہو، اگر نصاب سے کم ہو گا تو ان سے کچھ نہیں لیا جائے گا اس کے لیے معاف ہے ساتھ ہی یہ بھی شرط ہے کہ ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ کافر حکومت ہم مسلمانوں سے کیا لیتی ہے، لیکن اگر اس کی مقدار معلوم ہوگی کہ وہ مسلمانوں سے اس حساب سے لیتے ہیں تو ہم بھی ان سے اسی کے برابر وصول کریں گے تاکہ پورا پورا بدلہ ہو۔ لیکن جب یہ معلوم ہو کہ حربی ان مسلمانوں کا کل مال لیتے ہیں جو دار الحرب میں جاتے ہیں تو اس صورت میں بھی ہم ان کا کل مال نہیں لیں گے، بلکہ اس کے پاس اتنا چھوڑ دیں گے کہ جس کی مدد سے وہ اپنے امن کی جگہ تک با آسانی پہنچ جائے، کیوں کہ امن کا حق یہ بھی ہے ارشاد باری ہے **وَ اِنْ اَحْلَدَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ ابْلِغْهُ مَأْمَنَهُ**۔

ولا ناخذ منهم شيئا اذا لم يبلغ مالهم نصابا و ان اخذوا منا في الاصح لانه ظلم ولا متابعة عليه او نعم ياخذوا منا ليستمروا عليه و لانا احق بالمكارم۔

نصاب سے کم ہونے کی صورت میں حکم | مگر جب ان کافروں کا مال نصاب کے برابر نہیں ہو گا تو ہم مسلمان ان سے کچھ بھی نہیں لیں گے گو کافر حکومت ہم مسلمانوں سے لیتی ہو، صحیح ترمذی یہی ہے، کیوں کہ نصاب سے کم مال ہونے کے باوجود کچھ لینا ظلم ہے اور ظلم و تعدی میں کسی کی پیروی نہیں کی جاتی ہے، نصاب سے کم ہے وہ تو دراصل اس کے ضروری اخراجات کے لیے ہے نصاب سے زیادہ میں زکوٰۃ لی جاتی ہے، ضروریات زندگی کی رقم سے لینا کھلا ہوا ظلم ہے، کوئی ذی عقل اس کو پسند نہیں کرے گا، اور تقاضائے امن کی بھی ضد ہے، جیسے کسی کا کل مال لے لینا ظلم ہے۔

اور اس صورت میں بھی ہم کافروں سے کچھ نہیں لیں گے جب وہ مسلمانوں سے کچھ نہ لیتے ہوں، تاکہ وہ نہ لینے پر قائم رہ سکیں، دوسری بات یہ ہے کہ مکارم اخلاق کو نبائے کا زیادہ حق ہم مسلمانوں پر ہے۔

ولا يؤخذ العشر من مال صبي حربي الا ان يكونوا ياخذون من اموال صبياننا شيئا كما في كافي الحاكم اخذ من الحربى مرة لا يؤخذ منه ثانيا في تلك السنة الا اذا عاد الى دار الحرب لعدم جواز الاخذ بلا تجدد حول او عهد و لو مر الحربى بعاشر و لم يعلم به العاشر حتى دخل دار الحرب ثم خرج ثانيا لم بعشره لما مضى لسقوطه

بالقطاع الولاية بخلاف المسلم والذمی لعدم السقط ذكره الزیلعی.

حربی کے بچوں سے کچھ نہیں لیا جائے گا عشر حربی کے نابالغ لڑکوں سے نہیں لیا جائے گا البتہ اس صورت میں لیا جائے گا جب وہ مسلمانوں کے نابالغ لڑکوں سے کچھ لیتے

ہوں، حاکم نے کافی میں ایسا ہی لکھا ہے۔ ایک سال میں ایک حربی سے دو مرتبہ عشر نہیں لیا جائے گا کیونکہ جب تک نیا سال نہ آئے یا کوئی ایسا عہد نہ ہو دوبارہ عشر وصول کرنا جائز نہیں ہے، اس صورت میں البتہ دوبارہ لیا جائے گا جب وہ دار الحرب واپس ہو گیا ہو اور پھر دار الاسلام میں دوبارہ آیا ہو (فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ حربی کو پورے سال دار الاسلام میں ٹھہرنے نہیں دیا جائے۔ بلکہ جو نہی وہ دار الاسلام میں داخل ہو، اس کو جتلا دیا جائے کہ اگر تو یہاں اقامت کرے گا تو تجھ پر جزیہ لگا دیا جائے گا چنانچہ اس کے بعد بھی وہ اگر قیام کرے گا تو اس پر جزیہ لگا دیا جائے گا اور دار الحرب واپس نہیں جانے دیا جائے گا)

پہلا عشر کب ساقط ہوتا ہے اگر کوئی حربی عاشر کے پاس سے گذرا مگر اس کو اس کی خبر نہیں ہوئی کہ یہ حربی ہے تا آنکہ وہ دار الحرب میں داخل ہو گیا پھر وہ دوبارہ دار الحرب سے نکل کر

دار الاسلام میں آیا تو اس صورت میں اس سے پچھلا عشر نہیں وصول کیا جائے گا، کیوں کہ جب وہ پہلی مرتبہ اور الحرب میں واپس چلا گیا تو اس پر ولایت باقی نہیں رہی اور پہلا عشر اس سے ساقط ہو گیا۔

ذمی اور مسلمان کا حکم اس کے خلاف ہے اگر یہ دونوں بے خبری میں بلا عشر دیئے گذر گئے اور بعد میں معلوم ہوا تو اس سے گذشتہ دنوں کا عشر بھی لیا جائے اس لیے کہ یہاں ساقط کرنے والا کوئی عذر پایا نہیں گیا، اسے زیلعی نے ذکر کیا ہے۔

و یؤخذ نصف عشر من قيمة خمر و جلود ميتة كافر كذا اقر المصنف متنه في شرحه
لو للتجارة و بلغ نصابا و یؤخذ عشر القيمة من حربی بلا نية تجارة ولا یؤخذ من المسلم
شیء اتفاقا لا یؤخذ من خنزیره مطلقا لانه قیمی فاخذ قیمته كعینه بخلاف الشفعة لانه لو
لم یأخذ الشفع بقيمة الخنزیر یطل حقه اصلا فیتضرر و مواضع الضرورة مستثناة ذكره
سعدی و لا یؤخذ ایضا من مال فی بیتہ مطلقا و لا من مال بضاعة الا ان تكون لحربی و لا
من مال مضاربة الا ان یربح المضارب فیعشر نصیبه ان بلغ نصابا و لا من کسب ماذون
مدیون بدین محیط بماله و رقبته او ماذون غیر مدیون لكن لیس معه مولاه علی الصحیح
فی الثلثة لعدم ملکهم و لذا لا یؤخذ العشر من الوصی اذا قال هذا مال الیتیم و لا من عبد
و مکاتب .

کافر کی شراب و مردار کی کھالوں کی قیمت میں عشر کافر کی شراب اور اس کے مردار کی کھالوں کی قیمت سے اگر وہ نصاب کو پہنچتی ہو تو بیسواں

حصہ لیا جائے گا بشرطیکہ وہ چیزیں تجارت کے لیے ہوں اور شراب کی قیمت میں کافر حربی سے اس کا دسواں حصہ لیا جائے گا خواہ

اس میں تجارت کی نیت ہو یا نہ ہو، البتہ مسلمانوں سے شراب کی قیمت کے لیے کچھ نہیں لیا جائے گا (اس لیے کہ مسلمان شراب کا مالک ہی نہیں ہوتا ہے اس لیے کچھ لینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا)

خنزیر میں عشر نہیں کافر اگر سور پالتے ہوں تو اس سے اس کا عشر بالکل نہیں لیا جائے گا اس لیے کہ سور کا قیمت والی چیزوں میں شمار ہے، لہذا اس کی قیمت لینا گویا خود سور کا لینا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ سور نجس عین ہے، جس کا لینا درست نہیں ہے۔

ایک اشکال کا حل بخلاف شفعہ کے کہ حق شفعہ والا خنزیر کی قیمت کے عوض اگر مکان نہ لے گا تو اس کا حق باطل ہو جائے گا، جس سے اس کا نقصان ہو گا اور ضرورت کی جگہیں قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ ہوتی ہیں (یہ دراصل ایک پیدا شدہ سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ قیمت کا حکم عین کا حکم نہیں ہے، کیوں کہ ایک ذمی نے اپنا گھر دوسرے ذمی کو خنزیر کے بدلے بیچ دیا، اور جس گھر کو ذمی نے بیچا ہے اس کا حق شفعہ ایک مسلمان کو پہنچتا تھا اس صورت میں اس کا حق شفعہ والے کے لیے یہ درست ہے کہ خنزیر کی قیمت دے کر حق شفعہ میں مکان لے لے، یہاں دیکھا جائے کہ قیمت کا حکم عین کا کہاں ہوا؟ اس کا جواب شارح نے دیا کہ یہاں اس لیے اس کی اجازت دی گئی کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو حق والے کا حق ضائع ہوتا اور اس کا نقصان ہوتا، اس لیے اسے اس قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ قرار دیا، ورنہ قاعدہ وہی ہے جو پہلے بیان ہوا)

عاشر گھر کے مال کا عشر نہیں لے گا جو مال گھر میں ہے گذرنے والے سے اس مال کا عشر عاشر وصول نہیں کرے گا خواہ گذرنے والا مسلمان ہو، خواہ وہ ذمی ہو، یا حربی ہو۔

مال بضاعت سے عشر مال بضاعت سے بھی عشر وصول نہیں کیا جائے گا، مال بضاعت وہ روپے ہیں جو کوئی شخص کسی کو تجارت کے لیے دے اور نفع سب مالک مال کا ہو، البتہ یہ مال اگر کسی حربی کا ہے تو اس سے عشر وصول کیا جائے گا۔

مال مضاربت میں عشر مال مضاربت کا بھی عشر وصول نہیں کیا جائے گا لیکن اگر مضارب کو اتنا نفع ہو کہ وہ نصاب کو پہنچ جائے تو اس کے نفع میں عشر لیا جائے گا۔

ماذون سے عشر وہ غلام جس کو اس کے آقا نے تجارت کی اجازت دیدی ہو، اس کے مال سے بھی عشر نہیں لیا جائے گا جب کہ وہ ایسے قرض میں ہو جو اس کے مال اور جان کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہو۔

یادہ غلام قرضدار تو نہ ہو، لیکن اس کے ساتھ اس کا آقا نہیں ہے تو اس صورت میں بھی اس سے عشر نہیں لیا جائے گا، تینوں مسائل میں صحیح روایت یہی ہے اس لیے کہ اوپر کی تینوں صورتوں میں ملک نہیں ہوتی ہے یعنی مضارب دالے مسئلہ میں، بضاعت والے میں اور غلام والے میں۔

وصی، غلام مکاتب سے عشر لیا جائے گا اور ملک کے ہی نہ ہونے کی وجہ سے وصی سے عشر نہیں لیا جائے گا، جب وہ یہ بیان کرے کہ یہ یتیم کا مال ہے اور نہ غلام سے عشر لیا جائے گا اور نہ مکاتب غلام سے، غلام مالک نہیں ہوتا اور مکاتب غلام مالک ہوتا ہے مگر اس کی ملکیت تام نہیں ہوتی۔

مر علی عاشر الخوارج فعشروہ ثم مر علی عاشر اهل العدل اخذ منه ثانيا لتقصيره

بمرورہ بہم بخلاف مالو غلبوا علی بلد فرع مر بنصاب رطاب للتجارة كبطينغ و نحوه لا
يعشره عند الامام الا اذا كان عند العاشر فقراء فياخذ ليدفع لهم نهر بحثا.

باغیوں کو دینا کافی نہیں اگر وہ غالب نہیں

اگر باغیوں کے عشر وصول کرنے والے کے پاس سے کوئی گذرا
نے اس سے عشر وصول کر لیا، پھر وہ شخص اہل حق کے
عشر وصول کرنے والے کے پاس سے گذرا تو وہ اس سے دوبارہ عشر وصول کرے گا، کیوں کہ باغیوں کے عشر کے پاس سے گذرنا
خود گذرنے والے کا قصور ہے۔

البتہ اگر باغیوں نے کسی شہر پر غلبہ حاصل کر لیا ہو، اور اس کے عشر وصول کرنے والے کے پاس سے کوئی گذرا ہو اور اس
نے اس سے عشر لے لیا، تو اس صورت میں وہ دوبارہ عشر نہیں دیں گے، کیوں کہ اس صورت میں مال والوں کا قصور نہیں ہوگا۔

ترمیووں کا عشر

ترمیووں کا تاجر تربوزہ وغیرہ لے کر عاشر کے پاس سے گذرے گا تو، امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں: نہ عاشر اس
سے عشر نہیں لے گا البتہ اگر اسکے پاس فقراء موجود ہوں تو اس سے عشر لے کر ان فقیروں کو دے سکتا ہے۔

باب الرکاز

الحقوه بالزکوٰۃ لكونه من الوظائف المالية هو لغة من الرکز ای الاثبات بمعنی المركز و
شرعا مال مرکوز تحت ارض اعم من کون راکزه الخالق او المخلوق فلذا قال معدن
خلقى خلقه الله تعالى و من کنز ای مال مدفون دفنه الکفار لانه الذى یخمس وجد مسلم
او ذمی و لوقنا صغیرا او اثنی معدن نقدو نحو حديد و هو کل جامد ینتبع بالنار و منه
الزئبق فخرج المائع کنفط و قار و غیر المنطبع کمعادن الاحجار فی ارض خراجیه او
عشریة خرج الدار لا المفازة لدخولها بالاولی خمس مخففا ای اخذ خمسہ لحديث و فی
الركاز الخمس و هو یعم المعدن کما مر و باقیہ لمالکها ان ملکة والا کجبل و مفازة
فللواجد و المعدن لا شیء فیہ ان وجدہ فی داره و حانوته وارضه فی رواية الاصل
واختارها فی الكنز.

دفعینہ کے احکام و مسائل کا بیان

فقہاء نے دفعینہ کو زکوٰۃ کے ساتھ اس وجہ سے لائق کیا ہے کہ یہ مالی معاملہ ہے شارح نے بتایا کہ رکاز رکز سے مشتق ہے

جس کے معنی ثابت کرنا اور گاڑنا ہے اور شریعت میں رکاز اس مال کو کہتے ہیں جو زمین کے نیچے گڑا ہوا ہو، عام ہے کہ زمین کے اندر اس کو رکھنے والا خالق ہو یا مخلوق، یعنی خدا کا پیدا ہوا ہو یا انسان نے اس کو دفن کر کے رکھا ہو اور یہی وجہ ہے کہ مصنف نے مراحت کردی کہ وہ کان (مال مدفون) خدا کا پیدا کیا ہو یا ایسا خزانہ ہو جس کو زمین میں کفار نے دفن کیا ہو، خمس (پانچواں) کفار کے ہی مدفون خزانہ سے لیا جاتا ہے اور اگر مسلمان کا دفن کیا ہو گا تو اس کا حکم لفظ کا ہے یعنی اس پڑی ہوئی چیز کا جو کسی کو راستہ میں مل جائے۔

اس دفینہ کو خواہ کسی مسلمان نے عشری یا خراجی زمین میں پایا ہو، یا کسی ذمی کافر نے، پھر وہ آزاد ہو یا غلام، بالغ ہو یا نابالغ، مرد ہو یا عورت سب کو شامل ہے اور اس نے سونے کی کان پائی ہو، یا لوہے کی یا ان چیزوں کے مثل کسی ایسی دوسری چیز کی جو منجمد ہو اور آگ سے وہ نرم ہو جاتی ہو، اور اسی میں پارہ بھی داخل ہے لہذا منجمد کی قید سے بہنے والی چیزیں سس گئیں جیسے نطفہ (ایک قسم کا روغن) اور رال اور آگ سے نرم ہونے کی جو قید لگائی گئی ہے اس سے وہ چیزیں نکل گئیں جو آگ سے نرم نہیں ہوتی ہیں جیسے پتھروں کے کان جن میں فیروزہ اور زمرہ وغیرہ ہوتے ہیں۔

شارح نے بتایا کہ زمین کی قید سے گھر نکل گیا، مگر جنگل اور میدان خارج نہیں ہوا، اس لیے کہ وہ بدرجہ اولیٰ زمین میں داخل ہے، عشری اور خراجی زمین کا حاصل یہ ہے کہ وہ اس قسم میں داخل ہو، خواہ وہ عشری اور خراجی زمین کسی کے قبضہ میں ہو یا قبضہ میں نہ ہو، بہر حال اس کان سے خمس لیا جائے گا، اس حدیث کی روشنی میں جس میں فرمایا گیا وَفِي الْوُكَازِ خُمْسٌ، کان میں یہ پانچواں حصہ ہے، یہ حدیث عام کان کو شامل ہے جیسا کہ پہلے بھی گذرا، اور رکاز (کان) کا بقیہ چار حصہ زمین کے مالک کو ملے گا، اگر وہ زمین کا مالک ہے اور اگر وہ کان والی زمین کسی کی ملک نہ ہو، بلکہ جنگل اور پہاڑ ہے تو ان کا دفینہ پانے والے کو ملے گا۔

اگر کوئی گھریا اپنی دوکان میں کان (معدن) ہو تو اس میں کچھ لازم نہیں ہوگا، (معدن) اس کان کو جو زمین میں سونا چاندی لوہا یا تانبہ یا اس طرح کی کوئی چیز پائی جائے گویا اجزا.... زمین سے ہوتا ہے اور دفینہ عام طور سے اس چیز کو کہتے ہیں جو سونا چاندی وغیرہ دفن کیا جائے اور اجزائے زمین سے نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ دفینہ کا خمس (پانچواں حصہ لیا جاتا ہے خواہ وہ کسی کی مملوک زمین میں ہو، خواہ کسی کے گھر اور دوکان میں ہو بدائع میں ایسا ہی ہے۔)

اسی طرح اگر کسی چیز کی کان کسی کی زمین میں پائی جائے تو اس میں بھی کچھ لازم نہیں آتا ہے، اصل کی روایت یہی ہے اور کنز میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔

وَلَا شَيْءٌ فِي يَاقُوتٍ وَ زُمْرُودٍ وَ فَيَرُوزِجٍ وَ نَحْوِهَا وَ جَدَّتْ فِي جَبَلٍ أَيْ فِي مَعَادِنِهَا وَلَوْ
وَجَدَتْ دَفِينٍ الْجَاهِلِيَّةِ أَيْ كَنْزًا خَمْسٌ لَكُونَهُ غَنِيمَةً وَ الْحَاصِلُ أَنَّ الْكَنْزَ يَخْمَسُ كَيْفَ
كَانَ وَ الْمَعْدَنُ أَنَّ كَانَ يَنْطَبِعُ وَ لَا فِي لَوْلَوْ هُوَ مَطَرُ الرَّبِيعِ وَ عَنِيرٌ حَشِيشٌ فِي الْبَحْرِ أَوْ خَشْيَ
دَابَّةٍ وَ كَذَا جَمِيعٌ مَا يَسْتَخْرَجُ مِنَ الْبَحْرِ مِنْ حَلِيَّةٍ وَ لَوْ ذَهَبًا كَانَ كَنْزًا فِي قَعْرِ الْبَحْرِ لِأَنَّهُ
لَمْ يَرِدْ عَلَيْهِ الْقَهْرُ فَلَمْ يَكُنْ غَنِيمَةً وَ مَا عَلَيْهِ سَمَةٌ إِلَّا سَلَامٌ مِنَ الْكَنْزِ تَفْدًا أَوْ غَيْرَهُ فَلَقِطَةُ
سَبْجِي حَكْمُهَا.

یا قوت، زمرہ، فیروزہ اور اسی طرح کی چیز یعنی ایسے پتھر میں جو نرم ہیں کچھ عشر نہیں ہے، اور اگر یا قوت وغیرہ پتھر زائد جاہلیت کے دفن کیے ہوئے پائے جائیں، تو اس میں پانچواں حصہ (خمس) لیا جائے گا کیوں کہ وہ غنیمت کے درجہ میں ہوگا، پہلے کفار کے قبضہ میں تھا اب وہ ہمارے قبضہ میں آئے ہیں کذا فی التحریر۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ دفینہ میں خمس لیا جائے گا، جو جہاں بھی اور جس حالت میں ہو، اسی طرح اس کان کی چیزوں میں خمس ہے جو آگ سے نرم ہوتی ہو، اور جو نرم نہ ہو اس میں خمس نہیں ہے۔

ان موتیوں میں بھی عشر نہیں ہے جو موسم بہار کی بارش سے پیدا ہوتے ہیں اور نہ عنبر میں عشر ہے عنبر کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ ایک قسم کی گھاس ہے جو دریا میں اگتی ہے یا وہ کسی چوپایہ کا گوبر ہے۔ اور داؤد انطاکی نے لکھا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ دریائی چشمے دھنیت باہر پھینکتے ہیں پھر وہ دھنیت پانی پر جم جاتی ہے اور دریا کی موج اسے کنارے لاکر ڈال دیتی ہے اسی کا نام عنبر ہے۔ کذا فی الشامی۔

دریائی چیزوں میں خمس اسی طرح ان چیزوں میں بھی عشر نہیں ہے جو دریا کے زیود وغیرہ کے لیے نکالی جائیں، اگرچہ وہ سونا ہو اور دریا کی گہرائی میں مدفون ہو، ان چیزوں میں اس وجہ سے عشر نہیں ہے کہ ان پر کسی کا غلبہ اور تسلط نہیں ہوتا ہے لہذا وہ غنیمت نہیں ہوا کہ اس میں خمس لازم آسکے۔

دفینہ، جس پر اسلامی علامت ہو اور وہ دفینہ جس پر اسلام کی کوئی علامت ہو، خواہ نقد ہو، یا اس کے سوا، وہ لفظ ہے اور اس کا حکم آگے بیان کیا جائے گا، یہ مال غنیمت اس وجہ سے نہیں ہے

کہ مسلمانوں کا مال غنیمت نہیں ہوتا ہے اور لفظ کا حکم آگے بیان کیا جائے گا کہ مسجد کے دروازوں اور بازاروں میں اعلان کیا جائے اور اس طرح معلوم کیا جائے کہ یہ کس کا مال ہے، بار بار اعلان کے بعد بھی اگر مالک نہیں ملے اور کچھ پتہ نہ چل سکے تو اگر پانے والا خود فقیر ہے تو اپنے مصرف میں لائے گا ورنہ کسی دوسرے فقیر کو دیدے گا، لیکن جب اس کا مالک آئے گا پانے والے کو طلب کرنے پر رضامند دینا ہوگا۔

وما علیہ سمة الکفر خمس و باقیہ للمالک اول الفتح ولو ارثہ لوحیا و الا فلیت المال علی الاوجه وهذا ان ملکک ارضہ والا فللواجد و لو ذمیا قنا صغیرا انشی لانہم من اهل الغنیمۃ خلا حربی مستامن فانه یسترد منه ما اخذ الا اذا عمل فی المفاوز باذن الامام علی شرط فله المشروط .

علامت کفر والے دفینہ میں خمس ہے اور جس دفینہ پر کفار کی علامت ہوگی اس سے خمس (پانچواں حصہ) لیا جائے گا اور بقیہ اس شخص کا ہوگا جو فتح اسلام کے بعد خلیفۃ المسلمین کی

طرف سے پہلے مالک ہوا ہے اور اصل مالک نہ ہوگا تو اس مالک کے زندہ وارث لیں گے اور اگر اس کے وارث بھی نہیں ہیں تو بیت المال کا ہوگا، وجہ یہی ہے، یہ حکم اُس صورت میں ہے جب زمین اس کی ملک میں ہو، اور اگر وہ زمین اس کی ملکیت میں نہیں ہے جیسے جنگل وغیرہ تو خمس کے بعد جو بچے گا پانے والے کا ہوگا (اور اسی پر فتویٰ ہے اور آج کل یہی مناسب ہے اس لیے کہ ہر جگہ بیت المال نہیں پایا جاتا ہے) اگرچہ وہ پانے والا ذمی ہو، غلام ہو، صغیر (نا بالغ) ہو، عورت ہو، اس لیے کہ یہ سب اہل غنیمت

ہیں یعنی امام المسلمین ان سب کو غنیمت سے کچھ بطور عطیہ دیتا ہے۔

مستامن حربی کے لیے خمس نہیں البتہ اگر پانے والا حربی کافر ہے جس نے امن حاصل کیا ہے تو اس کو نہیں ملے گا بلکہ اس نے جو کچھ لے رکھا ہے اس سے واپس لے لیا جائیگا کیوں کہ مال غنیمت میں ان کا کوئی حق نہیں، لیکن اگر حربی کافر جنگلوں میں امام کے حکم سے کسی شرط پر کام کر رہا تھا، تو اس کو دستخط کے مطابق جو ملے پایا ہے ملے گا۔

ولو عمل رجلان في طلب الرکاز فهو للواجد و ان كانا اجیرین فهو للمستاجر و ان خلا عنها ای العلامة او اشتبه الضرب فهو جاهلی علی ظاهر المذهب ذکره الزیلعی لانه الغالب و قيل كاللفظة ولا یخمس رکاز معدن کان او کنز او جد فی صحراء دار الحرب بل کله للواجد و لو مستامنا لانه کالمتلصص۔

دفعینہ کے مشترک طور پر تلاش کرنے والے اور اگر دفعینہ کی تلاش میں دو شخص مل کر کام کر رہے ہوں تو اس صورت میں وہ دفعینہ اس کا ہوگا جس نے اسے پایا ہے (اس کی صورت یہ ہے کہ ایک نے زمین کو کھودا، وہ چلا گیا پھر دوسرا آیا اور اس نے اسی کو اور گہرا کھودا اور نکالا دوسری صورت یہ ہے کہ دو شخص کھودنے میں مشترک ہوں اور دونوں ہی ساتھ مل کر کھودیں تو اس شرکت کو فقہاء نے صحیح نہیں تسلیم کیا ہے بلکہ شرکت فاسدہ میں شمار کیا ہے، جس نے حاصل کیا ہے اس کو ملے گا اور اگر دونوں نے حاصل کیا ہے تو دونوں کو ملے گا) اور اگر یہ دونوں کھودنے والے کسی کے کہنے سے اجرت پر یہ کام کر رہے ہیں تو ملنے والی چیز اس شخص کی ہوگی جس نے ان کو اجرت پر رکھا ہے، اور اگر زمین سے نکلنے والا سکے علامت سے خالی ہو یا مشتبہ ہو تو اس کو زمانہ جاہلیت کا سمجھا جائے گا ظاہر مذہب کا تقاضا یہی ہے اس کو زیلعی نے ذکر کیا ہے، اس لیے کہ غالب یہی ہے کیوں کہ کافر مال جمع کرنے کے حریص ہوتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ ایسا مال لقطہ کے مانند ہے۔

اس زمین میں گڑے ہوئے مال سے خمس (پانچواں حصہ) نہیں کیا جائے گا جو دار الحرب کے جنگلوں میں پایا جائے خواہ وہ مال دفعینہ ہو، یا کان ہو، بلکہ وہ کل کا کل پانے والے کا ہوگا، اگرچہ وہ دار الحرب میں امن حاصل کر کے گیا ہو، اس لیے کہ وہ شخص چور کی طرح ہے۔

و لذلّٰو دخله جماعة ذو و منعة وظفروا بشی من کنوزهم و معدنهم خمس لکونه غنیمة وان وجدہ ای الرکاز مستامن فی ارض مملوكة لبعضهم رده الی مالکته تحرزا عن العذر فان لم یرده و اخرجہ منها ملک ملکاً خبیثاً فسیبہ التصدق به فلو باعة صح لقیام ملک لکن لا یطیب للمشتري ولو وجدہ ای الرکاز غیرہ ای غیر مستامن فیها ای فی ارض مملوكة لهم حل له فلا یردو لا یخمس لما مر بلا فرق بین متاع وغیرہ و ما فی القایة من ان رکاز متاع ارض لم تملك یخمس سهوا لا ان یحمل علی متاعهم الموجود فی

ارضنا فرع للواجد صرف الخمس لنفسه واصله و فرعه و اجنبی بشرط فقرهم .

دار الحرب کے دینہ کا حکم چنانچہ اگر دار الحرب میں کوئی بکت جماعت داخل ہو اور اس جماعت کو دین کیا ہوا خزانہ ملے یا کوئی کان، تو اس سے خمس لیا جائے گا کیوں کہ وہ غنیمت کے درجہ میں شمار ہوگا اور اگر کسی امن چاہنے والے مسلمان نے حربیوں کی مملوکہ زمین میں کان یا دینہ پایا ہو تو وہ اسے اس کے مالک کی طرف لوٹا دیں گے، تاکہ اس کی طرف کوئی خیانت کو منسوب نہ کر سکے (اس کی وجہ یہ ہے کہ حربیوں کے مال پر ان کی مرضی کے بغیر لینا حرام ہے لہذا اگر ان کی اجازت کے بغیر کوئی لے لے گا تو وہ اس کی خیانت ہوگی)

پس اگر اس نے اس مال کو نہیں لوٹایا اور اس کو دار الحرب سے نکال کر لے آیا تو وہ اس کا ناجائز مالک ہوگا اور اس کے لیے اس کا صدقہ کرنا واجب ہوگا، اور اگر اس نے اس مال کو بیچ دیا تو چونکہ اس کی ملکیت ثابت ہے (گویا وہ ملک خبیث ہے) تو یہ بیچنا درست ہوگا، لیکن خریدار کے لیے یہ چیز خوشگوار نہیں ہوگی، (بخلاف اس صورت کے کہ کسی سے ثبراء فاسد کے ذریعہ خریدی پھر کسی کے ہاتھ بیچ دی تو دوسرے خریدار کے لیے کچھ خرابی نہیں ہے، کیوں کہ اس صورت میں پہلی بکری خریداری کا فسخ کرنا ممتنع ہوگا)

حربیوں کی زمین کا دینہ جو مسلمان پالے اور اگر دینہ یا کان حربیوں کی مملوکہ زمین میں اس شخص نے پایا جس نے امن نہیں حاصل کیا تھا، تو وہ اس کے لیے حلال ہے نہ وہ اسے واپس کرے گا اور نہ اس سے خمس (پانچواں حصہ) لیا جائے گا اس وجہ سے کہ وہ خفیہ طور پر لے جانے کے مانند ہے خواہ نفع والی شے ہو یا نفع والی چیز نہ ہو اور نقایہ میں جو یہ لکھا گیا ہے کہ غیر مملوکہ زمین کے کان اور دینہ میں خمس ہے یہ ان کا سہو ہے لیکن اگر یہاں متاع (نفع والی چیز) سے مراد وہ چیز ہو جو حربیوں کی دارالاسلام میں ہے، تو بلاشبہ اس لیا جائے گا۔

حدن اور دینہ پانے والے کے لیے درست ہے کہ وہ اس کے پانچویں حصہ کو اپنے اوپر خرچ کرے یا اپنے ماں باپ پر خرچ کرے یا اپنی اولاد پر خرچ کرے، یا ایسے اجنبی پر خرچ کرے جو محتاج اور مستحق ہوں (ماحصل یہ ہے کہ پانے والا خود محتاج ہو اور اس کا کام چار حصے سے نہیں چلا تو وہ یہ خمس (پانچواں حصہ) بھی اپنی ضرورت میں خرچ کرے گا، مگر شرط یہ ہے کہ وہ نصاب سے کم ہو، لیکن اگر وہ نصاب سے زیادہ ہے تو اس کا پانچواں حصہ اپنی ذات پر خرچ نہیں کر سکتا)

باب العشر

يجب العشر في عسل و ان قل ارض غير الخراج و لو غير عشرية كجبل و مفازة
بخلاف الخراجية لثلا يجتمع العشر والخراج و كذا يجب العشر في ثمرة جبل او مفازة
ان حماه الامام لانه مال مقصود لا ان لم يحمله لانه كالصيد و يجب في مسقى سماء اي
مطر او سيق كنهر بلا شرط نصاب راجع لكل و بلا شرط بقاء و حولان حول لان فيه

معنی المؤمنة ولذا كان للامام اخذه جبرا و يواخذ من التركة و يجب مع الدين و في ارض صغير و مجنون و مكاتب و ماذون و وقف و تسميته زكوة مجاز .

عشر کے احکام و مسائل کا بیان

یہاں عشر کو زکوٰۃ میں اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ اس کا مصرف بھی وہی ہے جو زکوٰۃ کا ہے، اس میں عشر (دسواں حصہ) میں نصف عشر (بیسواں حصہ) اور چالیسواں حصہ سب شامل ہے۔

شہد میں عشر اس شہد میں عشر واجب ہے جو غیر خراجی زمین میں ہو گو وہ غیر عشری بھی ہو، جیسے پہاڑ اور جنگل اور اگرچہ وہ کم ہو، البتہ خراجی زمین کے شہد میں عشر نہیں ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عشر اور خراج دونوں ایک زمین میں جمع نہ ہونے پائیں باقی جو زمین نہ عشری نہ خراجی اس کے شہد میں عشر ہوگا۔

پہاڑی اور جنگلی پھلوں میں عشر اس پہاڑی اور جنگلی پھلوں میں بھی عشر واجب ہے جس کی امام نے حفاظت کی ہو کیوں کہ وہ مال مقصود ہے لیکن اگر امام نے اس کی حفاظت نہیں کی ہے تو اس میں عشر واجب نہیں ہوگا اس لیے کہ یہ شکار کی طرح ہو گیا جس میں عشر نہیں ہے۔

عشر کا واجب ہونا عشر اس زمین پر واجب ہوتا ہے جس کو آسمان کے پانی سے سینچا گیا ہو، یا جاری پانی سے سینچا گیا ہو جیسے نہر ندی کا پانی عشر کے وجوب کے لیے پیداوار میں نصاب شرط نہیں ہے مذکورہ چیزیں نصاب سے کم ہوں گی تو بھی ان میں عشر واجب ہوگا، اور ان میں یہ بھی شرط نہیں ہے کہ وہ چیزیں سال بھر باقی رہنے والی ہوں اور نہ ان میں سال کا گذرنا (حولان حول) شرط ہے، اس وجہ سے کہ اس میں محنت اور اجرت کا معنی پایا جاتا ہے (اگر پیداوار ایک سال میں گئی مرتبہ ہوگی تو ہر بار عشر واجب ہوگا چونکہ حولان حول وغیرہ شرط نہیں ہے اس لیے امام کے لیے جائز ہے کہ وہ ان چیزوں کا عشر جبراً وصول کرے اور یہ عشر ترکہ سے بھی لیا جاسکتا ہے)

قرض دار، نابالغ اور وقف کی زمین میں عشر عشر اس حالت میں بھی واجب ہے جب زمین والے کے ذمہ کوئی قرض ہو اور اسی طرح نابالغ پاگل، مکاتب، غلام ماذون غلام اور وقف کی زمین میں بھی عشر واجب ہے، (مگر وقف کی زمین میں اس وقت عشر واجب ہے جب اہل وقف نے اسے آباد کیا ہو کذا فی الشامی) عشر کو مجازاً زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔

الا في مالا يقصد به استغلال الارض نحو حطب و قصب فارسي و حشيش و تبين و سعف و صمغ و قطران و خطمي و اشنان و شجر قطن و باذنجان و بذر بطيخ و قثاء و ادوية كحلبة و شونيز حتى لو اشغل ارضه بها يجب العشر .

وہ چیزیں جن میں عشر نہیں البتہ ان چیزوں میں عشر واجب نہیں ہے جن کا زمین سے پیدا کرنا مقصود نہ ہو، جیسے لکڑی، سوکھی اور تر گھاس، کھجور کے پٹھے، گوند، قطران (جو ایک درخت کا عصا رہوتا ہے)

عظمیٰ، اُشنان، کپاس اور بیگن کا درخت، تربوز اور ککڑی کے بیج، اور دوائیاں جیسے میتھی اور کلونجی (یعنی ان چیزوں میں عشر نہیں) معراج الدراہ میں لکھا ہے کہ گنے میں عشر نہیں ہے مگر اس کے رس میں عشر ہے امام محمدؒ سے ایک روایت آئی ہے کہ سوکھی گھاس میں عشر ہے، البتہ بیگن اور کپاس کے درخت میں عشر نہیں ہے مگر خود بیگن اور کپاس میں عشر ہے۔ (کذا قال الطحاوی)۔ دواؤں میں عشر نہیں ہے، جیسے کیلہ، ہلیلہ اور کندرو وغیرہ۔ (کذا قالہ الشامی)

مذکورہ چیزوں میں عشر جن چیزوں کے متعلق بھی اوپر یہ آیا ہے کہ ان میں عشر نہیں ہے اگر کوئی زمین کو انہی چیزوں میں مشغول رکھے گا تو پھر ان میں بھی عشر واجب ہوگا، یعنی مثلاً زمین کو گھاس وغیرہ کے واسطے مخصوص کر رکھا ہو اور وہی پیدا کرتا ہو اور وہی کاٹتا ہو پتتا ہو تو پھر ان میں عشر واجب ہوگا شربلالی نے لکھا ہے کہ بیج کی شرط نہیں ہے، صرف پیدا کرنے اور کاٹنے کی شرط ہے۔

و يجب نصفه في مسقى غرب اى دلو كبير و دالية اى دولاب لكثرة المؤنة و في كتب الشافعية او سقاه بماء اشتراه و قواعدا لا تاباه ولو سقى سبحا و بآلة اعتبر الغالب و لو استويا فنصفه و قيل ثلثة ارباعه بلا رفع مؤن اى كلف الزرع و بلا اخراج البذر لتصرفهم بالعشر فى كل الخارج .

رہٹ وغیرہ سے پیچنی جانے والی زمین میں عشر اور زمین کی اس پیداوار میں نصف عشر (بیسواں حصہ) واجب ہوتا ہے جس کو رہٹ، ڈول وغیرہ سے پیچا گیا ہو اس لیے کہ اس میں زیادہ محنت ہوتی ہے۔

اور کتب شافعیہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس صورت میں بھی نصف عشر ہوگا جب کوئی پانی مول لے کر دیا ہو، اور اس صورت میں خود ہمارے نزدیک بھی نصف عشر یعنی بیسواں حصہ ہی واجب ہوگا کذا فی الشامی۔ اور اگر پانی بارش کا بھی دیا گیا ہو اور رہٹ وغیرہ سے بھی، تو اس صورت میں غالب کا اعتبار ہوگا اگر بارش کا پانی زیادہ ہو اور رہٹ وغیرہ کا کم تو عشر (دسواں حصہ) واجب ہوگا اور اگر رہٹ وغیرہ کا پانی زیادہ دیا گیا ہو اور بارش کا کم، تو نصف عشر (بیسواں حصہ) واجب ہوگا، اور اگر دونوں طرح پانی دینے کی مقدار برابر ہو تو نصف عشر واجب ہوگا، اور ایک قول یہ ہے کہ اس صورت میں عشر کا تین ربع (چوتھائی) واجب ہے (گویا آدھا عشر کا لیا اور آدھا نصف عشر کا، دونوں مل کر تین ربع (تین چوتھائی) ہوا، مگر زیلعی نے نصف عشر کے قول کو ترجیح دی ہے۔

عشر اور نصف کل پیداوار میں ہے عشر اور نصف عشر کل پیداوار سے لیا جائے گا، اور اس میں کھیتی کے اخراجات مجرا نہیں کیے جائیں گے اور نہ بیج کا مجرا ہوگا، اس لیے کہ فقہاء نے صراحت کر دی ہے کہ کل پیداوار سے عشر وصول ہوگا۔

و يجب ضعفه في ارض عشرية تغلبى مطلقا و ان كان طفلا او انثى او اسلم او اتباعها من مسلم او اتباعها منه مسلم او ذمی لان التضعیف كالخراج فلا يتبدل و اخذ الخراج من ذمی غیر تغلبی اشتری ارضا عشرية من مسلم و قبضها منه للتافی .

تغلبی سے دو گونہ عشر تغلبی کی عشری زمین میں بہر صورت دو گنا عشر (پانچواں حصہ) لیا جائے گا (بنی تغلب نصاریٰ سے تھے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ان سے اس بات پر صلح ہوئی تھی کہ وہ مسلمانوں کا دو گونا عشر ادا کریں گے لہذا ہر صورت میں ان سے دو گنا عشر لیا جائے گا کیوں کہ اس وقت اس کی کوئی صراحت موجود نہیں ہے کہ اس زمین کو رہنڈ وغیرہ سے پانی دیا گیا ہو یا بارش اور دریا کے پانی سے وہ زمین سیرجی گئی ہو۔

ہر تغلبی کی زمین سے دو گنا عشر لیا جائے گا خواہ وہ تغلبی لڑکا ہو یا عورت، وہ مسلمان ہو گیا ہو، یا اس نے مسلمان سے زمین خریدی ہو (مسلمان ہونے کے بعد بھی اس کی زمین کا عشر دو گونہ ہی رہتا ہے البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کی زمین مسلمان ہونے کے بعد عشری ہو جاتی ہے اور جہی حکم اُس وقت بھی ہو گا جب اس سے کسی مسلمان نے اس کی زمین خریدی ہو، اور اگر تغلبی کسی مسلمان کی زمین خریدے گا تو اس صورت میں بھی اس کو دو گونہ ہی عشر دینا ہو گا، شیخین کا مذہب یہی ہے البتہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ عشر ہو گا)

یا تغلبی سے کسی مسلمان یا ذمی نے زمین خریدی ہو تو اس صورت میں دو گونا عشر خراج کی طرح ہے لہذا وہ ایسا ہی باقی رہے گا وہ حکم نہیں بدلے گا (ان کے درمیان اختلاف کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے)

ذمی سے عشر کے بجائے خراج اس ذمی سے جو تغلبی نہیں ہے اُس صورت میں خراج لیا جائے گا جب اس نے کسی مسلمان سے عشری زمین خریدی ہو، اور اس پر قبضہ کیا ہو، کیوں کہ عشر اور کفر میں منافات ہے، (کیوں کہ عشر میں عبادت کا معنی پایا جاتا ہے خراج میں نہیں پایا جاتا)

زمین کی قسمیں اور ان کا حکم زمین عشری ہو گی یا خراجی یا دو گونا عشر والی، اسی طرح زمین خریدنے والا مسلمان ہو گا یا ذمی یا تغلبی، اگر مسلمان عشری یا خراجی زمین خریدے گا تو وہ زمین اپنی سابق حالت پر عشری اور خراجی باقی رہے گی، اور اگر دو گونا عشر والی زمین خریدے گا تو طرفین کے نزدیک وہ بھی اپنے سابق حال پر باقی رہے گی البتہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ وہ عشری ہو جائے گی، اور جب خراجی زمین کو کوئی تغلبی خریدے گا تو وہ خراجی ہی باقی رہے گی، اور اگر وہ دو گونا عشر والی زمین خریدے گا تو وہ دو گونا عشر والی ہی رہے گی، البتہ اگر یہ تغلبی کسی عشری زمین کو کسی مسلمان سے خریدے گا تو وہ دو گونا عشر والی ہو جائے گی، شیخین کا مذہب یہی ہے اور جب کوئی ذمی (غیر تغلبی) زمین خریدے اور وہ زمین خراجی یا دو گونا عشر والی ہو تو وہ بدستور رہے گی، اور اگر یہ عشری زمین خریدے گا تو یہ خراجی ہو جائے گی کذا فی الشامی۔

وَ اخذ العشر من مسلم اخذها منه من الذمی بشفعة لتحول الصقفة الیه اوردت علیہ لفساد البیع او بخیار شرطاً و رؤیة مطلقاً او عیب بقضاء و لو بغیرہ بقیت خراجیۃ لانه اقالہ لالسخ و اخذ خراج من دار جعلت بستاناً او مزرعة ان كانت للذمی مطلقاً او لمسلم و قد سقاها بمائه لرضاه به و اخذ عشر ان سقاها المسلم بمائه او بهما لانه یبق به

ذمی کی وہ زمین جو مسلمان نے لی ہو مسلمان نے اگر ذمی سے عشری زمین شفعہ کی وجہ سے لی ہو تو اس صورت میں مسلمان سے عشر لیا جائے گا، اس لیے کہ زمین کی ملکیت ذمی

سے بدل کر مسلمان کی طرف آگئی (جس طرح مسلمان کی زمین مسلمان خریدے اس طرح کا حکم ہو جائے گا) یا ذی نے کسی مسلمان سے بیع فاسد کے طور پر زمین لی تھی پھر وہ زمین مسلمان کو فاسد ہونے کی وجہ سے لوٹادی گئی تو اس صورت میں بھی اس سے عشر ہی لیا جائے گا، یا اختیار کی شرط کی وجہ سے واپس کی گئی ہو تو بھی مسلمان سے عشر ہی لیا جائے گا، اسی طرح مسلمان سے عشر ہی لیا جائے گا اگر اس کو وہ زمین دیکھنے کے اختیار کی وجہ سے لوٹائی گئی ہے یہ واپسی خواہ قاضی کے فیصلے کے بعد ہوئی ہو یا اس کے فیصلے کے بغیر دونوں صورتوں میں، البتہ عیب کی وجہ سے واپسی میں قضائے قاضی شرط ہے اگر بغیر قاضی کے فیصلے کے لوٹائی گئی ہے تو وہ زمین خراجی ہوگی کیوں کہ یہ اقالہ ہو گا فتح نہیں ہو گا، (گویا پانچ صورتیں عشر لینے کی ہوں گی: (۱) ذی سے نفی کی وجہ سے زمین لی ہو (۲) بیع کے فاسد ہونے کی وجہ سے زمین کی واپسی ہوئی ہو (۳) اختیار کی شرط کی وجہ سے واپسی ہوئی ہو (۴) دیکھنے کے اختیار لینے کی وجہ سے واپسی ہوئی ہو (۵) خیار عیب کی وجہ سے واپسی ہوئی ہو)

مسلمانوں سے کب خراج لینا چاہیے مسلمانوں سے مندرجہ ذیل صورتوں میں خراج لیا جائے گا: ذی کا گھر لے کر مسلمان نے باغ یا کھیت بنالیا ہو، خواہ اس باغ اور کھیت کو اس نے عشر والے پانی سے پانی دیا ہو، یا خراج کے پانی سے پانی دیا ہو، یا مسلمان نے مسلمان سے گھر خرید کر کھیت یا باغ بنالیا ہو اور اس نے اس کھیت اور باغ کو اپنی خوشی سے خراج کا پانی دیا ہو (خراج کا پانی ان نہروں کا پانی ہے جن کو عجمیوں نے کھودا ہو جیسے گنگا، جمنا، سیحون، جیحون، دجلہ و فرات اور عشر کا پانی وہ پانی ہے جو مینہ (بارش کا پانی) کنواں اور چشمہ اور اس دریا سے لیا گیا ہو جو کسی کے قبضہ میں نہ ہو)

لیکن اگر اس نے عشر کے پانی سے اس کھیت کو پانی دیا ہے تو وہ عشری ہوگی اور اس سے عشر لیا جائے گا اور اگر نہ زر کا پانی ہی دیا اور خراج کا بھی تو اس صورت میں بھی عشر ہی لیا جائے گا، اس لیے کہ مسلمان کے لیے لائق تر عشر ہے خراج نہیں، اس لیے اسی کو ترجیح حاصل ہوگی۔

ولا شی فی دار و مقبرة و لو لذمی و لا فی عین قیر ای زفت و نسط دهن یعلو الماء
مطلقا ای فی ارض عشر او خراج و لکن فی حریہما الصالح للزراعة من ارض الخراج
خراج لا فیہا لتعلق الخراج بالتمکن من الزراعة و اما العشر فیجب فی حریہما العشری
ان زرعه و الا لا لتعلقه بالخراج .

گھر اور مقبرہ میں خراج نہیں گھر اور مقبرہ میں کوئی خراج نہیں خواہ وہ ذمی کا ہی کیوں نہ ہو (حضرت عمرؓ نے گھروں سے فیکس کو معاف کر دیا تھا، اور صحابہ کرامؓ کا اسی پر اجماع ہے) دوسری

وجہ یہ بھی ہے کہ گھر اور مقبرہ میں نمو اور بڑھوتری نہیں پائی جاتی ہے جو خراج کی وجہ ہے (اگر کوئی خراجی زمین کو آباد نہ کرے پرتی (غیر آباد) رکھے تو اس سے بھی خراج لازم ہو گا، فتاویٰ خانہ میں ہے کہ اگر کوئی خراجی زمین خرید کر کے گھر یا عمارت بنوائے تو بھی اس پر اس زمین کا خراج لازم ہو گا، البتہ اگر اس خراجی زمین میں کوئی قبرستان یا فقیروں کے ٹھہرنے کے لیے سرائے بنادیں تو اس پر خراج نہیں ہوگا)

رال کے چشمے پر خراج اور عشر نہیں

رال کے چشمے پر بھی کوئی خراج اور عشر نہیں ہے (اس لیے کہ یہ زمین سے پیدا ہونے والی چیز نہیں ہے بلکہ زمین کے اندر چشمہ ہے جو جوش مارتا ہے

جیسے پانی کا چشمہ، تو اس پر عشر اور خراج نہیں ہے اسی طرح اس پر بھی نہیں ہے)

لغت جو ایک طرح کا روغن ہوتا ہے پانی پر تیرتا ہے اس میں بھی عشر و خراج نہیں ہے خواہ یہ عشری زمین میں ہو یا خراجی زمین میں لیکن خراجی زمین کے چشمہ کے رد گرد جو زمین کھیتی کی صلاحیت رکھتی ہے اس میں خراج لازم ہے، البتہ خود اس چشمہ میں خراج نہیں ہے، اس لیے کہ خراج کا تعلق کھیتی کی صلاحیت پر ہے۔

چشمہ کے آس پاس کی زمین میں عشر

چشمے کے ارد گرد کی عشری زمین میں عشر واجب ہے اگر وہ اس کو آباد کرے اور اس میں کھیتی کرے، اور اگر کھیتی نہ کرے تو واجب نہیں ہے

اس لیے کہ عشر کا تعلق زمین کی پیداوار سے ہے۔

و يؤخذ العشر عند الامام عند ظهور الثمرة و بدو صلاحها برهان و شرط في النهر من فسادها ولا يحل لصاحب ارض خراجية اكل غلتها **اذا خراجها و لا ياكل من طعامه شر حتى يؤدى العشر و ان كل ضمن عشره مجمع الفتاوى و للامام حبس الخارج للخراج و من منع الخراج سنين لا يؤخذ لما مضى عند ابى حنيفة خانية و فيها من عليه عشر او خراج اذا مات اخذ من تركته و في رواية لا بل يسقط بالموت والاول ظاهر الرواية .**

عشر کب لیا جائے گا

امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ عشر اس وقت لیا جائے گا جب پھل ظاہر ہو جائے اور یہ معلوم ہونے لگے کہ اب یہ کسی لائق ہو چکا ہے اور نہر الفائق میں یہ شرط بھی لکھی ہے کہ وہ پھل فساد سے مامون ہو جائے تب اس کا عشر لیا جائے (سوال یہ ہے کہ کھیتوں اور پھلوں کے عشر لینے کا وقت کیا ہے امام ابو حنیفہؒ اور امام زکریاؒ کہتے ہیں کہ اس وقت لیا جائے گا جب پھل ظاہر ہو جائے اور خرابی سے محفوظ ہو جائے اگرچہ کٹنے اور توڑنے کے لائق نہ ہو، اس درجہ میں آجائے کہ اس سے نفع اٹھایا جاسکتا ہو، اور امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ اس وقت لیا جائے جب کھیت کٹنے کے لائق ہو جائے اور پھل توڑنے کے لائق، اور امام محمدؒ کہتے ہیں کہ جب کھیت کٹ کر کھلیان میں جمع ہو جائے۔ کذا فی الشامی)

خراج ادا کرنے سے پہلے کھانا

خراجی زمین کے مالک کے لیے یہ درست نہیں ہے کہ وہ خراج ادا کرنے سے پہلے اس کی آمدنی سے کھائے، (عشر میں بھی یہی حکم ہے البتہ جب مالک ادائیگی کا عزم صادق رکھتا ہو تو ادائیگی خراج اور ادائیگی عشر سے پہلے اس کی پیداوار سے کھا سکتا ہے)

عشری زمین کی کھانے والی چیزوں کو اس وقت تک نہیں کھائے جب تک عشر ادا نہ کر لے، اور اگر کوئی ادائیگی سے پہلے کھائے گا تو اس کے عشر کا ضامن ہوگا (بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ دستور کے مطابق اس میں سے تھوڑا سا کھائے گا تو کوئی حرج نہیں ہے، فقیہ ابواللیث نے اسی قول کو اختیار کیا ہے)

خراج کی وصولی کے لیے پیداوار روکنا

امام کو اس کا اختیار ہے کہ وہ خراج کی وصولی کے لیے پیداوار کو روک لے، اور جس نے کئی برس کا خراج ادا نہیں کیا ہے اور اس کو روک

رکھا ہے امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ گذشتہ سالوں کا خراج اس سے وصول نہیں کیا جائے گا (اور بعضوں نے اس کو اس حالت پر محمول کیا ہے جب مالک زمین کھیتی کرنے سے مجبور ہو)

خانیہ میں ہے کہ جس شخص کے ذمہ عشر یا خراج باقی ہو جب اس کی وفات ہو جائے گی تو اس کے ترکہ سے یہ رقم لی جائے گی اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ موت کی وجہ سے عشر اور خراج ساقط ہو جائے گا، لیکن پہلا قول ظاہر الروایت ہے۔

فروع

تمکن و لم یزرع وجب الخراج دون العشر و یسقطان بھلاک الخراج والخراج علی الغاصب ان زرعهما و کان جاحدا ولا بینة لربها والخراج فی بیع الوفاء علی البائع ان بقى فی یدہ

شارح کی طرف سے اضافہ شدہ مسائل

ایک شخص قابل زراعت زمین پر قابض ہوا مگر اس کو آباد قابل زراعت زمین پر قبضہ اور اس کا عشر نہیں کیا تو اس پر خراج واجب ہوگا، البتہ عشر واجب نہیں ہوگا اور جب اس کی پیداوار ہلاک ہو جائے تو عشر و خراج دونوں ساقط ہو جائیں گے۔

غاصب منسوبہ زمین آباد کر لے اور غصب سے انکار کر دے اور مالک زمین کے پاس اس کے مقابلہ میں کوئی حجت نہ ہو تو اس کا خراج غاصب کے ذمہ ہوگا (خانیہ میں ہے کہ ایسی زمین جس کا خراج مقرر ہے کسی شخص نے اس کو غصب کر لیا اور اس نے غصب کا انکار کر دیا، ادھر زمین کے اصل مالک کے پاس گواہ نہیں ہے، اگر غاصب نے اس زمین کو آباد کیا اور آباد کرنے سے زمین کا کچھ نقصان نہیں ہوا ہے تو خراج غاصب پر ہوگا اور اگر غاصب نے اس کو آباد نہیں کیا ہے تو خراج کسی پر بھی نہیں ہے، اور اگر غاصب غصب کرنے کا اقرار کرتا ہو، یا مالک زمین کے پاس گواہ ہوں اور زراعت کی وجہ سے زمین میں کوئی نقصان نہیں آیا ہے تو خراج مالک پر ہوگا۔

بیع بالوفاء والی زمین کا خراج بیع بالوفاء میں خراج بیچنے والے کے ذمہ ہوگا بشرطیکہ زمین اس کے قبضہ میں ہو (بیع بالوفاء اس طرح بیچنے کو کہتے ہیں جس میں یہ شرط ہو کہ ”بیچی ہوئی زمین“ اس وقت بیچنے والے کو واپس کر دی جائے گی جب وہ خریدار کو قیمت لوٹا دے گا، اس کی تفصیل کتاب البیوع میں آئے گی)

ولو باع الزرع ان قبل ادراکہ فالعشر علی المشتري و لو بعده فعلى البائع والعشر علی المورج کخراج موظف و قال علی المستاجر کمستعیر مسلم و فی الحاوی و بقولہما ناخذ۔

فروخت کردہ کھیتی کا عشر

اگر کسی نے کھیتی پکنے سے پہلے بیچ دی تو عشر خریدار کے ذمہ ہے اور اگر کھیتی پکنے کے بعد بیچی ہے تو بیچنے والے کے ذمہ ہے، (اور اس کی صورت یہ ہے کہ کھیتی خریدنے کے بعد خریدار نے مالک کی اجازت سے پکنے تک بدستور رہنے دیا تو طرفین کے نزدیک خریدار کے ذمہ عشر ہے، اور امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ ہری کٹی ہوئی کھیتی کی قیمت کے برابر تو بیچنے والے پر ہے اور باقی خریدار پر، اور اگر کھیت بیچا مگر پیداوار نہیں بیچی اور خریدار کے حوالہ کر دیا اور اس قدر بدو باقی تھی کہ وہ اس میں کھیتی کر سکتا ہے تو عشر خریدار کے ذمہ ہے ورنہ بیچنے والے پر، اور بدو کے اندازہ کے باب میں فتویٰ تین ماہ ہے)

اجارہ والی زمین کا عشر

اجارہ والی زمین میں امام صاحبؒ کے نزدیک عشر اجارہ دینے والے کے ذمہ ہے جس طرح خراج موظف میں بالاتفاق اجارہ دینے والے پر ہوتا ہے اور صاحبین نے کہا کہ عشر اجارہ لینے والے پر ہے، (یعنی اگر کسی نے کسی کو اجارہ پر زمین دی اس صورت میں امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ عشر اس شخص پر ہے جس نے اجرت پر زمین دی ہے اور صاحبین کہتے ہیں کہ وہ شخص دے گا جس نے اجرت پر زمین لی ہے، امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ زمین کا نمو جس طرح زراعت سے ہوتا ہے ویسا ہی اجارہ سے بھی ہوتا ہے، اور یہاں مقصود اجرت ہے تو درحقیقت زمین کا نفع مالک زمین (اجرت دینے والے) کو حاصل ہوا لہذا عشر یہ دے گا اور صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ عشر کا تعلق زمین کی پیداوار سے ہے اور پیداوار کا مالک وہ شخص ہوتا ہے جس نے زمین اجرت پر لی ہے لہذا عشر اس کے ذمہ ہوگا) صاحبین کہتے ہیں یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ عاریت پر لینے والا مسلمان، کہ اگر اس نے کسی کی زمین عاریتاً لی ہے تو خراج اسی پر ہوگا، کیوں کہ پیداوار اس کے حصہ میں آتی ہے، حاوی ثانی کتاب میں ہے کہ اس مسئلہ میں ہم صاحبین کا قول اختیار کرتے ہیں۔

و فی المزارعة ان کان البذر من رب الارض فعليه و لو من العامل فعليهما بالحصة و من له حظ فی بیت المال و ظفر بما هو موجه له اخذه دیانة و للمودع صرف و دیعة مات بها و لا وارث لنفسه او غيره من المصارف.

بٹائی والی زمین کا عشر

وہ زمین جو مزارعت (بٹائی) پر دی جائے اس کے عشر کے سلسلہ میں حکم یہ ہے کہ اگر بیچ مالک زمین نے دیا ہے تو عشر اس پر ہوگا، اور اگر بیچ بٹائی کرنے والے کی طرف سے ہے تو عشر دونوں پر حصہ رسدی کے مطابق ہوگا (صاحبین کے نزدیک بٹائی (مزارعت) کی تین صورتیں درست ہیں: اول یہ کہ ایک شخص کی زمین ہو اور دوسرا اسے اپنی محنت اور بیج وغیرہ سے آباد کرے، دوم یہ کہ ایک کی زمین ہو اور وہی بیج بھی دے، مگر ہٹل اور محنت وغیرہ دوسرے کی طرف سے ہو، سوم یہ کہ ایک شخص کے ذمہ صرف کام ہو، باقی سب دوسرے کے ذمہ ہو) اور اگر وہ خراجی زمین ہے تو بالاتفاق خراج مالک زمین پر ہے۔

بیت المال سے اپنا حق لینا

بیت المال میں جس کا حق ہے اگر وہ خوش اسلوبی سے اپنے اس حق پر قابو پا گیا ہے تو اس کے لیے اس حق کا دیا بتالے لینا درست ہے، اور جس شخص نے کسی دوسرے کی امانت رکھی اور وہ امانت رکھنے والا امر گیا اور اپنا کوئی وارث نہیں چھوڑا، تو اس امانت رکھنے والے کے لیے درست ہے کہ اس امانت کو اپنی ذات پر اور اپنے غیر پر خرچ کرے اگر وہ اس کے مصرف ہوں، یعنی اگر زکوٰۃ کی رقم لینی اس کے لیے درست ہو۔

دفع النّابة والظلم عن نفسه اولى الا اذا تحمل حصته باقيهم و تصح الكفالة بها ويؤجر من قام بتوزيعها بالعدل و ان كان الاخذ باطلا و هذا يعرف ولا يعرف كفالة المادّة الظلم .

ناجائز ٹیکس اور ظلم کا دفع کرنا حکومت کی طرف سے جو ناحق ٹیکس لگایا جائے اس کا اور ظلم کا اپنی ذات سے دفع کرنا بہتر ہے البتہ اس صورت میں اس کا ٹلانا بہتر نہیں ہو گا جب اس کے نہ دینے کی عقل میں اس کا حصہ قانوناً دوسروں کو اٹھانا پڑے، حکومت کی مقرر کردہ رقم کی کفالت جائز ہے (عربی لفظ نائبة کے معنی ہیں وہ ٹیکس جو بادشاہ کی طرف سے لازم کر دیا جائے خواہ وہ ناجائز ہو یا جائز، فقہاء کہتے ہیں کہ حکومت کا پبلک پر اس لازم کردہ رقم کا کسی کی جانب سے تحصیل (ذمہ دار) بننا جائز ہے، جائز رقم کی مثال جیسے عوام کے لیے نہر کھدوانا، محلّہ کے چوکیدار کی اجرت، مسلمان قیدی کو کفار کے ہاتھ سے چھڑانا اس طرح کی ضرورت کے لیے اگر حکومت کوئی رقم پبلک پر لازم کر دے تو دوسروں کی جانب سے اس کا ذمہ دار بننا جائز ہے اور ناجائز لازم کردہ رقم کی مثال ناجائز کاموں کے لیے ٹیکس لگانا جب پبلک کے ذمہ وہ لازم کر دیا جائے تو پبلک کے کفیل بننے میں کوئی مضائقہ نہیں)

حکومت کے ناجائز ٹیکس کی تقسیم اس ٹیکس کو جو شخص انصاف کے ساتھ حسب مراتب تقسیم کرے گا وہ ثواب کا مستحق ہو گا گو اس ٹیکس کا لینا باطل ہو (ثواب اس لیے ملے گا کہ اس نے انصاف کے ساتھ جو جس حیثیت کا تھا اسی انداز سے تقسیم کیا، ہو سکتا تھا کہ دوسرا غریبوں کے حصہ میں زیادہ دیتا اور سرمایہ داروں کے حصہ میں کم، اس منصف کی وجہ سے یہ ظلم رُک گیا اور غریب اس بے ایمانی اور ظلم سے بچ گئے گو حکومت کے لیے اس ٹیکس کا وصول کرنا جائز نہیں ہے مگر یہ حکومت کا فعل ہے)

يجوز ترك الخراج للمالك لا العشر و سيجى تمامه مع بيان بيوت المال مصارفها في الجهاد و نظمها ابن الشحنة فقال :

بيوت المال اربعة لكل مصارف بيّنتها العالمونا فاؤلها الغنائم والكنوز ركاز بعدها المتصدقون و ثالثها خراج مع عشر و حالية يليها العالمونا و رابعها الضوائع مثل مالا يكون له اناس وارثونا فمصرف الاولين اتى بنص و ثالثها حواه مقاتلون و رابعها فمصرفه جهات تساوى النفع فيها المسلمونا .

مالک زمین سے خراج اور عشر نہ لینا مالک زمین سے خراج نہ لینا اور اس کا چھوڑ دینا جائز ہے مگر عشر کا چھوڑنا جائز نہیں ہے یعنی حکومت کے ذمہ دار اگر خراج زمین والے کو معاف کر دیں اور نہ لیں گو یہ کسی کی سفارش سے ہی ہو درست ہے اور مالک کے لیے بھی نہ دینا جائز ہے اگر وہ تنگ دست غریب ہو اور اگر وہ ایسا نہ ہو تو وہ رقم صدقہ کر دے، البتہ عشر کا چھوڑنا درست نہیں ہے (اگر چھوڑ دے تو مالک زمین کا فرض ہے کہ وہ عشر کی یہ رقم فقیروں میں تقسیم کر دے) اس مسئلہ کی تفصیل مع اس کے مصارف کے کتاب الجہاد میں آئے گی، ابن الشحنة نے اس کو نظم کر دیا ہے، اس نظم کا ترجمہ یہ ہے۔

بیت المال چار قسم پر ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے مصارف الگ الگ ہیں جن کو علماء نے بیان کیا ہے ان چار قسموں میں بیت المال کی پہلی قسم مال غنیمت، خزانے اور کان و دفینہ ہے اور دوسری قسم صدقہ کرنے والوں کا مال ہے اس میں زکوٰۃ، عشر اور تاجروں سے جو عشر وغیرہ لیا جاتا ہے وہ سب داخل ہے بیت المال کی تیسری قسم خراج ہے اس عشر کے ساتھ جو بنی تغلب سے لیا جاتا ہے اور جزیہ جس کے کار گزار حاکم ذمہ دار ہوتے ہیں، اور چوتھی قسم وہ ہیں جن کا کوئی وارث نہیں ہوتا پس پہلی دونوں کا مصرف قرآن پاک میں صراحتاً مذکور ہے اور تیسری قسم وہ ہے جس کو مقتاتلین جمع کرتے اور لیتے ہیں اور چوتھی قسم کا مصرف وہ صورتیں ہیں جن کا نفع سارے مسلمانوں کو پہنچتا ہے (جیسے مساجد، پل، مسافر خانے اور سرحد کا مضبوط کرنا وغیرہ)

باب المصروف

ای مصرف الزکوٰۃ والعشر و اما خمس المعدن فمصرفه كالغنائم هو فقير و هو من له ادنى شئ ای دون نصاب او قدر نصاب غیر نام مستغرق فی الحاجة و مسکین من لا شئ له علی المذهب لقوله تعالى او مسکینا ذامتربة وایة السفينة الترحم و عامل یعم الساعی والعاشر فیعطى ولو غنيا لا ها شميا لانه فرغ نفسه لهذا العمل فیحتاج الی الکفاية والغنی لا یمنع من تناولها عند الحاجة کابن السبیل بحر عن البدائع .

زکوٰۃ اور عشر کے مصارف کا بیان

اس باب میں زکوٰۃ اور عشر کے مواقع کا بیان ہے کہ کس کس جگہ وہ خرچ ہونگے (یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ عشریں نصف عشر (بیسواں حصہ) اور ربع عشر (چالیسواں حصہ) بھی داخل ہے اور جو مصرف عشر و زکوٰۃ کا ہے وہی مصرف صدقہ فطر، کفارہ، صدقہ واجبہ اور نذر کا بھی ہے۔ معدن (کان) کے خمس (پانچواں حصہ) کا مصرف مال غنیمت کی طرح ہے اس لئے یہاں اس کا ذکر مناسب نہیں تھا، شاحی نے کہا ہے کہ یہاں کنز (دفینہ) کا ذکر بھی کرنا چاہئے تھا کیوں کہ معدن (کان اور کنز دفینہ) کا حکم تقریباً یکساں ہے۔

زکوٰۃ و عشر کا ایک مصرف فقیر ہے اور فقیر شریعت میں اس کو کہتے ہیں جس کے پاس تھوڑا مال ہو۔ (یہاں پہلا مصرف فقیر اس لئے مقدم کر کے بیان کیا کہ قرآن پاک میں جہاں مصارف زکوٰۃ کا بیان ہے وہاں فقیر کو سب سے پہلے ذکر کیا ہے انما الصدقات للفقراء و المساکین الخ اور اس وجہ سے بھی کہ فقر ہر جگہ شرط ہے سوائے عامل، مکاتب اور مسافر کے، تھوڑا مال سے مراد یہاں یہ ہے نصاب نامی کا مالک نہ ہو اور اگر نصاب کے برابر ہو تو وہ نامی (بڑھنے والا) نہ ہو اور ضرورت میں مشغول ہو، جیسے رہنے کے گھر، خدمت کے غلام، گھر کے سامان پہننے کے کپڑے، پیشے کے آلات وغیرہ ان ضروریات زندگی کے سوا اگر وہ مالک نصاب نہیں ہے تو اس کے لئے زکوٰۃ لینا جائز ہے ورنہ حرام ہے اور اس پر زکوٰۃ کے علاوہ قربانی، صدقہ الفطر اور اپنے قرابتدار محتاج کا نفقہ لازم ہوگا۔)

دوسرا مصرف

زکوٰۃ عشر کا دوسرا مصرف مسکین ہے اور مسکین اس کو کہتے ہیں کہ جس کے پاس کچھ نہ ہو یعنی فقیر سے بھی گیا گذرا ہو، دلیل میں یہ آیت پیش کی گئی ہے۔ او مسکینا ذامقربة (یا مسکین خاک میں ملا ہوا ہو) اور قرآنی آیت واما السفينة فكانت لمساكين يعملون في البحر میں کشتی والے کو مساکین بطور ترحم کے کہا گیا ہے اور دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ وہ کشتی انکی ذاتی نہیں تھی۔ بلکہ وہ مزدور تھے یا کسی کی عاریتاً لے آئے تھے۔

تیسرا مصرف

زکوٰۃ عشر کا تیسرا مصرف عامل ہے چاہے وہ عشر وصول کرنے والا ہو یا زکوٰۃ اور صدقہ واجبہ وصول کرنے والا لہذا عامل کو زکوٰۃ کے مال سے اس کی اجرت دی جائیگی اگرچہ وہ عامل فی نفسہ مالدار ہو، اس لئے کہ اس نے اپنے کو فارغ کر کے اسی کام میں لگا رکھا ہے اس کو اتنے اخراجات کی ضرورت ہے جو اس کیلئے کافی ہو اور غنی (مالدار) کو بوقت ضرورت اس کے لینے کی ممانعت نہیں ہے، جس طرح مسافر کو بوقت ضرورت اس کے لینے کی اجازت دی گئی ہے۔

وبهذا التعليل يقوى مانسب الواقعات من ان طالب العلم يجوز له اخذ الزكوة ولو عتيا اذا فرغ نفسه لا فادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب والحاجة داعية الى مالا بد منه كذا ذكره المصنف بقدر عمله مايكفيه واعوانه بالوسط لكن لا يزداد على نصف مايقبضه ومكاتب لغيرها شمي ولو عجر حل لمولاه ولو غنيا كفقير استغن ابن سبيل وصل لما له.

طالب العلم کی زکوٰۃ

اس علت کے ذکر سے وہ روایت قوی ہوتی ہے جو واقعات نامی کتاب کی طرف منسوب ہے اور وہ روایت یہ ہے کہ طالب العلم کو زکوٰۃ لینی درست ہے گو وہ طالب العلم مالدار ہو جب وہ اپنے آپ کو پڑھنے پڑھانے میں مشغول کر دے اور اسی کیلئے وقف ہو جائے، اس وجہ سے کہ وہ کمانے سے مجبور ہے اور اس کی ضرورت کا تقاضا ہے کہ اتنا ملے جو اس کی ضروریات زندگی کے لئے کافی ہو، مصنف نے اسی کو ذکر کیا ہے (بعض علماء نے لکھا ہے کہ طالب العلم کو فقیر کی قید کے ساتھ مقید کرنا چاہئے ایسے طالب العلم کیلئے زکوٰۃ لینا درست ہے گو وہ کمانے پر قادر ہو۔) عامل کو اس کے کام کے مطابق اس قدر اجرت دی جائے گی جو اس کو اور اس کے عملہ کو اوسط درجہ میں کافی ہو لیکن کسی حال میں اس کو اس کی آمدنی کے آدھے سے زیادہ نہ دیا جائے۔

چوتھا مصرف

زکوٰۃ عشر کا چوتھا مصرف وہ مکاتب غلام ہے جو کسی ہاشمی کا نہ ہو (مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں جس کو اس کے آقا نے لکھ دیا ہو کہ اس قدر روپے دیدو گے تو آزاد ہو، اور مکاتب غلام خواہ کسی مالدار کا ہی کیوں نہ ہو تو بھی اس کو دینا جائز ہے اور چاہے وہ رقم بدل کتابت سے زیادہ ہو) اگر مکاتب غلام عاجز ہو جائے تو یہ مال زکوٰۃ اس کے آقا کیلئے حلال ہے گو وہ آقا غنی اور مالدار ہو، اس لئے کہ دراصل پہلے وہ رقم مکاتب کی ہوئی اور پھر اس کے واسطے اسے اس کی مجبوری کے پیش نظر اس کے آقا کی، حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لها صدقة ولنا هدية، فقیر کیلئے اتنی زکوٰۃ حلال ہے کہ وہ غنی ہو جائے اور مسافر کیلئے اس وجہ سے حلال ہے کہ وہ اس کی وجہ سے اپنے مال تک پہنچ جائے (ما حاصل یہ ہے کہ ادا کے وقت کا اعتبار ہے۔) سکت عن الولفة قلوبهم لسقوطهم اما بزوال العلة او نسخ بقوله صلى الله عليه وسلم لمعادن آخر الامر خذها من اغنيائهم وردها في فقرائهم.

مولفۃ القلوب

شارح کہتے ہیں کہ مصنف نے مولفۃ القلوب کے ذکر سے سکوت اختیار کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے دور خلافت میں باجماع صحابہؓ ان کو ساقط کر دیا گیا تھا یا اس وجہ سے کہ اب ان کو دینے کی وجہ باقی نہیں رہی (مولفۃ القلوب وہ لوگ ہیں جن کو ان کی دلدادہ اور اسلام پر مضبوطی کے لئے زکوٰۃ کی رقم دی جاتی تھی دراصل یہ تین قسم کے ہوتے تھے ایک کفار ان کی مدد اس نیت سے کی جاتی تھی کہ وہ ایمان لے آئیں اور دوسری قسم ان اذیت دینے والوں کی تھی جن کو ان کی اذیت سے بچنے کیلئے دی جاتی تھی، اور تیسری قسم وہ لوگ تھے جو نئے نئے اسلام لاتے تھے اور ضعیف الایمان ہوتے تھے ان کو اسلام پر ثابت قدمی کیلئے رقم دی جاتی تھی، مثلاً ان سب سے اسلام کی شوکت اور غلبہ تھا، جب اسلام کو آہستہ آہستہ غلبہ حاصل ہو گیا تو اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی) یا اس وجہ سے مولفۃ القلوب کہ دینا منسوخ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ سے آخر میں فرمایا کہ مسلمانوں کے مالداروں سے لو اور ان کے محتاجوں کو دو۔

ومدیون لا یملک نصاباً فاضلاً عن دینہ وفي الظہیریۃ الدفع للمدیون اولیٰ منہ للفقیر
وفي سبیل اللہ و هو منقطع الغزاة و قیل الحاج و قیل طلبتہ العلم و فسرہ فی البدائع بجمع
القرب و ثمرۃ الخلاف فی نحو الاوقاف وابن السبیل و هو کل من له مال لا معہ ومنہ مالو
کان مالہ مؤجلاً او علی غائب او معسراً او جاحداً و لو له بینة فی الاصح.

پانچواں مصرف

زکوٰۃ و عشر کا پانچواں مصرف وہ قرضدار ہیں جن کے پاس قرض سے اتنا مال زیادہ نہ ہو جو نصاب کو پہنچ جائے فتاویٰ ظہیریہ میں صراحت مذکور ہے کہ فقیر سے بہتر قرضدار کو دینا ہے کیونکہ اس کو اس کی ضرورت زیادہ ہے (شامی نے لکھا ہے کہ آیت میں غلام کا جو لفظ آیا ہے اس سے قرضدار ہی مراد ہے)۔

چھٹا مصرف

چھٹا مصرف یہ ہے کہ اللہ کے راستہ میں صرف کرے یعنی وہ لوگ ہیں جو سواری یا خرچ نہ ہونے کی وجہ سے لشکر اسلام سے منقطع ہو گئے ہوں کیونکہ مجاہدین اسلام اگر کمانے میں مشغول ہوں گے تو جہاد سے دور جا پڑیں گے، اور بعض لوگوں نے کہانی سبیل اللہ سے مراد ایسے حج کرنے والے ہیں جو کسی مجبوری کی وجہ سے قافلہ سے نہیں مل سکتے ہیں، اور بعضوں نے کہا ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد وہ طلبہ ہیں جو علم دین کی تحصیل میں مشغول ہیں، اور بدائع نامی کتاب میں ہے کہ فی سبیل اللہ میں تمام قربات اور خیرات کے کام داخل ہیں جو بھی نیک بندہ محتاج ہو اس پر خرچ کرنا، اس اختلاف کا ثمرہ جو فی سبیل اللہ کی مراد میں ہے اوقاف جیسے مسائل میں سامنے آئیں گے یعنی اس کے حکم میں اختلاف نہیں ہے کیوں کہ جو بھی محتاج ہو گا خواہ غازی ہو خواہ حاجی یا طالب العلم سب پر خرچ کرنا درست ہے مگر اگر کوئی فی سبیل اللہ نام سے وقف کرے یا وصیت کرے یا نذر مانے، تو سوال ہو گا کہ ان میں سے کس کو مراد لیا جائے۔

ساتواں مصرف زکوٰۃ

زکوٰۃ و عشر کا ساتواں مصرف مسافر ہیں یعنی وہ لوگ جو مال کے مالک تو ہوں مگر وہ سفر میں ہونے کی وجہ سے ان کے ساتھ نہ ہو، (فتح القدیر میں لکھا ہے کہ مسافر کو ضرورت سے زیادہ لینا درست نہیں، اور اولیٰ یہ ہے کہ اگر قدرت ہو تو ایسا شخص قرض لے لے، لیکن ایسا کرنا لازم نہیں ہے یا زکوٰۃ کی جو رقم لی ہے اگر خرچ سے کچھ بچ گئی تو اس کا صدقہ کرنا بھی واجب نہیں ہے کیوں کہ فقیر کو اپنی ضرورت سے زیادہ لینا بھی جائز ہے۔

يُصْرَفُ الْمَرْكُ إِلَى كُلِّهِمْ أَوْ إِلَى بَعْضِهِمْ وَلَوْ وَاحِدًا مِنْ أَيْ صَنْفٍ كَانَ لَا نَإِلَ الْجَنَسِيَّةِ تَبْطُلُ الْجَمْعِيَّةُ وَشَرْطُ الشَّافِعِيِّ ثَلَاثَةٌ مِنْ كُلِّ صَنْفٍ وَيَشْتَرُطُ أَنْ يَكُونَ الصَّرْفُ تَمْلِيكَاً لَا إِبَاحَةً كَمَا مَرَّ.

جن کو مال ہو جانے کے زکوٰۃ لینا جائز ہے جن کو مال کے باوجود زکوٰۃ و عشر سے لینا جائز ہے ان میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جن کے پاس مال ہو مگر وہ

قرض میں لگا ہوا ہو، اس طرح اس کا روپیہ کسی کے ذمہ باقی ہے مگر اس کے ادا کرنے کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے یا اس کا روپیہ کسی غائب شخص کے ذمہ ہے، یا کسی مفلس کے ذمہ ہے یا ایسے شخص کے ذمہ ہوتی ہے جو لینے کا انکار کرتا ہے گو اس کے پاس ثبوت موجود ہی کیوں نہ ہو، ایسی صورت میں ان کو بقدر ضرورت اسلئے زکوٰۃ کا لینا جائز ہے، (فتح القدیر میں ہے کہ اگر کوئی مفلس عورت ایسی ہو جس کا مہر اس کے شوہر کے ذمہ بقدر نصاب باقی ہو اور وہ مالدار ہو اور مانگنے پر دینے کے لئے تیار بھی ہو تو ایسی عورت کے لئے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے اور اگر اس عورت کو معلوم ہو کہ اس کا مالدار شوہر مانگنے پر بھی نہ دے گا تو اس کے لئے زکوٰۃ لینا جائز ہے بحر الرائق میں کہا کہ یہاں مہر سے مراد مہر متجمل ہے اور وہ زکوٰۃ لینے سے مانع نہیں ہے۔)

زکوٰۃ دینے والے کو اختیار ہے کہ اپنی زکوٰۃ ان تمام مستحقین کو دے جن کو ذکر کیا گیا یا ان میں سے صرف بعض کو دے اگرچہ وہ ایک ہی قسم کے کیوں نہ ہوں، اس وجہ سے کہ الف لام جنس کا جمع کے معنی کو باطل کر دیتا ہے حلّی نے لکھا ہے کہ یہ ایک فرد پر اکتفا کرنے کی علت ہے اور امام شافعیؒ نے شرط کیا ہے کہ ہر قسم کے تین تین شخصوں کو زکوٰۃ دینے والا زکوٰۃ دے، امام ابو حنیفہؒ کے یہاں یہ شرط نہیں ہے، (بلکہ انہوں نے زکوٰۃ نکالنے والے کی صوابدید پر چھوڑا ہے) البتہ یہ شرط ہے کہ زکوٰۃ بطور تملیک دے یعنی لینے والے مستحق کو مالک بنادے بطور اباحت نہ دے کہ جس میں اس کو ذاتی طور پر تصرف کا کوئی حق باقی نہ رہے۔

لَا يُصْرَفُ إِلَى بِنَاءٍ نَحْوِ مَسْجِدٍ وَلَا إِلَى كَفْنٍ مِيتٍ وَقَضَاءِ دَيْنِهِ أَمَّا دَيْنُ الْفَقِيرِ فَيَجُوزُ لَوْ بَامْرِهِ وَلَوْ أَذِنَ فَمَاتَ فَاطْلَاقُ الْكِتَابِ يَفِيدُ عَدَمَ الْجَوَازِ وَهُوَ الْوَجْهُ نَهْرًا إِلَى ثَمَنِ مَا إِي قَنَ يَعْتَقُ لِعَدَمِ التَّمْلِيكِ وَهُوَ الرُّكْنُ وَقَدْ مَنَّا أَنْ الْحِيلَةَ أَنْ يَتَصَدَّقَ عَلَى الْفَقِيرِ ثُمَّ يَامُرَهُ بِفَعْلِ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ وَهَلْ لَهُ أَنْ يَخَالَفَ مَرَهُ لَمْ أَرَهُ وَالظَّاهِرُ نَعَمْ.

زکوٰۃ و عشر کی رقم مسجد وغیرہ جیسی عمارتوں کے بنانے میں خرچ نہیں کی جائیگی جیسے بل، سڑک، نہر جن میں تملیک نہ پائی جائے اور نہ یہ رقم

میت کے کفن میں خرچ کی جائے گی) اس لئے کہ مردہ میں تملیک کا مفہوم نہیں پایا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر مردہ کو کئی درندہ کھا جائے تو اس کا کفن کفن دینے والا نہیں ہوگا اور نہ وارث کا ہوگا کذا فی النہر) اور نہ میت (مرنے والے) کے قرض ادا کرنے میں خرچ کیا جائے گا، البتہ زندہ محتاج کا قرض زکوٰۃ سے ادا کرنا جائز ہے اگر اس کی اجازت سے ہو (اس لئے کہ دینے والے نے فقیر کو مالک بنا دیا اور قرض دینے والے نے محتاج کی طرف سے نائب بن کر قبول کر لیا اور پھر اپنے قرض میں مجرا کر لیا کذا فی الفتح) اور اگر محتاج اجازت دینے کے

اپنے غلام کو زکوۃ دینا درست نہیں

اپنے غلام کو بھی زکوۃ دینا درست نہیں ہے اگرچہ وہ غلام مکاتب یا مدبر ہو (کیونکہ غلام اور مدبر میں تملیک نہیں پائی جاتی، اور مکاتب کی کمائی

اور مال میں اس کے آقا کا حق ہے) اور اپنے اسی غلام کو بھی زکوۃ دینا درست نہیں جس کے بعض حصہ (آدھے یا چوتھائی) کو آزاد کر چکا ہو، خواہ وہ غلام پورا کا پورا زکوۃ دینے والے کا ہو یا وہ اس کے اور اس کے بیٹے کے درمیان مشترک ہو، پھر باپ نے مفلس کی حالت میں اپنا حصہ آزاد کیا تو اس صورت میں زکوۃ دینے والے اس غلام کو اپنی زکوۃ نہیں دے سکتا ہے، اس لئے کہ وہ غلام خود اس کا مکاتب ہے یا اس کے بیٹے کا مکاتب ہے اور مکاتب کو زکوۃ دینا خواہ بیٹے کا مکاتب ہو، دینا درست نہیں ہے۔

اور وہ غلام جو اس کے اور کسی اجنبی کے درمیان مشترک ہے تو اس کا حکم اس بیان سے معلوم ہو چکا جو پہلے گذرا بحر الرائق میں ہے کہ اگر غلام دو اجنبی شخصوں کے درمیان مشترک ہو ان میں سے ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا اور سلسلے ہے اور دوسرے شریک خاموش رہنے والے نے کہا کہ اگر وہ غلام اسے اس قدر روپیہ دیدے گا تو آزاد ہے اس صورت میں وہ اپنی زکوۃ اس غلام کو دے سکتا ہے کیونکہ یہ اس کا مکاتب نہیں ہے، بلکہ اب صرف اس کے شریک کا ہے اور صاحبین کہتے ہیں کہ یہ ہر صورت میں جائز ہے یعنی آزاد کرنے والا مالدار ہو یا مفلس اور غلام خواہ اس کے اور اس کے بیٹے کے درمیان مشترک ہو یا اس کے اور کسی اجنبی کے درمیان مشترک ہو، اس لئے کہ یا وہ غلام پورا آزاد ہے یا آزاد ہے اور ساتھ ہی قرضدار، لہذا اسے خوب سمجھ لو۔

وَلَا إِلَى غَنَى يَمْلِكُ قَدْرُ نَصَابٍ فَارِغٍ عَنْ حَاجَتِهِ إِلَّا صَلِيَّةٌ مِنْ أَيْ مَالٍ كَانَ كَمَنْ لَهُ نَصَابٌ سَائِمَةٌ لَا تَسَاوِي مَائَتِي دِرْهَمٍ كَمَا جَزَمَ بِهِ فِي الْبَحْرِ وَالنَّهْرِ وَاقْرَأِ الْمَصْنَفَ قَائِلًا وَبِهِ يَظْهَرُ ضَعْفُ مَا فِي الْوَهْبَانِيَّةِ وَشَرْحُهَا مِنْ أَنَّهُ تَحِلُّ لَهُ الزَّكَاةُ وَتَلْزِمُهُ انْتَهَى لَكِنْ اعْتَمَدَ فِي الشَّرْهِ النَّبَلَاءِ مَا فِي الْوَهْبَانِيَّةِ وَحَرَرُو جَزَمَ بَانَ مَا فِي الْبَحْرِ وَهُمْ

مالک نصاب کیلئے زکوۃ جائز نہیں

اس مالدار شخص کو بھی زکوۃ دینا درست نہیں ہے جو صاحب نصاب ہو، اور وہ نصاب اس کی حاجات اصلہ سے زیادہ ہو، خواہ وہ کسی بھی نصاب کا مالک ہو نصاب کی

تین قسمیں ہیں، ایک نصاب نامی جو قرض اور حاجات اصلہ سے زیادہ ہو، اس سے زکوۃ واجب ہوتی ہے دوسری قسم نصاب کی وغیرہ نامی ہے جو قرض اور حاجات اصلہ سے زیادہ نہ ہو، اس کی وجہ سے زکوۃ واجب نہیں ہوتی ہے مگر قربانی، صدقہ فطر اور محتاج قرابتدار کا نفقہ واجب ہوتا ہے، اور اس نصاب والے کیلئے زکوۃ لینا جائز نہیں ہے، جس طرح نصاب نامی کے مالک کیلئے زکوۃ لینا درست نہیں ہے اور تیسری قسم نصاب کی وہ ہے جس کی وجہ سے سوال کرنا حرام ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کے پاس ایک دن کی غذا موجود ہو، یہ نصاب نہیں ہے صرف مجاز نصاب کہا گیا ہے۔

صاحب مال ضرورت مند کیلئے زکوۃ

تار خانہ میں لکھا ہے کہ ایک شخص کے پاس ایک گھر ہے جس میں وہ رہتا ہے مگر وہ اس کی ضرورت سے زیادہ ہے سارا مکان مشغول نہیں رہتا

ہے ایسے شخص کو صدقہ (زکوۃ) لینا جائز ہے اسی کتاب میں یہ بھی ہے کہ امام محمدؒ نے فرمایا کہ ایک شخص کے پاس زمین ہے وہ اس کو آباد کرتا ہے یا مکان ہے اور وہ اس کا کرایہ کھاتا ہے یا مکان ہے جس کا کرایہ تین ہزار آتا ہے مگر وہ آمدنی سال بھر اسکے بچوں کیلئے

کافی نہیں ہے تو ایسے شخص کو زکوۃ لینا درست ہے اگرچہ اس مکان کی قیمت سال بھر کے نفقہ کے لئے کافی ہو فتویٰ اسی قول پر ہے۔

جو جانوروں کے نصاب کا مالک ہو اس کیلئے زکوۃ جائز نہیں جیسے اس شخص کے لئے زکوۃ لینا جائز نہیں ہے جس کے پاس سائہ جانور

کا نصاب پایا جاتا ہو مگر وہ نصاب دو سو دراهم کے برابر نہ ہو، چنانچہ اسی قول پر بحر الرائق اور نہر الفائق میں یقین کیا ہے اور اسی کو مصنف نے یہ کہتے ہوئے برقرار رکھا ہے کہ اس سے اس قول کا ضعف ظاہر ہوتا ہے جو دھبانیہ نامی کتاب اور اس کی شرح میں مذکور ہے کہ ”اس کے لئے زکوۃ حلال ہے اور اس کے اوپر زکوۃ دینا لازم ہے“ لیکن شریعہ الیہ میں دھبانیہ کے اس کلام پر اعتماد کیا ہے اور یقین ظاہر کیا ہے کہ بحر میں جو کچھ مذکور ہے وہ وہم ہے۔

ولا الی مملو کہ ای الغنی ولو مدبرا او زمنا لیس فی عیال مولاه او کان مولاه غائبا علی المذهب لان المانع وقوع الملك لمولاه غیر المكاتب والمادون المدیون بمحیط فیجوز۔

مالدار کے غلام کیلئے بھی زکوۃ جائز نہیں مالدار کے غلام کو زکوۃ دینا جائز نہیں اگرچہ وہ مدبر ہو (اس سے معلوم ہوا کہ محتاج و فقیر کے غلام کو زکوۃ دینا درست ہے) غنی کے غلام کو زکوۃ

دینا جائز نہیں ہے اگرچہ وہ غلام اپنا حج ہو اور اپنے آقا کی پرورش میں نہ ہو، اگرچہ اس کا آقا غائب ہو صحیح مذہب یہی ہے ذخیرہ نامی کتاب میں امام ابو یوسفؒ سے روایت نقل کی ہے کہ اس غلام کو زکوۃ دینا جائز ہے فتح القدیر میں کہا گیا ہے کہ اس قول میں تردد ہے اسلئے کہ زکوۃ غلام کی ملک نہیں ہوتی ہے بلکہ مولیٰ کی ملک ہوتی ہے اور اس کا آقا غنی ہے اس کا ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آقا کے غائب ہونے کی صورت میں وہ غلام ابن السبیل (مسافر) کے درجہ سے کم نہیں رہتا، لہذا اس صورت سے جائز ہو گا البتہ غنی کے اس مکاتب اور ماذون لہ (جس کو اجازت کمانے کی دیدی گئی ہو) غلام کو زکوۃ دینا جائز ہے جس پر اس قدر قرض ہو جو اس کی کمائی اور گردن کو گھیرے ہوئے ہو۔

ولا الی طفله بخلاف ولده الكبير وایه وامراته الفقراء وطفل الغنیة فیجوز لا نفاء المانع ولا الی بنی ہاشم الا من بطل النص قرابته وهم بنو لہب فتحل لمن اسلم منهم کما تحل لبنی المطلب ثم ظاهر المذهب اطلاق المنع وقول العینی والہاشمی یجوز له دفع زکوۃ لمثلہ صوابہ لا یجوز نہر ولا الی موالیہم ای عتقائہم فارقا وھم اولی۔

مالدار کے نابالغ بچوں کے لئے زکوۃ درست نہیں اور غنی کے نابالغ لڑکے کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے البتہ اس کے بالغ لڑکے کو زکوۃ دینا درست

ہے (اور مالدار کی شادی شدہ شوہر والی لڑکی میں اختلاف ہے مگر صحیح یہ ہے کہ اس کو دینا جائز ہے)۔

مالدار کے اس باپ اور بیوی کو زکوۃ دینا درست ہے جو محتاج ہو اور مالدار عورت کے نابالغ لڑکے کو بھی زکوۃ دینا جائز ہے، اس وجہ سے کہ ان کو دینے میں کوئی مانع شرعی نہیں ہے باپ مالدار ہو تو اس کا چھوٹا نابالغ لڑکا بھی مالدار شمار ہوتا ہے لیکن بالغ لڑکا باپ کے مالدار ہونے سے مالدار نہیں شمار ہوتا اور اسی طرح بیٹے کے مالدار ہونے سے باپ اور شوہر کے مالدار ہونے سے بیوی مالدار شمار نہیں ہوتی اور نہ ماں کے مالدار ہونے سے لڑکا مالدار شمار ہوتا ہے۔

سادات کیلئے زکوۃ جائز نہیں

بنو ہاشم کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے (عبد مناف کے چار لڑکے تھے ہاشم، مطلب، عبد شمس، نوفل، پھر ہاشم کے چار لڑکے ہوئے، جس میں سے صرف عبدالمطلب کی نسل چلی،

عبدالمطلب کے بارہ بیٹے تھے، ان میں صرف حضرت عباسؓ حارث اور ابوطالب کی اولاد کیلئے زکوۃ حرام ہے بقیہ پر حرام نہیں ہے۔ مگر ہاشمی کی اولاد میں اس کے لئے زکوۃ جائز ہے جس کی قرابت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صراحت کے وجہ سے منقطع ہو گئی ہے جیسے ابو لہب کی اولاد ہے پس ان میں جو ایمان لے آیا، اس کے لئے زکوۃ جائز ہے جس طرح ہاشم کے بھائی کی اولاد کے لئے جائز و حلال ہے (ابو لہب کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ”لا قرابة بینی وبين ابی لہب“ اور بعض روایت میں ابی لہب کی جگہ بنو ابی لہب کا لفظ آیا ہے اور اسی کو درست کہا گیا ہے۔

پھر ظاہر مذہب یہ ہے کہ بنی ہاشم کیلئے مطلقاً زکوۃ ممنوع ہے خواہ خود بنی ہاشم، بنی ہاشم کو دے یا کوئی غیر بنی ہاشم، بنی ہاشم کو دے اور ہر زمانہ میں ممنوع ہے، باقی علامہ عینی کا یہ کہنا کہ ہاشمی کا ہاشمی کو زکوۃ دینا درست ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ درست یہ ہے کہ جائز نہیں ہے، البتہ بعض علماء نے موجودہ زمانہ میں جب بنو ہاشم کیلئے کوئی دوسری صورت مدد کی نہیں رہی زکوۃ لینے کو جائز کہا ہے۔ بنی ہاشم کے آزاد کردہ غلاموں کو بھی زکوۃ دینا درست نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ ان کے غلاموں کے لئے تو بدرجہ جائز نہیں ہوگا کیونکہ غلام کی ملک دراصل مولیٰ کی ملک ہوتی ہے اور آزاد کردہ غلام کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ کسی قوم کا آزاد کردہ انہیں میں کا ہوتا ہے۔

لحديث موالى القوم منهم وهل كانت تحل السائر الانبياء خلاف واعتمد فى النهر حلها لا قربائهم لا لهم وجازت التطوعات من الصدقات وغلة الاوقاف لهم اى لبنى هاشم سواء سماهم الواقف اولا على ما هو الحق كما حققه فى الفتح لكن فى السراج وغيره ان سماهم جازو الا لا قلت وجعله محشى الاشباه محمل القولين ثم نقل عن صاحب البحر عن مبسوط وهل تحل الصدقة لسائر الانبياء قيل نعم و هذه خصوصية لبنينا صلى الله عليه وسلم وقيل لا بل تحل لقربائهم فهى خصوصية لقرابة نبينا صلى الله عليه وسلم اكراما و اظهارا الفضلية صلى الله عليه وسلم فليحفظ.

باقی یہ مسئلہ کہ دوسرے انبیاء کرام کے لئے صدقہ حلال تھا یا نہیں مختلف فیہ ہے نہر الفائق میں ان کے رشتہ داروں کیلئے حلال ہونے کی ترجیح دی ہے البتہ خود ان کیلئے حلال نہیں کہا گیا ہے۔

صدقہ نافلہ اور اوقاف بنو ہاشم کیلئے

البتہ صدقہ نافلہ اور اوقاف کی آمدنی سے بنو ہاشم کو دینا جائز ہے خواہ وقف کرنے والے نے ان کا نام لیا ہو یا نہ لیا ہو، حق یہی ہے جیسا کہ صاحب فتح القدیر نے اس کی تحقیق کی ہے، (شامی نے متعدد کتابوں کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ بنو ہاشم کے لئے صدقہ نافلہ بالاتفاق جائز ہے اور یہ کہ صدقہ نافلہ اور وقف میں کوئی فرق نہیں ہے بعض لوگوں نے اس میں بھی اختلاف کیا ہے۔)

سراج نامی کتاب میں لکھا ہے کہ اگر وقف نامہ میں بنو ہاشم درج ہو تو اس سے ان کو دینا جائز ہے ورنہ نہیں، شارح کہتے ہیں کہ الاشباہ کے محشی نے سراج کی عبارت کو دونوں قولوں کا محمل قرار دیا ہے یعنی اگر نام لیا ہو تو جائز ورنہ نہیں۔ محشی نے بحر الرائق کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ باقی انبیاء کرام کے لئے صدقہ لینا جائز ہے یا نہیں ان میں اختلاف ہے بعضوں نے کہا کہ جائز ہے اور یہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ آپ کے لئے صدقہ جائز نہیں ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ صدقہ ان کے لئے جائز نہیں البتہ ان کے قراتبداروں کے لئے جائز ہے، یہ بھی سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی خصوصیت ہے کہ آپ کی فضیلت اور اکرام کے طور پر آپ کے قراتبداروں کے لئے بھی صدقہ جائز نہیں ہے۔

وَلَا تَدْفَعُ إِلَى ذِمِّي لِحَدِيثٍ مَعَاذَ وَجَازٍ دَفْعَ غَيْرِهَا وَغَيْرِ الْعَشْرِ وَالْخَوَاجِ إِلَيْهِ أَيْ الذَّمِّي وَلَوْ أَوْجَبَا كُنْزًا وَكَفَارَةً وَفَطْرَةً خِلَافًا لِلثَّانِي وَبِقَوْلِهِ يَفْتِي حَاوِي الْقَدْسِيِّ وَأَمَّا الْحَرْبِيُّ وَلَوْ مُسْتَأْمِنًا فَجَمِيعُ الصَّدَقَاتِ لَا تَجُوزُ لَهُ اتِّفَاقًا بِحَرِّ عَنِ الْغَايَةِ وَغَيْرِهَا لَكِنْ جُزْمُ الزَّيْلَعِيِّ بِجَوَازِ التَّطَوُّعِ لَهُ.

زکوۃ کا کافروں کو دینا جائز نہیں ہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے، اس حدیث کا منشا یہ ہے کہ زکوۃ مسلمان مالداروں سے لی جائے غریب مسلمان کو دیجائے، البتہ زکوۃ، عشر اور خراج چھوڑ کر دوسری چیزیں ذمی کو دی جاسکتی ہیں، گو وہ صدقہ واجبہ ہوں جیسے نذر کفارہ اور فطرہ لیکن امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ کسی بھی صدقہ واجبہ کا ذمی کو دینا جائز نہیں ہے اور فتویٰ امام ابو یوسفؒ کے ہی قول پر دیا گیا ہے (کذا فی حاوی القدسی)

حربی کا فر کو صدقہ دینا بالاتفاق جائز نہیں ہے گو وہ امن کا پروانہ لیکر آیا ہو البتہ زیلعی نے کہا ہے کہ صدقہ ناقضہ حربی کو دینا جائز ہے دفع بتحر لمن يظنه مصرفا فبان انه عبده او مكاتبه او حربي ولو مستامنا اعادها لم امر وان بان غناه او كونه ذميا او انه ابوه او ابنه او امرأته او هاشمي لا يعيد لانه اتى بمافي وسعه حتى لو دفع بلا تحر لم يجز انا خطأ.

زکوۃ دینے کے بعد معلوم ہو کہ غیر مستحق کو دیا گیا غور و فکر کے بعد اگر کوئی کسی کو مستحق سمجھ کر زکوۃ دیدے بعد میں ظاہر ہو کہ وہ اس کا غلام تھا یا مکاتب تھا یا دی گئی ہے وہ غنی تھا یا ذمی یا یہ ظاہر ہو کہ وہ شخص اس کا باپ تھا یا اس کا لڑکا یا اس کی بیوی یا یہ معلوم ہو کہ وہ ہاشمی تھا تو ان تمام صورتوں میں وہ دوبارہ زکوۃ نہیں دے گا، اس لئے کہ جو کچھ اس کی وسعت میں تھا اس نے کیا (کیونکہ پوری تحقیق کرنی اس کی ذمہ داری نہیں تھی) البتہ اگر بلا سوچے سمجھے اس نے دیا تھا اور بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مستحق نہیں تھا تو یہ دینا جائز نہیں ہوا۔

وَكُرِهَ اعْطَاءُ فَقِيرٍ نَصَابًا أَوْ أَكْثَرَ إِذَا كَانَ الْمَدْفُوعُ إِلَيْهِ مَدْيُونًا أَوْ كَانَ صَاحِبَ عِيَالٍ بَحِثْ لَوْ فَرَّقَهُ عَلَيْهِمْ لَا يَخْصُ كَلًّا أَوْ لَا يَفْضُلُ بَعْدَ دِينِهِ نَصَابٌ فَلَا يَكْرَهُ فَتَح.

نصاب برابر کسی مستحق کو زکوۃ دینا

ایک محتاج آدمی کو نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ دینا مکروہ ہے البتہ اگر وہ شخص جس کو نصاب کے برابر یا زیادہ زکوۃ دی ہے قرضدار یا زیادہ مال بچے والا ہے اس طرح سے اگر زکوۃ کی رقم ان سب پر تقسیم کر دی جائے تو ہر ایک کو نصاب کے برابر نہیں بچے گا تو پھر مکروہ نہیں ہے۔ (کذا فی الفتح)

وكره نقلها الا الى قرابة بل في الظهيرية لا تقبل صدقة الرجل وقرابته محايج حتى يذاهم فيسد حاجتهم او اخرج او اصلح او اورع او انفع للمسلمين او من دار الحرب الى دار الاسلام او الى طالب علم وفي المعراج التصديق على العالم الفقير الفضل او الى الزهاد او كانت معجلة قبل تمام الحول فلا يكره خلاصة

زکوۃ کا ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل کرنا

زکوۃ کا ایک شہر سے دوسرے کی طرف منتقل کرنا مکروہ ہے البتہ اس صورت میں مکروہ نہیں ہے جب دوسرے شہر میں اس کے

قرابتدار رہتے ہوں اور وہ مستحق ہوں، اور یہ منتقل کرنا مکروہ تنزیہی ہے (اور زکوۃ کی جگہ قابل اعتبار وہ ہے جہاں مال ہو) یہاں تک کہا گیا ہے کہ اس شخص کا صدقہ قبول نہیں ہوتا ہے جسکے قرابتدار محتاج ہوں اور وہ ان کو چھوڑ کر دوسروں کو دے، اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے لوگوں سے زکوۃ دینا شروع کر دے (قہستانی میں ہے جن کو زکوۃ دینا افضل ہے انکی تفصیل یہ ہے بھائی، بہن، پھر انکی اولاد، پھر زکوۃ دینے والے کے چچا اور پھوپھی پھر ماموں، ماں اور خالہ پھر ذوی الارحام پھر بڑوسی پھر اسکی گلی میں رہنے والے پھر اس کے شہر والے اس وقت بھی زکوۃ منتقل کرنا مکروہ نہیں ہے جب دوسرا زیادہ محتاج ہو، یا زیادہ نیک بخت ہو، یا زیادہ پرہیزگار ہو یا اس شخص سے مسلمانوں کو زیادہ نفع پہنچتا ہو، یا دار الحرب سے دار الاسلام کی طرف منتقل کرے، اسی طرح طالب العلم کی طرف منتقل کرنے میں بھی کراہت نہیں ہے اور معراج الدراہم میں ہے کہ عالم فقیر پر صدقہ کرنا جاہل فقیر کی نسبت زیادہ افضل ہے، زکوۃ کا زاہدوں کی طرف منتقل کرنا بھی مکروہ نہیں ہے اسی طرح سال پورا ہونے سے پہلے کوئی زکوۃ ادا کر رہا ہو تو اس کیلئے منتقل کرنا مکروہ نہیں ہے کذا فی الخلاصہ۔

ولا يجوز دفعها لاهل البدع كالكرامية لانهم مشبهة في ذات الله وكذا المشبهة في الصفات في المختار لان مفوت المعرفة من جهة الصفات يلحق بمفوت المعرفة من جهة الذات مجمع الفتاوى كما لا يجوز دفع زكوة الزاني ولده منه اى من الزنا وكذا الذى نفاه احتياطا الا اذا كان الولد من ذات زوج معروف فصولين والكل في الاشباه.

بدعتیہ لوگوں کو زکوۃ دینا

بدعتیوں پر زکوۃ خرچ کرنا جائز نہیں ہے، جیسے کرامیہ فرقہ کے لوگ (یہاں بدعت سے ایسی بدعت مراد ہے جو کفر تک پہنچاتی ہو، محمد بن کرام نامی شخص کی طرف یہ

فرقہ منسوب ہے جو اس بات کا قائل تھا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ٹھہرا ہوا ہے، اور اسم جو ہر کا اس پر اطلاق ہو سکتا ہے (کذا فی المغرب) فرقہ کرامیہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں تشبیہ کا قائل ہے اور یہی حکم اس فرقہ کا ہے جو صفات خداوندی میں تشبیہ کا قائل ہے (یہ فرقہ بعض صفات کو حادث بھی کہتا ہے) جو خدا کی ذات کو صفات کے اعتبار سے فوت کرنے والا ہے وہ خدا کی معرفت کا

باعتبار ذات فوت کرنے والے کے ساتھ ملحق ہے (یعنی تشبیہ ذات اور تشبیہ صفات دونوں ایک حکم میں ہے)۔

زنا سے پیدا شدہ بیٹے کو زکوۃ دینا
 زانی کا اپنے اس بیٹے کو زکوۃ دینا درست نہیں ہے جو زنا سے پیدا ہوا ہو اور اسی طرح احتیاطاً اس بیٹے کو دینا بھی جائز نہیں ہے جس کا وہ انکار کر چکا ہے (خواہ وہ لڑکا ام ولد سے ہو یا لعان کے ذریعہ اس کا انکار عمل میں آیا ہو) البتہ اس لڑکے کو دینا جائز ہے جو ایسی عورت کا لڑکا ہے، جس کے خاوند کو لوگ جانتے پہنچاتے ہیں۔

وَلَا يَحِلُّ أَنْ يَسْأَلَ شَيْئًا مِنَ الْقُوتِ مَنْ لَهُ قُوتٌ يَوْمَهُ بِالْفِعْلِ أَوْ بِالْقُوَّةِ كَالصَّحِاحِ الْمَكْتَسَبِ وَيَا ثَمَّ مَعْطِيَهُ أَنْ عِلْمَ بِحَالِهِ لَا عَانَتَهُ عَلَى الْمَحْرَمِ وَلَوْ سَائِلٌ لِلْمَكْسُوفَةِ أَوْ لَا شُغْلَهُ عَنِ الْكَسْبِ بِالْجِهَادِ وَطَلَبِ الْعِلْمِ جَازٌ لَوْ مَحْتَاجًا.

سوال کرنا کب ناجائز ہے
 جس شخص کے پاس ایک دن کی روزی موجود ہو خواہ بالفعل (حقیقہ) موجود ہو خواہ بالقوہ یعنی موجود تو نہ ہو مگر وہ ایسا تندرست کمانے والا ہے کہ کما سکتا ہے تو ایسے شخص کے لئے کھانا اپنے لئے مانگنا جائز نہیں ہے (حاجت کی دوسری چیز کپڑا وغیرہ البتہ مانگ سکتا ہے) اور جو شخص ایسے شخص کا حال جانتا ہو اس لئے اس کو دینا بھی گناہ ہے کیونکہ یہ حرام پر مدد کرنا ہوگا۔

اگر کوئی کپڑے کا سوال کرے یا روزی کا سوال کرے اور اس کی وجہ یہ ہے ہو کہ وہ جہاد یا طالب علم کی مشغولیت کی وجہ سے کما نہیں کر سکتا ہے تو احتیاج کی حالت میں یہ سوال کرنا جائز ہے اگرچہ وہ تندرست قوی الجشہ اور کمانے پر قادر ہو۔

فروع يندب دفع ما يغنيه يومه عن السؤال و اعتبار حاله من حاجة و عيال و المعتبر في الزكوة فقراء مكان المال وفي الوصية مكان الموصى في الفطرة مكان المودى عند محمد وهو الاصح لان رؤسهم تبع لرأسه دفع الزكوة الى صبيان اقربائه برسم عيد ا والى مبشرا ومهدى الباكورة جاز الا اذا نص على التعويض ولو دفعها لاخته ولها على زوجها مهر يبلغ نصابا وهو ملئ مقر ولو طلبت لم يمتنع عن الاداء لا يجوز والاجاز ولو دفعها المعلم لخليفته ان كان بحيث يعمل له لو لم يعطه صح والا لا ولو وضعها على كفه فانتهبها الفقراء جاز ولو سقط مال فرفعه فقير فرضي به جاز ان كان يعرفه والمال قائم خلاصة.

فروع۔ شارح کی طرف سے اضافہ شدہ مسائل

متفرق مسائل و احکام
 مستحق زکوۃ کو اس قدر زکوۃ دینا مستحب ہے کہ اس دن اس کو سوال کی ضرورت باقی نہ رہے، اور بقدر کفایت حالت کا اعتبار اس کی ضرورت اور اس کے زیر پرورش افراد کی نسبت سے ہوگا، کہ اس کی یہ ضرورت کتنے میں پوری ہو سکے گی۔

مستحقین کے باب میں جگہ کا اعتبار مستحقین کو زکوۃ دینے میں اس جگہ کا اعتبار ہو گا جہاں مال پایا جاتا ہے یعنی جہاں مال پایا جاتا ہو، اس کی زکوۃ اس شہر کے محتاجوں کو دینی چاہئے چاہے صاحب مال دوسری جگہ میں ہو، اور وصیت میں وصیت کرنے والے کی جگہ کا اعتبار ہے اور فطرہ میں امام محمدؒ کے نزدیک اس جگہ کا اعتبار ہو گا جہاں ادا کرنے والا پایا جاتا ہو، (جن کی طرف سے فطرہ ادا ہو رہا ہے ان کا اعتبار نہیں ہے) اور یہی صحیح ہے، اس لئے جن لوگوں کی طرف سے دیا جا رہا ہے وہ دینے والے کے تابع ہیں۔

عید کی تقریب سے زکوۃ تقسیم کرنا عید کی تقریب کے موقع سے اپنے رشتہ داروں کے بچوں کو زکوۃ دینا یا خوشخبری سنانے والے یا اس شخص کو دینا جو نیا پھل لایا ہے جائز ہے البتہ اگر معاوضہ کی صراحت کر کے دے تو جائز نہیں۔

اپنی بہن کو زکوۃ دینا اپنی اس بہن کو زکوۃ دینا درست نہیں ہے جس کا اتنا مہر اس کے شوہر کے ذمہ باقی ہو جو نصاب کو پہنچتا ہے اور اس کا شوہر مالدار اور مہر کا مقرر ہے اور عورت کے مطالبہ پر دینے سے انکار نہ کرتا ہو، البتہ اگر اس کا شوہر ایسا نہیں ہے تو اس کو دینا جائز ہے۔

معلم کا اپنے قائم مقام کو زکوۃ دینا اگر معلم اپنی زکوۃ اپنے اس قائم مقام کو دے جو معلم کے نہ دینے کی صورت میں بھی کام کرتا رہتا ہے یہ دینا جائز ہے ورنہ جائز نہیں یعنی اگر معلم کے نہ دینے کی صورت میں کام بند کر دیتا تو اس قائم مقام کو دینا درست نہیں ہے، اس لئے کہ اس صورت میں یہ دیا ہوا عوض کے درجہ میں ہو جاتا ہے۔

زکوۃ کی ادائیگی کی ایک صورت زکوۃ نکالنے والے نے اپنی رقم زکوۃ اپنے ہتھیلی پر رکھی اور فقیروں نے اسے لوٹ لیا تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ نکالنے والے نے زکوۃ کی نیت سے نکال کر ہتھیلی پر رکھی اور جب فقیروں نے اسے لوٹ لیا تو وہ اس کی ملکیت ہو گئی، اور اگر پہلے سے زکوۃ کی نیت نہ ہو لیکن لوٹنے کے بعد اور فقیروں کے خرچ کرنے سے پہلے صاحب مال زکوۃ کی نیت کرے گا تو بھی زکوۃ ادا ہو جائے گی۔

اور اگر مال ہاتھ سے گر گیا اور فقیر نے اسے اٹھ لیا اور مالک مال نے اس کو پسند کر لیا تو جائز ہے بشرطیکہ وہ اس کو پہچانتا ہو اور مال فقیر کے قبضہ میں موجود ہو (پہچاننے کی قید لگانے کا حاصل یہ ہے کہ تملیک مجہول کی نہیں ہوئی ہے بلکہ معلوم شخص کی ہوئی ہے چنانچہ اگر مال گر گیا اور جب مالک اس کے پاس آیا تو اسے نہیں پایا البتہ کسی نے خبر دی کہ وہ مال ایک فقیر اٹھالے گیا جس کو مالک مال نہیں پہچانتا تھا اور مالک اس فقیر کے لینے سے راضی ہو گیا، تو اس کا زکوۃ میں محسوب کرنا درست نہیں ہو گا کیونکہ یہ اباحت ہوئی، تملیک نہیں ہوئی، حالانکہ اس میں تملیک شرط ہے اور مال کے موجود ہونے کی شرط اس وجہ سے لگائی کہ اگر مال کے ہلاک ہونے کے بعد مالک اپنی رضا ظاہر کرتا تو نیت صحیح نہیں ہوتی۔

وہ صدقہ مستحب ہے جو اپنی ضروریات اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات سے زیادہ ہو، اور اس طرح صدقہ دینا جس سے حقداروں کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہو تو ایسا شخص گنہگار ہو گا۔ اور تنگی برداشت نہ کر سکے اس کو اپنا نفقہ قدر کفایت قائم سے کم کرنا مکروہ ہے۔ (کذا فی الفتح)

باب صدقة الفطر

من اضافة الحكم لشرطه والفطر لفظ اسلامي والفطرة مولد بل قيل لحن وامر بها في السنة التي فرض فيها رمضان قبل الزكوة و كان عليه السلام يخطب قبل الفطر بيومين يا امر باخراجها ذكره الشمني

صدقہ فطر کے احکام و مسائل کی تفصیل

زکوۃ سے متعلق احکام و مسائل بیان کرنے کے بعد صدقہ فطرہ کا بیان شروع کیا ہے، بعض مصنفین نے صدقہ فطر کا بیان روزہ کے بعد کیا ہے کیونکہ فطرہ رمضان کا روزہ ختم کر کے نکالا جاتا ہے، یہاں مصنف نے زکوۃ کے بعد بیان اس لئے کیا ہے کہ جس طرح زکوۃ مالی صدقہ ہے یہ فطرہ بھی مالی وظیفہ ہے۔

فطر کی مراد یہاں فطر سے مراد فطر کا دن ہے لغوی معنی بمعنی افطار نہیں ہے کیونکہ رمضان میں ہر شام کو افطار ہوتا ہے، اور اس کو صدقہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس سے دینے والے کے صدق و اخلاص کا اظہار ہوتا ہے۔ لفظ صدقۃ الفطر میں صدقہ کی فطر کی طرف اضافت گویا حکم کی اس کی شرط کی طرف اضافت ہے (یہاں حکم سے مراد صدقہ کا وجوب ہے اور اس وجوب کی مراد وجوب الاداء ہے اس وجہ سے کہ ادائیگی کے واجب ہونے کی شرط فطر ہے) لفظ فطر اسلام والوں کی اصطلاح ہے اور لفظ ”فطرہ“ خود ساختہ ہے بلکہ لوگوں نے اس لفظ کو غلط کہا ہے (شارح یہ بتانا چاہتے ہیں کہ صدقۃ الفطر میں فطرہ کا لفظ جو مضاف الیہ واقع ہوا ہے اور جو ایک مخصوص دن کا نام ہے یہ ایک شرعی لفظ ہے اور قاموس میں جو آیا ہے فطرہ بالسرہ کے معنی صدقۃ الفطر ہے اس کو قاموس کے اغلاط میں شمار کیا گیا ہے۔

صدقہ فطر کا وجوب ادا کرنے صدقہ فطر کا حکم زکوۃ کے وجوب سے پہلے ہوا ہے اور یہ اس سال ہوا ہے جس سال رمضان کا روزہ فرض ہوا ہے، (رمضان کا روزہ تحویل قبلہ کے بعد شعبان میں فرض ہوا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی رمضان میں عید کے دو دن پہلے صدقہ فطر کا حکم دیا۔

فطرہ میں آنحضرت کا دستور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور یہ تھا کہ عید سے دو دن پہلے ایک خطبہ دیا کرتے تھے اور اسی خطبہ میں لوگوں سے فرماتے تھے کہ صدقہ فطر نکالو، اس کو

سمنی نے ذکر کیا ہے (عبدالرزاق نے اس حدیث کی سند صحیح کے ساتھ تخریج کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن ثعلبہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید سے ایک یا دو دن پہلے خطبہ دیا اور فرمایا کہ دو آدمیوں کی طرف سے ایک صاع گیہوں ادا کرو یا ہر شخص کی طرف سے ایک صاع کھجور یا جو دیا کرو، وہ آزاد ہو یا غلام، بڑا ہو یا چھوٹا (کذا فی الفتح)

و یجبو حدیث فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوۃ الفطر معناه قدر للاجماع علی ان مکثرها لا یکفر موسعا فی العمر عند اصحابنا وهو الصحیح بحر عن البدائع معللا بان الامر بادائها مطلق کزکوۃ علی قول کما مر ولو مات فادائها وارثه جاز وقیل مضیقا فی یوم الفطر عینا فبعده یكون قضاء واختاره الکمال فی تحریره و رجحه فی تنویر البصائر علی کل حر مسلم و لو صغیرا او مجنونا حتی لو لم یخرجها ولیهما وجب الاداء بعد البلوغ ذی نصاب فاضل عن حاجته الاصلیته کدینہ و حوائج عیالہ وان لم ینم کما مر

چنانچہ صدقہ فطر واجب ہے اور جس حدیث میں اس کو فرض کہا گیا ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کو اجماع کی وجہ سے مقرر کیا ہے صدقہ فطر کا منکر کافر نہیں ہے (البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک صدقہ فطر فرض ہے انہوں نے اسی فرض والی حدیث سے استدلال کیا ہے۔)

پھر صدقہ فطر اس طرح واجب ہے کہ زندگی میں کبھی بھی ادا کر سکتا ہے کیونکہ اس کی ہمارے تمام اماموں کے نزدیک گنجائش ہے اور یہی صحیح ہے اس کو بحرین بدائع کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ صدقہ فطر کی ادائیگی کا حکم مطلقاً ہے وقت کی کوئی قید نہیں ہے لہذا پوری زندگی کے کسی بھی حصہ میں ادا کرے گا تو وہ ادا ہی ہو گا قضا نہیں ہو گا، البتہ عید گاہ میں جانے سے پہلے ادا کرنا مستحب ہے جس طرح ایک قول میں زکوۃ کی ادائیگی میں بھی توسع ہے جیسا کہ پہلے گذرا۔

جس پر صدقہ فطر واجب تھا اگر وہ مر گیا اور اس کی طرف سے اس کے وارث نے صدقہ فطر ادا کر دیا تو یہ جائز ہے (جوہرہ نامی کتاب میں لکھا ہے کہ جس شخص کے ذمہ زکوۃ، صدقہ الفطر، یا کفارہ، یا نذر واجب ہو اور وہ فوت ہو جائے تو اس کے ترکہ سے نہیں لیا جائے گا، لیکن یہ کہ وارث بطور خود احسان کریں جب وہ اس لائق ہوں، ان پر اس کے لئے جبر نہیں کیا جائیگا۔ البتہ اگر مرنے والے نے وصیت کی ہے تو اس کے تہائی مال میں وصیت جاری ہوگی اور اس سے لیا جائیگا۔)

صحیح قول پہلے گذرا کہ صدقہ فطر زندگی کے کسی بھی حصہ میں ادا کرنے کی گنجائش ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ خاص عید کے دن کے ساتھ مقید ہے (یعنی اگر کوئی عید کے دن صدقہ فطر ادا نہیں کرے گا تو وہ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا جیسے قربانی کذا فی البدائع و شروح الدایہ، ابن الہمام نے اسی قول کو ترجیح دی ہے، کیونکہ یہ مطلق نہیں بلکہ مقید ہے ارشاد نبویؐ ہے۔) (اغنؤہم فی ہذا لیوم عن المسالۃ) غرباء کو عید کے دن مانگنے سے بے نیاز کر دو، لہذا اگر صدقہ فطر عید کے دن کے بعد ادا کرے گا تو وہ قضا ہو گا، بحر میں

ابن نجیم نے بھی اسی کی پیروی کی ہے، لیکن علامہ مقدسی نے لکھا ہے کہ عہد صحابہ میں بلکہ عہد نبوی میں صدقہ فطر عید کے ایک دو دن پہلے نکالا جاتا تھا اور ایسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ہوتا تھا جیسا کہ خود ابن الہمام نے لکھا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فطرہ عید کے دن کے ساتھ مقید نہیں ہے، اس لئے کہ اگر اس دن کے ساتھ مخصوص ہوتا تو عید سے پہلے نہیں ادا کیا جاتا جیسے قربانی ایام قربانی سے پہلے نہیں کی جاتی ہے باقی جس حدیث میں حکم ہے کہ فقراء کو اس دن مانگنے سے بے نیاز کر دو، یہ استحباب پر محمول ہے یعنی مستحب یہ ہے کہ عید کے دن ادا کر دیا جائے (کذا فی الثامی)

صدقہ فطر کن مسلمانوں پر ضروری ہے نصاب اس کی حاجت اصلہ سے اور اس کے اہل و عیال کی ضرورت سے زیادہ ہو جیسے دین وغیرہ، یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ نصاب نامی (بڑھے والا) بھی ہو، اگرچہ وہ نابالغ اور مجنون ہو) اس سے معلوم ہوا کہ صدقہ فطر غلام پر واجب نہیں ہے اور اسی طرح کافر کے ذمہ بھی نہیں، اگرچہ اس کا بیٹا اور غلام مسلمان ہوں، بدائع میں صراحت کی گئی ہے کہ صدقہ فطر کے وجوب کے لئے عقل اور بلوغ شرط نہیں ہے امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر نابالغ اور مجنون کے پاس مال ہو گا تو ان کا ولی ان کی طرف سے ان کے مال سے فطرہ نکالے گا، البتہ امام محمدؒ اور امام زقرؒ قائل ہیں کہ نابالغ اور مجنون پر صدقہ فطر واجب نہیں ہے ولی نکالے گا تو وہ ضامن قرار پائے گا۔ لیکن مفتی بہ قول کے مطابق اگر نابالغ اور مجنون کا ولی ان کی طرف سے ان کے مال سے صدقہ فطر ادا نہیں کرے گا تو بچہ کو بالغ ہونے کے بعد اور پاگل کو اچھے ہونے کے بعد نکالنا واجب ہو گا۔

وبہ ای بهذا النصاب تحرم الصدقة كما وتجب الاضحیه ونفقة المحارم علی الراجح وانما لم يشترط النمو لان وجوبها بقدره ممكنة هي ما يجب بمجرد التمكن من الفعل فلا يشترط بقاؤها لبقاء الوجوب لانها شرط محض لا بقدره ميسرة هي يجب بعد التمكن بصفة اليسر فغيرته من العسر الى اليسر فيشترط بقاؤها لانها شرط في معنى العلة وقد حررناه في ما علقناه على المنار ثم فرع عليه فلا تسقط الفطرة وكذا الحج بهلاك المال بعد الوجوب كما لا يبطل النكاح بموت الشهود بخلاف الزكوة والعشر واخراج لاشتراط بقاء الميسرة.

صاحب نصاب کا حکم جو شخص صدقہ فطر کے نصاب کا مالک ہو گا اس کے لئے صدقہ واجبہ لینا حرام ہوتا ہے جیسا کہ گذر چکا اور اسی نصاب کے مالک ہونے سے اس پر قربانی بھی واجب ہوتی ہے اور رشتہ داروں کا نفقہ بھی، رائج قول یہی ہے، (ان رشتہ داروں کا جو محتاج ہوں اور کمانے کی طاقت نہ رکھتے ہوں، باقی ماں باپ تو ان کا نفقہ اولاد کے ذمہ ہر حال میں ہے اگر وہ کماتا ہو خواہ نصاب کا مالک ہو یا نہ ہو۔

صدقہ فطر کے وجوب کے لئے قدرت کا ہونا صدقہ فطر کے نصاب میں نامی ہونے کی شرط اس وجہ سے نہیں لگائی گئی کہ اس کا وجوب ممکنہ قدرت کی وجہ سے

سے ہوتا ہے اور قدرت ممکنہ وہ ہے جو محض فعل پر قادر ہونے کی وجہ سے واجب ہو اور یہی وجہ ہے کہ وجوب کے باقی رہنے کے لئے قدرت کا باقی رہنا شرط نہیں ہے اس لئے کہ یہ صرف شرط ہے۔

قدرت کی قسمیں (وہ قدرت جس کی بنیاد پر آدمی مامور بہ ادا کر سکے دو قسم پر ہے ایک وہ قدرت جس کے ساتھ تو نگری (مالداری) معتبر نہیں ہے اس کو قدرت مطلقہ اور قدرت ممکنہ (یعنی قادر کرنے کی) قدرت کہتے ہیں اس قدرت کی وجہ سے آدمی اس چیز کی ادائیگی پر قادر ہو جاتا ہے جس کا اس کو حکم دیا گیا ہے جیسے صدقہ فطر کا نصاب قدرت ممکنہ ہے اور حج کا زاد اور زاحلہ (سواری اور توشہ) اور دوسری قسم وہ قدرت ہے جس کے لئے تو نگری بھی ہو، اس کو قدرت میسرہ یا کامل قدرت کہتے ہیں جیسے وہ نصاب جو نامی ہو۔

صدقہ فطر کے وجوب کے لئے قدرت میسرہ ہونا شرط نہیں ہے بلکہ قدرت ممکنہ کافی ہے قدرت میسرہ اسے کہتے ہیں کہ قدرت کے بعد سہولت کے ساتھ واجب ادا ہو یعنی اس قدرت نے اس کو دشواری سے سہولت کی طرف بدل دیا، یہی وجہ ہے کہ قدرت میسرہ کا باقی رہنا شرط قرار دیا گیا ہے چنانچہ یہ شرط بمعنی علت ہے، شارح کہتے ہیں کہ میں نے سنا کہ تغلیقات میں اس کو صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

صدقہ فطر اور حج کا واجب ہونا یہ بیان کرنے کے بعد مصنف نے قدرت ممکنہ اور قدرت میسرہ پر تفریع کی اور بتایا کہ فطرہ اور حج جب واجب ہو چکے ہیں تو پھر یہ دونوں مال کے ہلاک ہونے کے بعد ساقط نہیں ہوتے۔ جس طرح گواہوں کے انتقال کر جانے سے نکاح باطل نہیں ہوتا ہے، اس کے خلاف زکوۃ، عشر اور خراج ہے کہ ان میں قدرت میسرہ کا باقی رہنا شرط ہے چنانچہ اگر سال گزر جانے کے بعد مال ہلاک ہو جائے گا تو اس کے ذمہ سے زکوۃ بھی ساقط ہو جائے گی، البتہ اگر قصد مال ہلاک کر ڈالے گا تو زکوۃ ساقط نہیں ہوگی۔

عن نفسه متعلق بیجب و ان لم یصم لعذر و طفله الفقیر و الکبیر المجنون ولو تعدد الالباء فعلى كل فطرة و لوزوج طفلة الصالحة لخدمة الزوج فلا فطرة و الجدة کالاب عند فقده او فقره کما اختاره فی الاختیار و عبده لخدمته ولو مديونا او مستاجر او مرهونا اذا کان عنده وفاء بالدين و اما الموصى بخدمته لواحد و برقبته لاخر ففطرته على مالک رقبته کالعبد العارية و الودیعة و الجافی و قول الزیعی لا تجب سبق قلم فتح و مدبره وام ولده ولو کان عبده کافر التحق السبب و هو راس یمونه ویلی علیه۔

صدقہ کن لوگوں کی طرف سے ادا ہوگا صدقہ فطر اپنی طرف سے ادا کرنا واجب ہے گو اس نے کسی عذر شرعی کی وجہ سے روزہ نہیں رکھا ہو، اور اپنے چھوٹے (نابالغ) محتاج بچے بچی کی طرف سے، اور اس نابالغ بچے بچی کی طرف سے جو پاگل ہو۔ (لیکن جو بچہ یا پاگل مال والا ہو گا اس کا فطرہ خود اس کے مال سے دیا جائے گا۔

اگر کسی بچے کے کئی باپ ہوں تو ہر ایک باپ پر اس کی طرف سے فطرہ دینا واجب ہوگا (اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ کسی

گرے پڑے ہوئے (لقیط) بچہ پر دو آدمی دعویٰ کریں کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اس صورت میں دونوں اس کی طرف سے فطرہ ادا کریں) اور اگر اپنی ایسی نابالغ لڑکی کا نکاح کر دیا ہے جو اپنے شوہر کی خدمت کے لائق ہے تو اس نابالغ لڑکی کا فطرہ باپ پر ادا کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں اس کا بار بوجھ باپ پر نہیں ہے۔

اور جب کسی کا باپ نہ ہو تو اس کا دادا اس کے باپ کی جگہ ہو گا۔ اس کو اختیار ثانی کتاب میں پسند کیا گیا ہے کیونکہ اس صورت میں اس کی تولیت دادا کو ہی حاصل ہو گی۔

اور اپنے خدمت میں غلام کی طرف سے بھی صدقہ فطر دینا واجب ہے خواہ غلام قرضدار ہو، یا اجارہ پر لگا ہوا ہو، یا رہن رکھا ہوا ہو، مگر راہن کے پاس دین کے ادا کرنے کی قدرت ہو (مراد یہ ہے کہ دین کے علاوہ وہ مالک نصاب بھی ہو) اور ایسا غلام جس کی خدمت کی وصیت تو ایک شخص کیلئے کی ہو اور اس کی ملکیت کی وصیت دوسرے شخص کے لئے تو اس صورت میں اس کی طرف سے صدقہ فطر مالک رقبہ پر واجب ہو گا، جس طرح عاریت یا ودیعت کا غلام یا وہ غلام جس نے کسی کا جرم کیا ہے ان سب کا فطرہ غلام کے مالک کے ذمہ ہوتا ہے، یہ جرم اس نے خواہ عمد کیا ہو خواہ خطا کیونکہ اس وجہ سے غلام سے مالک کی ملکیت زائل نہیں ہوتی ہے، اور زیلعی نے جو لکھ دیا ہے کہ ایسے غلاموں کی زکوۃ مالک پر واجب نہیں ہوتی ہے وہ غلط ہے یہ زیلعی کے قلم سے غلطی سے لکھ دیا گیا ہے (بعض علماء نے اس کی تاویل کی ہے اور اس کی صورت دوسری بتائی ہے)۔

صدقہ فطر اپنے مدبر غلام اور ام ولد کی طرف سے بھی نکالنا واجب ہے گو غلام کافر ہی کیوں نہ ہو کیونکہ سب وجوب پایا جاتا ہے کہ آقا اس کے نان نفقہ کا بوجھ اٹھاتا ہے اور وہ اس کا ولی ہے۔

لَا عَنْ زَوْجَتِهِ وَوَلَدِهِ الْكَبِيرِ الْعَاقِلِ وَلَوْ أَدَّى عَنْهُمَا بِلَا أَذْنِ اجْزَاءِ اسْتِحْسَانًا لِلْأَذْنِ عَادَةً
اِیْ لَوْ فِی عِیَالِهِ وَ الْاَفْلَاقِ قَهْشْتَانِی وَعَبْدُهُ الْاَبْقِ وَالْمَاسُورِ وَالْمَغْصُوبِ الْمَحْجُودِ اِنْ لَمْ تَكُنْ
عَلِیْهِ بَیْنَةُ خِلَاصَةٍ الْاَبْعَدُ عَوْدَهُ فِیْجِبُ لِمَا مَضٰی وَلَا عَنْ مَكَاتِبِهِ وَلَا تَجِبُ عَلَیْهِ لَانْ مَا فِیْ یَدِهِ
لَمْوَلَاہ۔

اپنی بیوی اور اپنی بڑی (بالغ عاقل) اولاد کی طرف سے صدقہ فطر نکالنا واجب نہیں ہے (بیوی کی طرف سے اس لئے واجب نہیں ہے کہ شوہر کو اس پر ولایت تامہ حاصل نہیں ہے بلکہ اس کو صرف زوجیت کے حقوق حاصل ہوتے ہیں اور اولاد عاقل و بالغ گو وہ لپاچ ہو اور اس کا نان و نفقہ باپ کے ہی ذمہ ہو ان کی طرف سے صدقہ فطر نکالنا اس لئے واجب نہیں ہے کہ باپ کو اس پر ولایت حاصل نہیں ہوتی، وہ خود اپنا مالک ہے۔

لیکن اگر شوہر بیوی کی طرف سے اور باپ بالغ عاقل اولاد کی طرف سے ان کی اجازت کے بغیر صدقہ فطر نکال دے گا تو وہ اس کی طرف سے استحسانا کافی ہو جائے گا کیونکہ عادتاً اس کی طرف سے اس وقت اجازت ہوتی ہے جب وہ ان کی پرورش میں ہوں ورنہ نہیں، کذا فی القہستانی عن المحیط)

جو غلام بھاگ چکا ہے اس کی طرف سے صدقہ فطر نکالنا آقا پر واجب نہیں ہے کیونکہ اس وقت اس کو اس پر ولایت حاصل

نہیں ہے اسی طرح قیدی غلام کی طرف سے بھی واجب نہیں کیونکہ اس میں وہ تصرف نہیں کر سکتا ہے اور نہ ایسے غصب کے ہوئے غلام کی طرف سے نکالنا واجب ہے جس کا غصب کر نیوالا انکار کر رہا ہو، اور اس کے پاس شاہد نہیں ہیں۔ کذا فی الخلاصہ

مگر جب بھاگا ہو غلام واپس آجائے گا تو لوٹ آنے کے بعد گزشتہ سالوں کا بھی فطرہ نکالنا واجب ہوگا۔ اسی طرح مکاتب غلام کی طرف سے بھی صدقہ فطر نکالنا واجب نہیں ہے اور نہ خود اس مکاتب پر نکالنا واجب ہے کیونکہ مکاتب کے قبضہ میں جو چیز ہے وہ حکماً مولیٰ کی ہے (جب تک مکاتب غلام کے ذمہ ایک درہم بھی باقی ہے غلام کے ہی حکم میں ہے) مشترک غلام کی طرف سے بھی صدقہ فطر نکالنا واجب نہیں ہے (کیونکہ ہر شریک کی ولایت اور اس پر اس کا بار بوجھ ناقص ہے یہ امام اعظم کا قول ہے صاحبین کہتے ہیں کہ دونوں شریکوں میں سے ہر ایک شریک پر پورے غلام کا فطرہ واجب ہوتا ہے۔

مگر مشترک غلام کی طرف سے فطرہ اس وقت آقا کے ذمہ واجب ہوتا ہے جب وہ دو شخصوں کے درمیان مشترک ہو اور دونوں باری باری اس سے خدمت لیتے ہوں اور ہر ایک کی باری میں وجوب کا وقت پایا جاتا ہو اور وہ وقت یوم الفطر طلوع فجر ہے۔

وعید مشترکۃ الا اذا کان عبدین اثین وتہایاہ ووجد الوقت فی نوبۃ احدہما فتجب وتوقف الوجوب لو کان المملوک مبیعا بخیار فاذا امر یوم الفطر والخیار باق تلزم علی من یصیر لہ۔

اگر غلام کو خیار شرط کے ساتھ بیجا گیا ہے تو اس کی طرف سے صدقہ فطر نکالنے کا وجوب موقوف رہے گا، البتہ جب عید کا دن گزر جائے گا اور خیار شرط بھی باقی ہو گا تو اس صورت میں اس شخص پر فطرہ واجب ہو گا جس کا وہ غلام قرار پائے گا (یہ خیار شرط خواہ بیچنے والے کو حاصل ہو خواہ خریدار کو یا دونوں کو یہاں صدقہ فطر کو اس لئے موقوف رکھا گیا ہے کہ ملکیت کے متعلق قطعی کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا ہے۔ لیکن اگر خیار شرط نہ ہو اور یوم الفطر کے بعد قبضہ ہو جائے تو فطرہ خریدار پر لازم ہو گا اور اگر ابھی اس پر قبضہ نہیں ہوا تھا کہ وہ مر گیا تو کسی پر بھی واجب نہیں ہو گا، اور اگر وہ عیب یا خیار رویت کی وجہ سے واپس ہوا ہے تو پھر بیچنے والے پر ہی واجب ہو گا۔

نصف صاع فاعل یجب من براودقیقہ او سویقہ اوزیب وجعلاہ کالتمر وهو روايتہ عن الامام وصحہا البہنسی وغیرہ وفی الحقائق والشرنبلالیۃ عن البرہان وبہا یفتی اوصاع من تمر او شعیر ولو ردینا ومالم ینص علیہ کذرة وخبز یعتبر فیہ القیمۃ۔

فطرہ کی مقدار صدقہ فطر کی مقدار ہر ایک کی طرف سے نصف صاع گیہوں یا اس کا آٹیا ستو ہے، یا آدھا صاع کشمش ہے اور صاحبین نے کہا کہ کشمش کی مقدار ایک صاع ہے، جس طرح کھجور کی مقدار ایک صاع ہے، اور امام ابو حنیفہ سے بھی ایک روایت یہی آئی ہے اور بہنسی وغیرہ سے اسی کی تصحیح کی ہے اور حقائق اور شرنبلالیہ میں برہان سے نقل کیا گیا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے اور صدقہ فطر کھجور اور جو سے ایک صاع ہے اگرچہ وہ ردی قسم کا ہو (مطلب یہ ہے کہ دینا تو چاہئے اچھا، لیکن اگر خراب قسم کا بھی دیدے گا تو بھی ادا ہو جائے گا اس لئے کہ اچھے ہونے کی قید نہیں لگائی گئی ہے اور اگر گیہوں اور جو ملے ہوں تو ان میں سے جس کی مقدار زیادہ ہو اس کا حکم لگایا جائے گا، اگر گیہوں زیادہ ہے تو آدھا صاع اور اگر جو کا حصہ غالب ہو تو ایک صاع لیکن جو یا

گیہوں ایسا خراب نہ ہو جو کھانے کے قابل نہ ہو، یا اس میں بد بو ہو، اس صورت میں اچھے اور ذریعہ تقسیم کے غلہ کی قیمت لگا کر فطرہ ادا کرے گا) اور اگر ایسا غلہ فطرہ میں دے جس کی حدیث میں صراحت نہیں آئی ہے جیسے مکئی اور روٹی تو اس کی قیمت کا اعتبار ہوگا، یعنی اس وقت بازار میں جو قیمت نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو کی ہوگی اس قیمت کی مکئی یا دو سرا غلہ دیدینے سے فطرہ ادا ہو جائے گا (بدائع میں ہے کہ جس غلہ کی حدیث میں صراحت آئی ہے ان غلوں میں سے بعض کو بعض کی جگہ قیمت کے اعتبار دینا جائز نہیں ہے، خواہ جس چیز کے بدلے میں دیا ہے وہ اس کے جنس سے ہو یا بخلاف جنس سے ہو مثلاً گیہوں کی قیمت کے اعتبار سے گیہوں دے جیسے نصف صاع اچھے گیہوں کی قیمت لگا کر اس کے بدلے ایک صاع گیہو دے یا نصف صاع گیہوں کی قیمت لگا کر اس قیمت کے برابر نصف صاع کھجور یا جو دے دونوں صورتوں میں کوئی جائز نہیں ہے، گو نصف صاع گیہوں کی قیمت میں نصف صاع کھجور ملتا ہو۔

وہوای الصاع المعبر مایسع الفاو اربعین درهما من ماش او عدس انما قدر بهما لتسا ویہما کیلا ووزنا ودفع القيمة ای الدراهم افضل من دفع العین علی المذهب المفتی بہ جوہرہ و بحر عن الظہیریۃ و هذا فی السعة و اما فی الشدة فدفع العین افضل کما لا ینحی بطلوع فجر الفطر متعلق یجب فمن مات قبلہ ای الفجر او ولد بعدہ او اسلم لاتجب علیہ ویستحب اخراجہا قبل الخروج الی المصلی بعد طلوع فجر الفطر عملاً بامرہ و فعلہ علیہ الصلوۃ والسلام و صبح اداؤہا اذا قدمہ علی یوم الفطر او اخرہ اعتباراً بالزکوۃ والسبب موجود اذہو الراس بشرط دخول رمضان فی الاول ای مسئلۃ التقديم هو الصحيح وبہ یفتی جوہرۃ و بحر عن الظہیریۃ لکن عامۃ المتون والشروح علی صحتہ التقديم مطلقاً و صححہ غیر واحد و رجحہ فی النہر ونقل عن الولوالجیۃ انہ ظاہر الروایۃ قلت فکان ہو المذهب۔

جس صاع کا شریعت میں اعتبار ہے وہ برتن ہے جس میں ایک ہزار چالیس درہم وزن کے برابر ماش یا مسور سماتا ہو (صاع چار مد کا ہوتا ہے اور مد دور طل کا، اور رطل آدھے من کا اور من دو سو ساٹھ درہم کا اور استار سے چالیس استار کا اور استار درہم کے وزن سے ساڑھے چار مثقال کا، اس وقت مفتی بہ قول کے مطابق نصف صاع ایک کلو ساڑھے چھ سو گرام کے برابر ہوتا ہے۔

قابل اعتبار صاع

صاع کا اندازہ اس اور مسور سے اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ دونوں غلے وزن اور ناپ دونوں میں برابر آتے ہیں، ایک پیانہ میں مسور جتنے وزن کا ہو گا دوسرے مسور بھی اس پیانہ میں اتنا ہی ہو گا یہی حال ماش کا ہے، گویا ان دونوں غلوں کے دانے ٹھوس ہوتے ہیں کوئی ہلکا اور کوئی بھاری نہیں ہوتا، اس کے برعکس گیہوں وغیرہ ہیں کہ اس کے ناپ اور وزن میں فرق پڑ جاتا ہے۔

صدقہ فطر میں متعین چیز دینے سے بہتر یہ ہے کہ اس کی قیمت دی جائے، تاکہ فقیر اس سے اپنی ضرورت اپنی خواہش کے مطابق آسانی کیساتھ پوری کر سکے مفتی بہ قول یہی ہے کہ بحر الرائق

صدقہ فطر میں نقد دینا

اور جو ہرہ نیرہ میں ایسا ہی ہے (اس کے مقابل دوسرا قول وہ ہے جو مضمرات نامی کتاب میں مذکور ہے کہ ہر صورت میں گیہوں دینا

افضل ہے اس لئے کہ یہ سنت کے مطابق ہے مگر صاحب در مختار نے یہاں قیمت والے قول کو ترجیح دی ہے (البتہ وہ کہتے ہیں کہ قیمت دینا افضل ارزانی کے زمانہ میں ہے لیکن جب غلہ کی گرانی اور نایابی کا زمانہ ہو تو خود معین شی (گیہوں وغیرہ) کا دینا ہی افضل ہوگا

صدقہ فطر عید کی صبح صادق نمودار ہوتے ہی واجب ہو جاتا ہے (اور امام شافعی کے نزدیک رمضان کے آخری دن کے آفتاب غروب ہونے پر واجب ہوتا ہے) (کذا فی البدائع لہذا جو شخص اس صبح صادق سے پہلے مر جائے گا یا صبح صادق کے بعد پیدا ہوگا یا اسلام لائے گا، ان پر صدقہ فطر واجب نہیں ہوگا، کیونکہ واجب ہونے کے وقت یہ لوگ صدقہ کی اہلیت نہیں رکھتے تھے (یہی حکم اس شخص کا بھی ہے جو اس صبح صادق کے پہلے فقیر ہو جائے یا مالدار ہو جائے فقیر ہونے کی صورت میں واجب نہیں رہے گا اور مالدار ہونے کی صورت میں واجب ہو جائے گا گو پہلے سے نہ رہا ہو۔

فطرہ نکالنے کا مستحب وقت مستحب یہ ہے کہ عید گاہ جانے سے پہلے اور عید کی صبح صادق کے بعد صدقہ فطر نکال دے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور فعل پر عمل ہو سکے، عہد نبوی میں یہی طریقہ تھا اور آپ اسی کا حکم دیا کرتے تھے، اور خود بھی اسی پر عمل کرتے تھے لیکن اگر کوئی عید کے دن سے پہلے ایک دو دن پہلے فطرہ نکال دے گا تو یہ بھی جائز ہے اور عید کے بعد نکالے گا تو بھی درست ہے جس طرح زکوۃ میں تقدیم و تاخیر جائز ہے کیونکہ صدقہ فطر کا سبب دونوں صورتوں میں موجود ہوتا ہے اور وہ سبب ہے آدمی کا ان دونوں میں موجود ہونا (بخاری کی حدیث ہے کہ صحابہ کرام عید سے ایک دو دن پہلے فطرہ نکال دیا کرتے تھے، اور یقیناً یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں بھی ہوگا) مگر رمضان کا داخل ہونا شرط ہے یعنی عید کے پہلے فطرہ ادا کرنا جائز ہے مگر رمضان سے پہلے ادا کرنا جائز نہیں ہے، اسی پر فتویٰ ہے، ظہیر یہ سے بحر الرائق اور جوہرہ میں ایسا ہی نقل کیا گیا ہے۔

لیکن متن اور شروح کی عام کتابیں اس بات پر متفق ہیں کہ عید اور رمضان دونوں سے پہلے بھی فطرہ ادا کرنا درست ہے بہتوں نے اس قول کی تصحیح بھی کی ہے بلکہ نہر الفائق میں اس کو ترجیح دیا گیا ہے اور الواجبیہ سے نقل کیا ہے کہ یہی ظاہر الروایۃ ہے شارح کہتے ہیں کہ میری رائے یہ ہے کہ یہی ظاہر مذہب بھی ہے مخطاوی نے لکھا ہے کہ جس پر فتویٰ ہوتا ہے وہ ظاہر الروایۃ سے مقدم ہوتا ہے لہذا رمضان کے اندر نکالنا ضروری ہے جیسا کہ اوپر گذرا۔

وجاز دفع کل شخص فطرته الی مسکین او مساکین علی ما علیہ الا کثر وبہ جزم فی الولوالجیۃ والخانیۃ والبدائع والمحیط وتبعہم الزیلعی فی الظہار من غیر ذکر خلاف وصحہ فی البرہان فکان ہو المذہب کتفریق الزکوۃ والامر فی حدیث اغنوم المنذب فیفید الاولویۃ ولذا قال فی الظہیریۃ لا یکرہ التأخیر ای تحریمہ کما جاز دفع صدقۃ جماعۃ الی مسکین واحد بلا خلاف یعتد بہ خلطت امرأۃ امرها زوجها بآداء فطرته حنطۃ بحنطتها بغیر اذن الزوج ودفعت الی فقیر جاز عنها لاعنه لمامر ان الابخلاط عند الامام استہلاک یقطع حق صاحبه و عندهما لا یقطع فیجوز ان جاز الزوج ظہیریۃ ولو بالعکس قال فی

النهر لم اره ومقتضى مامر جوازه عنهما بلا اجازتها .

فطرہ کس کو دے ہر شخص کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنا فطرہ ایک یا چند مساکین کو دے اکثر مشائخ کا قول یہی ہے اور اسی پر (الواجبہ) خانیہ، بدائع اور محیط نے جزم کا اظہار کیا ہے اور اسی قول کا زیلعی نے باب الظہار میں (اختلاف کے ذکر کئے بغیر) اتباع کیا ہے اور برہان میں اسی کو صحیح کہا ہے چنانچہ مذہب یہی صحیح ہے جیسے زکوۃ میں درست ہے کہ ایک مسکین کو دے یا چند کو۔

ایک حدیث اور اس کا مفہوم اور حدیث نبویؐ میں جو امر آیا ہے اغنوہم الخ (مساکین کو بے نیاز کر دو) یہ استحباب کیلئے ہے اور اور یہ اولویت کا فائدہ دیتا ہے اور اسبوجہ سے فتاویٰ ظہیریہ میں کہا گیا ہے کہ فطرہ میں تاخیر کرنا مکروہ تحریمی نہیں ہے (اغنوہم والی حدیث کو دارقطنی ابن ابی عدی اور حاکم نے علوم الحدیث میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ان لفظوں کے ساتھ روایت کیا ہے اغنوہم عن الطواف فی ہذا یوم (فقیروں اور مسکینوں کو اس دن میں در بدر پھرنے سے بے نیا کر دو) مقصد یہ ہے کہ عید کے دن سے پہلے نکال کر غریبوں تک پہنچا دو پس معلوم ہوا کہ عید سے فطرہ کا موخر کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور استحباب کے خلاف ہے۔

فطرہ ایک یا چند مساکین کو دینا اسی طرح درست ہے جس طرح بلا قابل اعتبار اختلاف کے ایک جماعت کا اپنا فطرہ ایک مسکین کو دیدینا جائز ہے۔

دوسرے کے فطرہ کو اپنے فطرہ میں بلا اجازت ملانے کا نقصان کسی عورت کو اس کے شوہر نے فطرہ کے ادا کر دینے کا حکم دیا اس نے شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے فطرہ کو اپنے فطرہ میں ملا دیا اور کسی فقیر کو دیدیا تو یہ دینا عورت کی طرف سے درست ہو گا مرد کی طرف سے درست نہیں ہو گا۔

کیونکہ مرد نے بیوی کو حکم دیا تھا کہ وہ اس کے مال سے اس کا فطرہ ادا کر دے لیکن جب عورت نے مرد کا فطرہ دینے سے پہلے اپنے فطرہ میں ملا دیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک ملنے کی وجہ سے وہ ہلاک کے حکم میں ہو گیا، اور اسکی مالک عورت ہو گئی چنانچہ عورت کے ذمہ اتنے اناج کا ضمان لازم آئے گا لیکن صاحبین کے نزدیک مذکورہ صورت میں بھی مرد کی طرف سے فطرہ ادا ہو جائے گا اور اس نے اجازت دیدی تھی بکذا فی الظہیریہ۔

اور اگر اس کے برعکس صورت پیش آئی ہو کہ عورت نے شوہر سے کہا کہ میرا فطرہ ادا کر دو اور مرد نے عورت کے فطرہ کا غلہ اپنے فطرہ کے غلہ میں سے ملا دیا اور پھر فقیر کو دیدیا تو صاحب نہر کہتے ہیں کہ مسئلہ کی اس صورت کے متعلق حکم میں نے کہیں نہیں دیکھا لیکن سابق میں جو کچھ مذکور ہوا اسکا مقتضایہ ہے کہ عورت اور شوہر دونوں کی طرف سے عورت کی اجازت کے بغیر صدقہ فطر ادا ہو جانا چاہئے۔

ولا یبعث الامام علی صدقۃ الفطر ساعیا لانه علیہ السلام لم یفعلہ بدائع و صدقۃ
الفطر کالزکوۃ فی المصارف وفی کل حال الا فی جواز الدفع الی ذمی وعدم سقوطها

هلاک المال وقدمر ولو دفع صدقة فطره الى زوجة عبده جاز وان كانت نفقتها عليه عمدة الفتاوى للشہید خاتمة واجبات الاسلام سبعة الفطرة ونفقة ذی رحم ووتر واضحية وعمرة وخدمة ابويه والمرأة لزوجها حدادی.

فطرہ کی وصولی صدقہ فطر وصول کرنے کیلئے امام کسی محصل کو نہیں بھیجے گا اس لئے کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا ہے کما فی البدائع (یعنی یہ ثابت نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ میں کسی آدمی کو مقرر کیا ہو اور وہ گشت کر کے گھر گھر سے فطرہ وصول کر کے لاتا ہو۔

مصارف فطرہ مصارف کے باب میں فطرہ تمام حالات میں زکوۃ کی مانند ہے (یوں شرائط زکوۃ فطرہ کے الگ الگ ہیں مثلاً زکوۃ میں حولان حول (سال گذرنا) نصاب کا نامی ہونا اور عاقل و بالغ ہونا شرط ہے اور فطرہ میں ان شرائط میں سے کوئی شرط بھی نہیں ہے لہذا تمام حالات کی مراد یہاں یہ ہے کہ جس طرح زکوۃ میں نیت اور تملیک شرط ہے اسی طرح فطرہ میں بھی شرط ہے۔

زکوۃ و فطرہ کا فرق مگر زکوۃ اور فطرہ میں یہ فرق ہے کہ فطرہ ذمی کافر کو دینا جائز ہے اور مال کے ہلاک ہونے سے فطرہ ساقط نہیں ہو گا لیکن زکوۃ کا ذمی کافر کو دینا جائز نہیں ہے اور مال کے ہلاک ہونے سے زکوۃ ساقط ہو جاتی ہے۔

فطرہ کے متعلق خانہ میں ہے کہ ذمی کو فطرہ دینا جائز ہے اور امام شافعی کے نزدیک مکروہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ناجائز اور حاوی میں ہے کہ فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے یعنی ذمی کو فطرہ دینا ناجائز نہیں ہے۔ اپنے غلام کی بیوی کو صدقہ فطر دینا جائز ہے گو اس غلام کی بیوی کا نفقہ مولیٰ کے ذمہ ہی کیوں نہ ہو کذا فی عمدۃ الفتاویٰ للشہید۔

قاعدہ میں غلام کی بیوی کا نفقہ غلام کے ذمہ ہوتا ہے لیکن اگر آق تبرعاً اپنے ذمہ لے لے تو وہ اس کے زیر پرورش ہو جاتی ہے۔

اسلام کے واجبات سات ہیں۔

واجبات اسلام

(۱) فطرہ (۲) رشتہ دار کا نفقہ

(۳) نماز و وتر (۴) قربانی

(۵) عمرہ (۶) ماں باپ کی خدمت

(۷) عورت کے ذمہ شوہر کی خدمت کذا فی الحدادی۔

مگر یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ یہی سات واجبات ہیں اس کے علاوہ نہیں ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ بھی واجبات ہیں داخل ہیں۔

کتاب الصوم

قيل لو قال الصيام لكان اولى لمافى الظهيرية ولو قال الله على صوم لزمه يوم ولو قال صيام لزمه ثلاثة ايام كما فى قوله تعالى ففدية من صيام و تعقبان الصوم له انواع على ان ال تبطل معنى الجمع والاصح ان لا يكره قول رمضان .

روزہ کے احکام و مسائل

روزہ اسلام کے بنیادی پانچ میں سے ایک اہم رکن ہے، اس پر عمل کرنے سے نفس امارہ مغلوب ہوتا ہے اور تقویٰ و طہارت کو تقویت حاصل ہوتی ہے مسلمان خدا کے حکم سے صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جماع سے رکارتا ہے، رمضان تیس یا اسی دن کا ہوتا ہے اور اس کا موسم بھی بدلتا رہتا ہے، کبھی سردی کے موسم میں آتا ہے اور کبھی گرمی کے موسم بھی، کبھی دن بڑا ہوتا ہے اور کبھی چھوٹا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی الاسلام علی خمس شہادت ان لا الہ الا اللہ وان محمد عبده ورسوله و اقام الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ و الحج و صوم رمضان۔

شرح کہتے ہیں اگر کتاب الصوم کی جگہ کتاب الصیام کہتے تو بہتر ہوتا کیونکہ فتاویٰ ظہیریہ میں ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ اللہ کے واسطے مجھ پر روزہ ہے، تو اس صورت میں اس پر ایک روزہ لازم ہوگا، اور اگر کہے کہ اللہ کے واسطے مجھ پر روزے ہیں، تو اس صورت میں اس پر تین روزے لازم ہوں گے، جیسا کہ قرآ پاک میں ہے ففدية من صيام کہ بدلے میں روزے ہیں، یہاں جمع کے لئے صیام کا لفظ لایا گیا ہے۔

اس اوپر والے قول پر اعتراض کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ روزے کی متعدد نوعیتیں ہیں ماحصل یہ ہے کہ صوم کہنا بھی درست ہے کہ یہ لفظ اسم جنس ہے اور اس کا اطلاق اس کی تمام قسموں پر ہوتا ہے۔

بغیر لفظ شہر کے صرف رمضان بولنا مکروہ نہیں جن لوگوں نے کراہت ثابت کی ہے وہ صحیح نہیں ہے حدیث میں صراحتاً مذکور ہے ”من صام رمضان ايمانا واحتسابا غفر له ماتقدم من ذنبه و ماتاخر“ دوسری حدیث میں ہے ”عمرة في رمضان تعدل حجة“ ان احادیث میں لفظ شہر کے بغیر رمضان کا لفظ آیا ہے۔

وفرض بعد صرف القبلة الى الكعبة لعشر في شعبان بعد الهجرة بسنة ونصف هو لغة امساك مطلقا وشرعا امساك عن المفطرات الاتية حقيقة او حكما كمن اكل ناسيا فانه ممسك حكما في وقت مخصوص وهو اليوم من شخص مخصوص مسلم كائن في دارنا

او عالم بالوجوب طاهر عن حیض ونفاس مع النية المعهودة و اما البلوغ و الافاقة فليس من شرط الصحة لصحة صوم الصبی و من جن او اغمی علیه بعد النية و انما لم یصح صوم مهمالی اليوم الثانی لعدم النية و حکمه لیل الثواب و لو منہا عنه کما فی الصلوة فی ارض مفسوبة و سبب صوم المنذور النذر و لذالوعین شهر او صام شهرا قبله عنه اجزاه لوجود السبب ویلغوا التعمین و الکفارات الحث و القتل و رمضان شهوة جزء من الشهر من لیل او نهار علی المختار کما فی الجنزیه و اختار فخر الاسلام و غیره الہ الجزء الذی یمکن انشاء الصوم فیہ من کل يوم حتی لو افاق المجنون فی لیلۃ او فی آخر آیامہ بعد الزوال لا قضاء علیہ و علیہ الفتوی کما فی المجتبی و النهر عن الدراية و صححه غیر واحد و هو الحق کما فی الغایة

روزہ کی فرضیت روزہ اس وقت فرض ہوا جب قبلہ بجائے بیت المقدس کے کعبۃ اللہ قرار پایا یعنی دسویں شعبان کو ہجرت نبوی کے ڈیڑھ برس بعد صوم کے معنی لغت میں مطلقاً کسی چیز سے باز رہنا اور رکنا ہے اور شریعت میں صوم ان افطار کرنے والی چیزوں سے باز رہنے کو کہتے ہیں جن کی تفصیل آگے آرہی ہے، یہ باز رہنا حقیقتہً ہو کہ بالکل نہ کھائے نہ پیے یا حکماً ہو کہ بھول کر کھاپی لیا تو قصد ایسا نہ کیا ہو، یہ نہ کھانے کے ہی حکم میں ہے (کیونکہ شریعت میں بھول سے کھانے کا اعتبار نہیں کیا) یہ افطار کرنے والی چیزوں سے باز رہنا وقت مخصوص میں ہو یعنی صبح صادق کے ذرا پہلے سے لے کر آفتاب کے غروب ہونے تک اور یہ باز رہنا روزہ کی نیت کے ساتھ اس مخصوص شخص کا ہو جسکو مسلمان کہتے ہیں جو دارالاسلام میں رہتا ہو، یا کہیں بھی رہتا ہو مگر وہ روزہ کے فرض ہونے کا علم رکھتا ہو، اگر عورت ہو تو اس کیلئے حیض و نفاس سے پاک ہونا بھی ضروری ہے۔ روزہ میں بالغ ہونے اور عقل کے درست ہونے کی شرط بھی نہیں ہے کیونکہ نابالغ بچہ کاروزہ اور اس شخص کا روزہ بھی درست ہے جو نیت کرنے کے بعد مجنون یا بے ہوش ہو گیا ہو البتہ مجنون اور بیہوش کا دوسرے دن کاروزہ درست نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ نیت نہیں پائی جاتی ہے (گویا روزہ کے درست ہونے کی تین شرطیں ہیں مسلمان ہونا، حیض و نفاس سے پاک ہونا اور نیت کا پایا جانا)۔ روزہ کا حکم یہ ہے کہ روزہ دار کو آخرت میں اس کا ثواب ملے گا، اگرچہ اس دن کے روزے سے رد کا گیا ہو، جس طرح غصب شدہ زمین میں بھی نماز پڑھنے کا ثواب ملتا ہے اور دنیا میں اس کا فائدہ یہ ہے

کہ فرض ذمہ سے ساقط ہو جائے گا (اور دوسرے فوائد بھی ہیں)

روزہ کا سبب منت مانے ہوئے روزے کا سبب منت مانتا ہے، چنانچہ اگر کوئی متعین مہینہ کے روزے کی منت مانے اور اس متعین مہینہ سے پہلے مہینہ میں وہ روزہ رکھ لے، تو چونکہ سبب یعنی نذر پایا جا رہا ہے اس لئے اس کا یہ روزہ رکھنا اس متعین ماہ کی طرف سے کافی ہو جائے گا، اور مہینہ کی متعین لغو قرار پائے گی اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی ہر ہفتہ میں دو شنبہ اور جمعرات کے دنوں میں روزہ کی منت مانے تو اس کے بدلے دوسرے دنوں میں بھی روزہ رکھ سکتا ہے۔

اور کفارے کے روزہ کا سبب قسم کا توڑنا ہے اور کسی جان کا غلطی سے مار ڈالنا یا حالت احرام میں شکار کا قتل کرنا ہے اور رمضان

کے روزہ کا سبب اس مہینہ کے کسی حصہ کا موجود ہونا ہے خواہ وہ رات کا ہو یا دن کا سر۔ حسی نے اسی کو مذہب مختار کہا ہے اور فخر الاسلام وغیرہ نے کہا ہے کہ ہر دن کا وہ حصہ سبب ہے جس میں روزہ کی ابتدا ممکن ہو، یعنی صبح صادق سے لے کر دوپہر کے دراپہلے تک کیونکہ نہ رات میں روزہ کی ابتداء ممکن ہے اور نہ خود دوپہر یا اس کے بعد میں۔

یہی وجہ ہے کہ اگر کسی پاگل کو رات میں یا آخر دن میں زوال کے بعد افاقہ ہو گیا تو اس پر قضاء نہیں ہے فتویٰ اسی قول پر ہے جیسا کہ مجتبیٰ اور نہر میں دوا یہ سے منقول ہے اور دوسرے بہت سے علماء نے اس کی تصحیح کی ہے اور یہی حق ہے جیسا کہ غایۃ میں ہے۔

وہو اقسام ثمانية فرض وہو نوعان معین **کصوم رمضان اداء و غیر معین کصومہ قضاء و صوم الکفارات** لکنہ فرض عملا لا اعتقاد او **لذا لا یکفر جاحدة قالہ البہنسی تبعاً لابن کمال و واجب وہو نوعان معین کالنذر المعین و غیر معین کالنذر المطلق و اما قوله تعالیٰ و لیوفاندورہم فدخلہ الخصوص کالنذر بمعصیۃ فلم یبق قطعاً و قیل قائلہ الا کمل وغیرہ واعتمده الشرنبلالی لکن تعقبہ سعدی بالفرق بان المنذورة لا تؤدی بعد صلوة العصر بخلاف الفائتة و هو فرض علی الاظهر کالکفارات یعنی عملاً لان مطلق الاجماع لا یفید الفرض القطعی کما بسطہ خسرو۔**

روزے کی قسمیں روزے کی آٹھ قسمیں ہیں ایک فرض ہے اس کی بھی دو قسمیں ہیں معین جیسے رمضان کا اداء روزہ اور غیر معین جیسے رمضان کا قضا روزہ اور کفاروں کے روزے لیکن کفارے کے روزے فرض عملی ہیں فرض اعتقادی نہیں ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ ان روزوں کے منکر کی تکفیر نہیں کی جائے گی قالہ البہنسی بحال ابن الکمال (بعضوں نے کہا ہے کہ نذر اور کفارہ کے روزے واجب ہیں ان کی فرضیت پر اجماع نہیں) اس لئے اس کا واجب میں ذکر کرنا مناسب تھا۔

دوسری قسم روزے کی واجب ہے اور اسکی بھی دو قسمیں ہیں ایک معین جیسے نذر معین کے روزے اور دوسری قسم غیر معین جیسے نذر مطلق کے روزے (معین اسے کہتے ہیں جس کا وقت مخصوص و متعین ہو مثلاً جمعرات کا روزہ یا کسی متعین تاریخ کا روزہ اور غیر معین وہ ہے جس کا کوئی وقت مقرر نہ ہو جیسے کسی بھی ایک یا چند دن کا روزہ) واجب میں نفل کے وہ روزے بھی داخل ہیں جن کو شروع کر کے توڑ ڈالا گیا ہو۔ یا نفل کی قضا کو فاسد کر دے، اور اسی کے ساتھ اعتکاف کے روزے بھی اس میں آتے ہیں۔

باقی قرآن پاک کی آیت و لیوفاندورہم (چاہئے کہ اپنی نذروں کو پوری کریں) اس پر خصوص داخل ہوا ہے کہ گناہ کی نذر اس میں سے نکال دی گئی ہے چنانچہ یہ حکم قطعی نہیں رہا، کیونکہ مخصوص البغض قطعی الدلالتہ نہیں ہوتا ہے۔

نذر کے متعلق مختلف رائے اور کہا گیا ہے کہ نذر فرض ہے شارح نے بتایا کہ اس کے قائل اکمل وغیرہ ہیں اور شرنبلالی نے اس قول پر اعتماد کیا ہے (مگر اکمل نے عنایہ شرع ہدایہ میں وجوب ثابت کیا ہے ہو سکتا ہے اس نے کہیں اور دوسری کتاب میں لکھا ہو) سعدی نے نذر کے فرض ہونے پر اس طرح اعتراض کیا ہے کہ نذر کی نماز عصر کی فرض کے بعد ادا نہیں کی جاتی ہے اور نماز فرض کی قضا عصر کی فرض کے بعد قضا ہوتی ہے اس سے معلوم ہوا

کہ اگر نذر کی نماز فرض ہوتی تو اس کا بھی عصر کے بعد ادا کرنا مکروہ نہیں ہوتا۔

اظہر روایات کی بنیاد پر نذر کے روزوں کو فرض کہا گیا ہے جیسے کفارات کے روزے فرض عملی ہیں اس لئے کہ مطلقاً نماز فرض قطعی کا فائدہ نہیں دیتا ہے، جیسا کہ اس کو خسرو نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔

ونفل کفیرهما يعلم السنة کصوم عاشوراء مع التاسع والمندوب کایام البیض من کل شهر ویوم الجمعة ولوفنفر د او موفه لو لحاج لم یضعفه والمکروه تحریمہ کا لعلین وتنزیہا کعاشوراء وحده وسبت وحده ونیروز ومهر جان ان تعمده وصوم دهر وصوم صمت و وصال وان افطر الايام الخمسة وهذا عند ابی یوسف کما فی المحيط۔

نفل روزے روزہ کی تیسری قسم نفل ہے اور یہ فرض و واجب کے سوا دوسرے تمام روزوں کو شامل ہے (یہاں نفل سے لغوی معنی مراد ہے جو زیادہ کے معنی میں آتا ہے، کبھی کہا جاتا ہے کہ نفل سے یہاں معنی شریعت مراد ہے کیونکہ جن دنوں کے روزے سے منع کیا گیا ہے ان دنوں کا روزہ بھی باعتبار اپنی ذات کے عبادت مستحسن ہے البتہ اس اعتبار سے کہ یہ دن ضیافت کے دن ہیں اور ان دنوں میں روزہ رکھنے کی صورت میں اس کی ضیافت سے روگردانی پائی جاتی ہے اس لئے ان دنوں میں روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے گویا یہ بھی اصل کے اعتبار سے مشروع ٹھہر اور صفت کے اعتبار سے مکروہ۔

نفل میں داخل قسمیں اس نفل میں مکروہ کی دونوں قسمیں بھی داخل ہیں اور یہ نفل سنت کو بھی شامل ہے جیسے دسوس محرم کا روزہ رکھنا نویں محرم کے ساتھ (جس کام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پابندی سے عمل کیا ہے یا آپ کے بعد خلفائے راشدین نے عمل کیا ہے وہ سنت ہے پھر سنت کی بھی دو قسمیں ہیں ایک سنن الہدی جس کا چھوڑنا برائی اور کراہت کا موجب ہے جیسے اذان اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا، دوسری قسم کو سنن زوائد کہی جاتی ہے جیسے قیام، قعود اور لباس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات شریفہ اختیار کرنا اس کا چھوڑنا موجب کراہت نہیں ہے عاشوراء کے روزہ کو قسم ثانی میں داخل کیا ہے بلکہ فتاویٰ خانہ میں اس کو مستحب کہا اور ایسا ہی بدائع میں بھی ہے۔

مستحب اور مندوب اور نفل مندوب کو بھی شامل ہے جیسے ہر مہینہ میں ایام بیض (۱۳-۱۴-۱۵) کا روزہ، یہ داننا رہے کہ اصولیوں کے نزدیک مستحب اور مندوب میں فرق نہیں یعنی وہ افعال جن میں آنحضرت ﷺ سے پابندی ثابت نہ ہو انقباء کے نزدیک دونوں میں فرق ہے کہ مستحب وہ ہے جس کو سرور کو نین ﷺ نے بھی کیا ہو اور کبھی چھوڑ دیا ہو، اور مندوب وہ ہے جس کو صرف ایک یا دو بار آپ نے جواز کی تعلیم کے لئے کیا ہو پھر نہ کیا ہو)

صرف جمعہ کا روزہ نفل جمعہ کے دن کے روزہ کو بھی شامل ہے اگرچہ صرف جمعہ کے ہی ایک دن کا روزہ رکھا گیا ہو (نہر الفائق اور بحر الرائق میں صراحت ہے کہ جمعہ کا اکیلا روزہ اکثر کے نزدیک مستحب ہے جس طرح پیر اور جمعرات کا روزہ مستحب ہے اور بعضوں نے صرف جمعہ کے دن کے ایک روزہ کو مکروہ کہا ہے اور خانہ میں کہ صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنے میں امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک کچھ مضائقہ نہیں ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس دن کا روزہ رکھتے تھے اور امام ابو یوسفؒ کا کہنا ہے کہ اس کی کراہت کے سلسلہ میں حدیث آئی ہے لہذا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ

ایک دن پہلے یا بعد کاروزہ ملائے۔

عرفہ کاروزہ اور نفل روزہ میں عرفہ (نویں ذالحجہ) کاروزہ بھی ہے کہ یہ روزہ حاجی رکھے جب کہ وہ روزہ کی وجہ سے کمزور نہ ہو، (اگر وقوف عرفات اور دعاؤں میں خلل انداز نہ ہو تو حاجی کے لئے بھی اس دن کاروزہ مکروہ نہیں ہوگا البتہ اگر اس کی وجہ سے کمزوری ہو تو حاجی کے لئے عرفہ کے دن کاروزہ رکھنا مکروہ ہے۔

مکروہ تحریمی و تنزیہی اور نفل مکروہ تحریمی کو بھی شامل ہے جیسے عیدین کاروزہ (اور دیگر ایام تشریق کاروزہ یعنی ۱۱/۱۲/۱۳ ذی الحجہ کا) اور نفل مکروہ تنزیہی کو بھی شامل ہے جیسے صرف عاشوراء کے دن کا ایک روزہ جس میں نویں یا گیارہویں کاروزہ نہ ملایا جائے اور سنیچر کے دن کا تنہا روزہ رکھنا اس میں یہود کیساتھ مشابہت ہے اور نیروز اور مہرجان کاروزہ اگر قصد رکھا جائے نیروز اس دن کو کہتے ہیں جس دن کا آفتاب برج حمل میں آئے اور مہرجان وہ دن ہے جس دن آفتاب میزان میں آئے یہ دونوں دن فارسیوں کے عید کے دن ہیں ان روزوں میں قصد اقصیٰ لگا کر یہ بتایا گیا ہے اگر کوئی ان دنوں میں پہلے سے بلا ارادہ مشابہت روزہ رکھتا رہا ہے تو اس کے لئے مکروہ نہیں ہوگا۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو روزہ نہیں رکھنا چاہئے، کہ مشابہت کا قصد سے یہ حرام ہو جاتا ہے۔

دوسرے مختلف روزے نفل کا لفظ اس روزے کو بھی شامل ہے جو مسلسل پوری عمر رکھا جائے اور اس روزہ کو بھی جس میں خاموشی اختیار کی جائے خاموشی (یعنی ایسا روزہ رکھے جس میں بولنا ترک کر دے ایسے روزہ میں بخوس کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے کیونکہ وہ روزے میں نہیں بولتے ہیں اور نفل صوم وصال کو بھی شامل ہے یعنی کئی دن مسلسل اس طرح روزہ رکھنا کہ درمیان میں افطار نہ کرے، یہ روزے بھی مکروہ ہیں لیکن عمر بھر روزہ اس طرح رکھنا جن دنوں میں روزے سے منع کیا گیا ان دنوں میں ترک کر دے تو پھر کراہت نہیں ہوگی۔ عمر بھر کے روزے کو مکروہ امام ابو یوسف کہتے ہیں اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کی وجہ سے واجبات کی ادائیگی اور کسب حلال میں ضعف طاری ہو جاتا ہے یا پھر اس کی عادت ثانیہ بن جاتی ہے اور روزہ رکھنے میں وہ کوئی مشقت محسوس نہیں کرتا ہے۔

فہی خمسة عشر و انواعه ثلثة عشر سبعة متتابعة رمضان و كفارة ظها و قيل ويمين و افطار رمضان و نذر معين و اعتكاف و اجب ستة يخير فيها نفل و قضاء رمضان و صوم متعة و فدية حلق و جزاء صيد و نذر مطلق.

نفل کے تحت آنے والے روزے نفل کے تحت جتنے روزے آئے ہیں ان کی مجموعی تعداد پندرہ ہے، (مکروہ تحریمی میں یوم الشک اور ایام تشریق کاروزہ رہ گیا، مترجم نے

ایام تشریق کا اضافہ کر دیا ہے، اور مکروہ تنزیہی میں عورت کاروزہ رکھنا شوہر کی اجازت کے بغیر درج ہونے سے رہ گیا ہے اسی طرح غلام کو بغیر مولیٰ کی اجازت کے اور اجیر کاروزہ رکھنا بغیر مستاجر کی اجازت کے باقی رہ گئے، اور مندوبات میں دو شنبہ اور جمعرات کاروزہ اور صوم داؤد رہ گیا یعنی ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن افطار کرے اور اس میں عید کے بعد جو چھ روزے رکھے جاتے ہیں وہ بھی رہ گئے جس کو شش عید کہتے ہیں قالہ الشامی۔

لازم روزوں کی تیرہ قسمیں ہیں سات قسم کے روزے مسلسل بلا فصل رکھے جائے ہیں۔ (۱) رمضان کے روزے (۲) کفارہ ظہار کے روزے (۳) کفارہ قتل کے روزے

لازم روزوں کے اقسام

(۴) کفارہ قسم کے روزے (۵) کفارہ افطار اور رمضان کے روزے (۶) نذر معین کے روزے (۷) اعتکاف واجب کے روزے اور چھ قسمیں وہ ہیں جن میں روزے رکھنے والے کو مسلسل رکھنے یا فصل کے ساتھ دونوں طرح رکھنے کا اختیار ہے (۱) نفل روزے (۲) قضاء رمضان کے روزے (۳) حج تمتع اور قرآن کے روزے جب ذبیحہ کی استطاعت نہ ہو، تین روزے یا مہینے جمع رکھے جاتے ہیں اور سات حج سے واپسی کے بعد (۴) سر منڈوانے کے فدیہ کے روزے (۵) شکار کے بدلہ کے روزے (۶) نذر مطلق کے روزے جس میں مہینہ متعین یا پے درپے کی قید نہ لگائی گئی ہو اور نہ نیت کی ہو۔

اذا تقرر هذا فيصح اداء صوم رمضان والنذر المعين والنفل بنية من الليل فلا تصح قبل للغروب ولا عنده الى الضحوة الكبرى لا بعدها ولا عندها اعتبار الاكثر اليوم وبمطلق النية اي نية الصوم فال بدل عن المضاف اليه وبنية نفل لعدم المزاحم بخطا في وصف كنية واجب آخر في اداء رمضان فقط لتعينه بتعيين الشارع.

اس تفصیل کے معلوم کرنے کے بعد روزہ کی نیت کے متعلق عرض ہے کہ ادائے رمضان نذر معین اور نفل روزے کی نیت رات سے لیکر آدھے شرعی دن تک کی جاسکتی ہے اس نیت سے روزہ درست ہو گا ادائے رمضان کی قید اس لئے لگائی کہ رمضان کا روزہ بطور اداء رمضان میں ہوتا ہے اور کبھی رمضان کا روزہ وہ ہے جو رمضان میں کسی عذر شرعی کی وجہ سے قضا ہو جائے اور بعد میں اس کو ادا کرے، قضا رمضان میں رات میں نیت کرنا ضروری ہے۔ نیت دل کے ارادہ کو کہتے ہیں مثلاً یہ ارادہ کہ کل روزہ رکھوں گا زبان سے کہنا شرط نہیں ہے رمضان شریف میں ہر مسلمان کی نیت رات میں یہی ہوتی ہے بلکہ سحری کھانا خود نیت کی دلیل ہے۔

غروب آفتاب کے پہلے کی نیت یا غروب آفتاب کے وقت کی نیت سے روزے درست نہیں ہوتے ہیں یعنی مثلاً کسی نے ان وقتوں میں

غروب آفتاب کے پہلے کی نیت

روزے کی نیت کی پھر سو گیا یا بے ہوش ہو گیا یا غافل ہو گیا یہاں تک کہ دوسرے دن زوال آفتاب کا وقت آپہنچا تو روزہ نہیں ہو گا البتہ اگر آفتاب کے غروب ہو جانے کے بعد نیت کی تھی تو روزہ جائز ہو گا اسی طرح نصف نہار شرعی کے بعد کی نیت یا اس وقت کی نیت سے بھی روزہ نہیں ہوتا ہے۔ نصف نہار شرعی کہتے ہیں صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کے وقت کے دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے اس کے نصف اول تک یہ وقت رہتا ہے۔

اداء رمضان نذر معین اور نفل روزے مطلق روزہ کی نیت سے بھی ہو جاتے ہیں۔ النیتہ میں ال مضاف الیہ کے بدلے میں ہے۔) مطلق نیت کا ما حاصل یہ ہے کہ اس میں فرض یا واجب یا سنت

بلا تعین مطلق نیت

ہونے کی کوئی قید نہ ہو، رمضان کے روزوں میں ظاہر ہے کہ ان دنوں میں دوسرے روزوں کی سرے سے گنجائش ہی نہیں ہے، وہ رمضان کا مہینہ اسی کے فرض روزوں کے لئے متعین ہے، اس لئے وہ خود بخود متعین ہو جائے گا اس میں متعین کرنے کی کوئی

ضرورت نہیں ہوتی اور نذر معین میں خود نذر کرنے والے کی طرف سے تعین ہوتی ہے لہذا اس میں بھی تعین ضروری نہیں رہتی مطلق نیت بھی کافی ہوتی ہے۔

نفل کی نیت سے رمضان کا روزہ یہ روزے نفل کی نیت کے ساتھ بھی درست ہو جاتے ہیں کیونکہ رمضان اور نذر معین کا کوئی دوسرا روزہ مزاحم نہیں ہوتا ہے (لہذا نفل کی نیت کے باوجود رمضان میں رمضان کے روزے ہوں گے اور نذر معین میں اس دن کے مانے ہوئے روزے۔ نیت کرنے میں اگر وصف کے اندر غلطی ہو جائے تو بھی رمضان میں رمضان کے روزے درست ہوتے ہیں۔

رمضان کا روزہ دوسرے واجب کی نیت سے مثلاً کوئی رمضان کے ادا روزہ کی نیت کر رہا تھا مگر دوسرے واجب کی نیت کر لی تو اس سے رمضان کا ہی روزہ ہو گا دوسرا نہیں ہو گا، اس لئے کہ شریعت کی طرف سے رمضان کے دن رمضان کے ہی روزوں کیلئے متعین ہیں مگر یہ صورت صرف رمضان کے ساتھ مخصوص ہے (آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب شعبان گذر چکے تو پھر سوائے رمضان کے کوئی دوسرا روزہ نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ نذر میں یہ صورت نہیں چل سکتی اس لئے کہ اس کی تعین خود بندہ کرتا ہے۔

الا اذا وقعت النية من مريض او مسافر حيث يحتاج الى التعيين لعدم تعيينه في حقهما فلا يقع عن رمضان بل يقع عما نوى من نفل او واجب على ما عليه الاكثر بحر وهو الاصح سراج وقيل بانه ظاهر الرواية فلذا اختاره المصنف تبعا للدرر لكن في اوائل الاشباه الصحيح وقوع الكل عن رمضان سوى مسافر نوى واجبا آخر واختاره ابن الكمال وفي الشرنبلالية عن البرهان انه الاصح والنذر المعين لا يصح بنية واجب آخر بل يقع عن واجب نواه مطلقا فرقا بين تعيين الشارع والعبد لو صام مقيم عن غير رمضان ولو لجهله بهای بر رمضان فهو عنه لا عما نوى لحديث اذا جاء رمضان فلا صوم لا عن رمضان۔

مريض اور مسافر کی طرف سے تعین میں غلطی لیکن اگر وصف میں غلطی مریض اور مسافر سے ہوگی تو ان کی طرف سے بوقت غلطی رمضان کا روزہ نہیں ہو گا بلکہ وہ جس

روزہ کی نیت کرے گا وہی روزہ ہو گا اس کی وجہ یہ ہے کہ مسافر اور مریض کے لئے اس کے مرض اور سفر کی وجہ سے اسکے حق میں رمضان متعین نہیں، ان دونوں کو افطار کی اجازت ہے اسلئے یہاں متعین کرنے کی ضرورت ہے، اگر رمضان متعین نہیں کیا ہے تو رمضان کا روزہ نہیں ہو گا، بلکہ جس روزہ کی نیت کی ہے وہی ادا ہو گا، خواہ وہ نفل ہو یا واجب، اکثر مشائخ کا مسلک یہی ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے اور کہا گیا ہے کہ یہی ظاہر الروایت بھی ہے مصنف اسی وجہ سے اس کو وورد کے اتباع میں اختیار کیا ہے (یہاں جس چیز کی نسبت اکثر مشائخ کی طرف کی گئی ہے یہ صرف بیمار کے حق میں ہے باقی رہا مسافر تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ کسی دوسرے واجب کی نیت کرے گا تو وہی واجب ادا ہو گا اور اگر وہ نفل کی نیت کرے گا یا مطلق نیت ہوگی تو نام صاحب نے اس سلسلہ میں دو روایتیں ہیں صحیح تر یہ ہے کہ رمضان کا روزہ ہو گا، اس لئے کہ نفل کا روزہ فائدہ ثواب ہے اور ثواب وقتی فرض میں زیادہ ہے، شامی

بیمار و مسافر کے سلسلہ میں دوسرا قول

اشباہ کے اوائل میں ہے کہ اگر مسافر اور مریض دوسرے نفل و واجب کی رمضان میں نیت کر چکے تو صحیح یہ ہے کہ تمام صورتوں میں رمضان

کا ہی روزہ ادا ہو گا ہاں اگر مسافر دوسرے واجب کی نیت کرے گا تو اس کی طرف سے دوسرا واجب ادا ہو گا، اس کو ابن الکمال نے اختیار کیا ہے اور شربنالیہ میں برہان سے منقول ہے کہ یہی زیادہ صحیح ہے تمام صورتوں کی مراد یہ ہے کہ بیمار نفل کی نیت کرے یا مطلق نیت کرے یا کسی واجب کی نیت کرے یا مسافر نفل کی یا مطلق نیت کرے تو ان تمام صورتوں میں یہ روزہ رمضان کا ہو گا۔ سوائے اس ایک صورت کے جس کا ذکر اوپر ہوا کہ مسافر کسی دوسرے واجب کی نیت کرے تو وہی واجب ادا ہو گا کیونکہ مسافر کو روزہ نہ رکھنے کی رخصت حاصل ہے اس لئے وہ اس کو دوسرے واجب میں صرف کر سکتا ہے بیمار ایسا نہیں کر سکتا ہے کیونکہ مریض کے لئے واقعی مجبوری چاہئے اگر وہ دوسرے واجب کا رکھے گا تو پھر واقعی مجبوری کہاں رہی اور اسے رخصت کیسے حاصل ہوگی اس کے برعکس مسافر کو سفر کی وجہ سے رخصت حاصل ہے اس کیلئے کوئی واقعی مجبوری نہیں ہے بحر الرائق کے کلام کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مریض کے سلسلہ میں تین قول ہیں۔ ایک وہ جو ابھی اشباہ کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے دوسرا وہ جو متن میں مذکور ہے، جس کی نیت کی وہی ہو گا، تیسرے قول میں تفصیل ہے یعنی روزہ اگر اس کے لئے نقصان دہ ہے تو اس کو زیادتی مرض کی وجہ سے افطار کی رخصت ہے جو نیت کرے گا ہی واقع ہو گا اور اگر روزہ اس کے لئے نقصان دہ نہیں ہے جیسے بد بھمی تو اس صورت میں وقتی فرض روزہ ادا ہو گا۔

نذر معین کا روزہ دوسرے واجب کی نیت سے درست نہیں ہوتا ہے جس واجب کے ادائیگی کی نیت ہوگی ہر صورت میں خواہ وہ تندرست ہو خواہ مریض مقیم ہو یا مسافر وہی واجب ادا ہو گا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی تعین اور بندہ کی تعین میں فرق ظاہر ہو سکے رمضان کی تعین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے لہذا دوسرا واجب اس میں ادا نہیں ہو گا لیکن نذر معین بندہ کی تعین ہے اس لئے اس میں دوسرا واجب ادا ہو گا لیکن اس صورت میں نذر معین کی قضا واجب ہوگی۔

جب مقیم غیر رمضان کی نیت کرے

اگر مقیم نے رمضان میں غیر رمضان کا روزہ رکھا، گو وہ رمضان سے واقف نہ تھا تو بھی رمضان کا ہی روزہ ادا ہو گا غیر رمضان کا روزہ نہیں ہو گا جس کی اس

نے نیت کی ہے، کیونکہ حدیث نبویؐ ہے، جب رمضان آگیا تو پھر صرف رمضان کا ہی روزہ ہو گا کسی دوسرے کا روزہ نہیں ہو گا۔

و یحتاج صوم کل یوم من رمضان الی نية و لو صحیحا مقیما تمیز العبادۃ عن العادة
وقال زفر و مالك و تکفی نية واحدة كالصلوة قلنا فساد البعض لا یوجب فساد الكل
بخلاف الصلوة والشرط للباقي من الصيام قران النية للفجر و لو حکما و هو تبیت النية
للضرورة و تعینها لعدم تعین الوقت والشرطها ان يعلم بقلبه ای صوم یصومه قال
الحدادی والسنته ان یتلفظ بها۔

رمضان کا روزہ میں ہر دن نیت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ عبادت اور عادت کے درمیان

تمیز قائم ہو سکے۔ اور امام زفرؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ پورے مہینہ کیلئے ایک نیت کا

ہر دن نیت ضروری ہے

نی ہوتی ہے جیسے نماز میں ایک تحریمہ تمام رکعتوں کے لئے کافی ہوتا ہے لیکن امام زفرؒ اور مالکؒ کا نماز پر قیاس صحیح نہیں ہے کیوں کہ نماز میں ایک رکعت کے فاسد ہونے سے کل نماز فاسد ہو جاتی ہے روزہ میں ایسا نہیں ہوتا ہے کہ ایک روزہ کے فاسد ہونے سے کل دنوں کا روزہ فاسد ہو جاتا ہو۔

کن روزوں کی رات میں نیت ضروری ہے ادائے رمضان اور نذر معین کے علاوہ دوسرے تمام روزوں کیلئے نیت کا فجر سے متصل ہونا شرط ہے اگرچہ اتصال حکماً ہو یہ حکمی اتصال رات میں نیت کرنا ہے اور یہ حکم ضرورت کی وجہ سے ہے (قضاء رمضان نذر مطلق قضائے نذر معین قضاء نفل کفارہ ظہار کفارہ قتل، کفارہ یمین اور کفارہ افطار رمضان ان تمام روزوں کے لئے ضروری ہے کہ رات میں ہی ان کی نیت کر لی جائے) اور اسکی وجہ یہ ہے ان روزوں میں سے کسی کا کوئی وقت متعین اور مقرر نہیں ہوتا ہے، لہذا رات میں ہی طے کر لے کہ فلاں روزہ رکھنا ہے اور اس مقرر کرنے میں صرف یہ ہے کہ دل میں طے کر لے کہ کل فلاں روزہ رکھنا ہے البتہ ہدای نے کہا ہے کہ سنت یہ ہے کہ اسے زبان سے بھی کہہ لے مگر اس سنت سے مشائخ کی سنت مراد ہے آنحضرت ﷺ کی سنت مراد نہیں ہے اس لئے کہ آپ سے اور صحابہ کرام سے زبان سے نیت کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔

ولا تبطل بالمشيئة بل بالر جوع عنها بان يعزم ليلا على الفطر ونية الصائم الفطر لغو ونية الصوم في الصلوة صحيحة ولا تفسدها بلا تفلظ ولو نوى القضاء نهاراضا ونفلا فيقضيه لو افسده لان الجهل في دارنا غير معتبر فلم يكن كالمظنون بحر.

نیت میں انشاء اللہ کہنا نیت میں انشاء اللہ کہنے سے نیت باطل نہیں ہوتی ہے۔ البتہ نیت سے پلٹ جائے اور رات میں پختہ ارادہ کر لے کہ افطار کرنا ہے تو پھر نیت ختم ہو جائے گی روزہ دار کا روزہ رکھتے ہوئے افطار کی نیت کرنا لغو اور بے فائدہ ہے اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا حالت نماز میں روزہ کی نیت کرنا درست ہے اور زبان سے روزہ کی نیت کو ادا کئے بغیر نماز فاسد نہیں ہوگی۔

قضا کی نیت دن میں کرنے سے نفل روزہ ہوتا ہے قضا روزہ کے لئے بتایا جا چکا ہے کہ رات میں نیت ضروری ہے لیکن اگر کوئی قضاء روزہ کی نیت بجائے رات کے دن میں کرے تو اس کا یہ روزہ نفل کا روزہ ہو گا قضا نہیں ہو گا، اب اگر اس روزہ کو توڑ دے گا تو اس پر اس کی قضا ضروری ہوگی اس لئے کہ دارالاسلام میں جہالت کا اعتبار نہیں کیا جاتا ہے لہذا یہ روزہ اس ظنی روزہ کی طرح نہیں ہے جو کوئی اس گمان میں رکھ لیتا ہے کہ میرے ذمہ روزہ ہے اور پھر اسی حال میں اس پر ظاہر ہوتا ہے کہ اس پر روزہ نہیں تھا اس ظنی روزہ کا پورا کرنا لازم نہیں ہے (یہ اخیر والا حصہ دراصل فتح القدیر کے اس قول کا جواب ہے کہ جو قضا روزہ دن کی نیت سے رکھ لیا گیا ہے وہ نفل ہو جائے گا لیکن اگر اس کو اس مسئلہ کی خبر نہ ہو تو شروع کرنے سے لازم نہ ہو گا کیونکہ یہ ظنی روزہ کی طرح ہے۔

ولا يصام يوم الشك هو يوم الثلثين من شعبان و ان لم يكن علة اى القول بعد اعتبار اختلاف المطالع لجواز تحقق الرؤية في بلدة اخرى واما على مقابله فليس يشك ولا يصام

اصلا شرح المجمع للعینی عن الزاہدی الا تطوعا ویکره غیرہ ولو صامہ لواجب اخر کرہ تنزیہا ولو جزم ان یکون عن رمضان کرہ تحریمہا ویقع عنه فی الاصح ان لم تظهر رمضانیتہ والا بان ظهرت فعنه لو مقیما۔

اگر آسمان پر گرد و غبار نہ ہو تو تیسویں شعبان کا روزہ اس شک کی وجہ سے نہیں رکھا جائے گا کہ ہو سکتا ہے رات چاند ہو گیا ہو اور آج پہلی رمضان ہے (اگر چاند نظر نہیں آیا اور آسمان صاف تھا تو افطار کرے گا) اور یہ شک کا روزہ اس قول کی بنیاد پر ہو گا جس میں کہا گیا ہے کہ رمضان میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے جب اختلاف مطالع معتبر نہیں تو ہو سکتا ہے کہ کسی دوسرے شہر میں چاند دیکھا گیا ہو اور اگر اختلاف مطالع کو مان لیا جائے کہ ہر جگہ مطلع الگ الگ ہے ایک جگہ کا دوسری جگہ کے لئے کافی نہیں تو اس صورت میں وہ دن شک کا دن نہیں ہو گا چنانچہ اس دن بالکل روزہ نہیں رکھا جائے گا کذا فی شرح المجمع للعینی عن الزاہدی

اگر مطلع صاف ہو چاند نظر نہ لے

لیکن یوم الشک میں نفل روزہ رکھنے میں مضائقہ نہیں ہے۔ البتہ نفل روزہ کے علاوہ دوسرا روزہ اس دن رکھنا مکروہ ہے (خواہ وہ فرض ہو یا واجب نیت متعینہ سے ہو یا متودہ سے اور ان دن مطلق نیت سے بھی روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

یوم الشک میں نفل میں روزہ

یوم الشک کے دن میں دوسرا واجب کا روزہ رکھنا مکروہ تنزیہی ہے اور شک کے دن حتی طور پر رمضان سمجھ کر روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے اس وجہ سے کہ اس سے اہل کتاب کیساتھ مشابہت لازم آتی ہے کہ انہوں نے اپنے روزوں میں کچھ دن اپنی طرف سے بڑھائے تھے اور ایک حدیث میں اس سے روکا گیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمضان سے ایک دو دن پہلے روزے میں سبقت نہ کرو کذا فی البحر۔ اگر یوم الشک میں دوسرے واجب کا روزہ رکھا تھا اور بعد میں معلوم ہوا کہ اس دن رمضان نہیں ہوا، تو اس کی نیت کے مطابق اس واجب کا روزہ ادا ہو گا جس کی اس نے نیت کی تھی اور اگر بعد میں ظاہر ہو کہ اس دن رمضان تھا اور روزہ رکھنے والا مقیم ہے تو وہ رمضان کا ہو گا مقیم کی قید اس لئے لگائی کہ یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اگر مسافر رمضان میں دوسرے واجب کی نیت کرے گا تو اسی واجب کی طرف سے روزہ ہو گا اس لئے کہ رمضان کا روزہ بوجہ سفر اس کے ذمہ واجب نہیں ہے۔

والتفعل فیہ احب ای افضل اتفاقا بان وافق صوما یعتادہ او صام من آخر شعبان ثلثہ فاکثر لا اقل لحديث لا تقدموا رمضان بصوم يوم او يومين واما حديث من صام يوم الشك فقد عصى ابا القاسم فلا اصل له والا يصومه الخواص ويفطر غيرهم بعد الزوال به يفتي نفيا لتهمة النهي وكل من علم كيفية صوم الشك فهو من الخواص والافمن العوام والنية المعتبرة هنا ان ينوي التطوع على سبيل الجزم من لا يعتاد صوم ذلك اليوم اما المعتاد فحكمه مر ولا يخطر بباله انه ان كان من رمضان فعنه ذكره اخي زاده۔

معمول کی وجہ سے روزہ

شک کے دن نفل روزہ رکھنا بالاتفاق افضل ہے لیکن یہ اس وقت جب ان دنوں میں اسکی عادت روزہ رکھنے کی ہو، یا اس نے اخیر شعبان کے تین یا زیادہ روزے رکھے تھے

اس سے کم نہیں اور اس میں یوم الشک آگیا تو یہ بھی افضل ہے (تین سے کم اس لئے نہیں کہ حدیث میں آیا ہے کہ رمضان سے پہلے ایک یا دو دن پہلے روزے نہ رکھو۔

باقی وہ حدیث جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جس نے شک کے دن روزہ رکھا اس نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے (یہاں مرفوع کی اصلیت کا انکار ہے نفس حدیث کا نہیں، اس لئے کہ موقوفاً یہ حدیث آتی ہے خود بخاری نے تعلیقاً اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

اگر عادت کے دنوں میں یہ یوم الشک نہ پڑے اور نہ اخیر شعبان کا تین یا زیادہ روزہ رکھا ہے تو خواص کو چاہئے کہ اس دن روزہ رکھیں اور عوام زوال کے بعد افطار کر لیں اسی پر فتویٰ ہے تاکہ یہ نہی کی تہمت سے بری رہ سکیں۔ لیکن فتح القدیر میں ہے کہ خواص بھی اس طرح روزہ رکھیں کہ عوام کو اس کی خبر نہ ہونے پائے تاکہ جاہلوں کو یہ شبہ نہ ہو کہ رمضان میں ایک دن زیادہ ہو گیا ہے، جو شخص یوم الشک کے روزہ کی کیفیت سے واقف ہو ان کا خواص میں شمار ہے اور جو نہ جانتا ہو ان کا عوام میں۔

جو شخص اس دن روزہ کا عادی نہیں ہے اسکے لئے یوم الشک روزہ میں معتبر نیت یہ ہے کہ یقین کیسا تھ نفل روزہ کی نیت کرے، اور جو اس دن روزہ کا عادی ہو اس کا حکم پہلے گذر چکا ہے کہ اس کیلئے اس دن روزہ مکروہ نہیں ہے، اس کے دل میں یہ خطرہ سرے سے نہیں ہو کہ اگر یہ دن رمضان کا ثابت ہو گیا تو میری طرف سے رمضان کا روزہ ہو گا، اسکو انہی زاوہ نے ذکر کیا ہے (یعنی اس تردد کیساتھ روزہ رکھنا کہ رمضان کا دن ہو تو رمضان کا روزہ اور اگر شعبان کی تاریخ ہوئی تو نفل روزہ، بلکہ یقین کیساتھ نفل روزہ کی نیت کرے۔

ولیس بصائم لو رد فی اصل النیۃ بان نوی ان یصوم غدا ان کان من رمضان والا فلا
اصوم لعدم الجزم کما انه لیس بصائم لو نوی انه ان لم یجد غدا فہو صائم والا
فقطر ویصیر صائم مع الکراہۃ لو رد فی وصفها بان نوی ان کان من رمضان فعنه والا فعن
واجب آخر وکذا یکرہ لو قال انا صائم ان کان من رمضان والا فعن نفل التردد بین
مکروہین او مکروہ و غیر مکروہ فان ظہور رمضانیتہ فعنه والا فنفل فیہما ای الواجب
والنفل غیر مضمون بالقضاء لعدم التنفل قصدا اکل المتلوم ناسیا قبل النیۃ کا کله بعدها
وهو الصحيح شرح و ہبانیۃ۔

نیت میں تردو

اس شخص کا روزہ نہیں ہوا جس نے اصل نیت کے اندر تردو کیا یعنی اس طرح نیت کی کہ کل اگر

رمضان ہو گا تو رمضان کا روزہ اور اگر رمضان نہیں ہو گا تو روزہ نہیں، اس صورت میں عدم یقین کی وجہ

سے روزہ نہیں ہو گا جس طرح اس شخص کا روزہ نہیں ہوتا ہے جو اس طرح نیت کرے کہ اگر کل ناشتہ نہیں ملا تو روزہ ہے ورنہ نہیں بلکہ افطار رہے گا۔

ہاں اگر روزے کے وصف میں تردو پایا جائے یعنی اس طرح کی نیت کی کہ اگر یہ دن رمضان کا ہے تو رمضان کا روزہ ہے اور

اگر رمضان کا نہیں ہے تو کسی دوسرے واجب کا اس صورت میں کراہت تنزیہی کے ساتھ روزہ ہوگا۔ اسی طرح اس طریقہ سے بھی روزہ رکھنا مکروہ ہے کہ اس نے نیت کی کہ اگر کل رمضان ہے تو رمضان کا روزہ اور اگر رمضان نہیں ہے تو نفل کا روزہ پہلی صورت میں دو مکروہ کے درمیان تردد پایا گیا ہے اور دوسری صورت میں مکروہ اور غیر مکروہ کے درمیان تردد کا اظہار ہے۔

بہر حال بعد میں اگر معلوم ہو گیا کہ وہ دن رمضان کا تھا تو وہ رمضان کا روزہ ہوگا ورنہ واجب اور نفل دونوں صورتوں میں ایسا نفل ہوگا جس کے توڑنے سے قضاء لازم نہیں آئے گی، کیوں کہ بالقصد نفل کا روزہ نہیں رکھا تھا۔

ایک شخص تیسویں شعبان کو جو شک کا دن تھا آدھے دن تک چاند کی خبر کا انتظار کرتا رہا کھانا پینا بند کر رکھا تھا ایسے شخص کے لئے نیت سے پہلے بھول کر کھانا ایسا ہی ہے جیسے نیت کے بعد کھانا یعنی بھول کر کھانے کے بعد بھی اگر روزہ کی نیت کرے گا تو اسکی یہ نیت جائز ہوگی اس لئے کہ بھول کر کھانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، دوسرا قول یہ ہے کہ اگر اس نے بھول کر اسے کھالیا ہے تو اس کے لئے روزہ رکھنا درست نہیں ہے مگر ترجیح پہلے قول کو ہے جیسا کہ گذرا

رای مکلف ہلال رمضان او الفطر ورد قول بدلیل شرعی صام مطلقا وجوبا وقیل ندبا فان افطر قضی فقط فیہما لشبهة الرد واختلف المشائخ لعدم الروایة عن المتقدمین فیما اذا افطر قبل الرد لشهاد والراحج عدم وجوب الکفار وصححه غیر واحد لان ماراه یحتمل ان یکون خیالا لا هلالا واما بعد قبوله فتجب الکفارة ولو فاسقا فی الاصح وقیل بلا دعوی وبلا لفظ اشهد وبلا حکم ومجلس قضا لانه خبر لا شهادة للصوم مع علة کفیم وغبار خبر عدل او مستور علی ما صححه البزازی علی خلاف ظاهر الروایة لا فاسق اتفاقا .

ایک عاقل بالغ شخص نے رمضان یا عید کا چاند دیکھا مگر اس کا قول حجت شرعیہ سے رد کر دیا گیا اور نہیں مانا گیا تو بھی اس شخص پر واجب ہے کہ وہ روزہ رکھے خواہ عید کا چاند ہو خواہ رمضان کا، اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ روزہ رکھنا اس کے لئے مستحب ہے، اگر اس نے روزہ نہیں رکھا افطار کر لیا تو اس صورت میں اس پر صرف اس کی قضاء واجب ہے کفارہ واجب نہیں ہے کیونکہ شہادت کے مسترد ہونے کی وجہ سے شبہ پایا گیا اور عید کے چاند میں اس لئے کہ اس کے نزدیک وہ عید کا دن ہے جس دن روزہ رکھنا حرام ہے۔

شہادت کے رد ہونے سے پہلے اگر وہ افطار کر لے تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ کفارہ بھی واجب ہوگا اور بعض کہتے ہیں کہ صرف قضا لازم ہے کفارہ نہیں اور راجح یہی قول ہے اور زیادہ تر لوگوں نے اسی قول کی تصحیح کی ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ اس نے جو چاند دیکھا ہے وہ چاند نہ ہو صرف اس کا خیال ہو جو چاند کی صورت میں نظر آیا ہے اور مشائخ میں اس اختلاف کی وجہ

شہادت کے رد ہونے پہلے افطار کرنا

ہند میں سے کسی روایت کا منقول نہ ہوتا ہے۔

البتہ اگر اس چاند دیکھنے والے کی گواہی قبول کر لی گئی پھر بھی اس نے افطار کر لیا ہے تو اس پر اس روزہ کی قضا بھی لازم ہے اور کفارہ بھی گو وہ دیکھنے والا فاسق ہی کیوں نہ ہو صحیح تر روایت یہی ہے۔

رمضان کے چاند میں ایک شخص کی خبر
اگر چاند رات میں آسمان پر بادل یا گرد و غبار ہو تو صرف ایک عادل یا مستور الحال شخص کی خبر قبول کی جائیگی جس میں نہ دعویٰ کی ضرورت ہوگی اور نہ لفظ اشہد (میں گواہی دیتا ہوں) کہنے کی نہ حکم کی اور نہ مجلس قضا کی اس لئے کہ یہ خبر ہے شہادت نہیں بزازی نے ظاہر الروایۃ کے خلاف اس قول کی تصحیح کی ہے (بعضوں نے کہا ظاہر الروایت بھی یہی ہے کیونکہ کافی نامی کتاب میں جس میں امام محمدؒ کے اقوال جمع کئے گئے ہیں اس میں کہا گیا ہے کہ مسلمان مرد اور مسلمان عورت کی گواہی چاند کے سلسلہ میں قبول کی جائے گی خواہ وہ عادل ہو یا غیر عادل ہو یعنی مستور الحال ہوں۔

روزے کے سلسلہ میں فاسق کا قول متفقہ طور پر قابل قبول نہیں (قاعدہ یہ ہے کہ جن دینی کاموں میں عادل کی گواہی میسر ہو سکتی ہے ان میں فاسق کی گواہی مقبول نہیں ہے گو قاضی کو فاسق کی گواہی لینے کا اختیار ہے یہی وجہ ہے یہاں غیر عادل سے مستور الحال مراد لیا گیا۔

وہل له ان يشهد مع علمه بفسقه قال البزازي نعم لان القاضي ربما قبله ولو كان العدل قنا او انشئ او محدود مافي قذف تاب بين كيفية الروية اولا على المذهب وتقبل شهادة واحد على آخر كعبد وانثى ولو على مثلهما ويجب على الجارية المنحدرة ان تخرج في ليلتها بلا اذن مولها وتشهد كما في الحافضية .

اب سوال یہ ہے کہ فاسق کو جب اپنا فسق معلوم ہو تو کیا اس کے لئے جائز ہے کہ وہ گواہی پیش کرے، بزازی کا جواب یہ ہے کہ وہاں اس کے لئے ایسا کرنا درست ہے کیونکہ قاضی کبھی فاسق کی گواہی قبول کر لیتا ہے (حلوئی کا کہنا ہے کہ عادل کے لئے چاند والی رات میں ہی گواہی دینا لازم ہے گو وہ لونڈی ہو یا پردہ نشین خاتون اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ صبح میں افطار کر لیں اور یہ شہادت دینا کہ فرض عین ہے، فاسق اگر یہ سمجھے کہ حاکم اس کا قول مان لے گا تو اس پر بھی جا کر گواہی دینا واجب ہے اور مستور الحال کے سلسلہ میں دو روایتیں ہیں۔

عادل کی گواہی
چاند میں عادل کی گواہی قبول کی جائے گی اگرچہ وہ غلام ہو یا عورت ہو یا ایسا شخص جو زنا کی تہمت میں سزا پا چکا ہو مگر اس نے توبہ کر لی ہو خواہ چاند دیکھنے والا چاند دیکھنے کی کیفیت بیان کرے یا نہ بیان کرے صحیح مذہب یہی ہے کہ البتہ امام فضلی کہتے ہیں ایک عادل کی گواہی اس وقت قبول ہوگی جب وہ تفصیل بیان کرے اور بتائے کہ میں نے باہر جا کر جنگل میں دیکھا ہے یا ابر کے ٹکڑوں میں دیکھا ہے بغیر اس کے اس کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

شہادت علی الشہادت
رمضان کے چاند میں ایک شخص کی گواہی پر دوسرے کی گواہی مقبول ہے جیسے عورت اور غلام کی گواہی مقبول ہے اگرچہ یہ گواہی اپنے مثل پر ہو، باقی دوسرے احکام میں شہادت علی

الشہادت اس وقت تک قبول نہیں ہے جب تک ایک شخص کی گواہی پر دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی نہ دیں۔ کذا فی الحکم

چاند کی گواہی کا اہتمام شریعت میں

پر وہ نشین لونڈی پر واجب ہے کہ وہ رمضان اور عید کا چاند دیکھنے والی رات میں اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکلے اور قاضی کے پاس جا کر چاند ہونے کی گواہی دے جیسا کہ حافظیہ میں ہے (اور یہی حکم آزاد عورت کے لئے بھی ہے کہ وہ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر نکل کر جائے اور گواہی دے اور جو لونڈی پر وہ نشین نہیں یا جس کا نکاح نہیں ہوا ہے وہ بدرجہ اولیٰ چاند دیکھنے کی گواہی دے گی یہ چاند کے اہتمام کے سلسلہ کی باتیں ہیں۔

وشرط للفطر مع العلة المتقدمة والعدالة نصاب الشهادة ولفظ اشهد وعدم الحد في قذف لتعلق نفع العبد لكن لا تشترط الدعوى كما لا تشترط في عتق الامة وطلاق الحرة ولو كانوا ببلدة لا حاكم فيها صاموا بقول ثقة وافطروا باخيار عدلين مع العلة للضرورة ولوراه الحالكم وحده خير في الصوم بين نصب شاهد وبين امرهم بالصوم بخلاف العبد كما في الجوهرية .

عید کے چاند میں اہتمام

آسمان میں بادل اور گرد و غبار ہو تو عادل ہونے کے ساتھ عبد الفطر کے چاند میں یہ بھی شرط ہے کہ گواہی کا نصاب (دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں) پایا جائے اسی کے ساتھ لفظ اشہد بھی کہ میں گواہی دیتا ہوں اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ گواہی دینے والا ایسا ہو جس کو تہمت لگانے میں سزا نہ ہوئی ہو یہ ساری شرطیں صرف عید الفطر کے چاند میں اس لئے لگائی گئی ہیں کہ اس سے بندہ کا نفع دینا وی متعلق ہے اور یہی وجہ ہے کہ رمضان کے چاند میں شرطیں نہیں ہیں کیونکہ وہ ایک دینی امر ہے۔

چاند کے سلسلہ میں دعویٰ شرط نہیں ہے جیسے لونڈی کی آزادی اور آزاد عورت کے طلاق میں دعویٰ شرط نہیں ہے کیونکہ اس میں حق العبد ہونے کے ساتھ حق اللہ بھی پایا جاتا ہے جیسے عید کے دن روزہ کا حرام ہونا نماز عید کا واجب ہونا۔

جہاں حاکم اور قاضی نہ ہوں

اگر مسلمان ایسے شہر یا آبادی میں ہوں جس میں کوئی قاضی یا حاکم نہ ہو اور آسمان پر آلود ہو تو وہ ایک ثقہ معتمد آدمی کی طرف اس خبر سے روزہ رکھیں کہ چاند ہو گیا ہے یعنی ان پر ایک ثقہ کے قول سے زیادہ رکھنا فرض ہے دیہات اور گاؤں والوں پر توپوں کی اس آواز یا قندیلوں کی اس روشنی پر روزہ رکھنا لازم ہے جو چاند کے نکلنے پر شہر میں مسلمان کرتے ہیں یہ بھی ایک علامت ہے اور اس سے ظن غالب حاصل ہوتا ہے کہ کیونکہ دوسرے مہینوں میں یہ اہتمام نہیں ہوا کرتا ہے۔

لیکن اگر آسمان میں گرد و غبار اور بادل ہو تو یہ لوگ اس وقت افطار کریں گے جب وہ عادل شخص چاند کی خبر دیں ضرورت کا تقاضا یہی ہے کیونکہ وہاں نہ کوئی قاضی ہے اور نہ کوئی حاکم جہاں جا کر لوگ چاند کی گواہی دیں گے اور پھر وہ اعلان کرے گا۔ اور اگر صرف حاکم نے چاند دیکھا ہے تو اس کو اختیار ہے کہ اپنا کسی کو نائب مقرر کر دے اور وہ اس کے سامنے گواہی دے یا اس کے بغیر خود لوگوں کو روزہ رکھنے کا حکم کرے، البتہ عید کے چاند میں ایک آدمی کا قول کافی نہیں ہے۔

ولا عبرة بقول الموقنين ولو عدولا على المذهب قال في الوهبانية وقول اولي اتوقيت ليس بموجب وقيل نعم والبعض ان كان يكثر وقيل بلا علة جمع عظيم يقع العلم الشرعي وهو غلبة الظن بخبرهم وهو مفوض الى راي الامام من غير تقدير بعدد على المذهب وعن الامام انه يكتفى بشاهدين واختاره في البحر وصحح في الاقضية الاكتفاء بواحدان جاء من خارج البلد او كان على مكان مرتفع واختاره ظهير الدين.

نجومیوں کا قول اور جنتری معتبر نہیں نجومیوں کے سلسلہ میں صحیح یہ ہے کہ ان کے حساب کا اعتبار نہیں ہے گو وہ عادل ہوں (خود نجومیوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے حساب پر عمل کریں نہر الفائق میں ہے کہ اگر نجومی یہ کہے کہ فلاں دن چاند دیکھائی دے گا تو اس کے قول پر روزہ لازم نہیں ہے وہابیہ میں ہے کہ اوقات ضبط کرنے والوں کا قول روزہ رکھنے کا موجب نہیں ہو سکتا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ لائق اعتماد ہے جب وہ بہت زیادہ تعداد میں ہوں مگر صحیح وہی ہے کہ منجموں کے قول اور حساب کا اعتماد نہیں ہے اور فتویٰ بھی اسی پر ہے۔

آسمان صاف ہونے کی صورت مجمع عام کی شرط جب آسمان صاف ہو اور گرد و غبار اور بادل نہ ہو تو اس وقت ایک بڑے مجمع کا قول قبول کیا جائے گا (دو چار آدمیوں کا نہیں) تاکہ انکی خبر سے غلبہ ظن حاصل ہو سکے ایک شخص کا اس وقت معتبر نہیں ہے کیوں کہ جب آسمان صاف ستھرا ہو اور سب دیکھ رہے ہوں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ صرف ایک کو چاند نظر آئے اور بقیہ کو کچھ دکھائی نہ دے (مجمع عام کے لئے عدالت کی شرط نہیں ہے کہ سب کے سب عادل ہوں مجمع کی تعداد کیا ہو یہ امام کی صوابدید پر ہے وہ جتنے لوگوں کی تعداد کو مجمع عظیم قرار دیدے، کوئی عدد خاص متعین نہیں ہے صحیح مذہب یہی ہے (ظاہر الروایۃ میں یہ تعداد متعین کر کے نہیں بتائی گئی ہے ایک روایت امام ابو یوسفؒ سے یہ ہے کہ پچاس مرد ہوں اور بعض کے نزدیک محلہ کہ اکثر لوگ مراد ہیں اور بعض کے نزدیک ہر مسجد سے ایک یا دو کا دیکھنا اور خلف بن ایوب کا قول ہے کہ بلخ میں پانچ سو کی تعداد کم ہے، ان سب اقوال میں صحیح یہ ہے کہ امام کی رائے پر چھوڑ دیا جائے اگر وہ ان کے کہنے کو درست اور قابل اعتماد سمجھے روزہ کا حکم دیدے اور بحر الرائق میں فتح القدیر سے نقل کیا ہے کہ چاند کے ہونے کی متواتر خبر ہر طرف سے آئے۔

موجودہ دور میں صرف دو شخص کی گواہی اور امام اعظمؒ سے ایک روایت یہ منقول ہے کہ دو گواہوں پر اکتفا کیا جائے اور بحر میں اسی کو اختیار کیا ہے، اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس دور میں لوگ چاند دیکھنے میں سستی و کاہلی سے کام لیتے ہیں۔ قصہ نامی کتاب میں لکھا ہے کہ چاند کے سلسلہ میں ایک ایسے شخص کا کہنا کافی ہے جو شہر کے باہر سے آیا ہو، یا وہ کسی اونچی جگہ سے آیا ہو اور ظہیر الدین نے اسی کو اختیار کیا ہے (اور یہی قول طحاوی کا ہے اور امام محمدؒ نے کتاب الاستحسان میں اسی طرف اشارہ کیا ہے مگر مبسوط میں ہے کہ اگر آسمان صاف ہے تو امام اس شخص کی گواہی رد کر دے گا البتہ جب آسمان ابر آلود ہو اور وہ باہر اور اونچے مقام سے آیا ہو تو ہمارے نزدیک اس کی گواہی قبول ہوگی۔

قالوا طریق اثبات رمضان والعيدان يدعى و كالة معلقة بدخوله بقبض دين على

الحاضر فيقر بالدين ولوا كالة وينكر الدخول فيشهد الشهود برؤية الهلال فيقضى عليه به ويثبت دخول الشهر ضمنا لعدم دخوله تحت الحكم شهدوا انه شهد عند قاضي مصر كذا شاهدان برؤية الهلال في ليلة كذا وقضى القاضي به ووجد استجماع شرائط الدعوى قضى اى جاز لهذا القاضي ان يحكم بشهادتهما لا ن قضاء القاضي حجة وقد شهد وابه لا لو شهد وابرؤية غيرهم لانه حكاية نعم لو استفاض الخبر في البلدة الاخرى لزمهم على الصحيح من المذهب مجتبى وغيره .

رمضان وعید کے ثابت ہونے کا ایک طریقہ رمضان اور عید کے ثابت کرنے کا ایک طریقہ ہے کہ کوئی شخص کسی موجود شخص کے اوپر یہ دعویٰ کرے کہ فلاں غائب

کا تیرے ذمہ قرض ہے اور اسکے وصول کرنے کا اس نے مجھے وکیل بنایا ہے کہ جب رمضان یا عید آجائے تو تم اس سے میرا قرض وصول کر لینا یہ موجود شخص قرض اور اسکے وکیل ہونے کا اقرار کر لے اور رمضان یا عید کے آنے کا انکار کر دے پھر گواہ چاند کے ہونے کی گواہی دیں تو اس گواہی کے بعد فیصلہ کر دیا جائے گا کہ تم قرض ادا کر دو۔ اس سے ضمنی طور پر رمضان یا عید کا داخل ہونا بھی ثابت ہو جائے گا کیونکہ اس کا داخل ہونا حکم کے تحت نہیں یعنی روزہ تو بغیر ثبوت صرف خبر سے بھی واجب ہو سکتا ہے اور روزہ کے وجوب سے یہ لازم نہیں آتا کہ رمضان بھی موجود ہو مگر یہاں گواہوں کی گواہی کے ضمن میں رمضان کا داخل ہونا ثابت ہو جائے گا۔

دوسرے شہر کے قاضی کے فیصلہ کی شہادت پر روزہ کا حکم اگر دو گواہوں نے مصر کے قاضی کے سامنے اس کی گواہی دی کہ فلاں گواہوں

نے فلاں رات میں چاند ہونے کی گواہی دی ہے اور اس قاضی نے ان گواہوں کی گواہی پر رمضان کا فیصلہ کر دیا ہے اور اس گواہی دیتے وقت دعویٰ کی تمام شرطیں پائی جا رہی ہیں تو اس قاضی کیلئے جائز ہے کہ ان کی گواہی پر یہ بھی چاند ہونے کا فیصلہ کر دے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک قاضی کا فیصلہ حجت شرعی ہے اور یہاں کے گواہوں نے اسکے فیصلہ کرنے کی شہادت دی ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے سوا دوسرے کے دیکھنے کی شہادت دیں گے تو قاضی حکم نہیں کرے گا اس وجہ سے کہ اس کی شہادت ایک طرح کی حکایت ہے کیونکہ نہ تو اس نے خود اپنا دیکھنا بیان کیا ہے اور نہ غیر کے دیکھنے کی شہادت دی ہے صرف دوسرے کے دیکھنے کا واقعہ بیان کیا ہے۔

خبر استفاضہ البتہ جب دوسرے شہر میں بکثرت خبر شائع ہو جائے تو اس صورت میں بر بنائے صحیح مذہب ان کے لئے روزہ رکھنا لازم ہوگا (شمس الائمہ حلوائی نے کہا کہ جب دوسرے شہر کی خبر پھیل جائے اور متحقق

ہو جائے تو اس شہر والے کے لئے بھی روزہ رکھنا لازم ہوگا، بکثرت خبر پھیلنے اور شائع ہونے کا مطلب یہ ہے اس شہر سے متعدد جماعتیں آکر چاند دیکھنے کی خبر بیان کریں اور بتائیں کہ انہوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے صرف خبر کا شائع ہونا بتائیں اور یہ نہ بتائیں کس نے دیکھا اور کس نے یہ خبر شائع کی تو اس کو استفاضہ نہیں کہیں گے جس کا ترجمہ بکثرت خبر شائع ہونا کیا گیا ہے۔

وبعد صوم ثلثین بقول عدلین حل الفطر الباء متعلقة بصوم وبعد متعلقة بحل لو جود نصاب الشهادة ولو صاموا بقول عدل حيث يجوز وغم هلال الفطر لا يحل على المذهب

خلافاً لمحمد کذا ذکرہ المصنف لکن نقل ابن الکمال عن الذخيرة انه ان غم هلال
الفطر حل اتفاقاً وفي الزيلعي الاشبه ان غم حل والا لا وهلال الاضحى وبقية الاشهر التسعة
كالقصر على المذهب ورؤية بالنهار لليلة الآتية مطلقاً على المذهب ذكره الحدادی

روزہ شہادت سے شروع ہوا تو عید کے چاند میں کیا کیا جائے جب وہ عادل کے کہنے سے روزہ رکھا گیا ہو تو تیس دن

پورے ہونے کے بعد افطار کرنا حلال و جائز ہے اس لئے کہ نصاب شہادت پایا جا رہا ہے لیکن اگر رمضان کا روزہ ایک شخص کے کہنے پر رکھا ہے اور ایسا کرنا جائز بھی ہے اور عید کے چاند کے دن آسمان ابر آلود ہو تو پھر صحیح مذہب یہ ہے کہ صرف تیس دن پورا کر کے چاند نظر آئے بغیر افطار درست نہیں ہے۔ امام محمدؒ اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں جیسا کہ مصنف نے بھی اس کو ذکر کیا ہے اور ابن کمال نے ذخیرہ نامی کتاب سے نقل کیا ہے کہ جب عید کے چاند کے دن آسمان ابر آلود ہو تو بالاتفاق افطار حلال ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ قاضی نے جب ایک کی خبر پر روزہ کا حکم دیدیا تھا تو یہ تیس روزے قاضی کے فیصلہ کے بعد ہوئے ہیں لہذا افطار میں مضائقہ نہیں اور زیلعی میں ہے کہ حق اور درست کے قریب یہ ہے کہ اگر اس دن ابر ہو تو افطار حلال ہوگا ورنہ نہیں یعنی ابر نہ ہو اور چاند نظر نہ آئے تو افطار جائز نہیں ہوگا۔

بقر عید اور دوسرے مہینوں کا چاند بقر عید اور بقیہ نو مہینے کے چاند کا حکم وہی ہے جو عید کے چاند کے سلسلہ میں گذرا، مذہب صحیح یہی ہے یعنی ذی الحجہ کے چاند میں وہی حکم ہے جو

شوال کے چاند میں ہے یعنی جب ابر ہوگا تو کم از کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورت کی گواہی سے ثابت ہوگا اور جب آسمان صاف ہوگا تو ایک جماعت کے دیکھنے سے اسی طرح رمضان، شوال اور ذی الحجہ کے علاوہ جو نو مہینے بچتے ہیں ان کا چاند بھی اسی طرح ثابت ہوگا جس طرح عید کا ثابت ہوتا ہے یعنی کم از کم دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے گواہی ثابت ہوگا۔

دن میں اگر چاند نظر آئے جو چاند دن میں نظر آئے وہ ہر صورت میں آنے والی رات کا شمار ہوگا صحیح مذہب یہی ہے، اس کا چاند کا حدادی نے ذکر کیا ہے دن میں خواہ زوال کے پہلے نظر آیا ہو یا زوال کے بعد، اور صحیح مذہب

کی مراد یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کا یہی قول ہے بدائع میں صراحت ہے کہ وہ دن جس میں چاند دیکھا گیا ہے رمضان کا شمار ہوگا اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر دن میں چاند زوال کے بعد نظر آیا ہو تو بلاشبہ وہ آنے والی رات کا شمار ہوگا اور اگر زوال کے پہلے نظر آیا ہے تو وہ گزشتہ رات میں پچھلی شب کا سمجھا جائے گا اور وہ دن رمضان کا شمار ہوگا عید کے چاند میں بھی یہی اختلاف ہوگا یعنی خواہ زوال سے پہلے دیکھا گیا ہو یا بعد زوال دونوں صورتوں میں آنے والی رات کا چاند شمار ہوگا اور وہ دن رمضان کا ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر دن میں زوال سے پہلے چاند نظر آیا ہے تو یہ چاند گزشتہ رات کا شمار ہوگا اور یہ دن عید کا دن ہوگا کیونکہ عادتاً چاند زوال کے پہلے نظر نہیں آیا کرتا ہے سوائے اسکے کہ وہ گزشتہ رات کا ہوا، طرفین امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ بات یہ ہے کہ دن کے دیکھنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، غروب آفتاب کے بعد جو چاند دیکھا جاتا ہے وہ البتہ قابل اعتماد ہے اس لئے کہ ارشاد نبویؐ ہے صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ اس حدیث میں چاند دیکھنے کے بعد روزہ اور افطار کا حکم فرمایا گیا اور قابل عمل طرفین کے قول کو کہا گیا ہے

واختلاف المطالع ورؤية نها را قبل الزوال او بعدة غير معتبر على ظاهر المذهب وعليه اكثر المشايخ وعليه الفتوى عن الخلاصة فيلزم اهل المشرق برؤية اهل المغرب اذا ثبت عندهم رؤيته اولئك بطريق موجب كما مر و قال الزيلعي الاشبه انه يعتبر لكن قال الكمال الاخذ بظاهر الرواية احوط فرع اذا رأو الهلال يكره ان يشيز واليه لانه من عمل الجاهلية كما في السراجية و كراهة البرازية.

مطالع کا اختلاف اور دن میں چاند دیکھنا خواہ زوال سے پہلے خواہ بعد، ظاہر مذہب کی بنیاد پر معتبر نہیں ہے اسی پر اکثر مشائخ کا عمل ہے اور اسی پر فتویٰ ہے بحر عن الخلاصہ، لہذا اگر اہل مغرب چاند دیکھیں گے اور روز رکھیں گے یا عید کریں گے تو اگر ان کی رویت بطریق موجب اہل مشرق کو ثابت ہو گئی ہو تو ان پر بھی روزہ رکھنا اور عید کرنا لازم ہوگا۔

اس میں شبہ نہیں ہے کہ اختلاف مطالع پایا جاتا ہے دو شہروں اور ملکوں میں اس قدر دوری ہوتی ہے کہ ایک میں چاند ایک تاریخ میں نظر آتا ہے اور دوسرے میں دوسری تاریخ میں اور یہی حال آفتاب کے مطلع کا بھی ہوتا ہے چنانچہ جس وقت ایک ملک میں صبح ہوتی ہے اسی وقت ذرا آگے پیچھے دوسرے ملک میں شام ہوتی ہے اور بعض میں آدھی رات، اختلاف اس میں ہے کہ اس اختلاف مطالع کا اعتبار کیا جائے یا نہیں ایک مذہب یہ ہے کہ ہر ملک اور قوم کیلئے اپنے مطلع کا اعتبار کرنا ضروری ہے۔ غیر ملک کے مطلع پر عمل لازم نہیں ہے جیسے آج کل عرب اور ہندوستان کا مطلع الگ الگ ہے عرب میں ایک دو دن پہلے چاند نظر آتا ہے اور ہندوستان میں ایک دو دن بعد اور دونوں اپنی اپنی رویت پر عمل کرتے ہیں دوسرا مذہب یہ ہے کہ مطلع کے اختلاف کا سرے سے اعتبار نہیں کیا جائے زمین کے جس حصہ میں بھی چاند پہلے دیکھا جائے سب کو اسی پر عمل کرنا ضروری ہے چنانچہ اگر مشرق میں جمعہ کی رات چاند دیکھا گیا اور مغرب میں سینچر کی شب میں تو اہل مغرب پر لازم ہے کہ وہ مشرق والوں کی رویت پر عمل کریں اور جمعہ کی رات کا چاند تسلیم کریں۔ بعض تو پہلا مذہب مانتے ہیں اور اختلاف مطالع کا اعتبار کرتے ہیں چنانچہ امام زلیعی اور فیض نے اسی پہلے مذہب پر اعتماد کیا ہے اور شافعیہ کے نزدیک بھی یہی مذہب صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا خطاب ہر قوم کو اس کے موافق ہے جیسا کہ نماز کے اوقات میں ہوتا ہے اور بعض لوگ دوسرے مذہب کو مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مطلع کے اختلاف کا اعتبار نہیں ہے ظاہر الروایت سے اسی دوسرے قول کی تائید ہوتی ہے اور علماء احناف عام طور پر اسی کے قائل ہیں اور مالکی اور حنبلی کا مذہب بھی دوسرے یہی ہے

طریق موجب :- طریق موجب یعنی ایسا طریقہ جس سے اس پر عمل کرنا واجب ہو جائے یہ ہے کہ دو آدمی شہادت پر شہادت دیں یا قاضی کے فیصلہ کی گواہی دیں یا خبر مستفیض ہو اور زلیعی نے کہا ہے کہ حق سے قریب تر ہے کہ اختلاف مطالع قابل اعتبار ہے اور کمال نے کہا کہ ظاہر روایت پر عمل کرنے میں زیادہ احتیاط ہے۔

جزئیات چاند جب نظر آئے تو اس وقت اس کی طرف اشارہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ جاہلیت کا عمل ہے جیسا کہ سراجیہ میں اور برزازیہ کے باب الکراہتہ میں مذکور ہے (یعنی اگرچہ اس کا منشاء دوسرے شخص کو دکھانا ہو جس نے نہیں دیکھا ہے اور علت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کراہت تنزیہی ہے۔

باب ما یفسد الصوم وما لا یفسدہ

الفساد والبطلان فی العبادات سیان اذا اكل الصائم او شرب او جامع حال كونه ناسيا فی الفرض والنفل قبل النية او بعدها علی الصحيح بحر عن القنية الا ان يذكر فلم يتذكر ويذكره لو قويا والا لا وليس عذرا فی حقوق العباد او دخل حلقه غبار او ذباب او دخان و لو ذاكرا استحسانا لعدم امكان التحرز عنه و مفاده انه لو ادخل حلقه الدخان افطر ای دخان كان ولو عودا او عنبرالو ذاكر الا مكان التحرز عنه فليتبه له كما بسطه الشربنلالی.

ان چیزوں کا بیان جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا

روزے کو توڑنے والی چیزوں کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم وہ جس سے صرف اس روزہ کی قضا لازم ہوتی ہے کفارہ واجب نہیں ہوتا اور دوسری قسم وہ جس سے قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوتے ہیں، اسی طرح جن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اس کی بھی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ جس کا کرنا مباح ہے اور دوسری قسم وہ جس کا کرنا مکروہ ہے۔

عبادات میں فساد اور بطلان دونوں برابر ہیں البتہ معاملات کے اندر ان دونوں میں فرق ہے اگر معاملہ کا کوئی اثر مرتب نہ ہو تو اس کو باطل کہتے ہیں اور اگر اثر مرتب ہو مگر اس کا شرعاً فسخ کرنا مطلوب ہو اس کو فساد (خراب ہونا) کہتے ہیں شرعاً فسخ کرنا مطلوب نہیں ہو تو اس کو صحت (صحیح ہونا) کہتے ہیں مثلاً کسی مسلمان نے مردہ جانور کو بیچا تو چونکہ اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا ہے اس لئے اس کو بیع باطل کہیں گے اور اگر کسی نے غلام کو شرط فاسد کے ساتھ بیچا اور خریدار کے حوالہ کر دیا تو خریدار اس کا مالک ہو گا لیکن اس کا فسخ کرنا بیچنے اور خریدنے والے دونوں کے ذمہ واجب ہے تو یہ بیع فاسد کہلائے گی اور اگر غلام کو بغیر کسی شرط فاسد کے بیچا ہے تو خریدار اس کا مالک ہو جائے اور اس کا فسخ کرنا واجب نہیں ہے اور اس کو بیع صحیح کہیں گے قالہ الشامی۔

روزے دار نے اگر بھول سے کھالیا، پی لیا، یا جماع کر لیا فرض روزہ میں اس نے ایسا کیا ہے یا نفل میں نیت کرنے سے پہلے ایسا کیا یا نیت کرنے کے بعد کسی صورت میں بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا (نیت سے پہلے بھول کر کھانے پینے اور جماع کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے ۲۹ شعبان کو چاند نہیں دیکھا وہ دوسرے دن اس انتظار میں کھانے پینے سے رکا رہا ہے کہ کہیں سے چاند ہونے کی خبر آجائے اسی اثنا میں اس نے بھول کر کچھ کھالیا اب اس کے بعد

بھول کر کھانا پینا

چاند ہونے کی خبر آئی تو وہ اس کے باوجود روزہ کی نیت کر سکتا ہے بلکہ کرے گا اور روزہ رکھے گا۔

البتہ اس صورت میں اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا جب اس کو روزہ یاد دلایا گیا مگر اس نے یاد نہیں رکھا اور پھر اس کے باوجود کھا پی لیا صحیح روایت یہی ہے (مگر اس پر کفارہ نہیں ہے) بھول کر کھانے والے کو یاد دلانا:۔ بھول کر اس کھانے پینے والے کو روزہ کی یاد دہانی کرائی جائے جو قوی ہو اور بلا کمزوری روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہو اور جو ایسا نہ ہو اسکے لئے اس کی گنجائش ہے کہ یاد نہ دلائے گیا قوی کو یاد دلانا لازم ہے اور نہ یاد دلانا مکروہ ہے مگر کمزور کو یاد دلانا لازم نہیں ہے۔

بھولنا حقوق العباد میں عذر نہیں ہے (یعنی اگر کوئی کسی امانت کی چیز بھول کر کھا جائے گا تو گو آخرت میں اس سے مواخذہ نہ ہو لیکن اس بھول کر کھانے والے پر دنیا میں اس کا ضمان لازم ہو گا۔

حلق میں گرد و غبار یا مکھی یاد دھواں داخل ہو اور گو اس کو روزہ یاد ہو تو بھی اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے کیونکہ ان سے بچنا ممکن ہے (قیاس چاہتا ہے کہ مکھی اگر حلق سے اتر جائے تو روزہ ٹوٹ جانا چاہئے جیسے مٹی اور کنکر کے پیٹ میں جانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اگرچہ یہ بھی غذا نہیں ہے مگر فتویٰ اسی پر ہے نہیں ٹوٹتا۔ اس کا مفاد یہ ہے کہ اگر کوئی قصد ادھواں حلق میں داخل کر لے گا تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا خواہ وہ کوئی سا بھی دھواں ہو اور گو وہ عود اور عنبر کا ہی دھواں ہو، لیکن شرط یہ ہے کہ روزہ یاد ہو کیوں کہ اس صورت میں اس سے بچنا ممکن ہے اس دھواں کے داخل کرنے کو پھول وغیرہ کی خوشبو پر قیاس نہیں کرنا چاہئے، اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حقہ پینے یا بیڑی سگریٹ پینے سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے چنانچہ شربت لالی نے شرح دہبیلہ میں اس کی صراحت کی ہے قالہ الثانی۔

او ادهن او اکتحل او احتجم وان وجد طعمه في حلقه او قبل ولم ينزل او احتلم او انزل بنظرو لو الى فرجها مرارا او بفكر وان طال مجمع او بقي بلل في فيه بعد المضمضة وابتلعه مع الريق كطعم ادوية و مص اهليلج بخلاف نحو سكر او دخل الماء في اذنه و ان كان بفعله على المختار كما لو حك اذنه بعود ثم اخرجہ و عليه درن ثم ادخله ولو مرارا او اتبلع ما بين اسنانه و هو دون الحمصة لا نه تبع لريقه و لو قدر ها افطر كما سيجئى او خرج الدم ما بين اسنانه و دخل حلقه يعنى ولم يصل الى جوفه اما اذا وصل فان غلب الدم او تساونا فسدوا الا لا اذا وجد طعمه بزازية و استحسنة المصنف و هو ما عليه الاكثر و سيجئى۔

تیل یا سرمہ لگانے یا چھپنے لگانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، اگرچہ وہ تیل اور سرمہ کا مزہ اپنے حلق میں پائیں (یا تھوک میں اس کا رنگ محسوس کریں کیونکہ مسامات کے راستہ سے جو چیز داخل ہوتی ہے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے جیسے غسل کرنے سے پانی کی ٹھنڈک آدمی پاتا ہے مگر اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے روزہ اس وقت ٹوٹتا ہے جب وہ غذا کے راستہ سے اندر داخل ہو، باقی جہاں روزہ دار کو تر کپڑا لپیٹنے اور پانی میں رہنے سے روکا گیا ہے وہ اس وجہ سے کہ یہ فعل مکروہ ہے بظاہر عبادت میں تنگ دلی کا مظاہرہ معلوم ہوتا ہے۔

بوسہ، انزال، احتلام وغیرہ بوسہ لیا اور انزال نہیں ہوا، یا خواب میں احتلام ہو گیا یا کسی کی طرف دیکھا گو عورت کی شرمگاہ ہی کو دیکھا اور انزال ہو گیا یا فکر کے دباؤ کی وجہ سے انزال ہو گیا تو ان تمام صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹے گا یا کھلی کی تھی اور منہ میں پانی کی تری تھی اور اسکو تھوک کے ساتھ نگل گیا تو بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا جیسے دو ایوں کے کوٹنے سے جو مزہ حلق میں پائے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور جیسے ہڑچبائے اور اس کا تھوک حلق میں جائے تو اس بھی روزہ نہیں ٹوٹتا البتہ شکریا اس جیسی چیز کو چبانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

کان میں تیل ڈالنا یا کسی کے کان میں خود پانی داخل ہو جائے اگرچہ ایسا خود اس کے فعل سے ہوا ہو مگر مذہب مختار یہ ہے کہ اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا البتہ کوئی قصد کان میں پانی داخل کرے تو اس سے روزہ جاتا رہے گا، اسی طرح اگر کان میں تیل ڈالنے سے بھی بالاتفاق روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

کان سے میل نکالنا جیسے کسی نے لکڑی سے کان کھجایا پھر اس کو نکال لیا اور اس پر میل تھی پھر اس کو کان میں ڈالا، اور گویا ایسا چند بار کیا، مگر اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔

دانت میں پھنسی ہوئی چیز کا نگلنا کوئی چیز دانتوں میں پھنس گئی اور وہ چنے سے چھوٹی تھی اسے روزہ دار نے زبان سے نکال کر نگل لیا تو اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹا کیونکہ وہ اس کے تھوک کے تابع ہے (اور بحر میں کہا ہے کہ اتنی سی چیز قلیل ہے اور اس سے بچنا ممکن ہے کیونکہ یہ بمنزلہ لعاب دہن ہے لیکن اگر وہ دانت میں پھنسی ہوئی چیز چنا کے برابر تھی یا اس سے بڑی تو اس کے نگلنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

یاد دانتوں سے خون نکلا اور وہ اس کے حلق میں چلا گیا گو اس کے پیٹ تک نہیں پہنچا تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا لیکن اگر وہ خون پیٹ میں پہنچ گیا اور خون غالب تھا یا تھوک اور خون دونوں برابر تھے تو اس میں روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر ایسا نہ ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، البتہ خون کم ہونے کی صورت میں جب اس کا مزہ پائے گا تو بھی روزہ ٹوٹ جائے گا مصنف نے اس کو پسند کیا ہے اور یہ جو تفصیل مذکور ہوئی اس پر اکثر مشائخ ہیں اور عنقریب یہ بحث آئے گی۔

او طعن برمح فوصل الی جوفه وان بقی فی جوفه کما لو القی حجر فی الجائفة او نفذ السهم من الجانب الاخر ولو بقی النصل فی جوفه فسد او ادخل عودا او نحوہ فی مقعدته وطرفه خارج وان غیبه فسدو کذا الوابتلع خشبة او خیطا ولوفیه لقمة مربوطة الا ان ینفصل منها شئی و مفاد لا ان استقرار الداخل فی الجوف شرط للفساد بدائع او ادخل اصبعه الیابسة فیہ ای دبرہ او فرجہا و لو مبتلة فسدو لو ادخلت قطنۃ ان غابت فسدو ان بقی طرفہا فی فرجہا الخارج لا ولو بالغ فی الاستجاء حتی بلغ موضع الحقنة فسدو هذا قلما یکون ولو کان فیورث داء عظیمًا۔

نیزہ کا پیٹ میں مارنا کسی کو نیزہ سے مارا اور وہ اس کے پیٹ تک پہنچ گیا اگرچہ وہ اس کے اندر باقی رہ گیا تو بھی اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، جیسے کوئی اس زخم میں کنکری

ڈالے جو پیٹ تک پہنچا ہوا ہے یا کوئی تیر ایک طرف سے لگ کر دوسری طرف نکل جائے تو ان صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹے گا لیکن اگر تیر کی پھلی اندر رہ گئی ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

بعض دوسری چیزیں جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا

کسی نے لکڑی یا اس جیسی چیز اپنے پانچخانہ کے مقام میں داخل کر لی، اس طرح کہ اس کا دوسرا کنارہ باہر تھا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا اور اگر پوری کی پوری اندر داخل ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اسی طرح جب کوئی لڑکی نکل لے گا تو اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا یا دھاگا نکل گیا اگرچہ اس میں ایک لقمہ بندھا ہوا تھا البتہ جب اس میں سے کچھ حصہ پیٹ میں رہ جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اس کا حاصل یہ ہے کہ روزہ ٹوٹنے کے لئے شرط یہ ہے کہ اندر داخل ہونے والی چیز اندر ٹھہر جائے۔

یا کسی نے اپنی سوکھی ہوئی انگلی اپنے پچھلے حصہ میں داخل کی یا عورت نے اپنی شرمگاہ میں داخل کی تو اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا ہے لیکن اگر انگلی تر ہوگی تو روزہ ٹوٹ جائے گا یا عورت نے اپنی شرمگاہ میں روئی ڈالی اور وہ اس میں غائب ہو گئی تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر اس کا دوسرا کنارہ اسکی شرمگاہ کے باہر ہی حصہ میں باقی رہا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

استنجا میں مبالغہ

یا استنجا کرنے میں مبالغہ کیا یہاں تک کہ حقنہ کی جگہ تک پہنچ گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور ایسا بہت کم ہوتا ہے اور اگر ایسا ہو تو یہ سخت بیماری کا سبب ہوتا ہے (حقنہ کی جگہ سے وہ جگہ مراد ہے جہاں سے دوامعدہ میں گرتی ہے۔)

اونزع المجامع حال كونه ناسيا في الحال عند ذكره و كذا عند طلوع الفجر و ان امنی بعد النزاع لا نه كا لا حتلام و لو مكث حتى امنی اولم يتحرك قضی فقط و ان حرك نفسه قضی و كفر كما لو نزاع ثم اولج او رمی اللقمة من فيه عند ذكره او طلوع الفجر ولو ابتلعها ان قبل اخراجها كفرو بعده لا۔

بھول کی جماع

یا کوئی بھول کر جماع کر رہا تھا یاد آتے ہی نکال لیا تو اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا اسی طرح اس وقت بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا جب کوئی صبح صادق سے پہلے قصد اجماع کر رہا تھا پھر صبح صادق کے طلوع ہوتے ہی باہر نکال لیا اگرچہ باہر نکالنے کے بعد اس کی منی بھی نکل گئی ہو، کیونکہ یہ احتلام کے درجہ میں ہے لیکن اگر صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد ٹھہر رہا یہاں تک منی نکل آئی اور اس نے حرکت نہیں کی تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور اس پر اس کی صرف قضا واجب ہوگی کفارہ واجب نہیں ہوگا اور اگر اس نے اس حالت میں اپنے کو حرکت دی ہے اور منی خارج ہوئی تو قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوگا۔

اوپر کے مسئلے میں اگر جماع کرتے ہوئے خواہ بھول کر ہو یا طلوع صبح صادق کے وقت اگر اس نے اپنی شرمگاہ نکال کر پھر داخل کی ہے تو قضا کے ساتھ کفارہ بھی واجب ہوگا۔

بھول کر کھانا

بھول کر کھایا اور یاد آتے ہی لقمہ پھینک دیا، یا قصد اخیر رات میں کھا رہا تھا اور صبح صادق ہوتے ہی منہ سے لقمہ نکال کر پھینک دیا تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا اور اگر لقمہ نکل گیا منہ سے نہیں نکالا تو کفارہ بھی

لازم ہو گا اور اگر اگلے ہوئے لقمہ کو کھا گیا ہے تو کفارہ لازم نہیں ہے کیونکہ طبعیت اس سے نفرت کرتی ہے۔

او جامع فیما دون الفرج و لم ينزل یعنی فی غیر السیلین کسرہ و فخذو کذا الا ستمناء بالكف و ان کره تحريما لحديث ناكح اليد ملعون و لو خاف الزنا يرجی ان لا وبال عليه او ادخل ذكره فی بهيمة او ميتة من غير انزال او مس فرج بهيمة او قبلها فانزل او اقطر فی احليله ماء دهنًا وان وصل الى المثانة على المذهب و اما فی قبلها فمفسد اجماعا لانه كا لحقنة او اصبح جنبًا و ان بقى كل اليوم او اغتاب من الغيبة او دخل انفه مخاط فاستشمه فدخل حلقه و ان نزل لرأس انفه كما لو ترطب شفتاه بالزراق عند الكلام و نحوه فابتلعه او سال ريقه الى ذقنه كالخيط ولم ينقطع فاستنشقه ولو عمدا خلافا للشافعي فی القادر على مج النخامة فينبغي الاحتياط او ذاق شيئا بفيه وان کره لم يفطر جواب الشرط و كذا لو قتل الخيط ببزاقه مراراً و ان بقى فيه عقدا البزاق الا ان يكون مصبوغا و ظهر لونه فی ريقه و ابتلعه ذاكر او نظم ابن الشحنة فقال مكرر بل للخيط بالريق فأتلا بادخاله فی فيه لا يتضرر و عن بعضهم ان يبلغ الريق بعدذا يضر كصبغ لونه فيه يظهر.

اور اگر اگلے یا پچھلے حصہ کے سوا دوسری جگہ میں جماع کیا جیسے ران میں یا ناف میں اور انزال نہیں ہوا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اسی طرح ہاتھ سے بھی منی نکالنے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا ہے گو ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے حدیث میں آیا ہے ناکح اليد ملعون (مشت زنی کرنے والا ملعون ہے اگر اس نے ایسا کرنا کے خوف سے کیا ہے تو اس کی امید کی جاتی ہے کہ اس کی وجہ سے اس پر کوئی وبال نہ ہوگا) البتہ اگر مزہ لینے کیلئے کرے گا تو گنہگار ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی نے اپنا عضو مخصوص کسی چوپایہ اور مردہ انسان میں داخل کیا اور انزال نہیں ہوا تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا لیکن اگر انزال ہو جائے گا تو قضا واجب ہوگی۔

یا کسی جانور کی پیشاب گاہ کو ہاتھ لگایا اس کا منہ چوما اور اس کی وجہ سے انزال ہو گیا تو اس صورت میں بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

یا کسی مرد نے اپنے عضو مخصوص میں پانی یا تیل پٹکایا اگرچہ وہ مثانہ تک پہنچ گیا تو بھی صحیح مذہب اسی پر ہے کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا

(امام محمدؒ اور امام ابو حنیفہؒ کا قول یہی ہے لیکن امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا ان کا خیال ہے کہ اس سے گزرنے کا راستہ ہے مگر صحیح یہ ہے کہ راستہ نہیں ہے اس لئے روزہ کا نہ ٹوٹنا ہی زیادہ صحیح ہے۔

البتہ پانی یا تیل عورت کے عضو مخصوص میں ڈالنے سے اس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ یہ حقنہ کی طرح ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

حالت جنابت میں صبح ہو گئی اور وہ گو تمام دن اسی طرح جنبی رہا اس نے غیبت کی تو بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا یا اس کی ناک میں رینٹ آگیا پھر اس نے اسے اوپر کھینچا جس کی وجہ سے وہ رینٹ اس

جنابت و غیبت

تک آگیا ہو تو بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

کے حلق میں چلا گیا اگرچہ وہ اس کے ناک کے سرے تک آگیا ہو تو بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے بات چیت کے وقت کسی کے دونوں ہونٹ تھوک سے تر ہو جائیں پھر وہ اس کو نگل جائے یا اس کا لعاب دھاگے کی طرح اس کی ٹھڈی تک بہہ آئے اور وہ نہ ٹوٹے پھر وہ سانس کے ذریعہ اس کو اوپر چڑھالے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے اگرچہ اس لعاب کے دھاگے والی دھاری کو اس نے قصد اوپر چڑھایا ہو تو بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جو کھنکار کر پھینکنے پر قدرت رکھتا تھا اس نے اگر ایسا کیا ہے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا اس لئے احناف بھی کہتے ہیں اس میں احتیاط ضروری ہے تاکہ اختلافی صورت سے بچ جائے۔

چکھنا اور تھوک کا استعمال

یا کسی نے کوئی چیز منہ سے چکھی گویا چھلکنا مکروہ ہے اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا اور یہی حکم ہے اس صورت کا کہ کسی نے اپنا تھوک لگا کر چند بار تاگا بانٹا گو اس میں تھوک کا اثر رہ گیا ہو یعنی روزہ نہیں ٹوٹے گا لیکن اگر تاگار نکلیں ہو اور تھوک نکالنے سے اس کا رنگ تھوک میں ظاہر ہو اور پھر اس کو نگل جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اس کو ابن شحہ نے نظم کیا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ تاگہ کو بار بار تھوک میں بھگو کر ہانٹنے والا منہ میں داخل کرنے سے نقصان نہیں اٹھاتا ہے یعنی اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا ہے اور بعض مشائخ کی روایت ہے کہ اگر اس کو نگل جائے گا تو روزہ ٹوٹ جائے گا جس رنگ میں تھوک لگانے سے رنگ ظاہر ہو اور پھر اس کو نگل جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

وان افطر خطأ كان تمضمض فسبقة الماء او شرب نائما او تسحرا و جامع على ظن عدم الفجر او او جر مكرها او نائما و اما حديث رفع الخطأ فالمراد رفع الاثم وفي التحرير المواخذة بالخطا جائزة عندنا خلافا للمعتزلة.

اور اگر غلطی سے افطار ہو گیا جیسے کلی کر رہا تھا اور حلق میں پانی چلا گیا غلطی سے حلق میں پانی کا جانا وغیرہ سونے کی حالت میں پانی پی لیا یا اس خیال میں سحری کھالی، یا جما کر لیا کہ صبح صادق نہیں ہوئی ہے (حالانکہ ہو چکی تھی) تو اس صورت میں صرف قضاء لازم ہے کفارہ واجب نہیں ہے یہ صورتیں وہ ہیں جن میں قصد و ارادہ کو دخل نہیں ہے۔

زبردستی منہ میں ڈالنا

یا اس کے حلق میں زبردستی کوئی چیز ڈالی جائے (یا زبردستی کرنے کی وجہ سے کوئی چیز کھالی لی، تو اس صورت میں بھی روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضاء لازم ہوگی، یا سونے کی حالت میں کوئی چیز حلق میں ڈالی جائے تب بھی صرف قضا لازم ہوگی) کفارہ نہیں ہے، باقی وہ حدیث جس میں کہا گیا ہے کہ خطا معاف ہے اس کی مراد یہ ہے کہ گناہ گار نہیں ہو گا باقی دنیا میں اس کا اثر ظاہر ہو گا اور روزہ جاتا رہے گا البتہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مکروہ اور خطی کار روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔

تحریر نامی کتاب میں ہے کہ ہمارے نزدیک خطا پر مواخذہ جائز ہے معتزلہ کے نزدیک البتہ درست نہیں۔

او اکل او جامع ناسیا او احتلم او انزل بنظر او ذر عہ القنی فظن انه افطر فاکل عمدا للشبهة و لو علم عدم فطره لزمته الکفارة الا فی مسئلة المتن فلا کفارة مطلقا علی المذهب لشبهة خلاف مالک خلافا لهما کما فی المجمع و شروحه فقید الظن انما هو لبيان الاتفاق او احتقن او استعط فی انفه شیئا او اقطر فی اذنه رهنا او داوی جائفة او امة فوصل الدواء حقيقة الی جوفه و دماغه .

بھول سے وطی اور کھانا و احتلام وغیرہ یا کسی نے بھول کر کھالیا یا بھول کر وطی کر لی یا اس کو احتلام ہو گیا یا کسی طرف دیکھا اور اس کو انزال ہو گیا یا اس کو قے آئی اور اس نے ان صورتوں میں سمجھا کہ اس کا روزہ ٹوٹ گیا اور یہ سمجھ کر قصد اکھالیا یا جماع کر لیا تو قضا لازم ہوگی البتہ کفارہ نہیں ہوگا اس لئے کہ شبہ کی وجہ سے اس نے ایسا کیا ہے۔

بھول کر کھانے کے بعد پھر قصد اکھانا لیکن اگر اس معلوم کو تھا کہ روزہ فلاں صورت میں نہیں ٹوٹا ہے اور پھر قصد اکھاپی لیا تو اس پر قضا کے ساتھ کفارہ بھی لازم ہوگا لیکن اوپر والی صورتوں میں یعنی بھول کر کھالیا یا وطی کر لی پھر اس نے سمجھا کہ روزہ ٹوٹ گیا اور پھر قصد اکھالیا یا تو صحیح مذہب پر کفارہ نہیں کیونکہ اس میں امام مالک کے اختلاف کا شبہ ہے کیونکہ ان کے نزدیک بھول کر کھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے صاحبین کہتے ہیں کہ اوپر کے مسئلوں میں اگر اس کو معلوم تھا کہ روزہ نہیں ٹوٹا اور پھر قصد اکھالیا تو کفارہ بھی لازم ہوگا۔

حقنہ اور کان ناک میں تیل وغیرہ ڈالنا یا حقنہ لگوایا یا ناک کے راستہ سے کوئی چیز چڑھائی کان میں تیل چڑھایا اس نے اس زخم میں دوا ڈالی جو پیٹ تک جاتا تھا یا ایسے زخم میں دوا ڈالی جو دماغ تک پہنچتا تھا اور وہ دوا حقیقتاً دماغ اور پیٹ تک پہنچ گئی تو اس صورت میں قضا لازم ہے کفارہ واجب نہیں ہے۔

او ابتلع حصاة ونحوها مما لا یاکله الا نسان او یعانه او یستقذره و نظم ابن الشحنة فقال ومستقذر مع غیر ما کول مثلنا . ففي اكله التكفير يلغى و یهجر . او لم ینوفی رمضان کله صوما ولا فطرا مع الامسال لشبهة خلاف زفر او اصبح غیر نا وللصوم فالکل عمدا ولوبعد النية قبل الزوال لشبهة خلاف الشافعی و مفاده ان الصوم بمطلق النية كذلك او دخل حلقه مطر او ثلج بنفسه لامکان التحرز عنه بضم فمه بخلاف نحو الغبار و القطرتین من دمومه او عرقه واما فی الا کثر فان وجد الملوخة فی جمیع فمه واجتمع شئی کثیر او ابتلعه افطر والا لا خلاصة .

قابل نفرت اور ناگوار چیز کا کھانا یا ایسی چیز نگل گیا جسے انسان نہیں کھاتا ہے یا جس سے نفرت کرتا ہے یا جس کا کھانا ناگوار جانتا ہے جیسے کنکریاں جیسی اور کئی چیز تو اس سے صرف قضا واجب ہے کفارہ واجب نہیں ہوتا ہے کیونکہ اس سے نہ جسم کو کوئی فائدہ پہنچتا اور نہ خوشگوار حاصل ہوتی۔

یا کسی نے پورے رمضان روزہ دار کی طرح رہا (یعنی صبح صادق سے لیکر غروب آفتاب تک نہ کھایا نہ پیا اور نہ جماع کیا) مگر نیت نہیں کی نہ روزہ کی اور نہ افطار کی، تو اس میں بھی صرف قضا واجب ہوگی کفارہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ اس میں امام زکر کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں بلا نیت کے بھی روزہ دار ہوگا دوسری بات یہ ہے کہ نیت نہ ہونے کی وجہ سے جب اس کا روزہ ہی نہیں ہوا تو پھر کفارہ کیسے واجب ہوتا۔

یا کسی نے صبح کی اس طرح کہ روزہ کی نیت نہیں کی اور پھر قصداً رات میں نیت نہیں کی اور صبح میں کھالیا کھالیا اگرچہ اس نے زوال سے پہلے نیت کرنے کے بعد ہی کھایا ہو تو اس صورت میں صرف قضا واجب ہوگی کفارہ واجب نہیں ہوگا اس وجہ سے امام شافعی کے خلاف مشابہت پائی گئی ان کا کہنا ہے کہ دن کی نیت سے روزہ نہیں ہوتا ہے تو مذکورہ صورت میں ان کے نزدیک روزہ نہیں ہوا جسکے توڑنے سے کفارہ لازم آتا۔ اس سے یہ بھی مستفاد ہوا کہ مطلق نیت سے اگر کوئی روزہ رکھے اور پھر قصد اکھاپی لے تو قضا واجب ہوگی اور کفارہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ امام شافعی کے نزدیک مطلق نیت سے رمضان کا روزہ نہیں ہوتا ہے۔

یا کسی روزہ دار کے منہ میں از خود بارش کا پانی یا برف داخل ہو جائے تو اس صورت میں قضا واجب ہے، کیونکہ منہ بند کر کے اس سے بچ سکتا تھا البتہ گرد و غبار اور آنسو اور پسینہ کے ایک دو قطرہ سے بچنا مشکل ہے اس لئے اس میں قضا بھی لازم نہیں ہے، لیکن چونکہ خود سے داخل ہوا ہے اس لئے کفارہ واجب نہیں ہوگا۔

لیکن آنسو یا پسینہ کا دو قطرہ سے زیادہ منہ میں چلا جائے اور اس کی نمکینیت اپنے پورے منہ میں پائے یا بہت سا جمع ہو جائے اور اس کو نگل جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ ورنہ نہیں کذا فی الخلاصہ۔

او و طئی امرأة میتة او صغيرة لا تشتهی نہر او بهیمة اور فحذا او بطن او قبل ولو قبله فاحشة بان يد غدغ او یمص شفٹیها او لمس ولو بحائل لا یمنع الحرارة او استمنى بکفه او بمباشرة فاحشة ولو بین المرأتین فانزل قید للکل حتی لو لم ینزل لم یفطر کما مر او افسد غیر صوم رمضان اداء لا اختصاصها بهتک رمضان او وطئت نائمة او مجنونة بان اصبحت صائمة فجنّت او تسحرا او افطر یظن الیوم ای الوقت الذی اکل فیہ لیلا والحال ان الفجر طالع والشمس لم تغرب لف ونشر ویکفی الشک فی الاول دون اثنی عملا بالاصل فیہما ولو لم یتبین الحال لم یقض فی ظاہر الراویة والمسئلة تتفرع الی ستہ وثلثین محلها المطولات قضی فی الصور کلها فقط کما لو شهدا علی الغروب واخلان علی عدمہ فافطر فظهر عدمہ ولو کان ذلک فی طلوع الفجر قضی وکفر لان شهادة النفی لا تعارض شهادة الاثبات .

غیر محل میں وطی کرنا

یا کوئی روزہ دار مردہ عورت کے ساتھ وطی کرے تو اس سے قضا واجب ہوگی کفارہ واجب نہیں ہوگا اس لئے کہ ایسا محل نہیں پایا گیا جس میں پوری شہوت پائی جاتی ہو، یا ایسی چھوٹی لڑکی کے ساتھ وطی کرے جو ابھی مشہقہ نہیں ہوئی تھی یا چوپایہ کے ساتھ وطی کرے یا کسی کی ران یا پیٹ میں وطی کرے یا کھل کر اس طرح عورت کا بوسہ لے کہ اسے گدگدائے یا اس کے ہونٹوں کو چوسے اور اس کی وجہ سے انزال ہو جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضا واجب ہوگی کفارہ واجب نہیں ہوگا اور اگر عورت مرد کا بوسہ لے اور انزال کی لذت پائے اور گور طوبت ظاہر نہ ہو پھر بھی اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا امام ابو یوسف کا مذہب یہی ہے امام محمدؒ البتہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

لمس استمنا بالید

یا اس طرح آدمی کو چھوا کہ گود درمیان میں کوئی چیز حائل تھی مگر حرارت کے لئے مانع نہیں تھی اور انزال ہو گیا تو بھی روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا واجب ہوگی کفارہ واجب نہیں ہوگا یا اپنی ہتھیلی سے منی نکالی یا اپنی بیوی کے ہاتھ یا مباشرت فاحشہ کے ذریعہ منی نکالی اس طرح کہ دونوں ننگے ہو گئے اور شرمگاہوں کو ملایا اور اس میں انزال ہو گیا تو بھی روزہ ٹوٹ جائے گا، اگر اوپر کی صورتوں میں انزال نہیں ہوا ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے یا رمضان کے اور روزہ کے علاوہ کوئی دوسرا روزہ فاسد کر دیا (توڑ دیا) تو قضا لازم ہوگی، کفارہ واجب نہیں ہوگا اس لئے کہ کفارہ صرف رمضان کے روزوں کی بے حرمتی کے لئے مخصوص ہے دوسرے روزہ کے توڑنے سے کفارہ واجب نہیں ہوتا ہے۔

غیر رمضان کا روزہ توڑنا

یا کسی سوئی ہوئی یا پاگل عورت کے ساتھ وطی کچھ اور صورتیں جن میں صرف قضا ہے کفارہ نہیں

یہ خیال کر کے کہ ابھی رات باقی ہے سحری کھائی حالانکہ صبح ہو چکی تھی یا یہ سمجھ کر کہ آفتاب ڈوب چکا ہے افطار کر لیا حالانکہ آفتاب نہیں غروب ہوا تھا ان روزوں کی قضا واجب ہے کفارہ واجب نہیں ہے اس لئے کہ شک کی وجہ سے ایسا ہوا اور اگر کسی نے رات سمجھ کر سحری کھائی اور گو صبح صادق ہو چکی تھی مگر اس پر کچھ ظاہر نہیں ہوا، یعنی صبح صادق کا ہونا قطعاً ظاہر نہیں ہوا، تو اس صورت میں قضا بھی واجب نہیں ہے یا صبح ہونے کا یقین نہیں ہوا تو بھی قضا لازم نہیں۔

یہاں ۳۶ طریقے پر مسائل نکلتے اور پیدا ہوتے ہیں جس کا ذکر بڑی بڑی کتابوں میں آئیگا (ان میں چند یہ ہیں) مثلاً کسی نے رات سمجھ کر سحری کھائی اور واقعی رات ہی تھی تو اس پر کچھ نہیں ہے نہ قضا نہ کفارہ یا رات سمجھ کر سحری کھائی اور کچھ معلوم نہ ہوا کہ رات باقی تھی یا صبح ہو چکی تھی تو بھی اس پر کچھ واجب نہیں، رات سمجھ کر سحری کھائی اور معلوم ہوا کہ صبح صادق ہو چکی تھی تو اس پر صرف قضا واجب ہے کفارہ نہیں سحری کھائی اور شک تھا کہ رات ہے یا نہیں بعد میں معلوم ہوا کہ رات تھی تو اس پر بھی کچھ نہیں یا بعد میں کچھ پتہ ہی نہیں چلا کہ معاملہ کیا تھا تو بھی کچھ واجب نہیں اور اگر معلوم ہوا کہ صبح ہو چکی تھی تو صرف قضا واجب ہوگی اسی طرح غروب آفتاب سمجھ کر افطار میں چند صورتیں نکلیں گی۔

گواہوں کی گواہی پر افطار

اسی طرح صرف قضا اس شخص پر لازم ہے کہ جس کے سامنے دو شاہدوں نے آفتاب کے غروب ہونے کی گواہی دی اور دو شاہدوں نے گواہی دی کہ آفتاب نہیں غروب ہوا ہے اس نے غروب ہونے کی گواہی دینے والے پر اعتماد کر کے افطار کر لیا مگر بعد میں معلوم ہوا کہ آفتاب غروب نہیں ہوا تھا تو اس پر کفارہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ اس نے ایک طرح کے گواہوں کی گواہی پر اعتماد کر کے افطار کیا تھا۔ اگر گواہوں کا یہ اختلاف صبح صادق کے طلوع ہونے میں ہوا اور اس نے سحری کھائی رات کی گواہی دینے والے پر اعتماد کر کے تو اس صورت میں جبکہ صبح ہونا محقق ہو گیا اس پر قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے۔ اس لئے نفی کی گواہی اثبات کی گواہی کا معارضہ نہیں کر سکتی ہے (کیونکہ گواہ ثابت کرنے کے لئے ہوتے ہیں نفی کے لئے نہیں ہوتے لہذا اثبات کرنے والے کی گواہی مقبول ہوگی۔

واعلم ان كل ما انتقى فيه الكفارة محله ما اذا لم يقع منه ذلك مرة بعد اخرى لاجل قصد المعصية فان فعله وجبت زجراله بذلك افتى ائمة الامصار وعليه الفتوى قنية وهذا احسن نهر والا خيران يمسكان بقية يومهما وجوبا على الاصح لان الفطر قبيح وترك القبيح شرعا واجب كمسافر اقام وحائض ونفساء طهرتا ومجنون افاق ومريض صح و مفطر ولو مكرها او خطأ وصبي بلغ و كافر اسلم و كلهم يقضون ما فاتهم الا الاخيرين و ان افطر العدم اهليتهما في الجزء الاول من اليوم و هو السلب في الصوم لكن لو نويا قبل الزوال كان نفلا فيقضى بالافساد كما في الشرب نلالية عن الخانية .

تکرار فعل کا نتیجہ

اوپر جن صورتوں میں صرف قضا واجب ہونے کا حکم دیا گیا ہے اور کفارہ کو واجب نہیں کیا گیا ہے وہ اس صورت کے ساتھ مخصوص ہے جب روزہ رکھنے والے نے معصیت کے قصد سے اس فعل کا تکرار نہ کیا ہو، لیکن اگر وہ اسے بار بار کرے گا تو بطور زجر اس پر کفارہ واجب ہو گا شہروں کے اماموں نے اسی کا حکم دیا ہے اور اسی پر فتویٰ بھی ہے۔

روزہ نہ ہونے کے باوجود نہ کھانا پینا

جس نے رات سمجھ کر سحری کھائی اور بعد میں معلوم ہوا کہ صبح ہو چکی تھی یا آفتاب کو غروب سمجھ کر افطار کر لیا حالانکہ غروب نہیں ہوا تھا ان کے لئے حکم یہ ہے کہ یہ دونوں بغیر کھائے پیئے روزہ دار کی طرح رہیں اور اس طرح رہنا ان کے لئے واجب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ رمضان میں افطار سے رہنا قبیح ہے اور شرعاً قبیح فعل کا چھوڑنا واجب ہے یوں رمضان کا احترام بھی ضروری ہے البتہ حیض و نفاس والی عورت اسی طرح بیمار اور مسافر مرد و عورت پر بھوکے پیاسے روزہ دار کی طرح رہنا واجب نہیں ہے۔ ہاں اس مسافر پر جو مقیم ہو گیا اور اس حیض و نفاس والی عورت پر جو دن کے کسی حصہ میں پاک ہو گئی اور اس پاگل پر جس کو رمضان کے دن کے کسی حصہ میں افاقہ ہو گیا اور اس بیمار پر جو تندرست ہو گیا اس کا واجب ہے یعنی وہ رمضان کے احترام میں دن کے بقیہ حصہ میں کھانا پینا اور جماع حتیٰ طور پر چھوڑ دے گا گو ان کا روزہ نہیں ہے کیونکہ وہ پہلے حالت سفر میں حیض و نفاس

اور جنون میں کھا چکے ہیں چنانچہ اگر مسافر نے دوپہر سے پہلے ابھی کچھ کھایا یا نہیں تھا کہ یتیم ہو گیا تو اس پر روزہ رکھنا لازم ہے کیونکہ وہ نصف النہار تک نیت کر سکتا ہے۔

رمضان میں جب کسی عذر شرعی کی وجہ سے روزہ نہیں رکھا کھاپی لیا تھا اور پھر اس کا عذر اسی دن کے کسی حصہ میں ختم ہو گیا تو اس کا فرض ہے کہ عذر ختم ہونے کے بعد روزہ دار کی طرح بھوکا پیاسا رہے، یا شبہ کی وجہ سے کسی کا روزہ ٹوٹ گیا اور اس کو معلوم ہو گیا کہ آج کے دن کا اس کا روزہ نہیں ہو گا تو بھی اس پر لازم ہے کہ روزہ دار کی طرح رہے، کھانا پینا چھوڑ دے۔

اسی طرح اگر کسی نے کسی کو دباؤ کی وجہ سے روزہ توڑ دیا ہے یا غلطی سے ایسا کیا ہے تو اس پر بھی واجب ہے کہ وہ اس دن روزہ دار کی طرح بغیر کھائے پیئے اور بغیر جماع کے گزارے، اور اس نابالغ بچہ پر جو رمضان کے دنوں میں سے کسی دن کھانے پینے کے بعد بالغ ہو گیا یا کافر مسلمان ہو گیا واجب ہے کہ دن کا بقیہ حصہ بچہ بالغ ہونے کے بعد اور کافر مسلمان ہونے کے بعد روزہ دار کی طرح بغیر کھائے پیئے گزارے۔ اور اس بالغ ہونے والے بچہ اور مسلمان ہونے والے کافر کے سوا اس دن کی قضا سمجھوں پر واجب ہے ان دونوں پر قضا اس وجہ سے واجب نہیں کہ دن کے ابتدائی حصہ میں نابالغ اور کافر ہونے کی وجہ سے روزہ رکھنے کے اہل ہی نہیں تھے اور یہی ابتدائی حصہ سبب ہے باقی ان کے سوا جیسے حیض و نفاس والی عورت جو پاک ہوئی ہے یا مسافر جو مقیم ہو گیا ہے یا بیمار جو تندرست ہو گیا ہے سب پر روزہ رکھنا فرض ہوتا ہے عذر کی وجہ سے وہ فرض ساقط ہوا تھا اس لئے اب قضا واجب ہے۔

لیکن اگر بالغ ہونے والا بچہ اور مسلمان ہونے والا کافر نصف النہار سے پہلے روزہ کی نیت کر لے گا تو ان دونوں کا نفل روزہ ہو گا اور اس روزہ کو فاسد کرنے سے اس کی قضا ان پر واجب ہو گی۔

ولو نوى المسافر والمجنون و المريض قبل الزوال صح عن الفرض ولو نوى الحائض والنفساء لم يصح اصلا للمنافى اول الوقت و هو لا يتجزى ويؤمر الصبي بالصوم اذا اطاقه ويضرب عليه ابن عشر كالصلوة فى الاصح .

اور مسافر جو مقیم ہو گیا ہے اور پاگل جس کو صحت ہو گئی ہے اور بیمار تندرست ہو گیا اگر نصف النہار شرعی سے پہلے ایسا

مقیم ہونے والے مسافر وغیرہ کا روزہ رکھنا

ہو اور وہ روزہ کی نیت نصف النہار سے پہلے کر لیں تو ان کا فرض روزہ ادا ہو جائے گا لیکن اگر حیض و نفاس والی عورت نصف النہار سے پہلے پاک ہو اور وہ فرض روزہ کی نیت کر لے تو ان کا فرض روزہ ادا نہیں ہو گا بلکہ نفل روزہ بھی درست نہیں ہو گا کیونکہ دن کے ابتدائی حصہ میں روزہ کا منافی حیض و نفاس موجود تھا اور روزہ ایک عبادت ہے اس کا تجزیہ نہیں ہوتا ہے جب ابتدائی حصہ میں روزہ کو توڑنے والی چیز پائی گئی ہے تو پھر روزہ نہیں ہو سکتا ہے۔

نابالغ پر روزہ

نابالغ لڑکا جب روزہ رکھنے کی طاقت کا مالک ہو جائے تو اس کو روزہ رکھنے کا حکم کیا جائے گا اور جب وہ دس برس کی عمر کا ہو جائے تو روزہ نہ رکھنے پر اس کو تنبیہ بھی کی جائے گی جس طرح نماز کے سلسلہ میں حدیث ہے کہ بچہ جب سات سال کا ہو جائے تو اس کو نماز کے لئے کہا جائے اور جب دس سال کا ہو جائے تو نماز کے لئے اس کو پٹایا جائے اور یہ ذمہ داری اس بچہ کے ولی اور سرپرست کی ہے اسی طرح اس عمر میں بچے منکرات سے روکے بھی جائیں گے یہ مطلب نہیں ہے کہ پورے رمضان کا روزہ رکھوایا جائے بلکہ جتنے دن وہ آسانی سے رکھ سکے رکھنے دیا جائے۔

دو چار دن پھر اگلے سال دس پندرہ دن اس طرح اس کو تدریجی طور پر روزہ کی عادت ڈالنی ہے اگر نابالغ بچہ روزہ رکھ کر توڑ دیں گے تو ان پر اس کی قضا واجب نہیں ہوگی۔

و ان جامع المكلف ادما مشتهی فی رمضان ادا لما مرّ او جومع وتوارت الحشفة فی احد السبیلین انزل اولا او اكل او شرب غذاء بكسر الغین وبالذال المعجمتین والمد ما يتغذى به او دواء ما يتداوى به والضابط و صول مافیه صلاح بدنه لجوفه و منه ريق حبیه فيكفر لوجود معنی صلاح البدن فيه دراية غير ها و ما نقله الشربنلالی عن الحدادی رده فی النهر عمدا راجع للكل.

اب آگے اپنے مسائل بیان وہ صورتیں جن میں قضا کے ساتھ کفارہ بھی واجب ہوتا ہے

ساتھ کفارہ بھی واجب ہوتا ہے۔

اگر کسی عاقل بالغ نے ادائے رمضان کا روزہ کی حالت میں کسی لائق شہوت آدمی سے قصد اجماع کیا یا اسکے آگے پیچھے دونوں صورتوں میں سے کسی میں قصد اجماع کیا گیا اور جماع کرنے والے کا حشفہ (عضو تناسل کا الگاسرا) اس میں چھپ گیا، خواہ انزال ہو یا انزال نہ ہو قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوگا۔

یہ بات واضح رہے کہ کفارہ صرف ادائے رمضان کا روزہ بلا عذر شرعی توڑنے پر لازم ہوتا ہے کیونکہ اس سے رمضان کی حرمت پر حرف آتا ہے رمضان کا قضا روزہ اگر کوئی اس طرح توڑ دے گا تو اس پر کفارہ نہیں ہے، پھر جماع کرنے والے کے لئے قید لگائی کہ وہ عاقل و بالغ ہو، نابالغ اور پاگل نہ ہو کہ اس پر کفارہ نہیں ہے جماع آدمی کیساتھ پایا جائے جنی کے ساتھ نہ ہو کہ اس کے ساتھ جماع سے کفارہ نہیں ہے اور جس سے جماع ہو وہ مشتهی (قابل شہوت) ہو یعنی وہ مرد نہ ہو، یا عورت کے ساتھ جماع کرے اور جماع کرنے والے کا حشفہ غائب ہو جائے تو اس عورت پر قضا کفارہ دونوں لازم ہوں گے، انزال قید نہیں ہے کیونکہ حشفہ کے اندر جانے سے جماع متحقق ہو جاتا ہے اور غذا یا دوا قصد اکھایا یا غذا کہتے جس کے بدن کی اصلاح ہوتی ہو اور غذا بنتی ہو جیسے گیہوں کی روٹی وغیرہ اور دوا وہ ہے جس سے شفا طلب کی جائے تو اس سے بھی قضا اور کفارہ واجب ہوتا ہے۔

غذا اور دوا کی پہچان کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ پیٹ میں ایسی چیز پہنچے جو اس کے بدن کے لئے اصلاح کا اور صحت کا ذریعہ ہو۔

محبوب کا لعاب و ہن اگر کوئی رمضان میں روزہ کی حالت میں اپنے محبوب کا لعاب و ہن نگل جائے تو اس پر قضا کیسا تھ کفارہ بھی لازم ہو گا کیونکہ اس میں بدن کی اصلاح کی صلاحیت ہے کذا فی الدر ایہ وغیرہ۔

شر ہلالی میں ہے کہ غذا ہونے کے معنی میں اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ جس چیز کے کھانے کو جی چاہے اور اس سے پیٹ کی خواہش دفع ہوتی ہو اور بعضوں نے کہا ہے کہ جس سے بدن کی صحت اچھی ہو اور اسکو نفع پہونچے ان دونوں تعریفوں میں فرق اس صورت میں ظاہر ہو گا جب کوئی کسی کے منہ کا چبایا ہو اور نگلا ہو لقاہ کھائے تو دوسری تعریف کے اعتبار سے کفارہ لازم ہو گا لیکن پہلی تعریف کے اعتبار سے کفارہ نہیں ہو گا، اس لئے کہ عموماً اس سے طبیعت نفرت کرتی ہے، اس کے خلاف کوئی بھنگ کھائے تو پہلی تعریف کے اعتبار سے کفارہ ہو گا کہ عموماً اس کے عادی کو اس کی خواہش ہوتی ہے۔

اکل و شرب اور جماع میں شرط یہ ہے کہ ایسا عمدہ کیا ہو، نہ غلطی اور بھول سے ہو اور نہ جبر و دباؤ کی وجہ سے۔

او احتجم ای فعل ما لا یظن الفطر بہ کفصد و کحل و لمس و جماع بهیمة بلا انزال او ادخال اصبع فی دبر و نحو ذلك فظن فطرہ بہ فاکل عمدا قضی فی الصور کلھا و کفر لا نہ ظن فی غیر محلہ حتی لو افتاہ مفت یعتمد علی قوله او سمع حدیثا ولم یعل تاویلہ لم یکفر للشبهة و ان اخطأ المفتی ولم یثبت الاثر الا فی الا دھان و کذا الغیبة عند العامة زیلعی لکن جعلھا فی الملتقی کالحجامة ر حجه فی البحر للشبهة .

واجب ہونے کے خیال سے قصد اکھایا یا پچھنے لگوا یعنی ایسا کام کیا جس سے عموماً افطار کا گمان نہیں ہوتا جیسے فصد لگوانا، سرمہ لگانا، عورت کو چھونا اور ہاتھ لگانا،

بلا انزال چوپایہ سے وطی کرنا، پچھلے حصہ میں خشک نگلی داخل کرنا، پھر اس کے بعد اسکو روزہ کے افطار کا گمان ہو گیا چنانچہ جان بوجھ کر کھاپی لیا تو ان تمام صورتوں میں قضا بھی کرے گا اور کفارہ بھی لازم ہو گا، پچھنے لگوانے میں افطار کا گمان بے محل ہے چنانچہ اگر کسی مفتی نے جس پر اعتماد ہو فتویٰ دیدیا گو اس سے غلطی ہوئی ہے کیونکہ کوئی اثر ثابت نہیں ہے یا اس سے پچھنے لگانے سے روزہ ٹوٹنے کی حدیث سنی اور اسے اس کی تاویل کا علم نہیں ہوا، تو اس پر اس کی وجہ سے کفارہ نہیں ہو گا کیونکہ اس کو شبہ ہو گیا تھا (ماحصل یہ ہے کہ اگر ظن اپنے موقع پر ہو تو کفارہ لازم نہیں ہوتا ہے اور بے موقع ہو تو لازم ہوتا ہے مفتی میں قابل اعتماد کی شرط اس لئے لگائی کہ شبہ اسی کے فتویٰ سے ہو سکتا ہے اور جس پر اعتماد نہ ہو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

پچھنا لگانے والی حدیث پچھنے لگانے والی حدیث یہ ہے جس کا اوپر تذکرہ آیا کہ پچھنے لگانے والا اور جس نے پچھنے لگوائے دونوں کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ امام محمدؒ کے نزدیک اگر کوئی پچھنے لگوانے کے بعد

عمد اکھالے گا اس پر کفارہ لازم نہیں اس لئے کہ قول رسول مفتی کے قول سے زیادہ قوی ہے لہذا اس صورت میں شبہ کی جہت سے کفارہ بدرجہ اولی ساقط ہو گا امام ابو یوسفؒ اس کے برعکس فرماتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ عوام کو فقہاء کے قول پر اعتماد کرنا چاہئے وہ حدیث کو کیا جانیں، لہذا حدیث کا سننا کفارہ کے ساقط ہونے کے لئے کافی نہیں ہے مگر مفتی کا قول کافی ہے۔

اور اس حدیث کی تاویل یہ ہے کہ یہ منسوخ ہے اور جن کی شان میں یہ حدیث آئی ہے ان کا حال یہ تھا کہ وہ غیبت کیا کرتے تھے منشا یہ تھا کہ روزے کا ثواب نہیں ملے گا جو اس تاویل کو جانتا ہو اور پھر پچھنے لگوانے کے بعد عمدہ اُکھالے گا اس پر کفارہ لازم ہو گا کیونکہ اس جاننے کے بعد شبہ کا کوئی اندیشہ باقی نہیں رہتا۔

لیکن اگر کسی نے لگایا اور سمجھ لیا کہ روزہ جاتا رہا پھر قصد اُکھالیا تو اس پر کفارہ دے گا اس لئے کوئی دلیل شرعی ایسی نہیں ہے جس سے اس کو شبہ کی گنجائش تھی یہی حال غیبت کرنے والے کا ہے کہ اگر غیبت کی اور پھر قصد روزہ توڑ دیا تو اس صورت میں کفارہ لازم ہو گا اکثر علماء اسی کے قائل ہیں، کذا فی التزیلی کیونکہ غیبت سے روزہ ٹوٹنا عقل کے خلاف بات ہے باقی جہاں حدیث میں یہ آیا ہے کہ غیبت کرنے سے روزہ جاتا رہتا ہے۔ اس کا منشا یہ ہے کہ ثواب سے محروم رہتا ہے لیکن ملحق نامی کتاب میں غیبت کے بعد قصد اُکھانے کو حجامت (پچھنے لگانے) کے مانند کہا یعنی کفارہ نہیں ہو گا اور بحر الرائق میں اسی کو ترجیح دیا ہے اور یہاں بھی شبہ فائدہ اٹھلایا گیا ہے کیونکہ حدیث یہاں بھی ایسی تھی۔

ككفارة المظاهر الثابتة بالكتاب واما هذه فبالسنة ومن ثم شبهوها بها ثم انما يكفر ان نوى ليلا ولم يكن مكرها ولم يطر مسقط كمرض وحيض واختلف فيما لو مرض بجرح نفسه او سوفربه مكرها والمعتمد نزومها و في المعتاده حمى وحيضا والمتيقن قتال عدو لو افطر ولم يحصل العذر والمتعمد سقوطها .

روزے کا کفارہ روزے کا کفارہ ظہار کے کفار کی طرح ہے جس کا کفارہ کتاب اللہ سے ثابت ہے اور روزہ کا کفارہ سنت رسول اللہ سے ثابت ہے (ما حاصل یہ ہے کہ کفارہ تو وہی ہے باقی دونوں کے ثبوت میں فرق ہے ایک کا ثبوت کتاب اللہ سے اور دوسرے سنت رسول اللہ سے اور وہ کفارہ یہ ہے کہ اولاً اگر غلام ہے تو اس کو آزاد کرے، اگر غلام نہ ہو تو دو مہینے کے لگاتار روزے رکھے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت بھر پیٹ کھانا کھلائے یا ہر ایک کو نصف صاع (پونے دو سیر) گیہوں دے، اگر لگاتار روزے رکھنے میں کسی وجہ سے بھی افطار کر لیا تو پھر از سر نو مسلسل ساٹھ روزے رکھنے ہوں گے۔

روزے کے کفارہ کو کفارہ ظہار کے ساتھ اس وجہ سے تشبیہ دی ہے کہ ظہار کا کفارہ کتاب اللہ سے ثابت ہے اور اس کا سنت سے، گویا ظہار کا کفارہ روزے کے کفارہ سے اولیٰ اور زیادہ مضبوط ہے۔ اس لئے ادنیٰ کو اعلیٰ سے تشبیہ دی گئی ہے اور اس فرق کا ثبوت یہ ہے کہ ظہار کے کفارہ کا انکار کرنے والا کافر ہو جائے گا اس لئے کہ اس نے نص قطعی آیات قرآن کا انکار کیا اور روزہ کے کفارہ کا منکر کافر نہیں ہو گا کیونکہ وہ حدیث سے ثابت ہے۔

روزے کا کفارہ کب پھر روزہ کا کفارہ اس وقت ہے کہ اس نے روزہ رمضان کی نیت رات میں کی ہو، کیونکہ دن میں نیت کے اندر امام شافعی کا اختلاف ہے پس اس شبہہ کی وجہ سے کفارہ لازم نہیں ہو گا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ روزہ کے توڑنے میں کسی کا جبر اور دباؤ نہ رہا ہو، اور تیسری شرط یہ ہے کہ عمدہ روزہ کھولنے کے بعد کوئی سماوی ایسا حادثہ پیش نہ آیا ہو، جس کی وجہ سے کفارہ ساقط ہو جاتا ہے۔ جیسے ایسی بیماری جس میں روزہ توڑنا جائز ہو جائے، یا جیسے

عورت کو حیض کا آجانا کیونکہ عذروں کے پیش آجانے کی صورت میں کفارہ لازم نہیں رہے گا۔
لیکن اگر کوئی قصد ار مضان میں روزہ توڑنے کے بعد اپنے کوز خم لگا کر بیمار ہو جائے یا کوئی اس کو زبردستی سفر میں لیجائے تو اس صورت میں کفارہ لازم رہے گا یا نہیں اس میں علماء کا اختلاف ہے اور قول معتمد یہ ہے کہ کفارہ لازم ہوگا (یہاں سفر میں دباؤ سے لیجانے کی قید اس لئے لگائی ہے کہ اگر کوئی روزہ توڑنے کے بعد خود سفر کرے گا تو اس سے کفارہ ساقط نہیں ہوگا۔ لیکن اگر سفر میں جانے کے بعد افطار کرے گا تو کفارہ نہیں آئے گا۔
گو اس کے لئے فجر کے بعد سفر کرنے کی صورت میں افطار کرنا حرام ہے۔

اس صورت میں بھی کفارہ عذر کے ظن غالب کی وجہ سے افطار کر لے اور عذر نہ پایا جائے کے ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے جبکہ اس کو بخار کی عادت تھی یا حیض کی یا اس کو دشمن سے مقابلہ کا یقین تھا اور ان وجوہ میں سے کسی وجہ سے اس نے افطار کر لیا مگر عذر نہیں پایا گیا اس صورت میں اعتماد کی بات یہ ہے کہ اس سے کفارہ ساقط ہوگا (قاضی خاں، شریعتی اور بزاز یہ میں اسی قول کی تصحیح کی ہے لیکن بحر الرائق میں اس کے مخالف قول ہے اس میں لکھا ہے کہ کسی عورت نے اس خیال سے افطار کیا کہ آج اس کے حیض کا دن ہے اور اس دن حیض نہیں آیا تو ظاہر یہ ہے کہ کفارہ واجب ہوگا جس طرح کسی نے اس خیال میں افطار کر لیا کہ آج بیماری کا دن ہے اور اس دن وہ بیمار نہیں ہوا تو کفارہ ہوگا۔ البتہ دشمن سے قتال کا خوف ہو اور افطار کر لے تو اس پر کفارہ نہیں دونوں میں فرق یہ ہے کہ دشمن سے مقابلہ کا یقین ہونے کی صورت میں پہلے سے افطار کی ضرورت ہوتی ہے اس کی خلاف بیماری اور حیض میں پہلے سے افطار کی ضرورت نہیں ہوتی۔

ولو تكرر فطره ولم يكفر للاول تكيفه واحدة ولو في رمضان عند محمد وعليه الاعتماد بزازية و مجتبی و غیر هما واختار بعضهم للفتوى ن الفطر بغير الجماع تداخل والا لاولو اكل عمدا شهوة بلا عذر يقتل و تمامه في شرح الوهانية.

دور روزوں کا ایک کفارہ اگر کسی نے دوسری مرتبہ روزہ توڑا اور حال یہ ہے کہ اس نے پہلے بھی توڑا تھا اور اس کا ابھی کفارہ ادا نہیں کیا تھا تو ایسے شخص کے لئے دونوں مرتبہ کی طرف سے صرف ایک کفارہ کافی ہوگا گویا دور مضانوں میں روزہ توڑنے کا واقعہ پیش آیا ہو، امام محمد کے نزدیک قابل اعتماد قول یہی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اگر یہ دو دفعہ توڑنا ایک رمضان میں پایا جائے تو ایک کفارہ کافی ہے لیکن اگر یہ دو واقعہ دور مضانوں میں پیش آئے ہیں اور گو پہلے کا کفارہ ابھی ادا نہیں کیا ہے پھر بھی دو کفارہ واجب ہونگے اس کو ظاہر الروایت کہا گیا ہے۔
اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اگر افطار کھانے پینے سے ہوا تھا تو دونوں کا کفارہ ایک ہی ہوگا لیکن اگر یہ مکر و افطار جماع سے ہے تو دونوں کا جدا جدا کفارہ ہوگا۔

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی بالغ عاقل مسلمان رمضان میں بلا عذر شری قصداً رمضان میں علی الاعلان کھانا پینا علی الاعلان کھائے پیے تو اس کو قتل کیا جائے گا اور اس کی پوری تفصیل

شرح وہبانیہ میں ہے چنانچہ اس میں کہا ہے کہ اگر انسان علی الاعلان بلا عذر شرعی قصد اُکھائے تو کہا گیا ہے کہ اس کو قتل کا حکم کیا جائے گا (شر بتلای نے اس کی صورت یہ بیان کی ہے کہ کسی نے بلا عذر رمضان میں سب کے سامنے کھایا تو اس کو اس وجہ سے قتل کیا جائے گا کہ اس نے دین کے ساتھ تسخر کیا اور اس نے عملاً اس کی فرضیت کا انکار کیا، چنانچہ قتل جائز ہونے اور اس کے حکم دینے میں کسی کا اختلاف نہیں

ولو ذرعه القنی و خرج ولم يعد لا يفطر مطلقاً او لا فان عاد بلا صناعه و لو هو مل الفم مع تذكره للصوم لا يفسد خلافاً للثانی وان عاده او قدر حمصة منه فاكثر حدادی الفطر اجماعاً و لا كفارة ان ملا الفم والا لا هو المختار وان استقاء ای طلب القنی عامداً ای متذکر الصومہ ان کان مل الفم فسد بالاجتماع مطلقاً وان قل لا عند الثانی وهو الصحيح لكن ظاهر الروایة كقول محمد انه يفسد كما فی الفتح عن الکافی فان عاد بنفسه لم يفطر وان اعاده ففيه روايتان اصحهما لا يفسد محیط وهذا كله فی قنی طعام او ماء او مرة او دم فان كان بلغما فغير مفسد مطلقاً خلافاً للثانی واستحسنه الکمال وغيره.

روزہ میں قے

قے خود بخود آگئی اور وہ نکل گئی حلق میں واپس نہیں گئی خواہ وہ قے منہ بھر کر آئی ہو یا کم تو اس صورت میں روزہ نہیں ٹوٹے گا دوسری صورت یہ ہے کہ قے آئی اور از خود لوٹ گئی گو وہ منہ بھر کر ہی کیوں نہ ہو، اور گو روزہ بھی یاد ہو تو بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا، امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں روزہ ٹوٹ جائے گا، اور اگر اس آنے والی قے کو کسی نے قصد اُلوثا لیا یا اس میں سے صرف ایک چنے کے برابر یا کچھ زیادہ کو لوٹا لیا تو بھی بالاتفاق روزہ جاتا رہے گا اور اس صورت میں کفارہ نہیں ہے مگر شرط یہ ہے کہ قے منہ بھر کر آئی ہو اور اگر منہ بھر کر نہیں آئی ہے تو کفارہ نہیں اور یہی قول مختار ہے (اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ منہ بھر قے ہونے کا اعتبار کرتے ہیں اور امام محمدؒ قے کرنے والے کے فعل کا اعتبار کرتے ہیں پھر قے بھر منہ ہے تو اس کو خارج کا حکم دیا جائے گا اور اس سے کم ہے تو اس کو خارج کا حکم نہیں دیا جائیگا کیونکہ ایسی قے کا ضبط کرنا ممکن ہے، اس اختلاف سے مسئلہ کی چار صورتیں بنتی ہیں (۱) قے منہ بھر سے کم ہو اور وہ خود لوٹ جائے اس سے متفقہ طور پر روزہ نہیں ٹوٹے گا، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تو اس وجہ سے کہ منہ بھر کر نہیں ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اس کے لوٹنے میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں (۲) قے منہ بھر کر آئی اور قصد اُسے لوٹا لیا خواہ کل کو خواہ چنے کی مقدار یا اس سے زیادہ کو اس صورت میں بالاتفاق روزہ جاتا رہے گا۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قے کے منہ بھر ہونے کی وجہ سے امام محمدؒ کے نزدیک اس کے فعل اعادہ کی وجہ سے (۳) قے بھر منہ سے کم آئے اور اس کو وہ لوٹا لے اس صورت میں امام محمدؒ کے نزدیک روزہ ٹوٹ جائے گا کہ اس میں اس کا دخل پایا گیا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ قے بھر منہ نہیں ہے (۴) قے بھر کر منہ آئے اور خود بخود لوٹ جائے، اس صورت میں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک روزہ جاتا رہے گا کہ قے بھر منہ آئی تھی اور امام محمدؒ کے نزدیک روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ قے کرنے والے کے فعل کو لوٹنے میں دخل نہیں۔ اور صحیح یہی ہے کہ کذا فی الشامی۔

قصد اُتے کرنا

اور اگر قے قصد اُکی اس طرح کہ اس کو روزہ بھی یاد تھا، تو قے کے بھر منہ ہونے کی صورت میں سب کے نزدیک روزہ ٹوٹ جائے گا خواہ قصد اُتے کو لوٹائے یا قے خود بخود لوٹ جائے یا قے بالکل نہ لوٹے، اور اگر قے بھر منہ سے کم ہوئی اور نہیں لوٹی اور نہ لوٹائی گئی تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹے گا اور یہی صحیح ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک روزہ جاتا رہے گا یہ ظاہر الروایت ہے جیسا کہ فتح القدیر میں کافی سے نقل کیا گیا ہے۔

بلغم کی قے

لیکن اگر خود بخود وہ آئی ہوئی قے لوٹی ہے تو روزہ باقی رہے گا اور اگر قصد اُلوٹایا ہے تو اس میں امام ابو یوسفؒ سے دو روایتیں آئی ہیں ورنہ ان میں صحیح تر یہ ہے کہ روزہ نہیں ٹوٹے گا کذا فی المحیط۔ یہ ساری تفصیل اس وقت ہے جب قے میں کھانا نکلے، یا پانی یا پت (صفراء) یا خون بستہ اور اگر قے میں بلغم نکلے تو اس صورت میں مطلقاً روزہ فاسد نہیں ہوگا خواہ قصد اُتے کرے یا قے خود بخود آئے بھر منہ ہو یا اس سے کم لوٹا یا لوٹنایا جائے یا نہ پایا جائے البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک روزہ فاسد ہو جائے گا کمال وغیرہ نے امام ابو یوسفؒ کے قول کو مستحسن قرار دیا ہے۔

ولو اکل لحماً بین اسنانه ان مثل حمصة فاكثر قضی فقط وفي اقل منها لا يفطر الا اذا اخرج من فمه فاكله ولا كفارة لان النفس تعافه واكل مثل سمسة من خارج يفطر ويكفر في الاصح الا اذا مضغ بحيث تلاشت في فمه الا ان يجد الطعم في حلقه كما مر واستحسنه الكمال قائلاً وهو الاصل في كل قليل مضغه وكره له ذوق شئ وكذا مضغه بلا عذر قيد فيهما قاله العينية ككون زوجها اوسيد هاسئى الخلق فذاقت وفي كراهة الذوق عند الشراء قولان ووفق في النهر بانه ان وجد بدا ولم يخف غبنا كره والا لا وهذا في الفرض الا النفل كذا قالوا وفيه كلام لحرمة الفطر فيه بلا عذر على المذهب فتبقى الكراهة.

دانت میں الجھے ہوئے گوشت کا کھانا

دانتوں میں جو گوشت کھاتے ہوئے الجھ کر رہ گیا تھا اگر کسی روزہ دار نے اس کو نکال کر کھالیا ہے تو دیکھا جائیگا کہ اس کی مقدار کیا ہے اگر چنانکہ برابر یا اس سے زیادہ مقدار میں تھا تو اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا اور اس پر صرف اس کی قضا واجب ہوگی کفارہ واجب نہیں ہوگا اور اگر وہ چنے کے دانے سے کم تھا تو روزہ باقی رہیگا۔ لیکن اگر اس کم مقدار والے حصہ کو دانت سے چھڑا کر منہ سے باہر نکال لیا تھا اور پھر نگل گیا تو روزہ جاتا رہے گا۔ مگر اس صورت میں اس پر کفارہ لازم نہیں ہوگا کیونکہ دانت کی چیز کو منہ سے باہر نکال کر کھانا مکروہ اور ناگوار ہوتا ہے اور ایسی ناگوار چیز کو کھانے پر کفارہ نہیں۔

منہ سے باہر کی چیز کھانا

باہر سے ایک تل کے برابر بھی کسی چیز کا کھانا روزہ کو توڑ دالتا ہے اور اس صورت میں کفارہ بھی لازم ہوتا ہے صحیح تر روایت یہی ہے۔ لیکن اگر اس نے اس کو اس طرح چبایا تھا کہ اسکے اجزاء منہ کے حصوں میں چمٹ کر رہ گئے تھے اور اندر کچھ نہیں جاسکا تو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا مگر جب وہ چبانے میں حلق

کے اندر اس چیز کا مزہ محسوس کرے گا تو روزہ ٹوٹ جائے گا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، کمال نے اسی صورت کو مستحسن قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ہر قلیل چیز کے چبانے میں بنیادی چیز یہی ہے کہ اگر مزہ حلق میں پایا گیا ہے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں۔

بلا عذر شرعی کسی چیز کا جھکنا اور ایسا ہی اس کا چبانا مکروہ تنزیہی ہے عذر جیسے

حالت روزہ میں کسی چیز کا جھکنا

بیوی جس کا شوہر بد خلق ہو یا غلام و ملازم جس کا آقا بد مزاج ہو تو اس

صورت میں اس کو جھکنے کی اجازت ہوگی، اسی طرح کمزور بچے کو چبا کر کھلانا ہو اور کوئی غیر روزہ دار موجود نہ ہو تو اس مجبوری میں چبانے کی اجازت ہوگی۔

کسی چیز کے خریداری کے وقت روزہ دار کا اس کو جھکنا جائز ہے یا نہیں اس میں دو قول ہیں نہر الفائق میں دونوں قولوں میں تطبیق اس طرح دی ہے کہ اگر بغیر چکھے لینے میں

خریدنے والی چیز کا جھکنا

غبن کا خوف نہ ہو تو جھکنا مکروہ ہے اور اگر بغیر چکھے لینا غبن سے خالی نہ ہو تو جھکنا مکروہ نہیں۔

فرض روزہ میں کسی چیز کا روزہ دار کے لئے جھکنا مکروہ ہے مگر نفل روزہ میں ایسا کرنا مکروہ نہیں ہے علماء کا بیان یہی ہے لیکن اس میں گفتگو ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نفل روزہ بھی بلا

نفل روزہ میں چکھنا

عذر توڑنا کراہت سے خالی نہیں لہذا کراہت رہے گی۔

وَكَرِهَ مَضْغَ عِلْكَ ابْيَضَ مَمْضُوعٍ مُلْتَمِمْ وَالَا فَيَفْطُرُ وَيَكْرِهَ لِلْمَفْطَرِينَ الْاَفَى الْخُلُوةَ بَعْدَ رَوْقِيلٍ يَبَاحُ وَيَسْتَحِبُّ لِلنِّسَاءِ سِوَا كَهْنٍ فَتَحَ وَكَرِهَ قَبْلَةَ وَمَسَ وَمَعَانِقَةَ وَمَبَاشِرَةَ فَاحْشَةَ اَنَّ لَمْ يَأْمَنِ الْمَفْسَدَ وَ اَنْ اَمِنَ لَا بَاسَ لَا يَكْرِهَ دَهْنَ شَارِبٍ وَ لَا كَحْلٍ اِذَا لَمْ يَقْصِدَا الزَّيْنَةَ اَوْ تَطْوِيلَ اللَّحْيَةِ اِذَا كَانَتْ بِقَدْرِ الْمَسْنُونِ وَ هُوَ الْقَبْضَةُ وَ صَرَحَ فِي النِّهَايَةِ بِوَجُوبِ قَطْعِ مَا زَادَ عَلَى الْقَبْضَةِ بِالْضَمِّ وَ مَقْتَضَاهُ اِلَّا ثَمَّ بَتْرَكِهِ اِلَّا اَنْ يَحْمِلَ الْوَجُوبَ عَلَى الثَّبُوتِ وَ اَمَّا اِلَّا خَذَ مِنْهَا وَ هِيَ دُونَ ذَلِكَ كَمَا يَفْعَلُهُ بَعْضُ الْمَغَارِبَةِ وَ مَخْنَثَةُ الرِّجَالِ فَلَمْ يَبَحْهُ اَحَدٌ وَ اخَذَ كُلُّهَا فَعَلَ يَهُودُ الْهِنْدَ وَ مَجُوسُ الْاَعَاجِمِ فَتَحَ .

سفید جے ہوئے گوند کا چبانا مکروہ ہے اگر جما ہوا نہیں ہے تو اس کے چبانے سے روزہ ٹوٹ جائے گا کیونکہ

گوند کا چبانا

جما ہوا گوند چبانے سے عموماً حلق کے نیچے نہیں جاتا ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو اندر چلا جاتا ہے یوں اندر

جانے سے جیسا بھی گوند ہو روزہ جاتا رہے گا، غیر روزہ داروں کے لئے بھی گوند کا چبانا مکروہ ہے کیونکہ اس میں عورتوں سے

مشابہت ہوتی ہے وہی ایسا کرنے کی عادی ہوتی ہیں البتہ کوئی بیماری یا تکلیف ہو اور اس کی وجہ سے مرد تنہائی میں چبالے تو

کراہت نہیں ہے اور ایک قول یہ ہے کہ گوند کا چبانا غیر روزہ دار مردوں کو مباح ہے اس میں کراہت نہیں ہے، البتہ عورتوں

کے لئے اس کا استعمال مستحب ہے کیونکہ یہ عورتوں کیلئے مسواک کے قائم مقام ہے (ہمارے اس زمانہ میں ایسی کوئی چیز نہیں

ملتی ہے ظفیر)

مکروہ افعال روزہ دار کیلئے عورت کا بوسہ لینا چھونا معانقہ کرنا، اور بغیر حائل جسم کا جسم سے ملانا مکروہ ہے جبکہ جماع یا انزال کی طرف سے اطمینان نہ ہو، ہاں اگر انزال اور جماع کا خوف نہیں ہے تو مضائقہ نہیں ہے مگر پھر بھی اس عمل سے بچنا زیادہ بہتر ہے لیکن روزہ دار کا دوسرے کے ہونٹوں کو اپنے منہ میں لیکر دبانا مطلقاً مکروہ ہے خواہ خوف ہو خواہ خوف نہ ہو۔

تیل اور سرمہ لگانا مونچھ میں تیل لگانا اسی طرح آنکھوں میں سرمہ لگانا مکروہ نہیں ہے بشرطیکہ اس سے نہ زینت مقصد ہو اور نہ ڈاڑھی کا لمبا کرنا جبکہ اس کی ڈاڑھی بقدر مسنون یعنی ایک مٹھی لمبی ہے۔

ڈاڑھی کا حکم نہایت میں لکھا ہے کہ ڈاڑھی کا جو حصہ ایک مشت سے زیادہ ہو اس کا کاٹنا واجب ہے اگر کوئی اس سے زیادہ والے حصہ کو نہیں کاٹے گا تو وہ گنہگار ہو گا لیکن اگر وجوب کو ثبوت کے معنی میں لیا جائے۔ تو زیادہ حصہ کے نہ کٹانے سے گنہگار نہیں ہو گا۔

جس کی ڈاڑھی ایک مشت یا اس سے کم ہو اس ڈاڑھی سے کچھ حصہ کاٹنا جیسا کہ بعض مغربی اور مخنث کرتے ہیں جائز نہیں ہے اور نہ اس کے مباح ہونے کا کوئی قائل ہے ڈاڑھی موٹو انا ہندوستان کے کفار اور عجم کے مجوسیوں کا فعل ہے (مسلمانوں کا شیوہ نہیں)

وحدیث التوسعة علی العیال یوم عاشوراء صحیح و احادیث الاکتحال فیہ ضعیفة لا موضوعة کما زعم ابن عبد العزیز و لا سواک ولو عشیاء اور طبابا لماء علی المذهب و کرہہ الشافعی بعد الزوال و کذا لا تکرہ حجامۃ و تلفف بثوب مبتل و مضمضة و استنشاق او اغتسال للتبرد عند الثانی و بہ یفتی شرنبلالیۃ عن البرہان۔

عاشوراء محرم میں توسع عاشوراء محرم میں بچوں پر کھلانے پلانے میں وسعت کی جو حدیث آئی ہے وہ صحیح ہے البتہ اس دن سرمہ لگانے کی حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں جیسا کہ عبد العزیز کا خیال ہے

حدیث توسع یہ ہے کہ جو شخص دسویں محرم کو اپنے بال بچوں کے لئے بہت سا کھانا پکوائے اور کھلائے اللہ تعالیٰ پورے سال اسکے کھانے میں فراخی عطا کریگا (حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ چالیس سال میں نے اس کا تجربہ کیا ہے کبھی خلاف نہیں پایا واللہ اعلم۔

مسواک کرنا روزہ کی حالت میں مسواک کرنا مکروہ نہیں ہے اگرچہ زوال کے بعد ہو، یا اس کو پانی میں بھگو کر کرے صحیح مذہب یہی ہے البتہ امام شافعی کا قول ہے کہ زوال کے بعد مسواک کرنا مکروہ ہے اسی طرح روزہ کی حالت میں پچھنا لگوانا اور تر کپڑا پیٹنا امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی مکروہ نہیں ہے اور نہ کلی کرنے میں کرہت ہے اونہ ناک میں پانی ڈالنے میں اور نہ ٹھنڈک حاصل کرنے کی نیت سے غسل کرنے میں فتویٰ اسی قول پر ہے۔

حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کی حالت میں پیاس اور گرمی کی وجہ سے سر مبارک پر پانی ڈالا ہے اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ کپڑا بھگو کر روزہ کی حالت میں لپیٹ لیا کرتے تھے۔

و يستحب السحور وتأخيرہ و تعجيل الفطر لحديث ثلث من اخلاق المرسلين
تعجيل الافطار وتأخير السحور والسواك فروع لا يجوز ان يعمل عملا يصل به الى
الضعف فيخبر نصف النهار ويستريح الباقي فان قال لا يكفي كذب باقصر ايام الشتاء فان
اجهد الحر نفسه بالعمل حتى مرض فافطر ففي كفارته قولان قنية وفي البرازية لو صام
عجز عن القيام صام وصلى فاعدا جمعا بين العبادتين.

روزہ رکھنے والے کے لئے سحری کھانا اور سحری کھانے میں تاخیر کرنا مستحب ہے مگر روزہ افطار کرنے
سحری کھانا میں جلدی کرنا چاہئے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ تین چیزیں رسولوں کی عادات سے ہیں (۱)
افطار میں جلدی کرنا (۲) سحری کھانے میں تاخیر کرنا (۳) اور مسواک کرنا سحری میں اگر کوئی صرف پانی پی لے، تو اس سے
بھی سحری کھانے کی سنت ادا ہو جائے گی۔ البتہ سحری میں اس قدر تاخیر مکروہ ہے کہ رات کے باقی ہونے میں شک پیدا
ہو جائے کیونکہ ایسی حالت میں سحری کھانا مکروہ ہے اسی طرح افطار میں جلدی کرنا پسندیدہ ہے مگر ابر اور بادل کے دنوں میں
روزہ افطار کرنے میں عجلت سے کام نہ لیا جائے گا جب تک آفتاب کے غروب ہونے کا یقین نہ ہو جائے افطار نہ کرے گو
مؤذن اذا ہی کیوں نہ پکار دے۔

روزہ دار کیلئے ایسی مشقت کا کام کرنا جائز نہیں ہے جس سے کمزوری
روزوں کے دنوں میں محنت کے کام پیدا ہو جائے اور وہ روزہ کے لئے مانع بن جائے ایسے کام کرنے
والے کو چاہئے کہ آدھے دن تک کام کرے بقیہ آدھے دن میں آرام کرے، اگر کوئی یہ کہے کہ آدھے دن کی محنت کافی نہیں
ہوتی تو اس کی یہ بات مانی نہیں جائے گی کیونکہ جائزے کا سب سے چھوٹا دن اسی قدر ہوتا ہے اور اتنے وقت میں کام ہو جاتا ہے۔
رہلی نے جامع الفتاویٰ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اگر روزی کمانے کی وجہ سے کمزوری بڑھتی ہو اور اس کیلئے اس کے سوا
روزی کا کوئی سامان موجود نہ ہو تو اس کے لئے افطار جائز ہے اسی طرح کھیتی بکی ہوئی تیار ہو اور دوسرا کوئی اجرت پر کام کرنے والا
نہ ہو اور اس کو یقین ہو کہ کھیتی برباد ہو جائیگی اور خود بغیر افطار اس کام کو انجام نہیں دے سکتا تو اس کیلئے بھی افطار جائز ہے مگر قضا
ضروری ہے جس طرح نماز کی حالت میں کوئی قیمتی چیز چوری ہوتے دیکھے نیت توڑنا درست ہے۔

کسی آزاد شخص نے رمضان کے دنوں میں مشقت کا کام کیا اور اس کی وجہ سے بیمار ہو گیا
محنت کی وجہ سے افطار پھر اس نے افطار کر لیا تو اس صورت میں اس پر کفارہ لازم آئے گا یا نہیں اس میں دو قول
ہیں بعضوں نے کہا کفارہ لازم ہو گا اور بعضوں نے کہا لازم نہیں ہے اور اسی دوسرے قول پر بعض علماء نے فتویٰ بھی دیا ہے، لیکن
اگر یہی صورت غلام لونڈی کو پیش آئی ہے تو ان پر کفارہ لازم نہیں ہے آزاد پر کفارہ کے وجوب کی وجہ یہ ہے کہ وہ کام بند کر سکتا
تھا مجبور نہیں تھا مگر غلام اور لونڈی کو یہ آزادی حاصل نہیں ہوتی ہے۔

فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ اگر کوئی شخص روزہ رکھنے کی وجہ سے اس قدر کمزور ہو جاتا ہے کہ نماز میں قیام پر قادر نہیں رہتا ہے
تو ایسے شخص سے حکم یہ ہے کہ وہ روزہ رکھے اور نماز بیٹھ کر ادا کرے تاکہ دونوں فرض عبادتیں جمع ہو سکیں اور ادا ہوں۔

فصل فی العوارض المبيحة لعدم الصوم

وقد ذكر المصنف منها خمسة وبقي الاكراه وخوف هلاك او نقصان عقل ولو بعطش او جوع شديد او لسعة حية لمسافر سفر سر عيا ولو معصية او حامل او مريض اما كانت او ظئرا على الظاهر خافت بغلبة الظن على نفسها او ولدها وقيد البهني تبعا لابن الكمال بما اذا تعينت للارضاع او مريض خاف الزيادة لمرضه وصحيح خاف المرض و خادمة خافت الضعف بغلبة الظن بامارة او تجربة او اخر ر طيب حاذق مسلم مستور وافاد في النهر جواز التطيب بالكافر فيما ليس فيه ابطال عبادة قلت وفيه كلام لان عندهم نص لمسلم كفر فاني يتطيب بهم وفي البحر عن الظهيرية للامة ان تمتنع من امثال سر المولى اذا كان يعجزها عن اقامة الفرائض لانها ميقاتة على اصل الحرية في الفرائض الفطر يوم العذر الا السفر كما سيحكي وقضو الزوما ما قدر وابل فدية و بلا ولاء لانه على التراخي ولذا جاز التطوع قبله بخلاف قضاء الصلوة ولوجاء رمضان الثاني قدم الاداء على القضاء ولا فدية لما مر خلافا فاللشافعي.

وہ عوارض جن کی وجہ سے رمضان میں افطار کی اجازت ہے

نوع عوارض کی وجہ سے روزہ افطار کیا جاسکتا ہے

مصنف نے یہاں ان عوارض میں سے پانچ کا ذکر کیا ہے (۱) سفر (۲) حمل (۳) دودھ پلانا (۴) بیماری (۵) بڑھاپا (۶) قابل تحمل (شامی نے چار کا اضافہ کیا ہے اس طرح کل نو ہو جاتے ہیں) (۶) اکراه یعنی دوسرے کا دباؤ اور زبردستی کرنا (۷) جہاد (۸) انتہائی بھوک (۹) پیاس کی شدت

شارح نے بھی ان کا اضافہ کیا ہے وہ کہتے ہیں اوپر والے پانچ عوارض کے بعد یہ عوارض باقی رہ جاتے ہیں اگر اکراه ہلاک کا خوف، جان کے نقصان کا خطرہ، خواہ وہ پیاس کی وجہ سے ہو رہا ہو یا بھوک کی وجہ سے یا سانپ کے ڈس لینے سے، یعنی کسی کو مار پکڑ لے اور اس کی وجہ سے اسے روزہ توڑنا پڑے، اکراه جیسے قتل کرنا، عضو کا ٹٹا، سخت مار، مجاہد حالت بہنا، میں دیکھ وہ محسوس کرے کہ افطار نہ کرنے کی صورت میں کمزور ہو جائے گا ان صورتوں میں بھی افطار کرنے کی اجازت ہے۔

حالت سفر اور بیماری میں روزہ

مسافر کے لئے جو سفر شرعی (کم از کم ۴۸ میل یا اس سے زیادہ کا سفر) کر رہا ہو

اس کا یہ سفر گناہ کے لئے ہو افطار کرنا جائز ہے، گو حالت سفر میں روزہ رکھنا ہی افضل ہے اگر نقصان کا خطرہ نہ ہو، حاملہ عورت کے لئے بھی رمضان میں افطار کرنا جائز ہے اور دودھ پلانے والی عورت کے لئے بھی خواہ وہ بچہ کی ماں ہو یا دایہ مگر یہ اس وقت ہے جب کہ دودھ پلانے والی کو روزہ رکھنے کی صورت میں خود اس کی ذات یا بچہ کو نقصان پہونچنے کا ظن غالب ہو اسی طرح اس بیمار کیلئے بھی رمضان میں افطار جائز ہے جس کو روزہ رکھنے کی صورت میں مرض کے بڑھ جانے کا خطرہ ہو، یا یہ خدشہ ہو کہ مرض جلد نہیں جائے گا۔ روزہ رکھنے کی وجہ سے صحت میں تاخیر ہوگی تیماردار کیلئے بھی افطار کی اجازت ہے جب اس کے سوا کوئی دوسرا تیماردار نہ ہو اور وہ محسوس کرتا ہو کہ روزہ رکھنے کی صورت میں وہ تیمارداری نہیں کر پائے گا۔ اور اس تندرست کیلئے بھی رمضان میں افطار جائز ہے جس کو روزہ رکھنے کی وجہ سے بظن غالب بیمار ہو جانے کا خوف ہو، یہ خوف کسی علامت کی وجہ سے ہو یا تجربہ کی بنیاد پر یا مسلمان حاذق طبیب کے کہنے سے خادمہ کیلئے بھی افطار جائز ہے جبکہ تجربہ یا علالت کی وجہ سے محسوس کرتی ہو کہ اس میں کمزوری پیدا ہو جائے گی، کافر ڈاکٹر کا قول اس باب میں قابل اعتبار نہیں ہے، جن صورتوں میں عبادت کا ابطال نہ ہو، کافر ڈاکٹر سے علاج کرنا اور اس کی بات پر عمل درست ہے شارح کہتے ہیں کہ مجھے ہر مسئلہ میں کلام ہے وہ کہتے ہیں کہ کفار کے نزدیک مسلمان کی خیر خواہی کفر ہے پھر ان سے علاج کس طرح کر لیا جائے گا۔

حق اللہ مقدم ہے

بحر الرائق میں ہے کہ لونڈی کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے آقا کی باتوں کو ان صورتوں میں نہ مانے جب اس کی باتوں سے فرائض کی ادائیگی میں اس کو مجبوری پیش آئے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فرائض

کے باب میں لونڈی کو اصل حریت پر باقی رکھا گیا ہے، مثلاً نماز کا وقت تنگ ہو اور مولیٰ اس وقت میں دوسرا حکم دے تو لونڈی پہلے نماز ادا کرے گی پھر مولیٰ کا حکم بجالائے گی، نماز چھوڑ کر قضا کر کے آقا کا حکم بجالانا درست نہیں ہے، اگر آقا کا حکم مان کر بلا عذر شرعی لونڈی روزہ توڑ دے گی تو اس پر کفارہ لازم ہوگا۔

قضا شدہ روزوں کی ادائیگی

لیکن روزہ رکھ کر جس دن مسافر سفر شروع کرے گا اس دن کے روزہ کا پورا کرنا اس پر ضروری ہوگا، اور یہ مسافر شرعی، حاملہ، دودھ پلانے والی عورت، اور

دوسرے معذورین لازمی طور پر ان روزوں کی قضا کریں گے، البتہ ان پر کوئی فدیہ کفارہ نہیں ہوگا، اور نہ ان کے لئے ان قضا روزوں کا مسلسل رکھنا ضروری ہوگا، اور نہ علی الفور بلکہ جیسی سہولت ہو قضا کرے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس کے لئے قضا پہلے نفل روزہ رکھنا درست ہے ہاں اگر نماز قضا ہو گئی ہے تو اس کی قضا کی ادائیگی فوراً ضروری ہے۔

قضاے رمضان کا روزہ ذمہ باقی تھا کہ دوسرا رمضان آگیا تو اس صورت میں آنے والے رمضان کا روزہ پہلے رکھے گا، اور رمضان کے ختم کے بعد پہلے رمضان کے قضا روزوں کو ادا کرے گا۔

ويندب لمسافر الصوم لاية وان تصوموا خير لكم والخير بمعنى البر لا افعل تفضيل ان لم يضره فان شق عليه او على رفيقه فالفطر افضل لموافقة الجماعة فان ماتوا فيه اي لمي ذلك لعذر فلا تجب عليهم الوصية بالفدية لعدم ادراكهم عدة من ايام اخر ولو ماتوا بعد

زوال العدو جبت الوصية بقدر ادراكهم عدة من ايام اخر و اما من افطر عمدا فوجوبها عليه بالاولى وفدى لزوما عنه اى عن الميت و ليه الذى يتصرف فى ماله كالفطرة قدرا بعد قدرته عليه اى على قضاء الصوم وفوته اى فوت القضاء بالموت فلو فاته عشرة ايام فقدّر على خمسة فداها فقط بوصية من الثلث متعلق بفدى وهذا الوله ورث والافمن الكل فہستانی وان لم یوص و تبرع و ليه به جاز ان شاء الله و يكون الثواب للولى وان صام او صلى عنه الولی لا لحديث النسائی لا یصوم احد عن احد ولا یصلی احد عن احد و لكن یطعم عنه و ایه کذا یجوز لتبرع عنه و ليه بكفارة یمین او قتل بالطعام او كسوة بغير الاعتاق لما فيه من الزام الولاء للمیت بلا رضاه.

حالت سفر میں روزہ مستحب یہ ہے کہ مسافر سفر میں روزہ رکھا کرے اگر روزہ رکھنا اس کیلئے نقصان دہ نہیں ہے اس لئے کہ آیت ربانی ہے وان تصوموا خیر لکم، یعنی تمہارا روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے البتہ اگر روزہ رکھنا خود اس پر یا اس کے ہم سفر ساتھیوں پر شاق گذرے تو ہم سفر وں کی موافقت میں افطار کرنا ہی افضل ہے۔

معذورین کی طرف سے فدیہ یہ معذورین جن کو رمضان میں افطار کی اجازت ہے اگر اسی زمانہ عذر میں مر جائیں تو ان پر فدیہ کی وصیت واجب نہیں ہے کیوں کہ انہوں نے ان عذروں کے دنوں کے علاوہ کوئی دوسرا وقت نہیں پایا جس کی قرآن پاک میں صراحت ہے البتہ ان کی موت جب عذر ختم ہو جانے کے بعد واقع ہوئی ہے تو اس صورت میں فدیہ کی وصیت واجب ہے مگر اتنے ہی دنوں کے جتنے دن عذر کے ختم ہونے کے بعد انہوں نے پائے تھے، باقی جس شخص نے قصد ابلا عذر افطار کیا ہے اس کے لئے وصیت ضروری ہے وقت پانے کی شرط نہیں ہے کیونکہ وہ وقت روزہ کا ہی تو تھا جس کو اس نے افطار میں گزارا ہے۔

میت کی طرف سے اس کا وہ ولی لازمی طور پر فدیہ ادا کرے گا جو اس کے مال میں تصرف کا حق رکھتا ہے اور ایک روزہ کا فدیہ کا ایک شخص کے فطرہ کی مقدار ہے یعنی نصف صاع گیہوں یا اسکی قیمت (یہ فدیہ مرنے والے کے تہائی مال سے ادا ہوگا اگر مرنے والے نے وصیت کی ہے تو اس کے ذمہ اس کی ادائیگی لازم ہوگی، ورنہ لازم نہیں ہوگی البتہ بطور تبرع اور احسان ادا کر دے تو بہتر ہے۔

فدیہ کا وجوب لیکن فدیہ کی ادائیگی اس وقت ضروری ہے جب مرنے والے کے بعد میں روزہ کی قدرت حاصل ہوئی اور وہ موت کی وجہ سے ادا نہیں کر سکا، لہذا اگر مرنے والے کے دس روزے قضا ہوئے تھے مگر بعد عذر اس کو صرف پانچ روزے ادا کرنے کی قدرت ملی تھی کہ وہ انتقال کر گیا تو اب اس صورت میں اس کے ذمہ صرف پانچ روزوں کا فدیہ لازم ہوگا دس کا نہیں ہوگا امام محمد کا قول یہی ہے البتہ شیخین فرماتے ہیں کہ صرف ایک روزہ کی بھی قدرت ملی ہے تو اس کے ذمہ دس تمام روزوں کا فدیہ ادا کرنا ہوگا، مگر بعضوں نے کہا یہ قول امام طحاوی کا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ اختلاف نذر کے روزوں میں ہے رمضان کے روزوں میں نہیں ہے، رمضان کے روزوں میں قدرت کے مطابق فدیہ ہوتا ہے۔

اور اگر میت کا کوئی وارث نہیں ہے اور اس کے ذمہ روزہ کا فدیہ ہے تو یہ فدیہ اس کے کل مال سے دیا جائے گا تہائی میں

وصیت وارثین کی وجہ سے ہے لیکن جب وارث سرے سے نہیں ہے تو یہ قید باقی نہیں رہے گی۔

اور اگر مرنے والے نے وصیت نہیں کی ہے اور ولی نے اس کی طرف سے بطور احسان فدیہ ادا کر دیا تو یہ درست ہے اور ولی کو اپنے اس احسان کا ثواب

ملے گا انشاء اللہ اور میت کو فدیہ کا ثواب ملے گا۔

میت کا ولی اگر میت کی طرف سے اس کے ذمہ باقی رہنے والے روزہ کو ادا کرے یا اس کی طرف سے اس کی بقیہ نماز ادا کرے تو یہ درست نہیں ہے کیونکہ نسائی شریف میں حدیث آئی ہے کہ کوئی کسی دوسرے کی طرف سے نہ روزہ رکھے اور نہ نماز پڑھے البتہ اس کی طرف سے اس کا ولی کھانا دے سکتا ہے تاکہ میت کو اس کا ثواب پہنچے۔

اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ ولی بطور احسان میت کی طرف سے قسم یا قتل کا کفارہ ادا کر دے اور اس کفارہ میں کھانا کھلائے یا کپڑا پہنائے البتہ

اس کی طرف سے کفارہ میں غلام آزاد کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں میت کی رضا کے بغیر اس کے ذمہ ولاء کا لازم کرنا ہے، شر بنالایہ میں صراحت ہے کہ قتل میں ولی کا تبرع (احسان) بطور ادائیگی کفارہ کسی چیز کے ساتھ بھی درست نہیں ہے کیونکہ قتل کے کفارہ میں غلام کا آزاد کرنا واجب ہے اور ولی اور وارث کا اس کی طرف سے آزاد کرنا صحیح نہیں آزاد کرنے کا بدلہ صوم ہے اور اس میں فدیہ درست نہیں۔ باقی کھانا کھانا اور کپڑا پہنانا یہ قتل کے کفارہ میں نہیں ہوتا ہے لہذا یہاں یمین (قسم) کے کفارہ کے ساتھ قتل کے کفارہ کو بیان کرنا سہو ہے۔

(ولاء نسب کی طرح ایک علاقہ ہے جو آقا اور غلام کے درمیان ہوتا ہے اب اگر میت کی طرف سے غلام کا آزاد کرنا ولی کے لئے درست کہا جائے تو جب اس آزاد غلام کا کوئی وارث نسبتی نہیں ہوگا تو ولاء اس میت کو پہنچے گا۔)

وفدية كل صلاة ولو وترا كما مر في قضاء الفائت كصوم يوم على المذهب وكذا الفطرة والاعتكاف الواجب يطعم عنه لكل يوم كالفطره ولو الجية والحاصل ان ما كان عبادة بدنية فان الوصى يطعم عنه بعد موته عن كل واجب كالفطرة والمالية كالزكاة يخرج عنه القدر الواجب والمركب كالحج يحج عنه رجلا عن مال الميت وللشيخ الفاني العاجز عن الصوم الفطر ويفدى وجوبا لو في اول الشهر وبلاد تعدد فقير كالفطرة لو موسرا ولا فيستغفر الله هذا اذا كان الصوم اصلا بنفسه وخطوب بادائه حتى لو لزمه الصوم كفارة يمين او قتل ثم عجز لم تجز الفدية لان الصوم هنا بدل عن غيره ولو كان مسافرا فمات قبل الاقامة لم يجب الايصاء ومتى قدر قضى لان استمرار العجز شرط الخلفية وهل تكفى الاباحة في الفدية القولان المشهور نعم واعتمده الكمال.

ہر وقت کی فرض نماز کا فدیہ گو وہ تر ہی ہو اتنا ہی ہے جتنا ایک دن کے روزہ کا فدیہ یعنی نصف صاع نمازوں کا فدیہ گے ہوں یا اسکی قیمت جیسا کہ باب قضاء الفوائت میں اس کا ذکر ہو چکا ہے اس باب میں صحیح مذہب یہی ہے

(جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ پانچ وقتوں کا فدیہ نصف صاع ہے وہ صحیح نہیں ہے اور کہنے والے نے بھی اپنے اس قول سے رجوع کر لیا ہے اور اسی مقدار میں فطرہ بھی ہے یعنی آدھا صاع گیہوں یا اسکی قیمت، اور واجب اعتکاف اگر میت کے ذمہ رہ گیا ہے اور اس نے وصیت کی ہے تو اسکی طرف سے ہی ہر دن کیلئے نصف صاع گیہوں یا اس کی قیمت دی جائے گی اور یہ وصیت بھی اسی تہائی مال سے ادا ہوگی۔

عبادات بدنی اور مالی کا بدلہ

حاصل یہ ہے کہ جو عبادت بدنی ہو، اس کے بدلہ میت کی طرف سے فطرہ کی مقدار ستم کو کھلایا جائے گا، جیسے نماز رہ گئی ہو تو ہر نماز کے بدلہ نصف صاع گیہوں یا اس کی قیمت دی جائے گی اور جو مالی عبادت ہو جیسے زکوٰۃ تو جس قدر واجب ہے اتنی مقدار نکالی جائے گی، اور جو عبادت بدنی اور مالی دونوں ہے جیسے حج تو میت کی طرف سے حج بدل کر ادیا جائے گا اور اس کے اخراجات میت کے مال سے پورے کئے جائیں گے۔

شیخ خانی کا حکم

ایسا شیخ خانی جو روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو، اس کے لئے رمضان میں افطار جائز ہے مگر اس پر واجب ہے کہ وہ ہر دن کے روزہ کے بدلہ آدھا صاع گیہوں یا اس کی قیمت فدیہ میں دے، اگرچہ تمام مہینے کا فدیہ شروع میں ہی حساب کر کے دیدے تو بھی جائز ہے اور فدیہ کی ادائیگی کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ متعدد فقراء کو دیا جائے فدیہ میں نصف صاع گیہوں یا اس کی قیمت دی جائے گی جو فطرہ کی مقدار ہے یہ ادائیگی واجب اس وقت ہے جب وہ مالدار ہو اور دے سکتا ہو ورنہ استغفار پر قناعت کرے،

فدیہ کا وجوب

اسی فدیہ کا وجوب اس روزہ کیلئے ہے جب روزہ بذات خود اصل ہو اور وہ اس کے ادا کا مخاطب ہو (جیسے رمضان کا فرض روزہ اور اس کی قضا) یہاں تک کہ اگر کفارہ یمین (قسم) یا کفارہ قتل کا روزہ لازم ہوا تھا مگر پھر وہ مجبور ہو گیا اور مرتے وقت اس کی وصیت کر گیا تو اس کا فدیہ دینا درست نہیں ہے، اس وجہ سے کہ خود روزہ براہ راست اس پر واجب نہیں تھا۔ بلکہ یہ دوسرے کے بدل میں اس پر آیا ہے۔

قدرت کا روزہ

اگر کوئی مسافر تھا اور وہ اقامت سے پہلے مر گیا، تو اس پر فدیہ کی وصیت واجب نہیں ہے۔ لیکن جب اس شیخ فانی کو روزے کی قدرت پیدا ہو جائے گی جو فدیہ ادا کر چکا ہے تو اب اس کو ان روزوں کی قضا بھی کرنی ہوگی، اس لئے کہ روزہ کا فدیہ اس وقت کافی ہوتا ہے جب اس کی مجبوری برابر قائم رہے، مجبوری کے ختم ہونے کے بعد اصل فریضہ لوٹ آتا ہے۔

ایک سوال یہ ہے کہ کیا فدیہ میں اباحت کافی ہے یا تملیک ضروری ہے، مشہور قول یہ ہے کہ اباحت کافی ہے اور اسی پر کمال نے اعتماد کیا ہے تملیک ضروری نہیں ہے۔

ولزم نفل شرع فیہ قصدا کما مر فی الصلوة فلو شرع ظنا فافطرای فورا فلا قضاء اما لو مضی ساعة لزمه القضاء لانه بمضیها صار کانه نوى المضی علیه فی هذه الساعة تجنیس و مجتبی اداء وقضاء ای یجب اتمامه فان فسد و لو بعروض حیض فی الاصح وجب القضاء الا فی العیدین وایام التشریق فلا یلزم لصیر ورتہ صائما بنفس الشروع فیصیر مرتکبا للنهی اما الصلوة فلا یكون مصليا مالم یسجد بد لیل مسئلة الیمین ولا یفطر الشارع فی نفل بلا

عذر فی روایۃ و ہی الصحیحۃ و فی آخری یحل بشرط ان یکون من نية القضاء واختارها الکمال وتاج الشریعة و صدرها فی الوقایة و شرحها والضيافة عذر للضيف والمضيف ان کان صاحبها ممن لا یرضی بمجرد حضوره ويتاذن بترك الافطار فيفطر والا هو الصحيح من المذهب ظهريه ولو حلف رجل على الصائم بطلاق امراته ان لم يفطر الطر ولو کان صائما قضا ولا یحمله على المعتمد بزایة و فی النهر عن الذخيرة وغيرها اذا کان قبل الزوال اما بعده فلا الا لا حدابويه الى العصر لا بعده و فی الاشباه دعاء احد اخوانه لا یکره فطره لو صائما غیر قضاء رمضان.

نفل روزہ کا لزوم وہ نفل روزہ ذمہ میں لازم ہو جاتا ہے جس کو قصد شروع کیا گیا ہے جیسا کہ کتاب الصلوٰۃ میں مذکور ہوا، اس کا پورا کرنا اس کے ذمہ اداء و قضاء واجب ہے پھر اگر وہ فاسد ہو جائے گو حیض کے آنے کی وجہ سے ہو تو اس کی قضا واجب ہوگی لیکن اگر کسی نے واجب کے گمان پر روزہ شروع کیا پھر یہ معلوم ہونے پر کہ واجب نہیں فوراً افطار کر لیا۔ تو اس کے ذمہ اس کی قضا واجب نہیں ہے لیکن اگر معلوم ہونے کے بعد فوراً افطار نہیں کیا تا آنکہ ایک ساعت گزر گئی پھر افطار کیا تو اس پر قضا واجب ہوگی کیونکہ جب ایک ساعت تک اس نے افطار نہیں کیا تو سمجھا جائے گا کہ روزہ کے باقی رکھنے کی نیت کر لی ہے کذا فی التجنیس والاحتی.

ایام تشریق اور عیدین کا روزہ لیکن اگر کسی نے ایام التشریق (۱۰ ذی الحجہ سے ۱۳ تک) اور عیدین میں روزہ شروع کیا تھا تو ان کا پورا کرنا اس کے ذمہ لازم نہیں ہے اور ادا اور نہ قضا کیونکہ وہ روزہ کے شروع کرتے ہی روزہ دار ہو گیا اور اس طرح نبی کا اس نے ارتکاب کیا یعنی وہ کام کیا جس سے اس کو روکا گیا تھا اور جس کام سے منع کیا گیا ہو شروع کرنے کے بعد اس کا پورا کرنا ضروری نہیں ہوا کرتا بلکہ اس کو ختم کر دینا ہی لازم ہے۔

باقی یہ سوال کہ ان اوقات میں جن میں نماز سے منع کیا گیا ہے کسی نے نماز شروع کر دی تو وہ کیوں واجب ہو جاتی ہے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ دونوں میں فرق ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ نماز کے صرف شروع کر دینے سے معصیت کا مرتکب قرار نہیں پاتا جب تک اس میں سجدہ نہ ملائے، کیونکہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ نماز نہیں پڑھے گا تو صرف شروع کرنے سے وہ حادث قرار نہیں پائیگا جب تک سجدہ بھی نہ ملائے بخلاف روزے کہ ان دنوں میں جن میں روزہ سے روکا گیا ہے صرف روزہ شروع کر دینے سے معصیت کا مرتکب قرار پائے گا۔

جس نے نفل روزہ شروع کر دیا ایک روایت یہ ہے کہ اس کو چاہئے کہ وہ اسے بلا عذر نہیں توڑے اور یہی روایت صحیح ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ بلا عذر اس نفل روزہ کا توڑنا درست ہے بشرطیکہ اس کی نیت قضا کی ہو اور کمال نے دوسری روایت کو اختیار کیا ہے۔

مہمان و میزبان ہونا عذر ہے نفل روزہ کے توڑنے کیلئے مہمان ہونا اور میزبان ہونا عذر تسلیم کیا گیا ہے جبکہ ضیافت والا صرف اس کی موجودگی کو پسند نہ کرے یا اس کے افطار نہ کرنے سے

اذیت محسوس کرے تو ایسی حالت میں نفل روزہ رکھے والا روزہ توڑ دے گا اور اگر یہ صورت نہ ہو تو افطار نہ کرے بلکہ روزہ باقی رکھے صحیح مذہب یہی ہے (دوسرا قول یہ ہے کہ مہمان ہو یا میزبان ہو نماز وال سے پہلے تو عذر ہے زوال کے بعد عذر نہیں ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اگر اسے اعتماد ہو کہ قضا ادا کر لے گا تو توڑے ورنہ نہیں اس کی رعایت مناسب ہے۔)

اگر کوئی طلاق کسی کے روزہ توڑنے پر معلق کرے ایک شخص نے قسم کھائی کہ اگر فلاں نے نفل روزہ افطار نہیں کیا تو مری بیوی کو طلاق اس صورت

میں اس کو افطار کر لینا چاہئے اگرچہ وہ رمضان کی قضا والا روزہ رکھے ہوئے ہو، اور اس کو اس کی قسم میں حانث بنانا نہیں چاہئے قابل اعتماد روایت اس باب میں یہی ہے نہر الفائق میں ذخیرہ سے نقل کیا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب زوال سے پہلے افطار ہو زوال کے بعد سوائے ماں باپ کے کسی کے لئے نفل روزہ توڑنا جائز نہیں ہے اور والدین کے لئے بھی عصر تک توڑنے کی اجازت ہے عصر کے بعد والدین کے لئے بھی اجازت نہیں ہے۔

اشباہ میں ہے کہ کسی کی کسی بھائی نے دعوت کی تو اس صورت میں نفل روزہ توڑنا مکروہ نہیں ہے (البتہ قضائے رمضان کا روزہ توڑنا مکروہ ہے)

ولا تصوم المرأة نفلا الا باذن الزوج الا عند عدم الضرر به ولو فطرها وجب القضاء باذنه او بعد البينونة ولو صام العد ومافی حکمہ بلا اذن المولی لم یجز و ان فطره قضی باذنه او بعد العتق ولو نوى مسافر الفطر او لم یز فاقام ونوى الصوم فی وقتها قبل الزوال صح مطلقا ویجب علیه الصوم لو کان فی رمضان لزوال المرخص كما یجب علی مقيم اتمام صوم يوم منه ای رمضان سافر فیہ ای فی ذلك اليوم ولكن لا كفارة علیه لو افطر مبهما للشبهة فی اوله و اخره الا اذا دخل مصره لشیئ نسیه فافطر فانه یکفر ولو نوى الصائم الفطر لم یکن مفطرا كما مر كما لو نوى التكلم فی صلوته ولم یتکلم شرح الوهبانية قال وفیه خلاف الشافعی.

عورت کا بلا اجازت شوہر کے نفل روزہ رکھنا عورت نفل روزہ شوہر کی اجازت کے بغیر نہیں رکھے گی ہاں جب اس کو معلوم ہو کہ اس کے روزہ رکھنے سے شوہر کو کوئی

نقصان نہ ہو گا تو بلا اجازت بھی رکھ سکتی ہے (مثلاً شوہر بیمار ہو یا سفر میں گیا ہو) دوسری صورت یہ ہے کہ عورت نے نفل روزہ رکھ لیا تھا شوہر نے افطار کر دیا تو عورت پر اس روزہ کی قضا واجب ہے جب وہ اجازت دے گا تب رکھے گی یا جب وہ گھر میں موجود نہ ہو گا تب رکھے گی اسی طرح اگر عورت نے شوہر کی اجازت کے بغیر نفل حج کا احرام باندھ لیا ہے تو شوہر کے لئے جائز ہے کہ وہ اس کا احرام کھلوا دے اسی طرح وہ نفل نماز کی نیت بھی توڑوا سکتا ہے۔

غلام کا نفل روزہ غلام اور جو غلام کے حکم میں ہیں ان کے لئے بغیر آقا کی اجازت کے روزہ رکھنا جائز نہیں ہے اگر آقا روزہ توڑوا دے گا تو غلام پر اس کی قضا ضروری ہے یہ قضا مولیٰ کی اجازت سے رکھے گا یا پھر آزاد ہو

نے کے بعد (نوکر اور مزدور اپنے مالک اور مستاجر اپنے افسر کی اجازت کے بغیر نفل روزہ رکھ سکتا ہے یا نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس مالک کا نقصان نہیں ہے تو بلا اجازت روزہ رکھنا جائز ہے اور اگر نقصان ہوتا ہے تو بلا اجازت نہیں رکھنا چاہئے)

مسافر جب مقیم ہو جائے مسافر نے خواہ افطار کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو پھر وہ مقیم ہو جائے اور زوال سے پہلے نیت کے وقت میں روزہ کی نیت کرے (در انحالیکہ اس نے آج کچھ کھایا بھی نہ ہو) تو اس کا روزہ رکھنا صحیح ہو گا خواہ روزہ نفل ہو یا نذر معین ہو یا ادائے رمضان اور اگر یہ صورت رمضان میں پیش آئی ہو تو اس پر روزہ رکھنا ضروری ہے کیونکہ جو افطار کی وجہ تھی وہ باقی نہیں رہی۔

سفر شروع کرنے کے دن کا روزہ جس طرح مقیم (اقامت کرنے والے) پر اس دن کے روزہ کا پورا کرنا واجب ہے جس دن اس نے سفر شروع کیا ہے (مثلاً فجر کے بعد سفر شروع کیا تو اس دن روزہ توڑنا اس کیلئے کیسے جائز ہو گا) لیکن اگر وہ افطار کر لے گا اور روزہ توڑ دے گا تو اس پر صرف قضا واجب ہو گی کفارہ واجب نہیں ہو گا کیونکہ سفر کی وجہ سے شبہ پیدا ہو گیا ہے۔

مسافر کا وطن میں افطار لیکن مسافر جو اپنے شہر میں اور آبادی میں کوئی چیز بھول آیا تھا اس کو لینے کیلئے واپس آیا اور اس نے افطار کر لیا تو اس صورت میں اس پر کفارہ ہے وہ لازمی طور پر کفارہ دے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ جب گھر واپس آیا تو اس نے سفر کو چھوڑ دیا اور حکماً مقیم ہو گیا۔

نیت بغیر عمل کا اثر روزہ دار صرف افطار کی نیت کرنے سے افطار کرنے والا نہیں ہوتا ہے یہ ایسا ہی ہے جیسا کوئی نماز میں بولنے کی نیت کرے مگر نہیں بولے تو اس سے اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی ہے شرع الوبہانیہ میں کہا کہ امام شافعیؒ کا اس میں اختلاف ہے لیکن طحاویؒ میں ہے کہ قابل اعتماد مذہب اس باب میں شافعیؒ کا بھی یہی ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔

وقضى ايام اغمائه ولو كان الاغماء مستغرقاً للشهر لنذرة امتدادة سوى يوم حدث الاغماء فيه اوفى ليله فلا يقضيه الا اذا علم انه لو ينوه وفي الجنون ان لم يستوعب الشهر قضى ماضى وان استوعب لجميع مايكمنه انشاء الصوم فيه على ما مر لا يقضى مطلقاً للحرث

بے ہوشی کے دنوں کا روزہ رمضان کے جن دنوں میں کوئی بے ہوش رہا وہ ان دنوں کے روزہ کی قضا کرے گا اگرچہ وہ پورے مہینہ بے ہوش رہا ہو، کیونکہ بے ہوشی کا اس قدر بڑھ جانا شاذ و نادر ہے کیونکہ بغیر کھائے پیئے اتنے دنوں زندہ رہنا عام بات نہیں ہے (البتہ اس دن کی قضا نہیں کرے گا جس دن بے ہوشی طاری ہوئی ہے یا جس رات میں یہ واقعہ پیش آیا ہے، ہاں اس وقت قضا کرنا ہو گا جب یہ یقین ہو کہ اس دن اس نے روزہ کی نیت نہیں کی تھی) کیونکہ رمضان کے دن رات میں غالب گمان یہ ہے کہ پہلے دن تو اس نے روزہ کی نیت کی ہی ہو گی لہذا اس دن کا روزہ ادا ہو جائے گا لیکن اگر وہ مسافر تھا یا رمضان میں کھانے پینے کا عادی تھا تو اس دن کے روزہ کی بھی وہ قضا کرے گا۔

مجنون کا حکم رمضان میں پاگل پن جب پورے مہینہ نہیں رہا ہے تو جتنے دن جنون میں گزرے ہیں صرف ان دنوں کے ہی روزوں کی قضا کرے گا اور اگر پورے رمضان جنون رہا تو اس کے ذمہ مطلقاً قضا لازم نہیں ہے۔

اگر ماہ رمضان میں ان تمام اوقات میں جنون ہو جاتا ہو جن میں وہ روزے کی نیت کر کے شروع کر سکتا تھا تو اس صورت میں بھی اس کے ذمہ قضا نہیں ہے کیونکہ قضا کا حکم دینے میں حرج ہے اور وہ اوقات جن میں روزہ شروع کر سکتا ہے ہر دن طلوع فجر سے لے کر نصف النہار شرعی تک ہے ان اوقات کے علاوہ میں افاقہ کا اعتبار نہیں ہے۔

ولو نذر صوم الايام المنهية او صوم هذه السنة مطلقا على المختار و فرقوا بين النذر والشروع فيها بان نفس الشروع معصية ونفس النذر طاعة فصح و لكنه افطر ايام المنهية وجوبا تحاميا عن المعصية وقضاها اسقاطا للواجب وان صامها خرج عن العهد مع الكراهة وهذا اذا نذر قبل الايام المنهية فلو بعد ها لم يقض شيئا و انما يلزمه باقى السنة على ما هو الصواب وكذا الحكم لو نكر السنة او شرط التابع فيفطر ها لكنه يقضيها هنا متتابعة و يعيد لو افطر يوما بخلاف المعينة ولو لم يشترط التابع يقضى خمسة وثلثين ولا يجزيه صوم الخمسة فى هذه الصورة.

نذر کے روزے اگر کسی نے ان دنوں میں روزہ کی نذر (منت) مانی جن میں روزے سے روکا گیا ہے یا اس نے اس سال کے روزہ کی نذر کی تو مذہب مختار پر یہ نذر ماننا صحیح ہے یہاں سے ان روزوں کا بیان شروع کیا جا رہا ہے جن کو بندہ خود اپنے اوپر لازم کر لیتا ہے کہ رمضان کے روزے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر لازم ہوتے ہیں اس میں داخل نہیں ہیں نذر زبان کا عمل ہے اور نذر کے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ کام گناہ کا نہ ہو۔ جیسے شراب پینا وغیرہ کیونکہ ایسے کام کی نذر درست نہیں ہوتی ہے، دوسری شرط یہ ہے کہ نہ وہ فی الحال اس پر پہلے سے واجب ہو جیسے وہ نماز اور روزے جو پہلے سے اس کے ذمہ واجب ہو چکے ہیں اس کی نذر بھی جائز نہیں ہے تیسری شرط یہ ہے کہ وہ نہ ایسا ہو جو آئندہ اس پر واجب ہونے والا ہے جیسے اگلے وقت کی نماز یا اگلے دن میں رمضان کا روزہ اس طرح کی نذر بھی نہیں ہوتی ہے اور مطلقاً کا حاصل یہ ہے کہ منہی عنہ کا ذکر صراحتاً ہو یا ایسا نہ ہو زبان سے جو کچھ کہا ہے وہ مقصود ہو یا نہ ہو چنانچہ اگر بلا مقصد بھی زبان سے کہ دیا ہے تو نذر واجب ہو جائیگی ولو الحسبہ میں ہے کہ ایک شخص نے کہنا چاہا تھا کہ ایک دن کا روزہ مجھ پر لازم ہے اور زبان سے نکل گیا ایک مہینہ کا روزہ، تو اس صورت میں اس پر ایک مہینہ کے ہی روزے لازم ہوں گے۔

ایام منہی عنہا کے روزوں کی نذر نذر ماننے اور نذر کے شروع کرنے میں فقہاء نے فرق بیان کیا ہے کہ نفس نذر ماننا بنفس عبادت ہے لہذا وہ درست اور لازم ہے لیکن بعض

دنوں میں اگر کا شروع کرنا گناہ ہے لہذا دوسرے دن نذر پوری کرے گا جن دنوں میں روزے سے روکا گیا ہے نذر کرنے والے پر واجب ہے ان دنوں میں روزہ ترک کر دے تاکہ گناہ میں مبتلا نہ ہو۔ اور ان دنوں کے علاوہ دنوں میں اس کی قضا کرے تاکہ جو ذمہ میں واجب ہو چکا ہے وہ ذمہ سے ساقط ہو جائے اور کسی نے انہی دنوں میں جن میں شریعت نے منع کر رکھا ہے روزے رکھ لئے تو

وہ بری الزمہ ہو جائے گا مگر فعل حرام کا مرتکب ہو گا اور گنہ گار قرار پائے گا اور سال معین کے روزے کی نذر مانی تو یام منہی عنہ کے دنوں میں قضا اس وقت ہے کہ کوئی ان منع کئے ہوئے دنوں کے آنے سے پہلے نذر کرے، اور اگر ان دنوں کے گزرنے کے بعد نذر کی ہے جیسے ۱۴ ذی الحجہ کو تو اس کے ذمہ ان دنوں کی قضا نہیں ہے البتہ باقی تمام سال کے روزے لازم ہوں گے ان میں بقیہ ذی الحجہ کے یام بھی داخل ہوں گے درست بات یہی ہے (واضح رہے کہ جو نذر زمانہ ماضی کے مقابلہ میں ہوتی ہے وہ لغو قرار پاتی ہے اور جو زمانہ مستقبل (آنے والے) کیلئے ہوتی ہے وہ لازم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اگر کوئی اس طرح نذر کرے کہ اللہ کے واسطے مجھ پر کل گذشتہ کاروزہ لازم ہے تو یہ نذر لغو قرار پائے گی۔

سال بھر کے روزہ کی نیت یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب اس نے سنتہ کا لفظ مکروہ استعمال کیا یا مسلسل لگاتار روزہ رکھنے کی شرط کی ہے تو وہ ان دنوں میں روزہ نہیں رکھے گا جن میں روزہ رکھنے کی ممانعت ہے (جیسے عیدین اور یام تشریق یعنی ۱۱/۱۲/۱۳ ذی الحجہ کہ ان پانچ دنوں میں روزہ رکھنا حرام ہے اور شریعت نے ان دنوں میں روزہ رکھنے سے منع کیا ہے لیکن ان دنوں کے روزے کی قضا لگاتار مسلسل کرے گا۔ اگر درمیان میں ایک دن بھی روزہ نہیں رکھے گا تو اسے پھر اعادہ کرنا ہوگا، بخلاف سال معین کے کہ اس صورت میں یام منہی عنہ کے روزے لگاتار رکھنا لازم نہیں ہے اور اگر مسلسل رکھنے کی شرط نہیں کی ہے تو اس صورت میں وہ ۳۵ دنوں کے روزے کی قضا کرے گا صرف پانچ دنوں کے روزوں کی قضا کافی نہیں ہوگی (اس ۳۵ میں پانچ روزے ان پانچ دنوں کے ہوں گے جن میں روزے کی ممانعت آئی ہے اور ۳۰ دن رمضان کے روزوں کی قضا ہوگی۔

و اعلم ان صیغة النذر تحتل اليمين فلذا كانت ست صور و ذکرها بقوله فان لم ينوب نذر الصوم شيئا اونوى النذر فقط دون اليمين اونوى النذرونوى ان لا يكون يمينا كان في هذه الثلاث صور نذر افقطا جماعا عملا بالصيغة وان نوى اليمين وان لا يكون نذرا كان في هذه الصور يمينا فقط اجماعا عملا بتعيينه وعليه كفارة يمين ان افطر لحنثه وان نواه ما اونوى اليمين بل انفى النذر كان في الصورتين نذرا ويمينا حتى لو افطر يوجب القضاء للنذر والكفارة لليمين عملا بعموم المجاز خلافا للثاني وندب تفريق صوم الست من شوال ولا يكره التابع على المختار خلافا للثاني حاوى والاتباع بالمكروه ان يصوم الفطر وخمسة بعده فلو افطر الفطر لم يكره بل يستحب و يسُن ابن الكمال لو نذر صوم شهر غير معين متابعا فافطرو ما ولو من الايام المنهية استقبل لانه اخل بالوصف مع خلو شهر عن ايام نهى نهر بخلاف السنة لا يستقبل في نذر شهر معين لثلا يقع كله في غير الوقت.

الفاظ نذر کی مراد یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ نذر کا صیغہ قسم کا بھی احتمال رکھتا ہے لہذا اس کی چھ صورتیں ہوں گی (۱) نذر کے صیغے سے کچھ نیت کی (۲) یا صرف نذر کی نیت کی قسم کی نیت نہیں کی (۳) یا نذر کی نیت کی اور اس بات کی نیت کی کہ قسم نہ ہو، تو ان تینوں صورتوں میں متفقہ طور پر صرف نذر ہوگی کہ صیغہ کا تقاضا یہی تھا۔

☆ (۴) اور اگر قسم کی نیت کی اور اس کی وہ نذر نہ ہو تو اس صورت میں متفقہ طور پر صرف قسم ہوگی کیونکہ اس نے خود متعین کر دیا ہے، اور اگر وہ افطار کر لے گا اور روزہ نہیں رکھے گا تو جانٹ ہونے کی وجہ سے اس پر یمین (قسم) کا کفارہ لازم ہوگا (علی صوم) مجھ پر روزہ لازم ہے کا لفظ الترام پر دلالت کرتا ہے اور یہ نذر کے معنی میں صریح ہے لہذا نیت نہ ہونے کی صورت میں بھی نذر پر ہی محمول ہوگا لیکن جب اس کی نیت بھی ہو تو بدرجہ اولیٰ نذر پر محمول ہوگا، مگر جب وہ اس جملہ سے نیت کر رہا ہے کہ نذر نہ ہو تو اسے یمین پر محمول کیا جائے گا کیونکہ سمجھا جائے گا کہ لازم بول کر ملزوم مراد لیا گیا ہے۔

(۵) اور اگر (یمین اور نذر) دونوں کی نیت کی (۶) یا قسم کی نیت نذر کی نفی کئے بغیر کی تو ان دونوں صورتوں میں نذر اور قسم دونوں ہوں گی، یہاں تک کہ اگر اس دن روزہ نہیں رکھے گا تو نذر کی وجہ سے اس کی قضا واجب ہوگی اور عموم مجاز کے اعتبار سے قسم کا کفارہ بھی واجب ہوگا گو اس میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے ان کے نزدیک پہلی صورت میں نذر ہے اور دوسری صورت میں قسم کیونکہ صیغہ کا استعمال نذر میں حقیقی ہے اور قسم میں مجازی پہلی صورت میں حقیقت کو ترجیح حاصل ہے اور دوسری صورت میں میں بوجہ نیت مجاز متعین ہے اور بظاہر نذر و قسم کا مجتمع ہونا حقیقت و مجاز کا جمع ہونا ہے اور ایک لفظ سے یہ دونوں مراد ہوں نہیں سکتا اور یہی وجہ ہے کہ شارح نے عموم مجاز کی قید لگائی یعنی نذر اور قسم میں منافات نہیں ہے، دونوں وجوب کو چاہتے ہیں فرق یہ ہے کہ نذر بنفسہ وجوب کو چاہتی ہے اور یمین (قسم) بغیرہ یعنی اللہ تعالیٰ کے نام کی حفاظت کے واسطے سے لہذا یہاں دونوں کو جمع کر دیا تاکہ دونوں پر عمل ہو۔

شوال کے روزے شوال کے چھ روزے متفرق طور پر مستحب ہیں اور مذہب مختار یہ ہے کہ مسلسل لگاتار رکھنا بھی مکروہ نہیں ہے البتہ اس میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے کذا فی الطحاوی رمضان کے بعد وہ روزے رکھنے مکروہ ہیں کہ جن میں عید کے دن ایک روزہ رکھے، اور پانچ روزے عید کے بعد لیکن اگر عید کے دن افطار کیا ہے اور روزہ نہیں رکھا ہے تو اس صورت میں رمضان کے بعد روزے رکھنے مکروہ نہیں ہیں بلکہ مستحب اور مسنون ہیں (چنانچہ ترمذی شریف میں ہے کہ جو شخص رمضان کے روزے بھی رکھے اور پھر عید کے بعد شوال کے چھ روزے ان کے ساتھ تو اس کا ثواب پورے سال کے روزے کے برابر ہے۔

مسلسل روزے کی نذر میں افطار اگر کسی نے ایک غیر متعین مہینہ میں روزہ رکھنے کی نذر کی اور یہ کہا کہ ان کو لگاتار رکھوں گا اس صورت میں اگر وہ ایک دن درہیان میں افطار کر لے گا اگرچہ وہ ایک دن ان دنوں میں سے ہو جن میں روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے، تو بھی اس کو پھوٹنے سے روزہ رکھنا ہوگا کیونکہ پے درپے (مسلسل) کی جو قید لگائی تھی اس کو باقی نہیں رکھا، حالانکہ اس کو ایسا مہینہ مل سکتا تھا جس میں ممانعت والے دن نہ پڑیں ہاں اگر ایک سال مسلسل روزہ کی نذر ہو خواہ وہ سال متعین ہو یا غیر متعین اس میں بلاشبہ ممانعت والے دن پڑ کر رہیں گے۔ مگر جب متعین مہینہ کے روزے کی نذر مانی ہے اور اس میں ایسی صورت پیش آئی ہے تو نئے سرے سے روزہ نہیں رکھنے ہوں گے کیونکہ ایسا کرنے سے کل کے کل روزے بجائے متعین وقت کے غیر وقت میں نہ رکھنے پڑیں گے (مثلاً ماہ محرم کے روزے کی نذر مانی، ماہ محرم آتے ہی روزے شروع کر دیئے، اب فرض کیجئے ۲۹ محرم کو روزہ نہیں رکھا، اس صورت میں اگر یہ کہا جائے کہ پھر نئے سرے سے ایک ماہ کا روزہ رکھے، تو وہ صفر کے مہینے میں پورا کرے گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ کوئی روزہ متعین مہینہ اور وقت میں ادا نہیں ہو سکے گا اور درمیان میں افطار کرنے کی صورت میں نئے سرے سے دوبارہ رکھنے میں کچھ متعین مہینہ میں ادا ہوگا اور کچھ دوسرے میں۔

والنذر من اعتكاف او حج او صلوة او صيام او غيرها غير المعلق ولو معينا لا يخصص
بزمان ومكان ودرهم وفقير فلو نذر التصديق يوم الجمعة بمكة بهذا الدرهم على فلان
فخالف جاز وكذا لو عجل قبله فلو عين شهر الاعتكاف او للصوم فجعل قبله عند صح
وكذا لو نذر ان يحج سنة كذا فحج سنة قبلها صح او صلوة يوم كذا فصلاها قبله لانه
تعجيل بعد وجود السبب وهو النذر فيغلو التعيين شرنبلية فليحفظ. بخلاف النذر المعلق
فانه لا يجوز تعجيله قبل وجود الشرط كما سيجنى في الايمان ولو قال مريض لله علي ان
اصوم شهر افمات قبل ان يصح الاشئ عليه وان صح ولو يوما ولو يصمه لزمه الوصية
بجميعه على الصحيح كالصحيح اذا نذر ذلك و مات قبل تمام الشهر لزمه الوصية
بالجميع بالاجماع كما في الجنازية بخلاف القضاء فان سببه ادراك العدة.

نذر میں وقت جگہ اور فقیر کی تعیین نذر غیر معلق خواہ اعتکاف کے لئے ہو یا حج یا نماز یا روزہ وغیرہ کے لئے گو وہ متعین ہو، ایسی نذر کسی زمانہ کسی جگہ کسی درہم اور کسی فقیر

کیا تھ مختلف نہیں ہوتی ہے چنانچہ اگر کسی نے نذر کی کہ وہ جمعہ کے دن مکہ مکرمہ میں فلاں فقیر کو یہ درہم بطور صدقہ دے گا مگر اس نے اس کے خلاف کیا تو یہ صدقہ اور اس کا یہ فعل جائز ہے (ماحصل یہ ہے کہ اس تعیین میں خواہ وقت یا جگہ یا فقیر یا کسی اور کبھی ہوئی بات میں مخالفت ہو جائے تو اس سے صدقہ دینے میں کوئی حرج واقع نہیں ہوگا چنانچہ معراج الدرایہ میں ہے کہ اگر کسی نے نذر مانی کہ کل روزہ رکھوں گا پھر اس کو اس نے پر سوں رکھا تو جائز ہے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جیسے کسی نے نذر مانی کہ ابھی ایک درہم صدقہ دوں گا اور دیا تھوڑی دیر میں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں مگر بعضوں نے کہا ہے کہ دینار و درہم کی خصوصیت سرے سے لغو نہیں ہے بلکہ کبھی اس کا اعتبار بھی ہوتا ہے چنانچہ خانیہ میں لکھا ہے اگر کسی نے معین درہم کے صدقہ کی نذر مانی پھر وہ درہم جاتا رہا تو نذر ساقط ہو جائے گی، اسی طرح بدائع میں ہے کہ کسی نے کہا ہے کہ میں اس خاص فقیر کو کچھ کھلاؤں گا مسکین کا نام لیا اور چیز معین نہیں کی، تو اس صورت میں یہ ضروری ہے کہ وہ چیز اسی فقیر کو دے کیونکہ جب چیز متعین نہیں کی ہے تو فقیر کی تعیین مقصود ہوگی، لہذا دوسرے فقیر کو دینا جائز نہیں ہوگا ان دونوں مسئلوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تعیین سرے سے لغو نہیں ہے کہیں کہیں اس کا اعتبار ہے۔)

مخصوص مہینہ کے روزہ یا اعتکاف کی نذر نذر معین اعتکاف یا روزہ کی کسی مخصوص مہینہ کے لئے ہو اور نذر ماننے والا اس کو اس مہینے سے پہلے ہی ادا کر دے تو یہ جائز ہے

(البتہ امام محمد وقت سے پہلے ادا کرنے کو جائز نہیں کہتے شامی میں ہے کہ کسی نے رجب کے روزے کی نذر مانی، اور جب آنے سے پہلے اسی نذر والے نے ۲۹ روزے رکھ لئے اب رجب کا مہینہ بھی ۲۹ کا ہی ہوا تو اس کے ذمہ قضا نہیں ہے صحیح تر قول یہی ہے جیسا کہ سراج میں ہے اور اگر ماہ رجب تمیں دن کا ہوا ہے تو اس کو ایک روزہ کی قضا کرنا ہوگی۔)

نذر کی وقت معین سے پہلے ادا نیگی ایسے ہی کسی نے نذر مانی کہ وہ فلاں سال حج ادا کرے گا مگر اس سال کے آنے سے پہلے ہی اس نے حج کر لیا تو یہ درست ہو گیا یا نذر کی فلاں دن نماز

پڑھوں گا اور اس دن سے پہلے ہی اس نے نذر والی نماز ادا کر لی تو یہ درست ہے کیونکہ سبب پایا جا چکا ہے اور وہ سب یہاں نذر ہے تو اس وقت کی تعیین لغو ہو جائے گی کذا فی الشرحنالیہ، البتہ نذر معلق کو وقت سے پہلے ادا کرنا درست نہیں ہے کیونکہ جب کسی شرط

پراسے موقوف کر رکھا ہے تو شرط کے پائے جانے کے بعد ہی وہ نذر پائی جائے گی، اس کی تفصیل کتاب الایمان میں آئے گی۔
(تعلیق خواہ کسی اچھی چیز پر کئی گئی ہو جیسے مرائلاں غائب آجائے تو روزہ رکھوں گا یا کسی بری چیز پر ہو جیسے فلاں برا کام کرے تو مجھ پر اتنا صدقہ کرنا لازم ہے مگر ان دونوں میں فرق ہے پہلی صورت میں نذر کا ادا کرنا لازم ہے اور دوسری صورت میں اس کو اختیار ہے کہ نذر پوری کرے یا قسم کا کفارہ ادا کر دے۔)

نذر کی ادائیگی سے پہلے موت

اگر کسی بیمار نے کہا اللہ کے واسطے میرے ذمہ لازم ہے کہ میں ایک مہینہ کا روزہ رکھوں مگر تندرستی حاصل ہونے سے پہلے وہ چل بسا تو اس پر کچھ لازم نہیں ہے اور اگر وہ تندرست ہو گیا، اور روزہ رکھنے کے قابل خواہ ایک دن کے لئے اور اس نے اس دن روزہ نہیں رکھا تو اس کو تمام روزے کی وصیت لازم ہے صحیح مذہب یہی ہے (یہ شیخین کا قول ہے اور امام محمدؒ فرماتے ہیں جتنے دن صحت میں روزہ نہیں رکھ سکا ہے بس صرف اتنے ہی دن کی وصیت لازم ہے جیسا کہ قضائے رمضان کا حکم ہے۔)

تندرست کی طرح جب ایک ماہ کے روزے کی نذر مانی اور اس نے ان دنوں میں روزہ نہیں رکھا پھر وہ مہینے کے پورے ہونے سے پہلے وفات پا گیا تو اس پر پورے مہینے کے روزہ کے فدیہ کے لئے وصیت لازم ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں، رمضان کے روزے میں یہ صورت نہیں ہے کیونکہ اس میں سبب فوت صوم ہے لہذا وہ بعد رمضان جتنا موقع پائے گا اتنے دن کی اس پر وصیت لازم ہوگی پورے ماہ کی لازم نہیں۔

فروع قال والله اصوم لاصوم عليه بل ان صام حنث كما سيجنى في الايمان
نذر صوم رجب فدخل وهو مريض افطر وقضى كرمضان او صوم الابد فضعف لا شتغاله
بالمعيشة افطر وكفر كما مر او يوم بقدم فلان فقدم بعد الاكل او الزوال او حيضها قضى
عند الثاني خلافا للثالث ولو قدم في رمضان فلا قضاء اتفاقا ولو عني به اليمين كفر فقط
الا اذا اقدم قبل نيته فنواه عنه بربالنية ووقع عن رمضان ولو نذر شهر الزمه كاملا
او الشهر فبقية او صوم جمعة فلا اسبوع الا ان ينوي اليوم ولو نذر يوم السبت صوم
ثمانية ايام صام سبتين ولو قال سبعة فسبعة اسبت والفرق ان السبت لا يتكرر في السبعة
فحمل على العدد بخلاف الاول.

مسائل جزئیات

اگر کسی نے کہا اللہ اصوم (بخدا میں روزہ رکھوں گا) تو صرف اس کہنے سے اس پر روزہ لازم نہیں ہوگا، بلکہ اس صورت میں روزہ رکھنے سے حانث قرار پائے گا جسکی تفصیل کتاب الایمان میں آئے گی (کیونکہ یہ عربی نحوی قاعدہ کے مطابق "واللہ لا اصوم" کے معنی میں ہو جاتا ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں عوام چونکہ قاعدہ کا لحاظ نہیں کرتے اس لئے روزے رکھنے کی صورت میں حانث ہونے کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔)

کسی نے نذر مانی کہ وہ رجب کے مہینے میں روزہ رکھے گا اور جب رجب کا مہینہ آیا تو وہ بیمار تھا تو اس صورت میں وہ روزہ نہیں رکھے گا بلکہ صحت کے بعد اس کی قضا کرے گا جس طرح رمضان کے روزے کی قضا کی جاتی ہے یعنی صحت کے فوراً بعد یا جب سہولت ہو۔

کسی نے ہمیشہ روزے رکھنے کی نذر مانی مگر وہ اپنی روزی کے سامان کھو جانے کی وجہ سے کمزور ہو گیا تو اس صورت میں وہ افطار سے رہے گا اور روزوں کا فدیہ دے گا (جیسا کہ شیخ فانی میں مذکور ہوا)

کسی کے آنے کے دن روزہ کی نذر

اسی طرح کسی نے نذر مانی کے فلاں جس دن آئے گا اس دن روزہ رکھوں گا مگر اس وقت آیا جب وہ اس دن کچھ کھاپی چکا تھا یا زوال (

نصف النہار) کے بعد آیا عورت تھی اس کو حیض آگیا تھا تو وہ اس پر اس دن کے روزے کی قضا واجب ہے امام محمدؒ اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں اور اگر وہ رمضان کے مہینے میں آیا تو اس نذر والے پر قضا لازم نہیں اس رمضان والے مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں (کیونکہ اس کی نذر رمضان کے مہینہ میں آکر پڑی اور یہ قاعدہ ہے کہ جس کی نذر رمضان میں روزہ کی ہو اس پر کچھ لازم نہیں)

نذر کے الفاظ سے یمین مراد لینا

اور اگر نذر کے الفاظ سے اس نے قسم کی نیت کی ہے تو اس کو صرف کفارہ دینا ہو گا روزہ رکھنا نہیں پڑے گا لیکن اگر وہ شخص جس کے آنے پر روزہ

معلق رکھا تھا وہ نیت کرنے سے پہلے آگیا اور رمضان میں آیا اور اس نے نذر کے ادا کرنے کی نیت کی تو رمضان کے روزے رکھنے سے نذر بھی ادا ہو گئی الگ سے روزہ رکھنا نہیں ہو گا اس کی تفصیل فتح القدیر میں اس طرح لکھی ہے کہ کسی نے کہا کہ مجھ پر خدا کے واسطے اس دن کا روزہ شکر اللہ لازم ہے جس دن فلاں شخص آجائے اور اس نے اپنے کہنے سے قسم (یمین کا ارادہ کیا چنانچہ وہ آنے والا شخص رمضان میں آیا تو اس پر قسم کا کفارہ ہو گا اور قضا نہیں ہو گی کیونکہ قسم کے لئے جو شرط ”شکر اللہ“ کی لگائی تھی وہ پوری نہیں ہوئی اور اگر وہ نیت کرنے سے پہلے آگیا اور اس نے روزے سے شکر کی نیت کی نہ رمضان کی، تو بھی باعتبار قسم پوری ہو جائے گی اور یہی رمضان کے روزہ کی طرف سے بھی کافی ہو گا قضا لازم نہیں ہو گی۔)

مہینہ کے روزہ کی نذر

کسی نے ایک ماہ کے روزے کی نذر کی ہے تو اس پر پورے مہینے کے روزے رکھنا لازم ہو گئے (اور یہ گنتی کے اعتبار سے پورے کر سکتا ہے چاند کے حساب سے پہلا روزہ شروع

کرنا ضروری نہیں ہے البتہ اگر معین مہینہ کی نذر کی ہے تو پھر چاند کے اعتبار سے روزہ رکھنا ہو گا۔)

اور اگر ماہ رواں کے روزہ کی نذر کی ہے تو اس مہینے کے بقیہ ایام کا روزہ لازم ہو گا۔

اور اگر مطلقاً جمعہ کے روزہ کی نذر مانی ہے تو پورے ہفتہ کا روزہ لازم ہو گا لیکن اگر اس کی نیت خاص جمعہ کے دن کی تھی

تو صرف جمعہ دن کا ایک روزہ لازم ہو گا ہفتہ کا لازم نہیں ہو گا۔

اگر سنیچر کے روزے کی نذر مانی اور کہا جو آٹھ دن میں ہوتا ہے تو دو سنیچر کا روزہ رکھنا ہو گا اور اگر سنیچر کے بعد سات کا نام لیا تو اس کو سات سنیچر کا روزہ رکھنا ہو گا دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ سنیچر سات دن میں مکروہ نہیں آتا ہے لہذا وہ سات دن پر محمول ہو گا اور پہلی صورت میں آٹھ دن میں دو سنیچر ہو سکتا ہے لہذا جو مکرر ہو سکتا ہے وہی مراد ہو گا اور یہ حکم اس وقت ہے جب الفاظ مذکورہ کہہ کر کچھ نیت نہ کی ہو باقی نیت کرنے کی صورت میں جیسی نیت ہو گی اسی کے مطابق لازم ہو گا۔

واعلم ان النذر الذی يقع للاموات من اکثر العوام وما یؤخذ من الدراهم والشمع والزیت و نحوھا الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیہم فہو بالاجماع باطل و حرام مالہم یقصد و اصر فہا لفقراء الانام وقد ابتلی الناس بذلك ولا سیما فی هذه الا عصار وقد بسطہ العلامة قاسم فی شرح درر البحار ولذا قال الامام محمد لو کان العوام عبیدی لاعتقتہم واسقطت ولائی وذلك لانہم لا یہتدون فالکل بہم یتعیرون۔

مردوں اور قبروں کے لئے نذر

عوام جو نذر اور منت مردوں کے لئے کرتے ہیں اور روپے پیسے موم جی اور تیل وغیرہ جو اولیاء کرام کی قبروں پر لے جاتے ہیں وہ سب بالاتفاق باطل اور حرام ہیں جب تک کہ ان سامان کے فقراء پر صرف کرنے کا ارادہ نہ کر لیا جائے (اس کے باطل ہونے کی کئی وجہیں ہیں ان میں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اسی طرح کی نذر مخلوق کیلئے ہوتی ہے جو جائز نہیں نذر ایک طرح کی عبادت ہے اور ظاہر ہے کہ مخلوق کی عبادت نہیں ہوا کرتی دوسری وجہ یہ ہے کہ جس کے لئے نذر مانی ہے وہ مردہ ہیں اور مردہ مالک نہیں ہوا کرتا ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ ایسے نذر ماننے والے کا عقیدہ ہوتا ہے کہ مردہ تصرف کرتے ہیں حالانکہ یہ عقیدہ صحیح نہیں بلکہ ایسا اعتقاد کفر ہے ہاں اگر یہ کہے کہ اے اللہ تیرے لئے نذر کرتا ہوں اگر فلاں مریض کو تو نے شفا عطا کر دی تو ان فقیروں کو کھانا کھلاؤں گا جو فلاں جگہ قیام پذیر ہیں تو یہ نذر جائز ہوگی نذر صرف غرباء اور فقراء پر صرف ہوگی مالداروں پر نذر صرف کرنا درست نہیں ہے قبر پر جو چراغ جلانے جاتے ہیں اگر ان قبروں کے چراغوں کے تیل کے لئے نذر مانی تو یہ بھی درست نہیں۔

امام محمد کا قول ہے کہ اگر عوام میرے غلام ہوتے تو میں انکو آزاد کر دیتا اور اپنی ولاء ساقط کر دیتا کیونکہ یہ عموماً ہدایت یافتہ نہیں ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ تمام لوگوں کو ان سے عار ہوتی ہے (ولاء کے ساقط کرنے کی مراد مواخذہ نہیں کرتا ہے ورنہ حقیقتاً ولاء ساقط نہیں ہوتی۔)



باب الاعتكاف

وجه المناسبة له والتأخير اشتراط الصوم في بعضه والطلب الأكدي العشر الاخير هو لغة اللبث و شرعا لبث بفتح اللام وتضم المكث ذكر ولو مميزا في مسجد جماعة هو ماله امام ومؤذن اديت فيه الخمس اولا وعن الامام اشتراط اداء الخمس فيه وصححه بعضهم وقالوا يصح في كل مسجد وصححه السروجي و اما الجامع فيصح فيه مطلقا اتفاقا او لبث امرأة في مسجد بيتها ويكره في المسجد ولا يصح في غير موضع صلوتها من بيتها كما اذا لم يكن فيه مسجد ولا تخرج من بيتها اذا اعتكف فيه و هل يصح من الخشي في بيته لم اره والظاهر لاحتمال ذكوره بنية فاللبث هو الركن والكون في المسجد والنية من مسلم عاقل طاهر عن جنابة وحيض ونفاس شرطان.

باب الاعتكاف

اعتكاف کے احکام و مسائل

اس باب کی کتاب الصوم سے مناسبت اور اس کے بعد اس باب کو لانے کی وجہ یہ ہے کہ بعض اعتکاف میں روزہ شرط ہے اور دوسرے یہ کہ رمضان کے عشرہ اخیر میں اعتکاف موکد طور پر مطلوب ہے (اور یہ قاعدہ ہے کہ پہلے شرط ہوتی ہے پھر شرط پایا جاتا ہے اس لئے کتاب الصوم کو پہلے بیان کیا اور اس کے بعد اعتکاف کو اور اس لئے بھی کہ رمضان کے اخیر عشرہ میں اعتکاف کا حکم ہے۔) اعتکاف کے معنی لغت میں ”ٹھہرنا“ آتا ہے اور ”لبث“ کا لفظ لام کے فتح کے ساتھ ہے گولام کو پیش کے ساتھ پڑھنا بھی جائز ہے اور شرع میں مرد خواہ ہو شمند لڑکا ہی کیوں نہ ہو اسکا اس مسجد میں ٹھہرنا جس میں جماعت ہوتی ہو یا عورت کا اپنے گھر کی مسجد میں قیام کرنا (گویا اعتکاف کے لئے بالغ ہونے کی شرط نہیں ہے اتنی عمر ہو کہ اس میں اعتکاف کو سمجھنے کی تمیز پیدا ہو جائے۔)

اعتکاف کے معنی

جماعت والی مسجد اس مسجد کو کہتے ہیں جس کیلئے امام ومؤذن ہوں خواہ اس میں پنجوقتہ نماز ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو، اور امام اعظم سے ایک روایت یہ نقل کی گئی ہے کہ جس مسجد میں اعتکاف ہو اس میں بجگانہ نماز کی ادائیگی شرط ہے اور بعض نے اس قول کی تصحیح بھی کی ہے اور صاحبین کا کہنا ہے کہ ہر مسجد میں اعتکاف

اعتکاف کیلئے مسجد کا ہونا

درست ہے خواہ بچوقت باضابطہ جماعت ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو اور سر دجی نے اسی قول کی تصحیح کی ہے باقی جامع مسجد تو اس میں اعتکاف بہر حال درست ہے خواہ اس میں بچوقت نماز ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے (فتح القدیر میں صراحت ہے کہ اعتکاف سب سے بہتر مسجد حرام میں ہے پھر مسجد نبویؐ میں پھر بیت المقدس میں پھر اس جامع مسجد میں جس میں جماعت ہوتی ہو، اگر جامع مسجد میں جماعت نہ ہو تو پھر اپنے محلہ کی مسجد میں اعتکاف افضل ہے پھر اس مسجد میں جس میں زیادہ نمازی ہوں۔)

مسجد خانہ اور عورت (گھر کی مسجد سے مراد گھر کی وہ جگہ ہے جو نماز پڑھنے کیلئے عورتیں عموماً متعین کر لیتی ہیں عورتوں کو انہیں جگہوں میں اعتکاف کرنا چاہئے) عورت کے لئے عام مسجد میں اعتکاف کرنا مکروہ تنزیہی ہے عورتیں اگر گھر میں نماز کی مخصوص جگہ کے علاوہ دوسری جگہ میں اعتکاف کریں گی تو وہ درست نہیں ہوگا جس طرح جب کوئی جگہ گھر میں ایسی نہ ہو تو اس میں اعتکاف درست نہیں (مناسب یہ ہے کہ عورتوں کو اعتکاف کیلئے گھر میں کوئی جگہ مقرر کر لینی چاہئے تاکہ اس میں اعتکاف اس کیلئے درست ہو) سوال یہ ہے کہ گھر میں خنثی کیلئے اعتکاف ہے یا نہیں جواب یہ دیا ہے کہ یہ مسئلہ کہیں دیکھنے میں نہیں آیا مگر قاعدہ سے ظاہر یہ ہے کہ اعتکاف اس کے لئے درست نہیں ہے کیونکہ خنثی میں اس کے مرد ہونے کا احتمال باقی رہتا ہے۔

رکن اور شرائط اعتکاف اعتکاف میں ٹھہرنا تو رکن ہے باقی اس کا مسجد میں ہونا مستکف کا عاقل مسلمان اور جنابت اور حیض و نفاس سے پاک ہونا دونوں شرط ہیں۔

وهو ثلثة اقسام واجب بالنذر بلسانه وبالشروع وبالتعليق ذكره ابن الكمال وسنة مؤكدة في العشر الاخير من رمضان اى سنة كفاية كما في البرهان وغيره لا قترانها بعدم الانكار على من لم يفعله من الصحابة ومستحب في غيره من الازمنة هو بمعنى غير المؤكدة وشرط صوم الصحة الاول اتفاقا فقط على المذهب فلو نذر اعتكاف ليلة لم يصح وان نوى معها اليوم لعدم محليتها للصوم اما لو نوى بها اليوم صح والفرق لا يخفى بخلاف ما لو قال في نذره ليلا ونهارا فانه يصح وان لم يكن الليل محلا للصوم لانه يدخل الليل تبعا و اعلم ان الشرط في الصوم مراعاة وجوده لا ايجاده للمشروط قصدا فلو نذر اعتكاف شهر رمضان لزمه واجزاءه صوم رمضان عن صوم الاعتكاف

اعتکاف کی قسمیں اعتکاف کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) واجب جو زبان سے نذر کرنے سے ہوتا ہے اور کبھی اعتکاف شروع کر دینے سے اور کبھی اس کو معلق کرنے سے کمال نے ایسا ہی ذکر کیا ہے زبان سے کہنے کی قید اس لئے لگائی کہ صرف نیت کرنے سے نیت نہیں ہوتی ہے (۲) دوسری قسم سنت مؤکدہ ہے یہ اخیر عشرہ رمضان کا اعتکاف ہے مگر یہ سنت کفایہ ہے کہ محلہ میں کوئی بھی کر لے گا تو سب کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا اور سنت کفایہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ عہد نبویؐ میں جن صحابہ کرام نے رمضان میں اعتکاف نہیں کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس پر نہیں ٹوکا۔

(۳) اعتکاف کی تیسری قسم مستحب ہے جو عشرہ اخیر رمضان کے سوا دوسرے وقتوں میں کیا جائے اور مستحب سے مراد یہاں سنت غیر مؤکدہ ہے۔

روزہ کا شرط ہونا قسم اول (واجب) کی صحت کیلئے روزہ رکھنا شرط قرار دیا گیا ہے جس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں صحیح مذہب یہی ہے (نفل و مستحب اعتکاف کے لئے بھی بعض روایت میں روزہ کو شرط گردانا گیا ہے اور اس اختلاف کی بنیاد اس بات پر ہے کہ نفل اعتکاف کے لئے وقت کی کوئی تحدید ہے یا نہیں جن لوگوں نے ایک دن کی قید لگائی ہے ان کے نزدیک روزہ شرط ہو گا اور جن کے یہاں وقت کی تحدید نہیں ہے ان کے نزدیک روزہ شرط نہیں ہے۔)

صرف رات کا اعتکاف جب واجب اعتکاف کے لئے روزہ شرط ٹھہرا تو معلوم ہوا کہ اگر کوئی صرف رات کے اعتکاف کی نذر مانے گا تو اس کی یہ نذر درست نہیں ہوگی اگرچہ وہ اس کے ساتھ دن کی بھی نیت کرے مگر زبان سے نہ کہے، صرف رات کے اعتکاف کی نذر اسوجہ سے درست نہیں ہے کہ وہ روزہ کا محل نہیں ہے لیکن اگر زبان سے رات کی نذر کرے اور اس سے وہ اپنی مراد دن رات دونوں کا مجموعہ لے تو یہ درست ہے اور دن دونوں صورتوں کا فرق مخفی نہیں ہے (اور فرق یہ ہے پہلی صورت میں دن کو رات کے تابع قرار دیا گیا ہے تو جب رات میں نذر درست نہیں جو متبوع ہے تو دن جو تابع ہے اس میں بدرجہ اولیٰ درست نہیں ہوگی اور دوسری صورت میں رات کا بول کر چو نکہ اس سے دن رات دونوں کا مجموعہ مراد لیا گیا ہے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔)

اس کے برخلاف اگر اس نے نذر میں رات اور دن دونوں کہا ہے تو اعتکاف کی یہ نذر درست ہوگی گو رات روزے کا محل نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں رات تہجد داخل ہوگی۔

چونکہ اعتکاف میں روزہ پایا جاتا ہے اس لئے اس کی شرط لگادی گئی ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ روزہ مخصوص طور پر اعتکاف کیلئے ہی ہو (جیسے نماز کیلئے وضو کا ہونا شرط ہے مگر یہ شرط نہیں ہے کہ وہ وضو مخصوص طور پر نماز کیلئے ہی کیا گیا ہو) چنانچہ کسی نے اگر رمضان کے اعتکاف کی نذر کی تو اس پر اعتکاف لازم ہو گا اور رمضان کا روزہ اس اعتکاف کے روزہ کی طرف سے کافی ہو جائے گا۔

لكن قالوا لو صام تطوعا ثم نذر اعتكاف ذلك اليوم لم يصح لا نعتقاده من اوله تطوعا فتعذر جعله واجبا وان لم يعتكف رمضان المعين قضى شهر غيره بصوم مقصود لعود شر طه الى الكمال الاصلى فلم يجز في رمضان اخر ولا في واجب سوى قضاء رمضان الاول لانه خلف عنه و تحقيقه في الاصول في بحث الامر واقوله نفلا ساعة من ليل او نهار عند محمد وهو ظاهر الرواية عن الامام لبناء النفل على المسامحة وبه يفتى والساعة في عرف الفقهاء جزء من الزمان لا جزء من اربعة وعشرين كما يقوله المنجمون كذا في غرر الاذكار وغيره فلو شرع في نفيه ثم قطعه لايلزمه قضاؤه لانه لا يشترط له الصوم على الظاهر من لمذهب ومافي بعض المعبرات انه يلزم بالشروع مفرع على الضعيف قاله المصنف وغيره وحرم عليه اي على المعتكف اعتكافا واجبا اما النفل فله الخروج لانه منه له لا مبطل كما مر

نفل روزہ کے دن اعتکاف فقہاء نے کہا ہے کہ اگر کسی نے نفل روزہ رکھا تھا پھر اس نے اسی دن کے اعتکاف کی نذر مان لی تو یہ اعتکاف صحیح نہیں ہوگا کیونکہ یہ روزہ جس کو شروع کر چکا ہے نفل ہے اب اس نفل کو واجب کس طرح بنایا جاسکتا ہے دوسری بات یہ ہے کہ دن بھر کا اعتکاف پورا نہیں ہو سکے گا جو

واجب اعتکاف کی کم سے کم مقدار ہے۔

اگر کسی نے نذر معین کا اعتکاف رمضان کے مہینے میں ادا نہیں کیا تو وہ اب دوسرے مہینے میں اس کی قضا کرے گا اور اس کے لئے خصوصی طور پر الگ سے روزہ رکھے گا (یعنی اس نے کسی معین مہینے میں اعتکاف کا التزام کیا تھا مگر اس مہینے میں نہیں رکھ سکا تو اب اس کا فرض ہے کہ اس کی تلافی دوسرے ماہ میں کرے۔

یہ اعتکاف اس کے لئے نہ دوسرے رمضان میں جائز ہے اور نہ کسی دوسرے واجب روزہ کے دنوں میں البتہ اگر رمضان کا اعتکاف کسی وجہ سے قضا ہو گیا ہے تو اس کی قضا دوسرے رمضان میں کرے گا۔

نفل اعتکاف کیلئے وقت کی تحدید
نفل اعتکاف کی کم سے کم مدت ایک ساعت ہے خواہ یہ دن میں ہو، خواہ رات میں امام محمد کا مسلک یہی ہے اور امام اعظمؒ سے ظاہر الروایت بھی یہی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نفل کی بنیاد سہولت پر ہے چنانچہ اسی قول پر فتویٰ بھی ہے چنانچہ سب کو معلوم ہے کہ جو چیزیں فرض و واجب میں جائز نہیں ہوتی ہیں نفل میں جائز ہوتی ہیں جیسے نفل نماز میں کھڑا ہونا باوجود قدرت بھی ضروری نہیں ہے اور فرض و واجب میں ضروری ہے ساعت کی مراد فقہاء کے یہاں کم سے کم وقت ہے منجھوں نے دن رات کو چوبیس گھنٹوں میں تقسیم کر رکھا ہے اور وہ اس کے اس چوبیسویں حصہ کو ایک ساعت کہتے ہیں یہاں ساعت سے یہ اصطلاح مراد نہیں ہے، یہ غرار الاذکار میں مذکور ہے۔

نفل اعتکاف شروع کرنے سے واجب نہیں ہوتا
چنانچہ اگر کوئی نفل اعتکاف شروع کر کے پھر اس کو توڑ دے تو اس کی وجہ سے اس اعتکاف کی قضا اس کے ذمہ لازم نہیں ہوگی کیونکہ نفل اعتکاف کیلئے روزہ شرط نہیں ہے صحیح مذہب یہی ہے اور یہ جو بعض کتابوں میں مذکور ہے نفل اعتکاف شروع کرنے اور پھر توڑنے سے واجب ہو جاتا ہے اس کی بنیاد ضعیف قول پر ہے مصنف نے اس کو ذکر کر دیا ہے اور وہ ضعیف قول حضرت حسنؒ کی روایت ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اعتکاف کی کم سے کم مدت ایک یوم ہے۔

الخروج الى الحاجة الانسان طبيعة كبول و غائط و غسل لو احتلم ولا يمكنه الاغتسال في المسجد كذا في النهر او شرعية كعد و اذان لو مؤذنا و باب المنارة خارج والجمعة وقت الزوال و من بعد منزله اى معتكفه خرج في وقت يدر كها مع سنتها يحكم في ذلك رايه ويسن بعدها اربعا اوستا على الخلاف لو مكث اكثر لم يفسد لا نه محل له و كره تنزيها لمخالفة ما التزمه بلا ضرورة فلو خرج ولو ناسيا ساعة زمانيه لا رملية كما مر بلا عذر فسد فيقضيه الا اذا افسده بالردة واعتبرا اكثر النهار قالوا وهو الا استحسان و بحث فيه الكمال. وان خرج بعذر يغلب وقوعه وهو ما مر لا غير لا يفسد وامام لا يغلب كان جاء غريق وانهدام مسجد فمسقط للائم لا للبطلان والا لكان النسيان اولي بعدم الفساد كما حققه الكمال خلافا لما فصل الزيلعي وغيره لكن في النهر وغيره جعل عدم الفساد لانهدامه وبطلان جماعته واخراجه كر ها استحسانا وفي التاتارخانية عن الحاجة لو شرط وقت النذر ان يخرج لعيادة مريض و صلوة جنازة و حضور مجلس علم جاز ذلك فليحفظ.

مسجد سے نکلنا جس شخص نے واجب اعتکاف کر رکھا ہے اس کا مسجد سے (بلا وجہ) نکلنا حرام ہے البتہ نفل اعتکاف میں مسجد سے نکلنا درست ہے کیونکہ بلا وجہ مسجد سے نکلنے سے نفل اعتکاف ختم تو ہو جاتا ہے اس فعل سے وہ باطل نہیں ہوتا جیسا کہ گذرا کہ نفل اعتکاف کی کوئی مدت متعین نہیں ہے کم سے کم وقت میں بھی جائز ہے (واجب اعتکاف کی صورت میں مسجد سے نکلنا اس وجہ سے حرام ہے کہ اس سے ایک ضروری عمل باطل ہو جاتا ہے اور کسی عمل کا باطل کرنا جائز نہیں ہے ارشاد ربانی ہے ولا تبطلوا اعمالکم)

طبعی ضرورت معتکف طبعی ضرورت جیسے پیشاب پانچخانہ اور جنابت کا غسل ان کے لئے مسجد سے نکل سکتا ہے جب اس کے لئے مسجد میں غسل کرنا ممکن نہ ہو، یعنی اگر وہ غسل جنابت مسجد میں اس طرح کر سکتا ہے کہ مسجد ملوث نہ ہو تو اسی کے اندر غسل کرنے میں مضائقہ نہیں اور اگر جنابت والا پانی مسجد میں گرتا ہو تو اس کو مسجد میں نہانے کی اجازت نہیں ہوگی کیونکہ مسجد کی صفائی اور اسے پاک رکھنا واجب ہے۔

شرعی ضرورت اسی طرح معتکف شرعی ضرورت کے لئے بھی نکل سکتا ہے جیسے عید و جمعہ کی نماز کے لئے اگر وہ مؤذن ہے تو اذان دینے کیلئے جبکہ اذان کا منارہ مسجد سے باہر ہو جمعہ کے لئے آفتاب کے ڈھلنے کے بعد نکلے گا، لیکن اگر جامع مسجد دور ہو تو وہ ایسے وقت نکلے گا کہ وہ جامع مسجد پہنچ کر مع سنتوں کے نماز جمعہ ادا کر سکے اس معاملہ میں وہ خود اپنے اندازہ پر فیصلہ کرے (اور جب پہلے کی سنت پانے کی صراحت ہے تو اس میں خطبہ بھی آجاتا ہے یعنی اس کے پانے کا بھی وہ لحاظ رکھے گا) اور فرض جمعہ پڑھ کر اس کے بعد چار یا چھ رکعت سنت پڑھ سکے، اور اگر اس سے زیادہ ٹھہر جائیگا تو اس سے اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا، کیونکہ جامع مسجد بھی نفل اعتکاف ہیں البتہ وہاں زیادہ ٹھہرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ اور اس کراہت کی وجہ یہ ہے کہ اس نے جس کا التزام کیا تھا اس کی بلا ضرورت مخالفت کی (اشارہ اس طرف کیا گیا ہے کہ گھر اور مسجد میں ٹھہرنے میں فرق ہے گھر میں ٹھہرنے سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے مگر مسجد میں ٹھہرنے سے باطل نہیں ہوتا۔)

اعتکاف کی قضا اگر معتکف بلا عذر تھوڑی دیر کے لئے بھی نکلے گا خواہ بھول کر ہی کیوں نہ ہو، اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا اور اسے اس کی قضا کرنا ہوگی (اگر وہ اعتکاف واجب ہے جیسے نذر وغیرہ کا تو اس کی قضا میں روزہ بھی رکھا ہوگا) لیکن اگر اس نے اعتکاف کو بذریعہ ارتداد فاسد کیا ہے یعنی اس کے مرتد ہو جانے کی وجہ سے فاسد ہوا ہے تو اسکی قضا نہیں ہے۔

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے اعتکاف کی حالت میں نکلنے میں دن کے اکثر حصہ کا اعتبار کیا ہے اور علماء نے اسی قول کو مستحسن کہا ہے (کیونکہ تھوڑی دیر کے لئے نکلنا عموماً ضرورت کے لئے ہی ہوتا ہے مگر کمال نے صاحبین کے اس قول پر بحث کی ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے صاحبین کا قول مستحسن نہیں ہے بلا ضرورت خواہ تھوڑی دیر کے لئے ہو یا زیادہ دیر کے لئے دونوں برابر ہے۔

اعتکاف کا فاسد ہونا اگر وہ ان عذروں کی وجہ سے نکلا جو عموماً پیش آتے رہتے ہیں خواہ طبعی (پیشاب پانچخانہ ہو) خواہ شرعی (نماز جمعہ وغیرہ کے لئے) جیسا کہ گذر چکا تو اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا البتہ اگر وہ عذر جو عموماً پیش نہیں آتے جیسے ڈوبتے ہوئے کو بچانا، مسجد کا مسماں ہونا یا گناہ کو ساقط کرتا ہے بطلان کو ساقط نہیں کرتا یعنی گناہ تو نہیں ہوگا مگر اعتکاف جاتا رہے گا زلیعی وغیرہ نے جو تفصیل دی ہے وہ اس کے خلاف ہے۔

(زلیعی نے اس کو مفسدات میں شمار کیا ہے اور مفسدات کی تفصیل میں مریض کی عیادت کیلئے نکلنا جنازہ کی نماز کے لئے نکلنا ڈوبتے کو بچانے کے لئے نکلنا، آگ بجھانے کے لئے نکلنا جہاد کے اعلان پر نکلنا سب کو داخل کیا ہے البتہ مسجد گرنے کی وقت

نکل کر دوسری مسجد میں جانے کو مفید نہیں کہا ہے، اسی طرح اگر کسی ظالم نے زبردستی نکال دیا یا اپنی جان و مال کے خوف سے خود نکلا تو یہ مفید اعتکاف نہیں ہے۔

لیکن نہر وغیرہ میں ہے کہ اگر مسجد گر جائے یا جماعت باطل ہو جائے یا کوئی شخص زبردستی نکال دے تو اعتکاف فاسد نہیں ہوتا ہے دلیل استحسان کا تقاضہ یہی ہے۔ اور تار خانہ میں حجتہ نامی کتاب سے نقل کیا ہے کہ معتکف نے اگر اعتکاف میں بیٹھتے وقت یہ شرط کر لیا ہے کہ وہ نذر کی وقت اور مریض کی عیادت اور نماز جنازہ اور مجلس علم میں حاضر ہونے کے لئے نکلے گا تو اس کی یہ شرط جائز ہے اور اعتکاف درست ہوگا (ماحصل یہ ہے کہ جو چیز عموماً پیش نہیں آتی ہے وہ شرط کرنے سے مستثنیٰ ہو سکتی ہے۔)

ورخص المعتكف باكل وشرب لوم و عقد احتاج اليه لنفسه او عياله فلو لتجارة كره كبيع ونكاح ورجعة فلو خرج لاجلها فسد لعدم الضرورة و كره اي تحريما لانها محل اطلاقهم بحر احضار مبيع فيه كما كره فيه مبايعه غير المعتكف مطلقا للنهي و كذا اكله ونو مه لا لغريب اشباه وقد قدمناه قبيل الوتر لكن قال ابن كمال لا يكره الاكل والشرب والنوم فيه مطلقا و نحوه في المجتبى و يكره تحريما صمت ان اعتقده قربة و الا لا لحديث من صمت نجا ويجب اي الصمت كما في غرر الاذكار عن شر لحدیث رحم الله امراتكم فغنم او سكت فسلم وتكلم الابخير وهو مالا ثم فيه و منه المباح عند الحاجة اليه لا عند عدمها وهو محمل مافي الفتح انه مكروه في المسجد يا كل الحسنات كما تاكل النار الحطب كما حققه في النهر كقراءة قرآن وحديث وعلم و تدريس في سير الرسول عليه السلام وقصص الانبياء عليهم السلام و حكايات الصالحين و كتابة اموال الدين وبطل بوءاء في فرج انزل ام لا ولو كان وطوءه خارج المسجد ليلا او نهار عامدا او ناسيا في الاصح لان حالته مذكرة.

معتكف کے لئے اجازت معتکف کے لئے خصوصی طور پر مسجد میں کھانے پینے، سونے اور ان معاملات کے کرنے کی اجازت ہے جن کی اس کو اپنی ذات یا اپنے بال بچوں کے لئے ضرورت ہے لیکن تجارت کا معاملہ کرنا اس کے لئے مکروہ ہے گو سامان مسجد میں نہ لائے، اور اسی کراہت میں جیسے بیچنا نکاح کرنا رجعت کرنا داخل ہے اگر وہ ان امور کے لئے مسجد سے باہر نکلے گا تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ ان کاموں کیلئے اس کو نکلنے کی اجازت نہیں ہے،

معتکف کیلئے سامان بیچ کا مسجد میں راضی کرنا مکروہ ہے اور یہ مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ مسجد میں غیر معتکف کیلئے بیچنا خریدنا مطلقاً مکروہ ہے کیونکہ مسجد میں ان کاموں سے روکا گیا ہے، اسی طرح غیر معتکف کیلئے مسجد میں کھانا اور سونا بھی مکروہ ہے سوائے اس صورت کے کہ وہ مسافر ہو لیکن ابن کمال کہتے ہیں کہ غیر معتکف کیلئے بھی مسجد میں کھانا پینا اور سونا مطلقاً مکروہ نہیں ہے۔

خاموشی اختیار کرنا خاموشی کو عبادت سمجھ کر اعتکاف کی حالت میں چپ چاپ رہنا مکروہ تحریمی ہے ہاں اگر اعتقاد نہ ہو صرف اس حدیث کی وجہ سے خاموش بیٹھا کہ جس نے خاموشی اختیار کی اس نے نجات پائی تو کوئی مضائقہ نہیں البتہ بری باتوں اور دنیاوی جھگڑوں سے خاموشی اختیار کرنا واجب ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے کہ جب وہ بولے تو غنیمت حاصل کرے اور چپ رہے تو سلا متی پائے، اعتکاف میں بکواس کرنا مکروہ ہے

ہاں بھلی بات کرنا جس میں گناہ نہیں ہے کوئی حرج نہیں جس گفتگو میں گناہ نہیں ہے وہ کلام مباح میں داخل ہے جب اس کی ضرورت ہو کر سکتا ہے یوں گفتگو سے پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ دنیاوی بلا ضرورت باتیں نیکیوں کو اس طرح کھا جاتی ہیں جیسے اہل لکڑی کو جلا ڈالتی ہے۔

کلام خیر کی اجازت کلام خیر جس کی مسجد میں اجازت ہے یہ چیزیں داخل میں جیسے قرآن پڑھنا علم حدیث و فقہ اور اسباق پڑھنا پڑھنا سیرت رسول بیان کرنا اور اس کی لوگوں کو تعلیم دینا انبیاء کرام علیہم السلام کے قصے اور صالحین کے واقعات بیان کرنا دینی باتوں کا قلم بند کرنا۔

وَبَطْلُ بَانْزَالٍ بِقَبْلَةِ اَوَّلَمَسْ اَوْ تَفْحِيْذٍ وَّلَوْ لَمْ يَنْزَلْ لَمْ يَبْطُلْ وَاِنْ حَرَّمَ الْكُلَّ لَعَدَمُ الْحَرْجِ وَّلَا يَبْطُلُ بَانْزَالٍ فِكْرٍ اَوْ نَظَرٍ وَّلَا بَسْكَرٍ لَّيْلًا وَّلَا يَاكُلُ نَاسِيًا لِبَقَاءِ الصَّوْمِ بِخِلَافِ اَكْلِهِ عَمْدًا وَّرَدَّتْهُ وَّكَذَا اَغْمَاثُهُ وَّجَنُونُهُ اِنْ دَامَا اَيَّامًا فَاِنْ دَامَ نَهْ سَنَةً قَضَاهُ اسْتَحْسَانًا وَلَزِمَهُ اللَّيَالِي بَنْذَرُهُ بِلِسَانِهِ اَعْتَكَفَ اَيَّامٌ وَّلَاءِ اَيِّ مَتَابَعَةٍ وَاِنْ لَمْ يَشْطَرطِ الْقِتَابُ كَعَكْسَةِ لَانْ ذَكَرَ اَحَدُ الْعَدَدِيْنَ بِلَفْظِ الْجَمْعِ وَّكَذَا التَّنْبِيْهُ يَتَنَاوَلُ الْاٰخَرَ.

وہ افعال جن سے اعتکاف باطل ہوتا ہے اعتکاف وطی کرنے سے باطل ہو جاتا ہے جبکہ وہ اگلے پچھلے حصہ میں ہو، خواہ انزال ہو یا نہ ہو، اور اگرچہ یہ وطی کرنا مسجد

سے باہر رات میں ہو، یا دن میں قصد اہویا بھول کر صحیح تر روایت یہی ہے کیونکہ اعتکاف کی حالت خود یاد دلانے والی ہے (قرآن پاک میں صراحت ہے کہ وَلَا تَبَا شِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِی الْمَسَاجِدِ یعنی جب تم حالت اعتکاف میں مسجد کے اندر قیام پذیر ہو تو عورتوں سے صحبت نہ کرو۔)

اسی طرح اعتکاف بوسہ لینے اور چھونے سے اس وقت باطل ہوتا ہے جب انزال ہو جائے، اسی طرح ران میں عضو ناسل دینے سے انزال ہو جائے تو اس سے بھی اعتکاف باطل ہو جاتا ہے (کیونکہ انزال ہو جانے کی صورت میں یہ فعل جماع کے قائم مقام قرار پاتا ہے) لیکن اگر ان حرکتوں سے انزال نہ ہو تو اعتکاف باطل نہیں ہوگا اس طرح تمام حرکتیں اعتکاف کی حالت میں حرام ہیں (اور ان سے بچنا ضروری ہے)

جن کاموں سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا لیکن اگر انزال افکار کے دباؤ یا کسی کو دیکھنے سے ہو جائے تو اس سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا ہے، اسی طرح اگر رات میں مدہوشی کے عالم میں انزال ہو جائے تو اس سے بھی اعتکاف باطل نہیں ہوتا ہے۔

اعتکاف کی حالت میں بھول کر کھا لینے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا کیونکہ اس کے باوجود روزہ باقی رہتا ہے، ہاں قصد اٹھا لینے اور مرتد ہو جانے سے اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

اس سلسلہ میں قاعدہ یہ ہے کہ اعتکاف کی وجہ سے جو چیزیں ممنوع ہیں خواہ وہ بھول کر ہوں خواہ قصد اور ارادہ سے خواہ دن میں ہوں خواہ رات میں کچھ فرق نہیں پڑتا جیسے مسجد سے نکلنا اور جماع کرانے کی ممانعت اعتکاف کی وجہ سے ہے اور جو چیزیں روزہ کی وجہ سے اعتکاف میں ممنوع ہیں تو ان کے اندر بھول کر اور قصد اور رات دن میں فرق ہے جیسے کھانا پینا پہلی صورت میں ہر حالت میں اعتکاف فاسد ہو جائے گا یعنی جب بھی جماع ہوگا، یا مسجد سے نکلنا اعتکاف فاسد ہو جائے گا اور دوسری صورت میں بھول کر ہونے میں فاسد نہیں ہوگا اسی طرح رات میں بھی ہونے سے فاسد نہیں ہوگا البتہ جان کر کوئی ایسا کرے گا یا دن

میں تو فاسد ہو جائے گا۔ مثلاً بھول کر کھاپی لیاریات میں کھایا پیا تو اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔

جنون و بے ہوشی

اسی طرح جنون اور بے ہوشی سے بھی اعتکاف فاسد نہیں ہوتا، اگرچہ چند دن کے لئے پایا گیا ہے ہاں اگر سال بھر تک جنون رہ گیا تو استحساناً اعتکاف کی قضا کرے گا (قیاس چاہتا ہے کہ قضا نہیں ہوئی چاہئے جیسا کہ روزہ میں حکم ہے اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ رمضان کے روزہ میں جنون کی وجہ سے اس لئے روزہ ساقط ہو جاتا ہے اور قضا لازم نہیں کہ رمضان ہر سال آتا ہے اس میں قضا کی صورت میں حرج واقع ہو گا اور اعتکاف میں یہ بات پائی نہیں جاتی ہے لہذا قضا ہوگی)

چند دن کی نذر

اگر کوئی اپنی زبان سے چند دنوں کیلئے اعتکاف کی نذر مسلسل مانے تو اس پر ان کی راتوں میں بھی مسلسل اعتکاف لازم ہو گا گو اس نے لگاتار کی قید نہ لگائی ہو جیسا کہ اس کے برعکس ہونے کی (صورت میں یعنی راتوں میں اعتکاف کی نذر مانے گا تو دن میں بھی لازم ہوں گے کیونکہ دونوں میں کسی ایک کا ذکر جب جمع یا تشبیہ کے لفظ کے ساتھ ہو گا دوسرے کو بھی شامل ہو گا عرف اور عادت یہی ہے لہذا اس عرف کا اثر پڑیگا مثلاً جب کوئی کہتا ہے کہ فلاں جگہ تین دن رہا تو اس سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ تین دن رات یا مثلاً قرآن پاک میں حضرت زکریا علیہ السلام کے واقعہ میں ایک جگہ ثلث لیاں سویا کا جملہ آیا ہے اور دوسری جگہ یہ ”ثلثہ ایام الارمذا“ ایک جگہ لیاں (راتوں) کو لیا اور دوسری جگہ ایام (دنوں) کو اور یہ دونوں ایک ہی واقعہ کی تعبیر ہے اور دونوں جگہ دن رات دونوں ہی مراد ہیں اور جمع عام ہے کہ صراحتاً ایام و لیاں کہا جائے خواہ ضمناً جیسے ثلثین یوما کہتا اور جب تشبیہ کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے تو طرفین کے نزدیک دو دن رات کا روزہ لازم ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس میں پہلی رات داخل نہیں ہوگی)

فلونوی فی نذر الایام النہر خاصة صحت نیتہ لیتہ الحقیقة وان نوى بها ای بالایام الیالی لابل یلزمہ کلاہما کمالونذر اعتکاف شہرونوی التہر خاصة اونوی عکسة ای اللیل خاصة فانه لا تصح نیتہ لان الشہر اسم لمقدر یشمل الایام واللیالی فلا یحتمل مادونہ الا ان لیستثنی الیالی فیختص بالنہر ولو استثنی الایام صح ولا شئی علیہ لما مر۔

ایام کی نذر

لہذا اگر کسی نے چند دنوں کی نذر میں ایام سے صرف خاص دن والے حصہ کی نیت رات کی نیت نہیں کی ہے تو اس کی یہ نیت درست ہوگی کیونکہ اس نے حقیقت لغوی کی نیت کی (گو عرف عام میں یوم دن رات کے مجموعہ کو کہا جاتا ہے مگر اس نے اس کی نیت نہیں کی اور اس صورت میں اس کے ذمہ صرف دن کے وقت کا اعتکاف لازم ہو گا جس میں رات داخل نہیں ہوگی طلوع فجر سے پہلے مسجد میں داخل ہو گا اور آفتاب غروب ہونے کے بعد نکل آئے گا۔)

اور اگر اس نے ایام بول کر صرف رات کی نیت کی تو اس کی یہ نیت صحیح نہیں ہوگی بلکہ اعتکاف دن رات دونوں میں لازم ہوں گے جیسے کہ کوئی ایک ماہ کے اعتکاف کی نذر مانے اور وہ صرف دنوں کے اعتکاف کی نیت کرے یا مہینہ بول کر صرف رات کی نیت کرے تو ان صورتوں میں اس کی نیت صحیح نہیں ہوتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مہینہ ایک متعین مقدار کا نام ہے جو دن رات دونوں کو شامل ہوتا ہے لہذا اس سے کم مراد لینا درست نہیں ہو سکتا ہے۔

ہاں اگر وہ رات کا سرے سے استثناء کر دے تو اس صورت میں صرف دنوں کا اعتکاف اس کے ذمہ ہو گا اور اگر دنوں کا استثناء کیا

تو یہ بھی صحیح ہو گا اور اس پر کچھ لازم نہیں ہو گا جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے جہاں بتایا گیا ہے کہ رات روزہ کا محل نہیں ہے لہذا صرف راتوں کے اعتکاف کی نذر درست نہیں ہوتی ہے۔

واعلم ان الليالي تابعة للايام الا ليلة عرفة وليالي النحر فتتبع للنهر الماضية ولها بالناس كما في اضحية الولو الجية هذا وليلة القدر دائرة في رمضان اتفاقا الا انها تتقدم وتتأخر خلافا لهما وثمرته فيمن قال بعد ليلة منه انت حر او انت طالق ليلة القدر فعنده لا يقع حتى ينسلخ شهر رمضان الا في لجواز كونها في الاول في الاولى وفي الاخرى في الاخرى وقالوا يقع اذا مضى تلك الليلة في الاخرى ولا خلاف انه لو قال قبل دخول رمضان وقع بمضيه قال في المحيط والفتوى على قول الامام لكن قيده بكون الحالف لقيها يعرف الاختلاف والا فهي ليلة السابع والعشرين والله اعلم.

راتیں چند دنوں کے علاوہ آنے والے دنوں کے تابع ہوتی ہیں

ہیں البتہ عرفہ اور قربانی کے دنوں کی راتیں آنے والے دنوں کی تابع نہیں ہوتیں بلکہ وہ گزرے ہوئے دنوں کے تابع ہوتی ہیں اور یہ لوگوں کی سہولت کے پیش نظر ہے جیسا کہ ولوالجہ کی کتاب الاضحية میں اس کی صراحت موجود ہے اسے یاد رکھنا چاہئے۔ (گویا ان چار راتوں کو چھوڑ کر بقیہ سال بھر کی تمام راتیں آنے والے دنوں کے تابع ہوتی ہیں چنانچہ رمضان میں پہلے تراویح ہوتی ہے پھر روزہ اور رمضان کا چاند نظر آتے ہی تراویح بند ہو جاتی ہے اس قاعدہ کے مطابق جب کوئی نذر میں دو دن یا زیادہ کی نذر کرے تو اس کو چاہئے کہ آفتاب غروب ہونے سے پہلے مسجد میں چلا جائے۔ اور دن پورا کر کے آفتاب کے غروب ہوتے ہی نکل آئے اور عرفہ کی رات یوم الترویہ (۸ ذی الحجہ) کے تابع ہے اور قربانی ۱۰ ذی الحجہ کی رات عرفہ ۹ ذی الحجہ کے تابع ہے اسی طرح ۱۱/۱۲ کی لیکن بارہویں ذی الحجہ کی تاریخ کے بعد کی رات ماقبل کے تابع نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ تیرہوں کی رات میں امام اعظمؒ کے نزدیک قربانی جائز نہیں ہے اور گیارہوں اور بارہویں کی رات میں قربانی جائز ہے)

شب قدر شب قدر پورے رمضان المبارک میں دائر ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک آگے پیچھے ہوتی رہتی ہے البتہ صاحبین کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہوتا ہے بلکہ تاریخ معین ہے۔

ائمہ کے اختلاف کا ثمرہ اس اختلاف کا ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہو گا کہ کسی شخص نے رمضان کی پہلی تاریخ گزر جانے کے بعد اپنے غلام سے کہا کہ تولیۃ القدر (شب قدر) میں آزاد ہے یا اپنی بیوی سے کہا کہ تجھ کو شب قدر میں طلاق ہے، اس صورت میں امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ جب تک آنے والا دوسرا رمضان ختم نہ ہو جائے غلام آزاد نہیں ہو گا اسی طرح بیوی پر طلاق واقع نہیں ہو گی کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے کہ جس رمضان میں اس نے یہ جملہ کہا ہے کہ اس کی شب قدر پہلی تاریخ کی رات میں گزر چکی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دوسرے رمضان کی شب قدر اس رمضان کی بالکل اخیر تاریخ میں واقع ہو۔

اور صاحبین کہتے ہیں کہ پہلے رمضان کی جس تاریخ میں کہا تھا جب وہی تاریخ دوسرے رمضان میں آکر گزر جائے گی تو طلاق واقع ہو جائے گی اور غلام آزاد ہو جائے گا البتہ اگر اس نے یہ جملہ رمضان کے شروع ہونے سے پہلے کہے تھے تو اسی پہلے

اور صاحبین کہتے ہیں کہ پہلے رمضان کی جس تاریخ میں کہا تھا جب وہی تاریخ دوسرے رمضان میں آکر گزر جائے گی تو طلاق واقع ہو جائے گی اور غلام آزاد ہو جائے گا البتہ اگر اس نے یہ جملہ رمضان کے شروع ہونے سے پہلے کہے تھے تو اسی پہلے

رمضان کے گزرنے کے ساتھ غلام ہو جائے گا اور بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، محیط نامی کتاب میں صراحت ہے کہ فتویٰ امام اعظمؒ کے قول پر ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ جب یہ جملے کہنے والا فقیہ ہو اور اختلاف کا علم رکھتا ہو، اور اگر وہ شخص عوام میں سے ہے تو اس کے لئے شب قدر ستائیسویں رمضان ہے (کیونکہ عام طور پر یہی مشہور ہے کہ ۲۷ رمضان کو شب قدر ہوتی ہے بہت سے علماء نے بھی یہی کہا ہے کہ اور بہت سی احادیث بھی اس سلسلہ میں آئی ہیں امام صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ جن احادیث میں شب قدر کے بائیسویں تاریخ میں ہونے کا ذکر ہے وہ سب اس سال کی حدیث ہے جس سال شب قدر ستائیسویں رمضان میں ہوئی تھی۔

امام اعظمؒ کا ایک قول یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ شب قدر پورے سال میں دائر ہے کبھی رمضان میں ہوئی ہے اور کبھی غیر مہینے میں فتوحات مکیہ میں ابن عربی نے بھی لکھا ہے کہ شب قدر کو کبھی شعبان میں دیکھا کبھی ربیع الاول میں اور اکثر و بیشتر رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں ایک بار درمیانی عشرہ میں بھی شب قدر کو دیکھا پھر یہ کبھی جفت راتوں میں ہوتی ہے اور کبھی طاق میں آتی ہے۔ اس باب میں علماء کے چھیالیس اقوال نقل کئے گئے ہیں)

الحمد للہ آج مورخہ ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ تک
مترجم اس حد تک پہنچا (ظفیر)



کتاب الحج

هو بفتح الحاء وكسر ها لغة القصد الى معظم لا مطلق القصد كما ظنه بعضهم وشرعا زيارة اى طواف ووقوف مكان مخصوص اى الكعبة وعرفة فى زمن مخصوص فى الطواف من طلوع فجر النحر الى آخر العمر وفى الوقوف من زوال شمس عرفة لفجر النحر بفعل مخصوص بان يكون محرما نية الحج سابقا كما سيجئى لم يقل لا داء ركن من اركان الدين ليعم حج النفل فرض سنة تسع و انما اخره عليه الصلوة والسلام العشر لعذر مع علمه ببقاء حيوته ليكمل التبليغ مرة لان سببه البيت وهو واحد و الزيادة تطوع وقد يجب كما اذا جاوز اليقات بلا احرام فانه كما سيجئى يجب عليه احد النسكين فان اختار الحج اتصف بالوجوب وقد يتصف بالحرمة كالحج بمال حرام و بالكراهة كالحج بلا اذن من يجب استيدا وفى النوازل لو كان الابن صبيحا فلاب منه حتى يلتحى على الفور فى العام الاول عند الثانى واصح الروايتين عن الامام ومالك واحمد فيفسق وترد شهادته بتاخير اى سنينا لان تاخير صغيرة وبارتكابه مرة لا يفسق الا بالاصرار بحر ووجهه ان الفورية ظنية لان دليل الاحتياط ظنى ولذا اجمعوا انه لو تراخى كان اداء وان اثم بموته قبله وقالوا لو لم يحج حتى تلف ماله وسعه ان يستقرض ويحج ولو غير قادر على وفائه ويرجى ان لا يؤاخذ الله بذلك اى لو ناويا وفائه اذا قدر كما قيده فى الظهيرية على مسلم لان الكافر غير مخاطب بفروع الايمان فى حق لاداء وقد حققناه فيما علقناه على المنار

کتاب الحج

زکوٰۃ اور صوم کے احکام و مسائل بیان کرنے کے بعد حج کے احکام و مسائل کی تفصیل شروع کی جا رہی ہے کیونکہ حج مالی اور بدنی دونوں عبادتوں سے مرکب ہے ”حج“ لغت میں حاک کے کسرہ اور فتح دونوں کے ساتھ نقل کیا گیا ہے عرب میں عظیم الشان چیز کے ارادہ کو حج کہتے ہیں مطلقاً ارادہ کے معنی میں نہیں آتا ہے جیسا کہ بعض علماء نے گمان کیا ہے، اور شرع کی اصطلاح میں خاص جگہ کی مخصوص وقت میں مخصوص افعال کے ساتھ زیارت کرنے کو حج کہتے ہیں۔ زیارت سے مراد طواف اور وقوف ہے اور مکان خاص سے کعبہ مکرمہ اور عرفات اور زمانہ مخصوص طواف کے حق میں طلوع فجر سے لیکر عمر کے اخیر تک ہے اور وقوف عرفہ کا وقت عرفہ کے دن آفتاب ڈھلنے سے قربانی کی فجر تک ہے اور فعل مخصوص یہ ہے کہ حج کی نیت کر کے احرام

بندہ لے لور یہ دونوں طواف اور وقوف سے پہلے ہو۔

اس کا حاصل یہ ہوا کہ پہلے حج کی نیت کر کے احرام باندھے پھر اوقات مخصوصہ میں وہاں حاضر ہو کر طواف اور وقوف عزم و ارے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

حج کی فرضیت

حج ہجرت نبوی کے نویں سال فرض ہوا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عذر کی وجہ سے دسویں سال تک تاخیر فرمائی اور اس میں حج ادا فرمایا، آپ کو حج فرض ہونے کے وقت آئندہ سال تک اپنے زمرہ رہنے کا علم تھا کیونکہ ابھی تبلیغ رسالت کی تکمیل نہیں ہوئی تھی۔

(ہجرت کے نویں سال یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ولله علی الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا۔ اس سال سرور کائنات نے اس وجہ سے حج نہیں کیا کہ یہ آیت لایم حج گذر جانے کے بعد نازل ہوئی تھی یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کے ساتھ حج کرنا پسند نہیں فرمایا، آپ نے نویں سال حضرت صدیق اکبرؓ اور علی مرتضیٰؓ کو مکہ مکرمہ بھیج کر کافروں کو حج کرنے سے روک دیا دسویں سال آپ نے حاضر ہو کر حج ادا کیا۔)

حج عمر میں صرف ایک بار فرض ہے

حج تمام عمر میں ایک بار فرض ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سب حج بیت اللہ ہے اور وہ صرف ایک ہے، ایک بار سے زیادہ حج کرنا نفل ہے، (حدیث میں ہے کہ اقرع بن جابسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ! کیا حج کرنا ہر سال فرض ہے یا صرف ایک مرتبہ؟ جواب میں فرمایا صرف ایک بار۔ لہذا معلوم ہوا کہ جو ایک بار سے زیادہ حج کرے گا وہ اس کا حج نفل ہوگا۔ حج ارکان خمسہ میں سے ایک اہم رکن ہے اور اس کی فرضیت قرآن احادیث کیثرہ اور اجماع امت سے ثابت ہے اس لئے جو اس کا منکر ہوگا وہ کافر قرار پائے گا اور قدرت کے باوجود جو حج نہ کرے گا وہ فاسق ہوگا۔

حج کے اقسام

حج کبھی واجب بھی ہو جاتا ہے اور اس کی صورت مثلاً یہ ہوتی ہے کہ کوئی شخص بغیر احرام باندھے میقات حج سے آگے بڑھ جائے تو اس پر حج یا عمرہ واجب ہو جائے گا جیسا کہ اس کا ذکر آئندہ آرہا ہے اور اب جب وہ یہ حج کرے گا تو وہ اس کا حج واجب کہا جائے گا۔

اور کبھی حج حرام کہا جاتا ہے جیسے مال حرام سے حج کرنا (خواہ وہ مال حرام چوری، سود غصب یا رشوت وغیرہ کا ہو یا کسی اور طرح کا) اس مال سے جو حج کیا جائے گا وہ حج حرام ہوگا (حدیث میں ہے حج کرنے والا جب مال حلال لے کر نکلتا ہے اور لبیک کہتا ہے تو آسمان سے فرشتہ ندا کرتا ہے تیرا زور اور اہ حلال ہے لہذا تیرا حج قبول ہے، اور جب مال خبیث لے کر چلتا ہے اور لبیک کہتا ہے تو آسمان سے پکارنے والا پکارتا ہے کہ تیرا مال حرام ہے اور تیرا حج قبول نہیں ہے کذا فی الترغیب والترہیب)

اور کبھی حج کو مکروہ کہا جاتا ہے جیسے اس شخص کی اجازت کے بغیر حج کرنا جس کی اجازت حاصل کرنا واجب ہے (اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ حج فرض بھی ہوتا ہے اور واجب بھی نفل بھی ہوتا ہے اور مکروہ بھی اور کبھی حرام بھی ہوتا ہے)

بے ڈاڑھی کے لڑکے کو حج سے روکنا

نوازل میں ہے کہ اگر کسی کا لڑکا حسین خوبصورت ہو تو اس کے باپ کے لئے جائز ہے کہ وہ اس کو حج کرنے سے اس وقت تک روک دے جب تک اس کے ڈاڑھی نہ نکل آئے (بلکہ ایسے نوجوان بے ڈاڑھی کے لڑکے کو باپ سرے سے گھر سے نکلنے سے روک دے تو یہ بھی جائز ہے)

حج کی فرضیت اور اس کی ادائیگی

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حج عمر میں صرف ایک مرتبہ فی الفور پہلے سال فرض ہے اور امام اعظمؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ سے صحیح تر روایت بھی یہی

ہے (تاخیر احتیاط کے خلاف ہے کیونکہ موت کا حال معلوم نہیں کہ کس وقت آجائے بعض احادیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حج کا ارادہ کرے اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ جلدی کرے اس وجہ سے کبھی آدمی بیمار پڑ جاتا ہے کبھی سامان سفر باقی نہیں رہتا اور امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک حج علی الفور فرض نہیں ہے بلکہ علی التراخی فرض ہے کہ زندگی میں جب سہولت ہو کر لے)

حج کی ادائیگی میں تاخیر

جن کے نزدیک حج کی استطاعت ہوتے فوراً ہی فرض ہو جاتا ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی حج ادا کرنے میں چند سال کی تاخیر کرے گا تو وہ فاسق قرار پائے گا اور اس کی گواہی مردود ہوگی اس کی وجہ یہ ہے کہ حج فرض ہو جانے کے باوجود حج کی ادائیگی میں تاخیر گناہ صغیرہ ہے اور اس کے صرف ایک بار کے ارتکاب سے مسلمان فاسق نہیں ہوتا ہے البتہ اس پر اصرار کرنے سے فاسق ہو جاتا ہے کذا فی البحر اور تاخیر کے صغیرہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حج کے فوراً فرض ہونے کی دلیل ظنی ہے کیونکہ احتیاط والی دلیل ظنی ہوتی ہے نہ کہ قطعی اور گناہ کبیرہ دلیل قطعی سے ثابت ہوتا ہے ظنی سے نہیں اس وجہ سے فقہاء کا اجماع ہے کہ قدرت کے باوجود اگر چند سال تاخیر کی پھر حج کیا تو یہ حج بھی ادا ہی ہو گا اس کو قضاء نہیں کہا جائے گا لیکن اگر وہ حج ادا کرنے سے پہلے مر گیا تو گنہگار ہو گا۔

فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر صاحب قدرت نے حج نہیں کیا تا آنکہ اس کا مال ضائع ہو گیا یا ہلاک ہو گیا تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ قرض لیکر حج ادا کرے گو اس کو قرض ادا کرنے کی اس وقت قدرت نہ ہو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے توقع ہے کہ اس سے مواخذہ نہیں فرمائے گا بشرطیکہ اس نے قدرت کی وقت ادا کرنے کی نیت رکھی ہو، چنانچہ فتاویٰ ظہیریہ میں یہی قید لگائی ہے (طحاوی نے قرطاشی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں قرض لینا لازم ہے۔)

حج کی ادائیگی کے شرائط

حج کی ادائیگی صرف مسلمان پر فرض ہے کیونکہ کافر ایمان کے فروغ کے ادا کرنے کا مخاطب نہیں ہے (البتہ احکام کے اعتقاد کے حق میں مخاطب ہے) شارح کہتے ہیں کہ ہم نے اس مسئلہ کو شرح السنار میں تحقیق کے ساتھ درج کر دیا ہے (یہاں سے حج کے شرائط کی تفصیل ہے حج کے شرائط تین طرح کے ہوتے ہیں ایک حج کے واجب ہونے کے شرائط دوسرے اس کی ادائیگی کے شرائط تیسرے حج کے صحیح ہونے کے شرائط) پہلی قسم یعنی شرائط وجوب حج آٹھ ہیں۔ (۱) مسلمان ہونا (۲) عاقل ہونا (۳) بالغ ہونا (۴) آزاد ہونا (۵) وقت حج کا پانا، (۶) راستہ کے اخراجات پر قادر ہونا (۷) سواری کا پانا جانا (۸) حج کے فرض ہونے کا علم۔

ادائیگی حج کی پانچ شرائط ہیں۔ (۱) بدن کا تندرست ہونا (۲) موانع حسیہ کے زوال پر قادر ہونا (۳) راستہ کا پر امن ہونا (۴) عورت کا ایام عدت میں نہ ہونا (۵) اور اس کے ساتھ کسی محرم شوہر وغیرہ کا ہونا۔

حج کی صحت کے لئے چار شرطیں ہیں۔ (۱) احرام حج کا ہونا (۲) ایام حج کا پانا جانا (۳) ان مقامات کا ہونا جہاں حج ہوتا ہے (۴) اور مسلمان ہونا۔

حر مکلف عالم بفرضیتہ اما بالکون بدارنا او باخبار عدل او مستورین صحیح البدن بصیر غیر محبوس و خائف من سلطان يمنع منه ذی زاد بصر به بدنه فالاعتاد للحم و نحوه اذا قدر علی خبز و لبن لا یعد قادر او راحلة مختصة به وهو المسمی بالمقرب وان

قدر والا فتشرد القدرة على المحارة للأفاقي لا لمكى يستطيع المشى لشبهه بالسعى للجمعة و افدانه لو قدر على غير الراحلة من بعل او حمار لم يجب قال فى البحر والم اره صريحا وانما صرحوا بالكراهة وفى السراجية الحج راكبا افضل منه ماشيا به يفتى والمقتب افضل من المحارة وفى اجارة الخلاصة حمل الحمل مائتان واربعون منا والحمار مائة و خمسون فظاهره ان البغل كالحمار .

کن لوگوں پر حج فرض ہے

حج اس آزاد پر فرض ہے جو مکلف ہو اور اس کی فرضیت کو جانتا ہو اس طرح کہ وہ دارالاسلام میں ہو یا عادل نے بتایا ہو یا ایسے دو شخصوں نے خبر دی ہو جن کا عادل ہونا معلوم نہیں ہے بلکہ پوشیدہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ غلام، لونڈی، نابالغ، پاگل اور بے ہوش پر حج فرض نہیں ہے اور دارالحرب کے اس مسلمان پر بھی حج فرض نہیں ہے جو حج کے فرض ہونے کا سرے سے علم ہی نہ رکھتا ہو۔ جن پر فرض ہے ان کا تندرست ہونا بھی ضروری ہے (لہذا جو فالج زدہ ہو یا جس کے دونوں پاؤں کٹے ہوئے ہوں یا ایسا بیمار اور بڑھا ہو جو سواری پر نہیں بیٹھ سکتا ہو، ان پر حج فرض نہیں ہوگا)

پھر جس پر حج فرض ہے اس کا آنکھ والا ہونا ضروری ہے اور یہ کہ وہ جو قید میں نہ ہو اور نہ اس بادشاہ سے خوفزدہ ہو جو حج سے روکتا ہے (پس معلوم ہوا کہ قیدی اندھے اور بادشاہ سے ڈرنے والے پر حج فرض نہیں)

زادہ اور سواری

اسی طرح جن پر حج فرض ہے ان کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ وہ راستے میں کھانے پینے کا ایسا سامان رکھتے ہوں جو ان کی صحت کیلئے مضر نہیں بلکہ وہ ان کی صحت کے لئے مفید ہوں، لہذا جس کو گوشت وغیرہ نفس خوراک کی عادت ہو اور اسکو صرف روٹی اور پنیر مل رہا ہو تو اس کو کھانے پر قادر نہیں سمجھا جائے گا پھر وہ ایسی سواری رکھتا ہو جو اس کیلئے مخصوص ہو اور منزل مقصود تک پہنچا سکتی ہو (آج کل کہا جا رہا ہے کہ کوئی بھی معقول انتظام ہو جس کے ذریعہ وہ مکہ مکرمہ تک امن وعافیت کے ساتھ پہنچ سکے اور وہ اس کے کرایہ ادا کرنے پر قادر ہو)

زادہ راہ اور سواری کی شرط ان لوگوں کیلئے ہے جو مکہ سے دور رہتے ہوں جس کو اصطلاح میں آفاقی کہا جاتا ہے مکہ میں رہنے والوں کیلئے جو عرفات تک چلنے پر قادر ہو اس کی شرط نہیں ہے کیونکہ مکہ سے عرفات تک چلنا نماز جمعہ کے لئے پیدل چلنے کے مشابہ ہے البتہ اگر غایت کمزوری کی وجہ سے نہ چل سکے تو اس کے واسطے بھی سواری کی شرط ہوگی۔

مصنف نے اس قید سے اس طرف اشارہ کیا ہے اگر مکہ تک پہنچنے والی سواری کے سوا دوسری سواری رکھتا ہو جیسے خجریا گدھا تو اس پر حج واجب نہیں ہوگا بحر الرائق میں لکھا ہے کہ میں نے اس مسئلہ کو صراحتاً کہیں نہیں دیکھا البتہ فقہاء نے حج کے واسطے گدھے اور خجری سواری کو مکروہ لکھا ہے گو اس سے کراہت تنزیہی مراد ہے (اب ہمارے اس زمانہ میں اس بحث کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ اب حج کیلئے عموماً ریل گاڑی ہوئی جہاز وغیرہ سے سفر ہوتا ہے مقصد یہ ہے کہ اطمینان بخش سواری کا انتظام ہو)

پیدل حج کرنا

فتاویٰ سراجیہ میں ہے کہ پیدل چل کر حج کو جانے سے بہتر یہ ہے کہ سوار ہو کر حج کو جائے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ پیدل چلنے میں بہت زیادہ مشقت اٹھانا پڑتی ہے جس سے انسان کا مزاج معتدل باقی نہیں رہتا اور اسی پر فتویٰ ہے اسی طرح کاٹھی والے اونٹ پر سوار ہونا محمل پر سوار ہونے سے افضل ہے کہ اس میں فخر و مباہات کا موقع نہیں ہوتا۔

خلاصہ نامی کتاب کے اجارہ والی بحث میں درج ہے کہ اونٹ کا بوجھ دو سو چالیس من ہے اور گدھے کا ایک سو پچاس من اور

نجر کا بوجھ بظاہر گدھے کے برابر ہے (ایک من برابر ۱۴ ستار کے ہوتا ہے اور استار ساڑھے چھ دوم کا ہوتا ہے ہندوستانی حساب سے شرعی من ستر تو لے کا ہوتا ہے۔

ولو وهب الابن مالا يحج به لم يجب قبوله لان شرائط الوجوب لا يجب تحصيلها وهذا منها باتفاق الفقهاء خلافا للاصوليين فضلا عما لا بد منه كما مر في الزكاة ومنه المسكن و مرته ولو كبير ايمنه الا ستغناء ببعضه والحج بالفاضل فانه لا يلزمه بيع الزائدة نعم هو الافضل و علم به عدم لزوم بيع الكل والاكتفاء بسكنى الاجارة بالاولى وكذا لو كان عنده ما لو اشترى به مسكنا وخادما لا يبقى بعده ما يكفي للحجم رايلزمه خلاصة و حور في النهوانه يشترط بقاء راس المال لحرفته ان احتاجت لذلك والا لا وفي الاشباه معه الف و خاف العروبة ان كان قبل خروج اهل بلده فله التزوج ولو وقته لزمه الحج و فضلا عن نفقة عياله ممن تلزمه نفقته لتقدم حق العبد الى حين عوده وقيل بعده بيوم وقيل بشهر مع امن الطريق بغلبة السلامة ولو بالرشوة على ما حققه الكمال وسيجني آخر الكتاب ان قتل بعض الحجاج عذر و هل مايؤخذ في الطريق من المكس والخفارة عذر قولان والمعتد لا كفا في القنية و المجتبي وعليه فيحتسب في الفاضل عمالا بد منه القدرة على المكس و نحوه كما في مناسك الطرابلسي.

حج کیلئے دوسرے کا عطیہ قبول کرنا اگر کوئی باپ اپنے بیٹے کو حج کرنے کے واسطے مال دے تو بیٹے پر اس مال کا قبول کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ حج کے واجب ہونے کے شرائط کا حاصل کرنا انسان پر واجب نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ اخراجات سفر اور سواری کا ہونا حج کے واجب ہونے کے شرائط میں ہے اس میں فقہاء کا کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ سب اس پر متفق ہیں البتہ اصولیین اس کے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ حج کی ادائیگی کے واجب ہونے کی شرط ہے۔

ضروریات زندگی کا لحاظ اس زاد اور راحلہ (اخراجات سفر اور سواری) کا ہونا شرط ہے جو اس شخص کی ضروریات سے فاضل ہو، جیسا کہ کتاب الزکوٰۃ میں گذر چکا ہے کہ رہنے کا گھر خدمت کا غلام استعمال کا لباس اور گھر کے سامان انسانی ضروریات میں داخل ہیں ان چیزوں کے ہونے سے حج کی استطاعت ثابت نہیں ہوتی ہے۔ انسانی ضروریات میں اس کے رہنے سہنے کا گھر بھی داخل ہے اور اس گھر کی مرمت بھی اگرچہ اس کا گھر اتنا کشادہ اور بڑا ہو کہ اس کے ایک حصہ سے اس کی ضرورت پوری ہو سکتی ہو اور باقی کو بیچ کر حج کر سکتا ہو تو بھی ضرورت سے زیادہ حصہ کا حج میں جانے کیلئے بیچنا لازم ہے زیادہ ایسا کرنا افضل ہے اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پورا مکان بیچ کر حج کرنا اور کرایہ کے مکان میں رہنا بھی لازم نہیں ہے۔

اسی طرح اگر کسی کے پاس اس قدر مال ہو کہ وہ اس مال سے اگر گھر اور خادم خرید لے تو پھر اتنا باقی نہ بچ سکے جس سے وہ حج ادا کرنے کے لائق رہ سکے تو اس صورت میں اس پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اس مال سے حج ہی کرے، کیونکہ یہ مال اس وقت حاجت اصلی میں داخل شمار کیا جائے گا۔

نہر الفائق میں لکھا ہے کہ اہل حرفہ (صنعت و حرفت والے) کے لئے اصلی پونجی کا باقی رہنا شرط ہے، تاکہ وہ اس سے اپنی

صنعت کو باقی رکھ سکے اور بوقت ضرورت اسے استعمال میں لاسکے، البتہ اگر اس کی ضرورت نہیں ہے تو وہ فاضل سمجھا جائے گا۔
 الاشباہ میں ہے کہ ایک شخص کے پاس ہزار درہم ہیں اور اس کی شادی نہیں ہوئی ہے اور وہ بغیر بیوی کے رہنے میں گناہ کا خوف رکھتا ہے تو اگر وہ قافلہ حج کے شہر سے نکلنے سے پہلے ہزار درہم کا مالک ہوا ہے تو اس کو اس رقم سے نکاح کر لینا اور اس میں سے خرچ کرنا درست ہے اور اگر اس وقت ہزار کا مال ہوا ہے جس وقت شہر سے قافلہ حج نکل رہا ہے تو اس پر اس ہزار سے حج کرنا ضروری ہے۔

تاواپسی بال بچوں کا نفقہ جو مال سفر اور اخراجات سفر کے لئے ضروری ہے اس کیلئے یہ بھی لازم ہے کہ وہ اس کے بال بچوں کے خرچ سے زیادہ ہو جن کا نان نفقہ اسکے ذمہ لازم و ضروری ہے اس لئے کہ حقوق العباد کا پہلے ادا کرنا ضروری ہے کیونکہ بندہ محتاج ہوتا ہے اور خدا بے نیاز۔

بال بچوں کے اخراجات کا سامان تاواپسی ضروری ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ حج سے واپس ہونے کے بعد بھی ایک دن کا سامان باقی رہنا چاہئے اور بعض دوسرے علماء نے کہا کہ اس کے بعد ایک ماہ کا خرچ رہنا ضروری ہے بال بچوں کے اخراجات کا سامان اعتدال کے ساتھ ہو تاکہ نہ تو ان کو تنگی پیش آئے اور نہ فضول خرچ راہ پائے۔

راستہ کا پر وامن ہونا اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ حج کا راستہ پر امن ہو یعنی غالب گمان یہ ہو کہ وہ سلامتی کے ساتھ جائے گا اور واپس آجائے گا حج کے واجب ہونے کے لئے راستہ کا پر امن ہونا بھی شرط ہے البتہ معمولی خوف یا وہم کا اعتبار نہیں ہے (خطرہ عموماً زمانہ جنگ میں پیدا ہوتا ہے)

اور خود حکومت اس کے مطابق اعلان کر دیا کرتی ہے راستہ کے امن کے لئے اگر کچھ رشوت بھی دینی پڑے تو کمال کہتے ہیں کہ دیکر حاصل کر لینا چاہئے، اس لئے ظلم کے دفع کیلئے رشوت کا دینا اور اپنا حق حاصل کرنا درست ہے اگر کچھ حجاج راستہ میں قتل ہو جاتے ہوں تو یہ عذر قرار دیا جائے گا اور حج کا سفر روک دیا جائے گا۔

سوال یہ ہے کہ راستہ میں جو ٹیکس چنگی اور بطور راہ داری مال دیا جاتا ہے وہ حج کے ساقط ہونے کیلئے عذر ہے یا نہیں اس میں دو قول ہیں قابل اعتماد قول یہ ہے کہ عذر نہیں ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے لہذا اس زائد مال کی قدرت کو بھی ضروریات حج میں شمار کرنا چاہئے مناسک طرابلسی میں اسی طرح مذکور ہے۔

ومع زوج او محرم ولو عبدا و ذمیا او برضاع بالغ قیدلہما کما فی النہر بحثا عاقل والمراہق کبالغ جو ہرة غیر مجوسی ولا فاسق لعدم حفظہما مع وجوب النفقة لمحرمہا علیہا لانہ محبوس علیہا لامرأة حرة لو عجزوا فی سفر وھل یلزمہا التزوج قولانا ولیس عبدہا بمحرم لہا ولیس لزوجہا منعہا عن حجة الاسلام ولو حجت بلا محرم جاز مع الکراہة و مع عدم عدۃ علیہا مطلقا اية عدة کانت ابن ملک والعبرة لو جو بها ای العدة المانعة من سفرها وقت خروج اهل بلدها و کذا سائر الشروط بحر۔

عورت کیلئے محرم کا ساتھ ہونا عورت کے حج کے لئے اس کے ساتھ شوہر یا کسی محرم کا ہونا شرط ہے، اگرچہ شوہر یا محرم غلام یا ذمی ہی کیوں نہ ہو یا رضاعی ہی کیوں نہ ہو (محرم وہ ہے جس سے

اس عورت کا نکاح کبھی درست نہ ہو خواہ نسبی طور پر ایسا ہو، خواہ رضاعت کی وجہ سے یا مصاہرت کی وجہ سے حدیث ہے کہ رسول خدا اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان عورت کے لئے تین منزل یا اس سے زیادہ کا سفر کرنا اس وقت تک درست

نہیں ہے جب تک اس کے ساتھ اس کا باپ یا بیٹا یا شوہر یا کوئی اور محرم نہ ہو)

محرم کے اوصاف اس کے ساتھ ہونے والے شوہر اور محرم کے لئے ضروری ہے کہ وہ بالغ اور عاقل ہوں، جب تک عورت کے ساتھ شوہر یا کوئی محرم جو بالغ و عاقل جانے والا نہ ہو گا عورت پر حج فرض نہیں ہو گا نابالغ اور پاگل محرم اور شوہر کا ساتھ ہونا کافی نہیں ہے البتہ قریب البلوغ اس باب میں بالغ کے حکم میں ہے محرم کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ وہ مجوسی نہ ہو اور اگر مسلمان ہے تو فاسق نہ ہو اس لئے کہ ذمی محرم جو مجوسی اور مسلمان محرم جو فاسق ہے، قابل اعتماد نہیں (یہ واضح رہے کہ مجوسی کے مذہب میں ماں بہن حلال ہے اس لئے اس پر اطمینان کی وجہ نہیں)

وہ محرم جو عورت کے ساتھ حج میں جائے گا، اس کا نفقہ عورت پر واجب ہے کیونکہ وہ اسی کے کام میں جا رہا ہے ستر حج میں آزاد عورت کے لئے شوہر یا محرم کا ساتھ ہونا شرط ہے اگرچہ وہ عورت بڑھی ہی کیوں نہ ہو۔

محرم نہ ہونے کی صورت میں شادی ایک سوال یہ ہے کہ جس عورت پر مال و دولت کی وجہ سے حج فرض ہو مگر اس کے لئے کوئی محرم یا شوہر نہ ہو تو کیا اس کے لئے حج کی ادائیگی کے نام پر شادی کر لینا لازم ہے جواب یہ ہے کہ اس میں دو قول ہیں ایک میں نکاح کو لازم کہا گیا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ نکاح کرنا لازم نہیں ہے۔

عورت کا غلام اس کے لئے محرم نہیں بن سکتا ہے گو وہ خصی ہی کیوں نہ ہو، پس معلوم ہوا کہ غلام کے ساتھ عورت کا تین منزل یا زیادہ کا سفر کرنا حرام ہے۔

شوہر کا اختیار شوہر کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی کو حج فرض سے روکے بشرطیکہ اس کے ساتھ کوئی محرم ہو، (البتہ حج نفل سے روک دینا درست ہے) اگر کوئی عورت بغیر محرم کو ساتھ کئے ہوئے حج ادا کر لے گی تو کراہت کے ساتھ وہ جائز ہو گا یہاں کراہت تحریمی مراد ہے) عورت کو اس وقت حج ادا کرنا فرض ہو گا جب وہ کسی عدت گزارنے میں گھری ہوئی نہ ہو، خواہ وہ کوئی بھی عدت ہو، عدت طلاق ہو یا عدت وفات۔

عدت جو عورت کے سفر حج کیلئے مانع ہے یہ اس وقت ہے جب اس کے شوہر والے نکل رہے ہوں اور عورت عدت گزار رہی ہو یہ ذہن نشین رہے کہ اس طرح کی تمام شرطوں کا اعتبار قافلہ حج کے نکلنے کے وقت کیا گیا ہے اس سے پہلے یا اس کے بعد شرطوں کا پایا جانا قابل اعتبار نہیں، مثلاً ایک شخص حج کے لئے نکلنے سے پہلے اخراجات و سامان سفر پر قادر تھا مگر جب جانے کا وقت آیا تو مفلس ہو گیا یا پھر جب حج کا وقت نکل چکا تھا تب قادر ہوا تو اس سال اس پر حج لازم نہیں ہو گا۔

فلو احرم صبی عاقل او احرم عنه ابوہ صار محرماً وینبغي ان یجردہ قبلہ ویلبسہ ازار
اورداء مبسوط وظاہرہ ان احرامہ عنہ مع عقلہ صحیح فمع عدمہ اولیٰ فبلغ او عبد فعتق
قبل الوقوف فمضى كل على احرامه لم يسقط فرضهما لان عقاده نفلا فلو جدد الصبی
الاحرام قبل وقوفه بعرفته ونوی حجة الاسلام اجزاء ولو فعل العبد المعتقد ذلك التجديد
المذكور لم یجزه لان عقاد لازماً بخلاف الصبی والکافر والمجنون۔

نابالغ کا حج سمجھا رہا ہوں کہ حج کا احرام باندھنا اس کی طرف سے اس کے باپ نے احرام باندھا تو ان دونوں صورتوں میں وہ نابالغ محرم ہو جائے گا، اب اس کے باپ کو چاہئے کہ لڑکے کے بدن کے وہ کپڑے اتار دے جو پہلے سے پہنے ہوئے تھا اور اس کو تہ اوڑچادر پہنا دے جو محرم پہنتے ہیں لہذا فی المبسوط۔ مبسوط کے کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ

جب نابالغ کے عقل و ہوش کے باوجود اس کی طرف سے اس کے باپ کا احرام باندھنا درست ہے تو نابالغ جب بے ہوش ہو یا ناہم تو باپ کا اس کی طرف سے احرام باندھنا بدرجہ اولیٰ درست ہوگا۔

نابالغ کا احرام کے بعد بالغ ہو جانا

اب اگر نابالغ احرام باندھنے کے بعد بالغ ہو گیا یا غلام احرام باندھنے کے بعد آزاد ہو گیا، اور یہ صورت وقوف عرفات سے پہلے پیش آئی اور اس نے پہلے ہی احرام پر حج کے فرائض و واجبات ادا کئے اور بالغ ہونے اور آزاد ہونے کے بعد دوسرا احرام نہیں باندھا تو ان دونوں کے ذمہ سے حج فرض ساقط نہیں ہوگا کیونکہ نابالغی اور غلامی کے وقت ان دونوں کا حج، حج نفل کے حکم میں تھا اور نفل کی نیت سے فرض ادا نہیں ہو سکتا ہے لہذا ان دونوں پر اس کے باوجود حج فرض لازم رہا۔

لیکن اگر اس نابالغ نے وقوف عرفہ سے پہلے احرام کی تجدید کر لی اور اس نئے احرام سے حج فرض کی ادائیگی کی نیت کی ہے تو اس کا حج فرض ادا ہو جائے گا (احرام کی تجدید اس طرح ہوگی کہ بالغ ہونے کے بعد اپنے میقات پر پلٹ کر جائے اور وہاں سے دوسرا احرام باندھ کر حج کی نیت کرے)

لیکن اگر آزاد غلام اس طرح نیا احرام باندھے گا تو اس کا فرض حج ادا نہیں ہوگا کیونکہ غلام نے جس وقت حج نفل شروع کر دیا اس پر وہ لازم ہوگا اس کو وہ توڑ نہیں سکتا لیکن لڑکا نابالغ اور پاگل کے حج نفل شروع کرنے سے ان پر یہ حج لازم نہیں آتا لہذا ان کو احرام توڑنا جائز ہوگا۔

والحج فرضہ ثلثة الاحرام وهو شرط ابتداء وله حکم الرکن انتهاء حتی لم يحز لفات الحج استدا امته ليقضى به من قابل والوقوف بعرفته في اوانه سميت به لان ادم وحواء تعارفا فيها ومعظم طواف الزيارة وهما ركنان وواجبه نيف وعشرون وقوف جمع وهو المزدلفة سميت بذلك لان ادم اجتمع بحواء وازدلف اليها اي دنا والسعي وعند الائمة الثلاثة هو ركن بين الصفا سمي به لانه جلس عليه ادم صفوة الله والمروة لانه جلس عليها امرأة وهي حواء ولذا اثنت ورمي الجمار لكل من حج وطواف الصداى الوداع للأفافيغير الحائض والحلق اوالتقصير وانشاء الاحرام من الميقات ومذ الوقوف بعرفقة الى الغروب ان وقف نهارا والبداءة بالطواف من الحجر الاسود على الاشبه لمواظبته عليه الصلوة والسلام وقيل فرض وقيل سنة والتيامن فيه اي الطواف في الاصح والمشي فيه لمن ليس له عذر يمنعه منه ولونذر طوافا زحفا لزمه ماشيا ولو شرع متنفلا زحفا فمشيه افضل والطهارة فيه من النجاسة الحكمية على المذهب قيل والحقيقة من ثوب وبدون ومكان طواف والاكثر على انه سنة مؤكدة كما في شرح الباب المناسك وستر العودة فيه وبكشف ربع العضو فاكثر كما في الصلوة يجب الدم وبداءة السعي بين الصفا والمروة من الصفا ولو بدأ بالمروة لا يعتد بالشوط الاول في الاصح والمشي فيه في السعي لمن ليس له عذر كما مرو ذبح الشاة للقارن والمتمتع وصلوة ركعتين لكل اسبوع من اي طواف كان فلو تركها هل عليه دم قيل نعم فيوصي به والترتيب الاتي بيانه بين الرمي والحلق والذبح يرم النحر واما الترتيب بين الطواف وبين الرمي والحق فسنة فلو طاف قبل الرمي والحق

لا شئ عليه ويكره لباب وسيجئ ان المفرد لا ذبح عليه وسنحققه وفعل طواف الافاضة الى الزياره في يوم من ايام النحر ومن الواجبات كون الطواف وراء الحطيم وكون السعي بعد طواف معتدبه وتوقيت الحلق بالمكان والزمان وترك المحذور كالجماع بعد الوقوف ولبس المخيط .

حج کے فرائض

حج میں تین فرض ہیں (۱) احرام باندھنا (۲) وقوف عرفہ (۳) اور طواف زیارۃ۔ (اصطلاح میں فرض وہ ہے جس کے ترک سے حج باطل ہو جاتا ہے، اور آئندہ سال اس کی قضا لازم ہوتی ہے) احرام باعتبار ابتداء شرط ہے، لہذا حج کے مہینوں سے پہلے اس کا باندھنا درست ہو گا جیسے نماز کے لئے وضو ہے کہ نماز کے اوقات داخل ہونے سے پہلے سے بھی وضو کر سکتا ہے اور اس وضو سے نماز ادا کر سکتا ہے، اور انتہاء کے اعتبار سے احرام رکن کے حکم میں ہے، چنانچہ جس شخص کا حج فوت ہو گیا ہے اس کیلئے احرام باندھنے کے بعد اس کا آئندہ سال تک کے لئے باقی رکھنا جائز نہیں ہے تاکہ وہ آئندہ سال اسی احرام سے حج کی قضا کرے گا اور اگر احرام دونوں اعتبار سے شرط ہو تا تو اس کا باقی رکھنا جائز قرار پاتا۔

دوسرا فرض عرفات کے اندر اس کے وقت ٹھہرنا ہے، عرفات کا نام عرفات اس وجہ سے رکھا گیا کہ حضرت آدم اور حوا علیہ السلام دونوں میں یہیں تعارف ہوا تھا یعنی جنت سے دونوں متفرق طور پر اترے تھے پھر مدت کے بعد زمین پر دونوں میدان عرفات میں آکر ملے، اور دونوں نے ایک دوسرے کو پہچانا۔

تیسرا فرض طواف زیارت کا اکثر حصہ ادا کرنا ہے اور وقوف عرفہ اور طواف زیارت دونوں حج کے رکن ہیں لیکن وقوف عرفہ کا درجہ طواف زیارت سے ہوا ہے کیونکہ وقوف عرفہ کے پہلے اگر کوئی محرم جماع کرے تو اس کا حج فاسد ہو جاتا ہے اور طواف زیارت سے پہلے جماع کرنے سے حج فاسد نہیں ہو تا کذا فی العالگیری۔

حج کے واجبات

حج کے واجبات میں سے کچھ زیادہ ہیں چنانچہ لوگوں نے پچیس شمار کرائے ہیں (واجب اس کو کہتے ہیں جس کے نزدیک ترک سے حج باطل نہیں ہوتا، بلکہ دم دینا واجب ہوتا ہے) ان واجبات میں ایک واجب مزدلفہ میں ٹھہرنا ہے، مزدلفہ کا نام مزدلفہ اس لئے پڑا کہ آدم علیہ السلام حضرت حوا کے ساتھ وہاں جمع ہوئے اور قریب تر ہوئے دوسرا واجب سعی بین الصفا والمروہ ہے یعنی صفا پہاڑی اور مروہ پہاڑی کے درمیان تیز چلنا بقیہ تینوں ائمہ کے نزدیک سعی کرنا رکن ہے صفا اور مروہ مسجد حرام کے پاس دو پہاڑیاں ہیں صفا اس لئے نام پڑا ہے کہ حضرت آدم صفا اللہ اس پر بیٹھے اور مروہ کا نام مروہ اس لئے ہوا کہ اس پر حضرت حوا بیٹھیں (بعض علماء نے وجہ تسمیہ دوسری طرح بیان کی ہے) تیسرا واجب جمرات ثلاثہ پر کنکری مارنا ہے، یہ حج کرنے والے پر ہے خواہ وہ قرآن کرنے والا یا مفرد ہو چوتھا واجب طواف صدر ہے یعنی رخصت ہونے کا طواف ان کیلئے جو باہر سے آئے ہیں سوائے حائضہ عورت کے کیونکہ اس پر طواف صدر واجب نہیں پانچواں واجب بال مندا وانا یا اس کو چھوٹا کرنا ہے، چھٹا واجب میقات سے احرام باندھنا ساتواں واجب یہ ہے کہ وقوف عرفہ نہ کو غروب آفتاب تک دراز کرے اگر اس نے دن میں وقوف عرفہ کیا ہے۔

طواف کی ابتداء

آٹھواں واجب طواف کا حجر اسود سے شروع کرنا ہے شبہ قول یہی ہے کیونکہ سر و کائنات علیہ السلام نے ہمیشہ ایسا ہی کیا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ حجر اسود سے طواف کا شروع کرنا فرض ہے اور بعضوں نے کہا سنت ہے۔

نواں واجب طواف کا داہنی طرف سے کرنا ہے اور صحیح تر قول یہی ہے (یعنی جب حجر اسود کے مقابل کھڑا ہو تو اپنے دائیں

طرف سے طواف کرے جس طرف ملتزم اور بیت اللہ کا دروازہ ہے دسواں واجب یہ ہے کہ پیدل اپنے پاؤں سے چلے اگر کوئی ایسا مانع عذر نہ ہو جو چلنے سے روک دے اور جس شخص نے کھسک کر طواف کی منت مانی ہے اس کے لئے پیدا چل کر طواف کرنا لازم ہے اور اگر کسی نے نفل طواف کھسک کر شروع کیا تو اس کے لئے بھی پیدل چل کر طواف کرنا افضل ہے۔

نجاست کی پاکی کیا ہواں واجب یہ ہے کہ طواف میں نجاست حکمی سے پاک رہے قوی مذہب یہی ہے اور کمزور قول یہی ہے کہ طواف میں اس کے کپڑے، بدن اور طواف کی جگہ نجاست حقیقی سے پاک ہو اور اکثر علماء کہتے ہیں کہ نجاست حقیقی سے پاکی سنت مؤکدہ ہے واجب نہیں جیسا کہ شرح لباب المناسک میں ہے۔

بار ہواں واجب طواف میں شرمگاہ کا چھپانا ہے طواف میں تین چوتھائی عضو یا زیادہ کے کھل جانے سے دم واجب ہوتا ہے یعنی ایک جانور کا ذبح کرنا تیر ہواں واجب سعی بین الصفا والمروہ سے اسے کوہ صفا سے شروع کرنا ہو گا اگر مروہ سے کوئی طواف شروع کرے گا تو پہلا چکر شمار نہیں ہو گا قول اصح یہی ہے یعنی پہلی مرتبہ جو مروہ سے صفا تک چلے گا وہ شمار نہ ہو گا اب صفا سے جب مروہ کی طرف چلے گا وہ پہلا شوط (چکر) شمار ہو گا اور چھ کرنے ہوں گے چود ہواں واجب جس کو عذر نہ ہو اس کے لئے سعی بین الصفا والمروہ میں پیدل چلنا ہے۔

دم اور دو گانہ پندرہواں واجب قرآن اور تمتع کرنے والوں کیلئے بکری کا ذبح کرنا ہے، سو لہواں واجب بیت اللہ کے گرد سات چکر لگائے کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا ہے خواہ کوئی بھی طواف ہو اگر طواف کرنے والا یہ دو رکعتیں ترک کر دے گا تو اس پر دم واجب ہو گا اور دم دینے سے پہلے موت آئے تو اس کو اسکی وصیت کرنا ہوگی۔

کنکری مارنے اور سرمندوانے میں ترتیب ستر ہواں واجب قربانی کے دن کنکری مارنے سے سرمندوانے اور جانور ذبح کرنے میں ترتیب رکھنا، جو ترتیب آگے آرہی ہے، اور طواف اور ان کے درمیان ترتیب سنت ہے لہذا اگر کسی نے کنکری مارنے اور سرمندوانے سے پہلے طواف کر لیا تو اس پر کوئی دم وغیرہ واجب نہیں ہے لیکن ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ سنت کا ترک ہو لباب المناسک میں ایسا ہی ہے آگے آرہا ہے کہ مفرد یعنی فقط حج کی نیت سے احرام باندھنے والا جس نے نہ قرآن کیا ہے اور نہ تمتع اس پر دم واجب نہیں ہے اور باب الجہات میں اس کی تحقیق آرہی ہے۔

طواف زیارت اٹھارہواں واجب قربانی کے تین دنوں میں سے کسی دن طواف زیارت کرنا نیسواں واجب بیت اللہ کا طواف حطیم کے ساتھ کرنا (حطیم بیت اللہ کے شمال و مغرب میں ایک جگہ ہے جس کا نشان بنا ہوا ہے حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں حطیم بیت اللہ کے اندر داخل تھا قریش مکہ نے ایام جاہلیت میں جب کعبہ کی تعمیر کی تو مصارف کی کمی کی وجہ سے حطیم کو کعبہ سے علیحدہ کر دیا کعبہ میں داخل ہونے کی وجہ سے طواف میں اس کا داخل کرنا واجب ہے فرض اس وجہ سے نہیں قرار دیا گیا کہ بیت اللہ میں داخل ہونا نص قطعی سے ثابت نہیں ہے)

بیسواں واجب سعی کا اس طواف کے بعد ہونا ہے جو قابل شمار ہے یعنی چار یا زیادہ چکر کے بعد

سرمندوانا اکیسواں واجب ایام قربانی میں حرم کے اندر سرمندوانا ہے بائیسواں واجب وقوف عرفہ کے بعد ان ممنوع چیزوں کا ترک کرنا ہے جن سے حج فاسد نہیں ہوتا، جیسے جماع وغیرہ۔ تیسواں واجب سلے ہوئے لباس کا چھوڑ دینا ہے چوبیسواں باب ہر کے چھپانے کو ترک کرنا پچیسواں واجب چہرہ کے ڈھکنے کو چھوڑنا۔

وتغطية الرأس والوجه والضابط ان كل ما يجب بتركه دم فهو واجب صرح به في

الملتقى ويستصح في الجنایات و غیرها سنن واداب کان يتوسع في النفقة ويحافظ على الطهارة وعلى صون لسانه ويستاذن ابويه و دائنه وكفيله ويودع المسجد برکتين ومعارفه ويستحلهم ويلتمس دعاءهم ويتصدق بشئ عند خروجه ويخرج يوم الخميس ففيه خرج عليه السلام في حجة الوداع او الاثنين او الجمعة بعد التوبة والاستخارة ای فی انه هل يشتري او يكتري وهل يسافر برا او بحرا وهل يرافق فلا نا ولا لان الاستخارة في الواجب والمكروه لا محل لها وتماه في النهر.

اس سلسلہ میں قاعدہ کلیہ واجبات کا یہ ہے کہ جس فعل کے ترک کرنے سے دم دینا واجب ہوتا ہو، وہ حج کے اندر واجب ہے ملتقی میں یہی بیان کیا ہے، اور جن افعال سے دم واجب ہوتا ہے اس کی تفصیل باب الجنایات میں آئے گی قاعدہ کلیہ بیان کر کے مصنف نے اشارہ کرنا چاہا ہے کہ انہی ۲۵ میں واجبات منحصر نہیں ہیں بلکہ اس تعریف میں جو بھی اس کے تحت آئے گا واجب قرار پائے گا۔

فرائض و واجبات کے بعد باقی افعال حج یا سنت ہیں یا مستحب چنانچہ حج میں اپنے اوپر اور اپنی سواری پر فراخی کے ساتھ خرچ کرنا اور ہمیشہ با وضو رہنا اور زبان کو غیبت اور یاد بد گوئی سے بچائے رکھنا یہ بھی مطلوب ہے ارشاد خداوندی ہے، (فمن فرض فيهن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال في الحج)

اسی طرح حج کے لئے والدین سے اجازت لینا اور جس کا قرض ذمہ باقی ہے اور جو اس کے کہنے سے ذمہ دار بنا ہے ان سے اجازت لینا بھی مستحب ہے اور یہ بھی مستحب ہے کہ جب گھر سے نکلنے کا ارادہ کرے تو محلہ کی مسجد میں جا کر دو رکعت نفل پڑھے اور اپنے جان پہچان والوں سے مل کر رخصت ہو، تاکہ وہ دعاء خیر کریں اور ان لوگوں سے اپنے قصور کی معافی چاہے اور ان سے دعا کی درخواست کرے (فتح القدیر میں ہے کہ حج کو جاتے ہوئے خود ملنے والوں کے پاس جائے اور جب حج سے واپس ہو تو ملنے والوں کو اس کے پاس آنا چاہئے)

یہ بھی مستحب ہے کہ بوقت سفر کچھ خیرات کرے کہ صدقہ بلاؤں اور مصائب کو ہٹاتا ہے اور سفر جمعرات کو شروع کرے کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعرات کے ہی دن حجتہ الوداع کا سفر شروع فرمایا تھا اور جمعرات کو روانگی کسی وجہ سے نہ ہو تو دو شنبہ (پیر) یا جمعہ کو روانہ ہو اور روانگی سے پہلے اپنی تمام کوتاہیوں سے توبہ کرے اور استخارہ کرے کہ کن لوگوں کے ساتھ سفر مناسب رہے گا اور سفر میں سواری مول لے یا کرایہ کی سواری اختیار کرے اور سفر کے لئے خشکی کا راستہ مناسب رہے گا یا دریائی راستہ کیونکہ ایسے امور جو ذمہ میں واجب یا مستحب ہیں، ان میں استخارہ کا کوئی موقع نہیں ہے مثل مشہور ہے درکار خیر حاجت ہیج استخارہ نیست ان چیزوں کی پوری تفصیل نہر الفائق میں درج ہے۔

(نہر الفائق میں استخارہ کا طریقہ اس طرح درج ہے کہ پہلے دو رکعت نماز اس مال حلال کا اہتمام اور استخارہ طرح پڑھے کہ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد قل یا ایھا الکافرون اور دو میں

قل ہو اللہ پڑھے دو رکعت پر سلام پھیر دے پھر جو حدیث میں استخارہ کی دعاء آئی ہے اسے پڑھے پھر اپنے گناہوں سے توبہ کرے اور توبہ میں اس کی پوری رعایت ہو کہ اہل حقوق کے حقوق ادا کر دے یا معاف کرالے پختہ ارادہ ہو کہ اب اس کے بعد کوئی گناہ کا کام سرزد نہ ہو گا پھر اس کا بھی پورا اہتمام ہو کہ حج میں ایسا مال حلال ساتھ لے جس میں حرام مال کی آمیزش نہ ہو۔

سنن حج

طواف قدوم اور دوسرے طواف میں رمل کرنا یعنی سینہ نکال کر چلنا، سعی میں الصفا والمروہ میں دونوں سبز میناروں کے درمیان لپک کر چلنا قربانی کی راتیں منیٰ میں گذارنی اور عرفہ کے دن آفتاب نکلنے کے بعد منیٰ سے عرفات جانا اور مزدلفہ سے منیٰ کی طرف آفتاب نکلنے سے پہلے چلنا یہ سب حج کی سنتیں ہیں اسی طرح مزدلفہ میں رات کو قیام کرنا جمرات ثلاثہ کی رمی (کنکری مارنے) میں ترتیب سنت ہے۔

ممنوعات حج

حج میں یہ چیزیں ممنوع ہیں جماع کرنا سر منڈلانا خن کاٹنا خوشبو لگانا سر اور چہرہ کو ڈھکنا سیاہ کپڑے پہننا اسی طرح شکار کرنا حل اور حرم کے درخت کاٹنا ان چیزوں سے بچنا ضروری ہے۔

واشهر، شوال و ذو القعدة بفتح القاف وتكسر وعشر ذی الحجة بكسر الحاء تفتح وعند الشافعي ليس منها يوم النحر وعند مالك ذو الحجة كله عملا بالآية قلنا اسم الجمع يشترك فيه ما وراء الواحد وفائدة التاقيت انه لو فعل شيئا من افعال الحج خارجها لا يجزيه وانه يكره الاحرام له قبلها وان ا من نفسه من المخطون لشبه بالركن كما مر واطلاقها يفيد التحريم.

حج کے مہینے

حج کے مہینے یہ ہیں شوال ذی قعدہ اور دس ابتدائی دن ماہ ذی الحجہ کے امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قربانی کے دن حج کے مہینوں میں داخل نہیں ہیں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ذی الحجہ کا پورا مہینہ حج کے مہینوں میں داخل ہے اور ان کی دلیل آیت قرآنی الحج اشھر معلومات ہے وہ کہتے ہیں کہ اشھر جمع ہے اور اقل جمع تین ہے لیکن ان کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ دو سے زیادہ پر بھی جمع کا اطلاق ہوتا ہے۔

حج کے مہینوں کی تعیین کا فائدہ یہ ہے کہ اگر کوئی افعال حج ان مہینوں کے علاوہ دنوں میں ادا کرے گا تو وہ کافی شمار نہیں ہوگا علماء کا کہنا ہے لا تجزیہ (کافی نہ ہونے) کے بجائے لا یحل کہنا بہتر تھا اس لئے بعض چیزیں کفایت کرتی ہیں مگر حلال نہیں۔

حج کے مہینوں سے پہلے احرام

حج کے مہینوں کے پہلے حج کا احرام باندھنا مکروہ ہے گو اس کو اپنی ذات پر اطمینان ہو کہ اس سے ممنوعات کا ارتکاب نہ ہو سکے گا، اور اس میں کراہت کی وجہ احرام کارکن کے مشابہ ہو جانا ہے جیسا کہ گذرا، اور کراہت مطلقاً کہنے سے معلوم ہوا کہ اس سے کراہت تحریمی مراد ہے۔

والعمرة في العمر مرة سنة مؤكدة على المذهب وصحح في الجوهره و جوبها قلنا المامور به في الآية الاتمام و ذلك بعد الشروع وبه نقول وهي حرام وطواف وسعی و حلق او تقصير فالاحرام شرط و معظم الطواف ركن و غيرهما واجب هو المختار ويفعل فيها كفعل الحاج و جازت في كل السنة و نذبت في رمضان و كرهت تحريما يوم عرفة و اربعة بعد ها اي كره انشاؤها بالاحرام حتى يلزمه دم و ان رضاها الا اذا وء ها فيها بالاحرام السابق كقارن فاته الحج فاعتمر فيها لم يكره سراج وعليه فاستثناء الخانية القارن منقطع فلا يختص بيوم عرفة كما توهمه في البحر.

عمرہ

تمام عمر میں ایک مرتبہ عمرہ کرنا سنت مؤکدہ ہے احناف کا قوی مذہب یہی ہے یوں بعضوں نے اس کو فرض کفایہ کہا ہے اور جوہرہ نیرہ نامی کتاب میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ ایک بار عمرہ کرنا واجب ہے اور دلیل میں آیت و اتمو الحج والعمرة لله پیش کی گئی ہے (شارح اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ آیت مذکورہ میں اتمام کا حکم ہے اور اتمام موقوف

افعال عمرہ

ہے شروع کرنے پر اور ہم اس کے قائل ہیں کہ سنت بلکہ نفل کو بھی شروع کرنے سے اس کا اتمام واجب ہو جاتا ہے۔
احرام طواف سعی اور حلق یا تقصیر کے مجموعہ کا نام عمرہ ہے یعنی پہلے احرام باندھے پھر طواف کرے پھر صفا
مرودہ کے درمیان سعی کرے اور آخر میں بال منڈوائے یا کٹوائے پس عمرہ میں احرام باندھنا شرط کے درجہ
میں ہے اور طواف کا اکثر حصہ ادا کرنا فرض ہے اور ان دونوں کے علاوہ دوسرے افعال واجب ہیں۔

عمرہ کے احرام طواف اور سعی اسی طرح ادا ہوں گے جس طرح حج کرنے والے ادا کرتے ہیں سر منڈوانے کے بعد احرام
سے آدمی باہر آ جاتا ہے سال کے تمام حصوں میں عمرہ کرنا جائز ہے البتہ رمضان المبارک میں عمرہ کرنا مستحب ہے ابوداؤد میں ہے
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رمضان میں عمرہ کرنا ایسا ہے جیسا میرے ساتھ حج ادا کرنا دوسری حدیث میں
ہے کہ حج اور عمرہ گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں جیسے بھٹی کی آگ لوہے کا میل صاف کر دیتی ہے۔

سال کے پانچ دنوں میں عمرہ مکروہ

سال کے پانچ دنوں میں عمرہ کرنا مکروہ تحریمی ہے نویں ذی الحجہ سے لیکر
۱۳ ذی الحجہ تک یعنی ان دنوں میں احرام باندھ کر عمرہ شروع کرنا مکروہ
تحریمی ہے کیونکہ اس طرح کرنے سے اس پر دم دینا واجب ہو گا اور احرام کے بعد اسے ترک کرنا بھی پڑے گا اور کوئی پہلے سے
احرام باندھے ہوئے ہو تو ان دنوں میں عمرہ کرنا مکروہ نہیں ہے جیسے کوئی قرآن کرنے والا تھا اس کو حج نہ ملا فوت ہو گیا اس نے ان
دنوں میں عمرہ کر لیا تو اس میں کراہت نہیں ہے کذا فی السراج۔

والمواقیت ای المواضع التي لا يجاوزها مرید مكة الا محرما خمسة ذو الحليفة
بضم ففتح مكان على سنة اميال من المدينة وعشر مراحل من مكة تسميها العوام ايار
على رضى الله عنه يزعمون انه قاتل الجن في بعضها وهو كذب وذات عرق بكسر
فسكون على مرحلتين من مكة وجحفة على ثلث مراحل بقرب رابغ وقرن على مرحلتين
وفتح الرء خطا ونسبة اوليس الية خطاء اخر ويللمم جبل على مرحلتين ايضا للمدني
والعراقى والشامى الغير المار بالمدينة بقرينة ماء ياتى والنجدى والمينى لف ونشر مرتب
ويجمعها قوله. عرق العراق يللمم اليمنى ☆ وبذى الحليفة يحرم المدنى ☆ للشام
وجحفة ان مررت بها ☆ ولاهل نجد قرن فاستبن وكذا هي لمن مر بها من غير اهلها
كالشامى يمر بمقات اهل المدينة فهو بمقاته فالة النووى الشافعى وغيره و قالوا
ولو مر بمقاتين فاحرامه من الابدافضل ولواخره الى الثانى لا شئ عليه على المذهب
وعبارة اللباب سقط عند الدم ولو لم يمر بها تحرى واحرم اذا حاذى احدهما وابعدها
افضل فان لم يكن بحيث يحاذى فعلى مرحلتين.

حج کے مواقیت

وہ جگہیں جہاں سے بغیر احرام مکہ کی طرف بڑھنا جائز نہیں اور جن جگہوں کو اصطلاح میں مواقیت
کہتے ہیں وہ پانچ ہیں (کعبہ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ نے عظمت عطا کر رکھی ہے یہ بارگاہ الہی ہے اور مسجد
حرام کو جلوہ کی جگہ قرار دیا گیا ہے اور شہر مکہ کو مسجد حرام کا احاطہ حرم کو شہر مکہ کے لئے پیش گاہ اور مواقیت کو ایسی جگہ جہاں سے
داخلہ ہوتا ہے اس لئے یہاں احرام باندھنا واجب قرار دیا گیا لہذا جو بھی اس شہر مبارک میں داخل ہو گا اور جس مقصد اور نیت
سے بھی داخل ہو گا اس پر واجب ہو گا کہ ان مواقیت پر پہنچ کر پہلے احرام باندھے۔

مواقیت کی تفصیل ذوالحلیفہ ان پانچ جگہوں میں ایک ذوالحلیفہ ہے بضم جہ فتح لام یہ جگہ مدینہ منورہ سے چھ میل کی دوری پر واقع ہے اور مکہ مکرمہ سے دس منزل پر یہاں کے کنوؤں کو عوام عرب "بار علی" سے موسوم کرتے ہیں ان کا خیال ہے کہ حضرت علیؑ نے جنوں سے ان میں سے کسی کنوئیں پر قتال فرمایا تھا حالانکہ یہ خیال غلط اور چھوٹ ہے یہ ثابت نہیں ہے ذوالحلیفہ اہل مدینہ اور اس طرف سے آنے والوں کا میقات ہے یہ مکہ معظمہ سے دور ہے۔

ذات عرق دوسری میقات "ذات عرق" ہے بکسر عین و سکون ثانی، یہ میقات مکہ مکرمہ سے جانب مشرق دو منزل کی دوری پر واقع ہے یہ اہل عراق کے لئے میقات ہے۔

جحفہ تیسرا میقات جحفہ ہے جو مکہ مکرمہ سے تین منزل کی دوری پر ہے اور ابغ کے قریب واقع ہے یہ جگہ مکہ مکرمہ سے مغرب اور شمال کی سمت ہے یہ اہل مصر اور مغرب اور شام کے لئے میقات ہے۔

قرون چوتھی جگہ قرون ہے بفتح قاف و سکون ثانی یہ مکہ مکرمہ سے دو منزل کی دوری پر ہے اور عرفات سے نظر آتا ہے یہ ایک پہاڑی ہے قرون کو بفتح راء پڑھنا غلط ہے اور حضرت اولیس کی طرف بھی اس کی نسبت صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت اولیس اس قبیلہ کی طرف منسوب ہو کر قرنی کہے جاتے ہیں جو بنو قرن کے نام سے مشہور ہے قرن اہل نجد کے لئے میقات ہے۔

یللم پانچواں میقات یللم ہے یہ بھی ایک پہاڑ ہے اور مکہ معظمہ سے جانب جنوب دو منزل پر واقع ہے یہ اہل یمن اور ہندوستانیوں کیلئے میقات ہے ایک شاعر نے ان مواقیت اور اہل مواقیت کو اشعار میں جمع کر دیا ہے ترجمہ یہ ہے۔

ذات عرق عراق کا میقات ہے اور یللم اہل یمن کا اور ذوالحلیفہ سے مدنی احرام باندھتا ہے اور اہل شام کا میقات جحفہ ہے اور اہل نجد کے لئے میقات قرن ہے اور اسی طرح یہ ان غیر لوگوں کے لئے بھی میقات ہیں جو انکی طرف سے ہو کر آئیں چنانچہ اگر کوئی شامی مدینہ منورہ کی میقات کی طرف سے آئے گا تو اس کے لئے میقات وہی ہو گا جو اہل مدینہ کے لئے ہے مثلاً اہل شام کا میقات جحفہ ہے لیکن جب وہ مدینہ کی طرف سے آرہا ہے تو اس کی میقات ذوالحلیفہ ہی ہو گا اور وہ ذوالحلیفہ پہونچ کر احرام باندھے گا جحفہ جانا اس کیلئے ضروری نہیں ہے اس باب میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

دو میقات سے گزرنے والا علماء نے لکھا ہے کہ جو دو میقات سے ہو کر گزرے گا اس کے لئے افضل یہ ہے کہ ان میں جو میقات مکہ معظمہ سے زیادہ دوری پر ہو اس پر پہونچ کر احرام باندھے

لیکن اگر اس نے وہاں احرام نہیں باندھا دوسرے پر پہونچ کر باندھا تو بھی کچھ گناہ نہیں اور نہ اس پر کوئی کفارہ آئے گا۔ مذہب قوی یہی ہے لباب نامی کتاب میں عبارت یہ ہے کہ اس سے دم ساقط ہو جائیگا یعنی جس وقت وہ پہلے میقات سے بغیر احرام کے آگے بڑھا تھا اس پر دم لازم ہو گیا تھا لیکن جب اس نے دوسرے میقات پر احرام باندھ لیا تو اس پر اب دم دنیا باقی نہیں رہا ساقط ہو گیا۔

میقات نہ ملنے کی صورت اگر کوئی مکہ مکرمہ ایسے راستہ سے جائے کہ کوئی میقات نہ ملے تو اس صورت میں تحری کرے یعنی غور و فکر کرے اور جہاں دل بھرے کہ یہ میقات کے برابر میں ہے

وہاں سے احرام باندھے اور کسی جگہ دو میقات سے مقابلہ پڑتا ہو تو جو مکہ سے زیادہ دور ہو وہاں سے احرام باندھنا افضل ہو گا، اور اگر ایسے راستہ سے گذر رہا ہو کہ وہاں سے کسی میقات کا سامنا نہ ہوتا ہو اور نہ اندازے میں آتا ہو تو اس صورت میں جب مکہ معظمہ دو منزل رہ جائے وہاں سے احرام باندھ لینا چاہئے کیونکہ کوئی بھی میقات دو منزل سے کمتر نہیں ہے۔

و حرم تاخیر الاحرام عنها کلھا لمن ای لأفاقی قصد دخول مكة یعنی الحرم

ولو لحاجة غير الحج اما لو قصد موضعا من الحل كخليص وجدة حل له مجاوزة بلا احرام فاذا حل به التحق باهله فله دخول مكة بلا احرام وهو الحيلة لمريد ذاك الا لما مور بالحج لمخالفته لا يحرم التقديم للاحرام عليها بل هو الافضل ان في اشهر الحج وامن على نفسه وحل لاهل داخلها يعني لكل من وجد في داخل المواقيت ودخول مكة غير محرم ما لم يرد نسكا للخرج كما لو جاورها حطابو مكة فهذا ميقاته الحل الذي بين المواقيت والحرم والميقات لمن بمكة يعني من يداخل الحرم للحج الحرام وللعمرة الحل ليتحقق نوع سفر والتعميم افضل ونظم حدود الحرم ابن الملقن فقال - وللحرم التحديد من ارض طيبته ☆ ثلاثة اميال اذا رمت اتقانه ☆ وسبعة اميال عراق وطائف ☆ وجدة عشر ثم تسع جمراته

باہر آنے والے کیلئے احرام باہر سے آنے والے کے لئے جو مکہ میں داخلہ کا ارادہ رکھتا ہے خواہ کسی بھی حاجت کے لئے ہو ان مواقیات سے بغیر احرام آگے بڑھنا اور احرام میں تاخیر کرنا حرام ہے کیونکہ احرام حرم محترم کی تقسیم کیلئے ہے۔ لہذا اس بات میں ہر طرح کے جانے والے برابر ہیں باقی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فتح مکہ کے موقع سے بلا احرام داخل ہونا تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس موقع سے مخصوص تھا جس کی احادیث صحیحہ میں صراحت موجود ہے۔

حل میں آنے والے ہاں اگر باہر سے آنے والے حرم کے سوا حل میں کسی جگہ کا ارادہ رکھتے ہوں، جو میقات کے اندر ہیں جیسے خلیص یا جدہ کا مثلاً کوئی ارادہ کرے تو اس کے لئے بغیر احرام باندھے ہوئے میقات سے گذرنا جائز ہے جب وہاں پہنچ گئے تو وہ وہاں کے باشندوں میں مل گئے اور یہ ظاہر ہے کہ ان جگہوں کے لوگوں کیلئے بلا احرام مکہ میں داخلہ جائز ہے لہذا یہ شخص بھی بلا احرام داخل ہو سکتا ہے یہ اس شخص کے واسطے حیلہ ہے جو بلا احرام مکہ مکرمہ میں داخلہ کا ارادہ رکھتا ہو، مگر وہ شخص جو مامور بانجھ ہو اور حج کا ارادہ رکھتا ہو اس کے لئے یہ حیلہ جائز نہیں کیونکہ مخالفت لازم آتی ہے۔

میقات سے پہلے احرام جس شخص کو اپنے آپ پر اعتماد ہو کہ وہ ممنوعات حج سے بچا رہے گا اگر وہ حج کے مہینوں میں میقات کے آنے سے پہلے احرام باندھ لے تو یہ اس کے لئے افضل ہے البتہ سوال سے پہلے احرام باندھنا متفقہ طور پر مکروہ ہے خواہ اپنے اوپر اعتماد ہی کیوں نہ ہو۔

اندر ون مواقیات کا حکم وہ لوگ جو مواقیات کے اندر رہتے ہیں خواہ وہ عین میقات میں ہوں یا اس سے ہٹ کر غلیحہ حرم کی طرف ہوں ان کے لئے مکہ مکرمہ میں بغیر احرام داخلہ حلال اور جائز ہے چونکہ ایسے لوگوں کی بکثرت آمد و رفت ہوتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ انہوں نے حج یا عمرہ کا ارادہ نہ کیا ہو جیسے ان لوگوں کیلئے بغیر احرام داخلہ حلال ہے جو لکڑیوں کے واسطے مکہ سے باہر نکلے ہوں اور مواقیات آفاقی سے آگے نہ بڑھے ہوں لیکن اگر کسی مواقیات سے آگے بڑھ جائے گا تو وہ بھی آفاقی کے حکم میں ہو گا اور داخلہ احرام کے ساتھ ہو گا۔

اندر ون مواقیات کے رہنے والے جب حج یا عمرہ کے ارادہ سے چلیں گے تو اس وقت ان کیلئے بھی احرام ضروری ہو گا اور بغیر احرام داخلہ درست نہ ہو گا اور ایسے لوگوں کا میقات حل ہے (حل اس جگہ کو کہتے ہیں جو مواقیات اور حرم کے درمیان ہے)

حرم والے کامیقات مکہ میں جو حرم کے اندر رہنے والے ہیں ان کامیقات حج کے لئے حرم ہے خواہ اپنے گھروں سے احرام باندھیں اور عمرہ کے واسطے میقات حل ہے خلاصہ یہ کہ اہل حرم کے حج میقات حرم ہو اور عمرہ کامیقات حل حج و عمرہ دونوں کے میقات کے الگ الگ ہونے کا منشا یہ ہے کہ کچھ سفر کی سی کیفیت پیدا ہو جائے۔ حج میں حاجی کو عرفات جانا ہوتا ہے جو حل میں واقع ہے اور اس کے لئے وہاں جانا ضروری ہوتا ہے چنانچہ حج میں حرم سے احرام باندھے گا مگر اس کو عرفات کے لئے چلنا ہو گا اور حل میں جانا ہو گا اور عمرہ چونکہ بیت اللہ میں ہوتا ہے جو حرم میں واقع ہے اس لئے اس کا احرام حل میں رکھا گیا تاکہ وہاں سے احرام باندھ کر بیت اللہ تک آئے اس طرح یہاں بھی سفر کی نوعیت پیدا ہو جائے گی۔

عمرہ کا احرام تنعیم سے عمرہ کا احرام تنعیم سے باندھنا افضل ہے (یہ جگہ مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ سے فرمایا کہ عمرہ کے واسطے وہیں سے احرام باندھیں۔

ابن الملقی نے حرم کے حدود کو نظم میں ادا کیا ہے ترجمہ یہ ہے)

حرم کی حد مدینہ منورہ کی طرف سے تین میل ہے اور عراق و طائف کی طرف سے سات میل اور جدہ کی طرف سے دس میل، بحر نہ کی طرف سے نو میل اور یمن کی طرف سے سات میل، یہ اس کی حدیں پوری ہو گئیں۔

فصل فی الاحرام

وصفة المفرد بالحج و من شاء الاحرام وهو شرط صحة النسك كتكبير الافتتاح فالصلوة والحج لهما تحريم وتحليل بخلاف الصوم والزكاة ثم الحج اقوى من وجهين الاول انه يقضى مطلقا ولو مظنونا بخلاف الصلوة الثانى انه اذا اتم الاحرام بحج او عمره لا يخرج عنه الا يعمل ما احرم به و ان افسده الا فى الفوات فيعمل العمرة والا الاحصار فيذبح الهدى ترضا وغسله احب وهو النظافة لا للطهارة فيجب بحاء مهمة فى حق حائض ونفساء وصبي والتيمم له عند العجز عن الماء ليس بمشروع لانه ملوث لانه ملوث بخلاف جمعه وعيد ذكره انريلى وغيره لكن سوى فى الكافى بينهما وبين الاحرام ورجحه فى النهرو شرط لنيل السنة ان يحرم وهو على طهارته وكذا يستحب لمريد الاحرام زالة الظفره وشاربه عانته وحلق راسه ان اعتاده والا فيسرحه وجماع زوجته او جاريته لو معه ولا مانع منه كحيض ولبس ازار من السرة للركبة ورداء على ظهره وليس ان يدخله تحت يمينه ويلقيه على زرره او خلله او عقده اساء ولادم عليه جديدين او غسيلين طاهرين ابيضين ككفن الكفاية هذا بيان السنة والا فستر العورة كاف .

فصل فی الاحرام

احرام سے متعلق احکام و مسائل

اس فصل میں مفرد بائج کا بیان بھی ہوگا، مفرد وہ ہیں جو صرف حج کا احرام باندھیں اور عمرہ کو شریک نہ کریں حج اور عمرہ کے درست ہونے کے لئے احرام اسی طرح شرط ہے جیسے تکبیر تحریمہ نماز کے لئے شرط ہے عبادات میں نماز اور حج کے لئے تحریم و تحلیل ہے کہ مثلاً جب نماز میں تکبیر تحریمہ یا حج میں احرام باندھے تو اب وہ ساری چیزیں جو پہلے اس کیلئے حلال تھیں اب حلال باقی نہیں ہیں بلکہ نماز یا حج کے ختم ہونے کے بعد ہی وہ چیزیں جو ممنوع تھیں۔ مباح اور حلال ہوں گی۔

حج کی اہمیت پھر حج دو وجہ سے نماز سے قوی تر ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ حج کا قضا کرنا بہر صورت لازم ہے اگرچہ وہ مظنون ہی کیوں نہ ہو یہ صورت نماز میں نہیں، یعنی اگر کسی کو خیال اور گمان ہو کہ مجھ پر حج فرض ہے اور اس وجہ سے اس نے احرام باندھا پھر معلوم ہوا کہ حج فرض نہیں تو بھی اس کو حج ادا کرنا لازم ہے اور اگر ترک کرے گا تو اس پر اسکی قضا واجب ہوگی، اس کے خلاف اگر نماز کے فرض ہونے کا گمان ہو اور تکبیر تحریمہ کر لیا پھر معلوم ہوا کہ فرض نہیں وراے ترک کر دیا تو اس کی قضا لازم نہیں ہے کذا فی الطحاوی۔

دوسری وجہ حج کے قوی تر ہونے کی یہ ہے جب حج یا عمرہ کے لئے احرام پورا کرے گا تو وہ اس وقت احرام سے نہیں نکلے گا جب تک وہ عمل نہ کرے جس کے واسطے احرام باندھا ہے گو وہ اس کو فاسد ہی کیوں نہ کر ڈالے یہ الگ بات ہے کہ حج کے فوت ہو جانے کی صورت میں عمرہ کر کے احرام سے نکل آئے گا اور اگر وہ حج سے روک دیا گیا ہے تو قربانی کا جانور ذبح کر کے احرام ختم کرے گا حاصل یہ ہے کہ جب حج کا احرام باندھ لے گا تو جب تک حج ادا نہ ہو جائے احرام کھولنا جائز نہیں ہے البتہ دو صورتیں ایسی ہیں جس میں ایسا کر سکتا ہے ایک یہ کہ حج کا وقت گزر گیا اور اس کی وجہ سے اس کا حج فوت ہو گیا تو اس صورت میں عمرہ کر کے احرام کھول دے گا دوسری صورت یہ ہے کہ رکاوٹ کی وجہ سے حج کے لئے مکہ مکرمہ نہیں پہنچ سکا تو اس صورت میں قربانی کا جانور ذبح کر کے احرام کھول دے گا بخلاف نماز کے کہ اس میں چار کی رکعت نیت کی اور دو پر سلام پھیر دیا تو یہ جائز ہے اور اس پر مزید کچھ لازم نہیں۔

آداب احرام جو شخص احرام کا ارادہ کرے اس کو چاہئے کہ پہلے وضو کرے اور مستحب یہ ہے کہ غسل کرے اور اس کا یہ غسل نظافت اور صفائی کے لئے ہو گا پاکی حاصل کرنے کے لئے نہیں اسی واسطے کہا جاتا ہے کہ حیض و نفاس والی عورت اور نابالغ کے لئے بھی بوقت احرام غسل مستحب ہے اور چونکہ غسل نظافت کے لئے ہوتا ہے اس لئے پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کرنا مشروع نہیں ہے اس لئے تیمم سے گرد آلودگی ہوتی ہے صفائی نہیں ہوتی البتہ جمعہ اور عید کی نماز کے موقع سے اگر پانی نہ ملے تو تیمم مشروع ہے جیسا کہ زیلعی وغیرہ نے ذکر کیا ہے اور کافی نامی کتاب میں جمعہ اور عیدین اور احرام سب کو عدم مشروعیت میں برابر قرار دیا ہے اور نہر الفائق میں اسی روایت کو ترجیح دی گئی ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ مٹی کو صفائی میں اثر نہیں ہے کیونکہ اس سے جسم گرد آلود ہوتا ہے اس لئے غسل کی جگہ اس کا اہتمام کچھ زیادہ مناسب نہیں۔

سنت کا ثواب احرام میں اس وقت حاصل ہو گا جب غسل کے بعد احرام باندھے گا در انحالیکہ اس کی طہارت باقی ہو، چنانچہ

اگر غسل کے بعد وضو جاتا رہا پھر احرام باندھا اور وضو کیا تو وہ فضیلت حاصل نہ ہو سکے گی۔

احرام باندھنے والے کے لئے یہ بھی مستحب ہے کہ اپنے ناخن تراشے مونچھ کتروائے زیر ناف بالوں کو صاف کرے اور اپنا سر منڈائے اگر اس کو سر منڈانے کی پہلے سے عادت ہو، اور اگر منڈانے کی عادت نہ ہو تو بالوں میں گنگھی کر لے (نہانے کے وقت صفائی کے لئے صابن استعمال کر سکتا ہے بلکہ مطلوب ہے) اسی طرح یہ بھی مستحب ہے کہ احرام سے پہلے بیوی ہو تو اس سے وطنی کر لے اگر کوئی مانع شرعی جیسے حیض نہ پایا جاتا ہو، اور بیوی نہ ہو اور شرعی لونڈی ہو تو اس سے وطنی کر لے (مگر اس زمانہ میں شرعی لونڈی پائی نہیں جاتی)

یہ بھی مستحب ہے نہاد ہو کر تہبند (لنگی) باندھے جو ناف سے لے کر گھٹنے کے نیچے تک ہو اور چادر اپنی پیٹھ پر ڈالے ہو اور چادر میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ چادر کو پیٹھ پر ڈال کر دائیں کنارے کو دائیں بغل کے نیچے کر کے بائیں مونڈھے پر ڈالے لیکن اس چادر میں بٹن لگانا یا اس کو کانٹے سے انکٹا یا گرہ لگانا برا ہے مگر یہ ایسا قصور بھی نہیں ہے جس کی وجہ سے اس پر دم لازم ہو۔

لنگی اور چادر دونوں نئی ہوں یا پرانی ہوں اور دھلی ہوئی اور پاک ہوں سفید ہوں جیسے وہ کفن جو بقدر ضرورت ہوتا ہے اور یہ لنگی اور چادر کا ذکر بطور سنت ہے ورنہ ستر کا چھپا ہوا ہونا کافی ہے۔

وطیب بذنہ ان کا عندہ لا ثوبہ بما تبقی عینہ هو الاصح و صلی ندبا بعد ذلک شفعا یعنی رکعتین فی غیر وقت مکروہ و نجزیہ المکتوبہ وقال المفرد بالحج بلسانہ مطابقا لجنانہ اللهم انی ارید الحج فیسره لی لمشقتہ وطول مدتہ وتقبلہ منی لقول ابراهیم واسمعیل ربنا تقبل منا و کذا المعتمر والقارن بخلاف الصلوة لان مدتها یسیرة کذا فی الہدایة و قبل یقول کذلک فی الصلوة و عمہ الزیلعی فی کل عبادۃ و مافی الہدایة اولی ثم لی دبر صلوتہ ناویابہا بالتلیۃ الحج بیان الاکمل والا فیصح الحج بمطلق النیۃ ولو بقلبه لکن بشرط مقارنتها بذکر یقصد بہ التعظیم کتسبیح وتہلیل ولو بالفارسیۃ وان احسن العربیۃ۔

غسل کرنے اور کپڑے بدلنے کے بعد اگر خوشبو ہو تو اس کو بدن پر ملے لیکن اگر نہ ہو تو کسی سے مانگ کر نہ لگائے، لیکن اپنے کپڑے میں ایسی خوشبو نہ لگائے جس کا نشان پڑ جائے اور وہ نشان نظر آنے لگے، صحیح تر قول یہی ہے لیکن یہ سب احرام سے پہلے کیا جائے گا کپڑے بدلنے اور خوشبو لگانے کے بعد دور کعت نفل ادا کرے لیکن ایسے وقت میں جو مکروہ نہ ہو اور اگر اس وقت کسی نے فرض نماز پڑھی ہے تو وہ نماز بھی کافی ہو جائے گی، اب نماز کے بعد اپنی زبان سے کہے گا اگر اس نے صرف حج کا ارادہ کیا ہے تو یہ کہے گا اللهم انی ارید الحج فیسره لی وتقبلہ منی خداوند میں حج کا ارادہ کر رہا ہوں اسے میرے لئے آسان فرمادے اور میری طرف سے قبول فرما، یہ آسانی کی دعا اس لئے کی جاتی ہے کہ حج میں زیادہ مشقت اٹھانی پڑتی ہے اور ایک لمبی مدت لگتی ہے اور قبول کرنے کی درخواست حضرت ابراہیم واسمعیل علیہ السلام کی دعا کی پیروی میں ہے کہ ان دو برگزیدہ پیغمبروں نے قبول کی درخواست کی تھی کہ اے رب ہمارے حج ہماری طرف سے قبول فرما، تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔

عمرہ اور قرون (حج اور عمرہ دونوں) کرنے والا بھی آسانی کی دعا مانگے گا نماز میں آسانی کی دعا اس لئے نہیں ہے کہ اس میں کم وقت صرف ہوتا ہے اور کوئی خاص مشقت بھی نہیں ہوتی اور بعض فقہاء نے کہا کہ ہر عبادت میں آسانی کی دعا کی جائے مگر

بہتر وہی قول ہے جو پہلے نقل ہوا۔

جب احرام کے لئے دور کعت پڑھ چکے تو اب حج کی نیت سے تلبیہ لے جے حج کے شروع کرنے کا کامل اور عمدہ طریقہ یہی ہے جو ابھی درج ہوا۔ یوں صرف دل میں نیت کر لینے سے بھی حج ہو جائے گا لیکن شرط یہ ہے کہ اس کی نیت ایسے ذکر کے ساتھ ملے ہوئی ہو جس کا مقصد تعظیم و تکریم ہو جیسے تسبیح تحلیل اگرچہ یہ فارسی میں ہوں اور گو وہ عربی اچھی جانتا ہو۔

والتلبیۃ علی المذہب وہی لبیک اللہ لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد بکسر الهمزة وفتح والنعمۃ لک بالفتح او مبتداء وخبر والملك لا شریک لک وزاد ندبا فیہا ای علیہا لا فی خلالہا ولا تنقص منها فانہ مکروہ ای تحریم لقولہم انہا مرة شرط والزیادة سنة ویكون مسیا بترکها وبتروک رفع الصوت بها و اذا البی ناویا نسنکا اوساق الہدی او قلد ای ربط قلادة علی عنق بدنة نفل او جزاء صید قتله فی الحرم اوفی احرام سابق و نحرہ کجناية ونذر و متعة و قران وتوجه معها والحال انہ یرید الحج وھل العمرة كذلك ینبغی نعم او بعثها ثم توجه وحقها قبل المیقات فلو بعده لزمہ الاحرام بالتلبیۃ من المیقات او بعثها لمتعة او لقران وکان التقليد والتوجه فی اشهرہ والا لم بصر محرما حتی یلحقها وتوجه بنية الاحرام وان لم یلحقها استحسانا فقد احرم لان الا جابة کما تكون بکل ذکر تعظیمی تكون بکل فعل مختص بالاحرام ثم صحة الاحرام لا تتوقف علی نية نسک لانه لو ابهم الاحرام حتی طاف شوطا واحدا صرف للعمرة ولو اطلق نية الحج صرف للفرض ولو عین نفلا فنفل وان لم یکن حج الفرض شربلا لية عن الفتح ولو اشعرها بجرح سنامها الا یسر او جللها بوضع الجل او بعثها لا لمتعة و قران ولم یلحقها کما مر او قلد شاة لا یكون محرما لعدم اختصاصه بالنسک۔

تلبیہ صحیح مذہب کی بنیاد پر تلبیہ یہ ہے لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ اے رب العالمین تری خدمت میں حاضر ہوں۔ اے مولیٰ تیرے حکم کی بجا آوری کے لئے حاضر ہوں، کوئی ترا شریک نہیں ہے، میں حاضر ہوں، ساری تعریفیں اور تمام نعمتیں تیرے ہی لئے ہیں اور کائنات کی بادشاہی تیرے لئے مخصوص ہے کوئی تیرا سا جہی نہیں ہے، (یہ تلبیہ صحاح ستہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احرام کی وقت اسی طرح فرماتے تھے۔

بطور استحباب اس تلبیہ کے اخیر میں کچھ جملے بڑھائے البتہ درمیان میں اور اس کے الفاظ میں کچھ زیادہ نہ کرے، اور مسنون تلبیہ سے کوئی لفظ کم نہ کرے، کیونکہ کچھ کم کرنا مکروہ تحریمی ہے فقہاء کرام کا کہنا ہے تلبیہ مذکورہ ایک بار کہنا شرط ہے اور ایک مرتبہ سے زیادہ کہنا سنت ہے اور احرام باندھنے والے کا تلبیہ کو تو کہنا، یا تلبیہ میں آواز بلند کرنے کو چھوڑنا برا ہے۔

محرم ہونا جب حج کی نیت سے لبیک کہلایا بدی (قربانی) کا جانور ہانک لے چلا۔ یا نفل حج کے اونٹ کی گردن میں پٹا ڈالا، یا اس شکار کے بدلے والے اونٹ کی گردن میں پٹہ ڈالا جس کو حرم میں یا احرام میں سابق میں قتل کیا تھا اسی طرح کے کسی قصور یا نذر اور یا تمتع و قران والے اونٹ کی گردن میں پٹہ ڈالا اور خود اس اونٹ کو لے چلا، اس طرح کہ وہ حج کا ارادہ کر رہا ہے یا اونٹ یا گائے کو پٹہ ڈال کر پہلے روانہ کیا پھر خود چلا اور میقات سے پہلے اس سے مل گیا (لیکن اگر میقات کے بعد

ملے گا تو اس کے لئے لازم ہو گا کہ میقات سے لپیک کہہ کر احرام باندھے اس صورت میں اونٹ کی گردن میں پٹہ ڈال کر بھیجنا تلبیہ کے قائم مقام نہیں ہو گا (یا اونٹ اور گائے کو تمتع یا قرآن کے واسطے روانہ کیا اور اس کا پٹہ ڈالنا اور چلنا حج کے مہینوں میں ہوا اور اگر یہ دونوں کام موسم حج میں نہ ہوں تو یہ شخص اس وقت تک محرم نہ ہو گا جب تک وہ اس کو نہ پائے اور اگر اونٹ کو روانہ کیا اور خود احرام کی نیت سے چلا تو گودہ میقات سے پہلے اس سے نہیں ملا تو بھی استحساناً وہ محرم ہو جائے گا کیونکہ جس طرح ہر تعظیمی ذکر سے حج کی قبولیت ہوتی ہے اسی طرح ہر اس فعل سے ہوئی ہے جو فعل احرام کے ساتھ مخصوص ہے اور مذکورہ افعال احرام سے خصوصیت رکھتے ہیں (مختصر یہ کہ احرام کا ثبوت دو طرح ہوتا ہے ایک حج کی نیت سے لپیک کہنا یا کوئی ذکر تعظیمی بجالانا اور دوسرے حج کی نیت سے مذکورہ افعال ان شرطوں کے ساتھ عمل میں لانا جو ذکر کئے گئے۔

احرام کا درست ہونا شارح کا کہنا ہے کہ احرام کا صحیح ہونا حج یا عمرہ کی نیت پر موقوف نہیں ہے کیونکہ اگر محرم نے احرام باندھا اور حج یا عمرہ کا خیال دل میں نہیں آیا یہاں تک کہ اس نے طواف کا ایک چکر لگایا تو بھی وہ اس کو عمرہ کا طواف بنا سکتا ہے اور اس سے عمرہ ادا کر سکتا ہے اور اگر مطلق حج کی نیت کی فرض یا نفل کی تعیین نہیں کی تو اس صورت میں وہ اس سے حج فرض ادا کر سکتا ہے اور اسی طرح اگر اس سے نفل حج ادا کرنا چاہے تو یہ بھی کر سکتا ہے گو اس نے اب تک فرض حج ادا نہ کیا ہو۔

اگر اس نے اونٹ کی بائیں کوہان میں معمولی زخم لگایا کہ ہدی کا نشان ہو جائے یا اس کی پیٹھ پر جھول ڈالی یا اس کو حج تمتع یا قرآن کی نیت کے بغیر روانہ کیا اور چل کر اس سے نہیں ملایا بکری کی گردن میں پٹہ ڈالا تو اس سے وہ محرم نہیں ہو گا کیونکہ یہ سب کام حج یا عمرہ ہی کے لئے مخصوص نہیں ہیں۔

(اشعار یعنی قربانی کے اونٹ کوہان کو زخم لگانا امام ابو حنیفہ کے نزدیک مکروہ ہے اس لئے کہ اس میں جانور کو تکلیف پہونچانا ہے اور صاحبین فرماتے ہیں کہ بہتر ہے اور امام شافعی کے نزدیک سنت ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے ابو جعفر طحاوی کہتے ہیں کہ معمولی زخم بطور علامت لگانا امام ابو حنیفہ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے بلکہ آپ کے زمانے میں جو زیادہ زخم لگانے کا رواج ہو گیا تھا اس کو مکروہ فرمایا ہے اگر اس طرح لگائے کہ نہ کھال کٹے نہ گوشت تو جائز ہے۔

وبعدہ ای الاحرام بلامہلۃ یتقی الرفشای الجماع او ذکرہ بحضرة النساء والفسوق ای الخروج عن طاعته اللہ تعالیٰ والجدال فانہ من المحرم اشنع وقتل صید البر لا البحر والاشارة الیہ فی الحاضر والدلالة علیہ فی الغائب ومحل تحریمہما ما اذا لم یعلم المحرم اما اذا علم فلا فی الاصح والتطیب وان لم یقصدہ ویکرہ شمه وقلم الظفر وستر الوجه کلہ او بعضہ کعنمہ و ذقنہ نعم فی الخانیة لا باس بوضع یدہ علی انفہ والرأس بخلاف الميت وبقیة البدن ولو حمل علی رأسہ ثیابا کان تغطية لا حمل عدل وطبق ما لم یمتدیو ما ولیلة فتلزمہ صدقة وقالوا لو دخل تحت ستر الکعبة فاصاب رأسہ او وجهہ کرہ والا فلا باس بہ وغسل رأسہ ولحیتہ بخطمی لانه طیب او یقتل الهوام بخلاف صابون ودلوك و اشنان اتفاقا زاد فی الجوهرۃ اوسدر وهو مشكل و قصها ای اللحية وحلق رأسہ وازالة شعر بدنہ الا الشعر النابت فی العین فلا شئ فیہ عندنا۔

احرام کے بعد محرم کا فریضہ

احرام باندھ چکنے کے فوراً بعد محرم کو چاہئے کہ وہ عورتوں کے ساتھ جماع اور جماع کی گفتگو بند کر دے اسی طرح جو کام احکام خداوندی کے خلاف ہوں جس کو فسق و فجور کہتے ہیں ان سے پرہیز کرے، اور لڑائی جھگڑے سے بچے اس لئے کہ محرم کے لئے یہ باتیں بہت زیادہ بری اور قبیح ہیں۔ رفقاء سفر سے اگر کوئی ناگواری پیش آئے برداشت کرے، ارشاد ربانی ہے **فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ** محرم خشکی کے شکار سے باز رہے، البتہ اس کیلئے دریائی شکار کی ممانعت نہیں ہے، جو شکار سامنے موجود ہو اس کی طرف اشارہ نہ کرے اور جو سامنے نہ ہو اس کی طرف رہنمائی نہ کرے، اور یہ شکار کی طرف اشارہ کرنا اور بتانا اس وقت حرام ہے جب دوسرا محرم شکار کے جانور کو جانتا ہو، اور اگر وہ خود جانتا ہو تو بتانے والے پر کوئی جرم نہیں صحیح تر قول یہی ہے۔

خوشبو وغیرہ سے پرہیز

احرام کے بعد خوشبو سے بھی بچے خوشبو نہ بدن میں لگائے اور نہ کپڑوں میں، گو یہ بلا قصد ہی کیوں نہ ہو، ہر صورت میں منع ہے، محرم کے لئے خوشبو کا سو گھنا مکروہ ہے (اسی طرح پھول اور میوے کا سو گھنا بھی مکروہ ہے) محرم حالت احرام میں نہ ناخن کاٹے گا اور نہ چہرہ کو ڈھکے گانہ کل چہرہ کو نہ اس کے لئے بعض حصہ کو چنانچہ اپنا منہ اور ٹھڈی بھی کپڑے سے نہیں چھپائے گا، البتہ فتاویٰ خانیہ میں لکھا ہے کہ اگر ناک پر ہاتھ رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں اسی طرح محرم اپنے سر کو بھی نہ چھپائے بلکہ کھلا رکھے بخلاف میت کے اور باقی بدن کے یعنی اگر محرم نہ جائے تو اس کا سر اور چہرہ چھپانا جائز ہے ممنوع نہیں اسی طرح سر کے سوا زندہ محرم اپنے بدن کے اور حصوں کو کپڑے سے چھپا سکتا ہے لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے۔

محرم اگر اپنے سر پر کپڑا اٹھائے گا تو اس سے سر کا ڈھکنا ثابت ہو گا لیکن گٹھری اور طبق اٹھانے سے سر ڈھکنا ثابت نہیں ہو گا جب تک مسلسل ایک دن ایک رات سر پر لئے ہوئے نہ رہے، اگر اتنی دیر لئے ہوئے رہے گا۔ تو اس پر صدقہ دینا لازم ہو گا (فتاویٰ خانیہ میں ہے کہ آدمی جس چیز کو عادتاً پہنتا ہے اس کو سر پر رکھنے سے اس کا پہننے والا قرار پائے گا اور جو عادتاً پہنا نہیں جاتا ہے اس کے رکھنے سے پہننے والا قرار نہیں پائے گا۔

فقہاء کہتے ہیں کہ محرم اگر کعبہ کے غلاف کے نیچے داخل ہو اور غلاف اس کے سر یا چہرہ کو لگ گیا تو یہ مکروہ ہے اور اگر نہیں لگا تو کچھ مضائقہ نہیں۔

محرم اپنے سر اور ڈاڑھی کو خطمی سے دھونے میں پرہیز رکھے گا کیونکہ وہ خوشبودار چیزوں میں ہے دوسری بات یہ کہ خطمی کپڑوں کو مارتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے استعمال سے دم لازم ہوتا ہے لیکن صابون، مسور کا آٹا اور اشنان کے استعمال سے محرم پر کچھ لازم نہیں ہوتا (اشنان ایک گھاس ہے جو میل کو صاف کرتی ہے) اس میں صاحبین اور امام صاحب کسی کا اختلاف نہیں اسی طرح ہیر کے پتوں سے دھونے میں بھی کچھ لازم نہیں آتا مگر اس میں تھوڑا اشکال ہے کیونکہ جس طرح خطمی کے استعمال سے کپڑے مرتے ہیں ہیر کے پتوں کے استعمال سے بھی مرتے ہیں۔

خطمی اور صابون کا استعمال

محرم نہ ڈاڑھی کتروائے گا اور نہ ہر منڈائے گا اور نہ اپنے بدن کے اور حصوں کے بال کاٹے گا البتہ جو بال آنکھوں میں اندر ہوتا ہے جس کو پر بال کہتے ہیں اس کے دور کرنے میں کچھ حرج نہیں۔

بال کاٹنے سے پرہیز

ولبس قمیص و سراویل ای کل معمول علی قدر بدنہ او بعضہ کز ردیہ و برنس و قباء ولو لم بدخل یدیدہ فی کمیہ جاز لا ان یزررہ او یخللہ و یجوز ان یرتدی بقمیص وجبة

ويلتحف به في لوم وغيره اتفاقا و عمامة و قلنسوة و خفين الا ان يجد نعلين فيقطعهما اسفل من الكعبين عند معقد الشراك فيجوز لبس الذرموزة لا الجوربين.

سِلے ہوئے کپڑے کا استعمال محرم قمیص کرتا یا کجامہ اور ہر اس کپڑے کے استعمال سے پرہیز کرے گا جو انسان کے تمام قد یا بعض حصہ جسم کے موافق تیار کیا جاتا ہے اور وہ بدن پر ٹھہر جاتا ہے جیسے لوہے کی زرہ اور لمبی ٹوپی۔

محرم قبائین سے بھی پرہیز کرے گا البتہ اگر قباس طرح استعمال کیا کہ دونوں ہاتھوں کو ان کی آستینوں میں نہیں ڈالا تو جائز ہے مگر گھنڈی اور بٹن لگانا یا کانٹے کے ذریعہ روکنا یہ درست نہیں ہے اس صورت میں دم لازم ہوگا۔ ہاں قمیص اور جبہ کا بطور چادر استعمال جائز ہے اور سونے میں ان کے بدن پر ڈال لینے یا اوپر سے لپیٹے لینے میں جس طرح لحاف لپیٹے ہیں مضائقہ نہیں مگر شرط یہ ہے کہ سر اور چہرہ کو نہ چھپائے اسے کھلا رکھے۔

عمامہ اور ٹوپی کا استعمال محرم پگڑی ٹوپی اور موزوں کے استعمال سے بھی بچے گا ہاں اگر کسی کو چپل نہ ہو اور موزوں کو دونوں ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ ڈالے اور چپل بنا کر پہنے تو اس میں مضائقہ نہیں۔

وثوب صبح بماله طيب كورس وهو الكركم وعصفرو هو زهر القرطم الا بعد زواله بحيث لا يفوح في الاصح لا بتقى الاستحمام لحديث البيهقي انه عليه الصلوة والسلام دخل الحمام في الجحفة والاستظلال بيت ومحمل لم يصب رأسه او وجهه فلو اصاب احدهما كره كما مر وشدهميان بكسر الهاء في وسطه منطقة وسيف وسلاح و تختم زيلعى لعدم التعظيته والمبس واكتحال بغير مطيب فلو اكتحل بمطيب مرة او مرتين فعليه صدقة ولو كثير فعليه دم سراجية ولا يتقى ختانا وفصدا و حجامه و قلع ضرسه وجبر كسر وحك رأسه وبدنه لكن يرفق ان خاف سقوط شعرة وقملة فان في الواحد يتصدق بشئ وفي الثلث كف من طعام غرر الا ذكار.

معطر کپڑے کا استعمال محرم ہر ایسے کپڑے کے استعمال سے بھی بچے گا جو خوشبودار چیز سے رنگا گیا ہو جیسے درس اور کسم کے پھول سے لیکن جب اس کا رنگ اس طرح دور ہو جائے کہ خوشبو باقی نہ رہے تو پھر اس کا پہننا جائز ہو گا مذہب اصح یہی ہے (درس ایک خوشبودار گھاس ہوتی ہے جس کو یمن میں کر کم کہتے ہیں یہ مسائل اس حدیث نبوی سے لئے گئے ہیں جس میں ارشاد ہے لا یلبس المحرم القمیص ولا العمامة ولا البرنس ولا السراويل ولا ثوبا درس ولا زعفران ولا الخفين الا ان لا یجد نعلین فلیقطعها حتی یكون اسفل من الكعبین)

غسل کی اجانت لیکن محرم غسل کر سکے گا اور حمام میں نہائے گا اسلئے کہ بیہقی کی حدیث ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جحفہ کے غسل خانہ میں تشریف لے گئے (اور مسلم کی حدیث سے بھی ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت احرام میں غسل فرمایا ہے طحاوی میں ہے کہ غسل تو جائز ہے مگر میل صاف کرنا مکروہ ہے)

سایہ حاصل کرنا اسی طرح محرم گھر اور کجاوہ کا سایہ لینے سے نہیں بچے گا، صرف شرط یہ ہے کہ کجاوہ کی پت اور اس کا پردہ محرم کے سر اور چہرہ کو نہ لگے کیونکہ سر اور چہرہ کو اس کا لگنا مکروہ ہے۔

تھیلی کا کمر سے باندھنا محرم روپے پیسے کی تھیلی کو اپنی کمر سے باندھ سکتا ہے خواہ اس تھیلی میں خود اس کا سرمایہ ہو یا کسی دوسرے کا محرم کمر میں کمر بند تلوار اور ہتھیار بھی باندھ سکتا ہے اور وہ انگوٹھی بھی پہن سکتا ہے لہذا فی الزیلعی گھر سے سایہ حاصل کرنا سر چھپانے کے حکم میں نہیں ہے اور نہ تھیلی کمر سے باندھنا لباس کے حکم میں۔

سرمہ وغیرہ کی اجازت اسی طرح سرمہ بھی لگا سکتا ہے بشرطیکہ اس میں خوشبو نہ ہو، اگر خوشبو دار سرمہ دو ایک بار لگائے گا تو اس پر صدقہ لازم ہوگا، اور اگر اس سے زیادہ بار لگائے گا تو دم لازم ہوگا محرم کے لئے ختنہ کرنے فصد لگانے پچھنا لگانے اپنی ڈاڑھی اکھاڑنے اور ٹوٹی ہوئی ہڈی باندھنے سے بھی پرہیز نہیں ہے، یہ کام کر سکتا ہے وہ اپنا سر اور بدن بھی کھجاسکتا ہے لیکن اگر بال یا جوں کے جھڑنے کا خوف ہو تو زور سے نہیں کھجائے گا بلکہ آہستہ ایک جوں میں معمولی صدقہ ہے اور تین جوں میں مٹھی بھر گیہوں صدقہ کرے گا کذا فی غرء الاذکار۔

واکثر المحرم التلبیۃ ندبا متی صلی ولونفلا او علا شرفا او هبط وادیا اولقی رکبا جمع راكب او جمعا مشاة و کذا الولقی بعضهم بعضا او اسحرای دخل فی السحرا اذا التلبیۃ فی الاحرام کالتکبیر فی الصلوة رافعا استنانا صوته بها بلا جهد کما یفعله العوام۔

تلبیہ کا اہتمام محرم کے لئے بکثرت تلبیہ پڑھنا مستحب ہے جب بھی وہ نماز پڑھے تلبیہ کہے خواہ نفل نماز ہو خواہ فرض اسی طرح جب بلندی پر چڑھے یا وادی میں اترے یا سواروں سے اس کی ملاقات ہو یا پیدل چلنے والوں سے اسی طرح جب اپنے قافلہ والوں میں ایک دوسرے سے ملے تو بھی تلبیہ کہے، جب صبح ہو تو اس وقت بھی تلبیہ کہے۔ ان اوقات میں تلبیہ اس وجہ سے مستحب ہے کہ حج میں تلبیہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے نماز میں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونے میں اللہ اکبر کہنا۔

تلبیہ کہنے میں سنت سمجھ کر آواز ذرا بلند کرے، مگر چلائے اور چیخے نہیں، جیسے عوام کیا کرتے ہیں۔

واذا دخل مكة بدأ بالمسجد الحرام بعد ما یا من علی متعته داخلا من باب السلام نهارا ندبا ملبیا متواضعا خاشعا ملا حظا جلالۃ البقعة ویسن الغسل الدخولها وهو اللطافه فیجب لحائض ونفساء وحین شاهد البیت کبر ثلثا ومعناه اللہ اکبر من الکعبۃ وهل لثلا یقع نوع شرک

مکہ مکرمہ میں داخلہ کے آداب جب محرم کا مکہ مکرمہ میں داخلہ ہونے لگے تو اپنے سامان وغیرہ کو رکھ کر سب سے پہلے مسجد حرام میں جائے۔ مستحب یہ ہے کہ دن میں داخلہ ہو اور باب السلام سے ہو اس طرح کہ زبان پر لبیک کی صدا ہو انداز خاکسارانہ ہو خشوع کی کیفیت طاری ہو اور اس مقام مقدس کا جاہ و جلال پیش نظر ہو۔ مسنون طریقہ یہ ہے کہ مکہ میں داخل ہونے کے لئے غسل کرے جو صفائی اور ستھرائی کے لئے ہوتا ہے لہذا یہ غسل حیض اور نفاس والی عورت کیلئے ہے تاکہ وہ صاف ستھری ہو کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوں،

بیت اللہ پر نگاہ پڑتے وقت کی دعا مکہ مکرمہ میں داخل ہو کر جب محرم کی نظر بیت اللہ پر پڑے تو اس کو چاہئے کہ تین مرتبہ اللہ اکبر کہے، اور اس وقت اس کے معنی یہ ہوں گے

کہ اللہ تعالیٰ کعبہ سے بھی بزرگ تر ہے یعنی ہر چیز سے بڑا ہے جس میں کعبہ بھی داخل ہے اور پھر لا الہ الا اللہ کہے تاکہ اس عبادت میں کسی طرح کوئی شرک راہ نہ پاسکے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی بھی عبادت جائز نہیں حتیٰ کہ کعبہ کی بھی جائز نہیں۔

(ایک حدیث میں ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ دیکھ کر تین مرتبہ فرمایا اللہ اکبر اور اس کے بعد یہ پڑھا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ دوسری روایت میں ہے کہ کعبہ کو دیکھ کر آپ نے دعا فرمائی۔ اَعُوذُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ وَضَيِقِ الصَّدْرِ اِنْ كُنْتَ عَلَاوَهُ دوسری دعائیں بھی منقول ہیں)

ثم ابتدأ بالطواف لانه تحية البيت مالم يخف فوت المكتوبة او جماعتها او الوتراو سنة راتبة فاستقبل الحجر مكبرا مهلا رافعا يديه كالصلوة واستلمه بكفيه وقبله بلا صوت وهل يسجد عليه قيل نعم بلا ايداء لانه سنة وترك الايداء واجب فان لم يقدر يضعهما ثم يقبلهما او احدهما والا يمكنه ذلك يمس بالحجر شيئا في يده ولو عصي ثم قبله اى الشئ وان عجز عنهما اى الاستلام والا مساس استقبله مشير اليه بباطن كفيه كانه واضعهما عليه وكبر وهلل وحمد الله تعالى وصلى على النبي صلى الله عليه وسلم ثم يقبل كفيه وفى بقية الرفع فى الحج يجعل كفيه السماء الا عند الجمرتين فللكعبة.

پہونچتے ہی طواف پھر وہاں پہونچ کر سب سے پہلے طواف کرے اس لئے کہ یہ بیت اللہ کو سلام کرنا ہے لیکن یہ اس وقت کرے جبکہ فرض نماز یا اس کی جماعت یا وتر یا سنت موکدہ کے فوت ہونے کا خطرہ نہ ہو، اور اگر ان میں سے کسی کے فوت ہونے کا خوف ہو تو پہلے ان کو ادا کرے پھر اس سے فارغ ہو کر طواف کرے، پھر تکبیر کہتا ہوا اور کلمہ پڑھتا ہوا دونوں ہاتھوں کو اٹھائے ہوئے (جس طرح نماز میں اٹھاتے ہیں) حجر اسود کے سامنے جائے وراپنی دونوں ہتھیلیوں کو اس پر رکھے اور بلا آواز اس کو بوسہ دے، یعنی لبوں کو لگانے میں آواز نہ نکالے۔

حجر اسود کو بوسہ (ابن ماجہ میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ رسول خدا ﷺ نے حجر اسود کا استیلام کیا اور دونوں لبوں کو اس پر رکھا اور دیر تک روتے رہے صحاح ستہ میں حضرت عمرؓ کا یہ واقعہ صراحتاً مذکور ہے کہ فاروق اعظمؓ نے حجر اسود کو چوما اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ تو پھر ہے اگر میں نے رسول خدا ﷺ کو بوسہ دیتے نہ دیکھتا تو میں تم کو بوسہ نہیں دیتا، حجر اسود کے بوسہ دیتے وقت بعض دعائے ماثورہ کا پڑھنا بھی منقول ہے) حجر اسود کے پاس سجدہ کیا جائے گا یا نہیں اس میں دو قول ہیں ایک میں جائز کہا گیا ہے اور دوسرے میں امام مالکؒ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ ایسا کرنا بدعت ہے سجدہ نہیں کرنا چاہئے۔

استیلام کا طریقہ حجر اسود کو جب بوسہ دینے چلے تو اس کا دھیان رکھنا ضروری ہے کہ وہاں تک پہونچنے میں کسی کو تکلیف نہ پہونچائے جیسا کہ بھیڑ بھاڑ میں عموماً ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کو دھکا دیتے ہیں شریعت میں اس کی اجازت نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ استیلام سنت ہے اور ایذاء رسانی سے بچنا واجب ہے لہذا سنت کے واسطے واجب کا ترک کرنا جائز نہیں، اگر کوئی وہاں تک پہونچ کر بوسہ دینے پر قادر نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اس پر

رکھ کر ان کو چوم لے یا ایک ہاتھ اس پر رکھ کر اسی کو چوم لے اور ہجوم کی وجہ سے ہاتھ لگانا بھی ممکن نہ ہو تو اپنے ہاتھ میں کسی چیز کو لے کر اسے حجر اسود سے لگائے اور اس شے کو چوم لے خواہ لاشیٰ ہی کیوں نہ ہو اور اگر نہ استیلام (ہاتھ رکھنا) ممکن ہو اور نہ کسی چیز کو ہاتھ میں لے کر اس سے حجر اسود کا پھونا تو پھر ایسا کرے کہ حجر اسود کے سامنے کھڑا ہو جائے اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کے اندرونی حصہ سے حجر اسود کی طرف اشارہ کرے گویا سمجھے کہ اس نے ان کو حجر اسود پر رکھ لیا۔ اس کے بعد اللہ اکبر کہے، لا الہ الا اللہ پڑھے اور حق تعالیٰ کی حمد بیان کرے اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے اور یہ کر کے ان دونوں ہتھیلیوں کو چوم لے۔

حجر اسود کے سواجج کے باقی مواقع میں دونوں ہاتھوں کے اٹھاتے وقت ہتھیلیوں کے اندر والے حصے کو بطور دعا آسمان کی طرف کرے البتہ جمر تین کے پاس ایسا نہیں کرے گا بلکہ ان کو کعبہ معظمہ کی طرف کرے گا۔

وطاف بالبيت طواف القدوم ويسن هذا الطواف للأفاقي لانه القادم واخذ الطائف عن يمينه مما يلي الباب فتصير الكعبة عن يساره لأن الطائف كالموتم بها والواحد يقف عن يمين الامام ولو عكس اعاد مادام بمكة فلو رجع فعليه دم وكذا لو ابتداء من غير الحجر كما مر قالوا و يمر بجميع بدنه على جميع الحجر جاعلا قبل شروعه ردائه تحت ابطة الميني ملقيا طرفه على كتفه الايسر استنانا وراء الحطيم وجوبالان منه ستة اذرع من البيت فلو طاف من الفرجة لم يجز كما ستقبا له احتياطا وبه قبر اسمعيل و هاجر سبعة اشواط فقط فلو طاف ثامنا مع علمه فالصحيح انه يلزمه اتمام الاسبوع للشروع اى لانه شرع فيه ملتزما بخلاف مالو ظن انه سابع لشروعه مسقط الاملتزما بخلاف الحج.

طواف قدوم حجر اسود کے بوسہ سے جب فارغ ہو چکے تو بیت اللہ کا طواف کرے اس طواف کو طواف قدوم کہتے ہیں، یعنی داخلہ اور حاضری کا طواف، باہر سے آنے والے کے لئے یہ طواف کرنا مسنون ہے کیونکہ داخلہ کا لفظ باہر سے آنے والوں پر ہی صادق آتا ہے، اہل مکہ پر صادق نہیں آتا (جس طرح حجۃ المسجد ان کے لئے مستحب ہے جو باہر سے چل کر مسجد میں داخل ہوں جو پہلے سے وہاں بیٹھا ہوا ہے اس کے لئے نہیں ہے)

طواف کی ابتداء طواف کرنے والا طواف کی ابتداء اپنی دائیں جانب سے کرے گا تو جدھر بیت اللہ کا دروازہ ہے اس طرح کعبہ طواف کرنے والے کے بائیں طرف واقع ہو گا۔ دائیں سے طواف شروع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ طواف کرنے والا مقتدی کی جگہ ہے اور کعبہ مکرمہ امام کی جگہ اور جب مقتدی تنہا ایک شخص ہو تو اس کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ امام کی دائیں جانب کھڑا ہو۔

اگر اس کے خلاف طواف بائیں شروع کرے گا تو جب تک وہ مکہ میں موجود ہے طواف قدوم دوبارہ کرنا ہو گا اور اگر مکہ سے واپس ہو چکا ہے تو اس پر دم لازم ہے کہ ایک جانور کی قربانی کرے، اسی طرح اگر کوئی حجر اسود کے خلاف سمت سے طواف کرے گا تو اس پر بھی دم واجب ہو گا جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ طواف کا حجر اسود سے شروع کرنا واجب ہے۔

فقہاء نے لکھا کہ طواف میں اپنے پورے بدن کو پورے حجر اسود کے آگے سامنے کر کے چلنا چاہئے یعنی رکن یمانی سے حجر اسود کے مقابل ہو کر طواف کرے اس طرح پورے بدن کا سامنا پورے حجر اسود سے ہو گا۔

طواف سے پہلے چادر رکھنے کا طریقہ

طواف شروع کرنے سے پہلے اس کو چاہئے کہ اپنی چادر کو اپنی دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں مونڈھے پر ڈالے جو سنت ہے اور حطیم سمیت بیت اللہ کا طواف کرے ایسا کرنا واجب ہے، اس لئے کہ حطیم کے اندر بیت اللہ کی چھ ہاتھ زمین داخل ہے لہذا اگر کوئی طواف اس درمیانی خلا سے کرے گا جو حطیم اور بیت اللہ کے درمیان واقع ہو تو اس کا یہ طواف جائز نہیں ہوگا، جیسے نماز کے اندر اگر کوئی صرف حطیم کا استقبال کرے تو اس کی نماز جائز نہیں ہوگی احتیاط کا تقاضا یہی ہے نماز میں استقبال کعبہ نص قرآنی سے فرض ہے اور حطیم کا کعبہ میں داخل ہونا صرف خبر واحد سے ثابت ہے دلیل قطعی سے ثابت نہیں اس لئے احتیاط ہے کہ طواف میں حطیم کو داخل کر لے اور نماز میں خارج گردانے واضح ہو کہ اسی حطیم میں حضرت اسماعیل علیہ السلام اور آپ کی والدہ حضرت ہاجرہ کی قبر ہے۔

طواف میں شوط کی تعداد

طواف میں بیت اللہ کے گرد صرف سات چکر لگائے جائیں اس سے زیادہ نہیں اگر کوئی قصد آٹھواں چکر شروع کر دے گا تو صحیح مذہب یہ ہے اس کے لئے سات چکر پورا کرنا لازم ہوگا یعنی اس آٹھویں چکر کے شروع کر دینے کی وجہ سے دوسرا طواف سات چکر والا اس پر ضروری ہوگا۔

واعلم ان مکان الطواف داخل المسجد ولو وراء زمزم لا خارجہ لصیر ورتہ طائفا بالمسجد لا بالبيت ولو خرج منه او من السعي الى جنازة او مكتوبة او تجديد وضوء ثم عاديني وجاز فيهما اكل وبيع وافتاء و قراء ة لكن الذكر افضل منها وفي منسك النووي الذكر الماثور افضل واما في غير الماثور فالقراءة افضل فليراجع ورمل اي مشى بسرعة مع تقارب الخطا و هز كتفيه في الثلاثة الاول استنانا فقط فلو تركه او نسيه ولو في الثلثة لم برمّل في الباقي ولو زحمه الناس وقف حتى يجد فرجة فيرمّل بخلاف الاستلام لان له بدلا من الحجر الى الحجر في كل شوط وكلما مر بالحجر فعل ما ذكر من الاستلام واستلم الركن اليماني وهو مندوب لكن بلا تقبيل وقال محمد هو سنة ويقبله والدلائل تؤيده ويكره استلام غيرهما وختم الطواف باستلام الحجر استنانا ثم صلى شفعا في وقت مباح يجب بالجيم على الصحيح بعد كل اسبوع عند المقام حجارة ظهر فيها اثر قدمي الخليل او غيره من المسجد وهل يتعين المسجد قولان .

طواف کی جگہ

طواف کی جگہ مسجد حرام کا اندرونی حصہ ہے اور پوری مسجد حرام طواف کی جگہ ہے اگرچہ طواف میں زمزم کو بھی داخل کر لے، مسجد حرام کے باہر طواف کی جگہ نہیں ہے اگر کوئی مسجد حرام کے باہر طواف کرے گا تو وہ نہ مسجد حرام کا طواف کرنے والا قرار پائے گا اور نہ بیت اللہ کا طواف کرنے والا (یوں تو پوری مسجد حرام میں طواف جائز ہے لیکن بیت اللہ کے گرد چند ستون ہیں طواف ان کے اندر ہوتا ہے، اصطلاح میں اس جگہ کو مطاف (جائے طواف) کہتے ہیں۔

بیت اللہ کا نقشہ

بیت اللہ کا نقشہ اس طرح ہے کہ درمیان میں ایک کوٹھری سی ہے جس کو بیت اللہ کہتے ہیں اس کے گرد مطاف کے ستون ہیں پھر چاروں طرف بڑا صحن ہے اسی صحن میں زمزم کا کنواں بھی ہے

اور مقام ابراہیم بھی پھر مسجد حرام کے ہر چہار طرف عمارتیں ہیں، مسجد حرام کی جانب پشت پر صفا کی پہاڑی ہے اور دوسری جانب مروہ کی اور مروہ کے درمیان مسجد حرام کی دیوار سے متصل دو سبز مینار ہیں جن کے درمیان حاجی سعی کرتے ہیں۔ بیت اللہ کے ایک گوشہ میں تین ہاتھ کی بلندی پر حجر اسود نصب ہے جب حجر اسود سے بیت اللہ کے دروازے کی جانب چلتے ہیں تو دوسرا کنارہ ملتا ہے جس کو رکن عراقی کہتے ہیں پھر اس کے بعد تیسرا گوشہ ہے جس کو رکن شامی کہتے ہیں، پھر چوتھا گوشہ ہے جس کو رکن یمانی کہتے ہیں اور حجر اسود سے کعبہ کے دروازے تک جو جگہ ہے اسے ملتزم کہا جاتا ہے بیت اللہ سے جانب مشرق چھ میل دوری پر منیٰ ہے، جہاں قربانی ہوتی ہے اس سے آگے اتنے ہی دوری پر مزدلفہ ہے جہاں مغرب اور عشاء کی نماز ایک وقت میں پڑھتے ہیں اس کے آگے عرفات کا میدان ہے اور اس کی پہاڑی ہے جہاں کا قیام فرض ہے اور اسی قیام پر حج کا دار و مدار ہے۔

بعض مسائل طواف اگر کوئی طواف کر رہا تھا اور ابھی سات چکر نہیں ہوئے تھے کہ وہاں سے نکل کر وہ کسی جنازہ کی نماز یا فرض نماز یا تجدید وضو کیلئے باہر آیا تو پھر اس سے فارغ ہو کر وہ وہیں پہنچے گا جہاں سے اس نے طواف چھوڑا تھا اور بقیہ چکر پورے کرے گا اور اگر یہی صورت سعی میں پیش آئی ہے کہ درمیان سے چھوڑ کر نکلا ہے تو پھر پلٹ کر وہیں سے وہ مابقیہ پوری کرے گا۔

حالت طواف اور حالت سعی میں کھانا فتویٰ دینا تلاوت کرنا اور کسی چیز کی بیع کرنی جائز ہے لیکن افضل یہ ہے کہ ان حالتوں میں ذکر اللہ میں مشغول رہے کیونکہ اس وقت ذکر تلاوت قرآن سے افضل ہے (ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو بیت اللہ کا سات بار طواف کرے اور سبحان اللہ، الحمد للہ اور لا الہ الا اللہ والہ اکبر ولا حول ولا قوہ الا باللہ کے سوا کوئی بات نہ کرے تو اس کی وجہ سے اس کے دس گناہ مٹائے جاتے ہیں اور دس درجے بلند کئے جاتے ہیں کذا فی النہر) نو دی نے اپنی کتاب منک میں لکھا ہے کہ جو ذکر آنحضرت ﷺ سے منقول ہے وہ افضل ہے البتہ ان دعاؤں سے جو آنحضرت ﷺ سے اس حالت میں منقول نہیں اس سے بہتر تلاوت قرآن ہے (فتح القدیر میں ابن الہمام نے لکھا ہے کہ طواف میں محض ذکر اللہ ہی آیا ہے مجھ کو کوئی ایسی حدیث نہیں ملی جس میں طواف کے اندر قرآن کا پڑھنا آیا ہو، ابن ماجہ کی حدیث میں جو مرفوع ہے طواف کے اندر تسبیح، تہلیل، تحمید، تکبیر اور حوالہ مروی ہے جو حدیث ابھی اوپر نقل ہو چکی ہے۔

رمل طواف کے پہلے تین چکر میں اکڑ کر چلے گا یعنی تیزی سے قدم اٹھائے گا اور نزدیک نزدیک رکھے گا اور دونوں مونڈھوں کو ہلائے گا جیسے میدان جنگ میں جو انمرد پہلوان اکڑ کر چلتے ہیں اسی طرح تین شوط میں چلنا سنت ہے اس طرح چلنے کو اصطلاح میں رمل کہتے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ طواف میں اس طرح اکڑ کر چلنے کا سبب یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ جب اپنے صحابیوں کے ساتھ مدینہ منورہ سے عمرہ کرنے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو مشرکین مکہ کہنے لگے کہ ان سب کو مدینہ منورہ کے بخار نے توڑ ڈالا ہے اور کمزور کر دیا ہے، جب آپ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے مسلمانوں سے فرمایا طواف میں سینہ نکال کر بہادری کی طرح چلا کریں، تاکہ کافروں پر رعب طاری ہو اور ان کی غلط فہمی دور ہو اور ان کے ذہن سے یہ بات نکل جائے کہ مدینہ منورہ کی آب و ہوا نے ان کو کمزور کر ڈالا ہے۔ ۸۔ میں جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو ہجرت کے دسویں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لئے تشریف لائے اور طواف میں سابق کی طرح رمل فرمایا یعنی بہادری کی طرح چلے آپ کے بعد یہ عمل برابر صحابہ و تابعین اور

بعد والوں میں باقی رہ گیا اور اب تک جاری ہے۔

(بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ امیر المؤمنین عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ ہمیں اس اکڑ کر چلنے سے اب کیا فائدہ یہ اکڑنا تو ہم نے اس لئے شروع کیا تھا کہ مشرکین مکہ دیکھیں کہ ہم کمزور نہیں بھدا اللہ اب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر ڈالا ہے مگر اب بات صرف اتنی ہے کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فعل کیا ہے اس لئے ہم نہیں چاہتے کہ اس کو ہم چھوڑ دیں)

رمل کا بھول جانا اگر کوئی رمل کرنا پہلے چکر میں بھول گیا یا اس نے قصد اچھوڑ دیا تو پہلے کے بعد والے دو میں کر لے، اور اگر پہلے تینوں چکر میں چھوڑ دیا، یا بھول گیا تو بقیہ چار اخیر والے چکروں میں رمل نہیں کرے گا)

کہ اس کی جگہ ختم ہو چکی ہے)

اگر طواف میں لوگوں کا ہجوم ہو اور رمل کی جگہ نہ ملے تو تھوڑی دیر ٹھہر جائے تا آنکہ رمل کا موقع پیدا ہو جائے اور پھر رمل کرے بخلاف استلام کے کہ ہجوم کی وجہ سے اس کیلئے توقف نہیں کرے گا کیونکہ استلام کا بدل استقبال موجود ہے اور رمل کا کوئی قائم مقام نہیں

رمل کہاں سے کہاں تک رمل حجر اسود سے شروع کرے گا اور اسی پر آکر ختم کرے گا تینوں چکر میں اسی طرح کرے گا اور ہر چکر میں جب وہ حجر اسود کے پاس سے گزرے گا تو حجر اسود کا استلام کریگا

جس کی تفصیل پہلے گزر چکی، رکن یمانی کا بھی استلام کرے گا لیکن اس کو بوسہ نہیں دیے گا بلکہ صرف ہاتھ رکھے گا اور امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ رکن یمانی کا استلام سنت ہے اور اسے بوسہ بھی دے گا دلائل امام محمدؒ کی تائید میں ہیں رکن یمانی اور حجر اسود کے سوا کسی اور چیز کا استلام مکروہ ہے کیونکہ حدیث سے ثابت نہیں ہے طواف کو حجر اسود کے استلام پر ختم کرے سنت طریقہ یہی ہے اس سے فارغ ہو کر مباح وقت میں دو رکعت نماز ادا کرے اس نماز کا طواف کے سات چکر پورا کرنے کے بعد ادا کرنا واجب ہے اور یہ نماز مقام ابراہیم میں ادا کی جائے گی۔ مقام ابراہیم ایک پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات ہیں جب آپ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دیکھنے کے لئے تشریف لائے تھے تو سواری سے اترتے چڑھتے اسی پتھر پر قدم مبارک رکھا کرتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دنیا کو حج بیت اللہ کی دعوت عام دی تھی تو آپ کے قدم مبارک اس وقت اسی پتھر پر تھے کذا فی الخطاوی۔

طواف کی وجہ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو زمین پر اتارا تو آدم علیہ السلام نے کعبۃ اللہ کا سات بار طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی پھر دعا کی کہ

میری معذرت قبول فرما اور میری لغزش معاف فرما دے یہ دعا لفظ بلفظ حدیث میں منقول ہے اس کے بعد حق تعالیٰ نے فرمایا اے آدم تو نے مجھ سے ایسی دعا کہ میں نے تیری معذرت قبول کی اور تیری لغزش معاف کر دی، اور تمہاری اولاد میں سے جو ایسی دعا کرے گا اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوگا (کذا فی کنز العمال وفتح القدیر)

طواف کے بعد کی دو رکعت نماز مقام ابراہیم کے علاوہ مسجد الحرام میں کہیں بھی پڑھی جاسکتی ہے بشرطیکہ اس کو مقام ابراہیم میں جگہ میسر نہ آئی ہو سوال یہ ہے کہ کیا اس نماز کے لئے مسجد الحرام ہی متعین ہے؟ اس میں دو قول ہیں طحاوی نے کہا کہ قول معتد یہ ہے کہ مسجد حرام کا تعین اس کی فضیلت کی وجہ سے ہے لازم نہیں۔

ثم الالتزام بالملتزم وشرب من زمزم وعاد ان اراد السعي واستلم الحجر وكبر وهلل

وخرج من باب الصفاندا فصعد الصفا بحيث يرى الكعبة من الباب واستقبل البيت وكبر وهلل وصلى على النبي صلى الله عليه وسلم بصوت مرتفع خانية ورفع يديه نحو السماء و دعا لختمه العبادة بما شاء لان محمد الم يعين شيئا لانه يذهب برقة القلب وان يترك بالماثور فحسن ثم مشى نحو المروة ساعيا بين الميلين الاحضرين المتخذين في جدار المسجد وصعد عليها وفعل ما فعله على الصفا يفعل هكذا اسبعا يبدأ بالصفا ويختم الشوط السابع بالمروة فلو بدأ بالمروة لم يعتد بالاول هو الاصح وندب ختمه بركتين في المسجد كختم الطواف.

ملتزم سے چمٹنا طواف کی دو گانہ ادا کرنے کے بعد ملتزم کو چمٹے (اس طرح کہ اپنا سینہ، پیٹ اور دایاں رخسار (اس سے لگا دے اور دونوں ہاتھوں کو سر کے اوپر کھڑا کر کے دیوار سے ملا دے) اور زمزم کا پانی پئے اور زمزم پیتے ہوئے یہ دعاء پڑھے اللھم انی اسئلك رزقا واسعا وعلما نافعا وشفاء من كل دراء (کذا فی فتح القدیر) اور اگر سعی کا ارادہ ہو تو صفامروہ کی طرف آئے اور اگر ارادہ نہ ہو تو آنے کی ضرورت نہیں۔

حجر اسود کا استلام کرے اللہ اکبر کہے اور کلمہ توحید پڑھے اور مستحب یہ ہے کہ باب الصفا سے ہو کر نکلے اور بایاں قدم آگے رکھے اور یہ دعاء پڑھے۔ (بسم الله والسلام على رسول الله صلى الله عليه وسلم اللهم اغفر لي ذنوبي وافتح لي ابواب رحمتك و ادخلني فيها واعذني من الشيطان)

سعی بین الصفا والمروة اس کے بعد صفا پہاڑی پر چڑھے اور اس قدر اونچائی پر کعبۃ اللہ نظر آئے اور بیت اللہ سامنے ہو اور اللہ اکبر کہے اور کلمہ توحید پڑھے اور رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھے اور بلند آواز سے پڑھے پھر دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھائے اور جو دعاء چاہے پڑھے اور کرے کیونکہ یہ تمام تر عبادت کا وقت ہے امام محمد نے مناسک حج میں کوئی دعا مخصوص نہیں فرمائی ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ متعین دعا سے رقت قلب کی کیفیت پیدا نہیں ہو پاتی ہے بلکہ وہ اس کے لئے مانع بن جاتی ہے ایسے وقت میں وہی دعا بہتر ہے جو اس وقت بے ساختہ زبان و دل سے ادا ہو اور اگر دعائے ماثورہ سے برکت حاصل کرنا چاہے تو یہ بھی عمدہ ہے۔

پھر صفا سے اتر کر مروہ کی طرف چلے اور ان دونوں سبز میناروں کے درمیان لپک کر چلے جو مسجد حرام کی پشت کی دیوار میں تراشے ہوئے ہیں اور مروہ پہاڑی پر چڑھ جائے اور تمام کام کرے جو صفا پر وہ کر چکا ہے اسی طرح سات مرتبہ کرے صفات شروع کرے اور ساتویں چکر کو مروہ پر ختم کرے، صفا سے مروہ تک آنا ایک چکر ہوتا ہے، پھر مروہ سے صفات تک جانا دوسرا چکر پھر صفا سے مروہ تک آنا تیسرا چکر اس طرح ساتواں چکر مروہ پر آکر پورا ہوگا۔

سعی کے بعد دو گانہ اگر کسی نے سعی بین الصفا والمروة کی ابتداء بجائے صفا کے مروہ سے شروع کیا اور مروہ سے صفا تک آیا تو یہ پہلا چکر شمار نہیں ہوگا صحیح تر قول اس باب میں یہی ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے سعی کی ابتداء صفا سے فرمائی ہے اور اسی کا حکم بھی فرمایا ہے پھر مستحب یہ ہے کہ سعی کے اختتام پر دو رکعت نماز ادا کرے یہ نماز مسجد حرام میں کہیں بھی پڑھ سکتا ہے جیسا کہ طواف کے ختم پر دو گانہ ادا کرتے ہیں مسند احمد میں حدیث مرفوعہ ہے کہ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سعی کے بعد مسجد حرام میں جا کر حجر اسود کے سامنے دو رکعت نماز ادا کی تھی۔

ثم سكن بمكة محرما بالحج ولا يجوز فسخ الحج بالعمرة عندنا وطاف بالبیت
نفلا ماشيا بلا رمل وسعى وهو افضل من الصلوة نافلة لآفاقي وقبله للمكي وفي البحرينبغي
تقييده بزمن الموسم والافالطواف افضل من الصلوة مطلقا.

عمرہ کے بعد قیام مکہ

سعی سے فارغ ہونے کے بعد حج کے احرام کیساتھ مکہ مکرمہ میں قیام پذیر ہو جائے کیونکہ عمرہ کر کے حج کا احرام توڑنا احناف کے نزدیک جائز نہیں ہے (حجۃ الوداع کے سلسلہ میں جو احرام کا فسخ کرنا آیا ہے وہ اس وقت کیلئے مخصوص تھا کیونکہ مسلم کی حدیث میں صراحت ہے کہ عمرہ کر کے حج فسخ کرنا صحابہ کبار کیلئے مخصوص تھا)

طواف کی کثرت

اس زمانہ قیام میں جس قدر ہو سکے بیت اللہ کا نفل طواف کرتا رہے جس میں نہ رمل ہو اور نہ سعی اور باہری آدمیوں کیلئے نفل نماز پڑھنے سے افضل طواف کرنا ہی ہے البتہ مکی کیلئے افضل نماز پڑھنا ہے بحر الرائق میں ہے کہ مکیوں کیلئے جہاں افضل نماز پڑھنے کو کہا گیا ہے وہاں موسم حج کی قید کا بڑھانا مناسب ہے کیونکہ اس زمانہ میں ان کیلئے طواف سے افضل نماز نفل ہے تاکہ اس ہجوم کے زمانہ میں باہری لوگوں کو طواف کا زیادہ موقع مل سکے، حج کے موسم کے بعد مکیوں کیلئے بھی طواف ہی افضل ہے (ابن حبان میں ہے) کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ بیت اللہ کا طواف نماز کے حکم میں ہے حدیث میں طواف کی بہت ترغیب آئی ہے اور اس کے بہت ثواب بیان کئے گئے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جو پچاس مرتبہ بیت اللہ کا طواف کرے گا وہ اپنے گناہوں سے اس طرح نکل آئے گا جیسے وہ ابھی ماں کے پیٹ سے معصوم پیدا ہوا ہے۔

وخطب الامام اولى خطب الحج الثالث سابع ذى الحجة بعد الزوال وبعد صلوة
الظهر وكره قبله وعلم فيها المناسك فاذا صلى بمكة الفجر يوم التروية ثامن الشهر خرج الى
منى قرية من الحرم على فرسخ من مكة ومكث بها الى فجر عرفة ثم بعد طلوع الشمس راح الى
عرفات على طريق ضب و عرفات كلها موقف الا بطن عرفة بفتح الراء وضمها وادمن الحرم
غربي مسجد عرفة فبعد الزوال قبل صلوة الظهر خطب الامام في المسجد خطبتين كالجمعة
وعلم فيها المناسك وبعد لخطبة صلى بهم الظهر والعصر باذان واقامتين وقراءة سرية ولم يصل
بينهما شياء على المذهب ولا بعداء العصر في وقت الظهر.

ایام حج میں خطبات

حج کے زمانہ میں امام تین خطبے تین تاریخوں میں دے گا ان میں سے پہلا خطبہ ساتویں ذی الحجہ کو زوال کے بعد نماز ظہر ادا کرنے کے بعد دے گا نماز ظہر سے پہلے خطبہ دینا مکروہ ہے اور اس خطبہ میں حج کے احکام بیان کرے گا اور حاجیوں کو بتائے گا کہ احرام کس طرح باندھا جاتا ہے۔ اور پھر منیٰ اور عرفات میں قیام کب ضروری ہے وغیرہ وغیرہ۔

(ان تین خطبوں میں پہلا خطبہ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے رذی الحجہ کو مکہ مکرمہ میں بعد نماز ظہر دے گا دوسرا خطبہ میدان عرفات میں ۹ ذی الحجہ کو دے گا جس دن وہاں حاجی قیام کرتے ہیں اور تیسرا خطبہ ۱۱ ذی الحجہ کو منیٰ کے میدان میں دے گا یہ تیسرا خطبہ بھی بعد نماز ظہر ہی دیا جائے گا البتہ عرفات کا خطبہ زوال کے بعد مگر نماز ظہر سے پہلے دیا جائے گا ان تمام خطبوں میں پہلے

تکبیر پھر تلبیہ تحمید واجب ہے)

منیٰ میں ۸ ذی الحجہ کو جب مکہ میں فجر کی نماز ادا کر چکے تو اس کے بعد منیٰ کی طرف چل پڑے گا اور عرفہ (۹ ذی الحجہ) کی فجر تک وہاں قیام کرے منیٰ حرم کی حدود میں ہے اور مکہ سے چند میل دوری پر ہے، ایام حج میں لبیک بار بار بکثرت کہتا رہے۔

عرفات کو منیٰ میں ۹ ذی الحجہ کو جب آفتاب طلوع ہو چکے تو منیٰ سے عرفات کے لئے چل پڑے اور صبح کے راستہ سے ہو کر وہاں پہنچے راستہ میں لبیک اور کلمہ توحید زبان پر برابر جاری رہنا چاہئے، جب عرفات کے قریب آئے اور جبل رحمت نظر آنے لگے تو سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ پڑھے اور لبیک کہتا ہوا عرفات میں داخل ہو۔ میدان عرفات میں بطن عرنہ کو چھوڑ کر جہاں چاہے قیام کر سکتا ہے بطن عرنہ میں ٹھہرنا جائز نہیں، آفتاب جب ڈھل چکے اور زوال ختم ہو جائے تو نماز ظہر سے پہلے امام مسجد میں دو خطبے دے گا، جیسے جمعہ کے دن امام دو خطبے دیتا ہے اور درمیان میں بیٹھتا ہے ایسا ہی اس میں بھی دونوں خطبوں کے درمیان امام بیٹھے گا اور جس طرح جمعہ کے خطبہ میں مؤذن اذان دیتا ہے اس میں بھی امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت مؤذن سامنے کھڑا ہو کر اذان دے گا۔

جمع بین الصلوٰتین اس خطبہ میں امام حج کے احکام بتائے گا کہ حاجیوں کو کیا کیا کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے، کب کب کرنا ہے خطبہ سے فارغ ہو کر امام لوگوں کو پہلے ظہر کی نماز پڑھائے گا پھر اسی وقت عصر کی نماز بھی پڑھائے گا اذان ایک ہوگی اور تکبیر دونوں کے لئے الگ الگ دو۔ ایک نماز ظہر کے لئے اور ایک نماز عصر کے لئے ان دونوں فرض نمازوں کے درمیان کوئی اور نماز نہیں پڑھی جائے گی، اور نہ نماز عصر کے بعد حتیٰ کے سنت مؤکدہ بھی نہیں پڑھی جائے گی ان دونوں نمازوں میں قرأت آہستہ کرے گا ایام حج میں اس موقع سے جمع بین الصلوٰتین جائز اور مطلوب ہے۔

وشرط لصحة هذا الجمع الامام الا عظم او نائبة والا صلوا وحدانا والا حرام بالحج فيهما ای الصلوٰتین فلا تجوز العصر للمفرد فی احدهما فلو صلی وحده لم یصل العصر مع الامام ولا تجوز العصر لمن صلی الظهر بجماعة قبل احرام الحج ثم احرم الا فی وقته وقال لا یشرط لصحة العصر لا الاحرام وبه قالت الثلثة وهو الا ظهر شربلا لیه عن البرهان

جمع بین الصلوٰتین کیلئے دو شرطیں امام ابو حنیفہ کے نزدیک جمع بین الصلوٰتین کے لئے دو شرطیں ہیں ایک شرط یہ ہے کہ بادشاہ موجود ہو یا اس کا نائب اگر یہ نہ ہوں گے تو لوگ اپنی اپنی نماز علیحدہ علیحدہ پڑھیں گے اور دوسری شرط یہ ہے کہ دونوں نمازوں کے وقت لوگ احرام حج میں ہوں ایک نماز میں احرام عمرہ میں ہوں اور دوسری نماز میں احرام حج میں یا سرے سے احرام میں نہ ہوں تو جمع بین الصلوٰتین جائز نہیں ہوگی۔

چند فقہی مسائل لہذا جس نے ظہر یا عصر کی نماز تنہا پڑھی ہے اس کے لئے عصر کی نماز ظہر کے وقت میں پڑھنا جائز نہیں ہے اسی طرح جس نے ظہر کی نماز تنہا پڑھی وہ بھی امام کے ساتھ عصر کی نماز ظہر کے وقت میں نہیں پڑھ سکتا ہے، اس کو چاہئے کہ وہ عصر کی نماز اسکے وقت میں پڑھے۔

جس نے حج کے احرام سے پہلے ظہر کی نماز باجماعت پڑھی، پھر احرام باندھا تو اس کے لئے عصر کی نماز ظہر کے وقت میں

امام کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں ہے بلکہ اس کو عصر کی نماز عصر کے وقت میں پڑھنا ہوگی۔

صاحبین کہتے ہیں کہ جمع بین الصلوٰتین کے واسطے صرف ایک شرط ہے اور وہ احرام حج ہے امام کا ہونا ان کے نزدیک شرط نہیں ہے بقیہ تینوں اماموں کا بھی مذہب یہی ہے اور یہ ظاہر تر ہے مگر فتویٰ امام ابو حنیفہؒ کے قول پر ہے۔

ثم ذهب الى الموقف بغسل سن ووقف الامام على ناقته بقرب جبل الرحمة عند
الضحرات الكبار مستقبلا القبلة والقيام والنية فيه اى الوقوف ليست بشرط ولا واجب
فلو كان جالسا جاز حجه و ذلك لان الشرط الكينونه فيه فصح وقوف مجتاز وهارب
وطالب غريم ونائم ومجنون وسكران و عاد جهرا بجهد وعلم المناسك ووقف الناس
خلفة بقربة مستقبلين القبلة سامعين لقوله خاشعين باكين وهو من مواضع الاجابة وهى
يمكة خمسه عشر نظمها صاحب النهر فقال دعاء البرايا يستجاب بكعبة وملتزم والموقفين
كذا الحجر طواف وسعى مروتين وزمزم مقام وميزاب جمارك تعتبر زاد فى الباب وعند
روية الكعبة وعند السدرة والركن اليماني وفي الحجر وفي منى فى نصف ليلة البدر.

وقتوں عرفہ

وقوفِ عرفہ ظہر و عصر کی نماز سے فارغ ہو کر سنت یہ ہے کہ غسل کرے اور ٹھہرنے کی جگہ میں چلا جائے اور امام اپنی سواری پر بیٹھ کر جبلِ رحمت کے قریب بڑے بڑے کالے پتھروں کے پاس قبلہ رو ہو، یہاں قیام کے لئے وقوف کی نیت کرنا نہ شرط ہے اور نہ واجب اگر وہ موقف میں بیٹھا رہے گا تو بھی اس کا حج جائز ہو گا اور یہ جائز اس وجہ سے ہے کہ شرط صرف یہ ہے کہ وہاں موجود رہے جس طرح بھی ہو، لہذا راہ چلتے ہوئے کا ٹھہر جانا یا بھاگتے ہوئے کا ٹھہر جانا، یا مدیون کی تلاش میں نکلے ہوئے اسی طرح سوتے ہوئے اور پاگل و مست کا ٹھہر جانا اور وقوف کا پایا جانا کافی ہے اور یہ ٹھہرنا بھی شرط پوری کرنے کے لئے درست ہے اسی طرح جنبی حائضہ عورت اور جس نے جمع بین الصلوٰتین نہیں کی ہے ان سب کا وقوف بھی صحیح ہے۔

میدان عرفات میں دعا

میدان عرفات میں دعا
یہاں میدان عرفات میں بلند آواز سے دعا کرے اور خوب لگ بھڑک کر دعا میں مشغول رہے اور امام اپنی سواری پر بیٹھ کر لوگوں کو حج کے احکام بتائے اور لوگ اس کے پیچھے اس کے نزدیک ہی رہیں اس طرح کہ ان سب کا چہرہ کعبہ و قبلہ کی طرف ہو اور امام جو کچھ بیان کر رہا ہے اس کو خشوع و خضوع کے ساتھ سن رہے ہوں اور رو رو کر گڑ گڑا رہے ہوں (مَوْطَا امام مالک میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا افضل دعایوم عرفہ کی دعا ہے اور جو دعا میں نے اور مجھ سے پہلے اور پیغمبروں نے کی وہ یہ ہے کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يَحْيَى وَيَمِيتُ وَهُوَ خَيْرُ لَا يَمُوتُ بَيِّدُهُ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اس میں بظاہر توحید کا اقرار اور خدا کی حمد ہے مگر اسے دعا اس لئے فرمایا گیا کہ کریم کی تعریف کرنا درحقیقت دعا ہی ہوتی ہے فقیر کی صورت ہی سوال ہے اور اس وقت خصوصیت سے جب وہ حمد کی تعریف کر لے۔

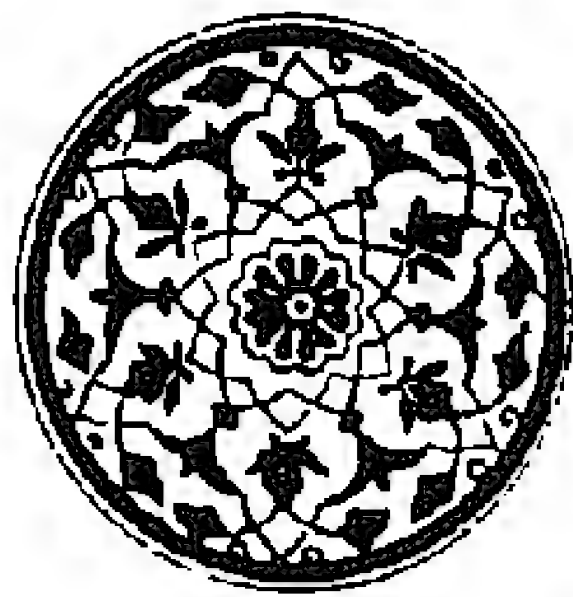
حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی علیہ وسلم کو عرفہ کے دن دیکھا کہ دونوں ہاتھوں کو پھیلائے

ہوئے ہیں اور دعاء کر رہے ہیں جیسے کھانا مانگنے والا محتاج ہاتھ پھیلا کر مانگتا ہے عرفہ کے دن دعا قبول ہونے کی بہت سی روایتیں منقول ہیں اور مختلف دعائیں حدیث میں آئی ہیں حج کی کتابیں دیکھ کر یاد کر لی جائیں دعاء کرنے میں اس دن ہر گز کوتاہی نہ ہونے پائے۔ خوب مانگے اور دارین کے لئے جو خواہش ہو سب کی درخواست کرے رب العزت کے یہاں کسی چیز کی قطعاً کوئی کمی نہیں ہے لیکن جو خدا سے مانگے صدق دل اور پورے اخلاص کے ساتھ مانگے۔

مقامات مقبولیت

عرفات ان جگہوں میں سے ایک ہے جن میں دعا قبول ہوتی ہے مکہ معظمہ میں جہاں جہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں وہ پندرہ جگہیں ہیں ان کو صاحب نہر الفائق نے نظم میں جمع کر دیا ہے ترجمہ یہ ہے کہ مخلوق کی دعا ان جگہوں میں مقبول ہوتی ہے بیت اللہ کے اندر، ملتزم میں، موقف عرفات میں، موقوف مزدلفہ میں، حجر اسود کے پاس، طواف میں، سعی کرنے میں، صفا پر، مروہ پر، زمزم کے پاس، مقام ابراہیم کے پیچھے، میزاب یعنی کعبہ کے پرئالہ کے نیچے اور تینوں حجرات کے پاس۔ (اس نظم میں اوقات کا ذکر نہیں ہے بعضوں نے اوقات کا بھی ذکر کیا ہے، وہ اس طرح ہے بیت اللہ کے اندر عصر کے وقت دونوں ستون کے آگے، ملتزم میں آدھی رات کو، عرفات میں آفتاب غروب ہونے کے وقت، مقام ابراہیم اور میزاب میں سحر کے وقت حجرات کے پاس طلوع آفتاب کے وقت، طواف میں ہر وقت، سعی بین الصفا والمروہ میں عصر کے وقت، زمزم کے پاس آفتاب ڈوبنے کے وقت، بہتر یہ ہے کہ ان جگہوں میں ہر وقت دعائیں مشغول رہے۔

طرابلسی نے لباب المناسک میں دعا قبول ہونے کے چھ مزید مواقع کا ذکر کیا ہے اس وقت جب کعبہ نظر پڑے، بیری کے درخت کے پاس، رگن یمانی کے پاس، حکیم میں حجر اسود کے پاس اور لمیدان منی میں چودھویں رات کے نصف میں طحاوی میں ہے کہ میں نے کسی کتاب میں اس درخت کا مقام نہیں دیکھا ہے کہ وہ کس جگہ ہے۔



وَإِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ أَتَى عَلَى طَرِيقِ الْمَازِمِينَ مَزْدَلِفَةَ وَحَدَّهَا مِنْ مَازِمَى عَرَفَةَ إِلَى مَازِمَى مُحَسَّرٍ وَيَسْتَحِبُّ أَنْ يَأْتِيَهَا مَاشِيًا وَ أَنْ يَكْبُرَ وَيَهْلُلَ وَ يَحْمَدُ وَ يَلْبِي سَاعَةَ فَسَاعَةَ وَالْمَزْدَلِفَةَ كُلُّهَا مَوْقِفُ الْإِرَادَى مُحَسَّرٌ هُوَ وَادٍ بَيْنَ مَنَى وَ مَزْدَلِفَةَ فَلَوْ وَقَفَ بِهِ أَوْ بِيْطْنِ عَرَفَةَ لَمْ يَجْزِ عَلَى الْمَشْهُورِ

مزدلفہ کو قیام عرفات میں ۹/۱۲ ذی الحجہ کو جب آفتاب غروب ہو جائے تو وہاں سے مزدلفہ مازمین کے راستہ آئے اور اس کی حد (مازمین عرفات سے مازمین محسّر تک ہے مازمین (تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ) مزدلفہ اور عرفات کے درمیان ایک تنگ راستہ ہے۔ اور دوسرا مازمین یعنی تنگ راستہ منیٰ اور مکہ کے درمیان ہے کذا فی القاموس۔ اور دلائل الاسرار کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ مازمین عرفات اور مزدلفہ کے درمیان ایک پہاڑ کا نام ہے۔

مستحب یہ ہے کہ عرفات سے مزدلفہ پیدل چل کر آئے، اور ہر تھوڑے تھوڑے وقفہ سے راستہ میں اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ الحمد للہ۔ اور لبیک اللہم لبیک الح کی صدا لگاتا رہے، بعضوں نے لکھا ہے کہ راستہ میں بکثرت استغفار بھی کرے جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے ثُمَّ أَفِضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔

وادی محسّر کو چھوڑ کر مزدلفہ پورا کا پورا قیام کی جگہ ہے، جہاں چاہے قیام کرے، وادی محسّر میں قیام جائز نہیں ہے، محسّر مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان ایک نالہ ہے اگر کوئی محسّر یا بطن غرنہ میں ٹھہرے گا، تو وہ اس کے لیے جائز نہیں ہوگا۔ مشہور قول یہی ہے (محسّر میم کے پیش اور سین کی تشدید و کسرہ کے ساتھ اس وادی کا نام ہے جہاں اصحاب الانیل غارت ہوئے۔ اس لفظ کے لغوی معنی تھکا دینے والے کے ہیں۔)

و نَزَلَ عِنْدَ جَبَلِ قَرْحٍ بَضْمٌ فَفَتْحٌ لَا يَنْصَرِفُ لِلْعِلْمِيَّةِ وَالْعَدَلِ مِنْ قَارِحٍ بِمَعْنَى مُرْتَفِعٍ وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ الْمَشْعَرُ الْحَرَامُ وَ عَلَيْهِ مِيقَدَةُ قَيْلِ كَانُونَ آدَمَ وَ صَلَّى الْعِشَاءَيْنِ بَازَانَ وَ أَقَامَةَ لَانَ الْعِشَاءِ فِي وَقْتِهَا فَلَمْ يَحْتَجْ لِلْأَعْلَا كَمَا لَا احتِجَاجَ هُنَا لِلْإِمَامِ وَلَوْ صَلَّى الْمَغْرِبَ فِي الطَّرِيقِ أَوْ فِي عَرَفَاتٍ أَعَادَهُ لِلْحَدِيثِ الصَّلَاةُ إِمَامُكَ

قیام مزدلفہ مزدلفہ میں قزح پہاڑ کے پاس اترے۔ قزح کے معنی بلندی کے ہیں۔ اور صحیح تر قول یہ ہے کہ مشعر الحرام یہی قزح پہاڑی ہے، اس پہاڑ پر آگ جلنے کی ایک جگہ ہے، بعضوں کا کہنا ہے کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی بھٹی ہے، قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ جب تم عرفات سے پلٹو تو مشعر الحرام کے پاس حق تعالیٰ کو یاد کرو۔ اسی وجہ سے شارح نے یہاں بتایا کہ مشعر الحرام سے قزح پہاڑ مراد ہے۔

مزدلفہ پہنچ کر نوب اور عشاء کی نماز پڑھی جائے گی۔ یہاں اذان بھی ایک ہوگی اور تکبیر بھی ایک ہی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عشاء کی نماز اپنے وقت میں ادا ہو رہی ہے لہذا اطلاع اور خبردار کرنے کی ضرورت نہیں، جس طرح یہاں جمع بین الصلوٰتین کے لیے امام کی بھی شرط نہیں ہے اور نہ اس کی ضرورت پہلے عرفات میں جمع بین الصلوٰتین کے موقع پر پڑھ چکے ہیں کہ اذان تو ایک ہوگی مگر تکبیریں دو۔ یہاں مزدلفہ میں اذان بھی ایک ہوگی اور تکبیر بھی ایک ہی، وہاں ظہر کے وقت میں پہلے

ظہر کی نماز تھی پھر اسی وقت میں عصر کی، یہاں مزدلفہ میں عشاء کے وقت کے اندر پہلے مغرب کی نماز ہوگی پھر عشاء کی، وہاں دوسری نماز اپنے وقت میں نہیں تھی بلکہ وقت سے پہلے تھی یہاں دوسری نماز اپنے وقت میں ہو رہی ہے، اور لوگ جمع ہیں اس لیے دوسری تکبیر کی ضرورت نہیں، یہاں مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی فرض نمازوں کے درمیان کوئی دوسری نماز نہیں پڑھی جائے گی، مغرب و عشاء کی سنتیں اور وتر عشاء کے فرض کے بعد پڑھی جائیں گی۔

راستہ میں نماز کی اجازت نہیں اگر کوئی مغرب یا عشاء کی نماز راستہ میں مزدلفہ پہنچنے سے پہلے پڑھ لے گا عرفات میں تو وہ اس کے لیے کافی نہیں ہوگی۔ بلکہ اعادہ کرنا ہوگا۔ یعنی ان نمازوں کو مزدلفہ پہنچ کر دوبارہ ادا کرے گا۔ اس حدیث کے پیش نظر جس میں فرمایا گیا ہے کہ نماز ترے آگے ہے (صحیحین میں حضرت اسامہ بن زیدؓ کی روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ جب عرفات سے روانہ ہوئے تو راستے میں ایک جگہ اترے اور استنجا (پیشاب) کیا، اور ناقص وضو فرمایا۔ میں نے عرض کیا حضرت! نماز پڑھ لیجیے، آپ نے فرمایا نماز ترے آگے ہے، پھر آپ سوار ہوئے تا آنکہ مزدلفہ تشریف لائے۔ یہاں پہنچ کر آپ نے مکمل وضو فرمایا پھر مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب اور عشاء کی نماز نہ عرفات میں درست ہے اور نہ مزدلفہ کے راستہ میں۔)

فتوفا بالزمان والمكان والوقت فالزمان ليلة النحر والمكان مزدلفة والوقت وقت العشاء حتى لو وصل الى مزدلفة قبل العشاء لم يصل المغرب حتى يدخل وقت العشاء فتصلح لغزا من وجوه ما لم يطلع الفجر فيعود الى الجواز وهذا اذا لم يخف طلوع الفجر في الطريق فان خافه صلاهما ولو صلى العشاء قبل المغرب بمزدلفة صلى المغرب ثم اعاد العشاء فان لم يعدها حتى ظهر الفجر عاد العشاء الى الجواز وينوي المغرب اداء و يترك سنتها و يحييها فانها اشرف من ليلة القدر كما افتي به صاحب النهر وغيره وجزم شراح البخاري سيما القسطلاني بان عشر ذي الحجة افضل من العشر الاخير من رمضان

مغرب و عشاء کی نماز مزدلفہ میں مذکورہ حدیث کی رو سے مغرب اور عشاء کی نماز، زمان و مکان کے اعتبار سے معین ہوگی لہذا ان کا زمانہ یوم النحر کی رات ہے، اور جگہ مزدلفہ ہے اور وقت مخصوص جس میں نماز ادا ہوگی عشاء کا وقت ہے اس وقت میں دونوں وقتوں کی نماز علی الترتیب ادا کی جائے گی پہلے مغرب کی نماز مؤخر کر کے عشاء کے وقت میں پڑھی جائے گی پھر عشاء کی نماز اپنے اسی وقت میں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی مزدلفہ میں عشاء کے وقت سے پہلے پہنچ جائے تو وہ مغرب کی نماز اُس وقت تک نہیں پڑھے گا جب تک عشاء کا وقت نہ ہو جائے یہ مسئلہ چند وجوہ سے چیتاں کے بھی لائق ہے کہ جواب میں فقیہ کو تھوڑی حیرانی ہوگی۔

چیتاں طحاوی سے وہ سوال و جواب یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

سوال: کون فرض نماز ہے جس میں نہ اذان ہے نہ اقامت! جواب: وہ مزدلفہ میں عشاء کی نماز ہے بشرطیکہ مغرب اور عشاء میں فاصلہ نہ ہو، سوال: وہ کون نماز ہے جو بے وقت پڑھی جائے اور قضاء بھی نہ ہو۔ بلکہ ادا ہی ہو؟ جواب:

مزدلفہ میں مغرب کی نماز جو بوقت عشاء پڑھی جاتی ہے۔ سوال: وہ کون نماز ہے جو اپنے وقت میں پڑھی جانے کے باوجود واجب الاعادہ ہوتی ہے۔ جواب: مزدلفہ کی وہ نماز مغرب اور عشاء جو مزدلفہ کے راستہ میں پڑھی جائے یا میدان عرفات میں۔ سوال: کون نماز عشاء ہے جس کو صاحب ترتیب مغرب سے پہلے پڑھ لے گا تو بھی درست ہوگی۔؟ جواب: مزدلفہ کی وہ نماز عشاء جو اپنے اخیر وقت میں پڑھی گئی پھر صبح صادق ہو گئی۔ سوال: کون نماز ہے جس کا ایک خاص جگہ میں پڑھنا واجب ہے؟ جواب: مزدلفہ کو جاتے ہوئے جو نماز مغرب و عشاء آتی ہے۔

نماز مغرب و عشاء راستہ میں کب جائز ہے عرفات سے مزدلفہ چلتے ہوئے راستہ میں نماز مغرب و عشاء اُس وقت تک پڑھنے کی اجازت نہیں جب تک راحتہ میں صبح

صادق کے طلوع کا خوف نہ ہو، اگر اس کا خدشہ ہو تو ایسی صورت میں مغرب و عشاء کا راستہ میں پڑھنا جائز ہوگا۔ ان دونوں نمازوں کے راستہ میں پڑھنے پر اعادہ کا حکم اُس وقت ہے جب صبح صادق کے طلوع ہونے کا خوف نہ ہو صبح صادق کے طلوع کے خوف کے وقت راستہ میں پڑھنے سے اعادہ واجب نہیں اس لیے کہ اعادہ کا حکم جمع بین الصلوٰتین کی وجہ سے تھا کہ دونوں نمازیں عشاء کے وقت میں ایک ساتھ پڑھ لی جائیں وہ وقت اب باقی نہیں رہا۔

مزدلفہ میں نمازوں کے اندر ترتیب اگر کوئی مزدلفہ پہنچ کر مغرب سے پہلے عشاء کی نماز پڑھ لے گا تو وہ پھر پہلے مغرب کی نماز پڑھے گا پھر عشاء کی نماز کو دوبارہ ادا کرے گا۔ لیکن

اگر ایسا نہیں کیا اور عشاء کی نماز دوبارہ نہیں پڑھی تا آنکہ فجر ظاہر ہو گئی تو وہ مغرب سے پہلے پڑھی ہوئی نماز عشاء جائز ہو جائے گی (امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے ظہر کی نماز چھوڑ دی اور اس کے یاد رہتے ہوئے اس کے بعد پانچ وقتوں کی نماز پڑھی تو اس کی پانچوں نمازیں اُس وقت جائز ہو جائیں گی۔)

عشاء میں وقت مغرب کی ادائیگی اور اس کی نیت مزدلفہ میں عشاء کے وقت جو مغرب کی نماز پڑھی جائے گی اس میں ادا کی نیت ہوگی قضا کی

نہیں اس وقت مغرب کی سنتوں کو چھوڑ دے گا، صحیح تر قول یہی ہے۔

عشرہ اول ذی الحجہ کی فضیلت مزدلفہ پہنچ کر شب بیداری کرے اور ذکر اللہ میں مشغول رہے کیونکہ یہ رات شب قدر سے زیادہ افضل ہے چنانچہ صاحب نہر الفائق نے اسی پر فتویٰ دیا ہے کسی

نے ان سے پوچھا کہ لیلۃ النحر (قربانی کی رات) لیلۃ الجمعہ سے اشرف ہے یا نہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ میرا رجحان یہی تھا کہ اشرف ہے پھر میں نے جوہرہ نیرہ میں دیکھا کہ لیلۃ النحر سارے سال کی راتوں سے افضل ہے۔

صحیح بخاری کے شارحین بالخصوص علامہ قسطلانی یقین کے ساتھ فرماتے ہیں کہ ذی الحجہ کے دس پہلے دن رمضان کے اخیر عشرہ سے افضل ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی دن ایسا نہیں، جس میں عمل صالح خدا کے نزدیک ذی الحجہ کے دس دنوں سے زیادہ محبوب ہوں، اور دوسری روایت میں ہے کہ عشرہ ذی الحجہ میں عمل کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت محبوب ہے لہذا ان دنوں میں تسبیح و تہلیل اور تحمید کی کثرت رکھو۔

وصلی الفجر بغسل لاجل للوقوف ثم وقف بمزدلفة ووقته من طلوع الفجر الى طلوع الشمس ولو مارا كما في عرفة لكن لو تركه بعد كزحمة لا شيء عليه وكبر وهلل ولبى وصلی علی المصطفی ودعا واذا اسفر جدا اتی منی مهلا مصليا فاذا بلغ بطن محسر اسرع قدر رمية حجر لانه موقف النصارى ورمى جمرة العقبة من بطن الوادی و يكره تنزيها من فوق سبعا خذفا بمعجمتين ای برؤس الاصابع ويكون بينهما خمسة اذرع ولو وقعت على ظهر رجل او جمل ان وقعت بنفسها بقرب الجمرة جاز والا لا وثلاثة اذرع بعيد وما دونه قريب جوهره وكبر بكل حصاة ای مع كل

قیام مزدلفہ مزدلفہ میں فجر کی نماز اندھیرے میں صبح صادق ہوتے ہی پڑھے، تاکہ مزدلفہ میں وقوف ہو نماز فجر کے بعد مزدلفہ میں قیام صبح صادق کے طلوع سے لے کر طلوع آفتاب تک ہے گو بطور گزر ہو، جیسا کہ عرفات میں حکم ہے لیکن اگر کوئی بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے مزدلفہ میں قیام نہ کر سکے تو اس پر دم وغیرہ نہیں ہے۔

مزدلفہ میں اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ اور تلبیہ بکثرت جاری رکھے، اور سرور کائنات ﷺ پر درود بھی بھیجتا رہے اور اپنے لیے دعا کرتا رہے، غفلت سے ہرگز کام نہ لے کیونکہ بار بار اس کا موقع نہیں آتا ہے۔

منیٰ کی طرف روانگی صبح جب خوب روشن ہو جائے تو کلمہ توحید اور درود پڑھتا ہوا منیٰ کی طرف روانہ ہو جب محرم پہنچے تو پتھر پھینکنے کی طرح تیز تیز چلے، کیونکہ یہ جگہ نصاریٰ کے ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ اسی جگہ اصحاب الفیل برباد و ہلاک ہوئے تھے، ان پر خدا کا غضب نازل ہوا تھا، لہذا ایسی معتب و مغضوب جگہ سے جلد بھاگنے کی ہی کوشش کرنا چاہیے۔

جمرات پر کنکریاں مارنا جب منیٰ پہنچ جائے تو بطن وادی سے جمرہ کو سات کنکریاں انگلیوں کے سرے سے مارے اور نالے کے اوپر سے مارنا مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ یہ سنت کے خلاف ہے، جمرہ کی جمع جمار ہے چھوٹی چھوٹی کنکریوں کو کہتے ہیں اور منیٰ میں جمار ان تین جگہوں کے نام ہیں جہاں جہاں کنکریاں مارتے ہیں، ایک کو جمرہ اولیٰ کہتے ہیں جو مسجد خیف کے پاس ہے دوسرا جمرہ وسطیٰ کہا جاتا ہے اور تیسرا جمرہ العقبة۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام حج کے ارکان ادا کرنے آئے تو شیطان جمرہ العقبة کے پاس سامنے آکھڑا ہوا، ابراہیم علیہ السلام نے اسے سات کنکریاں پھینک کر ماریں۔ تاکہ وہ زمین کے اندر دھنس گیا پھر جمرہ ثانیہ کے پاس سامنے آیا، آپ نے پھر سات کنکریاں اٹھا کر اس کو ماریں، وہ زمین میں دھنس گیا، جب آپ جمرہ ثالثہ کے پاس پہنچے تو شیطان یہاں پھر ظاہر ہوا، آپ نے پھر اسے سات کنکریاں ماریں وہ زمین کے اندر دھنس گیا یہ حاجیوں کا کنکریاں مارنا اسی کی یاد کو تازہ کرنا ہے۔

کنکریاں اتنی دور سے مارے کہ مارنے والے اور جمرہ میں صرف پانچ ہاتھ کا فاصلہ ہو بعض کتابوں میں ہے کہ اس قدر فاصلہ رہنا ضروری ہے۔

ایک شخص نے کنکری ماری اور وہ کسی مرد یا کسی اونٹ کی پیٹھ پر گری، اگر وہ کنکری وہاں سے خود جمرہ کے پاس گر جائے تو جائز ہے، اور اگر اس کے قریب نہیں گری تو جائز نہیں، یعنی یہ کنکری مارنا حساب میں داخل نہیں ہوگا۔ اس کی جگہ دوسری کنکری مارنا ہوگی کنکری کا جمرہ سے تین ہاتھ کی دوری پر گرنا بعید (دور ہونے میں) داخل ہے، اور اس سے کم فاصلہ پر گرنا قریب کے حکم میں ہے اور ہر کنکری مارتے ہوئے اللہ اکبر کہنا چاہیے۔ بعض کتابوں میں ہے کہ مارتے وقت یوں کہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَفْهَمُ لِلشَّيْطَانِ وَ جِزْبِهِ۔

مِنْهَا وَقَطَعَ التَّلْبِيَةَ بِأُولَٰهَا فَلَوْ رَمَىٰ بِأَكْثَرِ مِنْهَا أَيْ السَّبْعِ جَازَ لَا لَوْ رَمَىٰ بِأَلَا قِلَ فَاَلْتَقْيِدَ بِالسَّبْعِ لَمَنْعَ النِّقْصِ لَا لِلزِّيَادَةِ وَجَازَ الرَّمَىٰ بِكُلِّ مَا كَانَ مِنْ جَنْسِ الْأَرْضِ كَالْحَجَرِ وَالْمَدَرِ وَالطِّينِ وَالْمَغْرَةِ وَ كُلِّ مَا يَجُوزُ التِّيمُّمُ بِهِ وَلَوْ كَفَا مِنْ تَرَابٍ لِيَقُومَ مَقَامَ حَصَاةٍ وَاحِدَةٍ لَا يَجُوزُ بِخَشَبٍ وَ عَنَبٍ وَلَوْ لَوْ كِبَارٍ وَجَوْهَرٍ لِأَنَّهُ اعْتَازَ لَا أَهَانَةَ وَقِيلَ يَجُوزُ وَذَهَبٌ وَفِضَّةٌ لِأَنَّهُ يُسَمَّى نَثَارًا لَا رَمِيًا وَبَعَرٌ لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ جَنْسِ الْأَرْضِ وَ مَا فِي فُرُوقِ الْأَشْيَاءِ مِنْ جَوَازِهِ بِالْبَعَرِ خِلَافَ الْمَذْهَبِ وَيَكْرَهُ اخْذَهَا مِنْ عِنْدِ الْجَمْرَةِ لِأَنَّهَا مُرَدُّودَةٌ لِحَدِيثٍ مِنْ قِبَلِ حُجَّتِهِ رَفَعَتْ جَمْرَتَهُ

پہلی کنکری مارنے کے ساتھ تلبیہ کہنا بند کر دے گا (صحیحین کی حدیث میں ہے کہ رسول خدا ﷺ برابر لبیک کہتے رہے، تا آنکہ جمرۃ العقبہ کی رمی کی یعنی یہاں کنکری مارتے ہی بند فرمادی، اس حکم میں مفرد، متمتع اور قارن سب داخل ہیں۔

اگر کوئی سات کنکریوں سے زیادہ مارے تو یہ اس کے لیے جائز ہے البتہ سات سے کم مارنا جائز نہیں ہے، گویا سات کی قید لگانا کی کوروکنے کے لیے ہے زیادتی کو روکنے کے لیے نہیں۔

رمی کن چیزوں سے جائز ہے ہر اُس چیز سے کنکری مارنا درست ہے جو زمین کی جنس سے ہو۔ جیسے پتھر، ڈھیلا، مٹی اور گيرو۔ اور اس چیز سے جس سے تیمم کرنا جائز ہے اگرچہ ایک مٹھی مٹی ہی کیوں نہ ہو۔ کہ وہ ایک کنکری کے قائم مقام ہوگی، کنکری مارنے میں لکڑی، عنبر، بڑے موتی اور جواہرات کا استعمال جائز نہیں ہے کہ ان چیزوں سے رمی کی جائے۔ کیوں کہ ان چیزوں سے مارنے میں بجائے اس کی توہین و تذلیل کے عزت دینا ہے اور یہ طے ہے کہ یہاں مقصود شیطان کو ذلیل کرنا ہے، ایک کمزور اور ضعیف قول یہ ہے کہ جواہرات سے رمی کرنا درست ہے۔

اسی طرح چاندی، سونے سے رمی کرنا بھی جائز نہیں ہے، اس لیے کہ سونا چاندی پھینکنے کو مارنا نہیں نثار اور نچھاور کرنا کہتے ہیں، میٹنی سے مارنا بھی درست نہیں اس لیے کہ وہ زمین کی جنس سے نہیں ہے، جہاں میٹنی سے مارنا جائز لکھا ہے وہ مذہب احناف کے خلاف ہے۔

کنکریاں کہاں لینا چاہیے کنکریوں کا جمرہ کے پاس سے اٹھانا اور لینا مکروہ ہے اس وجہ سے کہ جو کنکریاں وہاں پڑی رہتی ہیں وہ مردود ہیں مقبول نہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جس کا حج مقبول ہوتا

ہے اس کی کنکریاں اٹھالی جاتی ہیں (بعض کتابوں میں جو یہ مذکور ہے کہ کنکریاں مزدلفہ سے لائے یا اس پہاڑ سے جو مزدلفہ اور منی کے درمیان ہے سو یہ سنت نہیں ہے، بلکہ جہاں سے چاہے کنکریاں اٹھالے صرف جمرات کے پاس سے نہ لے۔

حج مقبول کی ایک علامت حضرت سعید بن جبیرؓ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے وقت سے جمرات پر کنکریاں برابر ماری جارہی ہیں، چاہیے تو یہ تھا کہ کنکریوں کے بڑے اونچے پہاڑ بن جاتے، آخر ایسا ڈھیر وہاں کیوں نہیں ہوتا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جواب میں فرمایا کہ کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ جس شخص کا حج مقبول ہوتا ہے، اس کی کنکریاں وہاں سے اٹھالی جاتی ہیں اور جس کا حج مقبول نہیں ہوتا اس کی پڑی رہتی ہیں، راوی کا بیان ہے کہ جب میں نے حضرت عبداللہؓ سے یہ بات سنی، تو میں نے جمرات پر کنکری مارنے سے پہلے اپنی کنکریوں پر نشانات بنالئے اور پھر ان نشان زدہ کنکریوں سے جمرات کو مارا، حج کے بعد میں نے ان کنکریوں کو جمرات پر بہت تلاش کیا مگر وہ مجھے وہاں نہیں ملیں کذا فی فتح القدیر

و یکرہ ان یلتقط حجرا واحدا فیکسره سبعین حجرا صغیرا و ان یرمی بمتنجستہ یقین و وقتہ من الفجر الی الفجر و لیس من طلوع ذکاء لزوالها و یباح لغروبها و یکرہ للفجر ثم بعد الرمی ذبح ان شاء لانه مفرد ثم قصر بان یاخذ من کل شعرة قدر الانملة وجوبا و تقصیر الكل مندوب والربع واجب و یجب اجراء الموسیٰ علی الاقرع و ذی قروح ان امکن والاسقط و متی نعدر احدهما للعارض تعین الآخر فلو لبده بصمغ بحیث تعدر التقصیر تعین الحلق بحر وحلقه الكل افضل ولو ازاله بنحو نورة جاز وحل له کل شیء الا النساء قبیل والطیب والصيد

مکروہ طریقہ یہ بھی مکروہ ہے کہ حاجی ایک پتھر اٹھا کر اس کو توڑے اور چھوٹے چھوٹے ستر ٹکڑے کرے اور ان سے رمی کرے اسی طرح جن کنکریوں کے متعلق یقین کے ساتھ معلوم ہو کہ نجس ہے، ان سے مارنا بھی مکروہ ہے۔

کنکری مٹر کے برابر ہو کنکری کس مقدار کی ہو، اس میں اختلاف ہے، مختار قول یہ ہے کہ بالقلأ (مٹر) کے برابر ہو، اور اگر اس سے بڑی ہو یا چھوٹی تو اسے مارنا بھی جائز ہے، تمام جمرات پر جو کنکریاں ماری جاتی ہیں ان کی مجموعی تعداد ستر ہوتی ہے، جمرۃ العقبہ پر قربانی کے دن سات کنکریاں مارتے ہیں اور منی کے تین دنوں میں ہر دن تینوں جمرات پر سات سات کنکریاں مارتے ہیں اس طرح کل مالک ستر ہوتی ہیں، بعض علماء نے کہا کہ کنکریوں کا دھولینا مستحب ہے تاکہ یقین سے معلوم ہو جائے کہ وہ پاک ہیں۔ مگر اس میں خواہ مخواہ کا ایک تکلف ہے، کیونکہ فقہاء کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ الیقین لایزول بالشک۔

رمی کا وقت جمرۃ العقبہ کی رمی کا وقت دسویں تاریخ کی فجر سے گیارہویں کی فجر تک ہے اور مسنون وقت آفتاب کے نکلنے کے بعد سے لے کر دوپہر کے ڈھلنے تک ہے اور مباح وقت زوال سے لے کر غروب آفتاب تک، اور اس کے بعد غروب آفتاب سے فجر تک مکروہ وقت ہے، اسی طرح دسویں تاریخ میں آفتاب نکلنے سے پہلے رمی کرنا مکروہ ہے۔

قربانی جمرۃ العقبہ پر سنگری مارنے کے بعد مفرد یعنی صرف حج کرنے والے کو قربانی کرنے کا اختیار ہے اس پر واجب نہیں اس وجہ سے کہ جو فقط حج کر رہا ہے اس پر جانور ذبح کرنا واجب نہیں ہے، ہاں افضل ضرور ہے، البتہ قارن اور متمتع جو حج و عمرہ دونوں کرے اس پر جانور کی قربانی واجب ہے۔

بال کٹانا قربانی کے بعد سر کے بال کتروائے، اس طرح کہ ہر بال سے انگلی کے پور برابر کاٹے، اس قدر کاٹنا واجب ہے، اور تمام بال اتروادینا مستحب ہے۔

جس کے سر پر بال نہ ہو، اس پر استرہ^۱ جب ہے، اگر اس میں اس کو کوئی اذیت نہ ہو اور اگر زخم وغیرہ ہو اور استرہ نہ پھر کے تو اس صورت میں استرہ پھیرنا معاف ہے۔

بال چھوٹا کرنا اور مونڈوانا ان میں سے جو اس کے لیے آسان ہو وہ متعین ہو جاتا ہے اگر چھوٹا کرنا دشوار ہو تو مونڈوانا متعین ہو جائے گا اور اگر مونڈوانا دشوار ہے، تو بال کا چھوٹا کرنا متعین ہو جائے گا، اب اگر کسی نے اپنے بالوں کو گوند سے اس طرح چکالیا ہو کہ اس کا چھوٹا کرنا دشوار اور مشکل ہو، تو پھر اس کے لیے مونڈوادینا ہی متعین ہو گا اور یہ لازم ہو گا کیونکہ دونوں میں سے کسی ایک کا کرنا بہر حال ضروری ہے، اور پورے سر کا منڈوانا افضل ہے، اگر کوئی چوٹیا کوئی اور چیز لگا کر سر کے بال جڑ سے اکھاڑ ڈالے تو یہ بھی جائز ہے، جب سر کے بال منڈوانے یا کٹانے سے فراغت ہو جائے تو اللہ اکبر کہے اور جو دعائیں اس سلسلہ کی یاد ہوں ان کو پڑھ لے، اور مستحب یہ ہے کہ کٹے ہوئے بالوں کو کہیں دفن کر دے، سر منڈوانے میں اس کا خیال رکھے کہ اسے دائیں طرف سے شروع کیا جائے۔

ممنوع چیزوں کا حلال ہونا جب قربانی کے بعد سر کے بال اتر گئے تو اب اس کے لیے عورتوں کو چھوڑ کر احرام کے بعد جو چیزیں ممنوع ہو گئی تھیں، وہ سب حلال ہو جائیں گی، اور ایک ضعیف قول یہ ہے کہ عورتوں کی طرح خوشبو اور شکار بھی حلال نہیں ہو گا (حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم نے رمی، طلق اور ذبح کر لیا تو تمہارے لیے ساری چیزیں حلال ہو گئیں سوائے عورت کے کہ وہ اس کے بعد بھی حلال نہیں۔)

ثم طاف للزيارة يوما من ايام النحر الثلاثة بيان لوقته الواجب سبعة بيان للاكمل و الا فاله كن اربعة بلا رمل ولا سعى ان كان سعى قبل هذا الطواف والا فعلهما لان تكرارهما لم يشرع و طواف الزيارة اول وقته بعد طلوع الفجر يوم النحر وهو فيه اى الطواف فى يوم النحر الاول افضل و يمتد وقته الى آخر العمر وحل له النساء بالحلق السابق حتى لو طاف قبل الحلق لم يحل له شيء فلو قلم ظفره مثلا كان جنابة لانه لا يخرج من الاحرام الا بالحلق فان اخره عنها اى ايام النحر ولياليها منها كره تحريما ووجب دم لترك الواجب وهذا عند الامكان فلو طهرت الحائض ان قلر اربعة اشواط ولم تفعل لزم دم والا لا

طواف زیارت پھر قربانی کے تین دنوں میں سے جس دن چاہے طواف زیارت کرے، مگر یہ طواف کے واجب وقت کا بیان ہے طواف زیارت بھی دوسرے طوافوں کی طرح سات شوٹ (چکر) ہے، اور کامل طواف سات

چکر ہی کو کہا جاتا ہے، یوں رکن چار شوط (چکر) سے ادا ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ اکثر حصہ ہے طواف زیارت کو طواف النحر، طواف الرکن اور طواف الافاضہ بھی کہتے ہیں۔

اگر پہلے سعی کر چکا ہے تو طواف زیارت میں نہ رمل ہے اور نہ سعی، بلارمل اور بغیر سعی یہ طواف کرے گا کیونکہ تکرار جائز نہیں، اور اگر پہلے سعی نہیں کی ہے تو پھر طواف زیارت میں رمل بھی کرنے گا اور سعی بھی۔

طواف زیارت کا ابتدائی وقت ۱۰ ارذی الحجہ کی صبح صادق طلوع ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور قربانی کے اسی پہلے دن میں طواف کرنا افضل ہے، صحیح مسلم میں عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یوم النحر (۱۰ ارذی الحجہ) کو طواف افاضہ کیا، پھر منیٰ کو روانہ ہو گئے، طواف زیارت کا وقت آخر عمر تک مستحب ہے، یعنی تمام عمر میں جب طواف کرے گا۔ فرض ادا ہو جائے گا۔

طواف زیارت کر لینے کے بعد عورتیں بھی حلال ہو جائیں گی، اس سر منڈوانے کی وجہ سے جو **عورت کا حلال ہونا** پہلے وہ کر چکا ہے، ماحصل یہ ہے کہ سب اصل بال کا منڈوانا یا کتر وانا ہے مگر عورتوں کے حلال ہونے کا وقت طواف زیارت کے بعد آتا ہے، چنانچہ اگر کوئی بال نہ کٹائے اور طواف زیارت کرے تو کوئی چیز اس پر حلال نہیں ہوگی۔ حتیٰ کہ اگر ناخن بھی تراشے گا تو بھی گتہ گار ہوگا، کیونکہ بغیر حلق کیے محرم اپنے احرام سے نہیں نکلتا ہے۔

اگر طواف زیارت ایام نحر کے بعد **طواف زیارت ایام نحر کے بعد** کرے گا تو اس کا یہ فعل مکروہ تحریمی کہا جائے گا، اور ترک واجب کی وجہ سے اس پر دم لازم آئے گا، مگر یہ دم اس وقت لازم ہو گا جب ان دنوں میں اس کے لیے طواف کرنا ممکن رہا ہو۔

لہذا اگر کوئی عورت جس کو اس وقت حیض آگیا تھا ۱۲ ارذی الحجہ کو اس وقت پاک ہوئی کہ غروب آفتاب سے پہلے چار چکر لگا سکتی تھی اور پھر بھی طواف کے یہ چکر نہیں لگائے، تو اس پر دم لازم آئے گا، اور اگر پاک ہونے کے بعد چار چکر لگانے کا وقت باقی نہیں رہا تھا، یا وہ پاک ہی نہیں ہوئی تھی تو اس پر دم لازم نہیں۔

ثم اتى منى فبيت بها للرمى و بعد زوال ثانی النحر رمى الجمار الثلاث يبدأ استنانا مما يلي مسجد الخيف ثم بما يليه الوسطى ثم بالعقبة سبعا سبعا ووقف حامدا مهلا مكبرا مصليا قدر قراءة البقرة بعد تمام كل رمى بعده رمى فقط فلا يقف بعد الثالثة ولا بعد رمى يوم النحر لانه ليس بعده رمى ودعا لنفسه وغيره رافعا كفيه نحو السماء او القبلة

طواف زیارت سے فارغ ہو کر حاجی منیٰ آئے گا اور یہیں رات گزارے گا تاکہ وہ رمی جمار کر سکے، منیٰ کے علاوہ کہیں اور یہ رات گزارنی مکروہ ہے، اور یوم النحر کے دوسرے دن یعنی گیارہویں ذی الحجہ کو بعد زوال (دوپہر ڈھلنے کے بعد) تینوں جمرات پر کنکریاں مارے گا۔ ابتداء اس جمرہ سے کرے گا جو مسجد خیف کے پاس ہے مسنون یہی ہے، اور اس کو جمرہ اولیٰ کہتے ہیں، پھر اس جمرہ پر کنکریاں پھینکے جو جمرہ اولیٰ سے قریب ہے، جس کو جمرہ الوسطیٰ کہتے ہیں ان دو جمرات کے درمیان ۳۵ ہاتھ کا فاصلہ ہے، پھر جمرہ عقبہ پر رمی کرے، تینوں جمرات پر سات سات کنکریاں مارے گا اور ہر کنکری مارتے وقت زبان سے اللہ اکبر کہے گا، اس جمرہ اور پہلے دونوں میں فاصلہ ۴۸ ہاتھ ہے اور جو شخص بیمار یا بے ہوش ہو گا اس کی

طرف سے دوسرا آدمی کنکریاں مارے گا۔ رمی جمرات میں یہ ترتیب سنت ہے واجب نہیں۔

جرمہ پر ٹھہرنا جرمہ اولیٰ اور جرمہ وسطیٰ پر کنکریاں مارنے کے بعد وہاں تھوڑی دیر ٹھہرا رہے اور کلمہ توحید، اللہ اکبر اور الحمد للہ کا ورد کرتا رہے اور آنحضرت ﷺ پر درود بھی بھیجتا رہے، اتنی دیر وہاں توقف کرے جتنی دیر میں پوری سورہ بقرہ آدمی پڑھ سکتا ہو، اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ بیس آیتیں پڑھنے کی مقدار ٹھہرے یہ آسان ہے، جرمہ عقبہ پر رمی کے بعد نہیں ٹھہرنا چاہیے، اس لیے کہ اس کے بعد رمی نہیں ہے اور ٹھہرنا وہاں ہے جس کے بعد رمی ہو، یوم النحر کی رمی کے بعد ٹھہرنا نہیں چاہیے۔ اس لیے کہ اس کے بعد بھی رمی نہیں۔

اور اپنے اور غیر کے واسطے دونوں ہتھیلیاں آسمان کی طرف اٹھا کر دعا کرے جیسا کہ نماز کے ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں یا دعا کے وقت ہاتھوں کو عقبہ معظمہ کی طرف کرے۔

ثم رمی غدا كذلك ثم بعده كذلك ان مكث وهو و ان قدم الرمي فيه اى فى اليوم الرابع على الزوال جاز فان وقت الرمي فيه من الفجر للغروب و اما فى الثانى والثالث فمن الزوال لطلوع ذكاء وله النفر من منى قبل طلوع فجر الرابع لا بعده لدخول وقت الرمي و جاز الرمي كله راكبا ولكنه فى الاولين الاولى والوسطى ماشيا افضل لانه يقف لا فى الاخيرة اى العقبة لانه ينصرف والراكب اقدر عليه واطلق افضلية المشى فى الظهيرية ورجحه الكمال وغيره

دوسرے دن رمی جمرات پھر دوسرے دن بھی جمرات ثلاثہ کی رمی کرے۔ اسی طرح بارہویں کو پھر تیرہویں کو جب وہ وہاں ٹھہرے، مختصر یہ کہ تینوں دن تینوں جمرات پر سات سات کنکریاں مارے گا۔ اور تیرہویں کو منیٰ میں رہنا مستحب ہے، اگر تیرہویں کو دوپہر ڈھلنے سے پہلے رمی کرے تو یہ بھی جائز ہے اس لیے تیرہویں کو رمی (کنکریاں مارنے) کا وقت طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک ہے، البتہ گیارہویں اور بارہویں کو رمی کا وقت زوال آفتاب سے لے کر آفتاب کے طلوع ہونے تک ہے، (لیکن زوال سے غروب تک مسنون ہے اور باقی مکروہ۔ کذا فی الطحاوی) تیرہویں تاریخ کو طلوع فجر سے پہلے منیٰ سے روانہ ہو جانا جائز ہے طلوع فجر کے بعد روانگی جائز نہیں اس واسطے کہ اس کے بعد رمی کا وقت ہو جاتا ہے اور وقت آجانے کے بعد بغیر رمی وہاں سے چلنا جائز نہیں۔

رمی کے وقت پیدل اور سوار ہونا رمی تمام کی تمام سوار ہو کر کرنا بھی درست ہے لیکن جرمہ الاولیٰ اور جرمہ الوسطیٰ میں پیدل رمی کرنا افضل ہے کیونکہ ان دونوں کی رمی کے بعد ٹھہرنا ہوتا ہے۔ جرمہ اخیرہ میں البتہ ٹھہرنا نہیں ہوتا لہذا یہاں سوار ہو کر کرنا بھی افضل ہوگا کیونکہ اس رمی کے بعد واپسی ہوتی ہے اور اگر سوار ہوگا تو واپسی پر زیادہ قدرت حاصل رہے گی اور فتاویٰ ظہیریہ میں تینوں جمرات کی رمی کو پیدل افضل کہا گیا ہے اور کمال الدین وغیرہ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے، اس بنیاد پر کہ پیدل رمی کرنا تواضع اور خشوع سے قریب تر ہے اس وجہ سے اور بھی کہ اکثر مسلمان عام طور پر پیدل ہی ہوتے ہیں، اور وہ پیدل ہی رمی کے لیے جاتے ہیں اگر کچھ لوگ سواری پر ہوں گے تو ان پیدل

چلنے والوں کو تکلیف ہوگی، باقی آنحضرت ﷺ کا سوار ہو کر رمی کرنا بطور تعلیم اور جواز کو بتانے کے لیے تھا۔ آپ کے سوار ہو کر رمی کرنے میں ہر شخص کو دیکھنے میں سہولت رہی ہوگی۔

ولو قدم ثقله بفتحین متاعه و خدمه الی مکة و اقام بمنی او ذهب لعرفة کره ان لم یامن
لا ان امن و کذا یکره للمصلی جعل نحو نعله خلفه لشغل قلبه واذا نفر الحاج الی مکة
نزل استنانا ولو ساعة بالمحصب بضم ففتحین الا بطح وليست المقبرة منه

اگر کسی نے اپنا سامان اور اسباب اور خادموں کو پہلے مکہ مکرمہ بھیج دیا اور خود منیٰ میں ٹھہر گیا یا مکہ مکرمہ میں سامان چھوڑ کر عرفات چلا گیا تو اگر سامان کی طرف سے اطمینان نہ ہو دل میں دوسرہ ہو تو ایسا کرنا مکروہ ہے لیکن اگر اس کی طرف سے بے فکری سامان کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو تو ایسا کرنے میں کوئی کراہت نہیں ہے، اسی طرح نماز پڑھنے والے کو بے اطمینانی کی صورت میں سامان پیچھے رکھنا مکروہ ہے کیونکہ ایسی صورت میں دل سامان پر لگا ہوا ہو گا اور یکسوئی اور اطمینان سے محروم ہو گا۔

حاجی جب منیٰ سے مکہ کے لیے روانہ ہو تو اس کے لیے مسنون یہ ہے کہ وہ محصب میں خواہ ایک **محصب میں اترنا** ساعت کے لیے ہو اترے، اور وہاں ٹھہرے، محصب (بضم اول و فتح ثانی و ثالث و تشدید) اس جگہ کا نام ہے جو منیٰ اور مکہ کے درمیان میں ہے اور جہاں پتھریاں بہت ہیں اس کو ابلح، بطحا اور حصاء بھی کہتے ہیں اور مکہ کا قبرستان جس کا نام قون ہے محصب میں داخل نہیں۔

بہتر یہ ہے کہ محصب میں اس قدر قیام کرے کہ ظہر، عصر، مغرب اور عشاء وہیں پڑھنا ہو اور ایک نیند سو کر مکہ روانہ ہو، کذانی الفتح، صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں وہیں محصب میں پڑھیں اور وہاں ایک نیند سوئے۔

ثم اذا اراد السفر طاف للصدر ای للوداع سبعة اشواط بلارمل وسعی وهو واجب
الاعلی اهل مكة و من فی حکمهم فلا یجب بل یندب کمن مکث بعده ثم النية للطواف
شرط فلو طاف هاربا او طالبا لم یجز لکن یکفی اصلها فلو طاف بعد ارادة السفر ونوی
التطوع اجزاه عن الصدر کما لو طاق بنية التطوع فی ایام النحر وقع عن الفرض ثم بعد
رکعتیه شرب من ماء زمزم و قبل العتبة تعظیما للکعبة ووضع صدره ووجهه علی
الملتزم و تثبت بالاستبار ساعة کالمستشفع بها ولو لم ینلها یضع یدیه علی رأسه
مبسوطین علی الجدار قائمتین والتصق بالجدار ودعا مجتهدا و ینکی او یتباکی ویرجع
فقهري ای الی خلف حتی یمخرج من المسجد و بصره ملاحظ للبيت

مکہ معظمہ سے جب سفر کا ارادہ کرے تو طواف صدر جس کو طواف ”وداع“ بھی کہتے ہیں کرے، یہ رخصت ہونے کا طواف ہے، اس طواف کے بھی سات چکر ہوں گے جن میں نہ رمل ہو گا اور نہ سعی، یہ طواف **طواف صدر**

باہری لوگوں پر واجب ہے البتہ الہ مکہ اور جواہل مکہ کے حکم میں ہیں اُن پر واجب نہیں، بلکہ ان کے لیے مستحب ہے، جیسے اس باہری پر بھی مستحب ہی ہے جو حج کے بعد وہاں ٹھہر گیا ہو (مسلم شریف میں ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص بغیر طواف کیے ہوئے یہاں سے روانہ نہ ہو کذا فی البرہان)

طواف میں نیت طواف کے لیے نیت شرط ہے اگر کوئی شخص بغیر نیت بیت اللہ کے گرد بھاگنے یا کسی کو پکڑنے کے لیے چکر لگائے، تو یہ طواف کے حکم میں نہیں ہوگا۔ اور طواف کی نیت میں صرف نیت کافی ہے۔

فرض، واجب کی قید ضروری نہیں، لہذا اگر کسی سفر کے ارادہ کے بعد طواف کیا اور نیت نفل طواف کی کی، تو اس سے طواف وداع ادا ہو جائے گا، جیسا کہ اگر کسی نے نفل کی نیت سے ایام نحر میں طواف کیا تو اس سے فرض طواف جس کو طواف زیارۃ کہتے ہیں ادا ہو جائے گا۔

طواف وداع کے بعد نماز طواف وداع کے بعد دو رکعت نماز پڑھے گا اور اس کے بعد زمزم پئے گا۔ (دارقطنی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ زمزم کا پانی جس نیت سے پئے گا وہ نیت حاصل ہوگی،

اگر تو نے شفا کی نیت سے پیا ہے تو اللہ تعالیٰ شفا عطا فرمائے گا، اگر آسودگی کے لیے پیا ہے تو آسودگی حاصل ہوگی۔ اور پیاس کے لیے پیا ہے تو وہ جاتی رہے گی، زمزم اسماعیل علیہ السلام کے لیے حضرت جبریل علیہ السلام نے زمین سے بصورت چشمہ نکالا تھا)

زمزم پینے کا طریقہ بحر الرائق میں اس کے پینے کا طریقہ یہ لکھا ہے کہ زمزم کے پاس آکر خود اس کا پانی نکالے اور قبلہ رو کھڑا ہو کر خوب پیٹ بھر کر تین بار کر کے پئے، اور ہر بار بیت اللہ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا

جائے اور منہ چہرہ، سر اور بدن پر اس کا پانی ملے۔ اور اگر ممکن ہو تو اس کا ایک ڈول اپنے اوپر ڈال لے۔ زمزم کی گہرائی (۶۹) ہاتھ ہے اور اوپر کی چوڑائی چار ہاتھ، مستدرک حاکم میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ زمزم پی کر یہ دعا کرتے تھے۔ اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَ رِزْقًا وَاسِعًا وَ شِفَاءً مِنْ کُلِّ دَاءٍ۔ کذا فی فتح القدیر۔

تعظیم کعبہ کعبہ معظمہ کی تعظیم کو ظاہر کرنے کے لیے کعبہ کے آستانہ کو بوسہ دے اور اپنا سینہ اور چہرہ ملتزم پر رکھے ایک ساعت غلاف کعبہ کو تھامے رہے، اس طرح جس طرح ایک شفاعت کی درخواست کرنے والا کرتا ہے، گویا

وہ کعبہ سے شفاعت کی درخواست کر رہا ہے، اور اگر غلاف کعبہ نہ تھام سکے اور اس کو نہ پائے، تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اس کی دیوار پر پھیلا کر اپنے سر پر رکھے، اور اس کی دیوار سے چپک جائے اور رو رو کر، یارو نے جیسی صورت بنا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرے، (کافی نامی کتاب میں ہے کہ اپنا رخسار دیوار سے لگا دے، اور فتاویٰ قاضی خاں میں ہے کہ تکبیر تہلیل اور تحمید کرے، اور درود پڑھے، اور محیط میں ہے کہ حجر اسود کا استلام کرے اور اللہ اکبر کہے، کذا فی العالمگیری) اور پھر الٹے پاؤں پیچھے کی طرف لوٹے، تا آنکہ مسجد سے نکل جائے مگر اس کی نگاہیں بیت اللہ پر جمی ہوئی ہوں۔

وسقط طواف القدوم عن وقف بعرفة ساعة قبل دخول مكة ولا شيء عليه بتركه لانه سنة واساء ومن وقف بعرفة ساعة عرفية وهو اليسير من الزمان وهو المحمل عند اطلاق الفقهاء من زوال يومها ای عرفة الى طلوع فجر يوم النحر او اجتاز مسرعاً او

نائما او مغمی علیہ و کذا لو اهل عنه رفیقہ و کذا غیر رفیقہ فتح بہ ای بالحج مع احرامہ عن نفسه فاذا انتبه او افاق و اتی بافعال الحج جاز ولو بقی الاغماء ان الاغماء بعد احرامہ طیف بہ المناسک و ان احرموا عنه اکتفی بمباشرتهم ولم ارما لو جن فاحرموا عنه و طافوا بہ المناسک و کلام الفتح یفید الجواز اوجہل انها عرفة صح حجه لان الشرط الکیونہ لا النیۃ ومن لم یقف فیہا فات حجه لحديث الحج عرفة فطاف وسعی و تحلل ای بافعال العمرة وقضى ولو حجه نذرا او تطوعا من قابل ولا دم علیہ

قیام عرفات جس شخص نے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے عرفات میں تھوڑی دیر وقوف کیا اور ٹھہرا ہاں سے طواف قدوم ساقط ہے، اور اس طواف چھوڑنے کی وجہ سے اس پر کچھ لازم نہیں ہے، اور جو شخص عرفہ کے دن زوال (دوپہر) سے لے کر یوم نحر کی طلوع فجر تک اوقات میں تھوڑی دیر تک ٹھہرا، یا وہاں سے تیزی کے ساتھ نکل گیا، یا سونے یا بے ہوشی کی حالت میں نکلا، یا اس کی طرف سے اس کے رفیق سفر نے یا دوسرے نے حج کا نام لے کر لبیک کہا، اور یہ اس صورت میں ہے کہ اس نے احرام باندھا ہی تھا کہ بغیر لبیک کہے ہوئے بے ہوش ہو گیا اور کسی نے اس کی طرف سے لبیک کہا، اور اس سونے اور بے ہوش ہونے والے نے ہوش میں آکر یا بیدار ہو کر بقیہ افعال حج ادا کیے، تو اس کا حج جائز ہو جائے گا اور اگر بے ہوشی باقی رہی اور ایام حج گزر گئے، تو دیکھا جائے گا کہ اس کی بے ہوشی کا وقت کیا ہے اگر احرام کے بعد یہ بے ہوشی ہوئی ہے تو اس صورت میں اس بے ہوش کو حج کے مقامات میں گھمانا چاہیے، جیسے عرفات مزدلفہ، منیٰ اور مکہ مکرمہ، کیونکہ وہ حج کی نیت کر چکا ہے اور اگر وہ بوقت احرام ہی بے ہوش تھا اور اس کے ساتھیوں نے اس کی طرف سے احرام کی نیت کی تو ان کا افعال حج کرنا اس بے ہوش کی طرف سے بھی کافی ہوگا، اس کا ہر جگہ لے جانا ضروری نہیں۔

ایک مسئلہ باقی اگر کوئی احرام سے پہلے پاگل ہو جائے اور اس کے ساتھی لوگ اس کی طرف سے احرام باندھیں اور اس کو حج کے مقامات میں گھمائیں تو حج ہو گیا نہیں؟ اس کا حکم صراحۃً میں نے کہیں نہیں دیکھا، لیکن فتح القدیر کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا حج ہو جائے گا، اس لیے کہ بے ہوش اور مجنون اس باب میں دونوں برابر ہیں۔

عرفات میں بلا علم ٹھہرنا ایک شخص عرفات میں ٹھہرا، مگر اس کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ وہ عرفات میں ہے تو اس صورت میں بھی حج درست ہوگا اس لیے کہ عرفات میں ٹھہرنا شرط ہے۔ اس کی نیت ضروری نہیں اور نہ جانا ضروری ہے، البتہ جس نے عرفات میں قیام نہیں کیا اس کا حج نہیں ہوا، بلکہ فوت ہو گیا کیونکہ حدیث میں صراحت موجود ہے کہ حج وقوف عرفات کا نام ہے (قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحج عرفة فمن وقف بعرفة ساعة من لیل او نهار فقد تم حجه رواہ ابو داؤد آپ نے فرمایا کہ حج عرفہ کا نام ہے جس نے دن رات کے کسی حصہ میں وہاں قیام کیا اس کا حج پورا ہو گیا) جب وقوف عرفہ نہیں کیا اور حج فوت ہو گیا تو اس کو چاہیے کہ وہ طواف کرے، سعی کرے اور افعال عمرہ ادا کر کے احرام کھول دے، اور آئندہ اس حج کی قضا کرے خواہ وہ حج نذر کا ہو یا حج نفل ہو، اور اس پر اس فوت ہونے کی وجہ سے دم واجب نہیں۔

وَالْمَرْأَةُ فِيمَا مَرَّكَ الرَّجُلُ لِعَمُومِ الْخُطَابِ مَا لَمْ يَقُمْ دَلِيلُ الْخُصُوصِ لَكُنْهَا تَكْشِفُ وَجْهَهَا لَا رَأْسَهَا وَلَوْ سَدَلَتْ شَيْئًا عَلَيْهِ وَجَافَتْهُ عَنْهُ جَازَ بَلْ يَنْدُبُ وَلَا تَلْبِي جَهْرًا بَلْ تَسْمَعُ نَفْسَهَا دَفْعًا لِلْفِتْنَةِ وَ مَا قِيلَ أَنَّ صَوْتَهَا عَوْرَةً ضَعِيفٌ وَلَا تَرْمَلُ وَلَا تَضْبُطُ وَلَا تَسْعَى بَيْنَ الْمِيلَيْنِ وَلَا تَحْلُقُ بَلْ تَقْصُرُ مِنْ رُبْعِ شَعْرِهَا كَمَا مَرَّ وَتَلْسُ الْمَخِيطَ وَالْخَفِينَ وَالْحَلِيَّ وَلَا تَقْرُبُ الْحَجَرَ فِي الزَّحَامِ لَمَنْعِهَا مِنْ مِمَاسَةِ الرِّجَالِ

عورتوں کے لیے احکام حج ان احکام حج میں عورت کے لیے وہی حکم ہے جو مرد کے لیے گزرا، اس لیے کہ شریعت کا خطاب دونوں کو شامل ہے، جب تک کوئی خصوصیت کی دلیل ثابت نہ ہو، جیسے جمعہ اور جہاد میں عورت شامل نہیں۔

البتہ بعض چیزیں عورتوں کے لیے ضروری ہیں، مثلاً احرام کے بعد وہ اپنا چہرہ کھلا رکھیں گی مگر سر نہیں کھولیں گی، اگر کوئی چیز چہرہ پر اس طرح لٹکالیں کہ وہ چہرہ سے جدا ہے تو یہ جائز ہے بلکہ مستحب (کیونکہ چہرہ کھلے رکھنے کا منشا یہ ہے کہ کوئی چیز چہرہ سے لگی اور ملی ہوئی نہ ہو، اسی وجہ سے برقع ڈالنا مکروہ ہے کہ وہ لگا رہتا ہے، حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب غیر محرم ہمارے سامنے سے سوار ہو کر گزرتے تھے اور ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ حالت احرام میں ہوتی تھیں تو ہم اپنے سروں سے چادر چہرہ کی طرف لٹکا دیتے تھے جب وہ آگے بڑھتے جاتے تو ہم چہرہ کھول لیتی تھیں)

عورتیں حالت احرام میں بلند آواز سے تلبیہ (لبیک الخ) نہیں کہیں گی، کیونکہ اس میں فتنہ کا اندیشہ ہے۔ بلکہ ایسی آواز میں کہیں گی کہ وہ خود سنیں، اور یہ جو کہا گیا ہے کہ عورتوں کی آواز عورت ہے یعنی قابل چھپانے کے ہے، قول ضعیف ہے۔ اسی طرح عورت طواف میں رمل نہیں کرے گی، یعنی سینہ نکال کر نہیں چلے گی اور نہ چادر کو بغل کے نیچے سے نکال کر کندھے پر ڈالے گی، وہ میلین کے درمیان سعی یعنی جھپٹ کر بھی نہیں چلے گی اور نہ اپنا سر منڈائے گی۔ بلکہ بال کا اوپر کا چوتھائی حصہ چھوٹا کر الے گی، جیسا کہ پہلے تفصیل کے ساتھ گذر چکا۔

عورتوں کے لیے رعایت عورت کو سلا ہوا کپڑا، موزے، اور زیورات حالت احرام میں پہننا درست ہے، صرف شرط یہ ہے کہ اس حالت میں جو کپڑا پہنے وہ زعفران وغیرہ سے رنگا ہوا نہ ہو، عورت اس حالت احرام میں ریشمی کپڑا بھی پہن سکتی ہے۔

عورت کو چاہیے کہ وہ ایام حج میں حجر اسود کے قریب بھیڑ بھاڑ میں نہ جائے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عورتوں کو مردوں سے بدن ملانا ممنوع ہے۔

وَالْخَنْثَى الْمَشْكُلُ كَالْمَرْأَةِ فِيمَا ذَكَرَ احتیاطاً وحیضها لا یمنع نسکا الا الطواف ولا شیء علیها بتأخیرہ اذ لم تطهر الا بعد ایام النحر فلو طهرت فیها بقدر اکثر الطواف لزمها الدم بتأخیرہ لباب وهو به لحصول ركنیه یسقط طواف الصدر و مثله النفس والبدن جمیع بدنة من ابل و بقر والهدی منهما و من الغنم كما سیجی.

خنثی مشکل

خنثی مشکل (جو نہ مرد ہو اور نہ عورت) ان تمام امور میں جو ذکر کیے گئے عورت کے حکم میں ہے احتیاط کا تقاضہ یہی ہے۔

حیض آنا

عورت کو اگر حج کے زمانہ میں حیض آجائے تو وہ حیض حج کے کسی کام کے لیے مانع نہیں بنے گا البتہ طواف سے روک دے گا، کیونکہ طواف مسجد الحرام میں ہوتا ہے اور چائضہ کے لیے مسجد میں جانا جائز نہیں ہے، اور اس طواف میں تاخیر کی وجہ سے عورت پر کوئی صدقہ یا دم واجب نہیں ہو گا جب کہ ایام نحر سے پہلے وہ پاک نہیں ہوئی ہے، البتہ اگر وہ ایام نحر میں اکثر طواف کے مقدار پاک ہو چکی تھی اور پھر بھی تاخیر کی تھی تو اس پر دم واجب ہو گا کذا فی الباب المناسک۔

اگر حیض دور کن ادا کرنے کے بعد آیا ہے یعنی وقوف عرفات اور طواف زیارت کے بعد آیا ہے تو اس صورت میں اس سے طواف صدر ساقط ہو جائے گا اور عورت کے نفاس کا وہی حکم ہے جو حیض کا ذکر کیا گیا۔

بدنہ

بدنہ لغت اور شریعت دونوں میں اونٹ اور گائے کو کہتے ہیں، لہذا جس حاجی پر بدنہ واجب ہو اور وہ گائے ذبح کر لے تو واجب ادا ہو جائے گا البتہ امام شافعی بدنہ میں گائے کو شامل نہیں کرتے وہ کہتے ہیں کہ بدنہ کا استعمال صرف اونٹ پر ہے۔ ہدی یعنی قربانی کا جانور جو حرم مکہ جا کر ذبح ہوتا ہے اونٹ بھی ہوتا ہے اور گائے بھی، اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

باب القران

هو افضل لحديث اتاني الليلة ات من ربي و انا بالعقيق فقال يا آل محمدا هلوا بحجة و عمرة معا ولانه اشق والصواب انه عليه السلام احرم بالحج ثم ادخل عليه العمرة لبيان الجواز فصار قارنا ثم التمتع ثم الافراد والقران لغة الجمع بين شيئين وشرعا ان يهل اى يرفع صوته بالتلبية بحجة و عمرة معا حقيقة او حكما بان يحرم بالعمرة او لا ثم بالحج قبل ان يطوف لها اربعة اشواط او عكسه بان يدخل احرام العمرة على الحج قبل ان يطوف للقدوم و ان اساء او بعده و ان لزمه دم من الميقات اذا القارن لا يكون الا آفقا او قبله في اشهر الحج او قبلها و يقول اما بالنصب والمراد به النية او مستأنف والمراد به بيان السنة اذا لنية بقلبه تكفى الصلوة مجتبی بعد الصلوة اللهم انى ارید الحج والعمرة فيسرهما لى و تقبلهما منى و يستحب تقديم العمرة فى الذكر لتقدمها فى الفعل وطاف للعمرة اولا وجوبا حتى لو نواه للحج لا يقع الا لها سبعة اشواط يرمل فى الثلاثة الاول و يسعى يلاحق فلو حلق لم يحل من عمرته ولزمه دمان

قرآن کے احکام و مسائل

ادائیگی حج کی تین قسمیں ہیں: قرآن، تمتع اور افراد۔ قرآن میں حج اور عمرہ دونوں کی نیت میقات سے ساتھ ساتھ ہوتی ہے، تمتع میں میقات سے پہلے صرف عمرہ کی نیت کر کے آدمی چلتا ہے اور مکہ پہنچ کر عمرہ سے فارغ ہو کر حلال ہو جاتا ہے اور ایام حج میں آٹھویں ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھتا ہے اور حج ادا کرتا ہے اور افراد میں میقات سے صرف حج کی نیت کرتا ہے، عمرہ کی نیت نہیں کرتا۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک قرآن، تمتع اور افراد دونوں سے افضل ہے اس حدیث کی وجہ سے جس میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ میں عقیق میں تھا کہ میرے رب کے پاس سے ایک آنے والا میرے پاس آیا اور اس نے کہا کہ اے آل محمد! تم حج اور عمرہ دونوں کا ساتھ ہی احرام باندھو، دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ قرآن میں مشقت زیادہ ہے، اور اس باب میں قول فیصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پہلے حج کا احرام باندھا پھر عمرہ کو حج میں داخل فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ ایسا کرنا درست ہے، یہی قرآن بن گیا۔

(اسلام کے پہلے کفار مکہ موسم حج میں عمرہ کرنے کو بڑا گناہ سمجھتے تھے، اس لیے نبی کریم ﷺ کو حکم کر دیا گیا کہ عمرہ کو حج کے ساتھ ملا دیں، تاکہ کفار کا غلط گمان باطل قرار پاجائے)

قرآن کا طریقہ قرآن کے بعد درجہ تمتع کا ہے اور اس کے بعد افراد کا، قرآن (بکسر القاف) کے معنی لغت میں دو چیزوں کے ملانے کے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں قرآن یہ ہے کہ محرم (حج کی نیت کرنے والا) حج اور عمرہ دونوں کے لیے ساتھ ساتھ بلند آواز سے لبیک کہے یہ ساتھ ساتھ کہنا حقیقتاً ایک ہی وقت میں ہو، اور کہے لبیک تحجہ و عمرہ یا ساتھ ساتھ کہنا اس طرح ہو کہ پہلے عمرہ کا احرام باندھے پھر اسی وقت عمرہ کا چار چکر طواف کرنے سے پہلے حج کا احرام باندھے یا اس کے برعکس کرے کہ پہلے حج کا احرام باندھے اور طواف قدوم سے پہلے پھر عمرہ کا، گویہ طریقہ برا ہے کہ حج کا احرام عمرہ سے پہلے کیا اور اگر طواف قدوم کے بعد عمرہ کا احرام کرے گا تو اس پر دم واجب ہوگا۔

حج اور عمرہ دونوں کا احرام میقات سے ایک ساتھ کرے گا۔ قارن صرف آفاقی (باہر سے آنے والا) ہوتا ہے۔ مکی (مکہ کا رہنے والا) قارن نہیں ہوتا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں دونوں کا احرام میقات سے پہلے کر لے تیسری صورت یہ ہے کہ دونوں کا احرام حج کے مہینوں سے پہلے کر لے (اگرچہ اس طرح احرام باندھنے کو مکروہ کہا گیا ہے)

قرآن کرنے والا احرام کی نماز کے بعد یہ دعا پڑھے گا۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَبَسِّرْهُمَا لِیْ وَتَقَبَّلْهُمَا مِنِّیْ (اے اللہ میں حج اور عمرہ دونوں کا ارادہ کر رہا ہوں، ان دونوں کو مجھ پر آسان فرمادے اور میری طرف سے ان کو قبول فرمائے) مستحب یہ ہے کہ دعا میں پہلے عمرہ کا لفظ لایا جائے، اس لیے کہ عملاً پہلے عمرہ ادا کرتے ہیں، پھر حج کے افعال ادا ہوتے ہیں، تو جس ترتیب سے یہ دونوں ادا ہوتے ہیں اسی ترتیب سے دعا میں آنے چاہیے چنانچہ بعض کتابوں میں دعا کے اندر عمرہ کا لفظ پہلے آیا ہے پھر حج کا، لیکن عام طور سے کتابوں میں اسی طرح ذکر ہے جیسا کہ نقل ہوا، یعنی پہلے حج کا لفظ پھر عمرہ کا۔ اور یہ شاید اس وجہ سے

ہے کہ حج فرض ہے اور اس کی ادائیگی نے ہی اسے اس سفر پر آمادہ کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

پہلے عمرہ کی ادائیگی جب مکہ مکرمہ پہنچ جائے گا تو قرآن کرنے والا پہلے عمرہ کا طواف کرے گا یہاں تک کہ اگر کوئی حج کی نیت سے طواف کرے گا تو وہ بھی فقط عمرہ کا طواف ترار پائے گا اور اس کی نیت لغو ہوگی، یہ طواف عمرہ سات چکر کرے گا، پہلے تین چکر میں رمل کرے گا یعنی ذرا سینہ نکال کر چلے گا، طواف کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرے گا لیکن سر نہیں منڈائے گا، اگر کوئی قارن عمرہ کے بعد سر منڈالے گا تو اس سے اس کے عمرہ کا احرام نہیں ختم ہوگا۔ اس لیے کہ قارن کے عمرہ کا احرام دس ذی الحجہ کو ختم ہو جاتا ہے، لیکن عمرہ کے بعد سر منڈالنے سے اس پر دودم لازم ہوگا۔ اور یہ احرام کی بے ادبی کی تلافی کی صورت ہوگی۔

ثم يحج كما مر فيطوف للقدوم و يسعى بعده ان شاء فان اتى بطوافين متوالين ثم سعين لهما جاز واساء ولا دم عليه وذبح للقران وهو دم شكر فياكل منه بعد رمي يوم النحر لوجوب الترتيب وان عجز صام ثلاثة ايام ولو متفرقة آخرها يوم عرفة تدبأ رجاء القدرة على الاصل فبعده لا يجزيه فقول المنح كالبحر بيان للافضل فيه كلام وسبعة بعد تمام ايام حجة فرضا او واجبا وهو بمضى ايام التشريق اين شاء لكن ايام التشريق لا تجزيه لقوله تعالى و سبعة اذا رجعت اى فرغت من افعال الحج فعم من وطنه منى او اتخذها موطن فان فاتت الثلاثة تعين الدم فلولم يقدر تحلل و عليه دمان ولو قدر عليه فى ايام النحر قبل الحلق بطل صومه

عمرہ کے بعد حج عمرہ سے فارغ ہو کر پھر حج کرے گا جس کا تفصیلی طریقہ پہلے گذر چکا۔ پہلے طواف قدوم کرے گا یعنی حاضری کا طواف، اس کے بعد صفا مروہ کے درمیان سعی کرے گا، اگر اس کی خواہش ہو، ورنہ طواف افاضہ کے بعد سعی کرے گا۔

اگر کسی نے عمرہ اور حج دونوں کا طواف متصلاً کیے بعد دیگرے کیا، پھر اسی طرح دو سعی لگا تار کیا، تو یہ جائز ہے لیکن اس نے یہ اچھا نہیں کیا، طواف قدوم کو عمرہ کی سعی کے پہلے کر کے اس نے برا کیا، لیکن اس تقدیم و تاخیر کی وجہ سے اس پر دم واجب نہیں ہے، کہ جانور ذبح کرے۔

قربانی قارن جب عمرہ اور حج دونوں سے خیر و خوبی کے ساتھ یوم النحر (قربانی کے دن) فارغ ہو چکے تو وہ دسویں ذی الحجہ کو جمرہ عقبہ کی رمی سے فارغ ہو کر قرآن کے لیے بکری یا گائے ذبح کریگا اور یہ ذبح کرنا بحوالہ اللہ تعالیٰ کے شکر یہ کے ہوگا، کہ اس نے ایک احرام سے دو عبادتیں ایک عمرہ اور دو سرانج ادا کیا۔ اس قربانی کا گوشت قارن کھائے گا۔ ماتن نے قربانی کے بعد رمی کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ رمی کے پہلے ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لیے یہ ترتیب واجب ہے اس کے خلاف نہیں کر سکتا۔

قربانی نہ کرنے کی صورت میں روزے اگر وہ کسی مجبوری کی وجہ سے قربانی نہیں کر سکتا ہے جیسے محتاجی اور روپے کی کمی، تو وہ احرام کے بعد تین روزے رکھے گا گو

مسئلہ رکھے متفرق طور پر رکھے، مگر تیسرا روزہ یوم عرفہ میں رکھنا مستحب ہے، اور یہ اس وجہ سے کہ ہو سکتا ہے وہ قربانی پر ٹائڈ قادر ہو جائے، اور اللہ تعالیٰ کوئی انتظام فرمادے، اور سات روزے حج پورا ہو جانے کے بعد رکھے، اس طرح کل دس روزے ہو جائیں گے، اور یہ روزے دونوں صورتوں میں رکھنے ہوں گے، حج فرض ہو یا واجب ہو۔ حج ایام تشریق کے گزر جانے کے بعد تمام ہوتا ہے، یہ بعد والے سات روزے جہاں چاہے رکھے، خواہ منیٰ میں خواہ مکہ میں، خواہ اپنے وطن میں، ایام تشریق کا روزہ کافی نہیں ہوگا، اس لیے کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔ **وَسَبْعَةٌ إِذَا رَجَعْتُمْ** یعنی سات روزے حج سے فارغ ہونے کے بعد رکھو، **رَجَعْتُمْ** کے معنی ہے اسی فرغتم من افعال الحج، لہذا فراغت پانا عام ہے اس کو بھی شامل ہے جس کا وطن منیٰ ہے یا جس نے حج کے بعد منیٰ کو وطن بنا لیا یا جس کا کہیں وطن نہیں اور امام شافعی **رَجَعْتُمْ** کو اس کے حقیقی معنی میں لے کر فرماتے ہیں کہ یہ سات روزے مکہ میں رکھنا جائز نہیں ہے۔ گھر پہنچ کر رکھے گا۔

جس نے مجبوری کی وجہ سے قربانی نہیں کی تھی اگر وہ ایام حج میں تین روزے نہیں رکھے گا تو اس پر دم واجب ہوگا (کیونکہ اس قربانی کے عوض

روزے نہ رکھنے کی صورت میں

قرآن میں بوقت حج روزے رکھنے تھے، بعد میں روزے رکھنے کافی نہیں، اب قربانی کرنی وہیں متعین ہو گئی (روزے کے فوت ہونے کے بعد قربانی پر اگر قادر نہ ہو تو اسے چاہیے کہ احرام کھول دے اور اب اس پر دو دم (قربانی) واجب ہے، ایک قرآن کی اور دوسری احرام کھولنے کی کذا فی الخطاوی، اور اگر قارن قربانی کے دنوں میں سر منڈانے سے پہلے قربانی کرنے پر قادر ہو جائے تو اس نے جو تین روزے قربانی کے عوض رکھے ہیں وہ باطل ہو جائیں گے اور اس کے لیے قربانی کرنا لازم ہوگا۔

فَإِنْ وَقَفَ الْقَارِنُ بِعَرَفَةَ قَبْلَ أَكْثَرِ طَوَافِهِ الْعُمْرَةِ بَطُلَتْ عُمَرَتُهُ فَلَوْ اتَى بِأَرْبَعَةِ أَشْوَاطٍ وَلَوْ بِقَصْدِ الْقُدُومِ أَوْ التَّطَوُّعِ لَمْ تَبْطُلْ وَ يَتِمُّهَا يَوْمَ النَّحْرِ وَالْأَصْلُ أَنَّ الْمَاتِي بِهِ مِنْ جَنْسِ مَا هُوَ مُتَلَبِّسٌ فِي وَقْتِ يَصْلَحُ لَهُ يَنْصَرَفُ لِلْمُتَلَبِّسِ بِهِ وَقُضِيَتْ بِشُرُوعِ فِيهَا وَوَجِبَ دَمُ الرِّفْضِ لِلْعُمْرَةِ وَسَقَطَ دَمُ الْقَرَانِ لِأَنَّهُ لَمْ يَوْفُقْ لِلنَّسْكِينِ

قارن نے عرفات میں عمرہ کے طواف کے چار چکر کرنے سے پہلے قیام کیا۔ تو اس صورت میں اس کا عمرہ باطل ہو جائے گا۔ (کیونکہ اس کے بعد

قیام عرفات سے پہلے عمرہ کا طواف

عمرہ کا ادا کرنا مشکل ہے کیونکہ افعال حج کے شروع ہونے کے بعد عمرہ جائز نہیں ہے) لیکن اگر عرفات میں قیام سے پہلے اس نے طواف کے چار چکر لگا لیے ہیں گو اس نے طواف قدوم یا طواف نفل کے ارادہ سے کیا ہو، تو اس صورت میں قارن کا عمرہ باطل نہیں ہوگا اور وہ عمرہ کو یوم نحر میں پورا کرے گا۔ یعنی باقی تین چکر پورے کرے اور سعی کر لے۔

اس باب میں اصل یہ ہے کہ جو چیز ایسی ہم جنس ادا کی جائے جس میں مکلف مشغول ہے اور اس وقت وہ چیز اس کے لائق ہو سکتی ہے تو وہ چیز اس طرف پھیری جاسکتی ہے جس میں وہ مشغول ہے۔

عمرہ جو باطل ہو گیا ہے وہ شروع کر دینے کی وجہ سے لازم ہو چکا ہے لہذا اس کی قضا کرے گا اور عمرہ کے ساقط ہونے کی وجہ سے اس پر دم واجب ہوگا اور قرآن کا دم ساقط ہو جائے گا اس لیے کہ دو عبادتوں کو جمع کرنے پر قادر نہیں ہو سکا۔

باب التمتع

هو لغة من المتاع او المتعة و شرعا ان يفعل العمرة او اكثر اشواطها في الشهر الحج فلو طاف الاقل في رمضان مثلا ثم طاف الباقي في شوال ثم حج من عامه كان متمتعاً فتح قال المصنف فلتغير النسخ الى هذا التعريف ويطوف و يسعى كما مرو يخلق او يقصر ان شاء ويقطع التلبية في اول طوافه للعمرة و اقام بمكة حلالات ثم يحرم بالحج في سفر واحد حقيقة او حكما بان يلم باهله الماما غير صحيح يوم التروية و قبله افضل و يحج كالمفرد لكنه يرمل في طواف الزيارة و يسعى بعده ان لم يكن قدمها بعد الاحرام و ذبح كالقارن ولم تنب الاضحية عنه

حج کی دوسری قسم تمتع کا بیان

لغت میں تمتع لفظ متاع یا متعة سے مشتق ہے اور اس کے معنی نفع حاصل کرنے یا نفع پہنچانے کے ہیں، اور اصطلاح شریعت میں تمتع یہ ہے کہ حج کو جانے والا عمرہ یا اس کے طواف کے اکثر چکر حج کے مہینوں میں ادا کرے، لہذا اگر کسی نے عمرہ کے طواف کے تین یا اس سے کم چکر تو پورے کیے رمضان میں اور باقی چار یا زیادہ چکر کی تکمیل کی شوال کے مہینے میں، پھر اس نے اسی سال حج کیا تو وہ تمتع کرنے والا ہوگا۔ عمرہ میں طواف کرے گا اور سعی کرے گا اور سر کے بال منڈوائے گا یا اس کو چھوٹا کرے گا یہ اس کی مرضی پر ہے، یعنی بال کا کٹنا یا منڈوانا تمتع میں شرط نہیں ہے یہ تمتع کرنے والے کی خواہش پر ہے بال کٹانے کے بعد وہ احرام سے نکل آئے گا۔

عمرہ کے پہلے طواف میں تلبیہ بند کر دے گا اور مکہ میں حلال ہو کر قیام کرے گا (یوں اس کو اختیار ہے کہ مکہ میں قیام کرے یا مدینہ منورہ میں جہاں جی چاہے یا جہاں سہولت ہو رہے، کسی ایک جگہ رہنا لازم نہیں ہے) پھر جب ایام حج آجائیں گے تو وہ اسی سفر میں حج کا احرام باندھے گا۔ عمرہ کا احرام کھولنے کے بعد وہ اپنے بال بچوں میں بھی آسکتا ہے، حج کا احرام یا تو اسی سفر میں باندھے اس طرح کہ عمرہ کر کے اپنے گھر نہ آئے، یا عمرہ کے بعد گھر میں آئے پھر ایام حج میں آکر حج کا احرام باندھے۔ مگر اس طرح کہ حج کے لیے مکہ جانے کا ارادہ کیے ہو، ختم نہ ہونے پائے۔

تمتع کرنے والا حج کا احرام آٹھویں ذی الحجہ کو مکہ سے باندھے گا مگر آٹھویں ذی الحجہ سے پہلے باندھنا افضل ہے پھر وہ صبح کے ارکان و افعال ادا کرے گا، جس طرح صرف حج کرنے والا ادا کرتا ہے، لیکن یہ طواف زیارت

حج کا احرام

میں رمل کرے گا، یعنی سینہ نکال کر چلے گا، اور اس طواف کے بعد صفا مروہ کے درمیان سعی کرے گا اگر احرام حج کے بعد پہلے سعی اور طواف نہیں کر چکا ہے، تمتع کرنے والا قربانی اسی طرح کرے گا جس طرح قارن واجب سمجھ کر کرتا ہے، مگر یہ قربانی اس کی طرف سے عید الاضحیٰ کی قربانی کے قائم مقام نہیں ہوگی کیونکہ مسافر پر یہ قربانی واجب نہیں ہے اور تمتع کرنے والے پر حج والی قربانی واجب ہے۔

فَإِنْ عَجَزَ عَنْ دَمِ صَامٍ كَالْقِرَانِ وَ جَازَ صَوْمُ الثَّلَاثَةِ بَعْدَ أَحْرَامِهَا أَى الْعُمْرَةِ لَكِنْ فِى أَشْهُرِ الْحَجِّ لَا قَبْلَهُ أَى الْأَحْرَامِ وَتَأْخِيرُهُ الْفَضْلُ رَجَاءُ وَجُودِهِ الْهَدْيُ كَمَا مَرَّ وَأَنْ أَرَادَ الْمُنْتَمِعُ السَّرْقَ لِلْهَدْيِ وَهُوَ الْفَضْلُ أَحْرَمَ ثُمَّ سَاقَ هَدِيَهُ مَعَهُ وَ هُوَ أَوَّلَى مِنْ قُودِهِ أَلَا إِذَا كَانَتْ لَاسَاقٍ لِقُودِهَا وَقُلْدَ بَدَنَتِهِ وَهُوَ أَوَّلَى مِنَ التَّجْلِيلِ وَ كَرِهَ الْأَشْعَارَ وَ هُوَ شَقٌّ سَنَامِهَا مِنَ الْإِيسَرِ أَوِ الْإِيْمَنِ لِأَنَّ كُلَّ أَحَدٍ لَا يَحْسَنُهُ فَمَا مِنْ أَحْسَنِهِ فَإِنْ قَطَعَ الْجِلْدَ لِقَطْعِ فَلَا بَاسَ بِهِ وَاعْتَمَرَ وَلَا يَتَحَلَّلُ مِنْهَا حَتَّى يَنْحَرَ ثُمَّ أَحْرَمَ لِلْحَجِّ كَمَا مَرَّ فَيَمْنُ لَمْ يَسُقْ وَحَلَقَ يَوْمَ النَّحْرِ وَ إِذَا حَلَقَ حَلَّ مِنْ أَحْرَامِهِ عَلَى الظَّاهِرِ

اگر تمتع کرنے والا حج والی قربانی کرنے سے مجبور ہو، تو اس صورت میں اس کو بھی قارن کی طرح تین روزے ایام حج میں رکھنے ہوں گے، اور سات روزے حج سے فراغت کے بعد، جس کی تفصیل قرآن کے باب میں گذری، عمرہ کے احرام کے بعد تین روزے حج کے مہینوں میں رکھنے درست ہیں، لیکن عمرہ کے احرام کے پہلے جائز نہیں، افضل یہ ہے کہ عرفہ تک انتظار کرے کہ ہو سکتا ہے قربانی کا کوئی انتظام ہو جائے۔ جب اخیر تک کوئی انتظام نہ ہو تو روزے رکھے۔

تمتع کرنے والا اگر چاہے کہ وہ قربانی کا جانور ساتھ لیجائے جو اس کے لیے افضل ہے تو وہ پہلے احرام باندھے پھر اس کے بعد اپنے ساتھ قربانی کا جانور ہانک کر چلے، قربانی والے جانور کو پیچھے سے ہانک کر لیجانا آگے سے کھینچ کر لیجانے سے بہتر ہے، البتہ جب پیچھے سے جانور کا ہانکنا اس کی تکلیف کی وجہ سے مشکل ہو تو آگے سے کھینچ کر لے چلے گا۔

قربانی کا جانور جس کو تمتع کرنے والا ساتھ لیجا رہا ہے اس کے گلے میں پٹہ ڈال دے اور اس کے گلے میں پٹہ ڈالنا اس پر جہول ڈالنے سے بہتر ہے اور یہ پٹہ ڈالنا علامت ہوتی ہے کہ یہ حاجی کا قربانی والا جانور ہے جسے وہ حرم میں لے جا رہا ہے۔

اشعار یعنی اونٹ کے دائیں یا بائیں کوہان پر زخم لگانا اور چیرنا مکروہ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا کرنا ہر شخص کو عمدہ طریقہ سے نہیں آتا ہے، جس سے جانور کو تکلیف نہ ہونے پائے، لیکن جو ایسا کرنا جانتا ہو اس کیلئے مضائقہ بھی نہیں۔ عمرہ کرنے کے بعد حلال نہ ہو، جب تک وہ اس جانور کی قربانی نہ کر لے قربانی کے بعد حلال ہو جائے اور آٹھویں ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھے جس کی تفصیل اس شخص کے بحث میں گذر چکی۔ جو قربانی کا جانور ساتھ نہ لیجائے حج کے افعال کے بعد دس ذی الحجہ کو سر کے بال منڈائے گا، سر کے بال جب منڈائے گا تو وہ حج اور عمرہ دونوں کے احرام سے نکل آئے گا۔

والمکی و من فی حکمہ یفرد فقط ولو قرن او تمتع جاز و اساء و علیہ دم جبر ولا یجزیه الصوم لو معسرا و من اعتمر بلا سوق ہدی ثم بعد عمرتہ عاد الی بلدہ و حلق تفقدا لم الماما صحیحا فبطل تمتعہ ومع سوقہ تمتع کالقارن وان طاف لہا اقل من اربعۃ قبل اشہر الحج و اتمہا فیہا وحج فقد تمتع ولو طاف اربعۃ قبلہا لا اعتبارا للاکثر کوفی ای آفاقی حل من عمرتہ فیہا ای الاشہر و سکن بمکہ ای داخل المواقیت او بصرۃ ای غیر بلدہ وحج من عامہ تمتع لبقاء سفرہ ولوافسدہا و رجع من البصرۃ الی مکہ وقضاہا وحج لا یكون متمتعا لانه کالمکی الا اذا لم باہلہ ثم رجع و اتی بہما لانه سفر آخر ولا یضر کون العمرة قضاء عما افسدہ و ای النسکین افسدہ المتمتع اتمہ بلا دم للتمتع بل للفساد واللہ اعلم .

مکہ کا رہنے والا اور وہ شخص جو اس کے حکم میں ہو یعنی موقت کے اندر رہتا ہو، وہ صرف حج کرے گا۔ قرآن تمتع نہیں کرے گا (قرآن پاک میں ارشاد ہے "ذلک لمن لم یکن اہلہ حاضری المسجد الحرام" تمتع اس شخص کے واسطے ہے جس کے اہل و عیال مسجد حرام میں حاضر نہ ہوں)

اس کے باوجود مکہ میں رہنے والا جو اس کے حکم میں ہے اگر قرآن یا تمتع کر لے گا تو وہ جائز ہو جائے گا، لیکن وہ ناپسندیدہ کرنے والا کہا جائے گا اور اس کی وجہ سے اس پر دم دینا واجب ہو گا، اور اگر وہ تنگ دست ہو تو اس کے لیے روزہ رکھنا کافی نہیں ہو گا۔

تمتع کا بطلان جس تمتع کرنے والے نے بغیر ساتھ جانور لیجائے ہوئے عمرہ کیا پھر وہ عمرہ کے بعد اپنے شہر واپس آ گیا اور سرمنڈالیا تو اس صورت میں تمتع باطل ہو جائے گا اور تمتع کرنے والا اگر قربانی کا جانور ساتھ لے گیا اور عمرہ کر کے اپنے گھر واپس آیا تو وہ تمتع باقی رہے گا۔ تمتع کرنے کا اس کو اختیار ہے۔

اگر عمرہ کے واسطے چار چکر سے کم حج کے مہینوں سے پہلے طواف کیا اور باقی چار چکر یا زیادہ کوچ کے مہینوں میں پورا کر دیا، پھر حج کیا تو اس کا تمتع درست ہے کیونکہ اکثر طواف حج کے مہینوں میں ہوا، اور اگر اس کے برعکس ہوا کہ طواف کے اکثر چکر حج کے مہینوں سے پہلے ہوئے اور کم حج کے مہینوں میں تو تمتع صحیح نہیں ہوا۔ اس لیے کہ اعتبار اکثر حصہ کا ہوتا ہے۔

کو نہ کے رہنے والے یعنی موقت سے باہر رہنے والے نے حج کے مہینوں میں عمرہ کر کے احرام کھول دیا اور مکہ میں قیام کیا یعنی موقت کے حدود میں۔ یا بصرہ میں رہا یعنی اپنے شہر کے سوا دوسرے شہر میں، پھر اسی سال حج کیا تو وہ تمتع کرنے والا ہو گا اس واسطے کہ اس کا سفر ہنوز باقی ہے۔

اور اگر حج کے مہینوں میں اس نے عمرہ کو فاسد کر ڈالا یا پھر بصرہ سے مکہ کی طرف واپس آیا اور عمرہ کی قضا کی اور حج کیا تو اس صورت میں وہ تمتع کرنے والا نہ ہو گا، اس لیے کہ وہ عمرہ فاسد کرنے کے بعد کئی طرح ہو گیا اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ کئی تمتع نہیں کرے گا۔

لیکن جب کہ عمرہ فاسد کرنے کے بعد وہ اپنے گھر چلا آیا۔ پھر وہاں سے مکہ سے احرام باندھ کر واپس آیا اور عمرہ اور حج ادا کیا تو وہ تمتع کرنے والا ہو گا۔ اس لیے کہ یہ دوسرا سفر ہوا، تو اس صورت میں آفاقی کا عمرہ ہو گا اور قضا شدہ عمرہ کی قضا اس کے لیے مضر نہیں۔

تمتع کرنے والا عمرہ اور حج میں سے جس کو بھی فاسد کرے گا تو وہ اس کو بغیر دم دیے پورا کرے گا۔ اور تمتع کا دم ذبح کرنا اس پر واجب نہیں کیونکہ دونوں عبادتیں عمرہ اور حج ایک سفر میں ادا نہیں ہو سکتیں۔ البتہ فاسد کرنے کی وجہ سے دم واجب ہو گا۔

باب الجنایات

الجنایة هنا ما تكون حرمة بسبب الاحرام والحرم و قد يجب بها دمان او دم او صوم او صدقة لفصلها بقوله الواجب دم على محرم بالغ فلا شيء على الصبي خلافاً للشافعي ولو لاسيا او جاهلا او مكرها فيجب على نائم غطي راسه ان طيب عضوا كاملا ولو فمه باكل طيب كثيرا و ما يبلغ عضوا لو جمع والبدن كله كعضو واحد ان اتحد المجلس والا فلكل طيب كفارة ولو ذبح ولم يزل له دم آخر لتركه و اما الثوب المطيب اكثره فيشترط للزوم الدم دوام لبسه يوما او خضب راسه بحناء رقيق اما المتبلد ففيه دمان او ادهن بزيت او حل بفتح المهملة الشيرج ولو كانا خالصين لانهما اصل الطيب بخلاف بقية الادهان

حج کی جنایات کا بیان

جنایت کتاب الحج میں اس فعل کو کہتے ہیں جس کی حرمت احرام باندھنے یا حرم میں داخل ہونے کی وجہ سے ثابت ہو، اس جنایت کی وجہ سے کبھی دو دم واجب ہوتے ہیں کبھی ایک دم (قربانی) اور کبھی روزہ واجب ہوتا ہے اور کبھی صدقہ۔ انہی امور کی آگے تفصیل کی جا رہی ہے دم والی قربانی اس احرام والے پر واجب ہوتی ہے جو بالغ ہو، خواہ وہ بھول کر ہی جنایت کیوں نہ کی ہو، یا جہالت کی وجہ سے کی ہو یا دوسروں کی وجہ سے ہو جس میں اس کے اختیار کو دخل نہ ہو، لہذا اس سونے والے پر دم واجب ہے جس کا سر کسی دوسرے نے ڈھک دیا ہو قاعدہ یہ ہے کہ جو کام بے اختیاری میں ہوا، اس پر گناہ تو نہیں ہو گا مگر احکام جاری ہوں گے بالغ کی قید سے معلوم ہوا کہ نابالغ محرم پر دم واجب نہیں ہے۔

دم اس صورت میں واجب ہے جب احرام والے نے اپنے ایک پورے عضو پر خوشبو ٹپی ہو یا لگائی ہو، یا منہ بہت ساری خوشبودار چیزوں کے کھانے سے خوشبودار ہو گیا ہو، یا بدن پر متفرق جگہ تھوڑی

کفارہ کا وجوب

تھوڑی خوشبو لگائی اس طرح کہ اگر ان سب جگہوں کو جمع کیا جائے تو بقدر ایک عضو کے ہو جائے اگر مجلس متحد ہو تو پورا بدن ایک عضو کے برابر قرار پائے گا، اور ایک کفارہ ادا کرنا ہوگا، اور اگر مجلس متحد نہ ہو تو ہر بار خوشبو کا کفارہ الگ الگ لازم ہوگا۔ خوشبو لگانے کے بعد جانور ذبح کیا اور خوشبو کو بدن سے دور نہیں کیا تو اس پر دوسرا جانور ذبح کرنا لازم ہوگا۔ اس لیے کہ خوشبو باقی ہے، جس کپڑے کا اکثر حصہ خوشبودار اور معطر ہو اس صورت میں دم کے لازم ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ اس کپڑے کو دن بھر پہنے رہے۔

یا احرام والے نے اپنے سر میں پتلی مہندی کا خضاب لگایا تو اس پر بھی دم واجب ہوگا اور اگر اس نے **مہندی کا خضاب** گاڑھی مہندی اپنے سر پر جمالی ہے تو اس پر دو دم لازم ہوں گے ایک خوشبو لگانے کا دوسرے سر کو مہندی سے ڈھک لینے کا، مگر اس میں بھی شرط یہ ہے کہ ایک دن یا ایک رات مہندی لگی رہے۔ (حدیث مرفوع ہے الحناء طیب مہندی خوشبو ہے)

یا کسی محرم نے اپنے سر یا بدن میں روغن زیتون یا میٹھا تیل ملا۔ تو دم واجب ہے اگرچہ یہ دونوں خالص ہوں اس لیے کہ دونوں تیل خوشبو کی اصل ہیں۔ بخلاف دوسرے تیلوں کے کہ ان کے لگانے سے دم لازم نہیں ملے روغن تل کو کہتے ہیں جس کو میٹھا تیل کہا گیا ہے۔

صاحبین فرماتے ہیں روغن زیتون اور میٹھا تیل (روغن تل) لگانے سے صدقہ واجب ہوگا دم واجب نہیں، البتہ خوشبودار تیل میں باتفاق سبھوں کے نزدیک دم واجب ہے۔

فلو اكله او استعطه او داوى به جراحة او شقوق دجلية او اقطر في اذنيه لا يجب دم ولا صدقة اتفاقا بخلاف المسك والعنبر والغالية والكافور و نحوها مما هو طيب بنفسه فانه يلزمه الجزاء بالاستعمال ولو على وجه التداوى ولو جعله في طعام قد طبخ فلا شيء فيه وان لم يطبخ و كان مغلوبا كره اكله كشيظيب و تفاح اولبس مخيطا لبسا معتادا ولو اتزره او وضعه على كتفيه لا شيء عليه او ستر رأسه بمعتادا ما بحمل اجانة او عدل فلا شيء عليه يوما كاملا او ليلة كاملة و في الاقل صدقة

محرم نے اگر روغن زیتون یا میٹھا تیل کھایا، یا ناک میں ڈالا، یا اس سے زخم کی دوا کی، یا دونوں پاؤں کی پھشن میں لگایا، یا اپنے دونوں کانوں میں پٹکایا تو اس صورت میں نہ دم واجب ہوگا اور نہ کوئی صدقہ، بخلاف مشک، عنبر، غالیہ اور کافور اور اس طرح کی دوسری چیزوں کے جو بطور خود خوشبو ہیں ان کے استعمال سے جزا لازم ہوگی اگرچہ انہیں دوا کے طور پر استعمال کیا گیا ہو۔

روغن کا استعمال اگر مشک و عنبر وغیرہ کسی کھانے میں ڈال کر پکایا گیا ہو تو محرم پر اس کے کھانے اور استعمال سے کوئی چیز واجب نہیں ہے، خواہ کھانے میں خوشبو باقی رہے، یا باقی نہ رہے، اور اگر خوشبو ڈال کر پکایا نہیں، بلکہ کھانا پکنے کے بعد اوپر سے خوشبو ڈالا اور خوشبو کھانے سے کم ہے تو اس کا کھانا مکروہ ہے جس طرح خوشبو اور سیب کا سونگھنا مکروہ ہے (وہ خوشبودار چیزیں جن کا کھانا معمول میں

داخل ہے جیسے گرم مصالحہ میں لونگ، الائچی اور دار چینی وغیرہ جب کہ وہ کھانے میں ملی ہوئی ہو تو اس کا کھانا جائز ہے)۔
دم کا واجب ہونا خلاف عادت کے طور پر اس کا استعمال ہو، جیسے کوئی قمیص، کرتا یا اچکن کو بطور تہ بند باندھ لے، یا پانجامہ کو موٹھے پر ڈال لے تو اس صورت میں اس پر نہ دم واجب ہو گا اور نہ صدقہ۔

یا محرم نے اپنا سر اس کپڑے سے چھپایا، جس سے چھپانے کا معمول ہے جیسے ٹوپی اور پگڑی تو اس میں دم لازم ہو گا، لیکن اگر سر کو تغار سے چھپایا گٹھری سے تو اس پر نہ صدقہ واجب ہو گا اور نہ دم۔ جس صورت میں دم واجب ہوتا ہے اس کے لیے شرط یہ ہے کہ پورے دن استعمال کرے یا پوری رات، ایک دو گھنٹے کے استعمال سے دم واجب نہیں ہوتا۔
 ایک دن سے زیادہ پہننا ایک دن کے حکم میں ہے یعنی جس طرح ایک دن کے استعمال میں ایک دم واجب ہے زیادہ دنوں کے استعمال میں بھی ایک ہی دم واجب ہے، خواہ دس دن تک پہنے رہے اور خواہ رات میں اس کو اتار ڈالتا ہو اور دن میں پہن لیتا ہو، اور چاہے پورا لباس زیب تن کر لیا ہو جیسے پانجامہ، قمیص اور ٹوپی سب پہن لیا ہو یا ان سب صورتوں میں صرف ایک دم واجب ہو گا۔

وَالزَّائِدَ عَلَى الْيَوْمِ كَالْيَوْمِ وَانْزَعَهُ لَيْلًا وَاعَادَهُ نَهَارًا وَلَوْ جَمِيعَ مَا يَلْبَسُ مَا لَمْ يَعْزَمْ عَلَى التَّرْكِ لِلْبَسَةِ عِنْدَ النَّزْعِ فَانْ عَزَمَ عَلَيْهِ اَي التَّرْكِ ثُمَّ لَبَسَ تَعَدُّ الْجَزَاءُ كَفَرًا لِلْأَوَّلِ اَوْ لَا رَكْزًا يَتَعَدُّ الْجَزَاءُ لَوْلَبَسَ يَوْمًا فَارَاقَ دَمًا لِلْبَسَةِ ثُمَّ دَامَ عَلَى لَبَسِهِ يَوْمًا آخَرَ فَعَلِيهِ الْجَزَاءُ اَيْضًا لِأَنَّهُ مُحْظَرٌ فَكَانَ لِدَوَامِهِ حُكْمُ الْإِبْتِدَاءِ وَدَوَامُ اللَّبَسِ بَعْدَ مَا أَحْرَمَ وَهُوَ لَابَسَهُ كَانْشَأَنَهُ بَعْدَهُ وَلَوْ مَكْرَهَا أَوْ نَائِمًا وَلَوْ تَعَدَّدَ سَبَبُ اللَّبَسِ تَعَدُّدُ الْجَزَاءِ وَلَوْ اضْطُرَّ إِلَى قَبِيصٍ فَلَبَسَ قَمِيصِينَ أَوْ إِلَى قُلَنْسُوَةٍ فَلَبَسَهَا مَعَ عِمَامَتِهِ لَزِمَهُ دَمٌ وَائِثْمٌ وَلَوْ تَيَقَّنَ زَوَالَ الضَّرُورَةِ فَاسْتَمَرَ كَفَرًا آخَرَ وَتَغْطِيَةُ رُبْعِ الرَّأْسِ أَوِ الْوَجْهِ كَالْكُلِّ وَلَا بِأَسْ بِتَغْطِيَةِ أُذُنَيْهِ وَقَفَاهُ وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى أَنْفِهِ بِلَا ثَوْبٍ

ایک دن کے حکم میں اس وقت شمار ہو گا جب اس نے لباس اتارنے کے وقت اس کے ترک کر دینے کا عزم نہ کیا ہو، سو اگر اس نے اتارنے کے وقت چھوڑ دینے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا پھر اس نے سلا ہوا کپڑا پہنا تو البتہ اس صورت میں کئی جزا ہوں گی یعنی اس کو کئی دم دینے ہوں گے یعنی جتنی مرتبہ چھوڑنے کا پختہ ارادہ کرنے کے بعد پہنا ہوا اتنا ہی دم ہو گا۔ خواہ وہ پہلے جنایت کا کفارہ ادا کر چکا ہو، یا نہیں کیا ہو۔

اسی طرح اس صورت میں بھی متعدد کفارے ہوں گے کہ اس نے سلا ہوا کپڑا ایک دن پہنا اور اس کے عوض میں دم دیا، دم کے بعد پھر اس نے ایک اور دن وہ سلا ہوا کپڑا پہن لیا تو اب اس کو دوسرا دم دینا ہو گا، کیونکہ احرام والے کو سلا ہوا کپڑا پہننا منع ہے لہذا دم دینے کے بعد پہننے کا حکم پھر از سر نو ہو گا۔

اور اس پو شاک کو جس کو احرام کے وقت پہنا تھا باقی رکھنا اس کو از سر نو پہننا ہے خواہ اس کے اختیار کے بغیر ایسا ہوا ہو یا نیند

میں ایسا کیا گیا ہو۔

سبب کے تعدد سے دم کا تعدد اگر لباس پہننے کا سبب متعدد ہو تو اس کی سزا بھی متعدد ہوگی جیسے احرام والے کو بخار آیا اور اس نے قمیص پہن لی۔ پھر اس کو صحت ہو گئی۔ اس کے بعد اسے دوسری بیماری ہوئی یا دوسرے قسم کا بخار آیا، اس کے بعد اس نے قمیص پہنی تو اس پر دو کفارے لازم ہوں گے کذا فی فتح القدیر، اگر احرام والے کو ایک کرتے کے ضرورت ہوئی اس نے دو کرتے پہن لیے یا ایک ٹوپی کی ضرورت ہوئی اس نے ٹوپی بھی پہنی اور عمامہ بھی باندھ لیا، اس صورت میں اس پر صرف ایک دم واجب ہوگا اس وجہ سے کہ سبب ایک ہی ہے لیکن وہ گنہ گار ہوگا کہ اس نے ضرورت سے زیادہ کپڑا استعمال کیا۔

اگر احرام والے کو یقین ہو گیا کہ لباس کی ضرورت باقی نہیں رہی لیکن اس کے باوجود وہ پہنے ہوئے رہا۔ (خواہ ایک دن خواہ دو دن) تو اس صورت میں وہ دوسرا کفارہ دے گا، البتہ اگر حاجت کے پورے ہونے میں شبہ ہو تو اس پر ایک ہی کفارہ لازم ہوگا۔ چوتھائی سر یا چہرے کا ڈھکنا کفارہ نہیں تمام سر اور تمام چہرہ ڈھکنے کے برابر ہے، محرم کے دونوں کان اور گدی کے ڈھکنے میں اور ناک پر بغیر کپڑا ہاتھ رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

او حلق ای ازال ربع رأسه اولوجه کالکل ولا بأس بتغطية اذنيه و قفاه ووضع یدیه علی انفه بلا ثوب او حلق ای ازال ربع رأسه او ربع لحيته او حلق محاجمه یعنی واحتجم والا فصدقة کما البحر عن الفتح او حلق احدى ابطیه او عانته او رقبته کلها او قصر اظفار یدیه او رجلیه او الککل فی مجلس واحد فلو تعدد المجلس تعدد الدام الا اذا تحد المحل کحلق ابطیه فی مجلسین او رأسه فی اربعة او یدا و رجل اذا الربع کالکل

دم اور صدقہ احرام والا اپنے سر یا ڈاڑھی کا چوتھائی حصہ مونڈے یا اپنے سر کے پیچھے اس جگہ کو مونڈے جہاں پچھنے لگاتے ہیں، تو دم لازم ہوگا یعنی دونوں فعل جمع کرنے کی صورت میں، اور اگر دونوں کو جمع نہ کرے یعنی فقط مونڈے اور پچھنا نہ لگائے یا پچھنے لگائے اور نہ مونڈے تو اس صورت میں اس پر صدقہ لازم ہوگا دم نہیں۔

تعدد مجلس کا اثر کسی احرام والے نے اپنی ایک بغل پوری مونڈی، یا اپنے زیر ناف کے بال مونڈے یا پوری گردن کے بال مونڈے، یا دونوں ہاتھوں کے ناخن کاٹے، یا دونوں پیروں کے یا دونوں ہاتھوں کے اور دونوں پاؤں کے ایک ساتھ اور ایسا ایک مجلس میں کیا، تو اس پر صرف ایک دم ہوگا، اور اگر مجلس متعدد ہوگی تو دم بھی متعدد (ہوں گے) اس طرح کہ مثلاً ایک مجلس میں ایک ہاتھ کے ناخن کاٹے، اور دوسری مجلس میں دوسرے ہاتھ کے، اور تیسری مجلس میں ایک پاؤں کے، اور چوتھی مجلس میں دوسرے پاؤں کے، اس صورت میں چار دم واجب ہوں گے اور چار بکریاں ذبح کرنی ہوں گی، لیکن اگر محل (جگہ) ایک ہو تو مجلس کے بدلنے کا اثر نہیں ہوگا ایک ہی دم دینا کافی ہوگا مثلاً احرام والے نے اپنی ایک بغل کو دو مجلسوں میں مونڈا، یا اپنے سر کے بال چار مجلسوں میں کٹایا تو اس صورت میں ایک ہی دم واجب ہوگا، اس لیے کہ محل جنایت ایک ہے، اب تعدد مجلس کا اثر نہیں ہوگا۔

ایک چوتھائی میں دم

یا احرام والے نے ایک ہاتھ کے ناخن کاٹے، یا ایک پاؤں کے ناخن کاٹے تو ایک دم لازم ہوگا، اس لیے کہ چوتھائی کل کے برابر ہے۔ کل میں دو ہاتھ ہوئے اور دو پاؤں، دونوں مل کر چار ہوئے، اس میں ایک دم تھا تو ایک ہاتھ اور پاؤں میں ایک دم واجب ہوگا اس لیے ایک ہاتھ بھی کل کا ایک چوتھائی ہے۔

ار طاف للقدوم لوجوبه بالشروع او للصدر جنبا او حائضا او للفرض محدثا ولو جنبا فبدلة ان لم يعده والاصح وجوبها في الجنابة و ندبها في الحدث وان المعتبر الاول والثاني جابر له فلا تجب اعادة السعي جوهره و في الفتح لو طاف للعمرة جنبا او محدثا فعليه دم و كذا لو ترك من طوافها شوطا لانه لا مدخل للصدقة في العمرة او افاض من عرفة ولو بندبعيره قبل الامام والغروب ويسقط الدم بالعود ولو بعده في الاصح غاية او ترك اقل من سبع الفرض يعنى ولم يطف غيره حتى لو طاف للصدر انتقل الى الفرض ما يكمله ثم ان بقى اقل الصدر فصدقة والا فدم

حالت جنابت میں طواف یا بے وضو

یا محرم نے طواف قدوم جو شروع کرنے سے واجب ہو گیا تھا اُسے یا طواف صدور حالت جنابت یا حیض میں کیا تو ان دونوں میں دم واجب ہوگا، یا طواف زیارت جو فرض ہے اُسے بے وضو ادا کیا، تو اس صورت میں بھی دم میں بکری ذبح کرنا واجب ہے، اور اگر کوئی طواف زیارت کو حالت جنابت میں کرے گا تو اس پر دم میں اونٹ یا گائے ذبح کرنا واجب ہوگا، بشرطیکہ اسے دوبارہ نہیں کیا ہو، لیکن جس نے حالت حیض یا جنابت میں یا بے وضو طواف قدوم یا طواف صدور اور یا طواف زیارت ادا کیا تھا ان کو اس نے دوبارہ غسل کر کے با وضو ادا کر لیا، تو اب اس پر کچھ واجب نہیں، نہ ذبح اور نہ صدقہ، اس باب میں زیادہ صحیح یہ ہے کہ جو طواف حالت جنابت یا حیض میں کیا ہے اس کا لوٹنا اور دوبارہ کرنا واجب ہے اور جو طواف بے وضو کیا ہے اس کا لوٹنا مستحب ہے، اور اعادہ (لوٹانے) کی صورت میں معتبر پہلا طواف ہے اور دوسرا طواف پہلے طواف کے نقصان کی تلافی کے طور پر ہے، جب پہلا طواف معتبر ٹھہرا، تو سعی بین الصفا والمروہ کا لوٹنا طواف ثانی میں واجب نہیں ہوگا کذی فی الجوہرہ۔

عمرہ کی جنابت

فتح القدیر میں ہے کہ اگر کسی نے حالت جنابت میں عمرہ کا طواف کیا، یا اُسے اس نے بے وضو کیا، تو اس صورت میں اس پر دم لازم ہے، اسی طرح اس صورت میں بھی دم لازم ہوگا، جب کوئی عمرہ کے طواف کا ایک چکر چھوڑ دے، اس لیے کہ عمرہ کی جنابت میں صدقہ کو دخل نہیں۔

عرفات میں دم کی صورت

یا احرام والا عرفات کے میدان سے امام کے آنے سے پہلے چلا آیا۔ یا غروب آفتاب سے پہلے، اگرچہ وہاں سے آنا اونٹ بھاگنے کی وجہ سے ہوا ہو، تو بھی دم واجب ہوگا یعنی دم دونوں صورتوں میں واجب ہے خواہ اپنے اختیار سے آیا ہو یا دوسرے کے دباؤ سے جس میں اس کے اختیار کو دخل نہ ہو۔ لیکن اگر وہ عرفات میں واپس آگیا اگرچہ وہاں بعد غروب واپسی ہوئی ہو تو دم ساقط ہو جائے گا۔

طواف فرض میں دم

طواف فرض کے سات چکروں میں سے کسی نے کمتر کو چھوڑ دیا، جیسے طواف زیارت کے تین چکر یا اس سے کم کو چھوڑ دیا تو اس صورت میں اس پر اس وقت دم واجب ہوگا جب کہ اس نے طواف زیارت کے سوا کوئی اور طواف نہ کیا ہو، یہاں تک کہ اگر اس نے طواف صدر کیا ہے تو اس طواف صدر کے اس قدر چکر (شوط) طواف زیارت کی طرف منتقل ہو جائیں گے جتنے میں وہ پورا ہو جائے۔ خواہ ایک چکر یا دو چکر یا تین چکر۔ اس کے بعد اگر اس کے ذمہ طواف صدر کے کم سے کم چکر باقی رہے، تو صدقہ واجب ہوگا اور زیادہ رہے تو ایک دم لازم ہوگا مثلاً طواف زیارت کے تین شوط (چکر) باقی تھے اور طواف کے پورے سات کر چکا تھا، تو طواف صدر کے تین شوط (چکر) طواف زیارت کی طرف منتقل ہو جائیں گے تاکہ اس کی تکمیل ہو جائے۔ اب اس کے صرف چار شوط (چکر) باقی رہ گئے، کی تین چکر کی ہوئی اور یہ تین اقل طواف ہے تو اس میں صدقہ واجب ہوگا، اور اس کے برعکس ہوگا تو دم لازم ہوگا۔

وبترك اكثره بقى محرما ابدا في حق النساء حتى يطوف فكلما جامع لزمه دم اذا تعدد المجلس الا ان يقصد الرفض فتح او ترك طواف الصدر او اربعة منه ولا يتحقق الترك الا بالخروج من مكة او ترك السعي او اكثر او ركب فيه بلا عذر او الوقوف بجميع يعنى مزدلفة او الرمي كله او في يوم واحد او الرمي الاول او اكثره اى اكثر رمي يوم او حلق في حل يحج في ايام النحر فلو بعدها فدمان او عمرة لاختصاص الحلق بالحرم لا دم في معتمر خرج ثم رجع من حل الى الحرم ثم قصر و كذا الحاج ان رجع في ايام النحر والا فدم للتاخير او قبل عطف على حلق او لمس بشهوة انزال اولا في الاصح او استمنى بكفه او جامع بهيمة و انزل او اخر الحاج الحلق او طواف الفرض عن ايام النحر لتوقيتهما

طواف زیارت اور دم

طواف زیارت کے اکثر شوط کے چھوڑنے سے وہ اس وقت تک ہمیشہ محرم باقی رہے گا جب تک وہ اس کو ادا نہ کرے، یہ عورتوں کے حق میں ہے لہذا اب وہ جتنی دفعہ جماع کرے گا اتنا ہی دم اس پر لازم ہوگا، بشرطیکہ جماع کی مجلسیں متعدد نہ ہوں۔ لیکن اگر بتایا جاتا ہے کہ حج کے ترک کا ارادہ کرے گا تو اس پر ایک ہی دم واجب ہوگا کذا فی فتح القدیر۔

طواف صدر اور دم

یا محرم طواف الصدر کے سب شوط (چکر) کو ترک کر دے یا چار شوط کو، اور یہ چھوڑنا اس وقت ثابت ہوگا جب وہ مکہ مکرمہ سے نکل آئے گا۔ کیونکہ اس طواف کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے، اسی طرح سعی کے کل شوط یا اس کے اکثر کو چھوڑ دے یا بلا عذر سعی سوار ہو کر کرے تو بھی اس پر دم لازم ہوگا۔

دم کا وجوب

یا وہ مزدلفہ کا ٹھہرنا چھوڑ دے، یا تمام رمی کو چھوڑ دے یا ایک دن کی رمی کو یا پہلے دن جمرہ عقبہ کی رمی کو ترک کر دے یا ایک دن کے اکثر کو چھوڑ دے ان تمام صورتوں میں دم لازم ہوگا۔

سر کا منڈانا اور دم یا حج کے احرام والے نے حل میں سر منڈایا، ایام نحر کے اندر تو اس صورت میں ایک دم واجب ہوگا۔ لیکن اگر ایام نحر (قربانی کے دنوں) کے بعد سر منڈائے گا تو دو دم واجب ہوں گے یا عمرہ کے احکام والے نے حل میں سر منڈایا تو ایک دم واجب ہوگا۔ اس لیے کہ سر منڈانا حرم کے ساتھ مخصوص ہے۔

اس عمرہ کرنے والے پر دم واجب نہیں ہے جو حرم سے باہر ہو گیا ہے اور پھر وہاں حل سے حرم کی طرف واپس آ گیا پھر بال ترشوائے یا منڈائے۔ اسی طرح اس حاجی کا حکم ہے جو ایام نحر میں حرم کے اندر واپس آ گیا، البتہ اگر ایام نحر کے بعد حرم میں بال کٹوائے یا منڈوائے گا تو اس پر دم واجب ہے کیونکہ اس نے اس کام میں تاخیر کی۔

بوسہ اور منی وغیرہ میں دم یا محرم نے عورت کا بوسہ لے لیا، تو بھی دم واجب ہو گا یا عورت کو شہوت کے ساتھ چھوا، خواہ انزال ہو خواہ نہ ہو، دونوں صورتوں میں دم واجب ہے یا اس نے ہاتھ کی رگڑ سے عضو تناسل سے منی نکالایا اس نے چوپائے کے ساتھ و طی کی اور انزال ہو گیا تو دم واجب ہوگا، چوپائے سے و طی میں اگر انزال نہیں ہوا ہے تو دم واجب نہیں ہوگا۔

اگر حاجی نے ایام نحر کے بعد سر منڈایا، یا طواف زیارت کیا، تو ان صورتوں میں بھی دم واجب ہوگا، کیونکہ ان دونوں کا وقت ایام نحر کے اندر متعین ہے۔

او قدم نسكا على آخر فيجب في يوم النحر اربعة اشياء الرمي ثم الذبح لغير المنفرد ثم الحلق ثم الطواف لكن لا شيء على من طاف قبل الرمي والحلق نعم يكره لباب و قد تقدم كما لا شيء على المفرد الا اذا حلق قبل الرمي لان ذبحه لا يجب و يجب دمان على قارن حلق قبل ذبحه دم للتاخير و دم للقران على المذهب كما حرره المصنف قال و به اندلع ما توهمه بعضهم من جعل الدمين للجناية وان طيب جوابه قوله الاتي تصدق اقل من عضو او ستر رأسه او لبس اقل من يوم في الخزانة في الساعة نصف صاع و فيما دونها قبضة و ظاهره ان الساعة فلكية او حلق شاربہ او اقل من ربع رأسه او لحيته او بعض رقبته او قص اقل من خمسة اظافيره او خمسة الى ستة عشر متفرقة من كل عضو اربعة و قد استقر ان لكل ظفر نصف صاع الا ان يبلغ دما فينقص ما شاء

افعال حج میں تقدیم و تاخیر یا مرتب افعال حج میں سے ایک کو دوسرے پر مقدم مؤخر کیا۔ مثلاً یوم النحر میں چار افعال حج ہیں اور ترتیب کے ساتھ ہیں۔ اوّل جمرہ عقبہ کی رمی، پھر قربانی کرنا اگر وہ قارن یا متمتع ہے، پھر سر منڈانا پھر طواف زیارت کرنا۔ ان میں تاخیر و تقدیم سے امام اعظمؒ کے نزدیک دم واجب ہوتا ہے۔ لیکن اس پر دم واجب نہیں ہے جو رمی یا حلق کے پہلے طواف کر لے، البتہ ایسا کرنا مکروہ ہے اور پہلے گذر چکا ہے کہ مفرد (تنہا صرف حج کرنے والے) پر کچھ واجب نہیں، مگر اس وقت دم ہوگا جب وہ رمی سے پہلے سر منڈالے، کیونکہ اس پر قربانی واجب نہیں ہے، یہاں تک ان صورتوں کا بیان ہوا جن میں ایک دم واجب ہوتا ہے۔

دو دم اس قارن پر دو دم واجب ہیں، جس نے قربانی سے پہلے سر منڈا لیا، ایک دم جنایت تاخیر کا اور دوسرا قرآن کا اگر کسی احرام والے نے ایک عضو سے کم حصہ میں خوشبو لگائی، یا اپنے سر کو چھپا لیا، یا سلا ہوا کپڑا ایک دن سے کم کے لیے پہن لیا، تو اس کو صدقہ (بقدر نصف صاع) دینا ہو گا اور خزائنہ الفتاویٰ میں ہے کہ اگر ایک گھنٹہ سلا ہوا کپڑا پہنا ہے تو نصف صاع صدقہ دے گا اور اس سے کم وقت کے لیے پہنا ہے، تو ایک ٹھنی صدقہ ہے۔

جنایت پر صدقہ محرم نے اپنی مونچھ منڈوائی یا پوتھائی سے کم سر یا ڈاڑھی منڈوائی یا اپنی گردن کے بعض حصہ کو منڈوایا، یا پانچ ناخنوں سے کم کالے، یا پانچ سے لے کر سولہ ناخن متفرق طور پر کٹوائے ہر عضو سے چار چار، یعنی ایک ہاتھ سے چار دوسرے ہاتھ سے چار، اسی طرح ہر ایک پاؤں سے چار چار۔ اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ہر ناخن کٹانے میں نصف صاع صدقہ ہے، اس حساب سے سولہ ناخن کے آٹھ صاع صدقہ ہوئے، مگر یہ کہ جب وہ ایک بکری کی قیمت کے برابر ہو جائے تو پھر جتنا چاہے کم کر ڈالے۔

یا محرم نے طواف قدوم یا طواف صدر بے وضو ادا کیا۔ یا طواف صدر کے سات چکروں میں سے تین چکر چھوڑ دیئے یا جمرات ثلاثہ میں سے کسی جمرہ کی رمی چھوڑ دی تو اس کو صدقہ دینا ہو گا، کیونکہ ہر کنکری کے ترک سے صدقہ واجب ہے یعنی نصف صاع، مگر جب وہ بکری کی قیمت کے برابر ہو جائے تو پھر جو چاہے کم کر لے جیسا کہ ابھی گذرا، اور حدادی نے کہا ہے کہ نصف صاع کم کرے۔

او طاف للقدوم او للصدر محدثا او ترك ثلثة من سبع الصدر و يجب لكل شوط منه و من السعي نصف صاع او احدى الجمار الثلاث و يجب لكل حصاة صدقة الا ان يبلغ دما فكما مر و افاد الحدادی انه ينقص نصف صاع او حلق رأس محرم او حلال غيره او رقبته او قلم ظفره بخلاف ما لو طيب عضو غيره او البسه مخيطا فانه لا شيء عليه اجماعا ظهيرية تصدق بنصف صاع من بر كالفطرة و ان طيب او حلق او لبس لعذر خير ان شاء ذبح في الحرم او تصدق بثلاثة اصوع طعام على ستة مساكين اين شاء او صام ثلثة ايام ولو متفرقة

یا احرام والا کسی غیر کا سر مونڈے خواہ وہ محرم ہو یا غیر محرم، یا غیر کی گردن کا بال مونڈے، یا اس کے ناخن کالے تو وہ نصف صاع گیہوں صدقہ کرے گا، جتنا صدقہ فطر نکالتے ہیں۔ لیکن اگر غیر کے کسی عضو میں خوشبو لگا دے یا اس کو سلا ہوا کپڑا پہنا دے تو اس پر کچھ لازم نہیں، نہ دم اور نہ صدقہ۔

صدقہ روزہ اور دم اگر محرم نے خوشبو لگائی، یا بال مونڈا، یا سلا ہوا کپڑا کسی عذر کی وجہ سے پہنا تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو حرم میں ایک بکری ذبح کرے، یا تین صاع گیہوں چھ محتاجوں پر صدقہ کرے، جہاں بھی چاہے، حرم میں یا غیر حرم میں یا تین دن روزے رکھے اگرچہ متفرق طور پر ہو، (عذر کے سلسلہ میں طحاوی کا بیان ہے کہ ہلاکت کا خوف ہو، جیسے سخت سردی ہو، یا کوئی ایسی بیماری ہو، یا جنگ کی وجہ سے ہتھیار لگانا پڑے، لیکن جس قدر ضرورت ہو اتنا ہی

استعمال کر سکتا ہے، مثلاً ٹوپی سے کام چل جائے تو پکڑی نہیں باندھ سکتا، صحاح ستہ میں کعب بن عجرہ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور میں اپنی ہانڈی کے نیچے آگ جلا رہا تھا اور جوں میرے منہ پر چڑھ رہی تھی۔ یہ دیکھ کر حضرت نے فرمایا کیا تجھ کو تیرے سر کے یہ کیڑے تکلیف دیتے ہیں؟ میں نے کہا جی ہاں، فرمایا کہ بال موٹڈ ڈال اور تین روزے رکھ، یا چھ محتاجوں کو کھانا دے۔ ہر محتاج کو نصف صاع گیہوں یا جانور ذبح کر، یہ یاد نہیں کہ ان تینوں میں سے پہلے کس کو فرمایا۔ پھر یہ آیت اتری لَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ یعنی تم میں سے جو بیمار ہو، یا اس کو اس کے سر میں تکلیف ہو، تو اس پر فدیہ ہے روزہ کے ذریعہ ادا کرے، یا صدقہ کے ذریعہ، یا جانور ذبح کر کے، صحیحین کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کعب بن عجرہ سے فرمایا تجھ کو بکری میسر ہے، انھوں نے کہا نہیں، فرمایا تین روزے رکھ، یا چھ مسکین کو کھانا دے ہر مسکین کو نصف صاع چونکہ قرآن پاک میں صدقہ اور روزہ کا اجمالی تذکرہ تھا آنحضرت نے اس کی تفصیل بیان فرمادی۔

وَرُطُوهُ فِي أَحَدِ السَّبِيلَيْنِ مِنْ أَدَمِيٍّ وَلَوْ نَاسِيًا أَوْ مَكْرَهَا أَوْ نَائِمَةً أَوْ صَبِيًا أَوْ مَجْنُونًا ذَكَرَهُ الْحَدَّادِيُّ لَكِنْ لَا دَمَ وَلَا قِضَاءَ عَلَيْهِ قَبْلَ وَقُوفٍ فَرَضَ يَفْسُدُ حُجَّهٌ وَكَذَا لَوْ اسْتَدَخَلَتْ ذَكَرَ حَمَارًا وَذَكَرًا مَقْطُوعًا فَسَدَ حُجَّهًا أَجْمَاعًا وَيَمْضِي وَجُوبًا فِي فَاسِدِهِ كَجَائِزِهِ وَيَذْبَحُ رَ يَقْضَى وَلَوْ نَفْلًا وَلَوْ أَفْسَدَ الْقِضَاءَ هَلْ يَجِبُ قِضَاؤُهُ لَمْ أَرَهُ وَالَّذِي يَظْهَرُهُ أَنَّ الْمُرَادَ بِالْقِضَاءِ الْإِعَادَةَ وَلَمْ يَتَفَرَّقَا وَجُوبًا بَلْ نَدْبًا إِنْ خَافَ الْوَقَاعَ

حج کا فاسد ہونا احرام والے کا کسی آدمی کے دونوں راستوں میں سے کسی میں وقوف عرفہ سے پہلے وطی کرنا خواہ یہ بھول کر ہی کیوں نہ ہو، پھر خواہ اپنی خوشی سے کیا ہو، یا زبردستی کی وجہ سے، جاگتی عورت سے کیا ہو، یا سوئی ہوئی سے، پھر احرام والا نابالغ ہو یا پاگل اس سے اس کا حج فاسد ہو جاتا ہے، حدادی نے صراحت کی ہے کہ نابالغ اور پاگل پر اس جماع سے نہ دم واجب ہے اور نہ حج کی قضا، طحاوی میں ہے کہ انسان کے ساتھ وطی بہر حال حج کو فاسد کر ڈالتی ہے انزال ہو یا نہ ہو، اور جانور کے ساتھ مطلقاً مفسد حج نہیں۔

فاسد حج کی قضا اسی طرح اگر کوئی عورت حالت احرام میں جانور کا عضو تناسل اپنی شرمگاہ کے اندر داخل کر لے، یا کٹے ہوئے عضو تناسل کو اپنی شرمگاہ میں داخل کر لے تو متفقہ طور پر اس کا حج فاسد ہو جائے گا، مگر اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے اس فاسد حج کو اسی طرح پورا کرے، جس طرح جائز حج کو ایک حاجی پورا ادا کرتا ہے، یہ سمجھ کر کہ اس کا حج فاسد ہو گیا، افعال حج ترک نہ کرے بلکہ جس قدر افعال باقی رہ گئے ہوں ان کو پورا کرے، پھر قربانی کرے، اور اگلے سال اس حج کی قضا کرے، اگرچہ یہ فاسد ہونے والا حج نفل ہی کیوں نہ ہو، (دارقطنی میں عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ جماع سے حج باطل ہو جاتا ہے۔ سائل نے پوچھا کہ جب حج باطل ہو جاتا ہے، تو پھر حج چھوڑ کر بیٹھ رہے؟ فرمایا نہیں، بلکہ لوگوں کے ساتھ جائے اور جو لوگ کرتے ہیں، وہ بھی کرے اور سال آئندہ قضا کرے، قربانی کا جانور ساتھ لائے)

اب سوال یہ ہے کہ آئندہ سال اگر وہ اس باطل حج کی قضا کے لیے نکلا، اور اس نے اس کو بھی فاسد کر دیا تو کیا اس قضا کی

تضا بھی واجب ہوگی یا نہیں، شارح کا کہنا ہے کہ میں نے یہ مسئلہ کہیں نہیں دیکھا۔ یہاں قضاء سے ظاہر ان حج کا اعادہ مراد ہے۔

میاں بیوی جن کا حج فاسد ہو گیا ہو جن میاں بیوی کا حج فاسد ہو گیا ہے جب وہ دونوں آئندہ اس کے ادا کرنے کے لیے آئیں گے، تو ان کے لیے یہ واجب نہیں ہے، کہ وہ دونوں علیحدہ ہی رہیں، ہاں اگر جدا رہیں تو مناسب ہے، اور مستحب بھی، مگر یہ بھی اس وقت جب جماع کا خطرہ ہو۔

و طؤہ بعد وقوفہ لم یفسد حجه و تجب بدنة و بعد الحلق قبل الطواف شاة لخفة الجنابة و طؤہ فی عمرته قبل طوافه اربعة مفسد لها فمضى و ذبح و قضی وجوبا و طؤہ بعد اربعة ذبح ولم یفسد خلافا للشافعی فان قتل محرم صیدا ای حیوانا بریا متوحشا باصل خلقته او دل علیه قاتله مصدقا له غیر عالم واتصل القتل بالدلالة او الاشارة والذال والمشير باق علی احرامه واخذہ قبل این ینفلت عن مکانہ بدأ او عودا او سهوا او عمدا مباحا او مملوکا فعليه جزاؤه ولو سبعا غیر صائل او مستانسا او حماما ولو مسر و لا یفتح الواو ما فی رجليه ریش کالسر او یل

قیام عرفہ کے بعد جماع عرفات میں ٹھہرنے کے بعد احرام کی حالت میں جماع کرنے سے حج فاسد نہیں ہوتا ہے۔ اس لیے کہ حدیث میں ہے کہ جو عرفات میں ٹھہرا اس کا حج ہو گیا، البتہ اس جماع کی سزائیں اس پر ایک اونٹ کی قربانی واجب ہوگی، اور اگر احرام والا سر منڈانے کے بعد اور طواف زیارت سے پہلے جماع کرے گا تو اس پر ایک بکری ذبح کرنا لازم ہوگا، کیونکہ اس وقت یہ قصور ہلکا ہے اور اس لیے بھی کہ سر منڈانے کے بعد عورت کے سوا ساری چیزیں حلال ہو جاتی ہیں۔

فساد عمرہ اپنے عمرہ میں احرام والے نے عمرہ کے طواف کے چار چکر کرنے سے پہلے وطی کی، تو اس سے اس کا عمرہ فاسد ہو جائے گا، لیکن عمرہ کے فاسد ہونے کے بعد بھی وہ عمرہ کے افعال ادا کرے گا، اور قربانی دے گا اور پھر اس کے ذمہ اس کی تضا بھی واجب ہوگی، اور جو عمرہ کے طواف کے چار چکر ادا کر چکا تھا اس کے بعد اگر اُس نے وطی کی ہے تو اس سے اس کا عمرہ فاسد نہیں ہوگا، لیکن اس کی سزائیں وہ ایک بکرا ذبح کرے گا لیکن امام شافعیؒ فرماتے ہیں چار چکر کے بعد بھی وطی کرنے سے عمرہ فاسد ہو جاتا ہے۔

شکار کی جزا اگر احرام والا حالت احرام میں کسی شکار کو قتل کرے گا تو اس پر اس کی جزا واجب ہے صید (شکار) خشکی کے جانور کو کہتے ہیں جو اپنی اصل پیدائش کے اعتبار سے وحشی ہوں، (خشکی کا جانور وہ ہے جس کا پیدا ہونا اور بڑھنا خشکی میں ہو، اگرچہ وہ پانی میں بھی رہا کرتا ہو، جیسے پرندہ اور دریائی جانور وہ ہے جس کا توالد و تناسل پانی میں ہو، گو وہ خشکی میں رہتا ہو، اس کے شکار کرنے پر جزا نہیں ہے۔) خشکی کے جانور میں وحشی سے مراد یہ ہے کہ اگر اس کو پکڑنا چاہے تو بھاگ کھڑا ہو، خواہ پاؤں سے چل کر خواہ پروں سے اڑ کر، لہذا پالتو ہرن صید (شکار) میں داخل ہے۔ گائے اونٹ صید میں داخل نہیں ہے اس لیے کہ اصل خلقت میں وحشت نہیں ہے، صید (شکار) میں ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم دونوں داخل ہیں۔

شکار کی حرمت احرام والے کو تمام چیزوں کا شکار کرنا حلال اور حرم دونوں جگہ حرام ہے سوائے اُن جانوروں کے جو مستثنیٰ ہیں جن کی تفصیل آگے آرہی ہے یا محرم خود تو قتل نہ کرے مگر شکار کے قتل کرنے والے کو بتائے، بتانے کی پانچ شرطیں ہیں: ایک یہ کہ قاتل بتانے والے کی تصدیق کرے، تصدیق کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اس کو یہ کہے کہ تو اس بتانے میں سچا ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کی تکذیب نہ کرے، دوسری شرط یہ ہے کہ قاتل شکار سے واقف نہ ہو اگر وہ پہلے جانتا ہو تو محرم کے بتانے سے جزا لازم نہیں ہوگی، تیسری شرط یہ ہے کہ شکار کا قتل بتانے کے فوراً بعد ہو، چوتھی شرط یہ ہے کہ بتانے والا فوراً اشارہ کرنے والا محرم اپنے احرام پر شکار کرنے تک باقی رہے، پانچویں شرط یہ ہے کہ قاتل شکار کو اپنی جگہ سے بھاگنے سے پہلے گرفتار کر لے یا مار ڈالے۔ بتانے اور اشارہ میں فرق یہ ہے کہ بتانا پیچھے سے ہوتا ہے اور اشارہ سامنے سے ہوتا ہے۔

شکار کی جزا محرم کا شکار کو قتل کرنا، یا بتانا یا اس کی طرف اشارہ کرنا یہ پہلے حج میں ہو، یا دوسرے میں، بھول کر ہو، یا قصد اہو، شکار مباح ہو یا وہ کسی کا مملوک ہو، بہر حال اس پر اس کی جزا واجب ہوگی، اگرچہ وہ درندہ جانور ہو جس نے حملہ نہیں کیا، یا شکار مانوس ہو، جیسے پالتو ہرن یا شکار کبوتر ہو، گو وہ ایسا کبوتر ہو، جس کے پاؤں میں بال ہوتے ہیں، مَسْرُول اس کبوتر کو کہتے ہیں جس کے پاؤں میں پانچامہ کی طرح پر ہوں۔

او هو مضطر الى اكله كما يلزمه القصاص لو قتل انسانا او اكل لحمه و يقدم الميتة على الصيد و الصيد على مال الغير و لحم الانسان قيل و الخنزير ولو الميت نبيا لم يحل بجال كما لا ياكل طعام مضطر آخر و في البرازية الصيد المذبوح اولى اتفاقا اشباه و يغرم ايضا ما اكله لو بعد الجزاء و الجزاء هو ما قومه عد لان و قيل الواحد ولو القاتل يكفى في مقتله او في اقرب مكان منه ان لم يكن في مقتله قيمة فاو للتوزيع لا للتخير

محرم مضطر یا احرام والا بھوک کی وجہ سے شکار کے کھانے پر مجبور و مضطر ہو، تو بھی اس پر جزا واجب ہے۔ چنانچہ اُس محرم پر قصاص لازم ہے جو انسان کو قتل کرے اور اضطرار میں اس کا گوشت کھائے۔

حالت اضطرار حالت اضطرار میں محرم کے کھانے کی ترتیب یہ ہوگی۔ پہلے مردہ، پھر شکار، پھر غیر کا مال، پھر انسان کا گوشت اور ایک قول ضعیف یہ ہے کہ شکار (سور) مقدم ہے۔ (منشایہ ہے کہ اگر یہ صورت ہو تو ان چیزوں میں کس کا کھانا مقدم ہے جس کی اوپر ترتیب بیان کی گئی ہے)

شکار اور مردار میں مردار کو مقدم رکھا گیا ہے اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، قاضی خاں میں یہی ترتیب لکھی ہے اور مبسوط میں یہ ہے کہ شکار مردار پر مقدم ہے، یعنی دونوں پر قادر ہونے کی صورت میں پہلے شکار کھائے گا۔ اس کے نہ پانے کی صورت میں مردار کذانی فتح القدیر، اور میت (مردار) اگر پیغمبر کی ہو تو اس کا کھانا کسی صورت میں بھی جائز نہیں، جیسے ایک مضطر کو دوسرے مضطر کا کھانا کھانا درست نہیں، اور فتاویٰ بزاز یہ میں یہ ہے کہ ذبح کیے ہوئے شکار کا کھانا بالاتفاق مردار کھانے سے بہتر ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مردار میں حرمت ذاتی ہے اور شکار میں عرضی۔

شکار کی جزا اور شکار کی جزا وہ ہوگی جو دو مسلمان عادل مقرر کر دیں، اس جگہ کے اعتبار سے، جہاں اُسے مارا گیا ہے یا اس سے قریب تر جگہ کا اعتبار کر کے جب کہ قتل کی جگہ میں اس کی قیمت ظاہر نہ ہو سکے، جیسے وہ جگہ جنگل ہو

جہاں خرید و فروخت نہیں ہوتی ہے تو اب اس سے قریب تر بازار یا جگہ کا اعتبار کیا جائے گا ایک ضعیف قول یہ ہے کہ ایک مسلمان عادل کا قیمت مقرر کر دینا کافی ہوگا، اگرچہ وہ قاتل صید ہی کیوں نہ ہو۔

ایک عادل مسلمان کا قیمت ٹھہرانا اس لیے ضعیف ہے کہ نص قرآنی کے خلاف ہے، **دو کے شرط ہونے کی وجہ** قرآن پاک میں صراحت ہے کہ وہ عادل مقرر کریں وہ آیت یہ ہے۔

”لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَ أَنْتُمْ حُرْمٌ وَ مَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعْمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ أَوْ عَدْلٌ ذَلِكَ صِيَامًا“

(امام اعظمؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک شکار کی جزا میں قیمت لازم ہے جسے جزائے معنوی سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور اسی میں سہولت بھی ہے۔)

وَالْجَزَاءُ فِي سَبْعِ آيِ حَيَوَانٍ لَا يُؤْكَلُ وَ لَوْ خَنْزِيرًا أَوْ فِيلًا لَا يَزَادُ عَلَى قِيَمَةِ شَاةٍ وَ إِنْ كَانَ السَّبْعُ أَكْبَرَ مِنْهَا لِأَنَّ الْفَسَادَ فِي غَيْرِ الْمَأْكُولِ لَيْسَ إِلَّا بِأَرَاقَةِ الدَّمِ فَلَا يَجِبُ فِيهِ إِلَّا دَمٌ وَ كَذَا لَوْ قَتَلَ مَعْلَمًا ضَمَنَهُ لِحَقِّ اللَّهِ فِي غَيْرِ مَعْلَمٍ وَ لِمَالِكِهِ مَعْلَمًا ثُمَّ لَهُ آيٌ لِلْقَاتِلِ إِنْ يَشْتَرِي بِهِ هَدِيًّا وَ يَذْبَحُهُ بِمَكَّةَ أَوْ طَعَامًا وَ يَتَصَدَّقُ بِإِنْ شَاءَ عَلَى مَسْكِينٍ وَ لَوْ ذِمًّا نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ وَ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيرٍ كَالْفَطْرَةِ لَا يَجْزِيهِ أَقْلٌ أَوْ أَكْثَرُ مِنْهُ بَلْ يَكُونُ تَطَوُّعًا أَوْ صَامٍ عَنْ طَعَامٍ كُلِّ مَسْكِينٍ يَوْمًا وَ إِنْ فَضَلَ عَنْ طَعَامِ مَسْكِينٍ أَوْ كَانَ الْوَاجِبُ ابْتِدَاءً أَقْلٌ مِنْهُ تَصَدَّقَ بِهِ أَوْ صَامَ يَوْمًا بَدَلَهُ

وہ جانور جس کا گوشت شرعاً کھایا نہیں جاتا ہے وہ درندہ ہو یا کوئی دوسرا جانور جیسے سور یا ہاتھی، اگر کوئی حالت احرام میں ان جانوروں میں سے کسی کا شکار کرے تو اس کی جزاء بکری کی قیمت سے زیادہ نہیں لگائی جائے گی، اگرچہ وہ جانور جسم میں بکری سے بہت بڑا ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ غیر ماکول اللحم (جن جانوروں کا گوشت کھانا حلال نہیں) کے شکار میں خون ریزی کے سوا دوسرا فساد نہیں ہے، اس لیے اس میں صرف دم چاہیے وہ بکری سے ادا ہو جاتا ہے، اسی طرح اگر محرم نے کسی (معلم) سدھائے ہوئے درندہ کو قتل کیا تو اس میں حق اللہ یہ ہے کہ غیر معلم کی جزا دے اور اس کے مالک کو تعلیم یافتہ کی قیمت ادا کرے مالک کو تاوان نفع کے اعتبار سے دیا جاتا ہے اور حق شرع ذات کے اعتبار سے ادا ہوتا ہے۔

قربانی، صدقہ اور روزہ میں اختیار جب مقتول شکار کی قیمت دو عادل طے کر دیں تو قاتل کو اختیار ہے کہ اس کی قیمت سے قربانی کا جانور مول لے اور اس کو مکہ لے جا کر ذبح کرے یا

اس قیمت کا غلہ خریدے، اور جہاں چاہے مسکینوں پر صدقہ کر دے، ہر مسکین کو نصف صاع گہوں یا ایک صاع کھجور یا جو دے، جیسا کہ صدقہ فطر ادا کرتے ہیں، یہ صدقہ ذمی محتاج کو بھی دے سکتے ہیں، لیکن مفتیؒ یہ ہے کہ ذمی کو یہ صدقہ دینا درست نہیں ہے، نہ اس سے کم دے نہ زیادہ البتہ جو زیادہ دے گا وہ نفل صدقہ میں شمار ہوگا، یا ہر مسکین کے عوض ایک ایک دن روزہ رکھے۔

مختصر یہ کہ شکار کرنے والے محرم کو ان تین چیزوں میں سے کسی ایک کے اختیار کا حق ہے: (۱) شکار کی قیمت لگائے اور اس کی بکری خرید کر مکہ میں لیجا کر ذبح کرے۔ (۲) اس قیمت سے گیہوں مول لے اور پونے تین سیر گیہوں ہر ہر مسکین پر تقسیم کر دے۔ (۳) یا جتنے مسکین پر نصف صاع کے حساب سے یہ غلہ تقسیم ہوتا ہے اتنے روزے رکھے۔

اگر ایک مسکین کے کھانے سے غلہ بڑھ جائے اور وجوب ابتداء میں ہی نصف صاع سے کم ہوا ہے جیسے کوئی گوریٹا چڑیا کو بارے تو ایک چوتھائی صاع آئے گا، یعنی جتنا ہو مسکین کو دیدے، یا پھر اس کے عوض ایک دن روزہ رکھے۔

ولا يجوز ان يفرق نصف صاع على مساكين قال المصنف تبعاً للبحر هكذا ذكره هنا
 و قدم في الفطرة الجواز فينبغي كذلك هنا و تكفي الاباحة هنا كدفع القيمة ولا ان يدفع
 كل الطعام الى مسكين واحد هنا بخلاف الفطرة لان العدد منصوص عليه كما لا يجوز
 دفعه اى الجزاء الى من لا تقبل شهادته له كاصله و ان علا و فرعه و ان سفل و زوجته
 و زوجها وهذا هو الحكم فى كل صدقة واجبة كما مر فى المصنف و وجب بجرحه و
 نف شعره و قطع عضوه ما نقص ان لم يقصد الاصلاح فان قصده كتحليص حمامة من
 سوراو شبكة فلا شيء عليه و ان ماتت و وجب بتنف ريشه و قطع قوائمه حتى خرج
 عن حيز الامتناع و كسر بيضه غير المذرو و خروج ميت به اى بالكسر و ذبح حلال صيد
 الحرم و حلبه لبنه و قطع حشيشه و شجره حال كونه غير مملوك يعنى النابت بنفسه سواء
 كان مملوكا او لا حتى قالوا لو نبت فى ملكه ام غيلان فقطعها انسان فعليه قيمة لمالكها و
 اخرى لحق الشرع بناء على قولهما المفتى به من تملك ارض الحرم

نصف صاع غلہ کو چند مسکین پر تقسیم کرنا درست نہیں ہے، اور صدقہ فطر کے باب میں اس کا جائز ہونا پہلے بیان ہو چکا ہے اس لیے مناسب تھا کہ یہاں بھی اسی طرح بیان کرتے، اور قرآن میں بھی مطلقاً ذکر ہے کوئی قید نہیں ہے۔ (منشایہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہونا چاہیے)

کھانا کا مباح کر دینا یہاں کافی ہے جس طرح قیمت کا دینا، یعنی کھانا کھلانے کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ مسکین کو کھانے کا مالک بنادے دوسرے یہ کہ کھانا پکا کر دونوں وقت پیٹ بھر کر کھلا دے، یا نصف نصف صاع کی قیمت ہر مسکین کو دیدے۔ تمام کا تمام ایک مسکین کو دینا یہاں جائز نہیں ہے اس لیے جہاں شکار کی جہاد کا تذکرہ قرآن میں ہے وہاں مسکین کا لفظ صراحت کے ساتھ آیا ہے، البتہ صدقہ فطر میں ایسا کر سکتے ہیں۔

شکار کا جو تاوان عاید ہوا ہے اس کا ان لوگوں کو دینا درست نہیں جن کی گواہی اس کے حق میں مقبول نہیں، جیسے احرام والے کے اصل ماں، باپ، دادا وغیرہ اوپر تک اور ان کے فرع جیسے لڑکا، لڑکی، پوتا، نواسہ، نواسی وغیرہ، اصول و فروع خواہ قریب ہوں یا بعید ان کو دینا درست نہیں، اسی

طرح اپنی بیوی یا شوہر کو دینا بھی جائز نہیں، اور تمام صدقات واجب کا یہی حکم ہے یعنی اپنے اصول و فروع اور اپنی بیوی اور اپنے شوہر کو دینا جائز نہیں ہے۔

شکار کے زخم کا تاوان شکار کو زخمی کرنے، اس کے بال نوچنے اور اس کے عضو کاٹنے سے جو نقصان ہو اس کے برابر جزا ہوتی ہے بشرطیکہ یہ سب اصلاح اور فائدہ کی غرض سے نہ کیا گیا ہو، لیکن اگر اصلاح کے لیے ایسا کیا گیا ہو تو جزاء نہیں ہوگی جیسے کسی کبوتر کو بلی نے پکڑ لیا ہو اس کے چھڑانے میں اس کے بال اکھڑ گئے، یا جال میں پھنس گئی تھی اور اس سے نکالنے میں بال بچ گئے تو اس محرم پر کچھ جزا عاید نہیں ہوگی اگرچہ وہ جانور اس صورت میں مر ہی کیوں نہ جائے۔ (بقدر نقصان کا مطلب یہ ہے کہ اس نقصان کی وجہ سے قیمت میں جتنی کمی آئے گی اتنا محرم پر دینا واجب ہوگا مثلاً ایک جانور کی قیمت زخمی ہونے سے پہلے بیس روپے تھی، زخمی ہونے کے بعد اس کی قیمت دس روپے لگائی گئی، معلوم ہوا زخم کی وجہ سے دس روپے کی کمی ہو گئی تو اب دس روپیہ محرم کو دینا ہوگا، اس دس روپے سے بکری ملے تو بکری لے کر ذبح کر دے، یا دس روپیہ کا غلہ لے کر مساکین پر صدقہ کر دے، یا نصف صاع کے حساب سے جتنے مسکین پر بیٹھے اتنے روزے رکھے)

پاؤں کاٹنے اور پر نوچنے کا بدلہ اگر کوئی محرم شکار کے تمام پر نوچ دے، یا اس کے سارے پاؤں کاٹ ڈالے تو اس صورت میں کل جانور کی قیمت صدقہ کرنی ہوگی اس لیے کہ وہ جانور اس کی وجہ سے اپنی حفاظت کرنے کے لائق نہیں رہا، نہ پرندہ اڑ سکتا ہے نہ چوپایا بھاگ سکتا ہے۔

انڈے کا تاوان اگر اس کے انڈے توڑ ڈالے اگر وہ انڈا گندہ نہیں ہے، تو انڈے کی پوری قیمت اس کے ذمہ واجب ہوگی، اگر انڈا توڑ دینے سے مردہ بچہ نکلا تو اس صورت میں زندہ بچہ کی قیمت ادا کرنا ہوگی۔

غیر محرم کا شکار کرنا اگر غیر محرم حرم کا شکار ذبح کر دے تو اس پر اس کی قیمت واجب ہوگی کہ وہ اتنا صدقہ کرے یا اس کی قیمت کا جانور خرید کر ذبح کرے، البتہ غیر محرم کو صدقہ کے بدلے روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔

دودھ اور گھاس کا حکم حرم کے شکار کا دودھ دوہنے سے اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوگا اور قیمت کا صدقہ کرنا اس وقت بھی واجب ہے، جب کوئی حرم کی گھاس یا اس کا درخت کاٹے، مگر شرط یہ ہے کہ وہ درخت اس کی ملکیت میں نہ ہو، یعنی وہ خود رو ہو، کسی انسان نے اس کو دیا نہ ہو خواہ وہ مملوک ہو یا نہ ہو، فقہاء نے یہاں تک کہا ہے کہ اگر کسی کی مملوکہ زمین میں بول کا درخت خود اگ آیا ہو اس کو کوئی کاٹ ڈالے تو کاٹنے والے پر دو قیمتیں واجب ہوں گی ایک اس کے مالک کے لیے اور دوسری قیمت حق شرع میں اس مسئلہ کی بنیاد صاحبین کے اس مفتی بہ قول پر ہے جس میں انھوں نے کہا کہ حرم کی زمین مملوک ہے اور امام اعظم کے نزدیک حرم کی زمین وقف کے حکم میں ہے مملوک نہیں ہو سکتی ہے۔

ولا منبت ای لیس من جنس ما ینبتہ الناس فلو من جنسہ فلا شیء علیہ کمقلوع و ورق لم یضر بالشجر ولذا حل قطع الشجر المثمر لان اثمارہ اقیم مقام الانبات قیمته فی کل ما ذکر الا ما جف او انکسر لعدم او النماء او ذهب بحفر کانون او ضرب فسطاط لعدم امکان الاحتراز عنه لانه تبع والعبرة للاصل لا لغصنه و بعضه ای الاصل کھو ترجیحاً للحرمة

کس طرح کے درخت میں صدقہ

قیمت کے واجب ہونے کی دوسری شرط یہ ہے کہ لگانے کا درخت نہ ہو کہ لوگ عادتاً اسے بوتے اور لگاتے ہوں، اگر اس جنس کا درخت ہوگا یعنی ایسا خود درخت جس کو لوگ بوتے اور لگاتے ہیں تو اس کے کاٹنے سے شرعاً کوئی مواخذہ نہیں ہوگا البتہ اگر یہ کسی کی خاص اپنی زمین پر ہوگا تو مالک کو اس کی قیمت دینا پڑے گی۔

حرم کی گھاس اور اس کے درخت دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جسے لوگوں نے بویا، یا لگایا دوسرا وہ خود اگا۔ جیسے جنگلی درخت خود بخود اگتے ہیں، پھر وہ درخت انسان نے جس کو بویا، یا لگایا ہو اس کی بھی دو قسمیں ہیں ایک جس کو لوگ بطور عادت لگاتے بوتے ہیں، دوسرا وہ جسے عادت کے طور پر نہیں لگایا جاتا، ان دونوں کے کاٹنے سے جزا محرم پر واجب نہیں۔

جو درخت بطور خود اگتے اور نکلتے ہیں یہ بھی دو طرح کے ہوتے ہیں، یہ یا تو اس جنس سے ہوگا جس کو لوگ بوتے لگاتے ہیں یا اس جنس سے ہوگا جس کو لوگ بوتے لگاتے نہیں ہیں۔ پہلی قسم کے کاٹنے سے جزا واجب نہیں ہوتی، دوسری قسم کے کاٹنے میں البتہ جزا لازم ہوتی ہے۔ اس کی بنیاد اس حدیث پر ہے جو صحاح ستہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا، تو رسول خدا ﷺ نے کھڑے ہو کر حمد کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہاتھی والوں کو یہاں سے ہلاک کیا، اور اپنے رسول اور مومنین کو اقتدار بخشا، اور مرے واسطے ایک ساعت کے لیے مکہ مکرمہ حلال ہو گیا تھا، پھر اس کی حرمت لوٹ آئی اور یہ قیامت تک باقی رہے گی، نہ اس کا درخت کاٹا جائے اور نہ یہاں کے شکار کو ستایا جائے اور نہ یہاں کی سبز گھاس کاٹنے کی اجازت دی جائے کہ اسے ہم اپنی قبروں اور گھروں میں استعمال کرتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا اچھا اذخر گھاس کا کاٹنا حرام نہیں۔ اس حدیث میں صرف اذخر نامی گھاس کاٹنے کی اجازت ہے اس کے علاوہ کسی کی نہیں، لیکن فقہاء کرام نے بدلیل اجماع اوپر کی تین قسموں کو بھی مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عہد نبویؐ سے اس وقت تک وہاں زراعت (کاشت) کرنے اور اس کے کاٹنے کی عادت چلی آرہی ہے، کسی نے اس پر انکار نہیں کیا، لہذا حرم کی گھاس اور درخت سے وہی گھاس اور درخت مراد ہوں گے جو خود رو ہوں، اور انسان کی طرف سے اس کی نسبت نہ ہو، اور جس کو انسان نے بویا خواہ اس کے بونے کی عادت ہو یا نہ ہو وہ انسان کی طرف منسوب ہوگی۔

حرم کے کٹے ہوئے درخت اور پتوں میں شرعاً مواخذہ نہیں ہے مگر شرط یہ ہے کہ پتے توڑنے سے درخت کا نقصان نہ ہوتا ہو، لہذا پھل والے

درخت کا کاٹنا درست ہے اس لیے کہ اس کا پھل لانا بونے اور لگانے کے قائم مقام ہے چنانچہ جو گھاس یا درخت خشک ہو گیا یا ٹوٹ گیا اس کے کاٹنے میں جزا واجب نہیں ہوتی، اس لیے کہ اس میں قوت نمو باقی نہیں رہتی ہے، اور جس میں بڑھنے کی قوت باقی نہیں رہی وہ ایندھن کے حکم میں ہو گیا۔

اسی طرح خیمہ گاڑنے یا بھٹی کھودنے میں جو گھاس یا درخت ضائع ہو گیا، اس میں بھی جزا نہیں اس لیے کہ ایسے امور سے بچنا ممکن نہیں ہے، اور یہ ضائع ہونا تبعاً ہے اصلاً نہیں۔

پھر اعتبار درخت کی جڑ کا ہوتا ہے شاخوں کا نہیں، پس اگر کوئی درخت ایسا ہو کہ اس کی جڑ حرم میں ہو، اور شاخیں جل میں، تو وہ حرم کا درخت کہا جائے گا اور اس کے

درخت میں اعتبار جڑ کا ہے

کاٹنے سے قیمت دینا واجب ہوگی، لیکن اگر جڑ جل میں ہو، اور شاخیں حرم میں تو وہ جل کا درخت شمار ہوگا۔ اس کے کاٹنے سے جزا نہیں ہوگی۔

حرم میں جڑ کے بعض حصہ کا ہونا حکم میں کل حصہ کے ہونے کے ہے کیونکہ حرمت کو ترجیح حاصل ہے، اور اسے ترجیح دینا بھی چاہیے۔

وَالْعَبْرَةُ لِمَكَانِ الطَّائِرِ فَإِنْ كَانَ عَلَى غَصْنٍ بَحِثَ لَوْ وَقَعَ الْصَيْدُ وَقَعَ فِي الْحَرَمِ لَهْوُ صَيْدِ الْحَرَمِ وَالْأَلَا لَوْ كَانَ قَوَائِمُ الْصَيْدِ الْقَائِمُ فِي الْحَرَمِ وَرَأْسُهُ فِي الْحِلِّ فَالْعَبْرَةُ لِقَوَائِمِهِ وَبَعْضُهَا كَكُلِّهَا لَا لِرَأْسِهِ وَهَذَا فِي الْقَائِمِ وَلَوْ كَانَ نَائِمًا فَالْعَبْرَةُ لِرَأْسِهِ لِسُقُوطِ اعْتِبَارِ قَوَائِمِهِ حِينَئِذٍ فَاجْتَمَعَ الْمَبِیْحُ وَالْمَحْرُمُ وَالْعَبْرَةُ لِحَالَةِ الرَّمْيِ إِلَّا إِذَا رَمَاهُ مِنَ الْحِلِّ وَرَأْسُهُ فِي الْحَرَمِ يَجِبُ الْجَزَاءُ اسْتِحْسَانًا بِدَائِعِ وَلَوْ شَوَى بَيْضًا أَوْ جَرَادًا حَلَبَ لَبَنٌ صَيْدٌ فَضَمَّنَهُ لَمْ يَحْرَمِ أَكْلُهُ وَجَازَ بَيْعُهُ وَيَكْرَهُ وَيجعل ثمنه في الفداء ان شاء لعدم الزكاة بخلاف ذبح المحرم او صيد الحرم فانه ميتة ولا يرعى حشيشة بداية ولا يقطع بمنجل الا الاذخر و لا بأس باخذ كمائه لانه كالجاف و بقتل قملة من بدنه او الاقائها او القاء ثوبه في الشمس لتموت تصدق بما شاء كجرادة

اڑنے کی جگہ کا اعتبار پرندوں میں اس جگہ کا اعتبار ہے جہاں وہ بیٹھا ہو، لہذا اگر پرندہ کسی شاخ پر اس طرح ہو کہ اگر اس کو شکار کیا جائے تو وہ حرم میں گرے تو وہ حرم کا شکار شمار ہوگا، اور اس پر جزا واجب ہوگی، اور اگر وہ حرم میں نہ گرے تو حرم کا شکار شمار نہیں ہوگا، اور جزا واجب نہیں ہوگی۔

کھڑے ہوئے شکار کھڑے ہوئے شکار کے پاؤں کا اعتبار ہے، سر کا نہیں، مثلاً اگر اس جانور کے پاؤں حرم میں ہوں اور سر جل میں ہو، تو وہ حرم کا شکار شمار ہوگا، اور اس کے بعض پاؤں حرم میں ہونا کل کے ہونے کے حکم میں ہے مثلاً ایک پاؤں حرم میں تھا اور دوسرا حل میں، تو حرم میں شمار ہوگا، شکار کے سر کا اعتبار نہیں ہوتا ہے مثلاً پاؤں حل میں ہو اور سر حرم میں تو وہ حل کا شکار شمار ہوگا۔ حرم کا شمار نہیں ہوگا، یہ کھڑے جانور کا حکم بیان ہوا۔

سوئے اور لیٹے ہوئے جانور لیکن سوئے اور لیٹے ہوئے جانور میں سر کا اعتبار ہوتا ہے پاؤں کا نہیں، پاؤں کا اعتبار ساقط ہو جاتا ہے، یہاں دو امر جمع ہو گئے ایک اباحت کا دوسرا تحریم کا، لہذا تحریم کا غلبہ حاصل ہوگا، پس جو جانور لیٹا اور سویا ہو اس طرح کہ سر حل میں ہے اور پاؤں حرم میں تو وہ حل میں شمار ہوگا۔

شکار کرنے والا شکار کرنے والے میں اس حالت کا اعتبار ہے جس میں وہ تیر چلا رہا ہے، یعنی اگر غیر محرم نے حل سے بندوق چلائی، تو اس پر جزا واجب نہیں ہوگی، لیکن اگر حل سے اس طرح بندوق چلائی کہ اس کی گولی حرم سے ہو کر گذری اور شکار کو لگی تو بطور استحسان اس پر جزا واجب ہوگی کذا فی البدائع (فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ جس نے تیر چلایا وہ جس کو تیر مار رہا ہے دونوں کے دونوں حرم میں ہوں یا ایک حرم میں ہو، تو جزا واجب ہوگی اور اگر دونوں حل میں ہوں

تو جزا واجب نہیں ہوگی، بشرطیکہ تیر حرم سے ہو کر نہ گذرا ہو، شکاری کتے اور باز کا حکم بھی یہی ہے۔

حرم کا انڈا، ٹڈی اور ذبح کا حکم

اگر کسی نے حرم کا انڈا یا اس کی ٹڈی پکائی، یا شکار کا دودھ دوبا، پھر اس کی قیمت کا ضمان دیدیا تو اس کا کھانا حرام نہیں ہے اس کا بیچنا جائز ہے، مگر مکروہ ہے اگر وہ چاہے تو اس کی قیمت فدیہ میں دے سکتا ہے۔ انڈے اور ٹڈی کا کھانا اور بیچنا اس وجہ سے جائز ہے کہ ان دونوں میں ذبح کرنا شرط نہیں ہے، بخلاف محرم کے ذبح کرنے اور حرم کے شکار کرنے کے اس لیے کہ وہ مردار کے حکم میں ہے، یعنی اگر محرم نے شکار ذبح کیا خواہ حرم میں خواہ حل میں یا غیر محرم نے حرم میں شکار ذبح کیا، تو وہ مردار کے حکم میں ہو گیا، لہذا اس کا کھانا اور بیچنا جائز نہیں، محرم کے لیے شکار کا زندہ پکڑ کر بیچنا بھی درست نہیں ہے۔

حرم کی ترگھاس نہ چرائی جائے اور نہ ہنری (درانتی) سے کاٹی جائے ہاں از خرنامی گھاس کا شا چرانا جائز ہے اذخر کے کاٹنے کی اجازت کی تفصیل پہلے گذر چکی۔

حرم کی کماۃ (گھسی) لینے میں کوئی حرج نہیں ہے اس لیے کہ وہ خشک چیز ہے گھاس نہیں ہے۔

جوں مارنے کی جزا

اپنے بدن کی جوں مار ڈالنے یا اس کو پکڑ کر پھینک دینے سے اور کپڑے کو دھوپ میں ڈالنے سے تاکہ جوں مر جائے جس قدر وہ چاہے صدقہ دے جس ٹڈی کے مار دینے سے صدقہ واجب ہوتا ہے یعنی روٹی کا ایک ایک ٹکڑا کسی مسکین کو دیدے یا چند کھجور دیدے یا ایک مٹھی اناج دیدے۔

(اپنے بدن کی جوں مارنا اس وجہ سے محرم کے لیے منع ہے کہ وہ بدن کے میل سے پیدا ہوتی ہے اور اس کے لیے بدن کی میل چھڑانا درست نہیں ہے، جیسے بال کا کاٹنا درست نہیں۔)

البتہ دوسرے کے بدن کی جوں کا مارنا یا زمین پر گری ہوئی جوں کا مارنا جائز ہے، اسی طرح اگر کوئی کپڑا دھوپ میں ڈالے، مگر اس کی نیت جوں مارنے کی نہیں ہے تو اس پر جزا واجب نہیں۔

و يجب الجزاء فيها ای القملة بالدلالة كما في الصيد ويجب في الكثير منه نصف صاع والكثير هو الزائد على ثلاثة والجراد كالقمل بحر ولا شيء بقتل غراب الا العقق على الظاهر ظهيرية و تعميم البحر رده في النهر وحداة بكسر ففتحتين وجود البرجندي فتح الحاء و ذنب و عقرب و حية و فارة بالهمزة وجود البرجندي التسهيل و كلب عقود ای وحشی اما غیره فليس بصيد اصلا و بعوض و نمل لكن لا يحل قتل مالا يؤدي ولذا قالوا لم يحل قتل الكلب الا هلی اذا لم يؤذ والا امر يقتل الكلاب منسوخ كما في الفتح ای اذا لم تضر و برغوث و قراد و سلحفاة بضم ففتح فسكون و فراش و ذباب و وزغ و زنبور و قنفذ و صرصر و صياح لیل و ابن عرس و ام حبین و ام اربعة و اربعین و كذا جميع هو ام الارض لانها ليست بصيود ولا متولدة من البدن و سبع ای حیوان صائل

لا يمكن دفعه الا بالقتل فلو امكن بغيره فقتله لزمه الجزاء كما تلزمه قيمة لو مملوكا وله ذبح شاة و لو ابوها ظيما لان الام هي الاصل وبقر و بعير و دجاج و بط اهلي و اكل ما صاده حلال و لو لحمرم و ذبحه في الحل بلا دلالة محرم ولا امره به ولا اعالته عليه فلو وجد احدهما حل للحلال لا للمحرم على المختار وتجب قيمته بذبح حلال صيد الحرم و تصدق بها ولا يجزئه الصوم لانها غرامة لا كفارة حتى لو كان الذابح محرما اجزاه الصوم و قيد بالذبح لانه لا شيء في دلالة الا لائم

جوں کی طرف اشارہ جوں مارنے والے کو جوں بتانا بھی موجب جزا ہے جس طرح شکار میں رہنمائی کرنے سے بھی جزا واجب ہوتی ہے یعنی اگر محرم نے اپنے بدن کی جوں کسی کو دکھائی یا اشارہ کیا اور اس دوسرے نے اسے مار ڈالا تو محرم پر جزا واجب ہوگی۔

زیادہ جوں مارنے میں نصف صاع صدقہ کرنا واجب ہوتا ہے اور زیادہ کا لفظ تین سے زائد پر بولا جاتا ہے، اور ٹڈی قلیل و کثیر جوں کے حکم میں ہے (فتاویٰ قاضی خاں میں ہے کہ دس یا دس سے زیادہ پر کثیر کا اطلاق ہوگا اور اس سے کم پر قلیل کا کذا فی الطحاوی)۔

کوے کا قتل کوے کے قتل کرنے سے نہ محرم پر کچھ واجب ہوتا ہے نہ غیر محرم پر، سوائے عقیق نامی کوے کے ظاہر الروایت یہی ہے، نہر الفائق نے بحر الرائق کی تعلیم کو رد کر دیا ہے وہ تعلیم بحر الرائق میں یہ ہے کہ تینوں قسم کے کوؤں کو مارنا درست ہے، تو اس قول میں عقیق بھی شامل ہو گیا، جو موذی ہے، اور جو جانوروں کے پانچانہ کی جگہ کو کھودتا ہے، نہر الفائق میں لکھا ہے کہ بدائع میں امام ابو یوسفؒ سے صراحت کے ساتھ نقل کیا گیا ہے کہ حدیث میں اس کوے کو قتل کرنے کا حکم ہے جو نجاست کھاتا ہے یا نجاست اور دانہ دونوں کھاتا ہے اور یہی قسم موذی ہے۔

چیل، بچھو وغیرہ چیل کے قتل کرنے میں کچھ واجب نہیں ہوتا ہے، اسی طرح بھیڑیے، سانپ، بچھو، چوہ، کاٹ کھانے والے کتے یعنی وحشی کتے کے قتل کرنے میں کوئی جزا واجب نہیں ہے اور گھریلو کتا شکار میں داخل نہیں ہے (وحشی کتا گوشت میں داخل ہے لیکن ایذا رسانی کی وجہ سے اس کے قتل سے جزا ساقط ہوئی) (مسلم شریف میں ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا پانچ موذی جانور ہیں جو حل و حرم دونوں میں مارے جاتے ہیں، کوآ، چیل، بچھو، چوہا، اور کٹ کھنا کتا، ان کے قتل میں کوئی جزا نہیں ہوتی) دوسری روایت میں بچھو کے بجائے سانپ آیا ہے اور عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے مارنے میں کچھ گناہ نہیں ہے طحاوی میں ہے کہ محرم کو بھیڑیے کے قتل کی اجازت ہے، اور ابو داؤد میں ہے کہ درندہ حملہ آور کے قتل میں محرم پر کوئی جزا نہیں بلکہ اس کی اجازت ہے۔

مچھر چیونٹی اور کتے کا قتل اسی طرح مچھر اور چیونٹی کے قتل کرنے میں کچھ نہیں ہے خواہ یہ دونوں بڑے قسم کے ہوں یا چھوٹی قسم کے، سب کا مارنا جائز ہے، لیکن اگر یہ ایذا نہ دیں تو مارنا درست نہیں ہے، اسی وجہ سے فقہاء نے کہا ہے کہ گھریلو کتے جب کہ وہ موذی نہ ہوں، تو اس کا مارنا حلال نہیں، اور جن روایتوں میں کتوں کے قتل کرنے

کا حکم ہے وہ منسوخ ہیں، لیکن اس صورت میں جب کہ وہ کتے نقصان نہ پہنچاتے ہوں، کیونکہ ملفط نامی کتاب میں صراحت ہے کہ جس آبادی میں کتے زیادہ ہو جائیں اور وہاں کے باشندوں کو ضرر پہنچاتے ہوں تو وہ ان کو قتل کروا ڈالیں۔ کذافی النہر۔

حشرات الارض کا حکم اسی طرح محرم اگر پسو، چھری، کچھوا، پتنگا، مکھی، گرگٹ، بھڑ، سیسی، صوصر، جھینگر، نیولا، ام جین، کنکھجورا، اور ایسے دوسرے حشرات الارض کو مار ڈالیں تو ان پر کچھ نہیں ہے کیونکہ یہ

چیزیں شکار میں داخل نہیں ہیں، اور نہ یہ انسان کے بدن سے پیدا ہوتی ہیں (صرصر اور ام جین یہ بھی دونوں چھوٹے جانور ہیں)

حملہ آور جانور کا قتل ایسے حملہ آور درندہ کے قتل کرنے سے محرم پر جزا نہیں آتی جس کا دفع کرنا بغیر قتل کے ممکن نہ ہو، لیکن اگر بغیر قتل اس کا دور کرنا ممکن ہو اور اس کے باوجود قتل کر ڈالے تو جزا لازم

ہوگی، جیسے اگر حملہ آور جانور کسی کی ملکیت ہو اور وہ قتل کر ڈالے تو مالک کو اس کی قیمت دینا پڑے گی۔

پالتو جانور ذبح کرنا محرم کے لیے درست ہے کہ وہ بکری بھیڑ ذبح کرے اگرچہ اس کا باپ ہرن ہو، اس لیے کہ اس میں اصل حیثیت ماں کی ہے باپ اصل نہیں ہوتا، اور گائے، اونٹ، مرغ اور پالتو بٹ کا ذبح کرنا

بھی جائز ہے، کیونکہ خلقت میں یہ جانور وحشی نہیں ہیں، بلکہ مانوس ہوتے ہیں، البتہ جنگلی بٹ جو جنگل میں اڑتی پھرتی ہے اس کے ذبح کرنے میں محرم پر قیمت واجب ہوگی۔

غیر محرم کا شکار محرم کے لیے جس شکار کو غیر محرم نے شکار کیا ہے اور حل میں ذبح کیا ہے محرم کو اس کا کھانا جائز ہے، گو اس نے اُسے محرم کے واسطے ہی کیوں نہ شکار کیا ہو، ہاں یہ شرط ہے کہ محرم

نے اس سلسلہ میں کوئی رہنمائی نہ کی ہو، نہ حکم دیا ہو، نہ اس میں مدد کی ہو، ان میں سے کوئی بات اگر محرم کی طرف سے پائی گئی ہوگی، تو پھر محرم کے لیے اس کا کھانا حلال نہ ہوگا البتہ غیر محرم کھا سکتا ہے، اس کے لیے جائز ہے (امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک جو شکار غیر محرم نے محرم کے لیے کیا ہے اس کا محرم کے لیے کھانا درست نہیں ہے)

غیر محرم پر صدقہ حرم کے شکار کو ذبح کرنے سے غیر محرم پر اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوتا ہے یا اس قیمت کا جانور خرید کر مکہ میں ذبح کرے، اس کے عوض روزہ رکھنا کافی نہیں ہوتا ہے، اس واسطے کہ یہ جزا غیر محرم پر

بلور جرمانہ ہے کفارہ نہیں، البتہ اگر اس کا ذبح کرنے والا محرم ہوگا تو اس کے لیے اس کے بدلے میں روزہ رکھنا کافی ہوگا اور منف نے ذبح کی قید لگائی ہے اس واسطے کہ اگر غیر محرم صرف بتائے گا تو اس پر کوئی جزا نہیں ہے البتہ وہ گنہگار ہوگا۔

ومن دخل الحرم ولو حلالا او احرم ولو في الحل وفي يده حقيقة يعني الجارحة صيد

وجب ارساله اى اطارته او ارساله للحل ودية قهستانی على وجه غير مضيع له لان

تسليب الدابة حرام بحر و في كراهة جامع الفتاوى شری عصفیر من الصیاد و اعتقها

جاز ان قال من اخذها فهي له ولا تخرج عن ملكه باعتاقه و قيل لا لانه تضییع للمال انتهی

قلت وحينئذ فتقيد الاطارز بالاباحة فتامل آه و في كراهة مختارات النوازل سيب دابته

فاخذها آخر واصلحها فلا سبيل للمالك عليها ان قال عند تسبيها هي لمن اخذها وان قال

لا حاجة لي بها فله اخذها والقول له بيمينه انتهى لا يجب ان كان الصيد في بيته لجربان العادة الفاشية بذلك و هي من احدى الحجج او قفصه ولو القفص في يده بدليل اخذ المصحف بغلافه للمحدث

حرم میں داخلہ کے وقت شکار کا آزاد کرنا جو شخص حرم میں داخل ہو گو وہ حلال ہو، محرم نہ ہو، یا اس نے احرام باندھا ہو اگر حل میں باندھا ہو، اور حقیقتاً اس کے ہاتھ میں شکار ہو، تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس شکار کو چھوڑ دے اور اڑا دے، یا حل میں بطور امانت بھیج دے اور حل میں اس طرح بھیجے کہ وہ ضائع نہ ہونے پائے، یعنی چوپایہ ہو تو اس کو مطلق العنان نہ کر دے کیونکہ ایسا کرنا حرام ہے (حرم میں جانور کا چھوڑنا اس لیے ضروری ہوا کہ جب وہ حرم میں آگیا تو اب وہ حرم کا شکار ہو گیا)

خریدے ہوئے شکار کا حکم جامع الفتاویٰ کے باب الکراہیۃ میں ہے کہ ایک شخص نے شکار سے گوریا خرید اور پھر اُسے اُس نے آزاد کر دیا تو یہ اس کے لیے جائز ہے، مگر شرط یہ ہے کہ آزاد کرتے وقت یہ کہا ہو کہ جو اس کو پکڑ لے گا وہ اسی کا ہے، لیکن آزاد کرنے کی وجہ سے وہ جانور اس کی ملکیت سے نہیں نکلتا ہے، خواہ اس نے وہ جملہ کہا ہو یا نہ کہا ہو۔ اور بعضوں نے کہا کہ اس کا چھوڑنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ مال کا ضائع کرنا ہے۔ شارح کہتا ہے کہ اڑانے کو اباحت کے ساتھ مقید کرنا اڑانے سے پہلے ہونا چاہیے، یعنی اڑانے سے پہلے یہ کہے کہ جو اسے پکڑ لے گا وہ اس کا مالک ہے۔ مختار النوازل کی کتاب الکراہیۃ میں ہے کہ ایک شخص نے چوپایہ چھوڑ دیا، اس کو دوسرے شخص نے پکڑ لیا اور اس کی اصلاح کی تو اس کے بعد پہلے مالک کو اس پر کوئی اختیار نہ ہوگا، جب کہ اس نے اس کے چھوڑتے وقت کہا تھا کہ یہ اس کا ہے جو اس کو پکڑے اور اگر چھوڑتے وقت اس طرح کہا کہ مجھ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں تو مالک اول کے لیے اس کا لینا جائز ہے اور اس باب میں مالک ہی کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔

اگر شکار محرم کے گھر میں ہو تو اس کا چھوڑنا واجب نہیں، کیونکہ ایسا رواج ہے اور رواج خود ایک دلیل ہے، یعنی صحابہ کرام احرام باندھتے تھے اور ان کے گھروں میں شکار اور پالتو جانور ہوتے تھے اور یہ فعل موجود نہیں ہے کہ وہ ان کو چھوڑ دیتے ہوں یہ اجماع فعلی ہے اور اجماع حجت شرعی ہے (قرونِ ثلاثہ کا رواج حجت ہے یعنی صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے عہد کے ہر دور کا رواج حجت شرعی نہیں)

شکاری جانور کا پنجرہ جو شکار پنجرے میں ہو اس کا چھوڑ دینا واجب نہیں ہے، اگرچہ پنجرہ محرم کے ہاتھ میں ہو جیسے بے وضو والے شخص کو قرآن پاک کا ہاتھ میں لینا درست نہیں ہے، لیکن اگر جزدان ہو تو لینے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ جائز ہے، اسی طرح محرم کا شکار کو ہاتھ میں لینا جائز نہیں، لیکن پنجرے میں شکار ہو اور وہ پنجرہ لپے ہو تو جائز ہوگا اور بعضوں نے کہا ہے کہ ہاتھ میں پنجرہ لینا بھی شکار لینے کے مترادف ہے۔ اور ان کی دلیل یہ ہے جو پنجرے کو غصب کر لے گا وہ شکار کا بھی غاصب قرار پائے گا کذا فی النہر۔

ولا يخرج الصيد عن ملكه بهذا الارسال فله امساكه في الحل وله اخذه من انسان

اخذہ منه لانه لم يخرج عن ملكه لانه ملكه و هو حلال بخلاف مالو اخذه و هو محرم لما
 باتى لانه لم يرسله عن اختيار فلو كان جارحا كبار فقتل حمام الحرم فلا شيء عليه لفعله ما
 وجب عليه فلو باعه رد المبيع ان بقى والا فعليه الجزاء لان حرمة الحرم والاحرام تمنع
 بيع الصيد ولو اخذ حلال صيدا فاحرم ضمن مرسله من يده الحكيمة اتفاقا و من
 الحقيقية عنده خلافا لهما وقولهما استحسان كما في البرهان ولو اخذه محرم لا يضمن
 مرسله اتفاقا لان المحرم لم يملكه وحينئذ فلا يأخذه ممن أخذه والصيد لا يملكه المحرم
 بسبب اختياري كسواء وهبة بل بسبب جبري والسبب الجبري في احدى عشر مسألة
 مبسطة في الاشباه فلذا قال تبعا للبحر عن المحيط كالارث وجعله في الاشباه بالاتفاق لكن
 في النهر عن السراج انه لا يملكه بالميراث و هو الظاهر فان قتله محرم اخر بالغ مسلم
 ضمنا جزاء بين الاخذ بالاخذ والقاتل بالقتل ورجع آخذه على قاتله لانه قرر عليه ما كان
 بمعرض السقوط وهذا ان كفر بمال و ان كفر بصوم فلا على ما اختياره الكمال لانه لم
 يفرم شيئا ولو كان القاتل بهيمة لم يرجع على ربها ولو صبيا او نصرانيا فلا جزاء عليه لله
 تعالى ولكن رجع الآخذ عليه بالقيمة لانه يلزمه حقوق العباد دون حقوق الله تعالى

محرم نے جس جانور کو چھوڑ دیا اس طرح محرم کے چھوڑ دینے سے شکار اس کی ملکیت سے نہیں نکلے گا، احرام
 سے نکلنے کے بعد محرم کے لیے درست ہے کہ وہ اس کو حل میں جا کر پکڑ لے، اور
 اس آدمی سے واپس لے لے جس نے اس کو پکڑ رکھا ہے کیونکہ محرم کا اس وقت چھوڑنا اختیار سے نہیں تھا، بلکہ احرام کی مجبوری
 کی وجہ سے تھا احرام میں داخل ہونے کی ضرورت کی وجہ سے اس کو ایسا کرنا پڑا تھا۔

اگر وہ شکار جسے اس نے چھوڑا ہے پھاڑنے والا جانور تھا جیسے باز اور حرم کے کبوتروں کو مار ڈالے تو چھوڑنے والے پر کچھ جزا
 لازم نہیں، اس لیے کہ اس نے وہی کیا جو اس کے لیے ضروری تھا، یعنی محرم پر ضروری تھا کہ وہ اس کو چھوڑ دے اگر وہ کسی پرند کو
 قتل کرے تو اس کا کیا قصور ہے۔

شکار کا بیچنا لہذا اگر محرم نے اس کو بیچ دیا ہو اور وہ باقی ہو تو اسے بیچ کو رد کر دینا چاہیے کہ یہ بیچ فاسد ہے اور اگر وہ شکار مر گیا
 یا خریدنے والا نہیں مل سکا تو اس بیچنے والے پر جزا واجب ہے اس لیے کہ حرم کی حرمت اور احرام کا احترام
 شکار کے بیچنے سے مانع ہے، البتہ اگر بائع اور مشتری دونوں حرم میں ہوں اور شکار حل میں ہو تو شیخین کے نزدیک بیچ جائز ہے۔

دوسرے کا شکار کو آزاد کرنا اگر غیر محرم نے حرم کا شکار پکڑا پھر اس نے احرام باندھا، تو اس کا چھوڑ دینے والا ضمان
 دے گا، یعنی اگر کوئی شخص اس کے گھر سے لے کر یا پنجرے سے لے کر اس کو چھوڑ
 دے گا تو بالاتفاق اس کو تاوان دینا ہو گا اور اگر اس کے حقیقی ہاتھ سے لے کر کوئی چھوڑ دے گا تو امام اعظمؒ کے نزدیک اس پر ضمان

لازم ہوگا، صاحبین کے نزدیک نہیں ہوگا، اور استحسان کی دلیل سے صاحبین کا قول ثابت ہے استحسان یہ ہے کہ چھوڑنے والے نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کیا۔ اور اس صورت میں قاعدہ کے اندر ضمان نہیں آتا ہے جیسے کہ خلاف شرع کوئی باجوں کو توڑ ڈالے تو اس پر تاوان نہیں ہے، بحر الزائق میں ہے کہ قابل فتویٰ صاحبین کا قول ہے، چنانچہ کھیل کود اور مذاق کے آلات توڑنے میں انہی کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

حرم کا شکار حرم کا شکار اگر محرم نے پکڑا، تو اس کے چھوڑ دینے والے پر بالاتفاق ضمان لازم نہیں ہوگا، اس واسطے کہ محرم پکڑنے سے اس کا مالک نہیں بنتا ہے، اور اس صورت میں وہ اس شخص سے واپس نہیں لے سکتا ہے جس نے اس کو پکڑ لیا ہے۔

شکار کی ملکیت وراثتاً محرم سبب اختیار جیسے خرید بہہ وغیرہ سے شکار کا مالک نہیں ہوتا ہے، البتہ جبری سبب سے مالک ہو جاتا ہے، جبری سبب گیارہ مسئلوں میں ہے جس کی تفصیل الاشباہ میں ہے چنانچہ مصنف نے جبری سبب کی مثال دی کہ جیسے وراثت، یعنی محرم وراثتاً شکار کا مالک ہو جاتا ہے، اور اشباہ میں اس کو اتفاقی قول قرار دیا ہے، لیکن نہر الفائق میں سراج سے منقول ہے کہ محرم میراث سے بھی شکار کا مالک نہیں ہوتا ہے اور قول یہی ظاہر ہے اس واسطے کہ شکار محرم کے حق میں قطعاً حرام ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”وَحُرْمَ عَلَیْکُمْ صَيْدَ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا“ شارح نے بتایا کہ ماتن کا قول ظاہر کے خلاف ہے، متن میں نہیں لانا چاہیے تھا۔

پکڑے کوئی اور مار ڈالے کوئی محرم کے پکڑے ہوئے شکار کو اگر دوسرا بالغ مسلمان محرم قتل کر ڈالے تو دونوں محرم دو جزا کے ضامن ہوں گے، پکڑنے والا پکڑنے کا ضمان دے گا اور قتل کرنے والا قتل کا۔ البتہ پکڑنے والا محرم اس محرم سے جس نے قتل کیا تھا اپنے تاوان کی رقم واپس لے گا، اس لیے کہ قتل کرنے والے کی وجہ سے اس پر ضمان لازم ہوا ہے ورنہ وہ اس سے ساقط ہو جانے والا تھا، یعنی اگر وہ قتل نہ کرتا تو پکڑنے والے کو چھوڑنا ہی تھا اور چھوڑنے سے جزا ساقط ہو جاتی، لیکن چونکہ اس دوسرے نے اس کو قتل کر ڈالا تو اس کی وجہ سے پکڑنے والے پر بھی جزا واجب ہو گئی۔

اور اس ضمان کا قاتل سے لیتا اس شرط پر ہے جب کہ پکڑنے والے نے مال سے کفارہ ادا کیا ہو، اور اگر کفارہ مال کے بجائے روزہ رکھ کر ادا کیا ہے تو پھر اس سے کچھ نہیں لے سکتا ہے کمال نے اسی کو پسند کیا ہے کیونکہ اس پکڑنے والے نے کچھ تاوان نہیں دیا ہے جس کو وہ واپس لے۔

تاوان نہ لینے کی صورت اور اگر اس شکار کو قتل کرنے والا کوئی چوپایہ ہو تو پکڑنے والا اپنا تاوان اس چوپایہ کے مالک سے واپس نہیں لے سکتا ہے، اور اگر اس شکار کا قتل کرنے والا نابالغ لڑکا ہو، یا نصرانی کافر ہو تو اس پر جزا واجب نہیں کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے، لیکن محرم شکار کا پکڑنے والا کافر سے اس کی قیمت لے گا کیوں کہ کافر پر حقوق العباد لازم ہے، البتہ حقوق اللہ لازم نہیں۔

وکل ما علی المفرد به دم بسبب جنایته علی احرامه یعنی بفعل شیء من محظوراتہ لا مطلقاً اذلو ترک واجبات الحج او قطع نبات الحرم لم يتعدد الجزاء لانه ليس

جنابة على الاحرام فعلى القارن و مثله متمتع ساق الهدى دمان و كذا الحكم فى الصدقة
فتشئ ايضا لجنابته على احراميه الا بمحاوزة الميقات غير محرم استثناء منقطع فعليه دم
واحد لانه حينئذ ليس بقارن ولو قتل محرمان صيدا تعدد الجزاء لتعدد الفعل ولو حلا
لان صيد الحرم لا لاتحاد المحل وبطل بيع محرم صيدا و كذا كل تصرف و شراؤه ان
اصطاده وهو محرم والا فابى فاسد فلو قبض المشتري فعطب فى يده فعليه و على
البائع الجزاء و فى الفاسد يضمن قيمته ايضا كما مر ولدت ظبية بعد ما اخرجت من
الحرم و ماتا غرمهما و ان ادى جزاءها اى الام ثم ولدت لم يجزه اى الولد لعدم سراية
الامن حينئذ و هل يجب ردها بعد اداء الجزاء الظاهر نعم

جنایت کے قارن پر دو دم اور جس قصور میں مفرد (صرف حج کرنے والے) پر صرف ایک دم واجب ہوتا ہے کہ اس نے حالت احرام میں وہ کام کیا ہے جو اُسے نہ کرنا چاہیے تھا، اگر یہی قصور قارن سے حالت احرام میں ہوگا تو اس پر دو دم واجب ہوں گے، ایک دم حج کا اور دوسرا عمرہ کا، کیونکہ قارن دو کا احرام ساتھ ساتھ باندھتا ہے ایک حج کا دوسرا عمرہ کا، یہاں قصور (جنایت) سے وہ جنایت مراد ہے جو حالت احرام میں ممنوع ہے مطلق جنایت مراد نہیں ہے، اس لیے کہ اگر مفرد (صرف حج کرنے والا) حج کے واجبات میں سے کوئی واجب چھوڑ دے گا یا حرم کی گھاس کاٹے گا تو اس پر ایک دم واجب ہوگا۔ اور جب قارن (حج و عمرہ) کرنے والا اس واجب کو ترک کرے گا، تو اس پر بھی جزا ایک ہی ہوگی متعدد نہیں ہوگی، یعنی دو دم واجب نہیں ہوں گے، کیونکہ یہ جنایت احرام کے خلاف نہیں ہے، اور قارن کا سا ہی حکم جزا میں اس متمتع کا بھی ہے جو قربانی کا جانور ساتھ لیجائے (جو پہلے عمرہ کا احرام باندھے پھر حلال ہو جائے اور ایام حج میں حج کا احرام کرے)

قارن متمتع پر صدقہ قارن و متمتع کے لیے وجوب صدقہ میں بھی یہی حکم ہے کہ اس پر وہ گناہ واجب ہوگا جب وہ احرام کے خلاف کوئی جنایت کر لے گا، لیکن اگر وہ میقات سے بغیر احرام کے آگے بڑھا ہے تو اس پر ایک دم لازم ہوگا، کیونکہ وہ قارن کے حکم میں نہیں رہا، اس لیے کہ اس نے ابھی احرام نہیں باندھا ہے (اس کا صدر کلام سے کوئی تعلق نہیں)

دو محرم ایک شکار کرے اگر دو محرم نے مل کر کسی شکار کو قتل کیا ہے تو تعدد فعل کی وجہ سے سزا متعدد ہوگی، اور دو جزا لازم ہوگی، اور اگر دو غیر محرم نے مل کر حرم کے شکار کو قتل کیا ہے تو جزا متعدد نہیں ہوگی اس لیے کہ محل ایک ہے یعنی شکار ایک ہے تو جزا بھی ایک ہی ہوگی۔

محرم کے شکار کا بیچنا کسی شکار کا بیچنا اور اس کا خریدنا محرم کے لیے دونوں باطل ہے، اور اسی طرح اس کے دوسرے تمام تصرفات بھی باطل ہیں جیسے ہبہ اور وصیت وغیرہ اگر اس نے حالت احرام میں اس شکار کو پکڑا ہے تو خریدنا ظاہر ہے کہ جائز نہیں اور اگر حالت احرام کے سوا میں گرفتار کیا ہے تو محرم کے لیے اس کی بیع فاسد ہے۔

لہذا اگر مشتری نے شکار پر قبضہ کر لیا، پھر وہ اس کے قبضہ میں ہلاک ہو گیا، تو بیچنے والا اور اس کا خریدار دونوں پر جزا واجب ہے، اگر یہ دونوں محرم ہوں، اور اگر ایک محرم ہو گا تو صرف اسی ایک محرم پر ہی جزا واجب ہوگی۔

بیع فاسد میں جزا کے ساتھ مشتری قیمت کا بھی ضامن ہو گا جیسا کہ پہلے گذرا کہ اس پر جزا بھی واجب ہوگی اور بائع کو قیمت بھی ادا کرے گا اس لیے کہ بائع اس کا مالک تھا، البتہ بیع باطل میں ایسا نہیں ہوتا ہے کیونکہ بائع مالک نہیں ہوتا ہے۔

ہرنی کو کسی نے حرم سے نکال دیا اور باہر آکر اس نے بچہ دیا، پھر بچہ اور ہرنی دونوں مر گئے، تو نکالنے والا ان دونوں کا ضمان دے گا، کیونکہ حرم کا شکار نکالنے کے بعد بھی امن کا مستحق ہوتا ہے، لہذا نکالنے والے پر واجب تھا کہ پھر وہ اُسے حرم میں پہنچا دیتا، اس نے ایسا نہیں کیا لہذا دونوں کی جان کا برابر تاوان دینا ہوگا۔

اور اگر ایسا ہوا کہ ہرنی کو حرم سے نکالنے کے بعد اس نے اس کی جڑا دیدی، پھر اس ہرنی نے بچہ دیا، تو اب اس صورت میں بچہ کی جزا واجب نہیں ہوگی، کیونکہ امن کا مستحق جزا کے وقت بچہ نہیں تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ ہرنی کے نکالنے کی جزا ادا کرنے کے بعد کیا اس کا حرم میں پہنچا دینا اب بھی واجب ہے، ظاہر یہ ہے کہ ہاں اس کا پہنچا دینا واجب ہے۔

آفاقى مسلم بالغ يريد الحج ولو نفلا او العمرة فلو لم يرد واحدا منهما لا يجب عليه دم بمجاوزة الميقات و ان وجب حج او عمرة ان اراده دخول مكة او الحرم على ما سيأتى فى المتن قريبا وجاوز وقته ظاهر ما فى النهر عن البدائع اعتبار الارادة عند المجاوزة ثم احرم لزمه دم كما اذا لم يحرم فان عاد الى ميقات ثم احرم او عاد اليه حال كونه محرما لم يشرع فى نسك صفة محرما كطواف و لو شوطا و انما قال و لى لان الشرط عند الامام تجديد التلبية عند الميقات بعد العود اليه خلافا لهما سقط دمه و الا فضل عوده الا اذا خاف فوت الحج والاى و ان لم يعد او عاد بعد شروعه لا يسقط الدم كمكى يريد الحج و متمتع فرغ من عمرته و صار مكيا و خرجا من الحرم و احرم بالحج من بحل فان عليهما دما لمجاوزة ميقات المكى بلا احرام و كذا لو احرم بعمره من الحرم و بالعود كما يسقط الدم دخل كوفى اى آفاقى البستان اى مكانا من الحل داخل الميقات لحاجة قصدها و لو عند المجاوزة على ما مروية مدة الاقامة ليست بشرط على المذهب له دخول مكة غير محرم و وقته البستان و لا شيء عليه لانه التحقق باهله كما مرو هذه حيلة لآفاقى يريد دخول مكة بلا احرام

ميقات کے آگے جا کر احرام باندھنا باہری مسلمان بالغ نے حج فرض یا نفل کا ارادہ کیا، یا عمرہ کا، اور ميقات سے آگے بڑھ گیا۔ پھر اس نے احرام باندھا تو اس پر دم لازم ہوگا۔

کیونکہ وہ بلا احرام کے میقات سے آگے بڑھ آیا ہے اور بعد میں احرام باندھا ہے جیسا کہ احرام نہ باندھنے کی صورت میں دم لازم آتا ہے اور اگر حج و عمرہ میں سے کسی کا ارادہ نہیں کیا تھا تو بلا احرام میقات سے بڑھنے میں اس پر دم واجب نہیں ہے، گو اس پر مکہ یا حرم میں داخل ہونے کے ارادہ کی وجہ سے حج یا عمرہ واجب ہو بدائع سے نہر الفائق میں جو کچھ منقول ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ میقات سے آگے بڑھتے وقت ارادہ کا اعتبار ہے، اس سے بڑھ جانے کے بعد ارادہ کا اعتبار نہیں۔

میقات سے بڑھ کر پھر واپس آنا وہ شخص جو بلا احرام میقات سے آگے بڑھ آیا تھا اگر وہ پھر کسی میقات کی طرف پلٹ آئے اور وہ وہاں احرام باندھے یا اس طرح محرم بن کر میقات کی طرف آئے کہ اس نے حج کا کوئی فعل نہیں کیا تھا، جیسے طواف کا ایک چکر بھی نہیں لگایا تھا، واپسی کے بعد میقات پر لبیک کہا تو اس سے دم ساقط ہو جائے گا، اس لیے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک واپسی پر میقات کے پاس تلبیہ کی تجدید شرط ہے البتہ صاحبین کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے۔

ایسے شخص کے لیے جو بلا احرام میقات سے آگے بڑھ گیا ہے افضل یہ ہے کہ وہ میقات کی طرف پلٹ آئے البتہ اگر حج کے فوت ہو جانے کا خوف ہو تو اس وقت پلٹنا افضل نہیں، اگر وہ میقات کی طرف پلٹ کر نہیں آیا یا حج کے افعال شروع کرنے کے بعد واپس آیا تو اس صورت میں دم ساقط نہیں ہوگا۔

مکی کا حل سے احرام باندھنا مکی جو حج کا ارادہ رکھتا تھا یا تمتع کرنے والا اپنے عمرہ سے فارغ ہو کر مکی ہو گیا ہے دونوں حرم سے نکلے اور حل سے حج کا احرام باندھا، تو اس صورت میں دونوں پر دم واجب ہے کیونکہ وہ دونوں اہل مکہ کے میقات سے بلا احرام آگے بڑھ آئے تھے، اس لیے کہ اہل مکہ کا میقات حرم ہے نہ کہ حل، اسی طرح اگر ان دونوں نے عمرہ کا احرام، حرم سے باندھا تھا تو ان پر دم واجب ہے اس وجہ سے کہ عمرہ کا میقات حل ہے۔ لیکن اگر وہ دونوں میقات سے بڑھنے کے بعد، پھر میقات کی طرف پلٹ آئے اور بلا کچھ کیے ہوئے اور یہاں لبیک کہے تو اس سے دم ساقط ہو جائے گا۔

آفاقی کا میقات میں بلا احرام آنا کوئی باہری آدمی میقات کے اندر بستان میں کسی جگہ کسی ضرورت سے بال قصد آیا، گو اس نے میقات سے بڑھتے وقت اس ضرورت کا ارادہ کیا ہو تو اس آفاقی کے لیے بلا احرام مکہ میں داخل ہونا درست ہے، مدت، اقامت کی نیت بھی شرط نہیں ہے۔ (بستان بنی عامر کی ایک بستی کا نام ہے جو میقات کے اندر ہے، اور حرم سے باہر ہے، اس وقت اس کا نام ”نخلہ محمود“ ہے یہاں سے مکہ معظمہ ہیں کوس ہے کذانی انططاوی)

اور اس آفاقی کا میقات جو بستان میں کسی حاجت کی وجہ سے گیا تھا، بستان ہی ہے یعنی حج اور عمرہ کا میقات حل ہے اور بلا احرام میقات سے بڑھ جانے پر کوئی دم واجب نہیں ہے، اس لیے کہ باہری شخص بستان میں آنے سے ان لوگوں میں مل گیا تو جس طرح بستان کے رہنے والوں کے لیے بلا احرام مکہ میں داخلہ جائز ہے ویسے اس کے لیے بھی یہ جائز ہے، اور جس طرح بستانیوں کا میقات برائے حج و عمرہ حل ہے، ایسے ہی اس آفاقی کا میقات بھی حل ہی ہوگا تفصیل مواقیت کے بیان میں گذر چکی، جو آفاقی بلا احرام مکہ میں جانا چاہے اس کے لیے یہ ایک حیلہ ہے۔

و يجب على من دخل مكة بلا احرام لكل مرة حجة او عمرة فلو عاد فاحرم بنفسه اجزاء عن آخر دخوله و تمامه في الفتح و صح منه اي اجزاه عما لزمه بالدخول لو احرم عما عليه من حجة الاسلام او نذرا و عمرة مندورة لكن في عامه ذلك لتداركه المتروك في وقته لابعده لصيروته ديناً بتحويل السنة جاوز الميقات بل احرام فاحرم بعمرة ثم افسدها مضى و قضى ولا دم عليه لترك الوقت لجبره بالاحرام منه في القضاء مكى و من في حكمه طاف لعمرة ولو شوطاً اي اقل اشواطها فاحرم بالحج رفضه وجوباً بالحلوق لنهى المكى عن الجمع بينهما وعليه دم لاجل الرفض و حج و عمرة لانه كفأت الحج حتى لو حج في سنة سقطت العمرة و لو رفضها قضاها فقط فلو اتمها صح و اساء و ذبح وهو دم جبر و في الآفاقى دم شكر

جو شخص مکہ میں بلا احرام ہوگا۔ ہر ہر بار اس پر ایک حج اور ایک عمرہ واجب ہوگا، اس جگہ کی **بلا احرام مکہ میں داخل ہونے سے حج و عمرہ کا وجوب** تنظیم کا تقاضا یہی ہے، لیکن بلا احرام مکہ میں داخل ہونے کے بعد پھر میقات پر واپس آجائے اور وہاں احرام باندھے، تو آخری مرتبہ کے داخل ہونے کی طرف سے یہ احرام کافی ہوگا اس کی پوری تفصیل فتح القدیر میں ہے، مثلاً بلا احرام مکہ میں دوبار داخل ہوا تھا تو اس احرام سے دوسری بار داخل ہونے کی وجہ سے جو حج یا عمرہ واجب ہوا تھا وہ ادا ہو جائے گا، اول مرتبہ کا حج یا عمرہ اس کے ذمہ رہ گیا۔ وہ بلا تعین نیت اس کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔

بلا احرام مکہ میں داخل ہونے کی وجہ سے جو حج یا عمرہ لازم ہوا ہے اس کی طرف سے کسی واجب عبادت کا احرام کافی ہوگا اگر اس نے اس واجب عبادت کا احرام باندھ لیا ہے خواہ وہ حج فرض ہو یا نذر کا حج ہو یا نذر کا عمرہ ہو، لیکن یہ اس صورت میں ہے جب اسی سال حج یا عمرہ کرے، اس لیے کہ جو باقی رہ گیا تھا اس کی تلافی ہو گئی بعد کے دوسرے سال کی طرف سے کافی نہیں ہوگا۔ کیونکہ سال پلٹنے سے وہ اس کے ذمہ دین ہو جائے گا۔

ایک شخص میقات سے بلا احرام آگے بڑھ گیا، پھر اس نے عمرہ کا احرام **میقات سے آگے بڑھ کر عمرہ کا احرام** باندھا، پھر اس نے اس عمرہ کو فاسد کر ڈالا، تو اس کو چاہیے کہ افعال عمرہ کو پورا کرے اور پھر اس کی قضا کرے، لیکن اس پر میقات پر احرام نہ باندھنے کی وجہ سے دم نہیں ہے کیونکہ جب وہ عمرہ کی قضا کرے گا اور اس کا احرام میقات سے باندھے گا تو اس کی تلافی ہو جائے گی۔

میقات کے اندر رہنے والے نے اپنے عمرہ کا **جو مکی عمرہ کے طواف کے بعد حج کا احرام باندھے** طواف ایک چکر سے لے کر تین تک کیا پھر اس نے حج کا احرام باندھ لیا تو اس پر واجب ہے کہ حلق کرا کے حج کو ترک کر دے، کیونکہ میقات کے اندر رہنے والوں کے لیے حج اور عمرہ دونوں جمع کرنا ممنوع ہے، البتہ اس حج کے ترک کی وجہ سے اس پر دم واجب ہوگا، اور پھر اس پر حج و عمرہ دونوں واجب ہوگا

اس لیے کہ وہ اس شخص کی طرح ہے جس کا حج فوت ہو گیا تھا، حتیٰ کہ اگر وہ اسی سال حج کرے گا تو اس سے عمرہ ساقط ہو جائے گا، پورا اگر صرف عمرہ کو فوت کرے گا تو فقط اسی کی قضا کرے گا۔ حج کی قضا نہیں ہوگی۔

کمی مذکور نے اگر حج و عمرہ دونوں کو ادا کر لیا کسی کو ترک نہیں کیا تو یہ دونوں صحیح ہو جائیں گے، اس لیے کہ جس کا اس نے الزام کیا تھا اسے پورا کر دیا لیکن اس نے یہ برا کیا کہ ممنوع کام کیا، اور اسی وجہ سے اس کو قربانی کرنا ہوگی جو طحانی کے لیے دم کا کام کرے گی اس کا گوشت وہ خود نہ کھائے گا، اور آفاقی (میقات سے باہر والے) حج و عمرہ کے بعد جو قربانی کرتے ہیں وہ قربانی شکر یہ کے طور پر ہوتی ہے، لہذا اس کے لیے اس کا گوشت کھانا جائز ہے۔

ومن احرم بحج و حج ثم احرم يوم النحر باخر فان كان قد حلق للاول لزمه الآخر في العام القابل بلا دم لانتفاء الاول والا يحلق نلاول فمع دم قصر عبر به ليعم المرأة اولا لجنايته على احرامه بالتقصير او التاخير ومن اتى بعمره الا الحلق فاحرم باخرى ذبح الاصل ان الجمع بين احرامين لعمرتين مكروه تحريما فيلزم الدم لالحجتين في ظاهر الرواية فلا يلزم

ایک شخص نے حج کا احرام باندھا اور اسے ادا بھی کر لیا پھر یوم النحر میں اس نے دوسرے حج کا احرام باندھا لیاب اگر وہ اول حج سے فراغت کے لیے سر منڈا چکا تھا تو اس پر دوسرا حج آئندہ سال لازم ہوگا، مگر اس پر کوئی دم واجب نہیں اس وجہ سے کہ پہلا حج پورا ہو چکا تھا، دو احرام جمع نہیں ہوئے کہ دم واجب ہوتا، اور اگر اس نے پہلے حج کے لیے ابھی سر نہیں منڈایا تھا تو اس پر آئندہ سال دوسرا حج لازم ہوگا مگر دم کے ساتھ۔

اور اس احرام کی وجہ سے اس پر اس سال دم لازم ہوگا، اس لیے کہ دوسرے حج کے احرام پر یہ جنایت واقع ہوئی کہ اس نے پہلے کی فراغت کے لیے بال ترشویا اور اگر نہیں ترشویا تو تاخیر کی وجہ سے دم ہوگا، کہ جس کام کو کرنا چاہیے تھا وقت پر نہیں کیا۔ جس نے عمرہ ادا کیا مگر ابھی سر نہیں منڈایا تھا پھر اس نے دوسرے عمرہ کا احرام باندھا لیا تو عمرہ کے بعد عمرہ کا احرام دم دے گا، بنیادی بات یہ ہے کہ دو عمروں کے احرام کو جمع کرنا مکروہ تحریمی ہے، البتہ ظاہر الرویۃ میں دو حج کے احراموں کو جمع کرنا مکروہ تحریمی نہیں ہے۔ لہذا دو عمرہ کے احرام کے جمع کرنے پر دم لازم ہوگا لیکن دو حج کے احرام کے جمع کرنے پر دم لازم نہیں ہوتا ہے۔

آفاقی احرم بحج ثم احرم بعمره لزمه و صار قارنا مسينا كما مر ولذا بطلت عمرته بالوقوف قبل افعالها لانها لم تشرع مرتبة على الحج لا بالتوجه الى عرفة فان طاف له طواف القدوم ثم احرم بها فمضى عليها ذبح وهو دم جبر و ندب رفضها لتاكد بطوافه فان رفض قضی لصحة الشروع فيها و اراق دما لرفضها حج فاهل بعمره يوم النحر او

فی ثلاثة ايام بعده لزمته بالشروع لكن مع كراهة التحريم ورفضت وجوبا تخلصا من الائم
وقضيت مع دم للرفض و ان مضى عليها صح و عليه دم لارتكاب الكراهة فهو دم جبر
فالت الحج اذا احرم به او بها وجب الرفض لان الجمع بين احرامين لحجتين او
لعمرتين غير مشروع و لما فاتته الحج بقى في احرامه فيلزمه ان يتحلل عن احرام الحج
بالفعال العمرة ثم بعده يقضى ما احرم به لصحة الشروع و يلزم للتحلل قبل اوانه بالرفض .

آفاقی کے یکے بعد دیگرے حج اور عمرہ کا احرام آفاقی (میقات سے باہر والے) نے حج کا احرام باندھا
اس کے بعد پھر عمرہ کا احرام باندھا، تو اس پر دونوں کی
ادائیگی لازم ہوگی اور اس کو یہ بڑے ڈھنگ سے قرآن کرنے والا کہا جائے گا اور چونکہ قاعدہ کے مطابق اس نے احرام نہیں
باندھا ہے اس وجہ سے اُس کا عمرہ باطل ہو جائے گا کیونکہ افعال عمرہ سے پہلے اس نے وقوف عرفات کیا، صرف عرفات کی طرف
جانے کی وجہ سے باطل نہیں ہوگا، چنانچہ اگر کوئی عرفات کی طرف جائے اور وقوف کے بغیر واپس آجائے اور عمرہ کر کے حج
کرے تو ایسا مکمل ہے۔

اور اگر حج کے احرام کے بعد اس نے اس کے لیے طواف قدوم کر لیا اس کے بعد عمرہ کا احرام باندھا اور دونوں کو ادا کیا تو وہ
ایک جانور بطور تلافی نقصان ذبح کرے گا کہ اس نے افعال حج میں عمرہ کو داخل کر لیا، مستحب یہ ہے کہ عمرہ کو ترک کر دے کیونکہ
جب اس نے حج کا طواف قدوم کر لیا تو وہ اس کے ذمہ مؤکد ہو گیا۔ اگر عمرہ ترک کرے گا تو اس کو بعد حج اس کی قضا کرنا ہوگی،
کیونکہ احرام باندھ کر اس نے اس کو شروع کر دیا تھا، اور اس وقت عمرہ چھوڑنے کے نتیجے میں وہ دم دے گا۔

حج کے بعد یوم النحر میں عمرہ کا احرام ایک شخص نے حج کیا پھر یوم النحر میں عمرہ کا احرام باندھا، یا اس کے بعد کے
تین دنوں میں سے کسی دن، تو اب اس صورت میں عمرہ کا لدا کرنا اس کے
ذمہ لازم ہوگا، کیونکہ احرام باندھ کر اس نے شروع کر دیا تھا، مگر یہ کراہت تحریمی کے ساتھ ہوگا، کیونکہ ابھی وہ حج سے فارغ
نہیں ہوا تھا، اور یہی وجہ ہے کہ اس پر اس عمرہ کا ترک کر دینا واجب ہے، تاکہ وہ گنہگار نہ ہو، پھر عمرہ کی قضا کرے اور لازمی طور پر
دم دے، کیونکہ اس نے عمرہ کو ترک کیا تھا، اور اس نے عمرہ کو ترک نہیں بلکہ عمرہ ادا کر لیا تو یہ ادا کرنا بھی صحیح ہو جائے گا، البتہ
مکروہ تحریمی کا مرتکب ہوا ہے اس لیے لازمی طور پر دم دے گا اور اس سے نقصان کی تلافی ہو جائے گی۔

حج فوت ہونے والے کا احرام حج و عمرہ وہ شخص جس کا حج فوت ہو چکا وہ جب اسی سال دوسرے حج یا عمرہ کا
احرام باندھے گا، تو اس پر دوسرے احرام کا ترک کر دینا واجب ہوگا
کیونکہ دو حج یا دو عمروں کے احراموں کو جمع کرنا مشروع نہیں ہے۔

(دو حج میں ایک حج وہ ہے جو فوت ہو چکا۔ ایک احرام اس کا ہوا، اور دوسرا احرام دوسرے حج کا اور دو عمروں کے دو احرام اس
طرح ہوئے کہ ایک احرام تو یہی ہے جو دوسرے حج کے ساتھ عمرہ کا احرام باندھا، اور دوسرا احرام عمرہ کا اس طرح ہوا کہ جس کا
حج فوت ہو جاتا ہے وہ عمرہ کر کے احرام سے باہر آتا ہے جیسا کہ آرہا ہے)

جب کسی کا حج فوت ہو جاتا ہے تو اس کا احرام باقی رہتا ہے، اب اس پر واجب ہے کہ وہ عمرہ کے افعال کر کے حج کے احرام سے حلال ہو جائے اس کے بعد اس کی قضا کرے جس کا احرام کیا تھا، کیونکہ اس کا ابتداء میں شروع کرنا درست تھا اور وہ دم بھی دے گا کیونکہ وقت سے پہلے اس نے احرام ختم کیا ہے اور حلال ہوا ہے، یعنی واجب یہ تھا کہ حج ثانی کے افعال کو ادا کرنے یا عمرہ کے بعد احرام ثانی سے باہر آتا، کیونکہ دو احراموں کا جمع کرنا درست نہیں تھا، اس لیے دوسرے احرام کا ترک کر دینا ضروری قرار دیا گیا، اور اسی وجہ سے اس پر دم لازم ہوا۔

باب الاحصار

هو لغة المنع و شرعا منع عن ركن اذا احصر بعد و او مرض او موت محرم او هلاك نفقة حل له التحلل فحينئذ بعث المفرد دما او قيمته فان لم يجد بقى محرما حتى يجد او يتحلل بطواف و عن الثانى انه يقوم الدم بالطعام و يتصدق به فان لم يجد صام عن كل نصف صاع يوما والقارن دميين فلو بعث واحد لم يتحلل عنه وعين يوم الذبح ليعلم متى يتحلل و يذبحه فى الحرم ولو قبل يوم النحر خلا فالهما ولو لم يفعل و رجع الى اهله بغير تحلل او صبر محرما حتى زال الخوف جاز فان ادرك الحج فيها و نعمت والا تحلل بالعمرة لان التحلل بالذبح انما هو للضرورة حتى لا يمتد احرامه فيشق عليه زيلعى و يذبحه يحل و لو بلا حلق و تقصير هذا فائدة التعيين فلو ظن ذبحه ففعل كالحلال فظهر انه لم يذبح او ذبح فى حل لزمه جزاء ما جنى

کسی رکن کی ادائیگی سے رُکنا

احصار کے معنی لغت میں منع کے آتے ہیں، یعنی روکنا، اور شریعت میں کسی رکن کی ادائیگی سے رُکنے کو کہتے ہیں خواہ وہ حج کا رکن ہو، یا عمرہ کا، جب احرام والا کسی عذر شرعی کی وجہ سے رُک جائے جیسے دشمن کی وجہ سے، یا بیماری کی وجہ سے۔ یا عورت کے حرم کی موت واقع ہونے کی وجہ سے یا نفقہ کے ہلاک ہونے کی وجہ سے تو ان صورتوں میں اس کے لیے احرام اُتار کر حلال ہو جاتا جائز ہے۔

(دشمن خواہ کافر ہو یا کوئی دوسرا دونوں کو عام ہے، بیماری سے ایسی بیماری مراد ہے جو سفر کرنے اور چلنے پھرنے سے بڑھ جاتی ہو اور راستہ میں اخراجات سفر کھانا، کرایہ اور دوسری ضروریات کے لیے جو روپے تھے وہ حج شروع کرنے کے بعد ضائع

ہوئے اور پیدل جانے اور چلنے کی قدرت نہیں ہے یا ممکن نہیں ہے تو یہ بھی مانع شمار ہوتا ہے۔

جب حج کا سفر عذر کی وجہ سے نہ کر سکے ان عذروں میں سے کسی عذر کی وجہ سے جب وہ حج کے لیے سفر نہ کر سکے، اس صورت میں مفرد (جس نے صرف حج کا احرام باندھ

رکھا ہے) قربانی کے لیے ایک جانور (بکری یا بھیڑ) بھیجے یا اس کی قیمت بھیجے، اگر وہ نہ بکری پائے اور نہ اس کی قیمت، تو اُس وقت تک وہ احرام میں رہے جب تک پانہ لے، یا وہ عمرہ کا طواف اور سعی بین الصفا والمروہ کر کے احرام ختم نہ کرے امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس جانور کی کھانے (اناج) سے قیمت لگائے، اور اس کو صدقہ کر دے، ہر مسکین کو نصف صاع دے، اگر اناج بھی نہ مل سکے تو اس صورت میں ہر ہر نصف صاع کے بدلہ ایک ایک روزہ رکھے (طحطاوی کا کہنا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کی یہ روایت کمزور ہے، لہذا اشارح کے لیے مناسب تھا کہ اس کو یہاں ذکر ہی نہیں کرتے) اور جس نے قرآن کا احرام باندھا اور کسی عذر کی وجہ سے نہ جاتا ہو اس کو دو دم بھیجنا چاہیے، ایک بکری حج کے لیے اور دوسری عمرہ کے احرام کے لیے چنانچہ اگر قارن دو کے بجائے ایک دم بھیجے گا تو وہ احرام سے نہیں نکل سکے گا، کیونکہ اس کو حکم یہ ہے کہ دونوں احراموں سے ایک ساتھ باہر ہو، اور جو جانور یا اس کی قیمت بھیج رہا ہے کہ وہاں جا کر اسے لیجانے والا اس کی طرف سے ذبح کرے گا اس سے تاریخ دن اور وقت طے کر لے، کہ فلاں دن اسے ذبح کرنا ہے، تاکہ اس کے علم میں آجائے کہ وہ کب حلال ہوگا۔ کیونکہ ذبح سے پہلے حلال نہیں ہو سکتا ہے، اس تاریخ اور وقت کے مطابق وہ یہاں حلال ہو جائے گا۔

جانور یوم النحر سے پہلے ذبح ہو سکتا ہے یہ جانور حرم میں لیجا کر ذبح ہوگا۔ خواہ یوم النحر سے پہلے ہی کیوں نہ ہو، صاحبینؒ کہتے ہیں کہ یوم النحر (دسویں ذی الحجہ سے پہلے ذبح کرنا درست

نہیں ہے البتہ عمرہ کے احصار میں یوم النحر سے پہلے بھی درست ہے) (لیکن امام اعظمؒ کے نزدیک درست ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے) حرمِ نحر (جو عذر کی وجہ سے نہیں جاسکتا ہے) اگر اس نے قربانی کا جانور یا اس کی قیمت نہیں بھیجی، اور بغیر حلال ہوئے اپنے گھر احرام میں ہی پلٹ آیا، یا حالت احرام میں وہیں جہاں عذر پیش آیا تھا کارہا، یہاں تک کہ خوف جاتا رہا اور عذر ختم ہو گیا، تو اس کے لیے حج کرنا جائز ہے اگر عذر کے ختم ہونے کے بعد حج کو پالے تو اس نے بہتر کیا، اور اگر موسم حج ختم ہو گیا ہے تو عمرہ کر کے احرام اتار دے، کیونکہ جانور کے ذبح کے بعد حلال ہونا اس ضرورت کی وجہ سے تھا کہ احرام کی مدت دراز نہ ہو، اور وہ دشواریوں سے دوچار نہ رہے۔

ذبح نہ ہونے کی صورت میں اس جانور کے ذبح کرنے سے محرم احرام سے خارج ہو جاتا ہے اگرچہ وہ نہ سر منڈائے اور نہ بال ترشوائے، اُس نے گمان کیا کہ جانور ذبح ہو گیا ہوگا، چنانچہ

اس نے اس طرح کرنا شروع کر دیا جس طرح غیر محرم کرتے ہیں، بعد میں معلوم ہوا کہ جانور ذبح نہیں ہوا، یا حرم کے بجائے حل میں ذبح کیا گیا ہے تو اس کو اپنے جنایت کی جزا دینی ہوگی۔

و يجب عليه ان حل من حجه ولو نفلا حجة بالشروع وعمره للتحلل ان لم يحج من عامه وعلى المعتمر عمرة وعلى القارن حجة و عمرتان احدهما للتحلل فان بعث ثم زال الاحصار و قدر على ادراك الهدى والحج معا توجه وجوبا والا يقدر عليهما لا

بلیزہ التوجہ و ہی رباعیہ

حلال ہونے والے حج کی قضا اگر کسی نے حج کا احرام اسی طرح اتارا ہے گو وہ حج نفل ہی ہو تو اس پر واجب ہے کہ دوسرا حج قضا کے طور پر کرے، کیونکہ وہ اسے شروع کر چکا تھا، اور حلال ہونے کی وجہ سے عمرہ واجب ہے، بشرطیکہ اس نے اس سال حج نہ کیا ہو، اور اگر عذر کے ختم ہونے کے بعد اس نے اسی سال حج کر لیا، تو فقط حج واجب ہوگا، عمرہ واجب نہیں ہوگا، اور اگر عمرہ کا احرام والا نہیں جاسکا ہے تو اس پر فقط عمرہ واجب ہے، اور قارن پر دو حج اور ایک عمرہ واجب ہے، ایک عمرہ حلال ہونے کا دوسرا قرآن کا۔

جب عذر زائل ہو جائے ان عذروں میں سے کسی عذر کی وجہ سے حج کے احرام والا جب نہیں جاسکا تھا اور اس نے قربانی کا جانور بھی بھیج دیا تھا، لیکن اس کے بعد اس کا عذر زائل ہو گیا، اور اب وہ قادر ہے کہ وہاں پہنچ کر جانور اور حج کو ساتھ ساتھ پالے، تو اس کے لیے واجب ہے کہ حج کے لیے روانہ ہو جائے، اور ایسے وقت اس کے لیے جانور بھیج کر احرام سے باہر آنا ہرگز جائز نہیں کیونکہ جانور بھیجنا تو حج کا بدل تھا اور جب وہ بطور خود اصل پر قادر ہے تو عوض کا کوئی اعتبار نہیں۔

اور اگر وہ جانور اور حج کے پانے پر ایک ساتھ قادر نہیں ہے، تو پھر اس پر واجب نہیں ہے کہ وہ حج کے لیے روانہ ہو اور یہ مسئلہ رہا ہے، یعنی اس کی چار صورتیں ہو سکتی ہیں: (۱) پہلی صورت یہ ہے کہ جانور اور حج دونوں کو ساتھ ساتھ پاسکتا ہو۔ (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں کو نہ پاسکتا ہو۔ (۳) تیسری صورت یہ ہے کہ جانور کو تو پاسکتا ہو مگر حج نہ پاسکے۔ (۴) چوتھی صورت یہ کہ فقط حج پاسکتا ہو جانور کو نہ پاسکتا ہو تو صرف پہلی صورت میں جانا لازم ہے، اور باقی تین صورتوں میں جانا لازم نہیں ہے، لیکن اگر حلال ہونے کے ارادہ سے جائے اور عمرہ کرے تو یہ درست ہے۔

ولا احصار بعد ما وقف بعرفة للامن من الفوات والممنوع لو بمكة عن الركنين
محصر على الاصح والقادر على احدهما لا اما على الوقوف فلتمام حجه به و اما على الطواف فلتحلله به كما مر

وقوف عرفات کے بعد احصار نہیں وقوف عرفات کے بعد احصار نہیں ہے، اس وجہ سے کہ وقوف عرفات کے بعد حج کا فوت ہونا نہیں ہو سکتا ہے۔ گویا اس کے بعد حج ہو جاتا ہے لہذا فوت ہو جانے سے امن ہے، لیکن اگر وقوف عرفات کے بعد کوئی رکاوٹ باقی رہے، تو واجبات ترک ہوں گے جیسے وقوف مزدلفہ، رمی جمار۔ اسی طرح حلق میں تاخیر، اور طواف زیارت، تو ان کے ترک سے دم لازم ہوگا۔ حج فوت نہیں ہوگا۔

جو شخص وقوف عرفات اور طواف زیارت سے روکا جائے، اگرچہ وہ مکہ میں ہو تو وہ محصر ہے اصح مذہب کی بنیاد پر ہاں اگر ان دونوں رکنوں میں سے جو ایک پر بھی قادر ہو وہ محصر (احصار والا) نہیں ہے، جو شخص عرفات کے وقوف پر قادر ہے وہ اس وجہ سے محصر نہیں ہوگا کہ وقوف عرفات سے حج تام ہو جاتا ہے اور جو طواف زیارت پر قادر ہو، وہ اس وجہ سے محصر شمار نہیں ہوگا کہ طواف کرنے سے وہ احرام سے خارج ہو گیا، جیسا کہ گذر چکا کہ حلال ہونے میں اصل طواف ہے اور جانور کا ذبح کرنا اس کا بدلہ ہے اصل کے ہوتے ہوئے بدلہ کی حاجت نہیں ہوتی۔

باب الحج عن الغير

الاصل ان كل من اتى بعبادة ما له جعل ثوابها لغيره و ان لو اها عند الفعل لنفسه لظاهر الادلة و اما قوله تعالى و ان ليس للانسان الا ما سعى اى الا اذا و هبه له كما حققه الكمال او اللام بمعنى على كما فى وَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَقَدْ افصح الزاهدى عن اعتزاله هنا والله الموفق العبادة المالية كزكوة و كفارة تقبل النيابة عن المكلف مطلقا عند القدرة والعجز ولو النائب ذميا لان العبرة لنية الموكل ولو عند دفع الوكيل

حج بدل کا بیان

اس باب میں جن پر حج فرض ہے اس کی طرف سے دوسرے شخص کے حج کرنے کی تفصیل اور اس سے متعلق احکام و مسائل بیان کیے جائیں گے ایک بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص بطور خود کوئی مالی عبادت کرے اور اس کا ثواب دوسرے شخص کو بخش دے گو عبادت کرتے وقت نیت اس نے اپنی ذات کے لیے کی ہو تو وہ ایسا کر سکتا ہے یہ اصل قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ (قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْتَنِى صَغِيرًا اے میرے پروردگار! میرے ماں باپ پر رحم و کرم فرمائیے جیسا کہ انھوں نے بچپن میں میری پرورش و پر داخت کی ہے، معلوم ہوا کہ بیٹے کی دعا والدین کے لیے مفید ہے ایک انسان کا عمل دوسرے انسان کے لیے نفع بخش ہے تب تو خدا نے اولاد کو والدین کے حق میں دعا کا حکم فرمایا، اسی طرح ارشاد باری ہے کہ فرشتے مومنین کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں، حدیث میں ہے کہ رسول خدا ﷺ نے دو مینڈھے کی قربانی کی، ایک اپنی طرف سے اور ایک امت کی طرف سے، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عبادت مالی میں نیابت درست ہے، یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ جو قبرستان سے گذرے اور گیارہ مرتبہ قل ہو اللہ احد پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخش دے تو اسے اس کا ثواب بقدر مردوں کے دیا جائے گا ایک مرتبہ حضرت انسؓ نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا یا رسول اللہ! ہم خیرات کرتے ہیں اپنے مرنے والوں کی طرف سے حج کرتے ہیں ان کے لیے دعاء کرتے ہیں، کیا یہ سب ان کو پہنچتا ہے، فرمایا ہاں انھیں پہنچتا ہے وہ اس سے خوش ہوتے ہیں، ایک دفعہ آپ نے فرمایا تم اپنے مرنے والوں کے لیے سورہ یسین پڑھا کرو۔ ان تمام سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمال صالحہ کا ثواب مردوں کو ملتا ہے)

قرآن میں ایک آیت ہے وَ اَنْ لِّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی کہ انسان کو خود اپنا کیا کام آتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے اس کی مراد یہ ہے کہ انسان کو غیر کے عمل سے اس وقت تک کچھ نہیں ملتا ہے جب تک وہ اس کے لیے نہیں بخشے۔ جیسا کہ صاحب فتح القدیر نے اس کو ثابت کیا ہے یا اس آیت میں لام کو علی کے

ایک اشکال کا جواب

معنی میں لیا جائے، تو مطلب یہ ہو جائے گا کہ انسان کو اپنے عمل کے سوا کوئی اور چیز مضر نہیں، تو یہاں مضرت کی نفی ہوگی، منفعت کی نہیں، اور لام علی کے معنی میں کبھی آتا ہے جیسے لہم الملقۃ میں (امام مالک اور امام شافعی بھی اس کے قائل ہیں کہ مالی مہلت اور حج کا ثواب دوسرے کو پہنچتا ہے) معتزلہ البتہ اس کے قائل نہیں ہیں اور وہ اسی اوپر والی آیت سے استدلال کرتے ہیں جس کا جواب اوپر مذکور ہو چکا، اس کا ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ اس آیت میں انسان سے مراد کافر ہے اور بھی بہت سے جوابات دیئے گئے ہیں یہاں اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔

عبادت مالیہ میں نیابت پر بات مالیہ جیسے زکوٰۃ، کفارہ، صدقہ فطر، عشر، یہ سب مکلف کی طرف سے نیابت کو قبول کرتی ہیں، قدرت کے وقت بھی اور مجبوری کے وقت بھی، اگرچہ نائب ذمی کافر ہی کیونکہ ہو، اس لیے کہ بنیادی چیز مَوَکَل کی نیت ہے اُسی کا اعتبار ہے۔ خواہ اس نے وکیل کو دیتے وقت نیت کی ہو (عبادت مالی میں ایک طرف دولت والے کی آزمائش ہے کہ اللہ کا دیا ہوا مال اس کے حکم سے اس کے بندوں پر خرچ کرتا ہے یا نہیں۔ دوسری طرف غریب، مسکین، محتاج اور ضرورت مند انسانوں کی مدد و اعانت ہے کہ اس کی ضرورت اس کے ذریعہ پوری ہوتی ہے، یہ بات نائب کے ذریعہ بھی ہو سکتی ہے یہ درست ہے کہ عبادت بلا نیت صحیح نہیں ہے اور کافر ذمی نیت کی اہلیت سے خالی ہے لیکن پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اصل اعتبار مَوَکَل کی نیت کا ہوتا ہے۔ نائب تو صرف پہنچانے والا ہے، اب نائب بنانے والا یا تو جس وقت نائب کے حوالہ کر رہا ہے اسی وقت نیت کر لے، یہ ہر جس وقت اس کا نائب محتاج و مستحق کو دینے لگے اس وقت نیت کرے۔ یا اس کے درمیان میں کرے)

وَالْبَدَنِيَّةُ كَصَلَاةٍ وَصَوْمٍ لَا تَقْبَلُهَا مَطْلَقًا وَالْمَرْكَبَةُ مِنْهُمَا كَحَجِّ الْفَرَضِ تَقْبَلُ النِّيَابَةَ عِنْدَ الْعُجْزِ فَقَطْ لَكِنْ بِشَرْطِ دَوَامِ الْعُجْزِ إِلَى الْمَوْتِ لِأَنَّهُ فَرَضُ الْعُمُرِ حَتَّى تَلْزِمَ الْإِعَادَةَ بِزَوَالِ الْعُذْرِ وَبَشَرْطِ نِيَّةِ الْحَجِّ عَنْهُ أَيْ عَنِ الْأَمْرِ لِقَوْلِ أَحْرَمَتِ عَنْ فُلَانٍ وَنَبَيْتٍ عَنْ فُلَانٍ وَلَوْ نَسِيَ اسْمَهُ فَنَوَى عَنِ الْأَمْرِ صَحَّ وَتَكْفِي نِيَّةُ الْقَلْبِ هَذَا أَيْ اشْتِرَاطُ دَوَامِ الْعُجْزِ إِلَى الْمَوْتِ إِذَا كَانَ الْعُجْزُ كَالْحَبْسِ وَالْمَرَضِ يَرْجَى زَوَالُهُ أَيْ يُمْكِنُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ كَذَلِكَ كَالْعُمَى وَالزَّمَانَةِ سَقَطَ الْفَرَضُ بِحُجِّ الْغَيْرِ عَنْهُ فَلَا إِعَادَةَ مَطْلَقًا سِوَاءِ اسْتِمْرَارِ ذَلِكَ الْعُذْرِ بِهِ أَمْ لَا وَلَوْ أَحْجَ عَنْهُ وَهُوَ صَحِيحٌ ثُمَّ عُجْزَ وَاسْتَمَرَ لَمْ يَجْزِهِ لِفَقْدِ شَرْطِهِ

عبادت بدنیہ باقی عبادت بدنیہ جیسے نماز، روزہ یہ مطلقاً نیابت کو قبول نہیں کرتی ہے، نہ قدرت میں اور نہ عاجز ہونے کے وقت کیونکہ عبادت بدنیہ کا منشا اصلی یہ ہے کہ افعال مخصوصہ کے ذریعہ روح بدن دونوں مشقت برداشت کریں، تاکہ اس سے قلب و روح کا تزکیہ ہو، اور اس میں روشنی اور صفائی آئے، اور اللہ تعالیٰ سے نزدیکی حاصل ہو، یہ چیزیں نائب کے فعل سے حاصل نہیں ہو سکتی ہیں جب تک خود آدمی نہ کرے، اور اس حدیث کا جس میں فرمایا گیا کہ کوئی کسی کی طرف سے نہ روزہ رکھے، اور نہ نماز پڑھے، اس کا مطلب یہی ہے، یعنی دوسرے کے ادا کرنے سے اس کی طرف سے یہ فریضہ ادا نہیں ہوگا اور وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہوگا۔ البتہ نفل میں ایسا ہو سکتا ہے، چنانچہ حدیث میں آیا بھی ہے کہ اولاد

والدین کے لیے نفل نماز پڑھے اور نفل روزہ رکھے۔

اور جو عبادت مال اور بدن دونوں سے مرکب ہوتی ہے جیسے فرض حج، یہ نیابت قبول کرتی ہے مگر صرف اس وقت جب کوئی خود عاجز ہو، ادا نہ کر سکتا ہو۔ یہ بات ظاہر ہے کہ طواف، وقوف عرفہ اور دوسرے افعال مخصوصہ ادا کرنے کا نام حج ہے مال اس کی حقیقت میں داخل نہیں ہے، لیکن مکہ مکرمہ تک پہنچنے میں زاد و راحلہ ضروری ہے بغیر اس کے وہاں تک پہنچ نہیں سکتا اس لیے مال کو اس کا جزمان لیا گیا ہے۔ اگر آدمی میں جانے آنے کی قدرت ہو تو نیابت جائز نہیں، ہاں جب خود مجبور ہو البتہ مال میں نیابت درست ہے۔

مرکب عبادت مالیہ و بدنیہ

حج میں بوقت مجبوری نیابت جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس کی مجبوری ایسی ہو کہ موت تک ختم ہونے والی نہ ہو، اگر یہ مجبوری دائمی قسم کی نہیں ہے تو نیابت جائز نہیں ہوگی، کیونکہ حج تمام عمر میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے، حتیٰ کہ زندگی میں مجبوری جب زائل ہو جائے گی تو نائب سے کرانے کے باوجود اس کو پھر بطور خود حج کرنا ہوگا، کیونکہ اس کی مجبوری موت تک باقی نہیں رہی، درمیان میں جارتی رہی۔

حج میں نیابت کی شرائط

اور یہ بھی شرط ہے کہ نائب اپنی طرف سے نہیں بلکہ اپنے نائب بنانے والے آمر کی طرف سے حج کرے، چنانچہ وہ احرام باندھتے وقت کہے گا کہ میں نے فلاں کی طرف سے احرام باندھا اور اسی کی طرف سے لبیک کہا، اگر آمر کا نام بھول جائے تو اس کی نیت کرے صحیح ہو جائے گا۔ اور نیت دل میں کرنا کافی ہے زبان سے کہنا لازم نہیں۔

موت تک عاجزی و مجبوری کا شرط ہونا اس وقت ہے کہ جب مجبوری جیسے قید ہونا یا بیمار ہونا زوال پذیر ہو یعنی امید ہو کہ یہ عاجزی و مجبوری جاتی رہے گی اور اگر ایسی مجبوری ہو کہ اس کے زائل ہونے کی توقع نہ ہو جیسے اندھا ہونا، لولا ہونا تو غیر کے اس کی طرف سے حج کر لینے سے اس کے ذمہ سے فرض ساقط ہو جائے گا، اس میں اعادہ یعنی حج دوبارہ کرنا مطلقاً لازم نہیں ہے وہ عذر برابر قائم رہے، یا نہ رہے۔ اس لیے کہ یہ لازم مجبوری موت کی جگہ ہے۔

دائمی مستقل مجبوری

اگر ایک تندرست آدمی نے اپنی طرف سے دوسرے شخص سے حج کروایا، پھر وہ واقعی مجبور ہو گیا اور اس کی مجبوری قائم رہ گئی، تو یہ پہلا بذریعہ نائب کرایا ہوا حج اس کی طرف سے جائز نہیں ہوگا، اس لیے کہ اس وقت اس کی شرط نہیں پائی گئی تھی جس کی وجہ سے نیابت کی اجازت ہے، زیادہ سے زیادہ اس کو نفل حج کا ثواب مل جائے گا۔

تندرست کا حج بدل کرانا

و بشرط الامر به ای بالحج عنه فلا يجوز حج الغير بغیر اذنه الا اذا حج او احج الوارث عن مورثه لوجود الامر دلالة و بقى من الشرائط النفقة من مال الامر کلها او اکثرها وحج المأمور بنفسه و تعينه ان عينه فلو قال يحج عني فلان لا غیر لم یجز حج غیره ولو لم یقل لا غیره جاز و اصلها فی اللباب الی عشرین شرطاً منها عدم اشتراط الاجرة فلو استأجر رجلاً بان قال استأجرتک علی ان تحج عني بكذا لم یجز حجه عنه و

الما بقول امرتك ان تحج عني بلا ذكر اجارة ولو افق من مال نفسه او خلط النفقة بماله
رحج والفق كله او اكثره جاز و برئ من الضمان و شرط العجز المذكور للحج الفرض
لا النقل لاتساع بابه ويقع الحج المفروض عن الامر على الظاهر من المذهب و قيل
عن المأمور لفلا و للامر ثواب النفقة كحج النقل

حج بدل کا حکم دینا حکم دے، لہذا اگر کوئی لڑکا اپنے باپ کی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر حج کرے تو یہ حج جائز نہیں ہوگا، البتہ اس وقت جائز ہوگا جب وارث خود حج کرے یا اپنے مورث کی طرف سے وہ دوسرے سے حج کرائے، اس لیے کہ اس صورت میں مورث کی طرف سے دلالت حکم پایا جائے گا، کیونکہ وارث مورث کے مال میں تصرف کرنے والا ہوا، تو گویا مورث نے اس سے کہا کہ تو میرے اوپر سے فرض حج ادا کر دے۔

حج بدل کے اخراجات ایک شرط یہ ہے کہ حج کے کل اخراجات اُس کے مال سے ادا کیے جائیں جس کی طرف سے حج کر لیا جا رہا ہے یا کل نہیں تو اکثر حصہ اس کے مال سے ادا ہو، لہذا اگر کوئی حج بدل کرنے والا خود اپنے مال سے کسی کی طرف سے بطور احسان حج کر دے تو اس کی طرف سے حج ادا نہ ہوگا۔

حج بدل کرنے والے کا تعین حج بدل کرنے والے کا بطور خود متعین ہونا مشروط ہے اگر حکم دینے والے نے اس کو متعین کر دیا ہو، اور اگر آمر نے اس طرح کہا کہ زید میری طرف سے حج کرے اس کے سوا دوسرے نہ کرے، تو اس صورت میں دوسرے کا اس کی طرف سے حج کرنا جائز نہیں ہوگا اور اگر اس نے ایسا نہیں کہا ہے یعنی یہ نہیں کہا ہے کہ غیر نہ کرے تو جائز ہوگا۔

حج بدل کا ٹھیکہ باب المناسک نامی کتاب میں نیابت حج کے لیے شرائط کی تعداد بیس تک پہنچادی ہے ان میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ نیابت میں اجرت مشروط نہ ہو، پس اگر کسی نے کسی کو ٹھیکہ پر دیدیا کہ اتنے روپے میں تم میری طرف سے حج کر دینا، تو یہ حج درست نہیں ہوگا۔ اس کو اس طرح کہنا چاہیے میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ تم میری طرف سے حج ادا کر دو۔ اجرت کا ذکر اس میں نہ لائے۔

اگر حج بدل کرنے والا اپنے مال سے کچھ خرچ کر دے یا اپنا کچھ مال آمر کے مال میں ملادے، اور پھر ان تمام کو خرچ کر لے یا آمر کے مال کا اکثر حصہ خرچ کرے تو یہ جائز ہے اور مامور حج بدل کرنے والا ضمانت سے بری ہو جائے گا۔

حج نفل میں نیابت حج بدل میں عاجز ہونے کی جو شرط بیان کی گئی ہے، یہ فرض حج کے لیے ہے، نفل حج میں حج بدل کے لیے یہ شرط نہیں ہے اس میں وسعت ہے آمر قادر ہونے کے باوجود اپنی طرف سے حج بدل کروا سکتا ہے۔

حج بدل سے آمر کے فریضہ کی ادائیگی حج بدل کے ذریعہ جو فرض ادا ہوتا ہے وہ آمر کی طرف سے ہوتا ہے جس نے اپنی طرف سے کر لیا ہے۔ ظاہر مذہب یہی ہے اور

ایک ضعیف قول یہ ہے کہ یہ حج مامور کی طرف سے نفل حج ہوتا ہے اور آمر کو نفقہ اور اخراجات کا ثواب مل جاتا ہے، جیسے نفل حج میں ہوا کرتا ہے، یہ اخیر قول امام محمد کا ہے مگر یہ بات متفق علیہ ہے کہ اس سے آمر کا حج فرض ساقط ہو جاتا ہے اور مامور سے حج فرض ساقط نہیں ہوتا۔

(حدیث میں ہے کہ حجۃ الوداع میں ایک عورت ختم قوم کی آئی اس نے رسول خدا ﷺ سے دریافت کیا یا رسول اللہ! میرے باپ پر حج فرض ہے مگر وہ بہت بوڑھا کمزور ہے اتنی طاقت نہیں ہے کہ اونٹ پر جم کر بیٹھ سکے، کیا میں اس کی طرف سے حج کر دوں، آپ نے ارشاد فرمایا ہاں کر دو۔ ایک دوسری روایت ہے کہ خدمت نبوی میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میری بہن نے حج کی نذر مان رکھی تھی، وہ انتقال کر گئی۔ آپ نے اس سے دریافت فرمایا اگر اس پر قرض ہو تا تو کیا تم اس کی طرف سے ادا نہیں کرتے؟ اس نے کہا ہاں ضرور ادا کرتا، ارشاد فرمایا تو اب تم خدا کا قرض بھی ادا کر دو کہ وہ اس کا زیادہ مستحق ہے۔ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ حج بدل اس کی طرف سے ادا ہوتا ہے جس نے اپنی طرف سے حج کرنے کے لیے بھیجا ہے، جو گیا اس کی طرف سے ادا نہیں ہوتا۔

لكنه يشترط لصحة النيابة اهلية المأمور لصحة الافعال ثم فرع عليه اولاً بقوله فحج الضرورة بمهمة من لم يحج والمرأة ولو امة والعبد وغيره كالمراهق وغيرهم اولي لعدم الخلاف ولو امر ذمياً او مجنوناً لا يصح و اذا مرض المأمور بالحج في الطريق ليس له دفع المال الى غيره ليحج ذلك الغير عن الميت الا اذا اذن له بذلك بان قيل له وقت الدفع اصنع ما شئت فيجوز له ذلك مرض اولاً لانه صار وكيلاً مطلقاً خرج المكلف الى الحج و مات في الطريق و اوصى بالحج عنه انما تجب الوصية به اذا اخرا بعد وجوبه اما لو حج من عامه فلا فان فسر المال او المكان فالامر عليه اى على ما قسره والا فيحج عنه من بلده قياساً لا استحساناً فليحفظ فلو احج عنه الوصى من غيره لم يصح ان وفى به اى بالحج من بلده ثلثه و ان لم يف به فمن حيث يبلغ استحساناً ولو وصى الميت او وارثه ان يسترد المال من المأمور مالم يحرم ثم ان رده لخيانة منه فنفقة الرجوع في ماله والا ففي مال الميت

حج بدل میں جانے والے کا اہل ہونا جو شخص حج بدل میں جائے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کا اہل ہو تب اس کے افعال حج درست ہوں گے اور وہ اس کے لائق ہو سکے گا مثلاً مسلمان ہونا، عاقل ہونا، چنانچہ جو شخص اہل ہے گو اس نے حج نہیں کیا ہے تو بھی وہ حج بدل میں بھیجا جاسکتا ہے۔ اسی طرح حج بدل میں عورت بھی جاسکتی ہے، اور غلام وغیرہ بھی جیسے وہ نابالغ جو قریب البلوغ ہو اس کا بھی حج بدل میں جانا درست ہے اور ان کے علاوہ دوسرے حج بدل میں بھیجنا اور جانا اولیٰ تاکہ اس میں امام شافعی کا اختلاف باقی نہ رہے۔

(ملائے لئے ہے کہ بہتر یہ ہے کہ نج بدل میں وہ شخص بھیجا جائے جو آزاد ہو، عاقل و بالغ ہو اور افعال حج سے واقف اور نج کا طریقہ جانتا ہو اور فرض نج اپنی طرف سے کر چکا ہو)

حج بدل کرنے والے کا اپنی جگہ دوسرے کو بھیجنا اگر کسی نے کسی ذمی یا پاگل کو اپنی طرف سے حج بدل میں بھیجا تو یہ درست نہیں ہونا کیونکہ ان میں اہلیت نہیں پائی جاتی ہے اگر نج بدل میں جانے والا راستہ میں بیمار ہو جائے تو اس کا از خود کسی دوسرے کو مال دینا جائز نہیں ہے کہ وہ اس کی میت کی طرف سے حج بدل کر دے۔ البتہ اُس وقت وہ ایسا کر سکتا ہے جب کہ مال دینے وقت حج بدل کرانے والے نہ کہہ دیا ہو کہ تمہارا حج اس طرحی چاہئے کرنا، اس صورت میں اس کے لیے غیر سے حج کروانا درست ہے، خواہ وہ بیمار ہو یا نہ ہو، اس لیے اس مطلق اجازت سے وہ اس کا وکیل مطلق ہو گیا، خواہ جس کی طرف سے وہ حج بدل ہو رہا ہے وہ زندہ ہو یا مردہ۔

مرنے والے کی حج کی وصیت ایک عاقل بالغ مسلمان حج کے لیے روانہ ہوا اور مکہ جاتے ہوئے راستہ میں انتقال کر گیا اور اس نے وصیت کر دی کہ میری طرف سے حج کروادینا۔ شارح کہتا ہے کہ حج کی وصیت اس پر اس وقت واجب ہے جب حج کے واجب ہونے کے بعد اس نے حج کی ادائیگی میں تاخیر کی ہو۔ اور اگر وہ اسی سال حج کو چلا ہے، جس سال اس پر فرض ہوا ہے تو اس پر حج کی وصیت کرنا واجب نہیں۔

حج بدل کہاں سے ہو اگر مرنے والے نے وصیت میں مال یا جگہ کی تفصیل بیان کر دی ہے کہ اتنے مال سے یا فلاں جگہ سے حج کیا جائے تو اس کے مطابق عمل کرنا ہو گا اور اگر اس نے اس طرح متعین نہیں کیا ہے تو اس کی طرف سے اس کے شہر سے حج کیا جائے، قیاس یہی چاہتا ہے گو استحسان کا تقاضا نہیں لیکن یہاں قیاس ہی مقدم رکھا جاتا ہے، قیاس یہ کہتا ہے کہ جب حج کو چلنے والا راستہ میں فوت ہو گیا اور نہ پہنچ سکا تو اس کا یہ سفر حج کے حق میں کالعدم قرار پائے گا گو اس کو اس کا ثواب ضرور ملے گا، کہ وہ حج کی نیت سے چلا تھا، لہذا اب حج اس کی طرف سے از سر نو اس کے وطن سے ہونا چاہیے، اور استحسان یہ ہے کہ جہاں اس کی موت ہوئی ہے وہاں سے سفر شروع ہو جانا چاہیے، اس لیے کہ وہ اتنا راستہ خود طے کر چکا ہے، اسے رائیگاں نہیں جانے دینا چاہیے۔

لہذا اگر وصی میت کی طرف سے اس کے شہر کے علاوہ دوسری جگہ سے حج کرادے تو یہ صحیح نہیں ہے، میت کے شہر سے حج بدل کیا جائے اگر میت کا ثلث (تہائی) مال اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے، اور اگر تہائی مال اس کے لیے کافی نہ ہو تو پھر جہاں سے پہنچ سکے وہاں سے حج کیا جائے استحسان کا تقاضا یہی ہے۔

مال کی واپسی میت کے وصی یا اس کے وارث کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اُس شخص سے مال واپس لے لے جس کو حج بدل کے لیے دیا تھا، مگر یہ واپسی اسی وقت تک درست ہے جب تک اس نے احرام نہ باندھا ہو، جب وہ احرام باندھ چکے گا تو پھر کسی کے لیے مال کا واپس لینا جائز نہیں ہو گا، اگر حج بدل کرنے والے کی خیانت کی وجہ سے مال واپس لیا ہے تو پھر نے کا خرچ اس شخص کے مال سے ہو گا، جو حج بدل میں جا رہا تھا اور اگر خیانت کی وجہ سے یہ واپسی نہیں ہوئی ہے کسی اور وجہ سے ہے تو واپس ہونے کے اخراجات میت کے مال سے لیے جائیں گے۔

اوصی بحج فطوع عنه رجل لم یجزه و ان امره المیت لانه لم یحصل مقصوده و هو

ثواب الانفاق لكن لو حج عنه ابنه ليرجع في التركة جاز ان لم يقل من مالي و كذا لو ارجع لا يرجع كالدين اذا قضاه من مال نفسه ومن حج عن كل من امر به وقع عنه ضمن ما لهما لانه خالفهما ولا يقدر على جعله عن احدهما لعدم الا ولوية و ينبغي صحة التعيين لو اطلق الاحرام ولو ابهمه فان عين احدهما قبل الطواف والوقوف جاز بخلاف ما لو اهل بحج عن ابويه او غيرهما من الاجانب حال كونه متبرعا فعين بعد ذلك جاز لانه متبرع بالثواب فله جعله لاحدهما اولهما و في الحديث من حج عن ابويه فقد قضى عنه حجته و كان له فضل عشر حجج و بعث من الابرار

اپنی طرف سے حج بدل ایک شخص نے وصیت کی کہ اس کی طرف سے حج بدل کرادیا جائے، دوسرے کسی شخص نے بطور احسان اپنے اخراجات سے اس کی طرف سے حج بدل کر دیا، میت کے مال سے اس نے نہیں لیا، تو میت کے ذمہ سے اس کا فرض ساقط نہیں ہوگا، اگرچہ میت نے اس کو حج کرنے کا حکم بھی دیا ہو، اس لیے کہ اس طرح اس کا مقصد حاصل نہیں ہوا، کیونکہ مقصد مال کے خرچ کا ثواب حاصل کرنا تھا، وہ اسے حاصل نہیں ہوا۔

حج بدل والد کی طرف سے لیکن باپ کی وصیت پر اس کی طرف سے اگر اس کے بیٹے نے اپنے روپے سے حج کیا، اور یہ ارادہ کیا کہ میت کے ترکہ سے وہ خرچ کے روپے لے لیگا، تو یہ حج بدل درست ہوگا اور میت کا فرض ادا ہو جائے گا۔ بشرطیکہ باپ نے یہ نہ کہا ہو کہ میرے مال سے حج کرنا، اور اگر میت نے وصیت کی اس کی طرف سے حج کرایا جائے پھر وارث نے اپنے مال سے باپ کی طرف سے حج کرادیا۔ گو یہ اقرار نہیں تھا کہ اس کے متروکہ سے وہ اپنے روپے واپس لے لیگا تو اس سے بھی باپ کا فریضہ ادا ہو جائے گا جیسے قرض ہو اور اس کو کوئی اپنی طرف سے ادا کر دے۔

دو شخصوں کی طرف سے حج بدل اگر کسی نے ایک ہی سال دو شخصوں کی طرف سے حج بدل کیا تو یہ حج کرنے والے کا نفل حج ہوگا، اور جن دونوں سے مال لیا ہے اُسے واپس کرے گا، کیونکہ اس نے ان کی مخالفت کی، اس لیے کہ ان سے ہر ایک کو بلا شرکت غیرے حج کرانا مقصود تھا اور حج بدل کرنے والا اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ اس حج کو کسی ایک کی طرف سے قرار دے اس لیے کہ دونوں میں سے کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا ہے۔ اگر اس نے احرام میں کسی کا نام نہیں لیا ہے تو اس کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو متعین کر دے لیکن اگر کسی کا مبہم ذکر کیا ہے کہ ایک حکم دینے والے کی طرف سے لبیک کہتا ہوں، پھر طواف اور وقوف سے پہلے کسی کو متعین کر دے گا تو اس کا متعین کرنا جائز ہوگا۔

بطور احسان والدین کی طرف سے حج بدل سابق مسئلہ کے خلاف یہ مسئلہ ہے کہ ایک شخص نے بطور احسان بلا وصیت اپنے والدین کی طرف سے حج کیا، یا ان کے علاوہ دوسرے اجنبی شخص کی طرف سے کیا اور اپنے مال سے کیا اور بعد میں اس نے ایک کو متعین کر لیا تو یہ جائز ہے، اس وجہ سے کہ یہ شخص بنا عوض مالی ثواب دوسرے کو بخشے والا ہے، لہذا اس کو حق پہنچتا ہے کہ جس کو پسند کرے بخش دے ایک کو دے یا

دونوں کو، کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص نے اپنے والدین کی طرف سے حج کیا تو اس نے اپنی طرف سے اپنا حج ادا کیا اور اس کو دس حج کا ثواب ملے گا اور قیامت کے دن یہ شخص نیکوں میں اٹھایا جائے گا۔

والدین کی طرف سے حج کی فضیلت حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے باپ اور اپنی ماں کی طرف سے حج کرے تو اس نے اپنا حج ادا کیا اور

اس کے لیے دس حج کی زیادتی ہوگی اور زید بن ارقم صحابیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب کسی نے اپنے والدین کی طرف سے حج کیا تو یہ حج اس کی طرف سے بھی قبول ہوگا اور اس کے والدین کی طرف سے بھی، اور دونوں کی روحیں خوش ہوں گی اور خدا کے یہاں یہ شخص نیکو کار لکھا جائے گا۔ اور ایک صحابی راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنے والدین کی طرف سے حج ادا کرے گایا وہ ان کا قرض ادا کرے گا تو قیامت کے دن وہ صالحین کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

وارث کا حج بدل کرنا اگر مرنے والے نے وصیت کی ہے کہ اس کے مال سے حج کرایا جائے اور وارث نے اپنے مال سے حج کیا، تو مورث کی طرف سے فرض ادا نہ ہوگا اور اگر فقط یہ کہا تھا کہ اس کی طرف سے حج کر دیا جائے اور وارث نے اپنے مال سے خود اس کی طرف سے حج کیا یا دوسرے سے کرایا بغیر مال کی واپسی کی شرط کے تو میت کی طرف سے فرض ادا ہو جائے گا۔

وَدَمُ الْاِحْصَارِ لَا غَيْرَ عَلَى الْاَمْرِ فِي مَالِهِ وَ لَوْ مِثْلًا قِيلَ مِنَ الثَّلَاثِ وَ قِيلَ مِنَ الْكُلِّ ثُمَّ اِنْ فَاتَهُ لَتَقْصِرَ مِنْهُ ضَمَنَ وَ اِنْ بَاقَةَ سَمَاقِيَّةٌ لَا وَدَمُ الْقِرَانِ وَ التَّمَتُّعُ وَ الْجَنَاقِيَّةُ عَلَى الْحَاجِّ اِنْ اِذْنُ لَهُ الْاَمْرُ بِالْقِرَانِ وَ التَّمَتُّعِ وَ اِلَّا فَيَقْصِرُ مُخَالَفًا فَيُضْمَنُ وَ ضَمَنُ النِّفَقَةِ اِنْ جَامَعَ قَبْلَ وَقُوفِهِ فَيُعِيدُ بِمَالِ نَفْسِهِ وَ اِنْ بَعْدَهُ فَلَا لِحْصُولِ الْمَقْصُودِ

دم کے اخراجات احصار کا دم حج بدل کرنے والا اس کے مال سے دے گا جس کی طرف سے حج کر رہا ہے کو وہ مرچکا ہو جس کی طرف سے وہ حج بدل کر رہا ہے، دم کے سلسلہ میں بعضوں نے کہا میت کے تہائی مال سے خرچ کرے گا اور بعضوں نے کل مال سے کہا اور میت و آمر پر احصار کے سوا کوئی دوسرا دم لازم نہیں ہے، پھر اگر حج فوت ہو گیا اور یہ حج بدل کرنے والے کی کوتاہی اور سستی سے ہوا، تو وہ مال کا ضامن ہوگا، اور اگر کسی آسمانی آفت کی وجہ سے حج فوت ہوا ہے تو پھر حج بدل کرنے والا مال کا ضامن نہیں ہوگا۔

قرآن، تمتع اور جنایات کا دم حج بدل کرنے والے پر ہوگا جس کی طرف سے حج کر رہا ہے اس کی طرف واجب نہیں ہے، البتہ جب حج کرانے والے نے قرآن اور تمتع کا حکم دیا ہو، تو اسی پر واجب ہوگا، اور اگر اس نے اجازت نہیں دی تھی، تو پھر حج بدل میں قرآن کر کے اس نے اس کی مخالفت کی، لہذا وہ خود ضامن ہوگا۔

حج بدل کرنے والے کا حج کو فاسد کرنا حج بدل کرنے والے نے اگر وقوف عرفات سے پہلے جماع کر لیا اور اس طرح حج کو فاسد کر لیا تو دوسرے سال اس کو اپنے مال سے اس کی طرف سے حج کرنا ہوگا، اور اگر اس نے وقوف عرفات کے بعد جماع کیا تو پھر دوبارہ حج اپنی طرف سے نہیں کرنا ہوگا۔ اس لیے

کہ اس صورت میں حج فاسد نہیں ہوا۔ حج ادا ہو گیا، دم البتہ دینا ہو گا وہ حج بدل کرنے والا اپنے مال سے دے گا۔

وان مات المأمور او سرقت نفقته في الطريق قبل وقوفه حج من منزل أمره بثلاث ما بقي من ماله فان لم يف فممن حيث يبلغ فان مات او سرق ثانيا حج من ثلث الباقي بعدها هكذا مرة بعد اخرى الى ان لا يبقى من ثلثه ما يبلغ الحج فتبطل الوصية قلت وظاهره انه لا رجوع في تركة المأمور فليراجع لا من حيث مات خلافا لهما وقولهما استحسان

حج بدل والے کی موت یا مال کی چوری جو شخص حج بدل کرنے جا رہا تھا اگر وہ راستہ میں مر جائے یا اس کا مال (نان نفقہ) چوری ہو جائے اور یہ وقوف عرفات سے پہلے ہو تو پھر آمر کے باقیہ تہائی مال سے اس کے وطن سے حج کیا جائے گا اگر مال اتنا نہ ہو جو گھر سے لے کر وہاں تک کافی ہو سکے تو پھر وطن کے بجائے جہاں سے کافی ہو سکے وہاں سے کیا جائے گا، پھر اگر دوسری دفعہ بھی جس کو حج بدل کے لیے بھیجا گیا ہے مر جائے یا اس کا مال چوری ہو جائے، تو پھر میت کے باقی مال کے تہائی سے دوسری دفعہ حج کیا جائے گا، اسی طرح تیسری اور چوتھی بار حادثہ پیش آنے میں حج کروایا جائے گا تا آنکہ مال متروکہ تہائی سے اس قدر باقی نہ رہ جائے جس سے حج ہو سکے تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ شارح کہتا ہے کہ متن کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حج بدل کرنے والے کے ترکہ سے جو حج نہیں کر سکا وصول نہیں کیا جائے گا۔

اگر حج بدل کو جانے والا راستہ میں انتقال کر جائے تو اس صورت میں آمر (جس کی طرف سے حج کیا جا رہا ہے) کے وطن سے دوبارہ حج کیا جائے گا اس جگہ سے نہیں جہاں اس نے انتقال کیا ہے، صاحبین کا قول اس کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں جہاں انتقال ہوا ہے وہاں سے حج ہو گا۔ فتویٰ امام اعظمؒ کے قول پر ہے۔

فروع يصير مخالفا بالقران والتمتع كما مر لا بالتاخير عن السنة الاولى و ان عنت لانه للاستعجال لا للتقييد والافضل ان يعود اليه و عليه رد ما فضل من النفقة و ان شرط له فالشرط باطل الا ان يوكله بهبة الفضل من نفسه او يوصي الميت به لمعين ولو ارثه ان يسترد المال من المأمور مالم يحرم و كذا ان احرم و قد دفع اليه ليحج عنه وصيه فاحرم ثم مات الامر و للوصي ان يحج بنفسه الا ان يأمره بالدفع او يكون وارثا ولم تجز البقية ولو قال منعت و كذبوه لم يصدق الا ان يكون امراً ظاهراً ولو قال حججت و كذبوه صدق بيمينه الا اذا كان مديون الميت و قد امر بالانفاق و لا تقبل بينتهم انه كان يوم النحر بالبلد الا اذا برهننا على اقراره انه لم يحج.

حج بدل میں افراد بے سال کی تعیین ضروری نہیں حج بدل کرنے والا اگر افراد کے بجائے قرآن یا تمتع کرے گا تو وہ مخالفت کرنے والا ہو گا جیسا کہ پہلے

بھی یہ گزر چکا۔ لیکن اگر وہ سال اول کے بجائے دوسرے تیسرے سال کرے گا یعنی اس میں تاخیر کرے گا تو اس سے مخالفت کرنے والا نہیں کہا جائے گا۔ اگرچہ آمر نے سال اول کو متعین کر دیا ہو، اس لیے کہ یہ تعین دراصل جلدی کے لیے ہوتی ہے مفید کرنا اس کا منشاء نہیں ہوتا ہے اس لیے کہ فرض کے ادا ہونے میں سب سال برابر ہیں، لیکن پہلے سال افضل ہے، کہ پتہ نہیں مال کم پڑ جائے یا کوئی ایسی بات پیش آجائے جس سے ادائیگی میں خلل واقع ہو۔

واپسی اور فاضل مال حج بدل کرنے والے کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ حج کر کے وطن واپس آئے مکہ میں یا کہیں قیام نہ کرے تاکہ آمر کو آمد و رفت دونوں کا ثواب مل سکے، اور مال میں سے جو حج رہے وہ اس کے وارث یا وصی کو واپس دیدے، اگر مامور (حج بدل کرنے والے) نے فاضل مال کی اپنے لیے شرط کر لی ہو، تو یہ شرط باطل قرار پائے گی۔ البتہ جب آمر نے فاضل مال کے لیے اس کو بیہ کا وکیل بنادیا ہو تو پھر واپس کرنا اس کے ذمہ نہیں ہے۔ یا فاضل مال کی کسی کے لیے یا خود اس کے لیے وصیت کر دی ہو۔ تب بھی وارث کو واپس کرنا نہیں پڑے گا۔ یا وارث اپنی خوشی سے بچا ہو مال حج بدل کرنے والے کو دیدے بہر حال حج بدل کرنے والے نو اس مال میں سے صرف اپنی ضروریات میں خرچ کرنے کا اختیار ہوتا ہے، جتنے میں وہ آرام سے سفر کر سکے۔

حج بدل والے سے حج سے پہلے مال کی واپسی میت کے وارث کے لیے یہ جائز ہے کہ جب تک حج بدل کرنے والے نے حج کا احرام نہیں باندھا ہے حج کے لیے جو مال اُسے دیا گیا ہے اس سے واپس لے لے، دوسری صورت لینے کی احرام کے بعد بھی ہے اور وہ یہ کہ وارث نے میت کی طرف سے حج بدل کے لیے مال میت کی وصیت کے بغیر دیا تھا اور کہا تھا کہ تم فلاں کی طرف سے حج کر دو، پھر جس نے یہ مال دیا تھا وہ مر گیا تو اس کے وارث احرام کے بعد بھی مال واپس لے سکتے ہیں۔

وصی کا حج بدل میں جانا خود وصی کے لیے بھی حج بدل میں جانا درست ہے، البتہ جب آمر نے اس طرح کہا ہو کہ یہ مال تم حج بدل کے لیے دیدینا تو اب وہ خود نہیں جاسکتا ہے، یا خود وصی وارث ہو، اور میت کے دوسرے وارثان بھی ہوں اور دوسرے وارثان اس کے جانے کو پسند نہ کریں، تو بھی اس کے لیے جانا جائز نہیں ہوگا۔

حج بدل کرنے والے پر الزام حج بدل کرنے والے نے کہا فلاں عذر کی وجہ سے میں حج کے لیے نہیں گیا اور وارثوں نے اس کو جھوٹا بتایا تو اس صورت میں حج بدل کرنے والے کے قول کی تصدیق نہیں کی جائے گی، اور اگر اس نے کچھ مال خرچ کیا ہو گا تو اس کو دینا ہوگا، لیکن اگر کوئی ایسا ظاہر معاملہ حج بدل کرنے والے کی شہادت میں ہو، جیسے حکومت نے اعلان کر دیا ہو کہ جہاز نہیں جائے گا، تو پھر اس کی بات کی تصدیق کی جائے گی۔

ایک صورت یہ پیش آئے کہ حج بدل کرنے والا کہے کہ، میں حج بدل کر کے آگیا اور میت کے وارثین اس کی تکذیب کریں کہ یہ غلط کہتا ہے تو حج بدل والے کے بات کی تصدیق اس کی قسم کے بعد ہوگی، البتہ اُس وقت تصدیق نہیں ہوگی جب کہ حج بدل کرنے والا میت کا قرضدار ہو اور اس کو قرض میں خرچ کرنے کے لیے کہا گیا ہو۔

اگر میت کے وارثین اس بات پر گواہ پیش کریں یا ثبوت دیں کہ حج بدل کرنے والا قربانی کے دن دس ذی الحجہ کو فلاں شہر تھا تو ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، کیونکہ انہی پر گواہی مقبول نہیں ہے اور ان کا منشاء حج بدل کرنے والے کے حج کی نفی

ہے۔ ہاں اگر وارثین اس پر گولہ پیش کریں کہ وہ حج بدل کرنے والا خود اقرار کر رہا تھا کہ اس نے حج نہیں کیا ہے، تو یہ گواہی قبول کی جائے گی کیونکہ یہ اثبات کی گواہی ہے۔

باب الہدی

هو في اللغة والشرع ما يهدي الى الحرم من النعم ليتقرب به فيه ادناه شاة وهو اهل ابن خمس سنين به و بقر ابن سنتين و غنم ابن سنة ولا يجب تعريفه بل يندب في دم الشكر ولا يجوز في الهدايا الا ما جاز في الضحايا كما سيجي ليصح اشتراك سنة في بدلة شريت لقربة و ان اختلفت اجناسها وتجاوز الشاة في الحج في كل شيء الا في طواف الركن جنبا او حائضا و وطء بعد الوقوف قبل الحلق كما مر

قربانی کا جانور ذبح کے لیے حرم میں لیجایا جائے اس سے متعلق احکام و مسائل

ہدی لغت اور شریعت میں حج کے سلسلہ میں جو حلال جانور حرم محترم میں لے جا کر ذبح کیا جاتا ہے، اس کو کہتے ہیں کہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کا قرب اس کی رضامندی حاصل ہو، اس قربانی کا سب سے معمولی جانور بھیڑ بکری ہے اور اعلیٰ قسم پانچ سالہ اونٹ ہے اور اوسط درجہ کا دو سالہ گائے بیل اور ادنیٰ ایک سالہ بھیڑ بکری۔

ہدی کا جانور اس جانور کا (گردن میں پٹہ ڈال کر یا کوہان چیر کر) عرفات میں لیجانا اور مشہور کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ شکر یہ کی قربانی میں مشہور کرنا اور عرفات میں لیجانا مستحب ہے۔ جو قرآن یا تمتع اور یا نفل میں ہوتا ہے، جنایات میں جو دم دیا جاتا ہے اس کا اخفای بہتر ہے، جیسے قضا نماز کا چھپ کر پڑھنا افضل ہے۔

حج کے سلسلہ کے جو جانور ذبح ہوتے ہیں ان کے لیے وہی شرائط ہیں جو قربانی کے جانوروں کے لیے بیان کی گئی ہیں چنانچہ جن جانوروں کی قربانی جائز ہوتی ہے ان کا حج کے سلسلہ میں ذبیحہ بھی درست ہے، تفصیل کتاب الاضحیہ میں آئے گی۔

اونٹ، گائے میں سات کی شرکت چنانچہ اس ہدی والے جانور اونٹ، گائے میں جو ثواب کی نیت سے خریدے جائیں ایک شخص کے لیے چھ مزید اشخاص کا شریک کر لینا جائز ہے، اگرچہ ثواب کی جنسیں مختلف ہوں، جیسے کوئی قرآن کے لیے کرے، کوئی تمتع کے لیے اور کوئی احصاد کے لیے اس لیے کہ ثواب والی بات میں سب متحد ہیں، حج کی ہر قسم میں بھیڑ بکری کا ذبح کرنا جائز ہے۔ سوائے اُن صورتوں کے کہ کوئی طواف زیارت

جنابت، یا حیض و نفاس کی حالت میں کر لے یا وقوف عرفات کے بعد بال منڈانے سے پہلے وطی کرے، تو ان صورتوں میں بکری کا ذبح کرنا کافی نہیں ہوتا ہے، بلکہ ان صورتوں میں اونٹ یا گائے کا ذبح کرنا واجب ہوتا ہے، جیسا کہ باب الجنایات میں گذر چکا۔

وَبِجُوزِ أَكْلِهِ بِلِ يَنْدُبُ كَالْأَضْحِيَةِ مَنْ هَدَى التَّطَوُّعَ إِذَا بَلَغَ الْحَرَمَ وَالْمَتْعَةَ وَالْقُرَانَ فَقَطْ وَلَوْ أَكَلَ مِنْ غَيْرِهَا ضَمَنَ مَا أَكَلَ وَ يَتَعَيَّنُ يَوْمُ النُّحْرِ أَيْ وَقْتُهُ وَهُوَ الْيَوْمُ الثَّلَاثَةُ لِلذَّبْحِ الْمَتْعَةِ وَالْقُرَانَ فَقَطْ فَلَمْ يَجْزِ قَبْلَهُ بِلِ بَعْدَهُ وَعَلَيْهِ دَمٌ وَ يَتَعَيَّنُ الْحَرَمُ لِأَسْنَى لِكُلِّ لَا لِفَقِيرِهِ لَكِنَّهُ الْفَضْلُ وَيَتَصَدَّقُ بِجَلَالِهِ وَ خَطَامِهِ أَيْ زَمَامِهِ وَلَمْ يَعْطَ أَجْرَ الْجَزَارِ أَيْ الذَّابِحِ مِنْهُ فَإِنْ أَعْطَاهُ ضَمَنَهُ أَمَّا لَوْ تَصَدَّقَ عَلَيْهِ جَازٍ وَلَا يَرْكَبُهُ مُطْلَقًا بِلَا ضَرُورَةَ فَإِنْ اضْطُرَّ إِلَى الرُّكُوبِ ضَمَنَ مَا نَقَصَ بَرَكُوبَهُ وَحَمَلَ مَتَاعَهُ وَ تَصَدَّقَ بِهِ عَلَى الْفُقَرَاءِ شَرِبِلَالِيَّةً فَإِنْ أَطْعَمَ مِنْهُ غَنِيًا ضَمَنَ قِيَمَتَهُ مَبْسُوطًا

ہدی والے ذبیحہ کا گوشت نفلی ذبیحہ (ہدی) کا گوشت کھانا جب وہ حرم پہنچ جائے اسی طرح مستحب ہے جیسے قربانی کا، اسی طرح قرآن و تمتع کا ذبیحہ کھانا بھی جائز ہے، ان تین کے سوا دوسرے ذبیحہ

کا ہوتا گوشت کھائے گا اس کی قیمت ادا کرے گا (نفلی ذبیحہ کا گوشت کھانا اسی وقت درست ہے جب وہ حرم پہنچ کر ذبح ہوا ہو اگر حرم بھیجے سے پہلے وہ جانور ذبح کیا گیا ہو گا تو اس کا گوشت کھانا جائز نہیں ہو گا اس لیے کہ وہ صدقہ کے حکم میں ہو گا ہدی نہیں ہو گا۔

ہدی کا ذبیحہ صرف تمتع اور قرآن کے ہدی کا قربانی کے تین دنوں۔ ۱۰-۱۱-۱۲ رذی الحجہ کو ذبح کرنا متعین ہے، ان دنوں سے پہلے اس کا ذبح کرنا درست نہیں ہے، ہاں بارہویں کے بعد بھی ذبح ہو سکتا ہے مگر اس صورت میں تاخیر کرنے کے نتیجہ میں بطور جنایت دم دینا لازم ہو گا، ان دو (قرآن و تمتع) کے ہدی کے سوا دوسرے ہدی کے جانور کے لیے ایام قربانی مخصوص و متعین نہیں ہیں، جیسے جنایات کا ہدی ہو، نذر کا ہو احصار کا ہو یا نفل کا ہو۔ یہ پہلے بھی ذبح ہو سکتے ہیں۔

ہدی کے گوشت کا صدقہ ان تمام قسم کے ہدی (جانور) کے ذبح کے لیے حرم متعین ہے جہاں چاہے کرے منیٰ کی کچھ خصوصیت نہیں، اور ان جانوروں کے گوشت کا صدقہ کرنے کے لیے یہ واجب

نہیں ہے کہ صرف حرم ہی کے محتاجوں پر تقسیم کیا جائے البتہ حرم کے مستحقوں کو دینا افضل ہے، ما حاصل یہ ہے کہ حرم کے باہر کے محتاجوں کو بھی دیا جاسکتا ہے، اور ہدی کے جانور کی جھول اور اس کی نکیل وغیرہ کو بھی صدقہ کر دے حدیث میں اسی طرح آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کے گوشت، جھول و کھال اور دوسری ساری چیزوں کے صدقہ کرنے کا حکم فرمایا تھا یہ بھی فرمایا کہ قصاب کی مزدوری اس میں سے نہ دی جائے۔ چنانچہ مصنف نے بھی لکھا ہے۔

ہدی وغیرہ کے گوشت سے قصاب کو مزدوری میں کچھ نہ دیا جائے۔ اور اگر دے گا تو اس کو لازمی طور پر ضمان دینا پڑے گا لیکن اگر ان میں کوئی مستحق صدقہ ہو تو بطور صدقہ دینا جائز ہو گا۔

ہدی پر سوار ہونا بلا ضرورت ہدی کے جانور پر سواری نہیں کی جائے گی۔ بعض حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم ہدی (جانور) پر سوار ہو لو، محدثین نے لکھا ہے کہ یہاں اس لیے آپ نے فرمایا اس کو

۱۰۔ بدی کی روایت میں نہایت ہی چنانچہ بعض روایات میں ضرورت کی صراحت موجود بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بلا ضرورت ضرورت ہونا نہیں ہے۔

بدی کے نقصان پر ضمان اگر کوئی بدی کے لاپرواہ ہو کر ہونے پر مضطر ہو، اور اس کو سوار ہونا بھی پڑے اور اس کی سوار کی کیجہ سے یا سامان لادنے کی وجہ سے بدی میں کچھ نقصان ہو جائے تو اس کا اسے ضمان دینا ہو گا اور اس ضمان میں رقم کو دو محتاجوں پر صدقہ کر دے۔ چنانچہ اگر اس ضمان میں سے کسی مالدار کو کھانا دے گا تو اس کو یہ ضمان دینا ہو گا کہ نہ فی المصروف۔

ولا يحسد و ينضح خمر عينا بالماء البارد لو الذبح قريبا والاحلبه و تصدق به و يقسم بدل
بدی، جب عصب او تعیب ہوا یعنی الاضحية وضع بالعيب ماشاء ولو كان المعيب
معدوماً و صبيغ فلادته بدمه و ضرب به صفحة سنامه ليعلم انه هدى للفقراء ولا
تقسم ولا يطعم منه عينا لعدم بلاغده بحنه

بدی کا دودھ بدی کا دودھ نہیں دیا جاتا، بلکہ نیندے پانی کا اس کے تھن پر چھینٹا مارے گا، تاکہ دودھ نپکنا بند ہو جائے۔ یہ اس وقت تک کہ جب کہ بدی کی جگہ قریب ہو، اور اگر مذبح دور ہو تو دودھ نکال کر صدقہ کر دے گا کہ ہر ایک کو دودھ کی ضرورت سے تحیف میں مبتلا نہ ہو۔

بدی کی ہلاکت جب واجب بدی (جانور) ہلاک ہو جائے تو اس کی جگہ دوسری بدی دے، یا اس کو ایسا عیب لگ جائے جو قربانی کے لیے مانع ہو جیسے وہ جانور لنگڑا ہو گیا یا اندھا، تو اس کے عوض بھی دوسرا بدی دیتا ہو گا اور عیب دار بدی کو جو چاہے وہ کر سکتا ہے۔ بیچ دے یا ذبح کر کے کھا جائے۔ اور نفل کی بدی (جانور) میں عیب پیدا ہو جائے یا قریب البدن ہو تو اس کو ذبح کر دے اور اس کا قلاوہ (پیشہ) اس کے خون میں رنگین کر کے اس کے کوہان کے ایک جانب رکھ دے، یہ روایت ہوئی کہ یہ بدی کا ذبیحہ ہے اور اسے فقر آدمی استعمال کر سکتے ہیں، اس کا گوشت مالدار نہیں کھائے گا کیونکہ ابھی وہ بدی حرم میں نہیں پہنچی تھی۔ کیونکہ حرم سے پہلے جو بدی ذبح ہو اس کا کھانا مالداروں کے لیے جائز نہیں ہے۔

(حدیث میں ہے کہ حضرت قبیصہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے ساتھ بدی بھیجتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر بدی راستہ میں ہلاک ہونے لگے تو اس کو نحر کرنا اور نفل کو اس کے خون میں ڈبو کر اس کے ایک جانب رکھ دینا، اس میں سے نہ خود کھانا اور نہ اپنے ساتھی کو کھانا)

و يقلد ندبا بلدة التطوع و منه النذر والمتعة والقران فقط لان الاشتهار بالعبادة اليق
والستر بغيرها احق شهدوا بعد الوقوف بوقوفهم بعد وقته لا تقبل شهادتهم والوقوف
صحيح استحسانا حتى الشهود للخرج الشديد و قبله اى قبل وقته قبلت ان امكن التدارك
ليلا مع اكثرهم والا لا مى فى اليوم الثانى او الثالث او الرابع الوسطى والثالثة

ولم يرم الاولى فعند القضاء ان رمى الكل بالترتيب حسن و ان قضى الاول جاز
لسنة الترتيب

کب ہدی کی شہرت کی جائے نقلی حج تمتع اور قرآن کی ہدی میں جو جانور خواہ اونٹ ہو خواہ گائے مستحب یہ ہے کہ اس کی گردن میں پنہ ڈالا جائے تاکہ اس سے شہرت ہو جائے کہ یہ عبادت اور ثواب کے لیے جارہے ہیں اور شہرت عبادت کے لائق و مناسب ہے البتہ عبادات کے علاوہ جنایات کی ہدی (جانور) ہو تو اس صورت میں چھپا تا زیادہ مناسب ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان جانوروں کی گردن میں پنہ نہیں ڈالا جائے گا۔

وقوف عرفات کے بعد کی گواہی وقوف عرفات کے بعد چھ لوگوں نے اُتر اس بات کی گواہی پیش کی کہ حاجیوں کا وقوف عرفات اپنے وقت پر نہیں ہوا ہے، بلکہ بعد از وقت ہوا ہے تو ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اور وقوف کو صحیح سمجھا جائے گا، استحسان کا تقاضا یہی ہے، کیونکہ اس گواہی کے سننے میں بڑا زین واقع ہو گا اور عام طور پر لوگوں کو اشتباہ بھی ہو گا، اور یہ وقت تھمرے کا نہیں ہوتا ہے، کیونکہ وقوف عرفات کے بعد گواہی ہو جاتی ہے اس لیے یہ گواہی بعد از وقت جسی ہے۔

وقوف عرفات سے پہلے گواہی البتہ وقوف عرفات کے پہلے گواہی پیش ہو کہ انھوں نے بجائے عرف کے آٹھ ذی الحجہ کو وقوف عرفات کیا ہے تو یہ گواہی قبول کی جائے گی اور حاکم ان کی گواہی قبول کرے گا بشرطیکہ وقوف عرفات ساتہ رک رات میں اکثر لوگوں کے ساتھ ممکن ہو اگر یہ ممکن نہ ہو تو گواہی قبول نہیں ہوگی۔ (صورت یہ ہے کہ آنھویں ذی الحجہ کو گواہی دی گئی، کہ آج آٹھ نہیں بلکہ ۹ ذی الحجہ عرفات کا دن ہے تو دیکھنا چاہیے اور تمام لوگوں کے ساتھ یا کم از کم اکثر لوگوں کے ساتھ وقوف عرفات ممکن ہے تو گواہی دی جائے کیونکہ وقوف عرفات پر بھی قدرت حاصل ہے، اور اگر وقوف عرفات کی قدرت نہ ہو تو پھر گواہی قبول نہیں کی جائے گی)

رمی جمرات ایک شخص نے ۱۱ یا ۱۲ یا ۱۳ ذی الحجہ کو جمرہ ثانیہ اور ثالثہ کی رمی کی اور جمرہ اولی کی رمی نہیں کی، تو اگر اس نے جمرات ثلاثہ کی رمی ترتیب کے ساتھ کی ہے تو بہت خوب، اور اگر اس نے صرف جمرہ اولی کے رمی کی ہیں تو نہ اور جمرہ ثانیہ اور ثالثہ کی رمی نہیں کی تو یہ بھی جائز ہے اس لیے کہ رمی جمرات کی ترتیب سنت ہے واجب نہیں ہے۔

نذر المكلف حجا ما شيا مشى من منزله وجوب في الاصح حتى يطوف الفرض لانتها
الاركان ولو ركب في كلة او اكثره لزمه دم و في اقله بحسابه ولو نذر المشى في
المسجد الحرام او مسجد المدينة او غيرهما لا شيء عليه اشترى محرمة ولو بالاذن
ان يحللها بلا كراهة لعدم خلف و عده بقص شعرها او بقلم ظفرها او بمس طيب
بجامع و هو اولى من التحليل بجماع و كذا لو نكح حرة محرمة بنفل بخلاف الشرع
انها محرم والا فهي محصورة فلا تحلل الا بالهدى ولو اذن لامرأته بنفل ليس له التمسك

لَمَلِكْهَا مَنَافِعُهَا وَ كَذَا الْمَكَاتِبَةُ بِخِلَافِ الْأَمَةِ إِلَّا إِذَا أِذْنُ لَامَتِهِ فَلَيْسَ لَزُوجِهَا مَنَعُهَا

پیدل حج کی منت ایک عاقل بالغ نے پیدل حج کے لیے نذر مانی، تو اس پر واجب ہے کہ اپنے گھر سے پیدل چلے صبح

ارکان ختم ہو جاتے ہیں۔

پیدل حج منت ماننے والا اگر پورے راستہ میں یا اکثر راستہ میں سوار ہو کر سفر کرے گا، تو اس پر دم لازم ہو گا اور اگر راستہ کے کم حصہ میں سوار ہو کر چلا ہے تو اسی اعتبار سے قیمت کا اندازہ کر کے صدقہ کرے گا۔

مسجد نبوی تک پیدل چلنے کی نذر اگر کسی نے مسجد حرام یا مسجد نبوی تک پیدل چلنے کی نذر مانی ہے، یا ان کے علاوہ کسی اور مسجد تک کے لیے، تو اس پر کچھ لازم نہیں ہو گا، کسی شخص نے

ایک ایسی لوٹڈی خرید کی جو احرام میں تھی گو اس نے بیچنے والے کی اجازت سے احرام باندھا تھا تو خریدار کے لیے بلا کر اہت جائز ہے کہ وہ اس لوٹڈی کو احرام سے خارج کر دے کیونکہ خریدار کی طرف سے وعدہ خلافی نہیں ہے اس لیے کہ اس نے بیچنے والے کی اجازت سے احرام باندھا تھا خریدار کی اجازت سے ایسا نہیں کیا تھا۔ احرام سے خارج کرنے کی صورت یہ ہے کہ خواہ اس کا تھوڑا ہال کٹوا دے یا ناخن کٹوا دے یا اسے خوشبو لگا دے اور احرام سے نکالنے کے بعد اس لوٹڈی سے جماع کرے۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ جماع کر کے اسے احرام سے باہر لائے۔ کیونکہ دوسری صورت احترام حج کے خلاف ہے۔

احرام والی عورت سے نکاح اسی طرح اگر کسی شخص نے آزاد عورت سے نکاح کیا، جو نفل حج کا احرام باندھے ہوئے تھی تو شوہر کے لیے درست ہے کہ اس کا احرام توڑوا دے اور حلال

کرے، بخلاف ایسی عورت کے جو فرض حج کا احرام باندھے ہوئے ہے اس سے نکاح کرنے کے بعد اس کو حلال نہیں کر سکتا ہے بشرطیکہ اس عورت کے ساتھ اس کا کوئی محرم بھی ہو اور اس کا شوہر اسے حج کو جانے سے نہیں روک سکتا، اور اگر اس کے ساتھ اس کا کوئی محرم نہ ہو تو وہ محصرہ ہے، شرعاً وہ روک دی گئی ہے کیونکہ بغیر محرم یا شوہر کے حج کو نہیں جاسکتی ہے اور شوہر پر واجب نہیں ہے کہ وہ اس کے ساتھ سفر میں جائے، محصرہ ہونے کی صورت میں شوہر اس کو حلال کرنا چاہے تو وہ حلال نہیں ہوگی، البتہ ہدی (جانور برائے دم) بھیج کر حلال ہونا درست ہے اور فوراً ہو بھی سکتی ہے۔

بیوی کو نفل حج کی اجازت کے بعد روکنا شوہر نے اپنی بیوی کو نفل حج کی اجازت دیدی ہے تو پھر وہ اسے واپس نہیں کر سکتا ہے اور نہ اس کے لیے پھرنا جائز ہے اس لیے

کہ آزاد عورت اپنے منافع کی مالک ہوتی ہے اور اسی طرح مکاتبہ لوٹڈی کا حکم ہے البتہ جو خالص لوٹڈی ہو اور وہ مالک کی اجازت سے جارہی ہے، مالک اجازت دینے کے باوجود اسے پھر سکتا ہے اور اسے روک سکتا ہے اس لیے کہ اس کے منافع اس کے مالک کے ہیں لیکن جب مالک نے لوٹڈی کو حج کی اجازت دی ہو تو لوٹڈی کے شوہر کے لیے اس کا روکنا جائز نہیں ہے۔

فروع حج الغنی الفضل من حج الفقیر حج الفرض اولی من طاعة الوالدین بخلاف النفل
بناء الرباط الفضل من حج النفل واختلف فی الصدقة و رجح فی البزازیة الفضلیة الحج

لمشفته فی المال والبدن جميعا قال و به الفتی ابو حنیفہ حین حج و عوف المشقة لوقفه الجمعة مزید سبعین حجة و یغفر فیها لكل فرد بلا واسطة

مالدار اور فقیر کا حج مالدار کا حج کرنا فقیر محتاج کے حج کرنے سے افضل ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ فقیر پر حج فرض نہیں ہے، البتہ جب وہ مکہ مکرمہ پہنچ لے گا تو فرض ہو جائے گا، مگر گھر سے وہاں تک جانا اس پر فرض نہیں تھا، زیادہ سے زیادہ نفل تھا، اور مالدار پر حج گھر سے ہی فرض ہوتا ہے اور فرض کی فضیلت نفل سے بڑھی ہوئی ہے، البتہ جب مالدار اور فقیر دونوں کا حج نفلی ہو تو کسی کو فضیلت نہیں۔

حج اور والدین کی خدمت فرض حج ادا کرنا ماں باپ کی خدمت و فرماں برداری سے بہتر ہے البتہ نفل حج کو یہ بات حاصل نہیں، بلکہ نفل حج سے بہتر ماں باپ کی خدمت و اطاعت ہے اس وقت اور بھی جب والدین اس کی خدمت کے محتاج ہوں۔

حج نفل اور سرائے و مسافر خانہ نفل حج سے افضل رباط (خانقاہ اور مسافر خانہ) کا بنانا ہے اس لیے کہ اس کا فائدہ عام ہے ہر خاص و عام اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اٹھایا کرتا ہے اور حج کا نفع صرف اسی ایک کے لیے مخصوص ہے۔

حج اور صدقہ اس باب میں علماء کا اختلاف ہے کہ نفل حج بہتر ہے یا صدقہ کرنا بہتر ہے اور دونوں میں افضل کون ہے، فتاویٰ بزاز یہ میں نفل حج کے افضل ہونے کو ترجیح دی ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ حج میں ملی اور جانی دونوں مشقت برداشت کرنا پڑتی ہیں امام ابو حنیفہؒ نے جب خود حج کیا اور مشقت کا تجربہ ہوا، تو انھوں نے اسی پر فتویٰ دیا۔ (فتاویٰ بزاز یہ میں اس تفصیل کے ساتھ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ نفلی حج سے صدقہ افضل ہے، لیکن جب امام موصوف نے خود حج کیا اور اس کی مشقت کا انھیں تجربہ ہوا، تو اس وقت یہ فتویٰ دیا کہ نفلی حج صدقہ سے افضل ہے اور اس قول سے امام کی مراد یہ ہے کہ جو نفلی حج کرے اور ہزار درہم خرچ کرے تو اگر اس ہزار میں سے محتاجوں پر خرچ کرے گا تو وہ مجموعی طور پر افضل ہوگا (کہ حج بھی ہو اور صدقہ بھی) یہ مراد نہیں ہے کہ بلا خیرات کے حج کرنا ہزار درہم فی سبیل اللہ خرچ کرنے سے بہتر ہے، چونکہ حج میں مال اور بدن دونوں کو مشقت ہوتی ہے لہذا حج خیرات سے افضل ہوگا)

جمعہ کے دن وقوف عرفہ کی فضیلت جمعہ کے دن وقوف عرفہ ہو، تو اس حج کو ستر حج پر فضیلت حاصل ہے، اور اس میں ہر شخص کی بلا واسطہ مغفرت ہوتی ہے، یعنی جمعہ کے دن عرفہ ہو تو اس کو یہ مذکورہ بالا فضیلت حاصل ہوگی، اور جب عرفہ جمعہ کو نہیں ہوتا ہے تو اس میں بلا واسطہ مغفرت نہیں ہوتی ہے بلکہ اس میں عوام مومنین کی مغفرت صالحین کے واسطے سے ہوتی ہے۔

ضاق وقت العشاء والوقوف يدع الصلوة و يذهب لعرفة للحرج هل الحج يكفر الكبائر قيل نعم كحربی اسلم و قيل غير المتعلقة بالآدمی كدمی اسلم و قال عیاض اجمع اهل السنة الكبائر لا يكفرها الا التوبة والاقائل بسقوط الدين ولو حقا لله تعالى كدين صلوة و

جب عشاء اور وقوف عرفات دونوں کا وقت تنگ ہو

حج سے گناہ کبیرہ کی معافی کا سوال ایک سوال یہ ہے کہ کیا حج سے گناہ کبیرہ معاف ہو جاتے ہیں، اور حج اس کے لیے کفارہ بن جاتا ہے؟ بعض علماء نے کہا ہے کہ حج گناہ کبیرہ کو

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ حج اُن کبیرہ گناہوں کو مٹاتا ہے، جو آدمی یعنی حقوق العباد سے متعلق نہ ہوں، یعنی اس سے صرف حقوق اللہ سے متعلق گناہ کبیرہ معاف ہوتے ہیں، حقوق العباد سے متعلق گناہ کبیرہ معاف نہیں ہوتے، چنانچہ ذمی کا فرجب مسلمان ہو جاتا ہے تو اس سے نماز، روزہ کے چھوڑنے پر مواخذہ نہیں ہوتا ہے لیکن اگر وہ قتل کرتا ہے یا غصب کرتا ہے تو اس پر مواخذہ ہوتا ہے۔

قاضی عیاض مالکیؒ کہتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کا اس پر اجماع ہے کہ گناہ کبیرہ جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہے اس کو سوائے توبہ کے کوئی چیز نہیں مٹاتی ہے جیسے زنا، شراب خوری وغیرہ بغیر توبہ معاف نہیں ہوتے ہیں، جو دین (قرض) واجب الادا کسی کے ذمہ میں ہو اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کا ہی حق ہو اس کے ساقط ہونے کا کوئی قائل نہیں ہے، جیسے نماز اور زکوٰۃ کسی کے ذمہ میں باقی ہو، تو بغیر توبہ معاف نہیں ہوں گے۔ ہاں یہ البتہ ہے کہ قرض میں ٹلانے اور دیر لگانے کا گناہ، اسی طرح نماز میں تاخیر کرنے کا گناہ دیر سے زکوٰۃ دینے کا گناہ وغیرہ حج کرنے سے ساقط ہو جاتا ہے اور حج کے کفارہ و سیئات ہونے کا یہی مطلب ہے، اس قول کی بنیاد پر جو حج کو واجب علی الفور کہتے ہیں (جو لوگ کہتے ہیں کہ حج کرنے سے کسی کا قرض ذمہ میں ہو تو وہ ساقط ہو جاتا ہے یا کسی کے ذمہ نماز و زکوٰۃ کی قضا ہے وہ ساقط ہو جاتی ہے تو یہ صحیح نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ حقوق کی ادائیگی میں تاخیر سے جو گناہ ہوتا ہے وہ البتہ مٹ جاتا ہے۔)

وحديث ابن ماجه انه عليه الصوره والسلام استجيب له حتى في الدماء والمظالم ضعيف
يندب دخول البيت اذا لم يشتمل على ايذاء نفسه او غيره و ما يقوله العوام من العروة

الوثقی والمسمار الذی فی وسطہ انہ سرۃ الدنیا لا اصل لہ ولا یجوز شراء الکسوة من بنی
حیة بل من الامام او نائبہ ولہ لبسہا ولو جنبا او حائضا لا یقتل فی الحرم الا اذا قتل فیہ ولو
قتل فی البیت لا یقتل فیہ یکرہ الاستنجاء بماء زمزم لا الاغتسال لا حرم للمدینۃ

ابن ماجہ کی حدیث پر اشکال اور اس کا جواب ابن ماجہ کی یہ حدیث ضعیف ہے جس میں آیا ہے کہ

رسول اللہ ﷺ کی دعا قبول ہوئی حتیٰ کہ خون ریزیوں اور مظالم میں بھی (پوری روایت اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عرفات میں اپنی امت کی مغفرت کے لیے دعا فرمائی، اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کر لی، صرف کہا گیا کہ مظالم معاف نہیں ہو گئے بلکہ ظلم پر مواخذہ ہوگا، آپ نے عرض کیا اللہ ارحم الراحمین! اگر تو چاہے تو مظلوم کو جنت عطا کر دے اور ظالم کو بخش دے، لیکن یہ دعا قبول نہیں ہوئی، آپ نے مزدلفہ میں پھر یہی دعا فرمائی، چنانچہ آپ جو کچھ چاہتے تھے وہ دعا قبول بارگاہ ہوئی) علماء حدیث کا کہنا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے ایک راوی ساقط الاحجاج ہے اور منکر الحدیث بھی، لیکن یہ بھی کہا گیا ہے کہ بکثرت دوسری حدیثیں اس کے شواہد ہیں اور ان حدیثوں کو علماء نے جمع بھی کیا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ بندوں کے متعلق کبائر اور مظالم کی معافی اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ اس کی معافی کا وعدہ نہیں، ان کے علاوہ گناہ حج سے معاف ہو جاتے ہیں، بشرطیکہ حج مقبول ہو۔

بیت اللہ کے اندر جانا بیت اللہ کے اندر داخل ہونا مستحب ہے مگر شرط یہ ہے کہ نہ خود کو تکلیف ہو اور نہ دوسرے کو۔ ایذا پہنچے (چونکہ ہجوم ہوتا ہے اس لیے بڑے احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے، جو اندر چاہا جائے اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے مصلىٰ پر نماز پڑھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے تھے تو دروازہ کعبہ کو پشت کی طرف کر کے سیدھے چلے جاتے تھے، یہاں تک کہ سامنے کی دیوار سے صرف تین ہاتھ کا فاصلہ رہتا تھا۔ پھر وہاں نماز پڑھتے تھے، اندر حتیٰ کہ پورے ادب و احترام کے ساتھ رہنا چاہیے، رخسار اس دیوار پر ہونا چاہیے، جس طرف آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھی ہے پھر حق تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی حمد کرنی چاہیے پھر چاروں کونوں کی طرف جائے اور تسبیح و تہلیل اور تکبیر کہے، اور جو چاہے دعا کرے اور آنکھیں چھت کی طرف نہ اٹھائے کہ یہ ادب کے خلاف ہے۔

ایک غلط بات کی تردید وہاں کے عوام جو کہتے ہیں کہ حلقہ عروۃ الوثقیٰ ہے اور جو کیل اس کے درمیان میں ہے وہ ناف دینا ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔

غلاف کعبہ غلاف کعبہ کا بنی شیبہ سے خریدنا جائز نہیں ہے وہ خاندان جس کے پاس کعبہ کی کنجی رہتی ہے، البتہ بادشاہ یا اس کے نائب سے غلاف کعبہ خریدنا درست ہے۔ (قاعدہ یہ ہے کہ غلاف کعبہ ہر سال بدلا جاتا ہے، چنانچہ پرانا غلاف بادشاہ کے تحفہ میں چلا جاتا ہے۔ لیکن اگر بادشاہ وقت تصرف کا حق بنی شیبہ کو دیدے، تو اس سے بھی خریدنا درست ہوگا، ارزاقی نے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ امیر المومنین ہر سال غلاف کعبہ بدلا کرتے تھے اور پرانا غلاف حاجیوں میں تقسیم فرمادیتے تھے)

غلاف کعبہ کا استعمال جو غلاف کعبہ کو باضابطہ خریدے اس کے لیے اس کا پہننا جائز ہے، خواہ مرد حالت جنابت میں ہو یا عورت حیض و نفاس کی حالت میں۔

حرم میں قتل کی ممانعت حرم میں قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا مگر اس وقت جب اس نے حرم میں ہی کسی کو قتل کر دیا ہو، تو اس سے اس میں بدلہ لیا جائے گا، لیکن کسی نے بیت اللہ کے اندر خون کیا ہو تو اس سے قصاص بیت اللہ کے اندر نہیں لیا جائے گا (اگر کسی نے باہر کسی کو قتل کیا، اور حرم میں جا کر چھپ گیا، تو اس سے حرم میں قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ اس سے ایسا معاملہ کیا جائے گا کہ وہ باہر نکلنے پر مجبور ہو، مثلاً اس سے خرید و فروخت بند کر دی جائے گی اور اسے کھانا نہیں دیا جائے گا جب وہ مجبور ہو کر نکل آئے گا تو اس سے قاعدہ کے مطابق قصاص لیا جائے گا، احناف کا مسلک بھی ہے، امام شافعی اور امام مالک حرم میں قصاص لینا درست فرماتے ہیں)

آب زمزم اور حرم کی مٹی کا استعمال زمزم کے پانی سے استنجا کرنا مکروہ ہے البتہ غسل کرنا جائز ہے اس سے وضو کرنا بھی جائز ہے، اسی طرح حرم کی کنکریاں وہاں کی مٹی اور بیت اللہ کی مٹی حرم کی نیت سے باہر محل میں لانا جائز ہے۔ بشرطیکہ تھوڑی ہو اور عمارت کو اس سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو، البتہ حرم کی زمین کا بیچنا درست نہیں ہے، لیکن عمارت اور گھاس کا بیچنا درست ہے۔

مدینہ میں حرم نہیں احناف کے نزدیک مدینہ منورہ کے لیے حرم نہیں ہے یعنی جس طرح مکہ میں حرم ہے اور اس کے مخصوص احکام ہیں، وہ بات مدینہ منورہ میں کسی خطہ کے لیے نہیں ہے، تفصیل فقہ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

عندنا و مكة افضل منها على الراجح الا ما ضم اعضائه عليه الصلوة والسلام فانه افضل مطلقا حتى من الكعبة والعرش والكرسى وزيارة قبره مندوبة بل قيل واجبة لمن له سعة و يبدأ بالحج لو فرضا و يخير لو نفلا مالم يمر به فيبدأ بزيارته لامحالة و لينو معه زيارة مسجده فقد اخبر ان صلوة فيه خير من الف في غيره الا المسجد الحرام و كذا بقية القرب و لا تكره المجاورة بالمدينة و كذا بمكة لمن يثق بنفسه .

افضلیت مکہ اور روضہ اطہر قول رائج کے مطابق مکہ مکرمہ مدینہ منورہ سے افضل ہے، البتہ زمین کا وہ حصہ جو رسول اللہ ﷺ کے جسد مبارک سے ملا ہوا ہے وہ مطلقاً تمام دنیا سے افضل ہے، حتیٰ کہ کعبہ، عرش اور کرسی سے افضل ہے۔

کعبہ کی فضیلت امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ سب کے نزدیک مرقد نبویؐ کو چھوڑ کر کعبہ، مدینہ سے افضل ہے باقی مکہ کی زمین میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ مکہ کی زمین کو مدینہ کی زمین سے افضل کہتے ہیں اور امام مالکؒ مدینہ کی زمین کو افضل بتاتے ہیں۔

روضہ آنحضرت ﷺ کی زیارت

روضہ اطہر ﷺ کی زیارت مستحب ہے بلکہ بعض علماء نے کہا ہے کہ جس کو وہاں تک پہنچنے کی وسعت حاصل ہو اسکے لیے اس کی زیارت واجب ہے۔

اگر کسی پر حج فرض ہے تو اس کو پہلے حج کرنا چاہیے، پھر مدینہ منورہ جانا چاہیے، اور اگر حج نفل ہے تو اختیار ہے چاہے پہلے روضہ مبارک کی زیارت کرے چاہے پہلے حج کرے، لیکن نفل حج میں بھی یہ اختیار اس وقت ہے جب وہ مدینہ منورہ ہو کر نہ گذرے جو حج کے لیے مدینہ ہو کر آئے گا اس کے لیے پہلے روضہ اطہر ﷺ کی زیارت ضروری ہے۔ خواہ حج فرض ہو خواہ نفل۔

قبر نبوی ﷺ کی زیارت کے ساتھ چاہیے کہ مسجد نبوی کی زیارت کی بھی نیت کرے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس کی ایک نماز غیر مسجدوں کی نسبت ہزار نمازوں سے بہتر ہے، سوائے مسجد حرام کے اس لیے کہ مسجد حرام کی نماز کا ثواب مسجد نبوی سے بھی بڑھا ہوا ہے اور اسی طرح بقیہ عبادتیں جو مسجد نبوی میں ہوں ان کا ثواب مسجد حرام کو چھوڑ کر بقیہ تمام مسجدوں سے بہت بڑھا ہوا ہے (مساجد کے فضائل اور اس کے احکام و مسائل کے سلسلہ میں خاکسار کی کتاب ”اسلام کا نظام مساجد“ کا مطالعہ کیا جائے، ابن الہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ سفر مدینہ میں روضہ اطہر ﷺ کی زیارت کی نیت ہونی چاہیے آنحضرت ﷺ کی عظمت و جلال کا تقاضا یہی ہے)

جس کو اپنے نفس پر اعتماد ہو کہ وہ حرمین محترمین کا پورا پورا ادب و احترام ملحوظ رکھے گا اس کے لیے **مدینہ اور مکہ کا قیام**

مکہ مکرمہ کے مستقل قیام کے سلسلہ میں اختلاف ہے بعض علماء شوافع نے لکھا ہے کہ مکہ معظمہ کا قیام مستحب ہے، لیکن جب ممنوع امور کے ارتکاب کا ظن غالب ہو تو پھر مستحب نہیں، صاحبین کا مذہب بھی یہی ہے، اور امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک وہاں کا مستقل قیام مکروہ ہے، ان حضرات کا کہنا ہے کہ انسان کی عمومی عادت یہ ہے معیشت میں تنگی کے وقت افسردہ خاطر ہو جاتا ہے۔ دن رات کے مسلسل قیام سے ان مقامات کی توقیر و تعظیم جیسی چاہیے باقی نہیں رہتی، پھر انسان معصوم بھی نہیں اگر اس سے گناہ کا ارتکاب ہو گیا تو وہ بہت بڑھ جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا عمل **حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا عمل**

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اسی خوف کی وجہ سے طائف میں رہنا اختیار کیا تھا، اور فرماتے تھے کہ اگر میں طائف میں پچاس گناہ کروں تو میرے نزدیک مکہ میں ایک گناہ کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے، اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ مکہ معظمہ کے سوا کسی اور شہر میں صرف ارادہ پر مواخذہ نہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَنْ يُؤْذِ بِالْحَادِ بِظُلْمٍ نُدَقُهُ مِنْ عَذَابِ الْإِيمِ

البتہ جو بندے ان عیوب سے خالی ہیں اور نفس کی خواہشات سے پاک و صاف ہیں وہ اس **مخلصین کے لیے موقع** سعادت عظمیٰ کے مستحق ہیں کہ مکہ میں رہیں اور زیادہ سے زیادہ ثواب جمع کریں، حضرت

عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے مکہ معظمہ میں رمضان المبارک پایا اور روزہ رکھا اور جس قدر ہو سکا شب بیداری کی، تو اس کے نامہ اعمال میں لاکھ رمضان کا ثواب لکھا جائے گا۔ اور ہر دن اور ہر رات کے بدلے میں ایک ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب درج فرمائے گا۔

قیام مدینہ منورہ مدینہ منورہ کے قیام میں گناہوں کے چند گنا ہونے کا اندیشہ نہیں لیکن ادب و احترام میں کمی کا خطرہ ہے، اگر یہ اندیشہ کسی کو نہ ہو تو بلاشبہ وہاں کا قیام، اور وہاں کا مرتنا جینا خوش نصیبی اور نجات کا ذریعہ ہے، حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے لیے مدینہ میں رہ کر مرتنا نصیب ہو، وہ ایسا ہی کرے میں اس کی شفاعت کروں گا۔ جو ائمہ مکہ مکرمہ میں مستقل قیام کو مکروہ لکھتے ہیں وہ محض اس اندیشہ کی بنیاد پر کہ مبادا بے ادبی اور بے حرمتی کا مرتکب نہ ہو جائے اور بجائے فائدہ کے نقصان اس کے حصہ میں آئے بعض ائمہ یہاں کے قیام کو مستحب کہتے ہیں اور عام علماء کا عمل اسی قول پر ہے۔

اختتام الحمد للہ حمد اکثر کہ کتاب الحج کا ترجمہ آج مورخہ ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ کو ختم ہوا، اللہ تعالیٰ میری حقیر خدمت قبول فرمائے اور لوگوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔

حج نبوی کی تفصیل سنن ابوداؤد میں حضرت جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ محمد باقر نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے عرض کیا کہ مجھے آپ رسول اللہ ﷺ کے حج کا طریقہ بتائیں۔ چنانچہ انھوں نے بیان کیا کہ رسول خدا ﷺ نے نبوت کے بعد نو برس تک کوئی حج نہیں کیا دسویں سال حج کا ارادہ ظاہر فرمایا، آپ کا یہ اعلان سن کر بہت سارے صحابہ کرام مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ سے حج کے ارادہ سے روانہ ہوئے ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ تھے، ذوالحلیفہ پہنچ کر آپ نے مسجد میں احرام کی نماز ادا کی اور اس کے بعد اونٹنی پر سوار ہوئے، جس کا نام قصوا تھا، حضرت جابرؓ کہتے ہیں میں نے دیکھا تو ہر طرف حد نظر تک حج کے لیے آپ کے ساتھ جانے والے صحابہ کرام سوار اور پیدل نظر آرہے تھے، آنحضرت ﷺ جس طرح کرتے تھے ہم لوگ بھی اسی طرح کرتے تھے آپ نے بلند آواز سے لَبَّك اللَّهُمَّ لَبَّك لَبَّك لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّك ان الحمد والنعمه لك والملك لا شريك لك پوری دعا پڑھی ہم تمام نے بھی اسی طرح لَبَّك کہا احرام کے بعد آپ بار بار لَبَّك کہا کرتے تھے۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے، ہم لوگوں نے صرف حج کی نیت کی تھی، کیونکہ عمرہ کو ہم لوگ ابھی تک نہیں جانتے تھے ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ بیت اللہ پہنچے، آپ نے حجر اسود کا استلام کیا پھر طواف میں تین بار رمل کیا اور چار بار آہستہ متوسط چال چلے، پھر آپ مقام ابراہیم میں تشریف لائے اور یہ آیت تلاوت فرمائی وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى۔ یہاں مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی پہلی رکعت میں قل هو الله احد اور دوسری میں قل يا ايها الكافرون تلاوت کی، پھر بیت اللہ کی طرف جا کر حجر اسود کو بوسہ دیا، پھر صفا کی طرف ہو لیے جب وہاں پہنچے تو یہ آیت پڑھی إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ، آپ صفا پر چڑھ گئے بیت اللہ نظر آیا، تو توحید کا اظہار کیا اور تکبیر کہی، اور فرمایا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ انجز وعده وَنَصْرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ پھر دعا کی، وہاں سے اتر کر نیچے تشریف لائے۔ یہاں نشیب میں تین بار رمل کیا (سینہ نکال کر تیز چلے) جب اوپر چڑھے تو آہستہ چلے تا آنکہ مردہ پر پہنچے یہاں مردہ پر اسی طرح کیا، جس طرح صفا پر کیا تھا، طواف کا آخری چکر مردہ پر ختم کیا۔ اس کے بعد فرمایا اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا، ہدی ساتھ نہیں لاتا، اس عبادت کو عمرہ میں تبدیل کر دیتا، لہذا تم لوگوں میں سے جس کے پاس ہدی نہ ہو وہ حلال ہو جائے اور عمرہ کر ڈالے، چنانچہ ایسے تمام لوگ جن کے ساتھ ہدی نہیں تھی حلال ہو گئے،

اور بال کتروائے، لیکن خود سرور کائنات ﷺ اور جن صحابہؓ کے ساتھ ہدی تھی وہ حسب سابق بدستور احرام میں رہے، پھر سراقہ بن حیشمؓ نے کھڑے ہو کر دریافت کیا یا رسول اللہ! اشہرج حج میں عمرہ کرنا اسی سال کے لیے مخصوص ہے یا ہمیشہ کے لیے ہے، آپ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کر کے فرمایا، کہ عمرہ حج میں اس طرح داخل ہو گیا اس جملہ کو دوبار فرمایا، پھر تین دفعہ فرمایا کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہو گیا۔

اس وقت کل سوانٹ تھے، پھر جب یوم الزویہ آٹھویں ذی الحجہ آئی تو آپ منیٰ کی طرف چلے، دوسرے لوگ جنھوں نے احرام کھول دیا تھا انھوں نے از سر نو احرام باندھا اور وہ بھی چلے، منیٰ میں پہنچ کر آپ نے پانچ وقت کی یعنی ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور صبح کی نماز پڑھی، پھر تھوڑی دیر قیام فرمایا تا آنکہ آفتاب نکلا۔ آپ کے حکم سے عرفات کے متصل نمرہ میں خیمہ کھڑا کیا گیا چنانچہ آپ طلوع آفتاب کے بعد منیٰ سے روانہ ہوئے، قریش کو خیال تھا کہ غالباً آنحضرت ﷺ مزدلفہ میں مشعر الحرام کے نزدیک وقوف کریں گے جس طرح قریش زمانہ کفر میں کیا کرتے تھے، لیکن آپ وہاں نہیں ٹھہرے برابر بڑھتے چلے گئے، تا آنکہ عرفات میں پہنچے، یہاں نمرہ میں خیمہ استادہ پایا، آپ یہاں اترے اور آفتاب ڈھلنے تک یہیں قیام پذیر رہے، پھر آپ کے حکم سے آپ کی اونٹنی پر کجاوہ باندھا گیا۔ آپ اس پر سوار ہوئے نیچے آئے اور آپ نے خطبہ دیا جس میں خون، مال کی حرمت بیان کی پھر فرمایا کہ جاہلیت کی ساری بری رسمیں میرے پاؤں کے تلے روند دی گئیں اور زمانہ جاہلیت کی خونریزیاں بھی، اب ان کا دعویٰ کرنا جائز نہیں اور ان میں پہلا اپنے خاندانی ربیعہ بن عبدالمطلب کا خون ہے اسے ختم کرتا ہوں اور جاہلیت کا سودی کاروبار بھی ختم کرتا ہوں اور پہلا سودی معاملہ وہ ختم کرتا ہوں جو میرے خاندان میں عباس بن عبدالمطلب کا ہے، عورتوں کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو وہ تمہارے ذمہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کے کلمے سے تم نے حلال کیا ہے تمہارا عورتوں پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستر کو ان سے نہ روندوائیں جن کو تم پسند نہیں کرتے، اگر وہ ایسا کریں تو ان کی سزا کرو اور عورتوں کا تم پر یہ حق ہے کہ تم انھیں کھانا، کپڑا دستور کے مطابق دیا کرو۔ میں تم میں ایسی چیز چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم نے ان کو مضبوطی سے تھامے رکھا تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے میرے پیغام پہنچانے کے متعلق تم سے پوچھا جائے گا تم کیا جواب دو گے؟ لوگوں نے کہا کہ ہم سب گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے احکام کی تبلیغ فرمادی اور خدا کا پیغام ہم تک پہنچا دیا اور ہماری خیر خواہی فرمائی پھر آنحضرت ﷺ نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اوپر کو اٹھائی، اور لوگوں کی طرف جھکائی اور فرمایا اللہ العالمین تو گواہ رہے، خداوند اتو گواہ رہے رب العالمین تو گواہ رہے۔ جب آپ کا خطبہ ختم ہو چکا، تو حضرت بلالؓ نے اذان پکاری پھر تکبیر کہی آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی۔ دوسری بار تکبیر کہی تو آپ نے عصر کی نماز پڑھائی اور ان دونوں فرضوں کے درمیان کوئی اور نماز سنت یا نفل نہیں پڑھی، پھر اونٹنی پر سوار ہوئے اور قیام گاہ تشریف لائے، اور جبل المشاة کو اپنے سامنے کیا اور آپ قبلہ رو ہو گئے، اور برابر اونٹنی پر بیٹھے رہے تا آنکہ آفتاب غروب ہو گیا اپنی اونٹنی کے پیچھے حضرت اسامہؓ کو بٹھایا اور وہاں سے روانہ ہوئے اونٹنی کی نکیل تھامے ہوئے تھے اور دائیں ہاتھ سے اشارہ فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ اے لوگو! آہستہ چلو، اے لوگو! آہستہ چلو اطمینان سے چلو جلدی نہ کرو جلدی کرنا کوئی نیکی کی بات نہیں، جب کوئی پہاڑی آتی تھی تو آپ نکیل ڈھیلی کر دیتے تھے۔ یہاں تک کہ مزدلفہ پہنچے، یہاں آپ نے مغرب و عشاء کی نمازیں ایک ساتھ پڑھیں اذان ایک ہوئی اور تکبیریں دو۔ اور درمیان میں نفل اور

سنیتیں نہیں پڑھیں پھر آرام فرمایا، تاکہ صبح طلوع ہوئی روشنی کرے صبح کی نماز پڑھی اذان و اقامت دونوں ہوئیں، پھر آپ اونٹنی پر سوار ہوئے اور مشعر الحرام آئے اور اس پر چڑھ گئے اور قبلہ کی طرف رخ کر لیا اور کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد، تکبیر اور تسبیح کرتے رہے تاکہ دن خوب روشن ہو گیا، پھر رسول اللہ ﷺ وہاں سے آفتاب نکلنے سے پہلے روانہ ہوئے فضل بن عباسؓ کو پیچھے بٹھالیا تھا جب محسر میں پہنچے تو اونٹنی کو تیز بانکا پھر درمیان والی راہ اختیار فرمائی جو جمرۃ العقبہ تک پہنچتی ہے۔ یہاں پہنچ کر آپ نے اس پر سات کنکریاں ماریں، ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتے تھے نیچے اندر سے رمی کی پھر وہاں سے واپس ہوئے، اور قربان گاہ تشریف لائے اور اپنے دست مبارک سے آپ نے تریسٹھ اونٹ نحر کیے، پھر حضرت علیؓ کو حکم فرمایا بقیہ اونٹ انھوں نے نحر کیے، اور اپنی ہدی میں ان کو بھی شریک کیا، پھر حکم دیا کہ ہر اونٹ سے گوشت کا ٹکڑا لیا جائے، چنانچہ لیکر تمام گوشت دیگ میں ڈالا گیا۔ آپ نے اور حضرت علیؓ نے اس دیگ سے گوشت کھایا، اور دونوں حضرات نے شوربا بھی پیا، پھر وہاں سے سوار ہو کر آپ بیت اللہ تشریف لائے، یہاں مکہ میں ظہر کی نماز ادا کی، پھر عبدالمطلب کی اولاد کے پاس آئے، جہاں وہ زمزم پانی پلاتے تھے، ان سے فرمایا پانی نکالو یہ بھی فرمایا کہ اگر لوگوں کے ہجوم کا اندیشہ نہ ہو تا تو میں بھی تمہارے ساتھ پانی نکالتا ان دونوں نے آپ کو ایک ڈول پانی دیا۔ آپ نے اس سے پیا، اور بقیہ کو زمزم والے کنویں میں ڈال دیا۔

زیارت روضہ اطہر ﷺ

جب کوئی روضہ اطہر ﷺ کی زیارت کا ارادہ کرے تو روانگی سے پہلے کچھ صدقہ کرے، پھر بڑے ادب و احترام اور پورے شوق و ذوق کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو، راستہ بھر درود کی کثرت رکھے، جب شہر مدینہ کی آبادی اور اس کے درخت نظر آنے لگیں تو درود پڑھنا زیادہ کر دے۔ یہ بھی مستحب ہے کہ مدینۃ الرسول میں داخل ہونے سے پہلے غسل کرے، اور یہ نہ ہو سکے تو وضو تو ضرور ہی کر لے، پاک صاف کپڑے زیب تن کرے، خوشبو ملے نئے کپڑے پاس ہوں تو ان کو پہننا افضل ہے، جو لوگ غایت تعظیم اور محبت رسول میں مدینہ منورہ کو دیکھ کر سواری سے اتر پڑتے ہیں اور پیدل چلنے لگتے ہیں اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں بعض علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر شہر سے باہر غسل کی نوبت نہیں آسکتی ہے تو شہر میں داخل ہو کر کر لے، شہر میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھے۔

بسم الله رب ادخلني مدخل صدق واخرجني مخرج صدق واجعل لي من لدنك سلطانا نصيرا، اللهم صلى على محمد و على آل محمد و اغفر لي ذنوبي و افتح لي ابواب رحمتك و فضلك . جب مسجد نبویؐ میں داخلہ ہو تو پہلے دایاں پیر رکھے اور پہلے روضۃ من ریاض الجنۃ کا ارادہ کرے پھر صندوق والے ستون کے آگے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے پھر گردن نیچے کیے ہوئے سرور کائنات ﷺ کے روضہ اطہر کی طرف چلے اور جہاں سے کھڑا ہو کر درود و سلام بھیجا جاتا ہے، جا کر کھڑا ہو اور سلام پیش کرے اور عرض کرے کہ میں ایک بعید الدیار خدمت بابرکت میں حاضر ہوا ہوں پھر ذرا اپنی طرف بڑھ کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام عرض کرے پھر ذرا اور بڑھ کر حضرت فاروق اعظمؓ کی خدمت میں۔ پورا طریقہ اور سلام کے الفاظ کے لیے کوئی کتاب ساتھ لے لے اسی کے ساتھ وہاں کھڑا ہو کر اپنے لیے، اپنی اولاد کے لیے، اور تمام مسلمانوں کے لیے دعا کرے۔ مدینہ منورہ میں دوسرے مقامات بھی حاضری کے ہیں معلم کی رہنمائی میں ان تمام جگہوں میں جائے اور جہاں نوافل پڑھنا باعث برکت ہے وہاں نوافل پڑھے۔

کتاب النکاح

لَيْسَ لَنَا عِبَادَةٌ شَرَعَتْ مِنْ عَهْدِ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَى الْآنِ ثُمَّ تَسْتَمِرُّ فِي الْجَنَّةِ إِلَّا النِّكَاحُ وَالْإِيمَانُ هُوَ عِنْدَ الْفُقَهَاءِ عَقْدٌ يَفِيدُ مَلِكَ الْمَتْعَةِ أَيْ حُلَّ اسْتِمَاعِ الرَّجُلِ مِنْ امْرَأَةٍ لَمْ يَمْنَعْ مِنْ نِكَاحِهَا مَانِعٌ شَرْعِي فَخَرَجَ الذَّكَرُ وَالْخَنْثَى الْمَشْكَلُ وَالْوَثْنِيَّةُ لِحَوَازِ ذُكُورَتِهِ وَالْمَحَارِمُ وَالْجَنِيَّةُ وَانْسَانُ الْمَاءِ لِاخْتِلَافِ الْجِنْسِ وَاجَازَ الْحَسَنُ نِكَاحَ الْجَنِيَّةِ بِشُهُودٍ قَنِيَّةٍ قَصْدًا خَرَجَ مَا يَفِيدُ الْحُلَّ ضَمْنَا كَشْرَاءِ أَمَةٍ لِلتَّسْرِي وَ عِنْدَ أَهْلِ الْأَصُولِ وَاللُّغَةِ هُوَ حَقِيقَةٌ فِي الْوُطْءِ مَجَازٌ فِي الْعَقْدِ فَحِثْ جَاءَ فِي الْكِتَابِ أَوِ السَّنَةِ مَجْرُودًا عَنِ الْقِرَائِنِ يَرَادُ بِهِ الْوُطْءُ كَمَا فِي وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاءُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ فَتَحْرِمَ مِزْنِيَّةُ الْآبِ عَلَى الْإِبْنِ بِخِلَافٍ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا لَا سَنَادَ إِلَيْهَا وَالْمَقْصُودُ مِنْهَا الْعَقْدُ لَا الْوُطْءُ إِلَّا مَجَازًا

نکاح کا بیان

یہاں سے نکاح کے احکام و مسائل کا بیان شروع ہو رہا ہے، نکاح کی اسلام میں بڑی اہمیت ہے اس کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ آدم علیہ السلام سے تائیں دم جو عبادت ہم مسلمانوں کے لیے مسلسل جائز رہی ہے، اور جس کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اور جو یہاں کے بعد جنت میں بھی دائمی طور پر باقی رہے گی وہ نکاح اور ایمان کے سوا کوئی دوسری عبادت نہیں ہے۔

حج کے بعد فقہاء نکاح کی بحث اس لیے شروع کرتے ہیں کہ جس طرح حج میں مال مطلوب ہوتا ہے اور خرچ ہوتا ہے اسی طرح نکاح میں بھی مال خرچ ہوتا ہے، یعنی فی الجملہ دونوں کا تعلق کم و بیش مال سے ہے۔

فقہاء کے نزدیک نکاح ایک ایسے معاملہ کا نام ہے جس کے ذریعہ مرد کے لیے بالقصد ایسی عورت سے لذت حاصل کرنا اور فائدہ اٹھانا حلال قرار پاتا ہے جس سے نکاح کرنے میں کوئی شرعی رکاوٹ نہیں ہوتی ہے جیسے کفر و شرک اور ذی رحم محرم ہونا، یا نابالغ ہونا۔

عورت سے فائدہ اٹھانے کی قید لگانے سے مرد اور خنثی مشکل خارج ہو گئے، خنثی مشکل اُس کو کہتے ہیں جس کا مرد یا عورت ہونا کچھ ثابت نہ ہو، نہ مرد کے حکم میں ہونہ عورت کے حکم میں، اور مانع شرعی کی قید سے مشرکہ بت پرست اور محارم

عورتیں نکل گئیں جن سے نکاح حرام کہا گیا ہے، اور جنی عورت اور دریائی انسان بھی نکل گیا کہ اس کی جنس دوسری ہے، حسن بصری نے جہیہ سے گواہوں کی موجودگی میں نکاح کو جائز کہا ہے کما فی القدیہ۔

اور بالقصد فائدہ اٹھانے کی قید سے ایسا فائدہ نکل گیا جو ضمناً حلال ہوتا ہے جیسے کوئی لوٹڈی حرم بنانے کے واسطے خریدے، تو گو دہلی کے لیے خریدی گئی ہے مگر مقصد اصلی اس خریداری سے اس کا مالک بننا ہے۔ اس سے جماع ضمناً ثابت ہے لہذا اس کا نام نکاح نہیں ہوگا۔

لفظ نکاح کی وضع

لفظ نکاح علماء اصول اور علماء لغت کے نزدیک حقیقت میں وطی کے لیے وضع ہوا ہے اور عقد پر اس کا اطلاق مجاز ہے، لہذا کتاب و سنت میں جہاں بھی نکاح کا لفظ آئے اور قرآن سے خالی ہو اس سے وطی اور جماع مراد ہوگا۔ جیسے آیت وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاءُكُمْ، یعنی تم ان عورتوں سے جماع نہ کرو جن سے تمہارے اوپر والوں (باپ دادا) نے جماع کیا ہے، یہ جماع حلال کو بھی شامل ہے اور حرام کو بھی، لہذا جس عورت سے باپ نے زنا کیا وہ عورت بیٹے پر حرام ہو گئی، اس کے خلاف یہ دوسری آیت حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ، ہے کہ اس میں نکاح سے جماع مراد نہیں ہے، اس وجہ سے کہ نکاح کی نسبت اس میں عورت کی طرف ہے، عورت سے جماع کیا جاتا ہے کرنے والا مرد ہوتا ہے، عورت مفعول ہوتی ہے لہذا یہاں عقد مراد ہوگا، جماع مجاز امراد لیا جائے گا۔

یعنی جس عورت کو شوہر تین طلاق دیدے وہ پہلے شوہر کے لیے اُس وقت تک حلال نہیں ہو سکتی ہے جب تک وہ غیر مرد سے نکاح نہ کر لے اور پھر وہ غیر مرد شوہر ہونے کے بعد اس سے جماع کر کے طلاق نہ دیدے، دوسرے شوہر کے جماع کی شرط حدیث غسیلہ سے سمجھی گئی ہے جس میں صراحت ہے کہ وہ عورت اُس مرد سے اور یہ مرد اُس عورت سے جب تک ہمبستر ہو کر وطی نہ کرے، پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح نہیں ہو سکتا ہے۔

طلاق مغلطہ میں وطی کی شرط

حدیث غسیلہ کا واقعہ یہ ہے حضرت رفاعہؓ نے اپنی بیوی کو طلاق مغلطہ دیدی تھی اس عورت نے دوسرے مرد سے نکاح کر لیا اور پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آکر شکایت کی کہ میرا دوسرا شوہر نامرد ہے آپ نے فرمایا کہ تم پھر پہلے شوہر رفاعہ کے پاس جانا چاہتی ہو؟ اس نے عرض کیا جی ہاں، آپ نے فرمایا یہ اُس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک تم اس کا اور وہ تمہارا مزہ نہ چکھ لے، یعنی باہم صحبت نہ ہو جائے۔

و یكون واجبا عند التوقان فان تیقن الزنا الا به فرض نهاية وهذا ان ملك المهر والنفقة والا فلا اثم يتركه بدائع و یكون سنة مؤكدة فی الاصح فیائم یتركه و یثاب ان نوى تحصینا وولدا حال الاعتدال ای القدرة علی وطء و مهر و نفقة ورجح فی النهر وجوبه للمواظبة علیه والانكار علی من رغب عنه ومكروها لخوف الجور فان تیقنه حرم ذلك و یندب اعلانه و تقديم خطبة وكونه فی مسجد یوم جمعة بعاقده رشید و شهود عدول والاستدانة له والنظر اليها قبله وكونها دونه سنا وحسبا و عزا و مالا وفوقه خلقا وادبا وورعا وجمالا و هل یكره الزفاف المختار لا اذا لم یشتمل علی مفسدة دینیة

نکاح کب واجب ہے کب سنت کب فرض

جب شہوت کا غلبہ ہو اس وقت نکاح کرنا واجب ہوتا ہے اور اگر یہ یقین ہو جائے کہ نکاح نہ ہونے کی صورت میں زنا کرنے پر مضطر ہو جائے گا تو اس وقت نکاح کرنا فرض ہے کذا فی النہایہ، اور یہ وجوب و فرضیت اُس وقت ہے جب مرد بیوی کے مہر اور نفقہ پر قادر ہو اور اگر وہ مہر و نفقہ پر قادر نہیں ہے تو نکاح کے چھوڑ دینے پر گنہگار نہیں ہوگا، کذا فی البدائع، مذہب اہل حق یہ ہے کہ حالت اعتدال میں نکاح سنت موقوفہ ہے اگر کوئی نکاح سے گریز کرے گا تو وہ گنہگار ہوگا اور اگر نکاح سے پاک دامن یا اولاد کی بات ہوگی تو وہ مستحق ثواب ہوگا، حالت اعتدال کا مطلب یہ ہے کہ وہ جماع پر اور مہر و نفقہ کے ادا کرنے پر قادر ہو، اور نہر میں نکاح۔ کہ حالت اعتدال میں نکاح واجب ہے اس لیے کہ آنحضرت ﷺ سے نکاح پر مواظبت ثابت ہے اور نکاح سے انکار کو سنت سے انحراف کہا گیا ہے، (اگر کوئی مہر اور نفقہ پر قادر نہ ہو یا ظلم و جور اور ترک فرائض و سنن کا خطرہ محسوس کرتا ہو تو وہ اعتدال میں نہیں کہا جائے گا، اور اس کے لیے نکاح سنت موقوفہ قرار نہیں پائے گا)

نکاح حرام و مکروہ و مباح

اگر کسی مرد کے سلسلہ میں خوف ہو کہ وہ ظلم و جور کرے گا تو اس کے لیے نکاح مکروہ ہے، اور اگر اس کو اپنے ظلم و ستم کا یقین ہو کہ وہ عورت کے ساتھ جور و ظلم کے ساتھ پیش آئے گا تو اس وقت اس کے لیے نکاح حرام ہوگا، ایک قسم نکاح کی مباح ہے اور یہ اس وقت ہے جب ادائے حقوق کی ادائیگی میں اندیشہ ہو۔

نکاح کا اعلان

نکاح کرنے کے بعد اس کا اعلان کرنا اور شہرت دینا اور نکاح سے پہلے خطبہ پڑھنا مستحب ہے، ترمذی میں حدیث نبویؐ ہے، کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا نکاح مسجدوں میں کرو، جہاں بلا روک ٹوک ہر مسلمان پہنچ سکتا ہے اور دف بجا کر اعلان کرو، نکاح چھپانے کی چیز نہیں، مستحب یہ ہے کہ نکاح جمعہ کے دن مسجد میں کیا جائے، نکاح کرنے والا سمجھدار ہو اور گواہ متقی پرہیزگار ہوں تاکہ نکاح کی کوئی ضروری شرط فوت نہ ہونے پائے، اور نکاح کے واسطے (بوقت ضرورت) قرض لینا مستحب ہے اور یہ بھی مستحب ہے کہ نکاح سے پہلے ہونے والی بیوی کو شوہر دیکھ لے، تاکہ رشتہ پائدار ہو۔ مگر یہ دیکھنا اس وقت ہے جب دوسری طرف سے نکاح کرنے کی آمادگی پائی جائے۔

یہ بھی مستحب ہے کہ عورت شوہر سے عمر میں چھوٹی ہو اور عزت و حسب اور مالداری میں کمتر ہو، حسب آبائی خاندان کی فضیلت کو کہتے ہیں، مگر عورت کا مرد سے اخلاق، ادب، پرہیزگاری اور خوبصورتی میں بڑھ کر ہونا بہتر ہے، (ایسی عورت سے نکاح نہ کرے جو بد صورتی بد خلقی یا کسی عیب کی وجہ سے پسند نہ ہو، اسی طرح بد چلن، بد نام اور بد اطوار عورت سے بھی بچنا ضروری ہے باپ کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنی جوان بیٹی کو کسی بڑھے مرد سے نہ باندھ دے اور نہ ایسے بد شکل سے جو عورت کو پسند نہ ہو) عورت کا اس کے خاوند کے پاس پہنچنا مکروہ نہیں ہے بشرطیکہ کوئی غیر شرعی رسم نہ ادا کرائی جائے جیسے شوہر کے پاس پہنچا کر جھانک تاک کرنا۔

او یعتقد ملتبساً بايجاب من احدهما وقبول من الآخر وضعاً للمضى لان الماضى ادل على التحقيق كزوجه نفسى او بنتى او من كلتى منك ويقول الآخر تزوجت و یعتقد ایضاً بما اى بلفظین وضع احدهما له للمضى والآخر للاستقبال او للحال فالاول الامر كزوجنى او

زوجینی نفسک او کونی امراتی فانه لیس بایجاب بل هو توکیل ضمنی فاذا قال فی المجلس زوجت او قبلت او بالسمع والطاعة بزازية تمام مقام الطرفين وقيل هو ایجاب و رجحه فی البحر والثانی المضارع المبدوء بهمزة او نون او تاء کتزوجینی نفسک اذا لم ینو الاستقبال و کذا انا متزوجک او جئتک خاطبا لعدم حر بان المساومة فی النکاح

نکاح کا انعقاد نکاح میاں بیوی میں سے ایک کے ایجاب اور دوسرے کے قبول سے منعقد ہوتا ہے، اور ایجاب و قبول کے دونوں صیغہ ماضی کے ہونے چاہئیں کیونکہ ماضی کا صیغہ کام کے فی الحال واقع ہونے پر زیادہ دالالت کرتا ہے، جیسے ایک کہے میں نے اپنی ذات کا یا اپنی بیٹی کا یا اپنی موکلہ کا تجھ سے نکاح کر دیا اس سے پہلے جملہ کو اصطلاح میں ایجاب کہتے ہیں اور دوسرا اس کے جواب میں کہے میں نے قبول کیا (اپنے واسطے یا اپنی لڑکی کے واسطے یا اپنی موکلہ کے واسطے) اس کو قبول کہتے ہیں۔ کلام اول جو بھی کہے خواہ مرد خواہ عورت ایجاب ہوگا، اور دوسرا قبول۔

اور نکاح ان دو لفظوں کے ساتھ بھی منعقد ہوتا ہے کہ ایک ان میں ماضی کا صیغہ ہو اور دوسرا مستقبل کا یا حال کا، مثلاً میں نے اپنے مرد اپنے ولی سے کہے یا عورت کے وکیل سے کہے تو میرا نکاح کر دے یا عورت سے کہے تو میرا نکاح اپنے ساتھ کر لے یا یہ کہے کہ تو میری بیوی ہو جا، یہ صیغہ امر دراصل خود ایجاب نہیں ہے بلکہ ضمناً دوسرے کو اپنے نکاح کے لیے اپنا وکیل بنانا ہے، مطلب یہ ہوا کہ تو میری طرف سے وکیل بن کر میرا نکاح کر دے پھر جب دوسرے نے اس مجلس میں اس کے جواب میں کہا کہ میں نے نکاح کر دیا، یا میں نے قبول کیا یا مان لیا تو عاقدین کے ایجاب و قبول کے حکم میں ہو گیا اور نکاح صحیح ہو گیا۔

اور بعضوں نے کہا کہ امر کا یہ صیغہ ایجاب ہے توکیل (وکیل بنانا) نہیں ہے اور اس دوسرے قول کو صاحب بحر نے ترجیح دی ہے۔ اور مضارع کا دوسرا لفظ جو واحد متکلم کا صیغہ ہو یا جمع متکلم کا یا واحد مؤنث حاضر کا، جیسے میں تجھ سے شادی کر رہا ہوں، یا تم تجھ سے شادی کر رہے ہیں، تو اس سے بھی نکاح منعقد ہو جائے گا جب کہ وہ مضارع عربی کے صیغہ سے مستقبل کے معنی کا ارادہ نہ کرے، کیونکہ مستقبل کا معنی مراد لے گا، تو اس سے نکاح کا اعتقاد نہیں ہوگا بلکہ نکاح کا وعدہ ہوگا۔ اسی طرح نکاح اسم فاعل کے صیغہ سے بھی منعقد ہو جاتا ہے، جب کہ اس سے حال کا معنی مراد ہو، جیسے کوئی کہے میں تمہارے ساتھ نکاح کرنے والا ہوں یا اس طرح کہے کہ میں تیرے پاس منگنی کرنے والا ہو کر آیا ہوں، ان الفاظ سے اس وجہ سے نکاح منعقد ہوگا کہ نکاح کے باب میں یہ بات نامرؤج نہیں ہے، کہ کوئی اس سے دوسرا معنی مراد لے سکے۔ البتہ خرید و فروخت میں یہ بات ہوتی ہے، لہذا وہاں بیع کا معاملہ اس وقت تک طے نہیں ہوگا جب تک دوسرا یہ نہ کہہ دے کہ میں نے خریدا۔

او هل اعطيتها ان المجلس للنکاح و ان للوعد فوعد ولو قال لها یا عرسی فقالت لیک انعقد علی المذهب فلا ینعقد بقبول بالفعل کقبض مهر ولا بتعاط ولا بكتابة حاضر بل غائب بشرط اعلام الشهود بما فی الكتاب ما لم یکن بلفظ الامر فتولی الطرفین فتح ولا بالاقرار علی المختار خلاصة کفوله هی امراتی لان الاقرار اظهر لما هو ثابت ولیس بانشاء وقیل

ان كان بمحض من الشهود صح كما يصح بلفظ الجعل وجعل الاقرار انشاء وهو
 الاصح ذخيرة ولا ينعقد بتزوجت نصفك في الاصح احتياطا خانية بل لا بد ان يضيفه الى
 كلها او ما يعبر به عن الكل و منه الظهر والبطن على الاشبه ذخيرة ورجحوا في الطلاق خلافه
 فيحتاج للفرق واذا وصل الايجاب بالتسمية للمهر كان من تمامه اى الايجاب فلو قبل
 الآخر قبله لم يصح لتوقف اول الكلام على آخره لوفيه ما يغير اوله ومن شرائط الايجاب
 والقبول اتحاد المجلس لو حاضرين و ان طال كمخيرة وان لا يخالف الايجاب القبول
 قبلت النكاح لا المهر نعم يصح الحط كزيادة قبلتها في المجلس

مجلس نكاح نكاح اس طرح بھی منعقد ہو جاتا ہے جب نكاح کی مجلس منعقد کر کے عورت کے باپ یا ولی سے مرد کہے کہ
 کیا تو نے مجھے وہ عورت دیدی؟ اور اس کے جواب میں اس کا باپ یا ولی کہے میں نے دیدی، اگر یہ مجلس نكاح کی
 مجلس ہے تو نكاح ہو جائے گا اور اگر یہ وعدہ کی مجلس ہے تو اس کام سے نكاح کا صرف وعدہ ہو گا نكاح منعقد نہیں ہو گا، اگر کسی مرد
 نے عورت سے کہا اے میری بیوی، اس نے جواب میں لبیک کہہ دیا، تو اس سے بھی نكاح منعقد ہو گیا، مذہب مختار یہی ہے۔
 نكاح میں ایجاب و قبول دونوں کے متعلق معلوم ہوا کہ ان دونوں کا لفظی ہونا شرط ہے، لہذا فعلی قبول سے نكاح منعقد
 نہیں ہو گا۔ جیسے مرد نے عورت سے کہا کہ میں نے تجھ سے شادی کی اور عورت جواب میں، میں نے قبول کیا، کہنے کے بجائے
 صرف مہر پر عملاً قبضہ کر لے، اسی طرح لین دین سے بھی نہیں ہوتا ہے، مثلاً کسی شخص نے اپنی بیٹی ایک شخص کے حوالہ کی اور
 اس نے گواہوں کے سامنے صرف مہر سپرد کر دیا زبان سے کچھ نہیں بولا۔

نكاح بذریعہ کتابت اسی طرح موجود شخص کے لکھنے سے بھی نكاح منعقد نہیں ہوتا، البتہ جو شخص غائب ہو اور اس نے
 گواہوں کو خط کے مضمون سے آگاہ کر دیا ہو، خط پڑھ کر یا زبانی تو اس سے نكاح منعقد ہو جائے گا۔
 غائب شخص کے خط پر گواہوں کو بتانا اس وقت ضروری ہے جب خط میں امر کا صیغہ استعمال نہ کیا گیا ہو، بلکہ ماضی کے صیغہ سے
 ساتھ لکھا ہو کہ میں نے تجھ سے نكاح کیا، اور اگر صیغہ امر کا ہو جیسے تو میرا نكاح اپنی ذات سے کر کے تو اس صورت میں عورت
 مرد کی وکیل ہوگی اور اپنی طرف سے اسیل، دونوں طرف سے اس کو تصرف کا حق حاصل ہو گا، اس کے جواب میں عورت کہے
 میں نے اپنا نكاح اس کے ساتھ کر لیا تو یہ جملہ ایجاب و قبول دونوں کے قائم مقام ہو جائے گا، اور خط کا مضمون گواہوں کو بتانا
 ضروری نہیں ہو گا، البتہ صرف قبول والا جملہ سنا ضروری ہو گا۔

صرف اقرار سے نكاح مذہب مختار کے مطابق صرف اقرار سے بھی نكاح منعقد نہیں ہوتا ہے کذا فی الخلاصہ، جیسے
 مرد کا کہنا یہ میری بیوی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اقرار ثابت شدہ چیز کے اظہار کا نام ہے،
 اقرار انشاء نہیں ہے۔ حالانکہ نكاح میں انشاء کا ہونا ضروری ہے۔

اور بعض فقہاء نے کہا کہ اگر گواہوں کے سامنے اقرار پایا گیا ہے تو نكاح منعقد ہو جائے گا۔ اور اقرار کو انشاء سمجھا
 جائے گا، جس طرح لفظ جعل سے نكاح صحیح ہوتا ہے (فتح القدیر سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر گواہوں کے سامنے شوہر نے

نکاح کا اقرار کر لیا، حالانکہ نکاح گواہوں کے بغیر ہوا تھا، تو اس میں اختلاف ہے صحیح تر یہ ہے کہ اگر میاں بیوی نے مہر کا نام لیا ہے تو نکاح جدید منعقد ہوگا، اور اگر دونوں نے نکاح ہوئے بغیر ہی نکاح کا اقرار کیا ہے تو نکاح نہیں ہوگا، البتہ اس صورت میں اس وقت نکاح منعقد ہوگا جب گواہوں نے یہ کہا ہو کہ ہم نے اس اقرار کو نکاح بنا لیا ہے، پھر دونوں نے قبول کیا تو یہاں لفظ ”جعل“ (بنالیا) سے نکاح صحیح ہو گیا، کیونکہ اقرار کو انشاء بنا لیا گیا زیادہ صحیح یہی ہے کذا فی الذخیرہ۔

اگر کوئی کہے کہ میں نے تیرے نصف سے نکاح کیا تو اس سے نکاح منعقد نہیں ہوگا، احتیاط کا یہی تقاضا ہے اور یہی اصح بھی ہے کذا فی الخانیہ اس لیے کہ حلت و حرمت ایک جگہ جمع ہوئی تو احتیاطاً حرمت کو مقدم کیا جائے گا۔

نکاح کی نسبت کل کی طرف نکاح کے درست ہونے کے واسطے ضروری ہے کہ نکاح کو کل کی طرف منسوب کرے یا اس عضو کی طرف جو کل بدن کی جگہ بولا جاتا ہے جیسے پیٹھ، پیٹ، اشرہ مذہب یہی ہے، اور فقہاء نے باب طلاق میں اس کے برعکس کو ترجیح دی ہے یعنی اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے اپنی بیوی کی پیٹھ یا پیٹ کو طلاق دی تو مذہب اصح میں طلاق واقع نہیں ہوگی، لہذا اس کی ضرورت ہوئی کہ فرق کو ظاہر کیا جائے کہ نکاح ان اعضاء کے ساتھ ہو جاتا ہے اور طلاق نہیں ہوتی۔

پورے ایجاب کا قبول اگر کسی نے ایجاب میں مہر کا نام شامل کر دیا ہے تو اس پورے ایجاب کو قبول کرنے سے نکاح ہوگا، اس صورت میں اگر کوئی مہر کا نام لینے سے پہلے قبول کا جملہ ادا کرے گا تو نکاح درست نہیں ہوگا، اس وجہ سے کہ اول کلام اپنے اخیر پر موقوف ہوتا ہے، مثلاً عورت نے مرد سے کہا ”میں نے تیرے ساتھ ہزار روپے پر نکاح کیا“ اور مرد نے مہر کا نام لینے سے پہلے قبول کر لیا تو نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

اگر ہونے والے میاں بیوی دونوں مجلس میں حاضر ہوں تو اس وقت ایجاب و قبول کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ مجلس متحد ہو، گو مجلس غبی ہو، ایسی صورت میں اگر عورت نے ایجاب کیا اور مرد نے دوسری مجلس میں قبول کیا تو نکاح درست نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں مجلس ایک باقی نہیں رہی بلکہ دو ہو گئی، جس طرح اس عورت کا اختیار مجلس تکلم تک محدود ہوتا ہے جس کو شوہر نے طلاق کا اختیار دیا ہو کہ تو چاہے تو اپنی ذات کو اختیار کرے، مجلس ختم ہونے کے بعد اختیار جاتا رہے گا۔

قبول کا ایجاب کے مطابق ہونا ایجاب و قبول کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ، قبول ایجاب کے مخالف نہ ہو، جیسے مرد کہے کہ میں نے تیرے ساتھ ہزار روپے مہر پر نکاح

کیا۔ یہ ایجاب ہوا، عورت اس کے جواب میں کہے کہ میں نے نکاح قبول کیا، مہر قبول نہیں کیا، یہ قبول ہے، تو اس صورت میں ایجاب و قبول میں یکسانیت نہیں رہی، کیونکہ مہر متعین اور مہر مثل ایک دوسرے کے مغائر ہیں، لہذا نکاح نہیں ہوگا۔

البتہ عورت کی طرف سے متعین مہر میں کمی درست ہے جیسے مرد نے ہزار روپے مہر کے بدلے نکاح کیا تھا عورت اس کے جواب میں کہے کہ میں نے پانچ سو روپے کے بدلے نکاح قبول کیا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہزار روپے پر قبول کر کے پانچ سو روپے کی طرف سے اس نے کم کر دیا۔ اس کمی کے متعلق مرد کا یہ کہنا شرط نہیں ہے کہ میں نے اس کمی کو قبول کیا، کیونکہ یہ عورت کی طرف سے ساقط کرنا ہے مہر میں یہ کمی اسی طرح درست ہے جس طرح مہر میں اضافہ درست ہے، جس کو عورت نے اسی مجلس میں قبول کر لیا ہو، جیسے کسی عورت نے کہا کہ میں نے ہزار روپے مہر پر تم سے نکاح کیا، مرد نے اس کے جواب میں کہا کہ میں نے

دو ہزار روپیہ مہر پر نکاح قبول کیا تو یہ صحیح ہے، مگر شرط یہ ہے عورت نے اس دو ہزار کو اسی مجلس میں قبول کر لیا ہو۔

ان لا یكون مضافا ولا معلقا كما سیجی ولا المنكوحة مجهولة ولا یشرط العلم بمعنی

الإيجاب والقبول فیما یتوی فیہ الحد والہزل اذ لم یحتج لنیة بہ یفتی

نکاح معلق اور منسوب بہ مستقبل ایجاب و قبول کی شرطوں میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ نکاح کی نسبت زمانہ مستقبل کی طرف نہ ہو اور نہ نکاح کسی شرط پر معلق ہو، مستقبل کی مثال جیسے کوئی کہے کہ میں

کل تیرے ساتھ نکاح کروں گا یا کل قبول کروں گا اور معلق کی مثال جیسے کوئی کہے کہ میں نے تیرے ساتھ نکاح کیا اگر میرا باپ راضی ہوگا، اس سے نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے۔

ایجاب و قبول کی شرائط میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ منکوحہ نامعلوم نہ ہو، جیسے ایک شخص کی دو لڑکیاں ہیں اور اس نے ان میں سے ایک کا نکاح بغیر نام متعین کیے کر دیا، تو نکاح صحیح نہیں ہوگا، اس لیے کہ اس میں جہالت پائی جاتی ہے اور لڑکی جس سے نکاح ہو رہی ہے مشخص نہیں۔

ایجاب و قبول کے معنی جاننا ایجاب و قبول کے معنی کا جاننا اس نکاح میں شرط نہیں ہے جس میں قصد کرنا اور نہ کرنا برابر ہو، اس وجہ سے کہ ایسے عقد میں نیت کی ضرورت نہیں ہوتی ہے اور اسی پر

نوی ہے (اس باب میں فقہاء کا باہم اختلاف ہے بعضوں کا کہنا ہے کہ عاقدین کے لیے ایجاب و قبول کے معنی کا جاننا ضروری ہے، اور بعضوں نے کہا دیانتہ تو ضروری ہے، قضاء ضروری نہیں کذا فی الخانیہ اور بعضوں نے کہا کہ جو عقد ایسا ہو جس میں ارادہ کرنا اور نہ کرنا دونوں یکساں ہوں، جیسے طلاق، نکاح، عتاق تو اس میں علم ضروری نہیں ہے شارح نے اسی قول کو پسند کیا ہے اور اسی کو ترجیح دی ہے البتہ بیع بغیر علم درست نہیں۔

والما یصح بلفظ تزویج و نکاح لانہما صریح و ما عدا ہما کنایة و هو کل لفظ وضع لتملیک عین کاملہ فلا یصح بالشركة فی الحال خرج الوصیة غیر المقیدة بالحال کھبة وتملیک و صدقة و عطیة و قرض و سلم و استئجار و صلح و صرف و کل ما تملک بہ الرقاب بشرط نية او قرینة وفہم الشہود المقصود لا یصح بلفظ اجارة براء او بزای و اعارة و وصیة و رهن و ودیعة و نحوہا مما لا یفید المملک لکن تثبت بہ الشبهة فلا یحدو لها الاقل من المسمی و مہر المثل و کذا تثبت بکل لفظ لا ینعقد بہ النکاح فیلحفظ و الفاظ مصحفة کتجوزت لصدورہ لا عن قصد صحیح بل عن تحریف و تصحیف فلم یکن حقیقة و لامجاز العدم العلاقة بل غلطا فلا اعتبار بہ اصلا تلویح نعم لم اتفق قوم علی النطق بہذہ الغلطة و صدرت عن قصد کان ذلک وضعاً جدیداً فیصح بہ افتی ابوالمسعود و اما الطلاق فبقع بہا قضاء کما فی اوائل الاشباہ

لفظ تزویج و نکاح لفظ تزویج اور لفظ نکاح سے انعقاد نکاح درست ہے کیونکہ یہ دونوں الفاظ اسی معنی کے لیے بنائے گئے ہیں، اور یہ اس معنی میں صریح ہے، البتہ ان دونوں لفظوں کے سوا جو الفاظ ہیں، انہوں نے کے لیے کفایہ کی حیثیت رکھتے ہیں، اور نکاح کا کفایہ ہر وہ لفظ ہے جو فی الحال ذات کی تملیک کامل کے لیے بنایا گیا ہو۔ لہذا ”شترکت“ کے لفظ سے ساتھ نکاح درست نہیں ہوگا، کیونکہ اس میں تملیک کامل نہیں پائی جاتی ہے، اور نہ یہ اس کے لیے بنایا گیا ہے۔

فی الحال کی قید سے وہ نسبت نکل گئی جس میں بالفعل کی قید نہیں ہو، جیسے کسی نے کہا کہ میں نے اپنی بونڈی کی قربت ہزار دراہم کے بدلے اپنی موت کے بعد م کو دی، اور دوسرے شخص نے قبول کیا تو اس سے نکاح صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ فی الحال تملیک نہیں پائی گئی۔

لفظ ہبہ وغیرہ سے نکاح تملیک فی الحال کی مثال جیسے ہبہ، تملیک، صدقہ اور عطا مثلاً عورت کہے کہ میں نے اپنی ذات کو ہبہ کیا میں نے اپنی ذات کا تم کو مالک بنالیا میں نے اپنے کو صدقہ کر دیا، یادے ڈالا، اور دوسرے نے اسے قبول کیا تو نکاح صحیح ہوگا۔

لفظ سلم اور استیجار سے بھی نکاح صحیح ہوتا ہے، اور لفظ قرض، صلح اور صرف سے بھی نکاح ہو جاتا ہے، اسی طرح ان الفاظ سے بھی جو ملکیت کا فائدہ بخشتے ہوں اگر شرط یہ ہے کہ مستلم کی نیت پائی جائے یا قرینہ اس معنی پر دلالت کرتا ہو اور یہ گواہ مقصود سمجھتے ہوں۔

لفظ اجارہ وغیرہ سے نکاح لفظ اجارہ یا اجازہ سے نکاح درست نہیں ہوتا ہے اس وجہ سے کہ اس میں دائمی تملیک کا معنی نہیں پایا جاتا ہے، بلکہ منفعت کی تملیک موقت ہوتی ہے حالانکہ نکاح میں دوام کی شرط ضروری طور پر ہے، اسی طرح نکاح لفظ اعادہ، وصیت، رہن، ودیعت اور ان جیسے دوسرے ایسے الفاظ سے درست نہیں ہوتا ہے، جو ملکیت کے لیے مفید نہیں ہیں، البتہ ان الفاظ سے نکاح کا شبہ ثابت ہوتا ہے، لہذا جن لوگوں نے ان الفاظ کے ساتھ نکاح لیا ہے ان پر حد جاری نہیں کی جائے گی، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شبہ آنے سے عدل ٹل جاتی ہے اور اس صورت میں عورت کو مہر متعین اور مہر مثل میں سے ایک ملے گا، جو کم ہوگا۔ ایسے ہی ان تمام الفاظ سے نکاح کا شبہ ثابت ہوتا ہے جن سے نکاح منعقد نہیں ہوتا اسے یاد رکھنا چاہیے۔

تصحیف شدہ الفاظ سے نکاح ان الفاظ سے بھی نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے جن میں تصحیف ہوئی ہو جیسے لفظ تجوزت جو تزویج کی جگہ کہا گیا ہو، اور ان الفاظ سے نکاح اس لیے منعقد نہیں ہوتا ہے کہ یہ الفاظ صحیح ارادہ سے نہیں ادا ہوتے ہیں بلکہ تبدیلی اور تغیر کے طور پر ہے، لہذا یہ نہ حقیقت ہوتے ہیں اور نہ مجاز۔ ان کا اصل لفظ سے کوئی علاقہ نہیں ہوتا، بلکہ یہ الفاظ غلط ہوتے ہیں اور ان کا بالکل اعتبار نہیں ہوتا، تصحیف سے یہاں مطلقاً غلطی اور خطا مراد ہے۔

مروّج غلط الفاظ سے نکاح البتہ اگر کوئی قوم یا علاقہ ایسے غلط الفاظ بولنے پر اتفاق کر لے، اور وہاں بالقصد ایسے ہی الفاظ بولے جاتے ہوں تو یہ بولنا وضع جدید شمار ہوگا، اور اس وقت تک ان غلط الفاظ سے نکاح منعقد ہو جائے گا شیخ الاسلام مفتی ابوالمعدود کا اسی پر فتویٰ ہے، باقی غلط اور تصحیف شدہ الفاظ سے طلاق کا مسئلہ اگر ان کے

تھ طلاق دی جائے گی تو قضاء طلاق واقع ہو جائے گی، دیا نہ ہو کی، چنانچہ اشباہ کے اوائل میں اس کی صراحت موجود ہے، جیسے کوئی طلاق کو طلاق یا طلاق کہے تو اس سے طلاق واقع ہوگی۔

وَالْبَتَّاعُ احْتِرَامًا لِلْفُرُوجِ وَشَرْطُ سَمَاعِ كُلِّ مِنَ الْعَاقِدِينَ لَفْظِ الْآخِرِ لِيَتَحَقَّقَ رِضَاهُمَا وَشَرْطُ حُضُورِ شَاهِدَيْنِ حَرِّينِ أَوْ حُرٍّ وَحَرَّتَيْنِ مُكَلَّفَيْنِ سَامِعَيْنِ قَوْلَهُمَا مَعَ عَلَى الْأَصَحِّ فَالْمُهْمِ انَّهُ نِكَاحٌ عَلَى الْمَذْهَبِ بِحُرِّ مُسْلِمَيْنِ لِنِكَاحِ مُسْلِمَةٍ وَلَوْ فَاسِقَيْنِ أَوْ مُحْدُوذَيْنِ لَمْ يَكُنْ قَذْفٌ أَوْ اَعْمِيْنِ أَوْ ابْنِي الزَّوْجَيْنِ أَوْ ابْنِي أَحَدِهِمَا وَإِنْ لَمْ يَثْبُتِ النِّكَاحُ بِهِمَا أَوْ بِالْأَبْنَيْنِ إِنْ ادَّعَى الْقَرِيبُ كَمَا صَحَّ نِكَاحُ مُسْلِمٍ ذَمِيَّةٍ عِنْدَ ذَمِيْنٍ وَلَوْ مُخَالَفَيْنِ لِدِينِهِمَا وَإِنْ لَمْ يَثْبُتِ النِّكَاحُ بِهِمَا مَعَ انْكَارِهِ

تعاظمی سے بھی نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے کیونکہ فردع کا احترام کیا جانا ضروری ہے، تعاظمی کا مفہوم ہے کہ منہ سے کچھ نہ کہے صرف عمل سے رضا

بظہار کرے، جیسے مرد عورت کے سامنے مہر کے روپے رکھ دے اور عورت اس کے ساتھ ہو لے۔

نکاح کے درست ہونے کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ عاقدین میں ہر ایک دوسرے کے الفاظ سنے، تاکہ اس سے دونوں کی غائبی کا تحقق ہو سکے۔

صحیح نکاح کے لیے دو گواہوں کا موجود ہونا بھی شرط ہے، حدیث نبوی ہے۔ لَا نِكَاحَ إِلَّا بِشَهِودٍ یعنی نکاح بغیر گواہوں کے نہیں ہوتا اور عاقدین کی ادنیٰ صورت یہ ہے کہ دو گواہ عاقدین کے ایجاب و قبول کے الفاظ سنیں پھر یہ کہ دونوں گواہ آزاد ہوں، دونوں مرد ہوں یا ایک آزاد مرد اور دو آزاد عورتیں صرف غلاموں اور غلامیوں کی گواہی سے نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے۔

نکاح کے دونوں گواہوں کا عاقل، بالغ ہونا بھی ضروری ہے لہذا نابالغوں اور پاگلوں کی گواہی سے نکاح منعقد نہیں ہوگا، ان دونوں گواہوں کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ یہ دونوں عاقدین الفاظ ساتھ ساتھ سنیں صحیح مذہب یہی ہے لہذا اگر کوئی ایک گواہ کو ایک مجلس میں سنائے اور دوسرے گواہ کو دوسری مجلس میں تو نکاح نہیں ہوگا، اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سونے والوں کی موجودگی یا بہروں کی موجودگی سے نکاح نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ یہ سن نہیں پاتے ہیں۔

یہ بھی شرط ہے کہ دونوں گواہ سمجھ رہے ہوں کہ یہ نکاح ہو رہا ہے، لہذا اگر ہندوستانی گواہوں کے سامنے جو عربی بالکل نہ سمجھتے ہوں ایجاب و قبول عربی میں ہو اور وہ یہ نہیں جانتے ہوں کہ ان جملوں سے نکاح ہو رہا ہے تو نکاح درست نہیں ہوگا، لیکن اگر وہ سمجھتے ہوں کہ ان الفاظ سے نکاح ہو رہا ہے گو معنی نہ جانتے ہوں تو نکاح ہو جائے گا۔

مسلمان کے نکاح میں یہ بھی شرط ہے کہ دونوں گواہ مسلمان ہوں، خواہ فاسق ہی کیوں نہ ہوں، یا ان پر حد قذف ہی کیوں نہ جاری ہو چکی ہو، یا دونوں اندھے ہی کیوں نہ ہوں۔

فاسق وغیرہ کی گواہی

ہو جائے گا، چنانچہ وہ دونوں گواہ بیوی یا شوہر کے لڑکے بھی ہوں گے تو بھی ان کی موجودگی اور گواہی میں نکاح ہو جائے گا، یعنی عورت کا لڑکا دوسرے شوہر سے ہو، اسی طرح مرد کا بیٹا دوسری بیوی سے ہو۔ یا میاں بیوی میں سے کسی ایک ہی کے دو لڑکے گواہ ہوں تو بھی نکاح ہو جائے گا، گو بوقت مختصمت دونوں بیٹوں کی گواہی سے بیٹوں والوں کے حق میں نکاح ثابت نہ ہو سکے گا اگر مدعی بیٹیوں والا بنا ہے۔ یعنی اگر صرف میاں کے دو بیٹوں کی گواہی سے نکاح ہو جائے گا، یا بیوی کے دو بیٹوں کی گواہی سے نکاح ہو جائے گا، تو ان کی گواہی سے نکاح ہو جائے گا، لیکن مثلاً عورت کے دو بیٹوں کی گواہی سے نکاح ہوا تھا اور بعد میں مرد نکاح سے منکر ہو گیا اور عورت نے نکاح کا دعویٰ کیا تو اب قاضی کے سامنے اس کے ان بیٹوں کی گواہی سے نکاح ثابت نہیں ہو سکے گا، اور اگر مرد مدعی ہو جائے اور عورت منکر اور عورت کے لڑکوں نے گواہی دی تو اس صورت میں مرد کا دعویٰ ثابت ہو جائے گا۔ مختصر یہ کہ فرع کی گواہی سے اصل کا نفع ثابت نہیں ہوا کرتا ہے۔ البتہ ضرر ثابت ہو جاتا ہے۔

جس طرح مسلمان مرد کا نکاح ذمیہ عورت سے دوزمیوں کی گواہی سے منعقد ہو جاتا ہے، گو دونوں ذمی عورت کے دین کے خلاف دین رکھتے ہوں، مگر ذمیوں کی گواہی سے مسلمان پر نکاح کا دعویٰ ثابت نہیں ہو سکے گا، یعنی اگر مسلمان مرد ذمیہ سے نکاح کا انکار کر دے اور گواہی میں یہی دوزمی پیش ہوں اور وہ نکاح ہونے کی گواہی دیں تو ان کی گواہی سے ذمیہ کا دعویٰ نکاح ثابت نہیں ہوگا۔ اس وجہ سے کہ مسلمان کے ضرر کے سلسلہ میں کافر کی گواہی معتبر نہیں ہے۔

الاصل عندنا ان كل من ملك قبول النکاح بولاية نفسه انعقد بحضرة امر الاب رجلا ان يزوج صغيرته فزوجها عند رجل او امرأتين والحال ان الاب حاضر صح لانه يجعل عاقدا حکما والا لا ولو زوج ابنته البالغة العاقلة بمحضر شاهد واحد جازان كانت ابنته حاضرة لانها تجعل عاقدة والا لا الاصل ان الامر متى حضر جعل مباشرا ثم انما تقبل شهادة المأمور اذا لم يذكر انه عقده لثلا بشهد على فعل نفسه ولو زوج المولى عبده البالغ بحضرة وواحد لم يجز على الظاهر ولو اذن له فعقد بحضرة المولى ورجل صح والفرق لا يخفى

گواہوں کے سلسلہ میں قاعدہ کلیہ ہم حنفیوں کے نزدیک گواہی کے درست ہونے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو اپنی ولایت اور ذات سے نکاح قبول کرنے کا مالک ہوتا ہے اس کی موجودگی سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے مثلاً فاسق اور ذمی کو بطور خود قبول نکاح کا اختیار حاصل ہے تو ان کا گواہ ہونا بھی درست ہوگا۔ بخلاف نابالغ، غلام اور پاگل محے، کہ ان کو اپنی ذات کا اختیار بھی نہیں ہوتا لہذا ان کی گواہی بھی درست نہیں ہوگی

مجلس نکاح میں باپ کی موجودگی ایک باپ نے کسی کو حکم دیا کہ وہ اُس کی نابالغ لڑکی کی شادی کر دے چنانچہ اس مرد نے بحیثیت وکیل ایک مرد یا دو عورتوں کی موجودگی میں ایسی مجلس میں نابالغ کا نکاح کر دیا جہاں باپ (حکم دینے والا) بھی موجود تھا، تو یہ نکاح صحیح ہوگا۔ اس وجہ سے کہ اس صورت میں حکم باپ کو نافذ قرار دیا جائے گا، یعنی جب مجلس نکاح میں نابالغ کا باپ موجود ہے تو اس صورت میں مرد وکیل کی وکالت کی ضرورت باقی

نہیں رہی۔ لہذا باپ عاقد قرار پائے گا اور یہ وکیل اور ایک مرد یا دو عورتیں جو مجلس میں موجود ہیں یہ گواہ قرار پائیں گے، اس طرح گواہوں کا نصاب پورا ہو جائے گا۔ اور نکاح بلا عذر درست قرار پائے گا۔ البتہ اگر باپ اس مجلس نکاح میں موجود نہیں رہا ہے، اور وکیل نے ایک مرد یا دو عورتوں کی موجودگی میں نابالغہ کا نکاح کر دیا تو نکاح نہیں ہوگا اس لیے کہ وکیل خود عاقد قرار پایا اور اس طرح گواہوں کا نصاب پورا نہیں ہوا۔

اگر کسی باپ نے اپنی عاقلہ بالغہ لڑکی کا نکاح صرف ایک گواہ کی موجودگی میں کیا، تو یہ نکاح اُس وقت درست ہوگا جب لڑکی بالغہ جس کا نکاح ہو رہا ہے، اس مجلس نکاح میں موجود ہو، کیونکہ اس صورت میں وہ بالغہ لڑکی خود عاقدہ قرار دی جائے گی اور ایک گواہ اور اس کا باپ یہ دونوں اس کے گواہ ہو جائیں گے اور اگر وہ بالغہ لڑکی مجلس نکاح میں موجود نہیں ہوگی تو صورت مذکورہ میں نکاح منعقد نہیں ہوگا، کیونکہ اس صورت میں باپ عاقد ہوگا، اور گواہ صرف ایک رہ جائے گا اور ایک گواہ کی گواہی سے نکاح درست نہیں ہوتا ہے۔

حکم کرنے والے کے لیے قاعدہ حکم دینے والے مسئلے میں قاعدہ یہ ہے کہ جب حکم کرنے والا موجود ہوگا وہی مباشر اور عقد کرنے والا قرار پائے گا۔ اور جس کو حکم دیا گیا ہے وہ سفیر محض کے درجہ میں ہوگا۔ اور جب مامور عاقد نہیں ہوگا تو گواہ بن جائے گا۔

مامور (جس کو حکم دیا گیا ہے) اس کی گواہی اسی صورت میں قبول ہوگی جب تک وہ اپنے کو عاقد نہ کہے تاکہ اپنی ذات کے فعل پر گواہی دینا لازم نہ آئے، یعنی جب مامور اپنے کو عاقد کہے گا تو اس کا گواہی دینا درست نہیں ہوگا کیونکہ اپنے فعل کی گواہی درست نہیں ہے۔

اگر کسی آقا نے اپنے غلام بالغ کی شادی خود اس غلام اور ایک دوسرے شخص کی موجودگی میں کر دی، تو ظاہر روایت کی بنیاد پر نکاح درست نہیں ہوگا کیونکہ آقا کی اجازت کے بغیر غلام عاقد بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے کہ آقا کو دوسرا گواہ قرار دیا جاسکے، اور ایک گواہ کی موجودگی میں نکاح جائز نہیں ہوتا ہے۔ البتہ اگر آقا نے اپنے اس غلام کو نکاح کی اجازت دیدی ہے اور اس کے موجود رہنے کی صورت میں ایک گواہ کے سامنے اس نے اس کا نکاح کیا ہے تو نکاح صحیح ہو جائے گا، کیونکہ غلام اس صورت میں عاقد قرار پایگا، اور آقا اور ایک گواہ مل کر دو گواہ قرار دیئے جائیں گے۔

ولو قال رجل لآخر زوجتني ابتك فقال الآخر زوجت او قال نعم مجيبا له لم يكن نكاحا مالم يقل المجيب بعده قبلت لان زوجتني استخبار وليس بعقد بخلاف زوجني لانه توكيل غلط وكيها بالنكاح في اسم ابها بغير حضورها لم يصح للجهالة وكذا لو غلط في اسم بنته الا اذا كانت حاضرة و اشار اليها فيصح ولو له بنتان او اد تزويج الكبرى فغلط فسمها باسم الصغرى صح للصغرى خانية ولو بعث مريد النكاح اقواما للخطبة فزوجها الاب او الولي بحضرتهم صح فيجعل المتكلم فقط خاطبا والباقي شهودا به يفتي فتح

خبر دینے سے نکاح نہیں ہوتا ایک شخص نے دوسرے شخص سے کہا کہ تم نے اپنی صاحبزادی سے میری شادی کر دی، دوسرے نے اس کے جواب میں کہا میں نے شادی کر دی، یا اس نے جواب میں کہا ہاں، تو اس صورت میں نکاح صحیح نہیں ہو گا جب تک ایجاب کرنے والا اس کے بعد اس طرح نہ کہے کہ میں نے کیا، کیونکہ زوجہ جتنی (تم نے میری شادی کر دی) استخبار واستفہام ہے عقد نہیں۔

اس کے خلاف اگر کوئی دوسرے سے اس طرح کہے کہ تو اپنی لڑکی کا مجھ سے نکاح کر دے اور اس نے اس کے جواب میں کہا میں نے نکاح کر دیا تو پھر اس نے بعد میں نے قبول کیا کہنے کی ضرورت نہیں، نکاح ہو جائے گا اس لیے کہ یہ جملہ کہ تو اپنی لڑکی کا مجھ سے نکاح کر دے، وکیل بتاتا ہے، یعنی گویا اس نے اس کو اپنے نکاح کا وکیل بنادیا۔ تو اب زوجہ (میں نے نکاح کر دیا) ایجاب و قبول دونوں کے قائم مقام ہو گیا۔ اس لیے کہ نکاح میں ایک شخص دونوں طرف کا ذمہ دار بن سکتا ہے البتہ بیع میں یہ صورت نہیں ہو سکتی ہے۔

عورت کے باپ کے نام میں غلطی کا اثر عورت مجلس نکاح میں موجود نہیں تھی اور نکاح کے وکیل سے غلطی صحیح نہیں ہو گا۔ کیونکہ عورت کا امتیاز نہیں ہو سکا، کہنا چاہیے تھامزید کی لڑکی اس نے غلطی سے خالد کی بیٹی کہہ دیا اور خود عورت باپ موجود نہیں تھی، تو پھر نکاح کیسے درست ہو گا۔ ہاں اگر وہاں عورت موجود ہوتی تو نام لینے میں وکیل کی غلطی اثر انداز نہیں ہوتی، کیونکہ اس کی موجودگی سے اس کا تعین خود ہو جاتا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی باپ اپنی بیٹی کے نام میں غلطی کر گیا اور وہ موجود نہیں تھی تو بھی نکاح صحیح نہیں ہو گا، لیکن اگر وہ موجود تھی اور باپ نے اس کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا تو نکاح صحیح اور جائز ہو گا اس صورت میں نام کی غلطی مضر نہیں ہے۔

باپ بڑی کے بجائے چھوٹی لڑکی کا نام لیلے اگر کسی شخص کی دو لڑکیاں تھیں اور اس کا ارادہ ان میں سے بڑی کے نکاح کا تھا اور غلطی سے نام چھوٹی کا لے لیا تو اس صورت میں چھوٹی لڑکی کا نکاح درست ہو جائے گا بشرطیکہ اس کے نکاح کے لیے کوئی مانع شرعی موجود نہ ہو، لیکن اگر مانع شرعی ہے، جیسے وہ کسی کی منکوحہ ہے، یا اس شوہر کے لیے جائز نہیں ہے، تو پھر ان میں سے کسی کا نکاح درست نہیں ہو گا بڑی کا اس وجہ سے درست نہیں ہو گا کہ اس کا نام نہیں لیا گیا اور چھوٹی سے اس وجہ سے جائز نہیں ہو گا کہ وہ محل نکاح باقی نہیں تھی۔

نکاح کا ارادہ کرنے والے نے کچھ لوگوں کو مسئلہ کے واسطے بھیجا، لڑکی کے باپ یا اس کے ولی نے ان کی موجودگی میں اس کا نکاح کر دیا۔ یہ نکاح صحیح ہو گا، اس صورت میں صرف بولنے والا مسئلہ کرنے والا قرار پائے گا، اور باقی لوگ گواہ ہو جائیں گے فتویٰ اسکی روایت پر دیا جاتا ہے۔

فروع قال زوجنی ابتك على ان امرها بيدك لم يكن له الامر لانه تفويض قبل النكاح و كذا بان يزوجه فلانة بكذا فزاد الوكيل في المهر لم ينفذ فلولم يعلم حتى دخل بقى الخيار بين اجازته و فسخه ولها الاقل من المسمى و مهر المثل لان الموقوف كالفاسد تزوج بشهادة الله و رسوله لم يجز بل قيل يكفر والله اعلم

نکاح سے پہلے تفویض طلاق درست نہیں ایک مرد نے دوسرے سے کہا کہ میرا نکاح اپنی لڑکی سے اس شرط پر کر دے کہ اس کی طلاق کا معاملہ تیرے ہاتھ میں رہے گا تو اس صورت میں باپ کو طلاق کا اختیار نہیں ہوگا۔ اور نکاح درست ہوگا طلاق کا اختیار اس لیے نہیں ہوا کہ نکاح سے پہلے طلاق کی تفویض پائی گئی اور نکاح سے پہلے طلاق دوسرے کے سپرد کرنا درست نہیں ہے۔

ایک مرد نے دوسرے کو وکیل بنایا کہ وہ اس کا نکاح عورت سے اتنے مہر پر کر دے، وکیل نے متعین مہر سے زیادہ مہر مقرر کر دیا تو یہ نکاح نافذ نہیں ہوگا، البتہ موکل چاہے تو وہ مہر کی زیادتی کو قبول کر لے اور نکاح صحیح کر دے اور اگر چاہے تو زیادتی کو نہ مانے اور نکاح باطل ہو جائے۔

موکل کو اختیار اگر مہر کی زیادتی کا علم موکل کو نہیں ہو سکا اور اسی حال میں اس نے عورت سے جماع کر لیا، تو اس صورت میں بھی شوہر کو نکاح کے درست رکھنے اور باطل کر دینے کا اختیار باقی رہے گا، اگر درست رکھے گا تو متعین مہر قبول کرنا ہوگا اور اگر فسخ کرے گا تو عورت کو مہر متعین اور مہر مثل میں سے جو کمتر ہوگا ملے گا، یعنی اگر مہر متعین مہر مثل سے کم ہے تو وہ اس پر واجب ہوگا اور اگر مہر مثل کم ہے مہر متعین سے تو مہر مثل واجب ہوگا۔ کیونکہ نکاح غیر نافذ جو موقوف کہا جاتا ہے نکاح فاسد کے برابر ہے لہذا نکاح فاسد کا حکم نکاح موقوف میں جاری ہوگا۔ اور نکاح فاسد کا حکم یہ ہے کہ اس میں کمتر مہر ملتا ہے۔

صرف اللہ و رسول کی گواہی میں نکاح اگر کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی گواہی میں نکاح کرے گا تو وہ نکاح جائز نہیں ہوگا اور بعضوں نے ایسے شخص کے کفر کا فتویٰ دیا ہے کفر کی دلیل یہ دی ہے کہ اس نے ایک حرام کو حلال جانا، کیونکہ اللہ اور رسول کا حکم یہ ہے کہ نکاح میں آدمیوں کی گواہی معتبر ہے، غیر انسان کی گواہی کا حکم کہیں نہیں دیا گیا ہے، دوسری دلیل کفر کی یہ دی ہے کہ جب اس نے رسول کو گواہ قرار دیا تو گویا اس نے رسول کے لیے علم غیب ثابت کیا اور حال یہ ہے کہ غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے، اس کے سوا کسی کو عالم الغیب جاننا جائز نہیں۔

فصل فی المحرمات

اسباب التحريم انواع قرابة مصاهرة رضاع جمع ملك شرك ادخال امة على حرة فهي سبعة ذكرها لمصنف بهذا الترتيب و بقى التطليق ثلثا وتعلق حق الغير بنكاح او عدة ذكرهما في الرجعة حرم على المتزوج ذكر اكان او انشى نكاح اصله و فرعه علا او نزل و بنت اخيه و اخته و بنتها و لومن زنا و عمته و خالته فهذه السبعة مذكورة في آية حرمت عليكم امهاتكم و يدخل عمه جده و جدته و خالتهما الاشقاء غيرهن و اما عمه امه و خالة خالة ابيه فحلال

كنت عمه و عمتہ و خالہ و خالته لقولہ تعالى و احل لكم ما وراء ذلكم

ان عورتوں کا بیان جن سے مرد کیلئے نکاح شرعاً درست نہیں

اسباب حرمت نکاح جن بیویوں کی وجہ سے عورتیں حرام قرار پاتی ہیں ان کی چند قسمیں ہیں، ایک سبب حرمت، قرابت داری ہے یعنی نسبی رشتہ کی وجہ سے سات عورتوں سے نکاح حرام ہے: (۱) ماں، (۲) بیٹی، (۳) بہن، (۴) پھوپھی، (۵) خالہ، (۶) بھتیجی، (۷) بھانجی۔ دوسرے سبب حرمت، سرالی رشتہ ہے جیسے خوشدامن (ساس) جس عورت سے ہمبستر ہو چکا ہے اس کی لڑکیاں اور اس کے لڑکے کی بیویاں، تیسرا سبب حرمت دودھ پینا ہے جیسے جس غیر عورت کا زمانہ شیر خوارگی میں دودھ پیا ہے اس کی لڑکیاں۔ چوتھا سبب حرمت جمع کرنا ہے جیسے دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا، یا بیوی اور اس کی پھوپھی یا اس کی خالہ کو ساتھ ساتھ نکاح میں رکھنا، پانچواں سبب حرمت، ملکیت ہے جیسے آقا کا اپنی لونڈی سے نکاح کرنا یا عورت کا اپنے غلام سے نکاح کرنا۔ چھٹا سبب حرمت مشرک ہونا ہے جیسے مجوسیہ یا ہندو بت پرست عورت سے نکاح کرنا۔ ساتواں سبب حرمت، آزادی۔ بیوی کے ہوتے ہوئے کسی لونڈی سے نکاح کرنا ہے۔

یہ سات اسباب حرمت ہیں جن کو مصنف نے ترتیب وار اس طرح بیان کیا ہے۔ اب باقی رہ گئے تین اور سبب طلاق دینا، اور غیر کے حق کا ضائع کرنا اور مدت کا پایا جانا، یعنی مطلقہ ثلاثہ بھی حرام ہے اور غیر کی منکوحہ اور معتدہ بھی، ان دو سببوں کو مصنف نے فصل رجعت میں بیان کیا ہے، اس طرح کل سبب نو ہو گئے۔

اصول و فروع کی حرمت نکاح کرنے والے پر خواہ وہ مرد ہو یا عورت اس کی اصل (اوپر والے) اور اس کی شاخ (نیچے والے) حرام قرار دیئے گئے ہیں، اصل زیادہ سے زیادہ اونچے ہوں یا نیچے والے زیادہ سے زیادہ نیچے ہوں، اوپر والے میں ماں، باپ، دادا، دادی، پردادا، پردادی، نانا، نانی، پرانا، پرانی۔ نیچے والے میں بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، پرپوتا، پرپوتی، ناتن، ناتنی وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح اپنے بھائی کی لڑکی (بھتیجی) حرام ہے یعنی سگے یا سوتیلے یا اخیانی بھائی کی بیٹی اور سگی اور سوتیلی و اخیانی بہن اور ان بہنوں کی لڑکیاں یعنی بھانجی یہ رشتہ گوزنا سے ہوں تب بھی حرام ہوں گی، یعنی اصل فروع، بھتیجی، بہن اور بھانجی ہر طرح سے حرام ہیں خواہ نکاح کا رشتہ ہو یا زنا سے پایا گیا ہو، اور پھوپھی بھی حرام ہے خواہ نکاح سے یہ رشتہ ہو خواہ زنا سے اور اپنی خالہ بھی حرام ہے نکاح سے ہو یا زنا سے۔

یہ ساتوں رشتے والی محرمات کا تذکرہ قرآن پاک کی اس آیت میں مذکور ہے حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ الْخُورَىٰ آیت

پڑھ جائیے۔

اوپر کی تفصیل اور پھوپھی اور خالہ کی حرمت میں دادا، دادی کی پھوپھی اور ان کی خالہ بھی داخل ہے یہ سگی ہوں یا سوتیلی یا اخیانی، حرمت میں سب برابر ہیں، باقی اخیانی پھوپھی کی پھوپھی، اور سوتیلی خالہ کی خالہ پس یہ حلال ہیں، اس لیے کہ اخیانی پھوپھی کی پھوپھی دادی کے شوہر کی بہن ہوئی البتہ سگی اور سوتیلی پھوپھی کی پھوپھی حرام ہے، اس لیے کہ پھوپھی باپ کی بہن ہوئی تو پھوپھی کی پھوپھی دادا کی بہن ہوئی تو جس طرح باپ کی بہن حرام ہے دادا کی بہن بھی حرام ہے اور سوتیلی خالہ کی خالہ

اس وجہ سے حلال ہے، کہ سوتلی خالہ کی ماں سگی نانی نہیں بلکہ نانا کی بیوی ہے اور نانا کی بیوی کی بہن نانا کی سالی ہوئی اور نانا کی ایسی سالی نانی پر حرام نہیں، اور اس کی خالہ یا خانی خالہ کی خالہ ہے تو وہ حلال نہیں ہے۔

رشتے جن سے نکاح درست ہے چنانچہ چچا اور پھوپھی کی بیٹی حلال ہے، اور اسی طرح خالہ اور ماموں کی بیٹی بھی حلال ہے ارشاد ربانی ہے، وَأَجَلَ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ یعنی جو محرمات بیان کی گئی ہیں ان کے علاوہ رشتہ کی لڑکیاں حلال کی گئی ہیں کیونکہ ان سب کا محرمات میں شمار نہیں کرایا گیا ہے۔

وَحَرَمَ بِالصَّاهِرَةِ بِنْتِ زَوْجَتِهِ الْمَوْطُوءَةِ وَامِ زَوْجَتِهِ وَجَدَاتِهَا مُطْلَقًا بِمَجْرَدِ الْعَقْدِ الصَّحِيحِ
وَأَنْ لَمْ تَوْطَأِ الزَّوْجَةُ لِمَا تَقَرَّرُ أَنَّ وَطَأَ الْأَمْهَاتِ يَحْرِمُ الْبَنَاتِ وَنِكَاحُ الْبَنَاتِ يَحْرِمُ الْأَمْهَاتِ
وَيَدْخُلُ بَنَاتُ الرَّبِيبَةِ وَالرَّبِيبِ وَفِي الْكَشَافِ وَاللَّمْسِ وَنَحْوِهِ كَالدَّخُولِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ
وَاقَرَهُ الْمَصْنَفُ

ربیبہ کی حرمت اور سرالی رشتہ کی وجہ سے اپنی اُس بیوی کی لڑکی حرام ہے جس بیوی سے ہمبستری ہو چکی ہو، یعنی بیوی کی وہ لڑکی جو اس کے دوسرے شوہر سے ہے۔ اصطلاح میں اس لڑکی کو ریبہ کہتے ہیں، اور اگر عورت سے صرف نکاح ہوا تھا ابھی وطی نہیں ہوئی تھی کہ اس کو طلاق دیدی تو اس صورت میں اس عورت کی لڑکی سے جو دوسرے شوہر سے ہے شادی جائز ہے۔

بیوی کی سگی ماں وغیرہ کی حرمت باقی اپنی بیوی کی ماں اور اس کی دادیاں اور نانیاں مطلقاً حرام ہیں خواہ سگی ہوں، خواہ سوتیلی۔ اور یہ حرمت صرف نکاح صحیح کرنے سے ثابت ہو جاتی ہے وطی پائی گئی ہو، یا نہ پائی گئی ہو، دونوں صورتوں میں۔ (نکاح صحیح کی قید اس لیے لگائی گئی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ نکاح فاسد سے خوشدامن وغیرہ حرام نہیں ہوتی ہیں، جب تک اس میں جماع یا بیوی کا شہوت سے چھونا نہ پایا جائے)

ایک میں وطی کی قید ہونا دوسرے میں نہ ہونا ریبہ کی حرمت کا وطی کے ساتھ مقید کرنا اور خوشدامن (سائس) کی حرمت بلا قید اس وجہ سے ہے کہ شریعت میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ماں سے وطی بیٹیوں کو حرام کر دیتی ہے اور بیٹیوں کے ساتھ صرف نکاح کرنا (گو بلا وطی ہو) ماؤں کو حرام کر دیتا ہے، قرآن میں یہ دونوں مسئلے صراحت کے ساتھ موجود ہیں۔

ربیبہ کی حرمت میں ریبہ اور ربیب کی بیٹیوں کی حرمت بھی داخل ہے، تفسیر کشاف میں ہے شہوت کے ساتھ چھونا اور اسی طرح دوسری حرکت ابو حنیفہؒ کے نزدیک قائم مقام دخول (وطی کرنے) کے ہے اور مصنف نے اس کو اپنی تصنیف میں برقرار رکھا ہے۔

وَزَوْجَةُ أَصْلِهِ وَفَرْعِهِ مُطْلَقًا وَلَوْ بَعِيدًا دَخَلَ بِهَا أُولَاوُهَا بِنْتُ زَوْجَةِ أَبِيهِ أَوْ ابْنَةُ فَحْلَالٍ وَ
حَرَمَ الْكُلَّ هَمَّا مَرْتَحِيمَهُ نَسَبًا وَمَصَاهِرَةَ رِضَاعًا إِلَّا مَا اسْتَثْنَى فِي بَابِهِ

باپ دادا کی منکوحہ اصل یعنی باپ دادا نے جن عورتوں سے نکاح کیا وہ حرام ہیں، انھوں نے ان سے جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو ہر دو صورت میں، اسی طرح اپنی اولاد کی بیویاں مطلقاً حرام ہیں، خواہ وہ اولاد اوپر کی ہوں جیسے پوتا اور ناتی، اور ان اولادوں نے اپنی ان عورتوں سے وطی کی ہو، یا نہ کی ہو، یعنی بیٹے اور پوتے کی بیویاں باپ دادا پر حرام ہیں اور اس میں وطی شرط نہیں ہے۔ صرف نکاح صحیح پایا جانا کافی ہے۔

لیکن اپنے باپ کی بیوی یعنی سوتیلی ماں کی لڑکی (جو دوسرے شوہر سے ہو) اور اسی طرح اپنے بیٹے کی بیوی کی لڑکی (جو اس کے دوسرے شوہر سے ہو) حلال ہے، کیونکہ ان دونوں میں خون کا کوئی رشتہ نہیں پایا جاتا ہے۔

دودھ کا رشتہ وہ سارے رشتے جن کی حرمت نسب یا سرالی رشتہ سے بیان کی جا چکی ہیں وہ دودھ کے رشتہ سے بھی حرام ہیں البتہ ان میں وضاحت کی جو صورت مستثنیٰ ہے وہ اس میں داخل نہیں ہے جن کی تفصیل آگے آرہی ہے، دودھ کے رشتہ کو اس شعر میں ادا کیا گیا ہے۔

از جانب شیر دہ ہمہ خویش شوند

و از جانب شیر خوار ز جان و فروع

فروع تقع مغلطة فيقال طلق امرأته تطليقتين ولها منه لبن فاعتدت فنكحت صغيراً فارضعته فحرمت عليه فنكحت آخر فدخل بها فابانها فهل تعود للاول بواحدة ام بثلاث الجواب لا تعود اليه ابداً لصيرورتها حليلاً ابنه رضاعاً شري امة ابيه لم تحل له ان علم انه وطئها تزوج بکراً فوجدھا ثیباً و قالت ابوک فضنی ان صدقھا بانت بلا مهر والا لاشمینی

ایک مسئلہ کی نوعیت ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو مرتبہ طلاق دی، اور اس عورت کو اپنے اس شوہر کی وجہ سے دودھ اتراتھا عورت نے طلاق کے بعد عدت گزار دی اور بعد عدت ایک شیر خوار لڑکے سے نکاح کر لیا اور پھر اسے اپنا دودھ پلایا، اس کی وجہ سے یہ عورت اس لڑکے پر حرام ہو گئی۔ اس عورت نے اس کے بعد دوسرے مرد سے نکاح کیا اور اس مرد نے اس عورت سے بعد نکاح جماع کیا، بعد جماع اس نے اس کو طلاق بائن دیدی۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ عورت پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے؟ اور اس نکاح کے بعد اس پہلے شوہر کو ایک طلاق کا اختیار ہو گا یا تین طلاق کا، چونکہ پہلے وہ دو طلاق دے چکا تھا، اس لیے صرف باقی ماندہ ایک طلاق کا حق رہے گا، یا از سر نو وہ تین طلاق دینے کا اختیار رکھے گا؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ عورت پہلے شوہر سے کبھی نکاح نہیں کر سکتی ہے، کیونکہ یہ عورت اس شوہر کے رضاعی بیٹے کی بیوی ہو گئی اور رضاعی بیٹے کی بیوی سے نکاح جائز نہیں ہے۔

باپ کا موطوہ لونڈی سے وطی جائز نہیں ایک شخص نے اپنے باپ کی لونڈی خریدی، تو اس شخص کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اس لونڈی سے وطی کرے اگر اس کو یہ معلوم ہے کہ اس کا باپ اس سے وطی کر چکا ہے۔

ایک مرد نے ایک باکرہ عورت سے نکاح کیا لیکن بعد نکاح اس عورت کو باکرہ نہیں پایا بلکہ ثیبہ پایا، اس نے عورت سے

پوچھا کہ تیری بکارت کس نے زائل کی، اس نے جواب دیا کہ تیرے باپ نے میری بکارت زائل کی ہے، اگر شوہر نے اس کے اس کہنے کی تصدیق کی تو اس کا نکاح ٹوٹ گیا اور اس کو مہر بھی نہیں ملے گا، مہر نہ ملنے کی وجہ یہ ہے کہ عورت نے یہ بات پہلے کیوں نہ بتادی لیکن اگر شوہر نے عورت کی بات کی تصدیق نہیں کی، تو نکاح نہیں ٹوٹا، اب اس کو اختیار ہے اس کو رکھے یا نہ رکھے۔

وَحَرَمَ اَيْضًا بِالصَّهْرِ اَصْلَ مَزْنِيَّتِهِ اِرَادَ بِالزَّوْنِ الْوُطْأَ الْحَرَامَ وَ اَصْلَ بِمَمْسُوسَتِهِ بِشَهْوَةٍ وَلَوْ اَشْعَرَ عَلَى الرَّأْسِ بِحَائِلٍ لَا يَمْنَعُ الْحَرَارَةَ وَ اَصْلَ مَاسْتِهِ وَ نَاضِرَةً اِلَى ذِكْرِهِ وَالْمَنْظُورُ اِلَى فَرْجِهَا الْمَدُورُ الدَّخْلَ وَلَوْ نَظَرَهُ مِنْ زَجَاجٍ اَوْ مَاءٍ هِيَ فِيهِ وَ فُرُوعُهُنَّ مُطْلَقًا وَالْعَبْرَةُ لِلشَّهْوَةِ عِنْدَ الْمَسِّ وَالنَّظَرِ لَا بَعْدَهُمَا

مزنہ کی ماں اور دادی نانی کی حرمت جس عورت سے زنا کیا ہے اس کی ماں اور دادی نانی مرد پر حرام ہے، مصنف نے یہاں زنا سے ”جماع حرام“ مراد لیا ہے، خواہ اس کی کچھ صورت ہو، اور جس عورت کو شہوت کے ساتھ چھوا ہے اگرچہ اس کے سر کے بالوں کو چھوا ہو، اور درمیان میں ایسا باریک کپڑا بھی حائل ہو جو گرمی کو نہ روکتا ہو، تو بھی اس عورت کی ماں اور دادی نانی حرام ہوگی (البتہ اگر اس قدر موٹا کپڑا ہے جو حرارت گرمی) کو روکتا ہے، حائل رہا ہے تو پھر چھونے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی)

عورت کا شہوت کے ساتھ مرد کو چھونا اس عورت کی اصل (ماں، دادی، نانی) حرام ہیں جس نے مرد کو شہوت کے ساتھ چھو لیا ہو یا مرد کے عضو تناسل کو شہوت سے دیکھ لیا ہو اس عورت کی بھی اصل حرام ہے جس کی اندروالی گول شرمگاہ کو مرد نے شہوت سے دیکھا ہو خواہ شیشہ کے ذریعہ دیکھا ہو، یا اس پانی کے ذریعہ جس میں وہ داخل ہوئی ہے اور ان مذکورہ محرمات کی فروع بھی مطلقاً حرام ہیں، جس طرح ان کے اصول حرام تھے اس حکم میں اصول مادری و پدری اور اسی طرح فروع پدری و مادری دونوں داخل ہیں۔

(لہذا کسی عورت کی شرمگاہ آئینہ میں دیکھی یا عورت کسی حوض پر پانی کے کنارے بیٹھی تھی اور اس کی شرمگاہ پانی میں نظر آگئی یا اس کی ظاہری شرمگاہ دیکھی باطنی نہیں دیکھی تو اس صورت میں اس کے اصول و فروع حرام نہیں ہوں گے)

قابل اعتبار شہوت ان مسائل میں ایسی شہوت کا اعتبار ہے جو چھوتے وقت پائی جائے یا دیکھتے وقت پائی جائے، بعد کی شہوت کا اعتبار نہیں ہوتا، اگر دیکھتے اور چھوتے وقت شہوت پائی گئی ہے تو حرمت ثابت ہوگی ورنہ نہیں۔

وَحَدَّثَا فِيهِمَا تَحْرُكُ آلَتِهِ اَوْ زِيَادَتُهُ بِهٖ يَفْتٰى وَ فِى امْرَاةٍ وَ نَحْوِ شَيْخٍ تَحْرُكُ قَلْبُهُ اَوْ زِيَادَتُهُ وَ فِى الْجَوْهَرَةِ لَا يَشْتَرُطُ فِى النَّظَرِ لِلْفَرْجِ تَحْرِيكُ آلَتِهِ بِهٖ يَفْتٰى هٰذَا اِذَا لَمْ يَنْزِلْ فَلَوْ اَنْزَلَ مَعَ مَسِّ اَوْ نَظَرٍ فَلَا حَرَمَةَ بِهٖ يَفْتٰى ابْنُ كَمَالٍ وَ غَيْرُهُ وَ فِى الْخُلَاصَةِ وَطْئُ اخْتِامِ امْرَأَتِهِ لَا تَحْرُمُ عَلَيْهِ امْرَأَتَهُ لَا تَحْرُمُ الْمَنْظُورُ اِلَى فَرْجِهَا الدَّخْلُ اِذَا رَآهٖ مِنْ امْرَاةٍ اَوْ مَاءٍ لِأَنَّ الْمَرْئِيَّ مِثَالَهُ بِالْاِنْعِكَاسِ لَا هُوَ هٰذَا اِذَا كَانَتْ حَيَّةً مُشْتَهَاةً وَلَوْ مَاضِيًا اَمَّا غَيْرُهَا يَعْنِى الْمَيِّتَةَ وَ صَغِيرَةَ

لم تشته فلا تثبت الحرمة بها اصلا كوطؤ دبر مطلقا و كما لو افضاها لعدم تيقن كونه في الفرج مالم تحبل منه بلا فرق بين زنا ونكاح

شہوت کی مقدار اور چھوتے یاد دیکھتے وقت جس شہوت کا اعتبار ہے اس کی مقدار یہ ہے کہ عضو تناسل میں جنبش پیدا ہو جائے اور وہ حرکت میں آجائے اور اگر پہلے سے تھی، تو چھوتے یاد دیکھتے وقت پہلی شہوت بڑھ جائے اسی پر فتویٰ ہے۔

عورت اور بڑھے مرد جیسوں میں شہوت کی جس مقدار کا اعتبار ہے وہ یہ ہے کہ اس کے دل میں جنبش و حرکت آجائے یا اس موجود جنبش و حرکت میں اضافہ ہو جائے بڑھے جیسوں میں عین (نامرد) بیمار اور مقطوع الذکر وغیرہ بھی داخل ہیں۔ جو ہرہ میں ہے کہ عورت کی شرمگاہ دیکھنے میں عضو تناسل میں جنبش اور حرکت کی کوئی شرط نہیں ہے اور اس پر فتویٰ نقل کیا گیا ہے۔

انزال کی صورت میں چھونے اور دیکھنے سے حرمت اس وقت ثابت ہوگی جب انزال نہ ہو، لیکن اگر چھونے اور دیکھنے کے ساتھ کسی کو انزال ہو گیا اور منی نکل آئی تو پھر چھونے اور دیکھنے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی، ابن کمال وغیرہ نے اسی پر فتویٰ دیا ہے (قاعدہ یہ ہے کہ انزال نہ ہونے کی صورت میں خواہش باقی رہتی ہے، لہذا اس کو قائم مقام جماع کے قرار دیا جائے گا لیکن اگر انزال ہو گیا تو پھر جماع کی خواہش جاتی رہتی ہے لہذا اس کو قائم مقام قرار نہیں دیا جاسکتا ہے)

سالی کے ساتھ وطی کرنا اگر کوئی اپنی بیوی کی بہن سے وطی کرے تو بیوی کی بہن سے یہ وطی اس پر اس کی بیوی کو حرام نہیں کرتی ہے، یعنی سالی سے وطی کرنے سے بیوی حرام نہیں ہوتی ہے گویا حرمت کا تعلق صرف زوجہ کے اصول و فروع سے ہے، دوسروں سے نہیں، البتہ اگر بیوی کی بہن سے وطی بیوی کے شبہ میں ہوئی ہے تو اس کی بہن کے لیے عدت میں بیٹھنا واجب ہے اور جب تک اس کی عدت ختم نہ ہو، بیوی کے ساتھ جماع کرنے سے پرہیز لازم ہے۔ جس عورت کی اندرونی شرمگاہ آئینہ یا پانی میں دیکھی گئی ہے اس کے اصول و فروع حرام نہیں ہوتے ہیں کیونکہ اس صورت میں شرمگاہ کی مثال اور عکس پر نظر پڑتی ہے، خود شرمگاہ نہیں دیکھی جاتی ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تصور اور خیال میں دیکھنے سے بھی حرمت ثابت نہیں ہوتی ہے۔

حرمت کی شرط زنا سے اور چھونے، اور دیکھنے سے حرمت مصاہرت اُس وقت ثابت ہوتی ہے، جب عورت لائق شہوت ہو، اگرچہ وہ گزشتہ زمانہ میں لائق شہوت رہی ہو، اور اب نہیں ہے جیسے بڑھی اور بد شکل، اور اگر عورت مردہ ہو یا نابالغہ نو برس سے کم کی، تو اس کے ساتھ جماع کرنے سے اور چھونے سے اور یا اس کی شرمگاہ کی طرف دیکھنے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی، جیسے عورت اوپر مرد کے ساتھ اغلام سے مطلقاً حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی ہے (اغلام سے حرمت اس وجہ سے ثابت نہیں ہوتی کہ اس میں بچہ کے پیدا ہونے کا کوئی احتمال سرے سے نہیں ہے، حالانکہ حرمت کی علت وہ جماع ہے جس سے بچہ پیدا ہو، اور چھونے کو سبب اس لیے قرار دیا گیا کہ وہ جماع کا سبب ہوتا ہے)

اسی طرح اگر مرد نے ایسی عورت کے ساتھ وطی کی، جس کی شرمگاہ اور مقام پانچخانہ کے درمیان کا پردہ پھٹ چکا ہے اور

دونوں مل کر ایک ہو گیا ہے تو اس کے ساتھ وطی کرنے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ یقین نہیں ہے کہ جماع عورت کی شرمگاہ والے حصہ میں ہی پایا گیا ہوگا، البتہ اگر اس جماع سے عورت حاملہ ہو جائے گی تو حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی کیونکہ یہ علامت ہوگی کہ وطی اس کی شرمگاہ میں ہوئی ہے۔

میت اور نابالغہ کے ساتھ جماع سے حرمت ثابت نہ ہونے میں زنا اور نکاح میں کوئی فرق نہیں ہے، دونوں کا حکم یکساں ہے۔

فلو تزوج صغيرة لا تشتهي فدخل بها فطلقها وانقضت عدتها و تزوجت بآخر جاز
للاول التزوج بنتها لعدم الاشتواء وكذا تشتط الشهوة في الذكر فلو جامع غير مراهق
زوجة ابیه لم تحرم فتح ولا فرق فيما ذكر بين اللمس والنظر بشهوة بين عمد و
نسيان و خطأ واكره فلو ايقظ زوجته او ايقظته هي لجماعها فمست يده بنتها المشتهاة
او يدها ابنه حرمت الام ابداً فتح

○ **نابالغہ بیوی کی لڑکی سے نکاح** ایک مرد نے ایک ایسی نابالغہ لڑکی سے شادی کی جو لائق شہوت نہیں تھی، پھر اس نے اس کے ساتھ جماع کیا اور بعد جماع طلاق دی، طلاق کے بعد اس عورت کی جب عدت پوری گذر چکی تو اس عورت نے بعد عدت (لائق شہوت ہونے کے بعد) کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لیا اب اس صورت میں پہلے شوہر کے لیے یہ جائز ہوگا کہ وہ اس عورت کی بیٹی سے (جو اس کے دوسرے شوہر سے پیدا ہوئی ہے) شادی کر لے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے شوہر سے جب اس کا نکاح ہوا تھا یہ لڑکی شہوت کے قابل نہیں تھی، اور حرمت مصاہرت شہوت کے لائق ہوئے بغیر ثابت نہیں ہوتی ہے، البتہ اس عورت کی ماں اس پر حرام ہوگی، اس لیے کہ بیٹی سے خواہ جس عمر کی ہو نکاح کرنا اس کی ماں کو حرام کر دیتا ہے۔

مرد میں شہوت کا ہونا اسی طرح حرمت مصاہرت ثابت ہونے کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ مرد میں شہوت ہو، لہذا اگر کسی ایسے لڑکے نے جو ابھی قریب البلوغ بھی نہیں تھا باپ کی بیوی سے جماع کر لیا، تو باپ کی بیوی باپ پر حرام نہیں ہوگی، یعنی شہوت کے پائے نہ جانے کی وجہ سے مرنیہ بہو قرار نہیں پائے گی۔

اوپر ذکر کیے ہوئے مسئلوں میں کہ شہوت کے ساتھ چھونے یا دیکھنے میں اس کی کوئی تمیز نہیں ہے کہ اس نے یہ فعل قصداً (جان بوجھ کر) کیا ہو یا اس سے بھول سے ایسا ہو گیا ہو، یا غلطی میں ایسا کر گیا ہو، یا زبردستی کی وجہ سے ہوا ہو، مختصر یہ کہ جس طور پر بھی یہ ہوا ہو، حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی، عمدہ ہو یا بھول سے ہو، غلطی سے ہو یا زبردستی ہو ہر صورت کا حکم ایک ہے۔

حرمت کا ایک مسئلہ کسی مرد نے وطی کے لیے اپنی بیوی کو جگایا عورت نے شوہر کو جگایا، اسی حالت میں مرد کا ہاتھ بیوی کی جوان لڑکی کو لگ گیا۔ وہ لڑکی خواہ اس مرد سے ہو یا دوسرے مرد سے، یا عورت کا ہاتھ اسی حالت میں شوہر کے جوان بیٹے کے اوپر پڑ گیا خواہ وہ اس مرد سے ہو یا دوسرے مرد سے، تو ماں ہمیشہ کے لیے اس پر حرام ہو جائے گی۔ اس لیے کہ چھونا شہوت کے ساتھ پایا گیا غلطی سے ہوا ہے۔

قبل ام امراته فی ای موضع کان علی الصحيح جوهره حرمت علیہ امراته مالم یظهر
عدم الشهوة ولو علی الفم كما فهمه فی الذخيرة وفي المس لا تحرم مالم تعلم الشهوة
لان الاصل فی التقبيل الشهوة بخلاف المس والمعانقة كالتقبيل وكذا القرص والعض
بشهوة ولولا جنبة و تكفی الشهوة من احدهما ومراهق و مجنون و سکران کبالغ بزازیة و
فی القنیة قبل السکران بنته تحرم امها

بیوی کی ماں کا بوسہ لینا کسی نے اپنی بیوی کی ماں کا بوسہ لے لیا خواہ کسی بھی حصہ کا لیا اس صورت میں اس پر اس کی
بیوی حرام ہو جائے گی جب تک یہ ظاہر نہ ہو کہ شہوت نہیں تھی، گو بوسہ منہ کا ہی کیوں نہ
لیا ہو کذا فی الذخيرة۔

شہوت کا شرط ہونا خوشدامن (ساس) کو چھونے سے بیوی اُس وقت حرام ہوتی ہے، جب شہوت کا یقین ہو، جب
تک شہوت کا یقین نہ ہو گا حرمت ثابت نہیں ہوگی، اس لیے کہ بوسہ لینے میں اصل شہوت ہے
اور یہ مسلم ہے کہ بوسہ شہوت سے عموماً خالی نہیں ہوتا ہے، البتہ چھونے میں شہوت کا پایا جانا ضروری نہیں ہے اس لیے اس میں
شہوت کی شرط لگائی گئی ہے۔

معانقہ (گلے ملنا) بوسہ کے درجہ میں ہے یعنی اس میں بھی دراصل شہوت پائی جاتی ہے لہذا اس سے بھی حرمت ثابت
ہوگی جب تک اس کا یقین نہ ہو جائے کہ شہوت نہیں پائی جاتی تھی، یہی حکم شہوت کے ساتھ چٹکی لینے اور دانت کاٹنے کا ہے،
اس سے بھی حرمت ثابت ہوگی۔ گوا جنبی عورت کا بوسہ لیا ہو یا اس کے ساتھ معانقہ ہو یا شہوت سے اس کی چٹکی لی ہو یا دانت کاٹا
ہو، ان صورتوں میں دونوں (مرد عورت) میں سے کسی ایک میں بھی شہوت کا پایا جانا شہوت حرمت کے لیے کافی ہے دونوں میں
شہوت کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔ ان مسائل میں قریب البلوغ، پاگل، اور مست یہ سب بالغ کے حکم میں ہیں۔

جوان لڑکی کا بوسہ قیہ میں ہے کہ کسی مست نے اپنی جوان لڑکی کا بوسہ لیا تو اس پر اس لڑکی کی ماں حرام ہو جائے گی۔

وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النکاح حتى لا یحل لها التزوج بآخر الا بعد المتساركة
وانقضاء العدة والوطؤ بها لا یكون زنا و فی الخانیة ان النظر الی فرج ابنته بشهوة یوجب
حرمة امراته وكذا لو فرغت فدخلت فراش ایها عریانة فانتشر لها ابوها تحرم علیہ امها
وبنت سنھا دون تسع لیست بمشتهاة به یفتی وان ادعت الشهوة فی تقبيله او تقبيلها
ابنه وانكرها الرجل فهو مصدق لاهی الا ان یقوم ایها منتشرا آله فیعانقها لقرينة
كذبه او یأخذ ثدیها او یركب معها او یمسها علی الفرج او یقبلها علی الفم قاله
الحدادی و فی الفتح یتراءى الحاق الخدین بالفم و فی الخلاصة قبل له ما فعلت بأم

امراتك فقال جامعتهما تثبت الحرمة ولا يصدق انه كذب ولو هازلا

حرمیت مصاہرت سے نکاح پر اثر حرمیت مصاہرت سے نکاح ٹوٹتا نہیں ہے چنانچہ عورت کے لیے دوسرے مرد سے نکاح اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک وہ مرد اس کو چھوڑ نہ دے اور اس کی عدت گزر نہ جائے۔ چنانچہ اس حرمیت مصاہرت کے زمانہ میں وطی کرنا زنا قرار نہیں پائے گا یعنی اگر شوہر بیوی کو چھوڑنے سے پہلے اس کے ساتھ وطی کر لے گا تو اس پر زنا کی حد جاری کرنا واجب نہیں ہوگی۔

شہوت سے شرمگاہ دیکھا اپنی لڑکی کی شرمگاہ کو شہوت کے ساتھ دیکھنا اس کی بیوی کو اس پر حرام کر دیتا ہے، لڑکی کو فزودہ ہوئی اور اسی خوف کی حالت میں تنگی ہو کر اپنے باپ کے بستر میں داخل ہو گئی۔ اس کے آجانے کی وجہ سے باپ میں شہوت پیدا ہو گئی تو اس صورت میں اس بیٹی کی ماں اس باپ پر حرام ہو جائے گی۔ بشرطیکہ اس کے باپ نے اس لڑکی کو چھوا ہو، اور اگر اس نے اس کو مس نہیں کیا تو حرام نہیں ہوگی۔

جس بچی کی عمر نو سال سے کم ہو، وہ مشہاتہ (لاق شہوت) قرار نہیں پاتی ہے فتویٰ اسی قول پر ہے (موٹی دہلی ہونے کا کوئی فرق نہیں)

بیوی کا دعویٰ اگر بیوی نے دعویٰ کیا کہ اس کے شوہر نے اس کی ماں یا بیٹی کا شہوت کے ساتھ بوسہ لیا ہے یا یہ دعویٰ کیا کہ خود اس نے شوہر کے اصول و فروع میں سے کسی کا شہوت کے ساتھ بوسہ لیا ہے لیکن شوہر شہوت کا انکار کرتا ہے اس صورت میں تصدیق شوہر کے قول کی ہوگی نہ کہ عورت کے قول کی، گویا حرمیت مصاہرت بغیر شوہر کی تصدیق کے ثابت نہیں ہوگی، البتہ اس وقت شوہر کی بات قابل تسلیم نہیں ہوگی جب شوہر اس حال میں بیوی کی لڑکی کی طرف کھڑا ہوا ہو کہ اس کا عضو تناسل استادہ ہو اور جا کر اس سے لپٹ گیا ہو اس صورت میں اس کے جھوٹے ہونے کا قرینہ موجود ہے، یا مرد عورت کی چھاتی پکڑ لے یا اس کے ساتھ سوار ہو، یا اس کی شرمگاہ کو چھوئے یا اس کے منہ کا بوسہ لے ان تمام صورتوں میں شوہر کا یہ کہنا کہ شہوت نہیں تھی قابل تسلیم نہیں ہوگا، اور حرمیت مصاہرت ثابت ہو جائے گی۔

رخساروں اور لبوں کا بوسہ فتح القدیر میں یہ ہے کہ رخساروں کا بوسہ لینا لبوں کا بوسہ لینے کے حکم میں ہے، یعنی دونوں کا حکم ایک ہے۔

خلاصہ میں ہے کہ کسی نے مرد سے کہا کہ تو نے اپنی خوش دامن (ساس) کے ساتھ کیا کیا، اس کے جواب میں اس نے کہا کہ میں نے اس کے ساتھ جماع کیا، اس کہنے سے حرمیت ثابت ہو جائے گی اور اس کے جھوٹے ہونے کو مانا نہیں جائے گا اگرچہ اس نے یہ مذاق اور دل لگی سے ہی کیوں نہ کہا ہو۔

وتقبل الشهادة على الاقرار باللمس والتقبيل عن شهوة وكذا تقبل على نفس اللمس والتقبيل والنظر الى ذكره او فرجها عن شهوة في المختار تجنيس لان الشهوة مما يوقف عليها في الجملة بانتشار او آثار و حرم الجمع بين المحارم نكاحا اى عقدا صحيحا وعدة ولو من طلاق بائن و حرم الجمع وطا بملك يمين بين امرأتين ايتهما فرضت

ذکرا لم تحل للآخری ابدأ الحدیث مسلم لا تنکح المرأة علی عمتها و هو مشهور
یصلح مخصصا للکتاب فجاز الجمع بین امرأة و بنت زوجها او امرأة ابنها و امة ثم
سیدتها لانه لو فرضت المرأة او امرأة الابن او السيدة ذکرا لم یحرم بخلاف عکسه

گواہی قبول کب ہوگی شہوت کے ساتھ چھونے اور بوسہ لینے کے اقرار پر گواہی قبول کی جائے گی یعنی مرد نے
گواہوں کے سامنے یہ اقرار کیا کہ اس نے بیوی کی بیٹی کا شہوت کے ساتھ بوسہ لیا ہے یا اس
کو چھوا ہے اور بیوی کے دعویٰ کرنے پر شوہر انکار کر دے تو اس صورت میں اس کے سنے ہوئے اقرار کی گواہی معتبر ہوگی اور
بیوی شوہر پر حرام ہو جائے گی۔

اسی طرح وہ گواہی بھی قبول کی جائے گی جب اس عورت نے اقرار کیا ہو کہ شہوت کے ساتھ اس نے مرد کو چھوا ہے یا
اس کا بوسہ لیا ہے یا اس مرد کے عضو تناسل کی طرف دیکھا ہے یا مرد نے اس عورت کی شرمگاہ دیکھی ہے مذہب مختار یہی ہے
کیونکہ شہوت ایسی چیز ہے جس پر فی الجملہ اطلاع ہو سکتی ہے تناسل کی استادگی اور اس کے آثار کے ذریعہ۔

دو محرم عورتوں کا جمع کرنا کئی محرم عورتوں کا ایک نکاح صحیح میں جمع کرنا حرام ہے جیسے دو بہنوں کا نکاح میں جمع کرنا
یا خالہ اور بھانجی کا یا پھوپھی اور بھتیجی کا یہ سب ہوں یا رضاعی جائز نہیں، بلکہ حرام ہے (نکاح
کی قید لگا کر اشارہ کیا ہے کہ اگر کسی نے ایک بہن سے نکاح فاسد کیا پھر اس کی دوسری بہن سے نکاح صحیح کیا تو یہ درست ہے،
کیونکہ نکاح فاسد میں وطی کرنا حلال نہیں ہے۔)

اسی طرح محرم عورتوں کا عدت میں جمع کرنا بھی حلال نہیں ہے گو وہ طلاق بائن کی عدت ہو یعنی جب عورت کو طلاق
رجعی یا بائن دی گئی تو جب تک اس کی عدت پوری نہ ہو جائے اس وقت تک اس کی بہن یا خالہ یا پھوپھی سے نکاح نہیں کر سکتے ہیں،
اگر نکاح کرے گا تو جائز نہیں ہوگا حرام ہوگا۔

محرم کا وطی میں بواسطہ ملک یمین جمع کرنا بھی حرام ہے یعنی جب کوئی لونڈی تصرف میں آئی تو اس کی بہن یا اس کی خالہ یا
پھوپھی کو تصرف میں نہیں لاسکتے ہیں، کیونکہ یہ درست نہیں ہے۔

جمع کی حرمت کا قاعدہ نکاح، عدت اور بواسطہ ملک یمین وطی میں ان دو عورتوں کا جمع کرنا حرام ہے کہ ان دو میں
سے جس کو مرد فرض کریں اس کے لیے دوسری کبھی حلال نہ ہو جیسے عورت اور اس کی
پھوپھی ان دو میں سے اگر عورت کو مرد فرض کر لے تو پھوپھی کے ساتھ اس کا نکاح درست نہیں ہوگا اور اگر پھوپھی کو مرد فرض
کر لیں تو اس کا نکاح بھتیجی سے جائز نہیں ہوگا۔

مسلم شریف کی حدیث میں صراحت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ عورت کا نکاح اس کی پھوپھی پر نہ کیا جائے اور یہ
حدیث مشہور ہے اور حدیث مشہور سے کتاب اللہ کی تخصیص ہو جاتی ہے یعنی اگرچہ قرآن میں صرف جمع بین الاختین دو بہنوں
کا جمع کرنا حرام بتلایا گیا ہے پھوپھی بھتیجی کا جمع کرنا بیان نہیں کیا گیا ہے، بلکہ فرمایا گیا ہے وأحلّ لکم ما وراء ذالکم حدیث مشہور
سے اصل حکم ما وراء ذالکم میں تخصیص درست ہے۔ اور بھی حدیثیں ہیں جن میں عورت اور اس کی پھوپھی کو جمع کرنے کی
حرمت صراحت کے ساتھ موجود ہے۔

جہاں جمع اس طرح ہو کہ ان دو میں سے جس کسی کو مرد پر فرض کر دیا جائے تو اس کا نکاح دوسرے سے ناجائز نہ ہو تو ایسی دو عورتوں کا جمع کرنا درست ہوگا چنانچہ فقہاء صراحت کرتے ہیں کہ عورت اور اس کے شوہر کی بیٹی کو ایک ساتھ جمع کرنا درست ہے۔

اسی طرح یہ بھی درست ہے کہ عورت اور اس کے بیٹے کی بیوی کے درمیان جمع کرے اور لونڈی اور اس کے مالک کی بیوی کو جمع کیا جائے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر عورت اور اس کے شوہر کی بیٹی کو یا عورت اور اس کے بیٹے کی بیوی میں سے ایک کو مرد فرض کیجیے تو اس کا نکاح دوسرے سے جائز ہوگا۔ حرام نہیں ہوگا۔ البتہ اس کے برعکس میں حرمت ہوگی یعنی ایک طرف سے بہر حال حرمت نہیں ہوگی۔

وان تزوج بنکاح صحیح اخت امة قد وطنها صح النکاح لکن لا یطأ واحدة منهما حتی یحرم حل استمتاع احدیها علیہ بسبب ما لان للعقد حکم الوطی حتی لونکح مشرقی مغربیة یثبت اولادها منه لثبوت الوطی حکما ولو لم یکن وطی الامة له وطأ المنکوحة ودواعی الوطی کالوطی

لونڈی کی بہن سے نکاح اپنی جس لونڈی سے صحبت کر چکا تھا اگر اس کی بہن سے صحیح نکاح کیا تو یہ نکاح صحیح ہوگا لیکن اس نکاح کے بعد ان دونوں بہنوں میں سے کسی سے بھی اس وقت تک وطی نہیں کر سکتا ہے جب تک ان میں سے کسی ایک کی وطی حلال کو کسی طرح اپنے اوپر حرام نہ کر لے، اگر منکوحہ کو رکھنا ہو تو لونڈی سے وطی ہر گز نہ کرے اور اگر لونڈی سے وطی کرنا ہو تو پھر منکوحہ کو غلیحہ کر دے۔

وطی صرف ایک سے ان دونوں بہنوں میں سے ایک کا حرام کرنا اس وجہ سے ضروری ہے کہ نکاح جماع کے حکم میں ہے یہاں تک کہ اگر کوئی مشرق میں رہنے والا، مغرب میں رہنے والی عورت سے نکاح کر لے تو (گو دونوں میاں بیوی اتنے فاصلہ پر الگ الگ ہیں لیکن) اس عورت کی اولاد کا نسب مشرق میں رہنے والے شوہر سے ثابت ہوگا اور یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ نکاح وطی کے حکم میں ہے لہذا نکاح کی وجہ سے حکماء وطی تسلیم ہوگی (اور کہا جائے گا کہ بطور کراہت اتنی لمبی مسافت طے ہو سکتی ہے اور دونوں مل سکتے ہیں)

اور اگر لونڈی کی بہن سے شادی کرنے والے نے لونڈی سے وطی نہیں کی ہے تو اس کے لیے اس منکوحہ سے وطی کرنا درست ہوگا اس لیے کہ مملوک ہونا وطی کے حکم میں نہیں ہے۔

دواعی وطی بحکم وطی حرمت کے باب میں وطی کے دواعی اور اس کے اسباب بھی وطی کے حکم میں ہوتے ہیں چنانچہ اگر اس نے اپنی لونڈی سے مثلاً وطی نہ کی ہو مگر شہوت سے اس کا بوسہ لیا ہو یا شہوت کے ساتھ اس کو چھوا ہو تو یہ بھی وطی کے حکم میں شمار ہوگا اور منکوحہ سے اس وقت تک وطی نہ کر سکے گا جب تک اس کی وطی کو اپنے اوپر حرام نہ کرے۔

ابن کمال وان تزوجهما معا ای الاختین او من بمعناهما او بعقدتین ونسی النکاح الاول

فَرَقَ الْقَاضِي بَيْنَهُ وَ بَيْنَهُمَا وَيَكُونُ طَلَاقًا وَلَهُمَا نِصْفُ الْمَهْرِ يَعْنِي فِي مَسْئَلَةِ النِّسْيَانِ إِذَا الْحَكَمَ فِي تَزْوِجِهِمَا مَعَ الْبَطْلَانِ وَ عَدَمِ وَجُوبِ الْمَهْرِ إِلَّا بِالْوَطْئِ كَمَا فِي عَامَةِ الْكُتُبِ فَتَبَهُ وَ هَذَا إِنْ كَانَ مَهْرًا هُمَا مُتَسَاوَيْنِ قَدْرًا وَ جُنْسًا وَهُوَ مَسْمُومٌ فِي الْعَقْدِ وَ كَانَتْ الْفَرْقَةُ قَبْلَ الدَّخُولِ وَادْعَى كُلُّ مِنْهُمَا أَنَّهَا الْأُولَى وَلَا بَيْنَهُ لِهَمَا فَإِنْ اخْتَلَفَ مَهْرَاهُمَا فَإِنْ عَلِمَا فَلَكَ رُبْعُ مَهْرَهَا وَإِلَّا فَلِكُلِّ نِصْفُ أَقْلِ الْمُسْلِمِينَ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَسْمُومٌ فَالْوَجِبُ مَتْعَةٌ وَاحِدَةٌ لِهَمَا بِدَلِّ نِصْفِ الْمَهْرِ وَإِنْ كَانَتْ الْفَرْقَةُ بَعْدَ الدَّخُولِ وَجِبَ لِكُلِّ وَاحِدَةٍ مَهْرٌ كَامِلٌ لِتَقَرُّرِهِ بِالدَّخُولِ وَمِنْهُ يَعْلَمُ حُكْمُ دَخُولِهِ بِوَاحِدَةٍ وَكَذَا الْحُكْمُ فِيمَا جُمِعَ لِهَمَا مِنْ الْمَحَارِمِ فِي نِكَاحٍ

اگر کسی نے دو سگی بہنوں یا ایسی دو عورتوں سے جن کا جمع کرنا حرام ہے ساتھ ساتھ ایک ایجاب و قبول سے نکاح کیا۔ یا دونوں کا ایجاب و قبول الگ الگ مجلس میں کیا اور پہلا نکاح فراموش کر گیا تو اس نکاح کرنے والے مرد اور ان دونوں عورتوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور یہ تفریق طلاق کے حکم میں ہوگی، اور ان دونوں محارم عورتوں کو آدھا آدھا مہر ملے گا جب وہ پہلا نکاح بھول گیا تھا اور اس حالت میں دوسرا نکاح کیا، اور اگر ساتھ ساتھ کیا یا یاد رہتے ہوئے کیا تو ساتھ ساتھ کرنے سے دونوں نکاح باطل ہو گئے، لہذا مہر کے واجب ہونے کا سوال نہیں۔ اگر یکے بعد دیگرے نکاح کیا تو یاد ہونے کی صورت میں دوسرا نکاح باطل ہوا، لہذا اس کا مہر واجب نہیں ہوگا۔ لیکن اگر وطی کر لے گا تو البتہ مہر واجب ہوگا۔ چنانچہ یہ مسئلہ تمام کتب فقہ میں صراحت کے ساتھ موجود ہے۔

مہر کی بحث نصف مہر کا وجوب اُس وقت ہے جب دونوں کا مہر تعداد میں برابر برابر ہو، اور ایک جنس کے ہوں اور بوقت نکاح متعین ہو چکے ہوں، اور جدائی خلوت صحیحہ سے پہلے ہوئی ہو، یا یہ کہ دونوں بیویوں سے ہر ایک دعوئی کرے کہ میرا نکاح پہلے ہوا، اور ان میں سے کسی کے گواہ نہ ہوں۔

لہذا اگر ان دو بیویوں کے مہر مختلف ہوں اور دونوں معلوم ہوں کہ فلاں کا اتنا ہے اور فلاں کا اتنا، تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو اس مہر کا چوتھائی ملے گا، اور اگر ہر ایک کا مہر معلوم نہ ہو، تو اس صورت میں ہر ایک کو دونوں مہروں میں جو کمتر ہو اس کا آدھا آدھا ملے گا۔ اور اگر مہر سرے سے متعین نہ ہوا ہو، تو واجب یہ ہے کہ دونوں کو نصف مہر کے بدلے تین متعہ یعنی تین کپڑے دیئے جائیں، قمیص، دوپٹہ اور چادر۔

اور اگر جدائی خلوت صحیحہ کے بعد ہوئی ہے، تو دونوں میں سے ہر ایک کو پورا پورا مہر دینا واجب ہوگا کیونکہ خلوت صحیحہ کے بعد مہر موکد ہو جاتا ہے، اور اگر ان دونوں میں سے ایک سے خلوت صحیحہ ہوئی ہے تو اس کا حکم بھی معلوم ہو گیا کہ جس کے ساتھ خلوت صحیحہ ہوئی ہوگی اس کو پورا مہر ملے گا اور جس کے ساتھ نہیں ہوئی ہے اس کو چوتھائی مہر ملے گا۔ جو حکم دو بہنوں کو جمع کرنے کا ہے ویسا ہی حکم ان محارم عورتوں کا ہے جن کو ایک نکاح میں جمع کر لیا گیا ہے۔

وَحَرَمَ نِكَاحَ الْمَوْلَى أَمَتِهِ وَالْعَبْدِ سَيِّدَتَهُ لَانَ الْمَمْلُوكِيَّةُ تَنَافَى الْمَالِكِيَّةُ نَعَمْ لَوْ فَعَلَهُ الْمَوْلَى احْتِيَاظًا كَانَ حَسَنًا وَفِيهِ مَا لَا يَخْفَى فِي عَدَمِ عِدْهَا خَامِسَةً وَنَحْوَهُ عَدَمُ الْإِحْتِيَاظِ وَحَرَمَ نِكَاحَ الْوَثْنِيَّةِ بِالْأَجْمَاعِ وَصَحَّ نِكَاحُ كِتَابِيَّةٍ وَ إِنْ كَرِهَ تَنْزِيهَا مُؤَمَّنَةٌ بَنِي مُرْسَلٍ مَقْرَأَةٌ بِكِتَابٍ مَنْزِلٍ وَ إِنْ اعْتَقَدَ وَالْمَسِيحُ آلِهًا وَكَذَا حَلَّ ذُبِيحَتَهُمْ عَلَى الْمَذْهَبِ بِحَرِّ وَ فِي النَّهْرِ تَجُوزُ مَنَاحِكَةُ الْمُعْتَزَلَةِ لِأَنَّا لَا نَكْفُرُ أَحَدًا مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ وَ إِنْ وَقَعَ الزَّامَا لَهُمْ فِي الْمُبَاحِثِ

اپنی لونڈی اور اپنی آقا عورت سے نکاح کی حرمت مالک کا اپنی لونڈی سے نکاح کرنا حرام ہے کیونکہ دو ملکیت جمع نہیں ہوا کرتی ہیں،

حرمت سے مراد یہاں یہ ہے کہ مولیٰ پر نکاح کے احکام جیسے مہر، طلاق وغیرہ لازم نہیں ہوں گے، یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ لائق عذاب قرار پائے گا۔ اسی طرح غلام کے لیے اپنی آقا عورت سے نکاح کرنا حرام ہے، اس وجہ سے کہ مملوک ہونا مالک بننے کے خلاف ہے، غلام مملوک ہے لہذا اس کے لیے مغلوب و محکوم ہونا لازم ہے اور جب غلام شوہر بن جائیگا تو قاعدہ میں بحیثیت شوہر بیوی پر غالب ہوگا تو ایک ہی شخص غالب و مغلوب دونوں کیسے ہو سکتا ہے؟

البتہ مولیٰ اگر بطور احتیاط اپنی لونڈی سے نکاح کر لے گا تو یہ بہتر ہوگا اس لیے کہ ہو سکتا ہے وہ لونڈی شاید آزاد ہو، کبھی ایسا دھوکہ بھی سامنے آتا ہے اس لونڈی کو پانچویں یا اس کے مثل شمار کرنے میں کوئی احتیاط نہیں ہے (صحیح یہ ہے کہ اگر متیقن طور پر لونڈی ہی ہے تو نکاح کی قطعاً ضرورت نہیں ہے اور اگر آزاد ہے تو پھر اس کو لونڈی کے طور پر رکھنا جائز نہیں ہے)

بت پرست عورت سے نکاح کی حرمت بت پرست عورت سے نکاح متفقہ طور پر حرام ہے، فتح القدیر میں ہے کہ سورج کی پوجا، ستاروں کی پوجا یا مورت کی پوجا اسی طرح فرقہ معتزلہ، ملحد، باطنیہ، اباحیہ سب بت پرست میں داخل ہیں، دوسری کتابوں میں ہے کہ جس عقیدہ پر کفر کا فتویٰ لگتا ہو، اس مذہب والی عورت سے نکاح درست نہیں ہے، ان سب پر مشرک کا اطلاق ہوتا ہے۔

اہل کتاب عورت سے نکاح اہل کتاب عورت سے نکاح درست ہے گو مکروہ تنزیہی ہے، فتح القدیر میں ہے کہ کتابیہ عورت سے نکاح جائز ہے مگر بہتر یہ ہے کہ اس سے نکاح نہ کیا جائے اور کتابیہ جو دار الحرب میں رہتی ہے اس سے نکاح مکروہ ہے، تاکہ اس کی وجہ سے مسلمان کے دار الحرب میں رہنے کا سلسلہ نہ ہو سکے، دوسرے اہل کفر کی صحبت اولاد کے اخلاق و اعمال کے لیے مضر اور موجب فساد ہے۔

کتابیہ سے وہ عورت مراد ہے جو کسی نبی مرسل (بھیجے ہوئے) پر ایمان رکھتی ہو اور اسانی کتاب کا اقرار کرتی ہو، جیسے یہود و نصاریٰ، اگرچہ اہل کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود جانتے ہوں، یعنی اس اعتقاد سے گو وہ مشرک ہو جائیں گے مگر اہل کتاب باقی رہیں گے۔

اہل کتاب کا ذبیحہ جیسے کتابیہ سے نکاح درست ہے ایسے ہی اہل کتاب کا ذبیحہ بھی جائز ہے یعنی جس حلال جانور کو اہل کتاب نے ذبح کیا ہو اس کا گوشت کھانا جائز ہوگا قوی مذہب اس باب میں یہی ہے۔

معتزلہ عورت سے نکاح نحر الفائق میں صراحت کی ہے کہ معتزلہ سے بیاہ شادی کرنا جائز ہے، کیونکہ ہم اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ اہل قبلہ میں کسی کی ہم تکفیر نہیں کرتے اگرچہ اختلافی مباحث میں بطور الزام ان کی تکفیر ہو گئی ہے۔

فرقہ معتزلہ معتزلہ اسلام میں ایک فرقہ ہے جو قرآن پاک کو مخلوق کہتا ہے، اور قیامت میں دیدار الہی کا منکر ہے، اور بندے کو اپنے افعال کا خالق مانتا ہے۔ اور اسی طرح کچھ اور اختلافات معتزلی عقائد میں رکھتے ہیں خیر الدین رملی نے لکھا ہے کہ رافضیوں اور معتزلیوں کے فرقے اہل کتاب میں داخل ہیں، اس بنیاد پر سنی مسلمان عورت کا نکاح کسی رافضی اور معتزلی سے درست نہیں ہوگا اس وجہ سے کہ عورت مسلمان ہوئی اور مرد اہل کتاب (کافر) اور اہل کتاب مرد سے مسلمان عورت کا نکاح سرے سے درست نہیں البتہ ان کی عورتوں سے نکاح کرنا اہل سنت کے لیے درست ہے۔

لَا يَصَحُّ نِكَاحُ عَابِدَةٍ كَوْكَبٍ لَا كِتَابٍ لَهَا وَلَا وَطْئَهَا بِمَلِكٍ يَمِينٍ وَالْمَجُوسِيَّةِ وَالْوَثْنِيَّةِ هَذَا سَاقِطٌ مِنْ نَسْخِ الشَّرْحِ ثَابِتٌ فِي نَسْخِ الْمَتْنِ وَهُوَ عَطْفٌ عَلَى عَابِدَةٍ كَوْكَبٍ وَقَوْلِهِ وَالْمُحَرَّمَةُ بِحُجٍّ أَوْ عَمْرَةٍ وَلَوْ بِمُحَرَّمٍ عَطْفٌ عَلَى كِتَابِيَّةٍ فَتَبَةِ وَالْأَمَةِ وَلَوْ كَانَتْ كِتَابِيَّةً أَوْ مَعَ طَوْلِ الْحُرَّةِ الْأَصْلِ عِنْدَنَا أَنْ كُلَّ وَطْئٍ يَحِلُّ بِمَلِكٍ يَمِينٍ يَحِلُّ بِنِكَاحٍ وَمَالًا فَلَا وَإِنْ كَرِهَ تَحْرِيمًا فِي الْمَحَرَّمَةِ وَتَنْزِيهَا فِي الْأَمَةِ وَحُرَّةٍ عَلَى أَمَةٍ لَا يَصَحُّ عَكْسُهُ وَلَوْ أُمٌّ وَلَدَفِي عِدَّةٍ حُرَّةٍ وَلَوْ مِنْ بَائِنٍ وَصَحَّ لَوْ رَاجِعَهَا أَى الْأَمَةِ عَلَى حُرَّةٍ لِبَقَاءِ الْمَلِكِ

ایسی ستارہ پرست عورت سے نکاح جائز نہیں ہے جس کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں ہے، فرقہ صابیہ کے اہل کتاب ہونے میں شبہ ہے، صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ صابیہ عورت سے نکاح جائز ہے، اگر وہ کسی نبی اور کسی آسمانی کتاب پر ایمان رکھتی ہو، اور اگر وہ ستارہ پرست ہوں اور کسی آسمانی کتاب پر ایمان نہ رکھتی ہوں تو نکاح جائز نہیں ہوگا۔ اور نہ بذریعہ ملک یمین اس سے وطی درست ہے۔

آگ کے پجاری سے نکاح آتش پرست سے بھی نکاح صحیح نہیں اور نہ اس سے بملک یمین وطی جائز ہے اس پر تمام ائمہ اربعہ کا اجماع ہے، اور نہ بت پرست عورت سے نکاح صحیح ہے یہاں بتایا گیا ہے کہ نکاح صحیح نہیں ہے اور اس سے پہلے کہا کہ حلال نہیں ہے، کیونکہ صحیح نہ ہونے سے حلال نہ ہونا لازم نہیں آتا ہے۔

حالت احرام میں نکاح جس عورت نے حج یا عمرہ کا احرام باندھ رکھا ہے اس کا نکاح درست ہے گو اس شخص کے ساتھ ہو جس نے خود بھی حج یا عمرہ کا احرام باندھ رکھا ہو اگرچہ بعض لوگوں نے اس نکاح کو مکروہ تحریمی کہا ہے جو صحیح نہیں ہے کیونکہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حالت احرام میں حضرت میمونہؓ سے نکاح کیا۔

لونڈی کے ساتھ نکاح غیر کی لونڈی سے نکاح کرنا درست ہے، گو وہ کتابیہ ہو، اور اگرچہ وہ مرد آزاد عورت سے نکاح کرنے کی استطاعت رکھتا ہو، احناف کا اس باب میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ملک یمین کے ذریعہ جو وہی حال ہے، وہ بذریعہ نکاح بھی حلال ہے، اور جو وطی ملک یمین سے حلال نہیں ہے وہ نکاح سے بھی حلال نہیں۔ تو

چونکہ لونڈی سے بذریعہ خریداری وطی حلال ہے، لہذا اگر کوئی نکاح کر کے وطی کرے وہ بھی حلال ہوگی، گو لونڈی سے نکاح کرنا مکروہ تنزیہی کہا گیا ہے۔

اگر کوئی پہلے لونڈی سے نکاح کر چکا ہے، اس کے بعد آزاد عورت سے نکاح کرے تو یہ بھی درست ہے، البتہ اس کے برعکس صورت درست نہیں ہے یعنی اگر کوئی آزاد عورت سے نکاح کر چکا ہے اور بیوی موجود ہے تو اس کے رہتے ہوئے لونڈی سے نکاح کرنا درست نہیں ہے۔

لونڈی کے نکاح میں ہوتے ہوئے آزاد عورت سے نکاح اور اسکے برعکس

طہرانی میں حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے آزاد عورت کے ہوتے ہوئے لونڈی سے نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے۔ آزاد عورت طلاق بائن کی وجہ سے عدت میں ہو، اور ابھی عدت ختم نہیں ہوئی کہ کسی نے ام ولد (لونڈی) سے نکاح کیا تو یہ نکاح درست نہیں ہے۔

اگر کسی نے پہلے لونڈی سے نکاح کیا پھر آزاد عورت سے نکاح کیا۔ اس کے بعد لونڈی کو طلاق رجعی دی اور آزاد عورت کے عقد میں ہوتے ہوئے اس مطلقہ لونڈی سے رجعت کی تو یہ رجعت درست ہے، کیونکہ طلاق رجعی دینے سے لونڈی نکاح سے باہر نہیں ہوئی بلکہ وہ ابھی تاراجعت ملکیت نکاح میں باقی ہے لہذا یہ نہیں کہا جائے گا کہ آزاد عورت پر لونڈی سے نکاح ہوا۔

ایک صورت کا جواز

ولو تزوج اربعا من الاماء و خمساً من الحرائر فی عقد واحد صح نکاح الاماء لبطلان الخمس و صح نکاح اربع من الحرائر والاماء فقط للحر لا اکثر وله التسری بما شاء من الاماء فلو له اربع والف سرية واراد شراء اخرى فلامه رجل خيف عليه الکفر ولو اراد فقالت له امراته اقتل نفسي لا يمتنع لانه مشروع لكن لو ترك لثلاً یغمها یوجر لحديث من رق لامتی رق الله له بزازية

اگر کسی نے چار لونڈی اور پانچ آزاد عورت سے ایک عقد میں نکاح کیا تو لونڈیوں سے نکاح درست ہوگا کیونکہ پانچ آزاد عورت سے نکاح باطل قرار پائے گا۔

لونڈی اور آزاد عورت سے ایک ساتھ نکاح

آزاد مرد کے لیے درست ہے کہ وہ صرف چار آزاد عورت سے نکاح کرے یا صرف چار لونڈیوں سے، کیونکہ بیک وقت چار عورت سے زیادہ کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے، البتہ آزاد مرد کے لیے جائز ہے کہ وہ جس قدر لونڈی چاہے رکھ سکتا ہے لونڈیوں کو لونڈی کی حیثیت سے رکھنے میں کوئی تعداد مقدار متعین نہیں ہے۔

بیک وقت کتنی عورتیں رکھ سکتا ہے

اگر کسی شخص کی چار بیویاں ہوں اور ہزار لونڈیاں اور اس کے بعد بھی وہ کوئی لونڈی خریدنا چاہے، اور اس پر اس کو کوئی ملامت کرے تو ملامت کرنے والے پر کفر کا خوف

زیادہ لونڈیوں پر اعتراض

ہے، کیونکہ جب لونڈیوں کی تعداد محدود نہیں اور وہ ایک جائز فعل کرنا چاہتا ہے تو اعتراض بظاہر یہ بتاتا ہے کہ اس کو قرآن کے جواز پر شک ہے پس معلوم ہوا کہ اگر اعتراض جواز پر شک کے طور پر ہو تو خوف کفر ہے ورنہ نہیں۔

اگر کسی شخص نے لونڈی کے تصرف کا ارادہ کیا، یہ دیکھ کر اس کی بیوی نے اس سے کہا اگر تو باز نہیں آتا تو میں خودکشی کرتی ہوں تو اس کے لیے ایک فعل جائز سے روکنا واجب نہیں ہے۔ یعنی وہ اس دھمکی کے باوجود لونڈی خرید کر اس کے ساتھ وطی کرے، تو مجرم نہیں ہے، اس لیے کہ اسے اسلام میں جائز رکھا گیا ہے۔

لیکن اگر کوئی بیوی کے رہتے ہوئے لونڈی خرید کر اس سے ہمبستر اس لیے نہ ہو کہ بیوی کو غم ہوگا تو وہ لائق اجر ہے کیونکہ حدیث نبویؐ ہے کہ جو میری امت پر نرمی اور شفقت کرے گا حق تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا

وَنَصْفَهَا لِلْعَبْدِ لَوْ مَدْبَرًا وَ يَمْتَنِعُ عَلَيْهِ غَيْرُ ذَلِكَ فَلَا يَحِلُّ لَهُ التَّسْرِي اصْلًا لِأَنَّهُ لَا يَمْلِكُ الْإِطْلَاقَ وَ صَحَّ نِكَاحُ حَبْلَى مِنْ زَنَّا لَا حَبْلَى مِنْ غَيْرِهِ أَيْ الزَّانَا لِثُبُوتِ نَسَبِهِ وَلَوْ مِنْ حَرْبِيٍّ أَوْ سَيِّدَهَا الْمُقَرَّبَ بِهِ وَإِنْ حَرَّمَ وَطْؤُهَا وَدَوَاعِيهِ حَتَّى تَضَعَ مُتَّصِلًا بِالمَسْئَلَةِ الْأُولَى لِأَنَّهَا يَسْقَى مَاؤَهُ زَرْعٌ غَيْرُهُ إِذَا لَشَعْرٌ يَنْبِتُ مِنْهُ

غلام اور آزاد کے لیے عورت کی تعداد آزاد مرد کو جتنی عورتوں کے ساتھ بیک وقت نکاح کرنا درست ہے، اس تعداد کے آدھے سے غلام کو نکاح کرنا درست ہے یعنی آزاد کے

لیے چار عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے اور غلام کے لیے دو سے، اگرچہ وہ غلام مدبر ہی کیوں نہ ہو، اور اس سے زائد سے نکاح کرنا اس کے لیے منع ہے لہذا غلام کے لیے لونڈیوں کا تصرف حلال نہیں ہے اس لیے کہ وہ سوائے اپنی بیوی کے طلاق کے اور کسی کا مالک نہیں ہوتا ہے۔

حاملہ من الزنا سے نکاح اور وطی زنا سے حاملہ عورت کے ساتھ نکاح درست ہے۔ زنا کے علاوہ سے جو حاملہ عورت ہے اس سے نکاح درست نہیں ہے۔ حاملہ عورت سے نکاح اس لیے

درست ہے کہ اس کا نسب ثابت ہے، خواہ حربی کا فرکانس ہو یا لونڈی کے ایسے مالک کا جو خود اس کا اقرار کرتا ہو، لیکن زنا سے حاملہ عورت سے بعد نکاح اس وقت تک وطی اور وطی کے دواعی جیسے بوسہ وغیرہ حرام ہے جب تک اس کو بچہ پیدا نہ ہو جائے۔ تاکہ دوسرے کی کھیتی میں یہ اپنے پانی سے سینچائی نہ کر سکے، کیونکہ اس حال میں وطی سے بال جمتے ہیں۔

یعنی اگر کوئی عورت زنا سے حاملہ ہے تو اس سے نکاح کرنا درست ہوگا، مگر وطی یا جو چیز وطی کی خواہش پیدا کرے جیسے بوسہ وغیرہ لینا اس وقت تک حرام ہوگا جب تک اس عورت کو بچہ پیدا نہ ہو جائے، تاکہ زنا سے حمل والے بچے میں دوسرے کی شرکت نہ ہو بلکہ وہ الگ تھلک رہے، جب حاملہ کو زنا کا بچہ ہو چکے گا تو اب شوہر کو اس سے وطی کرنے کا اختیار ہے، اور اس کے بعد جو بچہ پیدا ہوگا شوہر کا ہوگا۔

باقی جو عورت اپنے شوہر سے حاملہ ہو اور شوہر نے طلاق دیدیا ہے یا فوت ہو گیا ہے، تو ایسی حاملہ عورت کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے جب تک اس کو بچہ پیدا نہ ہو جائے۔

فروع لو نکحها الزانی حل له وطؤها اتفاقا والولد له ولزومه النفقة ولو زوج امته او ام ولده الحامل بعد علمه قبل اقراره به جاز وكان نفيا دلالة نهر عن التوشیح و صح نکاح الموطوءة بملك یمین ولا یستبرؤها زوجها بل سیدها وجوبا علی الصحیح ذخیرة او الموطوءة بزنا ای جاز نکاح من رآها تزنی وله وطؤها بلا استبراء و اما قوله تعالی الزانیة لا ینکحها الا زان فمنسوخ بآية فانکحو ما طاب لکم و فی آخر حظر المجتبی لا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرة ولا علیها تسریح الفاجر الا اذا خافا ان لا یقیما حدود الله فلا باس ان یتفرقا فما فی الوهبانية ضعیف کما بسطه المصنف

زانی کی زانیہ سے نکاح کے بعد وطی کی اجازت اگر زنا والی حاملہ عورت سے خود زنا کرنے والے نے نکاح کر لیا ہے تو اس لیے وطی کرنا البتہ درست ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور اس حمل سے پیدا ہونے والے بچہ کا نسب اسی زنا کرنے والے سے ثابت ہوگا جس نے زنا کے بعد نکاح کر لیا ہے، اور اس بچہ کا نفقہ بھی اسی پر واجب ہوگا۔

حاملہ لونڈی اور ام ولد کا نکاح اگر کسی نے اپنی حاملہ لونڈی یا اپنی حاملہ ام ولد (لونڈی) کا اس کے حمل کے معلوم ہونے کے باوجود نکاح کر دیا تو یہ نکاح جائز ہوگا، اور ولد کے نسب کی نفی ہوگی۔

موطوسیہ لونڈی سے نکاح اور وطی بلا استبراء اگر کوئی اپنی اس لونڈی کا نکاح کر دے جس سے وہ وطی کرتا تھا تو یہ نکاح جائز ہوگا (بشرطیکہ وہ حاملہ نہ ہو) اس سے شادی۔

کرنے والا شوہر استبراء نہیں کریگا یعنی اس سے وطی کرنے کیلئے یہ انتظار نہیں کریگا کہ اسکو حیض آجائے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اسکے آقا کا حمل نہیں ہے، البتہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس کے لیے یہ جاننا مستحب ہے کہ اس کو پہلے سے حمل نہیں ہے اور یہ معلوم ہوگا حیض آجانے کے بعد، لیکن اگر کوئی دوسرے کی لونڈی خریدے گا تو اس کے ساتھ وطی کرنے سے پہلے یہ جاننا واجب ہوگا کہ اس کو حمل نہیں ہے، اور یہ معلوم ہوگا ایک حیض گزرنے سے، بلکہ اس آقا پر استبراء واجب ہے جو فروخت کر رہا ہے یعنی وہ جب بیچنے کا ارادہ کرے تو حیض کا انتظار کرے اور حیض آجانے کے بعد اس کے ساتھ وطی نہ کرے پھر اسی زمانہ میں فروخت کرے۔ اگر کسی نے کسی عورت کو زنا کرتے دیکھا تو بھی اس کے لیے زانیہ سے نکاح کرنا درست ہے اور وہ وطی کے لیے رحم کے صاف ہونے کا انتظار نہیں کرے گا۔ البتہ حاملہ ہوگی تو یہ معلوم کرنا لازم ہوگا کہ وہ صاف ہو چکا ہے اور اب حمل باقی نہ رہا۔

غیر زانی کا زانیہ سے نکاح قرآن پاک میں آیا ہے۔ الزانیة لا ینکحها الا زان کہ زنا کار عورت سے صرف زانی ہی نکاح کرے گا، یہ آیت دوسری آیت فانکحوا ما طاب لکم (تم کو جو عورت

اچھی معلوم ہو اس سے نکاح کرو) سے منسوخ ہے، اس دوسری آیت میں کوئی شرط نہیں ہے، نسخ کی دلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ میری عورت کسی ہاتھ لگانے والے کا ہاتھ نہیں روکتی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کو طلاق دیدو۔ اس نے عرض کیا وہ خوب صورت ہے مجھے بہت پسند ہے، آپ نے

فرمایا پھر تم اس سے فائدہ اٹھاتے رہو۔

بدکار عورت کو طلاق مجتبیٰ نامی کتاب کے باب النظر میں ہے کہ شوہر پر اپنی بدکار عورت کا طلاق دینا واجب نہیں ہے۔ اور نہ عورت پر واجب ہے کہ وہ اپنے بدکار شوہر کو چھوڑ دے البتہ جب دونوں خطرہ محسوس کرنے لگیں کہ وہ حدود اللہ کو باقی نہ رکھ سکیں گے تو اس صورت میں باہم تفریق کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں یعنی دونوں ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کر لیں، لہذا وہاں یہ نامی کتاب میں جو یہ آیا ہے کہ زانیہ سے شوہر کے لیے اُس وقت تک وطی حرام ہے جب تک حیض نہ آجائے یہ ضعیف روایت ہے مصنف نے اس کو اپنی شرح میں بسط و تفصیل سے بیان کیا ہے۔

وصح نکاح المضمومة الى محرمة والمسمى كله لها ولو دخل بالمحرمة فلها مهر المثل وبطل نکاح متعة وموقت و ان جهلت المدة او طالت في الاصح وليس منه ما لو نکحها على ان يطلقها بعد شهر او نوى مكثه معها مدة معينة ولا بأس بتزوج النهاريات عینی

حلال و حرام عورت سے ایک ساتھ نکاح ایک جائز عورت ہو اور دوسری حرام عورت ہو اور ایک شخص دونوں سے ایک عقد میں نکاح کرے، تو جس عورت سے نکاح حلال ہے اس سے نکاح درست ہو گا اور جس سے نکاح حرام ہے اس سے نکاح باطل ہو گا، اور جو کچھ مہر متعین ہوا ہے وہ کل جائز عورت کا ہو گا۔ ہاں اگر اس نے اس عورت سے جس سے نکاح حرام تھا صحبت کر لی ہے، تو اس کو مہر مثل ملے گا۔

نکاح متعة نکاح متعة باطل ہے متعة یہ ہے کہ کوئی مرد کسی عورت سے متعین دنوں کے لیے ایک خاص مقدار مال کی مقرر کر کے نکاح کرے مثلاً دس دنوں یا دو تین مہینے کے لیے۔ متعة اسلام میں خیبر اور فتح مکہ کے موقع سے مباح ہوا تھا، جب لوگوں کا مجرد رہنا سخت مشکل ہو گیا تھا، لیکن فتح مکہ کے بعد متعة کی حرمت کا مستقل طور پر اعلان کر دیا گیا، اور بتا دیا گیا کہ یہ ہمیشہ کے لیے حرام قرار دیدیا گیا، مسلم میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ میں تین دنوں کے لیے متعة کے مباح ہونے کا اعلان فرمایا تھا پھر فرمایا، اے لوگو! میں نے تمہارے لیے متعة کی اجازت دی تھی، اب اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے اس کو حرام قرار دیدیا ہے، صحابہ کرام کا متعة کی حرمت پر اجماع ہے اب جو اس کو حلال جانے وہ کافر کے حکم میں ہے۔

نکاح موقت نکاح موقت بھی حرام اور باطل ہے اگرچہ مدت مجہول اور لمبی ہو اس نکاح میں وقت متعین ہوتا ہے کہ اتنے دن کے لیے ہے، متعة اور موقت میں یہ فرق بیان کیا گیا ہے کہ متعة میں لفظ متعة کا بولا جانا ضروری ہے اور موقت میں نکاح وغیرہ کے الفاظ بولے جاتے ہیں، پھر متعة میں مہر کی مالیت کی تعیین ضروری ہے موقت میں ضروری نہیں اسی طرح متعة میں گواہ شرط نہیں ہے موقت میں گواہ کا ہونا شرط ہے۔

اگر کسی نے عورت سے نکاح اس شرط پر کیا کہ وہ اس کو ایک مہینہ کے بعد طلاق دیدے گا، تو یہ نکاح موقت نہیں ہو گا بلکہ طلاق کی شرط باطل ہو جائے گی اور نکاح درست ہو گا۔ یا کسی نے نکاح میں یہ نیت کی کہ اتنی مدت تک بیوی کے ساتھ رہے گا تو یہ نکاح بھی موقت میں داخل نہیں ہو گا۔

نکاح نہاریات نہاریات کے نکاح میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کذا فی العینی، نہاریات اس نکاح کو کہتے ہیں جس میں شوہر عورت کے پاس دن میں رہے اور رات میں نہ رہے۔

ويحل له وطؤ امرأة ادعت عليه عند قاض انه تزوجها بنكاح صحيح وهي اى والحال انها محل للانشاء اى لانشاء النكاح خالية عن الموانع وقضى القاضى بنكاحها بينة اقامتها ولم يكن فى نفس الامر تزوجها وكذا تحل له لو ادعى هو نكاحها خلافا لهما و فى الشرنبلالية عن المواهب و بقولهما يفتى

ایک عورت نے قاضی کے پاس ایک مرد پر دعویٰ کیا کہ اس نے اس سے صحیح طور پر نکاح کیا ہے، اور وہ عورت نکاح کی نخل تھی یعنی اس سے نکاح کرنا اس مرد کے لیے حلال تھا، اور کوئی مانع بھی نکاح کا نہیں پایا جارہا تھا، یعنی اس عورت سے مرد کا کوئی ایسا رشتہ نہیں تھا جس سے حرمت ثابت ہوتی ہو، اور نہ وہ کسی غیر کی منکوحہ تھی اور نہ کسی کی معتدہ

قاضی کے فیصلہ کے بعد وطی

عورت نے اپنے اس دعویٰ نکاح پر ثبوت (گواہوں کی گواہی) قاضی کے پاس پیش کر دی، قاضی نے ثبوت شرعی کے پیش ہونے کی وجہ سے اس کے نکاح کا فیصلہ کر دیا۔ اور حال یہ تھا کہ حقیقت میں مرد نے اس عورت سے نکاح نہیں کیا تھا، مدعیہ اور گواہان سب جھوٹے تھے، لیکن یہ بات قاضی کو معلوم نہیں ہو سکی، ظاہری ثبوت پر اس نے فیصلہ دیدیا۔

اس صورت میں مرد کا اس عورت سے وطی کرنا جائز و درست ہوگا، اور قاضی کا فیصلہ نکاح کے حکم میں سمجھا جائے گا اور مرد پر عورت کا نان نفقہ واجب ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے رو برو ایک مرد نے ایک عورت سے اپنا نکاح کرنا گواہوں کے ذریعہ ثابت کر دیا، حالانکہ حقیقت میں نکاح نہیں ہوا تھا۔ عورت نے کہا کہ مرد کا دعویٰ غلط اور جھوٹا ہے اگر آپ کا یہی حکم ہے تو میرا مضابطہ اس سے نکاح کر دیں، تاکہ وطی حلال ہو جائے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دونوں گواہوں نے تمہاری شادی اس کے ساتھ کر دی، اب نکاح کی ضرورت نہیں ہے یعنی نکاح نہیں تھا تو بھی گواہوں کی گواہی کے بعد نکاح ہو گیا۔ اسی طرح اگر خود مرد نے عورت کے ساتھ نکاح کا دعویٰ کیا، اور گواہوں کی گواہی گزرنے کے بعد قاضی نے فیصلہ مرد کے حق میں دیدیا ہے تو مرد کے لیے اس عورت سے وطی کرنا درست ہے۔

البتہ پہلی صورت میں جب کہ عورت نے غلط دعویٰ کر کے نکاح ثابت کیا تھا عورت گنہگار ہوگی اور دوسری صورت میں غلط دعویٰ اور ثبوت پر مرد گنہگار ہوگا۔ صاحبین ان صورتوں میں وطی کے حلال ہونے میں خلاف ہیں وہ فرماتے ہیں بغیر جدید نکاح کے وطی حلال نہیں ہے۔ شرنبلالیہ میں مواہب سے فتویٰ صاحبین کے قول پر نقل کیا ہے احتیاط اسی میں ہے کہ وطی نہ کی جائے لیکن ظاہر میں قاضی کا فیصلہ نافذ ہوگا واللہ اعلم۔

ولو قضی بطلاقها بشهادة الزور مع علمها بذلك نفذ وحل لها التزوج بآخر بعد العدة و حل للشاهد زورا تزوجها و حرمت علی الاول و عند الثانی لا تحل لهما و عند محمد تحل للاول مالم یدخل الثانی و هی من فروع القضاء بشهادة الزور کما سیجی والنکاح لا یصح تعلیقه بالشرط کتزویجتک ان رضی ابی لم ینعقد النکاح لتعلیقه بالحرط کما فی العمادیة

وغیرہا و ما فی الدرر لہ نظر ولا اضافتہ الی المستقبل کتزوجتک غذا او بعد غد لم یصح
ثبوت پاکر قاضی کا فیصلہ طلاق اگر قاضی نے شرعی گواہی پیش ہونے کی وجہ سے عورت کے طلاق کا فیصلہ
 کر دیا، تو یہ فیصلہ نافذ ہوگا اور عورت کے لیے دوسرا نکاح کرنا درست ہوگا،

حالانکہ عورت کے علم میں تھا کہ اس نے جو گواہی پیش کی ہے وہ جھوٹی تھی گو قاضی پر وہ جھوٹ ظاہر نہیں ہو سکا تھا۔
 خود جھوٹی گواہی دینے والے کے لیے بھی اس عورت سے نکاح کر لینا درست ہوگا، کیونکہ قاضی کا فیصلہ طلاق ظاہر و
 باطن دونوں میں نافذ ہو چکا ہے اور اس فیصلہ کی وجہ سے عورت پہلے شوہر پر حرام ہو چکی ہے، امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ عورت
 ان دونوں شوہروں میں سے کسی کے لیے حلال نہیں اور امام محمدؒ کا قول ہے کہ پہلے شوہر کے لیے اس وقت تک حلال ہے جب
 تک شوہر ٹانی نے اُس عورت سے صحبت نہ کی ہو، اور اگر اس نے صحبت کر لی ہے تو پہلے شوہر پر حرام ہو گئی، کیونکہ اس سے اس پر
 عدت واجب ہو گئی، اور یہ فیصلہ نکاح اور طلاق کا شہادت زور سے متعلق ہے۔

نکاح معلق نکاح کا کسی شرط کے ساتھ معلق کرنا صحیح نہیں ہے جیسے کوئی کہے میں نے تجھ سے نکاح کیا اگر میرا باپ راضی
 ہوگا دوسرے نے کہا میں نے قبول کیا، تو اس ایجاب و قبول سے نکاح منعقد نہیں ہوگا، کیونکہ یہ خطرہ کے
 ساتھ معلق رہا، ہو سکتا ہے باپ راضی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ باپ راضی نہ ہو، چنانچہ یہ مسئلہ عمادیہ وغیرہ میں موجود ہے۔
 اور دُزر میں اس کا جائز ہونا جو لکھا گیا ہے اس میں شک ہے، دُزر میں ہے کہ اگر کسی نے معلق طور پر نکاح کیا تو تعین باطل
 ہو جائے گی اور نکاح منعقد ہو جائے گا۔

اسی طرح نکاح کا مستقبل کی طرف منسوب کرنا بھی صحیح نہیں ہے جیسے کوئی کہے کہ میں نے تجھ سے آئندہ کل میں نکاح
 کیا یا آئندہ برسوں میں نکاح کیا تو یہ نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

ولکن لا یبطل النکاح بالشرط الفاسد و انما یبطل الشرط دونه یعنی لو عقد مع شرط فاسد
 لم یبطل النکاح بل الشرط بخلاف مالو علقه بالشرط الا ان یعلقه بشرط ماض کائن لا محالة
 فیکون تحقیقا فینعقد فی الحال کان خطب بنتا لابنہ فقال ابوہا زوجتہا قبلک من فلان فکذبه
 فقال ان لم اکن زوجتہا لفلان فقد زوجتہا لابنک فقبل ثم علم کذبه انعقد لتعلقه بموجود و
 کذا اذا وجد المعلق علیہ فی المجلس ذکرہ جوی زادہ و عممہ المصنف بحثا لکن فی النحر
 قبیل کتاب الصرف فی مسئلۃ التعليق برضا الاب والحق الاطلاق فلیتأمل المفتی

نکاح میں شرط فاسد لیکن یہ بھی طے ہے کہ شرط فاسد کی وجہ سے نکاح باطل نہیں ہوتا ہے، جیسے کوئی کہے کہ میں
 نے تجھ سے اس شرط کے ساتھ نکاح کیا کہ میں تجھے مہر نہیں دوں گا۔ یا اس شرط پر کہ مجھ سے
 اپنا نفقہ طلب نہ کرے، اگر کوئی اس طرح کی شرط فاسد کے ساتھ نکاح کرے گا تو شرط فاسد باطل ہو جائے گی مگر نکاح باطل
 نہیں ہوگا وہ باقی رہے گا اس کے خلاف اگر کسی نے نکاح کو شرط پر معلق کیا ہے تو وہاں شرط بھی باطل ہوگی اور نکاح بھی باطل ہوگا۔

معلق نکاح اور مشروط بشرط فاسد نکاح میں فرق؟ (معلق علی الشرط کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کے
 پائے جانے کا احتمال ہے مگر وہ موجود نہیں ہے نکاح کا

اس پر معلق کرنا جیسے اس شرط پر نکاح کرنا کہ اگر فلاں راضی ہو، یا اگر کل بارش ہوئی یا فلاں مر گیا، اور مشروط بشرط فاسد سے مراد یہ ہے کہ نکاح میں لوازم نکاح کے مخالف چیزوں کی شرط لگا دینا جیسے مہر نہیں دیں گے، یا نفقہ خود عورت برداشت کرے گی) البتہ وہ معلق نکاح درست ہو جاتا ہے جس کو گزشتہ زمانہ کی موجود چیز پر معلق کیا گیا ہو اور اس کے ماضی میں پائے جانے میں کوئی تردد نہ رہا ہو یا وہ اس وقت فوراً موجود ہو گیا ہو جیسے کسی نے کہا کہ میں نے تجھ سے نکاح کیا زید کے آنے پر اور دوسرے نے قبول کیا اور اسی وقت زید آگیا تو نکاح ہو جائے گا۔

موجود چیز پر معلق کرنا شخص نے اپنے بیٹے کے لیے ایک لڑکی سے نکاح کا پیغام دیا یا اس سے منگنی کی، لڑکی کے باپ نے کہا کہ میں اس لڑکی کا نکاح تمہارے کہنے سے پہلے فلاں سے کر چکا ہوں، لڑکے والے نے اس کے قول کی تکذیب کی کہ ایسا نہیں ہوا ہے یہ سن کر لڑکی کے باپ نے کہا اگر میں نے فلاں سے اپنی اس لڑکی کا نکاح نہیں کیا ہو تو یقین کرو میں نے اس کا نکاح تیرے بیٹے کے ساتھ کر دیا، لڑکے والے نے اپنے بیٹے کے لیے اس نکاح کو قبول کر لیا، پھر معلوم ہوا کہ وہ پہلے جھوٹ بولا تھا، یا تو خود اسی نے اس کو ظاہر کیا، یا جس سے نکاح کرنا بتایا تھا اس نے بتایا کہ انھوں نے جھوٹ کہا تھا، اس صورت میں یہ نکاح ہو گیا کیونکہ اس نے نکاح کو ایک موجود شرط پر معلق کیا تھا، تو گویا یہ نکاح معلق نہیں رہا بلکہ محقق ہو گیا۔

اسی طرح وہ نکاح بھی صحیح ہو جاتا ہے جب وہ چیز ایجاب و قبول کی مجلس میں موجود ہو جس پر تعلیق کی ہے جیسا کہ خواہر زادہ نے ذکر کیا ہے، اور مصنف نے اس کو اپنی شرح میں عام رکھا ہے (اس میں انھوں نے عمادیہ سے نقل کیا ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ میں نے تجھ سے ہزار درہم پر اگر فلاں شخص راضی ہو نکاح کیا، جس شخص پر معلق کیا تھا وہ مجلس نکاح میں حاضر تھا سن کر بولا میں راضی ہوا تو نکاح صحیح ہو گیا، البتہ اگر وہ حاضر نہ ہو گا تو نکاح نہیں ہو گا۔ اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ جس شخص پر نکاح معلق کیا ہے اگر وہ مجلس نکاح میں موجود ہے اور اپنی رضا اسی وقت ظاہر کر رہا ہے تو نکاح ہو جائے گا ورنہ نہیں، صرف حاضر رہنا کافی نہیں ہے، اسی طرح مجلس کے بعد اجازت دینا بھی کافی نہیں۔

نہر الفائق میں کتاب الصرف سے ذرا پہلے باپ کی رضامندی سے متعلق مسئلہ تعلیق میں لکھا ہے کہ تعلیق علی الاطلاق صحیح نہیں ہے، خواہ باپ مجلس میں حاضر ہو اور رضا کا اظہار کرے، یا عدم رضا کا، اور جس پر معلق کیا ہے وہ خواہ باپ ہو یا اجنبی کسی طرح نکاح صحیح نہیں، اس اطلاق کو صاحب نہر نے خانہ سے نقل کیا ہے، لہذا مفتی کو چاہیے کہ اس مسئلہ کے بیان کرنے میں غور و فکر سے کام لے کیونکہ فتاویٰ خانہ معتمد کتاب ہے۔

باب الولی

هو لغة خلاف العدو و عرفا العارف بالله تعالى و شرعاً البالغ العاقل الوارث ولو فاسقاً
على المذهب ما لم يكن متهتكا و خرج نحو صبی و وصی مطلقاً على المذهب والولاية
تنفيذ القول على الغير تثبت باربعة قرابة و ملك و ولاء و امامة شاء او ابی

ولی نکاح کی تعریف اور اس سے متعلق احکام و مسائل

لفظ ولی کا استعمال عدو (دشمن) کے مقابلہ میں ہوتا ہے لغت میں ولی بمعنی دوست ہے اور عرف عام میں ولی عارف باللہ کو کہتے ہیں، اور شریعت میں ولی اس عاقل بالغ کو کہتے ہیں جو کسی کا وارث ہو، گو وہ فاسق ہی کیوں نہ ہو صحیح مذہب یہی ہے، مگر شرط یہ ہے کہ حرمت کی کھلم کھلا خلاف ورزی نہ کرتا ہو۔

ولی کی اس تعریف سے نابالغ، دیوانہ اور وصی نکل گیا۔ نابالغ اس لیے کہ بالغ نہیں ہے، دیوانہ اور بے ہوش اس وجہ سے کہ عقل نہیں ہوتی اور وصی اس واسطے کہ وہ وارث نہیں ہوتا۔ اور اس کو صحیح مذہب کی بنیاد پر مطلقاً نکاح کی ولایت حاصل نہیں ہوتی، خواہ باپ نے اس کو نکاح کر دینے کی وصیت کی ہو یا نہ کی ہو، اور وارث کی قید سے کافر اور غلام بھی نکل گئے، لہذا کافر اپنے مسلمان بیٹے کا اور غلام اپنے آقا کا ولی نہیں ہو سکتا ہے۔

ولایت کہتے ہیں اپنی بات کا دوسرے (غیر) پر نافذ کرنا خواہ وہ راضی ہو یا راضی نہ ہو ولایت چار اسباب میں سے کسی ایک سبب سے حاصل ہوتی ہے، اولاً قربت سے جیسے باپ اپنی نابالغ بیٹی کا نکاح کرے، دوسرے ملک جیسے آقا اپنے غلام یا لونڈی کا نکاح کرے، تیسرے آزاد کرنے کی ولایت کے ذریعہ جیسے آزاد غلام کا نکاح آقا کر دے، چوتھا سبب ولایت امامت، جیسے لا وارث کا بادشاہ یا قاضی نکاح کر دے۔

وہی ہنا نوعان ولایۃ ندب علی المکلفۃ ولو بکرا و ولایۃ اجبار علی الصغیرۃ ولو ثیبا و معتوہ و مرقوقۃ کما افادہ بقولہ و هو ای الولی شرط صحتہ نکاح صغیر و مجنون و رقیق لا مکلفۃ فنفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلا رضی ولی والاصل ان کل من تصرف فی مالہ تصرف فی نفسہ وما لا فلا

اس ولایت نکاح کی دو قسمیں ہیں ایک ولایت مستحب جیسے عاقل بالغ لڑکی کا نکاح اس کا باپ کرے، خواہ کنواری ہو یا بیاہی بیوہ یا مطلقہ۔ بالغ لڑکی پر باپ کو جبر کا قطعاً حق نہیں ہے، لیکن مناسب یہ ہے کہ بالغ اپنے نکاح کا معاملہ اپنے ولی کے ذریعہ طے کرائے پہلا فائدہ یہ ہوگا کہ فقہاء کے اختلاف میں نہیں پڑے گا۔ دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ بے حیائی کی طرف منسوب نہیں کی جاسکے گی۔

ولایت کی دوسری قسم ولایت اجبار ہے، جو باپ اور دوسرے ولی کو نابالغ پر حاصل ہوتی ہے گو وہ کنواری نہ ہو یا اسی طرح بالغ مدہوش و پاگل پر، اسی طرح لونڈی پر ولایت اجبار حاصل ہوتی ہے، یعنی اگر آقا نکاح کر دے گا تو وہ نافذ ہو جائے گا۔

ولایت اجبار کو مصنف نے اس طرح بیان کیا ہے کہ نابالغ لڑکا لڑکی اور پاگل بالغ اور غلام کے نکاح کے لیے ولی شرط ہے آزاد عاقل و بالغ کے نکاح کے لیے ولی شرط نہیں ہے، چنانچہ اگر کوئی بالغ لڑکا لڑکی اپنا نکاح بطور خود ولی کی رضامندی کے بغیر کر لے گا تو وہ نکاح

آزاد عاقل و بالغ پر ولایت اجبار نہیں

ہائز ہوگا احناف کا یہی مذہب ہے، حدیث نبویؐ ہے الایم احق بنفسها من ولیها بے شوہر کی عورت ولی کے اعتبار سے خود اپنی ذات کی زیادہ مستحق ہے اس سے معلوم ہوا کہ بالغہ پر ولی کو حق جبر حاصل نہیں ہے۔

اس باب میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو اپنے مال میں تصرف کا حق رکھتا ہے، وہ اپنی ذات میں بھی تصرف کا حق رکھتا ہے اور جو اپنے مال میں تصرف کا حق نہیں رکھتا وہ اپنے نفس میں بھی تصرف کا حق نہیں رکھتا، اور یہ ظاہر ہے کہ عاقلہ بالغہ اپنے مال میں تصرف کا پورا حق رکھتی ہے لہذا وہ اپنی ذات کے سلسلہ میں بھی تصرف کا پورا حق رکھے گی، لہذا وہ اپنا نکاح اپنی مرضی سے کر سکتی ہے۔

وله ای للولی اذا كان عصبه ولو غیر محرم کابن عم فی الاصح خانیة وخرج ذو الارحام والام والقاضی الاعتراض فی غیر الکفو فیفسخه القاضی یتجدد بتجدد النکاح مالم یسکت حتی تلد منه لثلا یضیع الولد و ینبغ الحاق الحبل الظاهر به ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازه اصلا وهو المختار للفتوی لفساد الزمان فلا تحل مطلقة ثلثا نکحت غیر کفو بلا رضی ولی بعد معرفته ایاہ فلیحفظ و بناء علی الاول و هو ظاهر الروایة فرضی البعض من الاولیاء قبل العقد او بعده کالکل لثبوته لکل کملا کولایة امان وقود و سنحققه فی الوقف لو استورا فی الدرجة والا فللاقرب منهم حق الفسخ

ولی جو عصبہ بنفسہ ہے خواہ وہ محرم نہ ہو، جیسے چچا کا لڑکا، غیر کفو میں نکاح کرنے کی صورت میں اسے اعتراض کا حق ہوگا، کہ وہ قاضی کے پاس درخواست دے کر اس نکاح کو فسخ کرادے، عصبہ کی قید لگنے سے ذوی الارحام نکل گئے اور قاضی اور ماں بھی، ان کو اعتراض کا حق حاصل نہیں ہے کیونکہ یہ عصبہ بنفسہ میں داخل نہیں ہیں۔

فسخ نکاح اور نکاح کے تجدد سے فسخ نکاح کا تجدد پایا جائے گا، مثلاً ولی نے عورت کا نکاح کفو میں کر دیا پھر عورت نے ولی کی مرضی کے بغیر غیر کفو میں نکاح کر لیا، تو اس صورت میں بھی ولی کو تفریق کا حق حاصل ہوگا۔ کیونکہ پہلے نکاح کی رضامندی سے دوسرے نکاح سے راضی ہونا لازم نہیں آتا ہے، جب تک ولی نے سکوت اختیار نہیں کیا ہو قاضی نکاح فسخ کر سکتا ہے۔

فسخ نکاح کی مدت مگر اس وقت تک قاضی کو فسخ کا اختیار ہوگا جب تک اس غیر کفو والے شوہر سے بچہ پیدا نہیں ہوا ہے، اگر نکاح کے بعد بچہ پیدا ہو گیا، تو پھر ولی کو اعتراض کا حق باقی نہیں رہے گا۔ اور اس میں مصلحت یہ ہے کہ لڑکا ضائع نہ ہونے پائے، اس سے معلوم ہوا کہ جب تک قاضی تفریق نہ کر دے ولی کو جدا کرنے کا حق نہیں ہے، اور تفریق سے پہلے تک نکاح کے تمام احکام ارث اور طلاق وغیرہ ثابت رہیں گے۔ لہذا اگر تفریق خلوت صحیحہ اور دخول کے بعد ہوئی ہے، تو عورت کو مہر معین ملے گا اور اس پر عدت واجب ہوگی اور اگر تفریق دخول اور صحبت سے پہلے ہوئی ہے تو بیوی کو مہر نہیں ملے گا۔ اس واسطے کہ یہ جدائی شوہر کی طرف سے نہیں ہوئی ہے۔

غیر کفو میں شادی اگر عورت نے غیر کفو میں شادی کی اور ولی ساکت رہا یہاں تک کہ عورت حاملہ ہو گئی تو اب فسخ کا حق جاتا رہا عورت کا ولی کی مرضی کے خلاف غیر کفو میں نکاح کرنا فتویٰ کے لیے قطعاً ناجائز ہے اسی پر فتویٰ دیا گیا ہے، اور فتویٰ دینے کے لیے اسی روایت کو پسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ حسن بن زیاد نے امام اعظمؒ سے روایت نقل کی ہے کہ اگر

بالغہ نے شادی کی اور اس کا شوہر ہم کفو ہے تو بغیر ولی نکاح درست ہے اور وہ نافذ ہو گا اور اگر غیر کفو ہے تو نافذ نہیں ہو گا، اور اکثر مشائخ نے اسی روایت کو اختیار کیا ہے، اور ناجائز ہونے کا فتویٰ زمانہ کے فساد کی وجہ سے دیا گیا ہے کیونکہ نہ ہر بالغہ باشرم و حیا ہے اور نہ ہر قاضی عادل، اور نہ ہر ولی کو نالش کا سلیقہ آتا ہے۔

مطلقہ ثلاثہ کا غیر کفو میں شادی کرنا جس عورت کو شوہر نے تین طلاق دی ہو اگر وہ اس طلاق ثلاثہ کے بعد کسی غیر کفو میں ولی کی مرضی کے خلاف ہو کر شادی کر لے گی اور وہ طلاق دیدیگا یا مر جائے گا تو یہ عورت پہلے شوہر کے لیے جائز نہیں ہوگی، اگر اس عورت کا کوئی ولی نہیں ہے یا ولی تھا اور اس نے غیر کفو میں شادی کی اجازت دیدی ہے تو یہ پہلے شوہر کے لیے جائز ہو جائے گی اور بعض لوگوں نے امام اعظمؒ کے قول پر فتویٰ دیا ہے کہ بالغہ عاقلہ اگر غیر کفو میں شادی کر لے گی تو وہ جائز ہوگی، ظاہر الرولیۃ کے مطابق ولیوں میں سے بعض کا عقد سے پہلے یا بعد راضی ہونا تمام کے راضی ہونے کے حکم میں ہے، اس لیے کہ ولایت کا ہر ایک کو پورا حق حاصل ہے لہذا جب ایک بھی راضی ہو گیا تو باقی کو اعتراض کا حق باقی نہیں رہ جاتا، جیسا کہ امان اور قصاص کے باب میں حکم ہے، یعنی ایک مسلمان نے بھی حربی کو امان دیدی ہے تو دوسرے مسلمان اس کو نہیں چھیڑ سکتے ہیں، یا ایک ولی نے قصاص معاف کر دیا ہے تو بقیہ اولیاء کو قصاص کا حق باقی نہیں رہتا۔

قریب ترین ولی کا حق ایک ولی کی رضامندی سب کی رضامندی کے برابر اس وقت ہے جب سب درجہ میں برابر ہوں، اور اگر اولیاء درجہ میں برابر نہ ہوں ایک زیادہ قریب ہو جیسے باپ اور دوسرا اس کی نسبت بعید ہو جیسے بھائی تو ان اولیاء میں قریب ترین کو فتح کا حق ہوتا ہے مثلاً بھائی نے نکاح کر دیا تو باپ اسے فتح کر سکتا ہے۔

و ان لم یکن لها ولی فہو ای العقد صحیح نافذ مطلقا اتفاقا وقبضہ ای ولی له حق الاعتراض المہر ونحوہ مما یدل علی الرضی رضا دلالة ان کان عدم الکفاءة ثابتا عند القاضی قبل مخاصمته والا لم یکن رضا کمالا یکون سکوتہ رضا مالہ تلد و اما تصدیقہ بانہ کفو فلا یسقط حق الباقرین مبسوط

جس عورت کا کوئی ولی نہ ہو اگر بالغہ عورت کا کوئی ولی نہیں ہے تو پھر اس کا خود کیا ہو انکاح متفقہ طور پر درست ہو گا اور وہ نافذ ہو گا خواہ اس نے کفو میں نکاح کیا ہو خواہ غیر کفو میں۔

ولی کی رضامندی اس ولی کا مہر وغیرہ پر قبضہ کرنا جس کو حق اعتراض حاصل ہے، یا ایسا کام کرنا جس سے رضامندی ظاہر ہوتی ہو، جیسے تحفہ وغیرہ خوشی سے لینا یہ فعل دلالت حال کی وجہ سے رضامندی کے حکم میں ہے، اگر ولی کے مقدمہ کرنے سے پہلے قاضی کے نزدیک ہم کفو نہ ہونا ثابت ہو چکا ہو، اور اگر قاضی کے نزدیک ہم کفو نہ ہونا پہلے سے ثابت نہیں تھا تو ولی کا مہر وغیرہ لینا رضامندی کی دلیل نہیں ہوگی، جیسے ولی کا خاموش رہنا اس کی رضامندی کی دلیل نہیں ہوتی ہے، ہاں اگر خاموش اس وقت تک رہے کہ عورت کو بچہ پیدا ہو گیا تو یہ رضامندی کے حکم میں ہو گا ولیوں میں سے ایک ولی کا یہ تصدیق کرنا کہ شوہر ہم کفو ہے بقیہ اولیاء کے حق اعتراض کو ساقط نہیں کرتا ہے۔

ولا تجبر البالغة البکر علی النکاح لانقطاع الولاية بالبلوغ فان استأذنها هو ای الولی وهو السنة او وکیلہ او رسولہ او زوجها ولیہا واخبرها رسولہ او فضولی عدل فسکت

عن رده مختارة او ضحكت غير مستهزئة او تبسمت او بكت بلا صوت فلو بصوت لم يكن اذنا ولا ردا حتى لو رضيت بعده انعقد معراج وغيره فما في الوقاية والملتقى فيه نظر فهو اذن اى توكيل فى الاول ان اتحد الولي فلو تعدد المزوج لم يكن سكوتها اذنا و اجازة فى الثانى ان بقى النكاح لا لو بطل بموته

عورت بالغہ کی رضامندی کی صورتیں جو عورت بالغہ ہے اور اس کی پہلی شادی ہو رہی ہے، ایسی عورت کو اس کا ولی نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا ہے، کیونکہ عورت کے بالغ

ہو جانے کے بعد ولی کی ولایت منقطع ہو جاتی ہے، اگر ولی نے بالغ لڑکی سے نکاح کی اجازت چاہی، اور سنت یہ ہے کہ ولی ہی لڑکی سے اجازت طلب کرے یا ولی کے وکیل نے اجازت طلب کی یا اس کے قاصد نے اجازت چاہی یا ولی نے اجازت لینے سے پہلے بالغ لڑکی کا نکاح کر دیا اور اس کے قاصد نے یا کسی عادل فضولی نے لڑکی کو نکاح کی خبر دی۔ خبر سن کر لڑکی نے خاموشی اختیار کی نکاح کو صراحتاً رد نہیں کیا، اس حال میں کہ وہ مختار تھی، یا خبر سن کر ہنسی اور یہ ہنسا بطور تمسخر کے نہیں تھا، یا خبر سن کر مسکرائی یا بلا آواز کے روئی تو یہ سکوت، ہنسا، مسکرائی اور بلا آواز رونا نکاح کے لیے اجازت شمار ہوگی، اور نکاح منعقد ہو جائے گا لیکن اگر ہنسا بطور تمسخر ہوا، یہ اجازت نہیں شمار ہوگی اسی طرح روئی مگر آواز کے ساتھ، تو یہ نہ اجازت ہوگی اور نہ نکاح کا رد کرنا، چنانچہ اگر اس رونا کے بعد رضامندی ظاہر کرے گی تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔

ملتقى اور وقایہ میں بیان کیا گیا ہے کہ بالغہ کا بے آواز رونا اجازت ہے اور اگر آواز سے روئی تو اجازت نہیں ہوگی، اس قول میں تردد ہے، دونوں قولوں میں فرق یہ ہے کہ پہلے قول کا مطلب یہ ہے کہ آواز کے ساتھ رونا نہ اجازت ہے اور نہ رد، اور دوسرے قول میں کہا گیا کہ اجازت نہیں ہے یعنی اس میں رد کی نفی نہیں ہے، اس مسئلہ میں یہ دو قول ہوئے۔

جب ولی متعدد ہوں تو سکوت اجازت نہیں اوپر جو کہا کہ بالغہ کا خاموش رہنا، ہنسا اور بلا آواز رونا اجازت کے حکم میں ہے تو یہ اس وقت ہے جب ولی ایک ہو، لیکن اگر ولی نکاح کرنے والے متعدد ہوں تو اس وقت بالغہ کا سکوت اجازت نہیں، مثلاً جس عورت کا نکاح ہو رہا ہے اس کے دو بھائی ہیں ایک نے کہا میں تیرا نکاح زید سے کرتا ہوں اور دوسرے نے کہا محمود سے کرتا ہوں اور دونوں کے اجازت طلب کرنے کے وقت وہ خاموش رہی تو یہ چپ رہنا اجازت نہیں ہے۔

اجازت سے پہلے نکاح بالغہ کا چپ رہنا یا ہنسا وغیرہ دوسری صورت میں جب ولی نے اجازت حاصل کرنے سے پہلے نکاح کر دیا، اور اس کی خبر ہونے کے بعد بالغہ نے سکوت اختیار کیا تو یہ نکاح کا جائز رکھنا ہے اگر اس وقت تک نکاح باقی تھا اور اگر نکاح شوہر کے مرنے کی وجہ سے جب باطل ہو چکا تھا اس وقت خبر پہنچی اور بالغہ چپ رہی، تو اس وقت اس کا چپ رہنا اجازت کے حکم میں نہیں ہے، اس لیے کہ نکاح خود ختم ہو چکا ہے۔

ولو قالت بعد موته زوجنى ابى بامرى وانكرت الورثة فالقول لها فترث وتعد ولو قالت بغير امرى لكنه بلغنى فرضيت فالقول لهم وقولها غيره اولى منه رد قبل العقد لا بعده ولو زوجها لنفسه فسكوتها رد بعد العقد لا قبله ولو استاذنها فى معين فردت ثم زوجها منه فسكت صح

فی الاصح بخلاف ما لو بلغها فردت ثم قالت رضیت لم یجز لبطلانه بالرد ولذا استحسنوا التجدید عند الزفاف لان الغالب اظهار النفرة عند فجأة السماع ولو استاذنها فسکت فوکل من یزوجها ممن سماه جاز ان عرف الزوج والمهر كما فی القنیة واستشکله فی البحر بانه لیس للوکیل ان یوکل بلا اذن فمقتضاه عدم الجواز و انها مستثناه

اگر عورت نے شوہر کی موت کے بعد کہا کہ میرے باپ نے میری اجازت سے نکاح کیا تھا اور شوہر کے وارثین نے اس کا انکار کیا، تو

عورت اور وارثین شوہر میں اختلاف

اس صورت میں عورت کا قول معتبر ہوگا، چنانچہ عورت شوہر کے ترکہ میں وارث قرار پائے گی اور عدت کے ایام گزارے گی۔ اور اگر عورت نے یہ کہہ دیا کہ میرے باپ نے میری اجازت کے بغیر نکاح کیا تھا لیکن مجھ کو نکاح کی خبر پہنچی ہے اور جب یہ خبر پہنچی تو میں راضی ہو گئی تھی اس صورت میں شوہر کے وارثوں کا قول لائق اعتبار ہوگا، لہذا اس کو نہ مہر ملے گا اور نہ میراث، لیکن اگر اسے نکاح کے صحیح ہونے کا علم ہے تو اس صورت میں اس پر عدت لازم ہوگی۔

ولی نے بالغہ سے کسی اور کے ساتھ نکاح کی اجازت چاہی اس نے کہا کہ اس سے دوسرا بہتر ہے، بالغہ کا یہ کہنا اگر نکاح سے پہلے ہے تو اجازت نہیں ہوئی انکار ہوا، اور اگر بعد عقد یہ کہا ہے تو انکار نہیں ہوگا بلکہ اجازت ہوگی۔

اگر ولی نے بالغہ کا نکاح خود اپنے ساتھ کر لیا اس سے اجازت نہیں لی تھی، لیکن جب بالغہ کو اس نکاح کی خبر ہوئی تو وہ خاموش رہی، تو اس کا یہ سکوت نکاح کے بعد

ولی کا اپنے ساتھ نکاح کر لینا

انکار کے حکم میں ہے رضامندی نہیں ہوگی اور اگر اجازت عقد سے پہلے طلب کی اور وہ خاموش رہی تو اس کا یہ چپ رہنا اجازت اور رضامندی کے حکم میں ہے۔

اور اگر ولی نے نکاح کے لیے کسی متعین شخص کے ساتھ اجازت چاہی، اس نے اسکو رد کر دیا، اسکے رد کرنے کے بعد پھر اس نے اس بالغہ کا نکاح اسی شخص سے کر دیا، لیکن اب خبر معلوم ہونے پر چپ

نکاح کی دیگر صورتیں

رہی تو نکاح صحیح ہو جائیگا، اصح قول یہی ہے، اسکے خلاف یہ کہ اگر عورت کو نکاح کی خبر ہوئی تو اس نے رد کر دیا پھر بعد میں کہا کہ میں راضی ہوں تو یہ نکاح جائز نہیں ہوگا کیونکہ رد کرنے کی وجہ سے نکاح باطل ہو چکا تھا اب رضا ظاہر کرنے سے کچھ نہیں ہوگا۔

فقہاء نے اسی وجہ سے کہا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ اجازت کے وقت نکاح دوبارہ کر دیا جائے، اس لیے کہ عمومی طور پر عورت اچانک اس طرح کی خبر سن کر نفرت کا اظہار کرتی ہے تو ہو سکتا ہے کہ اس نے ایسا کیا ہو، جس سے نکاح باطل ہو گیا ہو، لیکن جب تجدید نکاح ہو گیا تو وہ شک جاتا رہا، لیکن یہ صورت اس وقت کے لیے ہے کہ جب بغیر اجازت لیے نکاح کیا گیا ہو، اور اگر اجازت لے کر نکاح کیا گیا تھا تو اس کی ضرورت نہیں ہے۔

اگر کسی متعین شخص کے ساتھ نکاح کر دینے کی اجازت طلب کی، اس نے اس موقع پر سکوت کیا، پھر ولی نے ایک شخص کو وکیل بنادیا کہ اس کا نکاح اس متعین شخص کے ساتھ کر دے جس کا پہلے نام لیا تھا۔ تو یہ وکیل بنانا اور اس کا نکاح کرنا دونوں جائز ہے شرط یہ ہے کہ عورت کے علم میں یہ بات آگئی ہو کہ فلاں سے اسکی شادی ہو رہی ہے اور اس قدر مہر ہے اور وکیل کو بھی اس کا علم ہو چکا ہو۔ پہلے مسئلہ کو بحر الرائق میں مشکل شمار کیا ہے اس طرح کہ انھوں نے لکھا ہے کہ وکیل کو اس کا اختیار نہیں ہے کہ وہ موکل

کی اجازت کے بغیر دوسرے کو وکیل بنادے اس سے لازم یہ آتا ہے کہ نکاح جائز نہیں ہوا، کیونکہ جب پوچھنے پر وہ چپ رہی تو وہ خود عورت کا وکیل بن گیا، اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ دوسرے کو وکیل بنادے یا یہ کہا جائے کہ یہ مسئلہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے۔

ان علمت بالزوج انه من هو لتظهر الرغبة فيه او عنه ولو في ضمن العام كجیرانی او بنی عمی لو یحصون والا لا مالہ تفوض له الامر لا العلم بالمهر وقیل یشرط وهو قول المتأخرین بحر عن الذخيرة واقره المصنف وما صححه في الدرر عن الکافی رده الکمال

معلوم ہونے کے بعد اجازت طلبی اگر بالغہ کو معلوم ہو گیا تھا کہ فلاں شخص شوہر ہونے والا ہے اور اس کے اجازت طلب کرنے پر وہ چپ رہی ہے تو یہ چپ رہنا اجازت ہوگی، تاکہ

شوق یا نفرت کا اظہار ہو سکے اگر شوہر کا علم عام کے ضمن میں ہوا ہو، جیسے ولی کا یہ کہنا کہ میں تیرا نکاح اپنے ہمسایوں میں کر رہا ہوں یا اپنے چچا کے بیٹوں میں سے کسی سے کر رہا ہوں اگر یہ محدود و متناہی ہوں، تاکہ یہ اندازہ ہو کہ عورت کو ان کا علم ہے، اور اگر ان کی تعداد محدود نہیں ہے تو پھر اس کی رضامندی ثابت نہیں ہوگی، جب تک وہ اپنا معاملہ ولی کے سپرد نہ کر دے، مثلاً یہ کہہ دے کہ جس سے چاہیں آپ میرا نکاح کر دیں یا آپ جو کچھ کریں گے اس پر میں راضی ہوں، اس طرح رضا ثابت ہو جائے گی۔

بوقت طلب اجازت مقدار مہر کا بتانا اجازت لینے میں مہر کی مقدار کا بتانا ضروری نہیں ہے، کیونکہ مہر کی مقدار پر نکاح کا صحیح ہونا موقوف نہیں ہے اور بعضوں کا کہنا ہے کہ اس میں مہر

کی مقدار کا ذکر کرنا شرط ہے اس لیے کہ مہر کی کثرت و قلت کا بھی اثر ہوا کرتا ہے۔ متأخرین کا یہی قول ہے، اور مصنف نے بھی اپنی شرح منہ الغفار میں اسی قول کو برقرار رکھا ہے اور دُرر میں جس قول کی کافی سے نقل کر کے تصحیح کی گئی ہے کمال نے اس کو رد کر دیا ہے، درر میں لکھا ہے کہ اگر ولی باپ یا دادا ہے تو اس صورت میں شوہر کا ذکر کافی ہے، مہر کی مقدار کا ذکر کرنا ضروری نہیں ہے، اور اگر ولی ان کے علاوہ ہے، تو اس وقت مہر کی مقدار کا ذکر ضروری ہے کمال الدین اس پر لکھتے ہیں ولی کے اندر باپ دادا اور دوسرے ولیوں میں یہ تفریق اس وقت ہے جب صغیرہ نابالغہ کا نکاح ہو کیونکہ اس صورت میں ولایت اجبار حاصل ہوتی ہے لیکن یہاں گفتگو بالغہ کے نکاح میں ہے۔ اس میں خود باپ اجنبی کے برابر ہے۔ باپ بھی بالغہ کی رضامندی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا ہے۔

و کذا اذا زوجها الولی عندها ای بحضرتها فسکت صح فی الاصح ان علمته کما مر والسکوت کالنطق فی سبع و ثلاثین مسئلة مذکورة فی الاشباه

بالغہ کے روبرو نکاح کرنا اسی طرح جب ولی نے بالغہ کا نکاح اس کے روبرو کر دیا، پس وہ چپ رہی تو قول اصح میں نکاح درست ہو گیا، بشرطیکہ اس بالغہ کو شوہر کا علم ہو، جیسا کہ سابق میں گذرا۔

۷۳ مسائل میں خاموشی بولنے کے قائم مقام ہے سینتیس مسئلوں میں چپ رہنا بولنے کے قائم مقام ہے، الاشباہ والنظائر کے بارہویں قاعدہ میں

ابن نجیم مصری نے لکھا ہے کہ سینتیس مسئلوں میں چپ رہنا بولنے کے مانند ہے جس کی تفصیل یہ ہے: (۱) جس وقت ولی بالغہ سے نکاح کی اجازت طلب کرے اُس وقت باکرہ کا سکوت بولنے کے حکم میں ہے، یہ عقد سے پہلے ہو یا بعد عقد ہو، (۲) بالغہ کا اپنے مہر پر قبضہ کرتے وقت خاموش رہنا، (۳) باکرہ کا اپنے بالغ ہونے کے وقت خیار بلوغ میں چپ رہنا، جب کہ نکاح کرنے والے ولی

باپ دادا کے علاوہ دوسرے لوگ ہوں، (۴) عورت نے نکاح نہ کرنے کی قسم کھائی تھی مگر اس کے باپ نے اس کا نکاح کر دیا اور وہ چپ رہی تو وہ حائض ہوگی، (۵) جس محتاج پر صدقہ کیا جائے وہ خاموش رہے، تو یہ قبول کرنے کے حکم میں ہے۔ لیکن جس پر ہبہ کیا جائے اس کی خاموشی کافی نہیں ہے، (۶) جس شخص پر صدقہ یا ہبہ کیا گیا ہے وہ شخص اگر صدقہ اور ہبہ کے مال پر قبضہ کر لے اور مالک دیکھ کر خاموش رہے تو یہ اجازت کے حکم میں ہے، (۷) کسی نے کسی شخص کو وکیل بنایا اور وہ چپ رہا تو یہ قبول کے حکم میں ہے، لیکن اس کے رد کرنے سے رد ہو جاتا ہے، (۸) مقررہ کاسکوت قبول کے حکم میں ہے، (۹) کسی کو کوئی چیز سپرد کی جائے اور وہ خاموش رہے تو یہ بھی قبول کے حکم میں ہے، (۱۰) کسی پر کوئی چیز وقف کی گئی اور وہ سن کر خاموش رہا تو یہ بھی قبول کے حکم میں ہے، (۱۱) بیع التلجیہ میں بائع یا مشتری نے کہا میں اس بیع کو صحیح قرار دیتا ہوں، اور دوسرا سن کر چپ رہا تو یہ بھی ماننے کے حکم میں ہے، (۱۲) مال غنیمت مجاہدین پر تقسیم کرتے وقت مالک قدیم کا چپ رہنا رضامندی ہے، (۱۳) غلام کو خرید و فروخت کرتے دیکھ کر مشتری بالخیار کا چپ رہنا خیار کو ساقط کر دیتا ہے، (۱۴) خریدار کا خریدی ہوئی چیز پر قبضہ دیکھ کر اُس بیچنے والے کا چپ رہنا جس کو مال روک رکھے کا اختیار تھا اس کی طرف سے اجازت ہے، (۱۵) جس کو حق شفعہ پہنچتا تھا اس کو معلوم ہوا کہ حق شفعہ والی چیز بیچ لی گئی ہے مگر وہ چپ رہا تو اس کا حق باطل ہو گیا، (۱۶) غلام کو غیر کا مال بیچتے خریدتے دیکھتے ہوئے بھی آقا کا چپ رہنا تجارت کی اجازت کے حکم میں ہے، (۱۷) آقا نے قسم کھائی کہ اپنے غلام کو تجارت کی اجازت نہیں دوں گا لیکن جب دیکھا کہ وہ خرید و فروخت کر رہا ہے تو خاموش رہا اس صورت میں وہ حائض قرار پائے گا، (۱۸) بیچتے وقت غلام کا چپ رہنا غلامی کا اقرار ہے، (۱۹) ایک شخص نے قسم کھائی کہ فلاں کو اپنے گھر نہیں اترنے دوں گا، پھر اس کو اپنے گھر میں اترتے دیکھا اور چپ رہا تو وہ حائض قرار پائے گا، (۲۰) عورت کے بچہ پیدا ہوتے وقت یا مبارکبادی دیتے وقت شوہر کا چپ رہنا ثبوت نسب کا اقرار ہے، اس کے بعد لڑکے سے انکار معتبر نہیں، (۲۱) ام ولد کے ولادت کے وقت آقا کا خاموش رہنا بچہ کا اقرار ہے، (۲۲) فروخت سے پہلے سامان میں عیب سن کر چپ رہنا عیب پر رضامندی ہے بشرطیکہ خبر دینے والا عادل ہو، (۲۳) باکرہ نے سنا کہ ولی نے اس کی شادی کر دی ہے اور وہ خاموش رہی تو یہ اس کی طرف سے رضامندی ہوگی، (۲۴) بیوی یا کسی قریبی رشتہ دار نے زمین بیچی اور اس وقت شوہر نے سکوت کیا تو یہ اس کا سکوت اقرار ہے کہ وہ زمین اس کی نہیں ہے، مثلاً سرقہ کا اسی پر فتویٰ ہے اسی طرح بیوی دیکھ رہی ہے کہ شوہر ایک چیز بیچ رہا ہے اور وہ خاموش رہی تو یہ اس کی طرف سے اقرار ہے کہ اس کی ملکیت نہیں ہے، (۲۵) ایک شخص نے دیکھا کہ کوئی دوسرا شخص سامان یا گھر بیچ رہا ہے پھر خریدار نے عرصہ تک اس پر تصرف رکھا اور یہ شخص چپ رہا تو یہ چپ رہنا اس کے دعویٰ کو ساقط کر دیتا ہے، (۲۶) شرکت عنان کے دو شریکوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ اس لوٹڈی کو میں خاص طور پر اپنے لیے لیتا ہوں اور دوسرا چپ رہا تو اس میں دونوں کی شرکت نہیں ہوگی، (۲۷) وکیل نے موکل سے کہا کہ فلاں چیز مخصوص طور پر اپنے لیے خرید رہا ہوں اور موکل خاموش رہا تو وہ چیز وکیل کی ہوگی۔ (۲۸) نابالغ سمجھ دار کو خرید و فروخت کرتے دیکھ کر اس کے ولی نے خاموشی اختیار کی تو یہ اس کی طرف سے اجازت شمار ہوگی، (۲۹) کسی نے غیر کو دیکھا کہ اس نے مشک پھاڑ ڈالا اور جو چیز اس مشک میں تھی وہ ہبہ گئی اور دیکھنے والا خاموش رہا تو یہ اس کی طرف سے رضامندی سمجھی جائے گی، (۳۰) کسی نے قسم کھائی کہ غلام سے خدمت نہیں لوں گا پھر غلام آقا کے کہے بغیر اس کی خدمت کرنے لگا اور آقا چپ رہا تو آقا حائض قرار پائے گا۔ یہ تین مسائل جامع الفصولین وغیرہ میں درج ہیں: (۳۱) ماں نے اپنی بیٹی کے جہیز میں کچھ

سامان اس نے ہاپ لے سامان سے دیا اور ہاپ خاموش رہا تو اب ہاپ کو حق نہیں رہتا کہ اس سامان کو واپس لے، (۳۲) ماں نے بیٹی لے جہنم میں وہ سامان دینے جو رائج تھے اور ہاپ خاموش رہا تو اب ماں اس دینے کی ضامن نہیں ہوگی، (۳۳) لونڈی زیور پہنے ہوئی تھی اسی کے ساتھ اس کو بغیر کسی شرط کے فروخت کر دیا پھر لونڈی مع زیور خریدار کے سپرد کر دی وہ اس کو لے گیا اور بیچنے والا خاموش رہا تو یہ خاموشی اجازت کے حکم میں ہوگی خریدار زیور کا مالک بھی ہوگا، (۳۴) شاگرد نے استاذ کے سامنے پڑھا اور استاذ خاموش رہا تو یہ استاذ کے نطق کے حکم میں ہوگا، (۳۵) مدعا علیہ کا بلا غدر خاموش رہنا انکار کے حکم میں ہے اور بعضوں نے کہا کہ یہ انکار نہیں، (۳۶) مرتبہ نے مال رہن پر قبضہ کیا اور راہن خاموش رہا تو یہ تسلیم کے حکم میں ہے، (۳۷) قاضی نے مرنے (گواہ کی صفائی دینے والے) سے گواہ کے متعلق دریافت کیا اور وہ چپ رہا تو یہ عادل قرار دینے کے معنی میں ہے، یہ مسائل الافہام والنظار سے لیے گئے ہیں، ۱۴ مسائل متوی نے زیادہ کیے ہیں، جن کو یہاں چھوڑا جا رہا ہے۔

فان استاذلها غیر الاقرب کاجنبی او ولی بعید فلا عبرة لسکوتها بل لا یدمن القول کالثیب البالغة لا فرق بینهما الا فی السکوت لان رضاهما یكون بالدلالة کما ذکره یقوله او ما هو فی معناه من فعل یدل علی الرضا کطلب مهرها و نفقتها و تمکینھا من الوطی و دخوله بها برضاها ظهیریة و قبول التهنة والضحك سرور او نحو ذلك بخلاف خدمته او قبول هدیه من زالت بکارتها بوثبة ای نطة او درور حیض او حصول جراحة او تغیس ای کبر بکر حقیقة کتفریق یجب او عنه او طلاق او موت بعد خلوة قبل وطی او زنا و هذه فقط بکرحکما ان لم یتکرر و لم تحد به والا فثیب کموطوة تشبة او نکاح فاسد

غیر ولی کی اجازت طلبی پر باکرہ کے لیے بولنا اگر بالغہ باکرہ سے نکاح کی اجازت ولی کے سوا دوسرے کسی قریب یا اجنبی نے یا ولی بعید نے لی، در انحالیکہ ولی قریب موجود تھا تو اس وقت اس کے چپ رہنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ بلکہ اس وقت اس کا بولنا اسی طرح ضروری ہے جیسے بالغہ ثیبہ کا، ثیبہ اس عورت کو کہتے ہیں جس کا ایک مرتبہ نکاح ہو چکا ہو اور اس کے ساتھ صحبت بھی ہو چکی ہو، پھر طلاق دینے یا شوہر کے مرنے سے جدائی حصہ میں آئی ہو۔

بالغہ باکرہ اور بالغہ ثیبہ دونوں کے اندر صرف ایک مسئلہ میں فرق ہے اور وہ ہے نکاح کے لیے طلب اجازت کے وقت خاموش رہنا، کہ باکرہ کا خاموش رہنا رضامندی کی دلیل ہوتی ہے، ثیبہ کے لیے بولنا ضروری ہے، اس کی خاموشی دلیل رضا نہیں، جب کہ اجازت چاہنے والا ولی ہو۔

ولالت حال سے رضا کا اظہار باکرہ اور ثیبہ دونوں کی رضادالت حال سے معلوم ہوتی ہے جیسا کہ مصنف نے ذکر کیا ہے کہ باکرہ بالغہ سے جب غیر ولی اجازت طلب کرے گا تو اس کے لیے لازم ہوگا کہ وہ ثیبہ کی طرح بولے یا ایسا کام کرے جس سے قول کے مانند رضا سمجھی جاتی ہے جیسے اپنے مہر اور نفقہ کا طلب کرنا، یا اپنے اوپر ولی کی قدرت دینا، اور اپنی خوشی سے شوہر کے ساتھ خلوت کرنا، ہدیہ اور مبارکبادی کا قبول کرنا، خوشی میں آکر ہنسا،

اور ان جیسے دوسرے افعال کرنا، جو رضامندی کو ظاہر کرے جیسے اپنا سامان اور بستر شوہر کے گھراٹھوایجانا، باقی شوہر کی خدمت اور اس کا تحفہ قبول کرنا، رضامندی کی دلیل نہیں ہے۔

جس عورت کی بکارت (اندرونی جھلی) وطی سے پہلے کسی وجہ سے زائل ہو گئی جیسے اُچھلنے کودنے سے شرمگاہ کا پردہ

بکارت کے زائل ہونے کے بعد باکرہ کا حکم

پھٹ گیا یا حیض آنے کی وجہ سے ایسا ہوایا وہاں زخم لگنے سے ایسا ہوا، یا زیادہ عمر ہو جانے کی وجہ سے ہوا، تو ایسی تمام عورت حقیقی باکرہ کے حکم میں ہے جیسے وہ عورت جس کی تفریق شوہر کے مقطوع الذکر ہونے کی وجہ سے ہوئی یا نامرد ہونے کی وجہ سے ہوئی یا بعد خلوت مگروطی کے پہلے شوہر کے طلاق دیدینے یا شوہر کے مرنے سے ہوئی ہے، اگر اس کی بکارت زنا کی وجہ سے زائل ہوئی ہے تو یہ عورت حکماً باکرہ ہے، یعنی بمنزلہ باکرہ ہے، جب کہ دوبارہ زنا نہ ہوا ہو اور نہ اس کی وجہ سے اس پر حد لگی ہو، لیکن اگر چند دفعہ زنا پایا گیا ہے یا زنا کی وجہ سے حد جاری ہوئی ہے تو باکرہ کے حکم میں نہیں ہے بلکہ شیبہ ہے اس عورت کی طرح جس سے شبہ میں وطی کی گئی ہو یا نکاح فاسد کی وجہ سے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر باکرہ سے ولی نے اجازت چاہی خواہ حقیقتاً باکرہ ہو خواہ حکماً اور وہ خاموش رہی تو حکماً یہ اجازت ہوگی اور اس کی یہ خاموشی نطق (بولنے) کے حکم میں قرار پائے گی۔ اس کا بولنا ضروری نہیں ہے۔

قال الزوج للبكر البالغة بلغك النكاح فسكت و قالت بل رددت النكاح ولا بينة لهما على ذلك ولم يكن دخل بها طوعا في الاصح فالقول قولها بيمينها على المفتي به و تقبل بينته على سكوتها لانه وجودي بضم الشفتين ولو برهنا فبينتها اولى الا ان يبرهن على رضاها او اجازتها كما لو زوجها ابوها مثلا زاعما عدم بلوغها فقالت انا بالغة والنكاح لم يصح و هي مراقة و قال الاب او الزوج بل هي صغيرة فان القول لها ان ثبت ان سنها تسع و كذا الوادعي المراهق بلوغه ولو برهنا فبينه البلوغ اولى على الاصح بخلاف قول الصغيرة رددت حين بلغت و كذبها الزوج فالقول له لانكاره زوال ملكه هذا لو اختلفا بعد زمان البلوغ ولو حالة البلوغ فالقول لها شرح وهبانية فيلحفظ

شوہر نے اپنی بیوی باکرہ بالغہ سے کہا تجھے نکاح کی خبر پہنچی اور تو خاموش رہی، باکرہ نے کہا نہیں میں نے نکاح کو رد کر دیا تھا، اپنے اس

میاں بیوی کے اختلاف کی صورت

دعوے پر دونوں میں سے کسی کے پاس شرعی ثبوت نہیں ہو اور شوہر نے اب تک بیوی سے اس کی رضا سے خلوت بھی نہیں کی، اس صورت میں عورت کا قول لائق اعتبار ہوگا مگر اس کی قسم کے ساتھ مفتی ابہ قول یہی ہے، یعنی اگر عورت قسم کھالے گی تو نکاح ثابت نہیں ہوگا، ہاں اگر عورت خاموش رہے گی تو اس وقت شوہر کے گواہ مقبول ہوں گے اس وجہ سے کہ چپ رہنا وجودی امر ہے کیونکہ یہ دونوں لبوں کے ملانے سے ہوتا ہے۔

اور اگر اس مسئلہ میں میاں بیوی دونوں گواہ لائیں تو قابل ترجیح عورت کے گواہ ہوں گے لیکن اگر شوہر نے عورت کی

رضامندی یا اس کی اجازت پر گواہ پیش کیے تو اس صورت میں شوہر کے گواہ قابل ترجیح ہوں گے۔

جیسے اگر کسی عورت کا باپ اس کو نابالغ سمجھ کر اس کی شادی کر دے اور عورت کہے کہ میں بالغ ہوں تو یہ نکاح صحیح نہیں ہوگا، جب وہ قریب البلوغ ہو اور باپ یا شوہر نے کہا کہ یہ نابالغ ہے اس صورت میں بھی عورت کا قول مانا جائے گا اگر یہ ثابت ہو جائے گا کہ اس کی عمر نو سال ہو چکی ہے اگر عورت بالغ ہونے کا دعویٰ کرے۔

قریب البلوغ کے قول کا اعتبار اسی طرح اگر کوئی لڑکا جو قریب البلوغ ہے وہ اپنے بالغ ہونے کا دعویٰ کرے تو اس لڑکے کی بات مانی جائے گی مثلاً باپ نے بیٹے کی کوئی چیز اس کی بلا اجازت بیچ دی، بیٹے نے کہا میں بالغ ہوں میری مرضی کے بغیر آپ کا بیچنا جائز نہیں ہے، اور باپ نے یا خریدار نے کہا کہ لڑکا نابالغ ہے تو اس صورت میں بیٹے کا قول معتبر ہوگا۔ اور اگر اپنے اپنے دعوے پر باپ بیٹے دونوں نے گواہ پیش کر دیئے تو جو گواہ بلوغ کے گذریں گے ان کی بات قابل تسلیم ہوگی اصح قول یہی ہے۔

شوہر و بیوی کے اختلاف کی صورت اس کے خلاف مسئلہ اس نابالغ کا ہے جو کہتی ہے کہ جس وقت میں بالغ ہوئی تھی اسی وقت میں نے نکاح رد کر دیا تھا۔ اور شوہر اس کی تکذیب کرتا ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ تو اس صورت میں شوہر کی بات مانی جائے گی اس لیے کہ شوہر اپنے ملک کے زائل ہونے کا منکر ہے اور لڑکی مدعی ہے بات منکر کی تسلیم ہوگی۔

عورت کے بالغ ہونے کے بعد اگر شوہر اور بیوی میں اختلاف ہوا ہے تو شوہر کا قول قابل اعتبار ہوگا اور اگر یہ اختلاف بالغ ہونے کے وقت ہوا ہے تو بالغ کی بات مانی جائے گی کذا فی شرح الوہبانیہ۔

وللولی الآتی بیانہ نکاح الصغیر والصغیرۃ جبراً ولو ثیبا کمعتوہ و مجنون شہراً ولزم النکاح ولو بغین فاحش بنقص مہرہا و زیادۃ مہرہ او بزواجہا بغیر کفو ان کان الولی المزوج بنفسہ بغین ابا او جدا و کذا المولی و ابن المجنونة ولم یعرف منہما سوا لاختیار مجانۃ و فسقا وان عرف لا یصح النکاح اتفاقاً و کذا لو کان سکران فزوجہا من فاسق او شریرا و فقیرا و ذی حرفة دنیۃ لظہور سؤ اختیارہ فلا تعارضہ شفقتہ المظنونة بحر

نابالغ لڑکے، لڑکیوں کے ولی کو اختیار جن ولیوں کا بیان آرہا ہے ان کو نابالغ لڑکا اور لڑکی کے زبردستی نکاح کرنے کا اختیار ہے اگرچہ وہ ثیبہ اور شیبہ ہوں جیسے بے عقل

اور اس پاگل کے ولی کو زبردستی نکاح کر دینے کا اختیار ہوتا ہے جس کا جنون ایک ماہ رہتا ہے، ولی باپ دادا ہے تو ان کے نکاح کر دینے کے بعد نابالغوں کا نکاح لازم ہو جاتا ہے گو غبن فاحش کے ساتھ نکاح ہوا ہو، وہ اسے بعد بلوغ فسخ نہیں کر سکتے ہیں، اور غبن فاحش کی مثال جیسے نابالغ کا مہر کم کر دیا گیا ہو یا نابالغ لڑکے کا مہر زیادہ کر دیا گیا ہو جو عام طور پر نہیں ہوتا یا غیر کفو میں شادی کر دی گئی ہو، مگر شرط یہ ہے کہ ولی جس نے نکاح کیا ہے اس نے بطور خود ایسا کیا ہو، اور وہ لڑکی یا لڑکے کا باپ ہو یا دادا ہو۔ اسی طرح اگر آقا نے غلام یا لونڈی کا نکاح کر دیا ہے اسی طرح پاگل عورت کا لڑکا، جس نے پاگل ماں کا نکاح کر دیا ہے یہ نکاح بھی لازم ہو جاتا ہے، فسخ نہیں کیا جاسکتا۔

لیکن اُس باپ دادا کا کیا ہوا نکاح لازم ہوتا ہے جس کی بد تدبیری راہ پیا کی اور جس کا فسق و فجور معروف و مشہور نہ ہو اور اگر وہ اپنی بد تدبیری اور فسق و فجور میں مشہور ہو چکا ہے تو اس کا کیا ہوا نکاح بالاتفاق صحیح نہیں ہوتا ہے۔

اسی طرح وہ نکاح بھی صحیح نہیں ہوتا ہے جس کو باپ دادا بدستی اور مدہ ہوشی کے عالم میں کیا ہو یا نابالغ لڑکے لڑکی کا اس نے نکاح کسی شری یا فاسق سے کر دیا ہو یا ایسے محتاج سے کر دیا ہو جو مہر اور نفقہ دینے پر قادر نہیں ہے یا وہ ذلیل پیشہ سے کمانے والا ہے جیسے خاکروب اور موچی، کیونکہ اس صورت میں اس کا بدلہ سد ہونا ظاہر ہے، لہذا مظلونہ شفقت اس کے مقابل نہیں ہو سکے گی، بلکہ شفقت کا گمان جاتا رہے گا۔

وان كان المزوج غیرهما ای غیر الاب و ایہ ولو الام او القاضی او وکیل الاب لکن فی النہر بحثا لو عین لو کیلہ القدر صح لا یصح النکاح من غیر کفو او بغبن فاحش اصلا و ما فی صدر الشریعة صح ولہما فسخہ وہم وان كان من کفو و بہم المثل صح و لکن لہما ای لصغیر و صغیرہ و ملحق بہما خیار الفسخ ولو بعد الدخول بالبلوغ والعلم بالنکاح بعدہ لقصور الشفقة و یغنی عنہ خیار العتق ولو بلغت وہو صغیر فرق بحضرة ایہ او وصیہ بشرط القضاء للفسخ فیتوارثان فیہ ویلزم کل المہر

اگر نکاح کرانے والا باپ دادا کے علاوہ ہے، خواہ وہ ماں ہو، قاضی، یا باپ کا وکیل اور یہ لوگ غیر کفو میں نکاح کر دیں یا بغبن فاحش کے ساتھ کریں تو اس صورت میں نکاح سرے سے صحیح نہیں ہوگا۔ نہر الفائق میں بحث کر کے لکھا ہے کہ اگر باپ نے جس کو وکیل بنایا ہے اس سے مہر کی مقدار متعین کر دی تھی تو اس کا کیا ہوا نکاح صحیح ہوگا (لیکن فتویٰ پہلے قول پر ہے)

صدر الشریعہ نے یہ جو لکھا ہے کہ باپ دادا کے سوا دوسروں کا غیر کفو میں یا بغبن فاحش (صریح نقصان) کے ساتھ نکاح کرنا درست ہے اور نابالغ لڑکا لڑکی کو بالغ ہونے کے بعد فسخ نکاح کا اختیار ہے یہ ان کا وہم ہے، یہ نکاح جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے صحیح نہیں ہے کذا فی فتح القدیر۔

البتہ اگر یہ دوسرے لوگ کفو میں شادی کر دیں اور مہر مثل کے ساتھ، تو نکاح صحیح ہوگا۔ لیکن ان دونوں نابالغ لڑکا لڑکی کو اور اسی طرح پاگل اور نرے بیوقوف کو بعد بلوغ اور جنون کے اور بیوقوفی کے ختم ہونے کے بعد نکاح کے فسخ کرنے کا اختیار ہوگا، اگرچہ بیوی کے پاس جا چکا ہو، مگر شرط یہ ہے کہ اسکو نکاح کا ہونا پہلے سے نامعلوم ہو اور اگر پہلے سے معلوم نہیں تھا بالغ ہونے کے بعد معلوم ہوا تو بالغ ہونے کے بعد علم میں آتے ہی فسخ کا اختیار حاصل ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ باپ دادا کے علاوہ دوسرے لوگوں میں وہ شفقت نہیں ہوتی ہے جو باپ دادا میں ہوتی ہے بلکہ بہت کم ہوتی ہے اور اسی وجہ سے نابالغ کو بلوغ کے بعد فسخ کا اختیار دیا گیا ہے۔ اگر ایسے ہی نابالغ غلام اور لونڈی ہوں اور ان کا نکاح کیا گیا ہو پھر بالغ ہونے کے بعد ان کو آزادی حاصل ہو گئی، تو آزادی کا اختیار بلوغ کے اختیار سے بڑھا ہوا ہے۔

لڑکی بالغ ہو گئی اور لڑکا نابالغ ہی رہا اور لڑکی نے چاہا کہ نکاح توڑ دیا جائے تو ان دونوں میں لڑکے کے باپ یا اس کے وصی کے روبرو تفریق کی جائے گی لیکن فسخ کے لیے قاضی کا

فیصلہ ضروری ہوگا۔ لہذا دونوں ایک دوسرے کے نکاح میں وارث ہوں گے یعنی لڑکی کے بالغ ہونے کے بعد قاضی نے نکاح فسخ نہیں کیا یہاں تک کہ ان دونوں میں سے کوئی مر گیا تو نکاح کے باقی ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث قرار پائیں گے، اور شوہر کے ذمہ تمام مہر ادا کرنا ہوگا۔ اس لیے کہ موت سے بھی مہر موکد ہو جاتا ہے۔

ثم الفرقة ان من قبلها ففسخ لا ينقص عدد طلاق ولا يلحقها طلاق الا في الردة وان من قبله فطلاق الا بملك او ردة او خيار عتق وليس لنا فرقة منه ولا مهر عليه الا اذا اختار نفسه بخيار عتق و شرط لكل القضاء الا ثمانية و نظمه صاحب النهر فقال فرق النكاح اتك جمعاً نافعا فسخ طلاق و هذا الدر يحكيها تباین الدمع نقصان مهر كذا فساد عقد و فقد الكفو ينعها تقبيل سبي و اسلاما لمحارب و ارضاع ضررتها قد عذ فيها خيار عتق بلوغ ردة و كذا ملك لبعض و تلك الفسخ يحصيها اما الطلاق فجب عنة و كذا ايلأوه ولعان ذاك يتلوها قضاء قاض اتى شرط الجميع خلا عتق و ملك اسلام اتى فيها تقبيل سبي مع الايلاء يا املى تباین مع فساد العقد يدنيها

جدائی منجانب بیوی اگر جدائی کا مطالبہ بیوی کی جانب سے ہے تو نکاح کا فسخ کرنا طلاق کے عدد کو کم نہیں کرے گا یعنی اگر آزاد عورت کے نکاح فسخ ہونے کے بعد اس کی خوشی سے اس کا نکاح ہوا ہے تو شوہر کو تین طلاق دینے کا حق حاصل ہوگا اور جو عورت فسخ کی عدت میں ہے اس کو طلاق لاحق نہیں ہوگی، مگر اس کے مرتد ہو جانے کے بعد البتہ طلاق لاحق ہوگی، گو عورت کا ارتداد فسخ نکاح کے حکم میں ہے مگر اس فسخ کی عدت میں طلاق واقع ہوگی۔

جدائی منجانب شوہر اور اگر جدائی منجانب شوہر ہے تو یہ طلاق کے حکم میں ہے لیکن شوہر کے مالک ہونے، مرتد ہونے اور شوہر کو خيار عتق حاصل ہونے سے جو جدائی ہوگی وہ طلاق شمار نہیں ہوگی، بلکہ وہ فسخ شمار ہوگا۔ جیسے کسی نے لونڈی سے شادی کی تھی پھر اس نے اس کو خرید لیا تو اس صورت میں اس کا نکاح فسخ ہو گیا، یہ جدائی ہوئی تو شوہر کی جانب سے ہے مگر یہ طلاق نہیں ہے بلکہ فسخ ہے۔ اور اسی طرح اور صورتیں۔

جدائی کے بعد مہر کی ادائیگی خفیوں کے نزدیک شوہر کی جانب سے کوئی جدائی ایسی نہیں ہے جس میں شوہر پر مہر کی ادائیگی ضروری نہ ہو، سوائے ایک صورت کے کہ شوہر نابالغ تھا جب اس کا نکاح ہوا تھا، بالغ ہونے کے بعد اس کو خيار بلوغ حاصل ہوا تو اس راہ سے جو جدائی ہوگی اس میں شوہر پر مہر واجب نہیں ہے، اور ان تمام جدائی میں قضائے قاضی شرط ہے البتہ آٹھ جدائی ایسی ہیں جن میں قاضی کا فیصلہ شرط نہیں ہے۔ اور ان آٹھ جدائیوں کو نہر الفائق میں نظم کر دیا گیا ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے:

طلاق و فسخ نکاح کی جدائی ترے پاس مجموعہ نفع ہو کر آئیں اور یہ دو جنس میں منحصر ہیں ایک طلاق دوسرے فسخ۔ ان دونوں کو یہ نظم بیان کر رہی ہے۔ اول ان میں دار کا تبائن ہے جب دار کے متبائن ہونے کی وجہ سے فرقت پیش آئے، دوسری فرقت مہر کا کم ہونا ہے یعنی مہر کے کم ہونے کی وجہ سے جدائی پیش آئے، تیسری جدائی عقد کا فاسد ہونا ہے چوتھی جدائی کفو کا فقدان ہے، جو عورت کو موت کی خبر سناتا ہے تبائن دار یہ ہے کہ مثلاً عورت دار الحریثہ کو چھوڑ کر دار الاسلام میں آگئی، خواہ

مسلمان ہو کر خواہ ذمیہ ہو کر، تو وہ اپنے شوہر سے جدا ہو گئی، اگر وہ معاملہ نہیں ہے تو فوراً اس کا نکاح کر لینا درست ہے، مہر کے کم ہونے کی مثال یہ کہ عورت اپنا نکاح مہر مثل پر کر لے تو اس صورت میں ولی کو حق ہے کہ تفریق کر دے اگر دخول سے پہلے تفریق ہوئی تو عورت کو کچھ مہر نہیں ملے گا اور اگر بعد دخول تفریق کی نوبت آئی ہے تو مہر متعین ملے گا، فساد عقد کی مثال جیسے کسی کے پاس آزاد عورت بیوی موجود تھی اور اس کے باوجود اس نے لونڈی سے نکاح کر لیا تو اس کا یہ دوسرا نکاح فاسد ہو جائے گا، اور تفریق ہو جائے گی اور فقدان کفو کی مثال یہ ہے کہ عورت نے اپنا نکاح غیر کفو میں کر لیا اس صورت میں اولیاء کو حق اعتراض ہے اور وہ اسے فسخ کر سکتا ہے۔

فرقت تقبیل

پانچویں فرقت تقبیل والی ہے اور چھٹی قیدی کی اور ساتویں حربی کا اسلام لانا، اور آٹھویں سوت کے سوت کو دودھ پلانے کی، اسلام لانے اور دودھ پلانے کا شمار اسی میں ہے۔

فرقت تقبیل کا مطلب یہ ہے کہ عورت شوہر کے بیٹے کو شہوت سے چھو لے یا اس کا بوسہ لے لے تو نکاح جاتا رہے گا یا شوہر نے عورت کی بیٹی کا شہوت سے بوسہ لیا یا اس کو شہوت کے ساتھ چھو لیا تو اس سے بھی نکاح ٹوٹ جائے گا، کیونکہ حرمت مصاہرت لازم آئے گی، قید کی فرقت یہ کہ عورت دار الحرب سے قید ہو کر دارالاسلام میں آگئی، اسلام کی فرقت یہ ہے کہ حربی شوہر مسلمان ہو گیا اور عورت کو تین حیض آچکے یا تین مہینے گزر چکے تو یہ جدائی فسخ قرار پائے گی، دودھ پلانے کی فرقت مثلاً عورت نے اپنی نابالغہ سوت کو دودھ پلا دیا جس کی عمر دو سال سے کم تھی، تو اس سے دونوں کا نکاح فسخ ہو جائے گا۔

نویں فرقت خیارتق ہے اور دسویں خیاری بلوغ کی، گیارہویں ارتداد کی بارہویں جدائی، بعض کا ملک ہونا یہ سب جدائیاں فسخ شمار ہوتی ہیں طلاق نہیں۔ خیارتق کی جدائی صرف عورت کی طرف سے ہوتی ہے، بعض کی ملک جیسے شوہر بیوی کا مالک ہو جاوے یا بیوی شوہر کی، تو اس صورت میں نکاح جاتا رہے گا، اور جب بعض ملک سے جدائی ہوگی تو کل ملک سے بدرجہ اولیٰ ہوگی۔

طلاق سے جدائی

باقی طلاق سے جو جدائی ہوتی ہے وہ چار ہیں، محبوب ہونا، نامرد ہونا، ایلاء کا پایا جانا، اور لعان کا ہونا یہ حکم میں ماقبل کے تابع ہے۔ محبوب کا مطلب ہے کہ شوہر کو بیوی مقطوع الذکر والخصمین پائے۔ ایلاء کہتے ہیں کہ شوہر قسم کھائے کہ وہ چار ماہ بیوی سے صحبت نہیں کرے گا اور چار مہینے اسی طرح گزر گئے، لعان کا مطلب ہے کہ شوہر بیوی کو زنا کی تہمت لگائے اور گواہ نہ پیش کر سکے پھر دونوں قسم کھائیں کہ جھوٹے پر لعنت ہو اس کے بعد باہم جدائی ہو جاتی ہے کل سولہ قسم کی جدائی ہوئیں بارہ فسخ کی ہیں اور چار طلاق کی۔

قضائے قاضی

ان تمام جدائیوں میں سے آٹھ میں قضائے قاضی شرط ہے اور آٹھ میں شرط نہیں ہے۔ اور وہ یہ ہیں: (۱) خیارتق، (۲) جدائی بوجہ ملک اور (۳) جدائی بوجہ اسلام، (۴) جدائی بوجہ تقبیل، (۵) جدائی بوجہ قید، (۶) جدائی بوجہ ایلاء، (۷) جدائی بوجہ تباین دار، (۸) جدائی بوجہ فساد عقد۔

وبطل خيار البكر بالسكوت لو مختارة عالمة باصل النكاح و لو سألت عن قدر المهر قبل الخلوة او عن الزوج او سلمت على الشهود لم يبطل خيارها نهر بحثا ولا يمتد الى آخر المجلس لانه كالشفعة ولو اجتمعت معه تقول اطلب الحقين ثم تبدأ بخيار البلوغ لانه ديني و تشهد قائلة بلغت الآن ضرورة احياء الحق وان جهلت به لتفرغها للعلم

بخلاف خيار المعتقة فانه يمتد لشغلها بالمولى

مسئلہ باکرہ کا خيار بلوغ باکرہ کے خيار بلوغ کا اختيار سكوت (خوشی) باطل ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ اصل نکاح کو جانتی ہو اور خوشی اختيار کرنے میں مختار ہو۔ لہذا اگر باکرہ کو چھینک یا کھانسی آئے یا کسی کے منہ بند کر دینے سے بول نہ سکے تو اس خاموشی سے اختيار باطل نہیں ہوگا۔

باکرہ نے مہر کی مقدار دریافت کی اور یہ خلوت سے پہلے کی، یا شوہر کے متعلق کچھ پوچھایا گو اہوں کو سلام کیا، تو ان افعال سے اس کا اختيار باطل نہیں ہوگا کذا فی نہر الفائق، خيار بلوغ مجلس کے اخیر تک دراز نہیں ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ خيار بلوغ شفیعہ کی طرح ہے یعنی جس مجلس میں عورت کو اپنے بالغ ہونے کا علم ہو اسی مجلس میں فوراً اس کو اظہار کرنا چاہیے اگر فوراً نہیں اظہار کرے گی اور خوشی اختيار کرے گی تو پھر سماعت نہیں ہوگی جیسے شفیعہ میں علم کے بعد سكوت کرنے سے شفیعہ باطل ہو جاتا ہے۔ اگر حق شفیعہ خيار بلوغ کے ساتھ جمع ہو جائے تو وہ کہے کہ میں دونوں حق طلب کرتی ہوں، پھر تفصیل میں پہلے خيار بلوغ کا نام لے کہ یہ ایک دینی امر ہے اور یہ کہہ کر گواہ بنائے کہ میں اب بالغ ہو چکی ہوں، یہ کہنا اس کے حق کو زندہ کرنے کیلئے ہوگا۔

بالغ ہونے کے بعد چپ رہنے سے خيار بلوغ باطل ہو جاتا ہے گو وہ اس مسئلہ سے واقف نہ ہو، اس لیے کہ نہ جانا عذر نہیں مانا گیا ہے آزاد عورت کا فرض ہے کہ وہ ان ضروری مسائل سے واقف رہے البتہ اگر وہ لوٹڈی ہے جو ابھی آزاد ہوئی ہے تو اس کے لیے نہ جانا عذر ہے کیونکہ وہ خدمت مولیٰ میں مشغول تھی، لہذا جب تک اس کو خيار عتق کا مسئلہ معلوم نہ ہو اس کا خيار عتق باقی رہے گا۔

وخيار الصغير والشیب اذا بلغا لا يبطل بالسكوت بلا صریح رضا او دلالة عليه كقبلة ولمس و دفع مهر ولا يبطل بقيامها عن المجلس لان وقته العمر فيبقى حتى يوجد الرضا ولو ادعت التمكين كرها صدقت ومفاده ان القول لمدعى الاكراه لو في حبس الوالى فليحفظ

نابالغ کا خيار بلوغ نابالغ لڑکا اور شیب کا خيار بلوغ بالغ ہونے کے بعد صرف خاموشی سے باطل نہیں ہوتا ہے جب تک صراحت یا دلالت حال سے رضامندی نہ پائی جائے دلالت حال جیسے بوسہ لینا، چھونا، مہر دینا، یعنی لڑکا نابالغ تھا اور لڑکی بھی نابالغ تھی، اور ان کا نکاح باپ دادا کے سوا دوسرے ولیوں میں سے کسی نے کیا تھا تو بالغ ہوتے ہی اس کا خيار بلوغ باطل نہیں ہوگا۔ ہاں جب کہہ دے گا کہ میں نے اس نکاح کو باقی رکھا، یا بیوی کے ساتھ بوس و کنار کر لیا یا مہر دیدیا، یا اس طرح کا کوئی اور کام کیا تو اب اس کا خيار بلوغ باطل ہو جائے گا۔ شیب اس لڑکے کو کہتے ہیں جس کا پہلے نکاح ہوا تھا پھر لڑکی کے مرجانے سے اس کا حالت نابالغی میں دوسرا نکاح ہوا۔

مجلس سے ان دونوں کے اٹھ جانے سے بھی ان دونوں کا خيار باطل نہیں ہوتا ہے اس لیے کہ ان کے اختيار کا وقت ان کی پوری عمر ہے، لہذا جب تک رضامندی نہ پائی جائے اختيار باقی رہے گا۔

مرد کے کہنے پر عورت دعویٰ کرے کہ شوہر نے زبردستی جماع کیا ہے تو عورت کی تصدیق کی جائے گی اس کا فائدہ یہ ہے کہ جو بھی زبردستی کا دعویٰ کرے گا اس کی بات مانی جائے گی اگرچہ مدعی حاکم کی قید میں ہو اس فائدہ کو یاد رکھنا چاہیے۔

الولى فى النكاح لا المال العصبه بنفسه وهو من يتصل بالميت حتى المعتقة بلا توسط

انثی بیان لما قبلہ علی ترتیب الارث والحجب فيقدم ابن المجنونة علی ابیہا لانہ یحجبہ حجب نقصان بشرط حرية و تکلیف واسلام فی حق مسلمة ترید التزوج وولد مسلم لعدم الولاية وكذا الا ولاية فی نکاح ولا فی مال لمسلم علی کافرة الا بالسبب العام بان يكون المسلم سيد امة کافرة او سلطانا او نائبہ او شاهدا

تفصیل اولیاء نکاح ولی نکاح کی تفصیل یہ ہے، یہ مال کے ولی کا بیان نہیں بلکہ اولیاء نکاح کا ہے، ولی نکاح وہ ہے جو بذات خود عصبہ ہو، عصبہ بنفسہ وہ ہے جو میت اور آزاد عورت سے بغیر کسی عورت کے واسطہ کے تعلق رکھتا ہو جیسے باپ بیٹا اور آزاد کرنے والا آقا یہ سب عصبہ بنفسہ ہیں اس لیے باپ کا تعلق بیٹے سے اور بیٹے کا تعلق ماں سے اسی طرح آزاد کرنے والے آقا کا تعلق اس لڑکی سے جس کو اس نے آزاد کیا ہے بلا واسطہ عورت کے ہے۔ یہاں عصبہ بنفسہ میں میت کا لفظ مناسب نہیں ہے بلکہ جس لڑکی یا لڑکے کا نکاح کر رہا ہے اس سے اس کا تعلق بلا واسطہ عورت کے ہو، کہنا چاہیے تھا۔ ولایت نکاح کی ترتیب، ارث اور حجت پر ہے لہذا باپ کا نکاح اس کے باپ پر مقدم ہو گا اس لیے کہ بیٹا باپ کے لیے حاجب نقصان بنتا ہے، کیونکہ اگر بیٹا نہ ہو تو باپ کو میت کا سارا مال ملتا ہے اور جب بیٹا ہو گا تو وہ کل نہیں پائے گا صرف چھٹا حصہ پائے گا۔ اس لیے بیٹے کی ولایت باپ پر مقدم ہوئی۔

عصبہ بنفسہ کے شرائط عصبہ بنفسہ کے ولی ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ آزاد ہو، عاقل بالغ ہو، مسلمان ہو۔ اسی عورت کے حق میں جو نکاح کا ارادہ رکھتی ہو اور مسلمان لڑکے کے حق میں، اس لیے کہ کافر کو مسلمان پر ولایت حاصل نہیں ہے اسی طرح مسلمان کو بھی نکاح میں کافر عورت پر ولایت حاصل نہیں ہے، البتہ سبب عام کی وجہ سے ولایت حاصل ہوتی ہے۔

سبب عام سبب عام یہ ہے کہ مسلمان کافر لوٹڈی کا مالک ہو، یا مسلمان بادشاہ ہو، یا اس کا نائب ہو، تو ان صورتوں میں مسلمان کو کافر پر ولایت حاصل ہوگی۔

کافر کی ولایت کافر کو اپنے جیسے کافر پر ولایت حاصل ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، مماثلت اور برابری کفر میں چاہیے ملت میں نہیں، چنانچہ ایک نصرانی ایک یہودی لڑکی کا ولی ہو سکتا ہے۔

وللکافر ولاية علی کافر مثله اتفاقا فان لم تکن عصبۃ فالولاية للام ثم لام الاب و فی القنیۃ عکسہ ثم للبننت ثم لبننت الابن ثم لبننت البننت ابن الابن ثم لبننت البننت البننت و ہکذا ثم للجد الفاسد ثم للاخت الاب و ام ثم للاخت لاب ثم لولد الام الذکر والانثی سواء ثم لاولادہم ثم لذوی الارحام العمات ثم الاخوال ثم الخالات ثم بنات الاعمام و بهذا الترتیب اولادہم شمنی ثم مولی الموالاة ثم للسلطان ثم لقاض نص له علیہ فی منشورہ ثم لنوابہ ان فوض له ذلك والا لا

عصبہ نہ ہونے کی صورت میں حق ولایت اگر نابالغ کا کوئی عصبہ نہ ہو تو نکاح کی ولایت ماں کو حاصل ہوتی ہے پھر دادی کو۔ اور قنیہ میں اس کے برعکس لکھا ہے

کہ پہلے دادی کو ولایت حاصل ہوگی پھر ماں کو۔ پہلا قول رائج ہے کہ عصبہ نہ ہونے کی صورت میں ولایت ماں کو حاصل ہوگی پھر دادی کو۔ دادی کے بعد بیٹی کو پھر پوتی کو پھر نواسی کو، پھر پڑپوتی کو، پھر پر نواسی کو۔ اسی ترتیب سے فروع کے آخر تک، ان سب کے بعد ولایت نانا کو حاصل ہوگی۔

ولایت نانا کے بعد نانا کے بعد ولایت سگی بہن کو حاصل ہوتی ہے پھر سوتیلی بہن کو پھر ماں کی اولاد کو۔ ان میں عورت اور مرد برابر ہوتے ہیں پھر ماں کی اولاد کی اولاد کو۔ پھر ان کے بعد بقیہ ذوی الارحام کو جیسے پہلے پھوپھی، پھر ماموں پھر خالہ، پھر چچا کی لڑکیاں پھر اسی ترتیب سے ان سب کی اولاد کو۔ پھر مولی الموالات کو۔

مولی الموالات مولی الموالات وہ ہے جس کے ہاتھ پر کوئی کافر مسلمان ہوا ہو، جو شخص مسلمان ہوا تھا وہ مجہول النسب تھا اور وہ نابالغہ لڑکی چھوڑ کر مر گیا تو اس لڑکی کا ولی وہ شخص ہوگا جس کے ہاتھ پر مجہول النسب ایہان لایا تھا۔

ولایت نکاح بادشاہ اور قاضی کو پھر ان سب کے بعد بادشاہ کو ولایت نکاح حاصل ہوتی ہے پھر اس قاضی کو جس کی سند میں نابالغہ کے نکاح کی ولایت کی صراحت کی گئی ہو، پھر قاضی کے نائبوں کو اگر قاضی پر بادشاہ کی طرف سے صغار (نابالغ لڑکا لڑکی) کے نکاح کی ذمہ داری ڈالی گئی ہو، اور اگر قاضی کو یہ فریضہ تفویض نہ کیا گیا ہو تو اس کے نائب کو ولایت نکاح حاصل نہیں ہوگی۔

ولیس للوصی من حیث هو وصی ان یزوج الیتیم مطلقا و ان اوصی الیہ الاب بذلك علی المذهب نعم لو کان قریبا او حاکما یملکہ بالولایۃ کما لا ینحفی

جو شخص وصی ہے اس کو وصی ہونے کی حیثیت سے یہ حق نہیں ہے کہ وہ کسی طرح یتیم کی شادی کر دے اگرچہ اس کو باپ نے نکاح کر دینے کی وصیت ہی کیوں نہ ہو، قوی مذہب اس باب میں یہی ہے۔ البتہ اُردو وصی قرابت دار یا حاکم ہو تو وہ نکاح کا مالک ہوگا، کیونکہ اس کو ولایت حاصل ہے، یہ مخفی نہیں ہے۔

شارح کی طرف سے اضافہ شدہ مسائل

چند جزئیات

فروع لیس للقاضی تزویج الصغیرۃ من نفسہ ولا ممن تقبل شہادتہ لہ کما فی معین الحکام و اقرہ المصنف و بہ علم ان فعلہ حکم و ان عری عن الدعوی صغیرۃ زوجت نفسہا ولا ولی ولا حاکم ثمہ توقف و نفذ باجازتہا بعد بلوغہا لان لہ مجیز او هو السلطان ولو زوجہا ولیان مستویان قدم السابق فان لم یدر او وقعا معا بطلا

قاضی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ نابالغہ کی شادی اپنے آپ سے کر دے اور نہ اس شخص سے جس کی گواہی اس کے حق میں مقبول نہیں، جیسے باپ بیٹا، صغیرہ (نابالغہ) نے نکاح کیا اور وہاں کوئی ولی، حاکم وغیرہ نہیں تھا، تو یہ نکاح موقوف رہے گا اور اس کے بالغ ہو جانے کے بعد اس کی اجازت سے نافذ ہوگا، یہ نکاح اس لیے باطل نہیں ہوگا کہ اس کی اجازت دینے والا یعنی

بادشاہ موجود تھا گو وہ وہاں موجود نہیں تھا۔

اگر کسی نابالغ کا نکاح دو برابر درجہ کے ولیوں نے کر دیا تو اس میں پہلا نکاح مقدم ہو گا اور دوسرا منعقد نہیں ہو گا، اور اگر یہ معلوم نہ ہو سکے کہ پہلا کون ہے اور پچھلا کون، یا دونوں نکاح ساتھ ساتھ ہوئے تو دونوں باطل قرار پائیں گے۔ جیسے کسی نابالغ کے دو بھائی تھے ایک نے کسی اور سے اس کا نکاح کیا اور دوسرے نے کسی اور سے۔

وللولی الا بعد التزویج بغیبة الاقرب فلو زوج الا بعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ ولو تحولت الولاية الیه لم یجز الا باجازه بعد التحول قهستانی و ظهیریة مسافة القصر واختار فی الملتقى مالم ینتظر الکفو الخاطب جوابہ واعتمده الباقانی و نقل ابن کمال ان علیہ الفتوی و ثمرۃ الخلاف فیمن اختفی فی المدينة هل تكون غیبة منقطعة

جب ولی اقرب غائب ہو تو اس ولی کا نکاح کر دینا درست ہے جو بعید ہے اور اگر ولی اقرب کے رہتے ہوئے ولی ابعدا نے نکاح کر دیا ہے تو یہ نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ جیسے کسی لڑکی کا ایک سگا بھائی ہے اور ایک سوتیلہ، تو ان میں سگا ولی اقرب ہے اور سوتیلہ ولی ابعدا۔ سگے کے رہتے ہوئے سوتیلہ نہیں کر سکتا، اگر کر دے گا تو سگے بھائی کی اجازت پر موقوف رہیگا۔ اگر ولایت نکاح ولی ابعدا کی طرف منتقل ہو گئی ہے، تو اب نکاح اس کی اجازت سے ہو گا مثلاً اقرب موجود تھا اس کے باوجود ابعدا نے نکاح کر دیا اس کے بعد اقرب مر گیا یا بالکل غائب ہو گیا تو اس کے مرنے کے بعد ولایت ابعدا کی طرف آگئی لیکن پہلا ابعدا کا کیا ہوا نکاح اس وقت تک جائز نہیں ہو گا جب تک ولی ابعدا ولایت آنے کے بعد دوبارہ اجازت نہیں دے گا۔

ولی ابعدا اس وقت نابالغ لڑکے لڑکی کا بحیثیت ولی نکاح کر سکتا ہے جب ولی اقرب مسافت قصر کی مقدار پر غائب ہو اور ملتقی میں غائب ہونے کی مقدار یہ بتائی ہے کہ جس سے منگنی طے پائی ہے وہ اس کے جواب کا انتظار کرنے پر آمادہ نہ ہو، باقانی نے اسی قول پر اعتماد کیا ہے اور ابن کمال نے اسی پر فتویٰ دینا نقل کیا ہے۔ ان دونوں قولوں میں اختلاف کا ثمرہ اس وقت ظاہر ہو گا جب ولی اقرب شہر میں چھپ گیا ہو اور یہ اندازہ نہیں ہوتا ہے کہ یہ چھپنا غیبت منقطعہ ہے یا نہیں، تو پہلے قول کی بنیاد پر ولی ابعدا کا نکاح کرنا اس صورت میں جائز نہیں ہو گا کیونکہ قصر مسافت کی دوری پر نہیں ہے اور ملتقی کی روایت پر اگر منگنی والا کفو کا انتظار نہ کرے تو جائز ہو گا۔

ولو زوجها الاقرب حیث هو جاز النکاح علی القول الظاهر ظهیریة و یثبت للابعد من اولیاء النسب شرح وهبانیة لکن فی القهستانی عن الغیائی لو لم یزوج الاقرب زوج القاضی عند فوت الکفو التزویج بعضل الاقرب ای بامتناعه عن التزویج اجماعاً خلاصه ولا یبطل تزویجه السابق بعود الاقرب لحصوله بولاية تامة

ولی اقرب جہاں ہے اگر وہیں اس نے نابالغ کا نکاح کر دیا تو یہ نکاح جائز ہو گا کذا فی الظہیر یہ (اور نہر الفائق میں ہے یہ نکاح جائز نہیں ہے کیونکہ وہ غائب ہے) لیکن فتویٰ پہلے قول پر ہے۔

ولی اقرب کے انکار کے بعد ولایت ولی البعد کو اگر ولی اقرب نابالغ لڑکے لڑکی کا نکاح نہ کرے تو ولی البعد کے لیے ولایت ثابت ہوگی یعنی جب اقرب نکاح کو

روک دے گا تو وہ ولایت سے معزول قرار پائے گا اور البعد اس کے قائم مقام گردانا جائے گا۔

لیکن قہستانی میں ہے کہ جب ولی اقرب نابالغ لڑکا لڑکی کی شادی نہ کر دے تو کفو کے فوت ہونے کے وقت قاضی ولی بن کر شادی کر دے گا۔

ولی اقرب کے نہ ہونے کے وقت جو نکاح ولی البعد نے کر دیا ہے وہ نکاح ولی اقرب کے واپس آجانے سے باطل نہیں ہوگا، کیونکہ جس وقت ولی البعد نے نکاح کیا تھا اس کو ولایت تامہ حاصل تھی۔

وولی المجنونة والمجنون ولو عارضا فی النکاح اما التصرف فی المال فلا یاب اتفاقا
ابنها وان سفل دون ابیها کما مر و الاولی ان یامر الاب به لیصح اتفاقا ولو اقر ولی
صغیر او صغیره او اقر وکیل رجل او امرأة او مولى العبد بالنکاح لم ینفذ لانه اقرار
على الغير بخلاف مولى الامة حیث ینفذ اجماعا لان منافع بضعها ملکہ

پاگل عورت کا ولی پاگل عورت اور مرد کا ولی نکاح اس کا لڑکا ہے اور اسکے نیچے والا مثلاً پوتا وغیرہ اگرچہ ان کو پاگل پن عارضی طور پر ہی کیوں نہ ہو۔ پاگل کے بیٹا کے رہتے ہوئے اس کا باپ ولی نہیں ہوگا، یہ پہلے بھی گذر چکا ہے، البتہ پاگل کے مال میں تصرف کا ولی اس کا باپ ہوگا اس میں تمام ائمہ متفق ہیں یعنی امام اعظمؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ۔ اور بہتر یہ ہے کہ پاگل کے نکاح میں اس کا باپ اس کے بیٹے کو حکم دے اور پھر بیٹا پاگل ماں کا نکاح کرے، تاکہ کسی کا اختلاف باقی نہ رہے۔

دوسرے کا اقرار نابالغ لڑکے یا لڑکی کا ولی انکے نکاح کا اقرار کرے، یا کسی شخص کا وکیل اقرار کرے یا غلام کے نکاح کا آقا اقرار کرے یہ اقرار نافذ نہیں ہوگا، کیونکہ یہ غیر کے اوپر اقرار ہے، اپنی ذات پر نہیں ہے کہ حجت بن سکے۔

البتہ اگر لونڈی کے نکاح کا آقا اقرار کر لے گا تو اس کا اقرار نافذ مانا جائے گا، اور اس میں اتفاق ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ لونڈی سے صحبت کا فائدہ آقا کو حاصل ہے اور وہی اس کا مالک ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے دعویٰ کیا کہ میرا نکاح فلاں کی لونڈی سے ہوا ہے، مگر اس کے پاس گواہ نہیں ہیں اب اس کا آقا تصدیق کرتا ہے کہ ہاں اس کا نکاح اس لونڈی سے ہوا ہے تو بات مان لی جائے گی، اور نکاح ثابت ہو جائے گا۔

الا ان یشہد الشہود علی النکاح بان ینصب القاضی خصمان عن الصغیر حتی ینکر
فتقام البینة علیه او یدرک الصغیر او الصغیره فیصدقہ ای الولی المقر او یصدق
الموکل او العبد عند ابی حنیفة و قالوا یصدق فی ذلک و هذه المسئلة مخرجة من قولهم
من ملک الانشاء ملک الاقرار به ولها نظائر فرع هل لولی مجنون و معتوه تزویجه اکثر من
واحدة لم اره ومعنه الشافعی وجوزه فی الصبی للحاجة .

ولی کے اقرار کا نفاذ نکاح کے سلسلہ میں ولی کا اقرار اس وقت نافذ ہوگا جب کہ نکاح ہونے کی گواہی دیں، اسکی صورت یہ ہو کہ قاضی صفیر کی طرف سے مدعا علیہ کھڑا کرے کہ وہ نکاح کا انکار کرے، پھر مدعی کی طرف سے گواہ پیش ہوں یا تائبانہ کی طرف سے گواہی ہو کر اسکی تصدیق کریں یا سوگھل اپنے وکیل کے اقرار کی تصدیق کرے یا غلام اپنے آقا کے اقرار کی تصدیق کرے، یہ امام ابو حنیفہ نے نزدیک ہے اور صاحبین کا کہنا ہے کہ بغیر تصدیق اور بغیر شہادت بھی ولی کے اقرار کی تصدیق ہوگی۔ اقرار کا یہ مسئلہ فقہاء کے اس قول سے نکلا ہے کہ جو شخص انشاء کا مالک ہے وہ اقرار کا بھی مالک ہوگا، اور اس کی اور بھی نظیریں ہیں۔ پر والا مسئلہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے کیونکہ ولی انشاء کا مالک ہے لیکن نکاح کے اقرار کا مالک نہیں ہے۔ ایک مسئلہ یہ ہے کہ کیا پاگل اور بد تدبیر امی کے ولی کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کا نکاح ایک سے زیادہ عورت کے ساتھ کر دے، شارح کہتے ہیں میں نے یہ مسئلہ کہیں نہیں دیکھا۔ امام شافعی نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے البتہ اسے نابالغ کے حق میں اس کی ضرورت کے پیش نظر جائز رکھا ہے۔

باب الکفاءة

من کالاه اذا سواه والمراد هنا مساواة مخصوصة او كون المرأة ادنى الكفاءة معتبرة في ابتداء النكاح للزومه او لصحته من جانبه اى الرجل لان الشريعة تابی ان تكون فراشا للذنی ولذا لا تعتبر من جانبها لان الزوج مستغرض فلا تعبطه دناءة الفراش وهذا عند الكل في الصحيح كما في الجنازية لكن في الظهيرية وغيرها هذا عنده وعندهما تعتبر في جانبها ايضا

میاں بیوی میں برابری

کفاءة کے معنی برابری کے ہیں عرب بولتے ہیں کالاه جب کسی چیز کے برابر ہو اور یہاں کفاءة سے مخصوص قسم کی برابری مراد ہے یا عورت کا مرد سے کمتر ہو، لہذا اگر عورت نے اپنے سے افضل مرد سے نکاح کیا تو ولی کو حق تفریق حاصل نہیں۔

کفاءة کا اعتبار اور اس کا وقت کفاءة کا اعتبار ابتدائے نکاح میں ہوتا ہے، لہذا ابوقت نکاح مرد عورت کے برابر تھا بعد میں فاسق ہو گیا تو اس کی وجہ سے حکم نہیں بدلے گا اور کفاءة نکاح کے شروع میں معتبر نکاح کے لازم ہونے کے لیے ہے یعنی نکاح بغیر کفاءة بھی درست ہے البتہ ولی کو اعتراض کا حق باقی رہتا ہے دوسری روایت یہ ہے کہ کفاءة کا اعتبار نکاح کے درست ہونے کے واسطے ہے یعنی بغیر کفاءة نکاح درست نہیں ہوتا۔ کفاءة کا اعتبار مرد کی جانب ہے کہ مرد شریف ہو اس لیے کہ عموماً شریف عورت کمتر مرد کے نیچے رہنے سے انکار کرتی ہے وہ ایسے شخص کا فلاں بننا پسند نہیں کرتی، اسی وجہ سے برابری کا عورت کی جانب اعتبار نہیں، اس لیے کہ مرد کو عورت چاہیے جس کو وہ استعمال کر سکے چنانچہ اس کو کمتر عورت کو فراش بنانے سے غیظ نہیں، اور یہ ایک جانب میں اعتبار اور دوسری جانب میں

نہیں، امام اعظمؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ تینوں کے نزدیک ہے صحیح قول یہی ہے اور فتاویٰ ظہیریہ وغیرہ میں ہے کہ یہ اعتبار صرف امام صاحبؒ کے نزدیک ہے باقی صاحبینؒ عورت کی جانب میں بھی کفایت کا اعتبار کرتے ہیں۔

والکفاءة هی حق الولی لاحقها فلو نکحت رجلا ولم تعلم حاله فاذا هو عبد لاخيار لها بل للاولياء ولو زوجها برضاها ولم يعلموا بعدم الكفاءة ثم علموا لاخيار لاحد الا اذا شرطوا الكفاءة او اخبرهم بها وقت العقد فزوجوها على ذلك ثم ظهر انه غير كفؤ كان لهم الخيار ولو الجبة فيلحفظ و تعتبر الكفاءة للزوم النکاح خلافا لمالك نسا فقريش بعضهم اكفاء بعض و بقية العرب بعضهم اكفاء بعض واستثنى في الملتقى تبعا للهداية بنى باهله لخستهم والحق الاطلاق قاله المصنف كالبحر والنهر والفتح والشرنبلالية و بعضه اطلاق المصنفين كالكنز والدرر وهذا في العرب

کفایت ولی کا حق ہے کفایت ولی کا حق ہے عورت کا حق نہیں ہے چنانچہ اگر کوئی عورت کسی ایسے مرد سے نکاح کر لے جس کا حال اُسے معلوم نہیں تھا، بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ غلام ہے تو فسخ نکاح کا اختیار عورت کو حاصل نہیں ہوگا بلکہ یہ حق اولیاء عورت کو حاصل ہوگا کہ وہ اس نکاح کو فسخ کر دے۔

اگر عورت کے تمام ولیوں نے عورت کی رضامندی سے نکاح کر دیا اور ان پر یہ ظاہر نہیں ہو سکا کہ شوہر کفو نہیں ہے، بعد نکاح یہ بات ظاہر ہوئی، تو اب نہ اولیاء کو نکاح کے فسخ کا اختیار ہوگا اور نہ عورت کو، لیکن اگر اولیاء نے اس شرط کے ساتھ نکاح کیا ہو کہ لڑکا ہم کفو ہے یا لڑکے نے بوقت نکاح بتایا تھا کہ وہ لڑکی کا ہم کفو ہے اور اسی شرط پر یہ نکاح ہوا تھا پھر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ ہم کفو نہیں ہے تو اس صورت میں اولیاء کو نکاح کے فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔

کفایت نسب میں کفایت کا اعتبار نکاح کے لازم ہونے کے لیے نسب میں ہے لہذا قریش ایک دوسرے کے آپس میں ہم کفو ہیں، قریش وہ کہے جاتے ہیں جو نصر بن کنانہ کی اولاد میں ہوں، یہ نصر بن کنانہ آنحضرت ﷺ کی بارہویں پشت میں آتے ہیں۔ چاروں خلفاء راشدین قریش میں داخل ہیں، لہذا نیچے کی پشتیں ہاشمی نو فلی اور تیمی سب برابر اور ہم کفو ہیں، چنانچہ حضرت علیؓ نے اپنی صاحبزادی ام کلثومؓ کی شادی حضرت فاروق اعظمؓ سے کی تھی، حالانکہ حضرت علیؓ ہاشمی اور حضرت فاروق اعظمؓ مدوی تھے۔

قریش کے سوا دوسرے عرب ایک دوسرے کے کفو ہیں، البتہ باہم عرب اور عجم دونوں ہم کفو نہیں ملتے نامی کتاب میں ہدایہ کی پیروی میں بنو ہبلہ کو ان کی خست کی وجہ سے عرب سے نکال دیا ہے، لیکن حق یہ ہے عرب سے اس خاندان (بنو ہبلہ) کو نکالنا صحیح نہیں ہے، بلکہ مطلقاً تمام عرب برابر ہیں ان میں بنو ہبلہ بھی داخل ہیں، مصنف نے اپنی شرح میں یہی لکھا ہے جیسا کہ بحر الرائق، نہر الفائق، فتح القدیر وغیرہ میں ہے۔

و اما فی العجم فتعتبر حرية واسلاما فمسلم بنفسه او معتق غير كفؤ لمن ابوها مسلم او حرا او معتق و امها حرة الاصل و من ابوه مسلم او حرا غير كفؤ لذات ابوين ابوان فيهما

کالاباء لتمام النسب بالجد و فی الفتح ولا یبعد مکافاة مسلم بنفسه لمعتق بنفسه و اما معتق الوضیع فلا یکافی معتقة الشریف و اما مرتد اسلم فکفو لمن لم یرتد

کفایت نسب عجم میں کفایت نسب کا اعتبار صرف عرب میں ہے باقی عجم تو انھوں نے اپنا نسب ضائع کر ڈالا ہے لہذا ان کے اندر کفایت کا اعتبار آزاد ہونے اور مسلمان ہونے میں ہے، پس جو شخص خود مسلمان ہوا ہے یا آزاد ہوا ہے، وہ اس عورت کا ہم کفو نہیں ہے جس کا باپ مسلمان ہوا تھا، یا آزاد ہوا تھا یا اس کی ماں اصلی آزاد ہے، اور جو ایک پشت سے مسلمان ہے یا آزاد وہ اس عورت کا کفو نہیں ہے جو دو پشت سے مسلمان یا آزاد ہے۔

دو پشت کا اسلام کسی کے باپ دادا کا مسلمان ہونا اور آزاد ہونا اس کی طرح ہے جیسا کہ کوئی جو چند پشت سے مسلمان یا آزاد ہے، یعنی دو پشت کا اسلام اور آزادی دس پشت کے اسلام اور آزادی کے برابر ہے، اس وجہ سے کہ نسب دادا پر ختم ہوتا ہے، فتح القدیر میں ہے کہ جو خود مسلمان ہوا ہے وہ برابری میں اس سے دور نہیں ہے جو خود آزاد ہوا ہے، مثلاً جو شخص مسلمان ہوا ہے اس کے باپ دادا آزاد تھے، البتہ مسلمان نہیں تھے، اور جو خود سے آزاد ہوا ہے اس کے باپ دادا مسلمان تھے مگر آزاد نہیں تھے ماحصل یہ ہے دونوں میں ایک ایک کی تھی۔

کم ذات کا جو مرد مسلمان ہوا ہے وہ اس عورت کے برابر نہیں ہے جس کو کسی شریف نے آزاد کیا ہے اور جو شخص مرتد ہو کر مسلمان ہو گیا ہے وہ اس مسلمان کے برابر ہے جو مرتد نہیں ہوا ہے۔

واما الکفائة بین الذمین فلا تعتبر الا لفتنة و تعتبر فی العرب والعجم دیانة ای تقوی فلیس فاسق کفوًا لصالحة او فاسقة بنت صالح معلنا کان اولا علی الظاهر نهر ومالا بان یقدر علی المعجل و نفقة شهر لو غیر محترف والا فان کان یکتسب کل یوم کفایتها لو تطیق الجماع و حرفة فمثل حائك غیر کفو لمثل خیاط ولا خیاط لبزاز و تاجر و لاهما لعالم و قاض و اما اتباع الظلمة فاحس من الكل و اما الوظائف فمن الحرف فصاحبها کفو للتاجر لو غیر دلیة کبوابة و ذو تدیس او نظر کفو لبنت الامیر بمصر بحر۔

ذمیوں میں کفایت دونوں ذمیوں کے درمیان کفایت معتبر نہیں ہے مگر صرف فساد کے ختم کرنے کے لیے، یعنی ذمیوں میں راجہ اور چہار دونوں برابر ہیں اگر راجہ کی بیٹی چہار سے نکاح کر لے گی تو قاضی صرف فساد کو ختم کرنے کے لیے ان دونوں میں تفریق کر دے گا، ناجائز ہونے کی وجہ سے نہیں۔

کفایت دینداری میں عرب اور عجم میں کفایت کا اعتبار دینداری و پرہیزگاری میں ہے لہذا فاسق مرد نیک عورت کا کفو نہیں ہوگا اور نہ اس فلسفہ کا کفو قرار پائے گا جس کا باپ نیک ہے، وہ فاسق خواہ علی الاعلان ہو یا علی الاعلان نہ ہو۔

کفایت مال میں اور کفایت کا اعتبار مال میں بھی ہے اس طرح کہ شوہر مہر معجل کی ادائیگی اور ایک مہینہ کے نفقہ پر قادر ہو، یہ اس وقت جب وہ پیشہ ورنہ ہو، اور اگر پیشہ ور ہے تو وہ روزانہ اتنا کما سکتا ہے جو عورت کے لیے کافی ہو اگر وہ جماع کو برداشت کر سکتی ہے تو اس کے لیے نفقہ کا انتظام ضروری ہے اور اگر عورت قابل جماع نہیں ہے تو مرد کا صرف معجل کی ادائیگی پر قادر ہونا کافی ہے۔

کفایت میں پیشہ کا اعتبار

کفایت میں پیشہ کا بھی اعتبار ہے پس کپڑا بننے والا درزی کا ہم کفو نہیں، گویا درزی کا پیشہ کپڑا بننے کے پیشے سے اونچا ہے اور درزی کپڑا بیچنے والے اور سوداگر کے برابر نہیں ہے اور بزاز و سوداگریہ دونوں عالم اور قاضی برابر نہیں ہیں اور ظالموں کے خدام تمام لوگوں سے زیادہ ذلیل ہیں، گویا مالدار ہوں۔ جو اوقاف کے وظائف پیشوں میں داخل ہیں، جیسے امامت، خطابت یہ وظائف خوار سوداگر کے ہم کفو ہیں بشرطیکہ وظیفہ حقیر نہ ہو، جیسے درہانی اور فراشی کا وظیفہ نہ ہو۔ اور مدرس و ناظر امیر مصر کی لڑکی کا ہم کفو ہے۔

والکفاءة اعتبارها عند ابتداء العقد فلا يضر زوالها بعده فلو كان وقته كفوا ثم فجر لم يفسخ و اما لو كان دباغاً ثم صار تاجراً فان بقي عارها لم يكن كفواً و الا لانهر بحثا العجمي لا يكون كفوا للعربية ولو كان العجمي عالماً او سلطاناً و هو الاصح فتح عن الينابيع و ادعى في البحر انه ظاهر الرواية و اقره المصنف لكن في النهر ان فسر الحبيب بذي المنصب والجاه فغير كفؤ للعلوية كما في الينابيع و ان بالعالم فكفولان شرف العلم فوق شرف النسب والمال كما جزم به البزازي و ارتضاه الكمال و غيره والوجه فيه ظاهر ولذا قيل ان عائشة افضل من فاطمة رضي الله عنهما ذكره القهستاني والحنفي كفؤ لبنت الشافعي و متى سئلنا عن مذهبه اجبنا بمذهبننا كما بسطه المصنف معزياً لجواهر الفتاوى.

کفایت کا اعتبار ابتدائے نکاح میں ہے

کفایت کا نکاح میں اعتبار ابتدائے عقد میں ہوتا ہے بعد عقد اگر کفایت کسی وجہ سے جاتی رہے تو وہ ہو چکے نکاح کے لئے ضرر رساں نہیں ہے، لہذا بوقت عقد اگر شوہر ہم کفو و ہم سر تھا بعد نکاح و فاسق ہو گیا تو نکاح فسخ ہو گا، لیکن اگر شوہر پہلے دباغ (کھال کو دباغت دینے والوں میں) تھا بعد میں سوداگر ہو گیا، اگر اسکے بعد بھی دباغت کی عار باقی ہے تو ہمسرو ہم کفو نہیں ہوتا اور اگر اسکی عار باقی نہیں ہے تو پھر ہم کفو ہو گا۔

عجمی و عربی ہم کفو نہیں

عجمی مرد عربی عورت کا ہم کفو نہیں ہوتا ہے گو وہ عجمی عالم یا بادشاہ ہی کیوں نہ ہو، اور یہی قول زیادہ صحیح ہے، اور یہی ظاہر الروایۃ ہے، اور نہر الفائق میں لکھا ہے کہ اگر حبیب (حسب والے) کا مطلب منصب و وجاہت والا ہے تو یہ علویہ کا کفو نہیں ہے کما فی الینابيع اور اگر حبیب سے مراد عالم ہے تو عالم علویہ کا کفو ہو گا، اس لئے کہ علم کی بزرگی اور شرافت نسب اور مال کی شرافت سے بڑھ کر ہے بزازی میں اسی پر یقین ظاہر کیا ہے، اور اسی کو کمال وغیرہ نے پسند کیا ہے اور اس کی وجہ یعنی شرافت علم ظاہر ہے اور اسی بنیاد پر کہا گیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ حضرت فاطمہؓ سے افضل ہیں کیونکہ حضرت عائشہؓ علم و فضل میں بڑھی ہوئی ہیں۔

حنفی و شافعی ہم کفو ہیں

حنفی مرد شافعی عورت کا کفو ہے، جب ہم سے مذہب شافعی کے متعلق سوال ہو گا تو ہم اپنے مذہب کے مطابق جواب دیں گے مصنف نے اپنی شرح میں تفصیل سے بیان کیا

ہے، وہ اس طرح ہے کہ ایک شافعی المذہب بالغہ نے ایک حنفی المذہب مرد سے نکاح کیا اور اس کا باپ راضی نہیں تھا تو نکاح درست ہے اسی طرح اگر حنفی لڑکی شافعی لڑکے سے نکاح کرے اور پھر ہم سے سوال کرے تو ہم یہی جواب دیں گے کہ ابو حنیفہؒ کے نزدیک درست ہے۔

والقروی کفو للمدنی فلا عبرة بالبلد كما لا عبرة بالجمال خانية و لا بالعقل و لا بعيوب
يفسخ بها البيع خلافا للشافعي لكن في النحر عن المرغيناني المجنون ليس بكفو للعاقلة
و كذا الصبي كفو بغني ابيه او امه او جده نهر عن المحيط بالنسبة الى المهر يعني
المعجل كما مر لا بالنسبة الى النفقة لان العادة ان الآباء يتحملون عن الابناء المهر لا
النفقة ذخيرة و لو نكحت باقل من مهرها فللولي العصبية الاعتراض حتى يتم مهر مثلها او
يفرق القاضي بينهما دفعا للعار.

کفو میں دیہات یا شہر اور حسن و جمال کا اعتبار نہیں گاؤں کا رہنے والا شہر میں رہنے والے کا کفو ہے، گویا کفو میں شہر کا کوئی اعتبار نہیں، جیسے کفو میں خوبصورتی کا کوئی اعتبار نہیں، اور نہ عقل و خرد کا اعتبار ہے، یعنی مجنون عاقل کا کفو ہے اور نہ اُن عیبوں کا کفو میں اعتبار ہے جن سے بیخ فسخ ہو جاتی ہے، جیسے جذام، برص، منہ کا بدبو کرنا، البتہ امام شافعی کے نزدیک اس کا اعتبار کیا گیا ہے، لیکن نہر الفائق میں ہے کہ مجنون عاقل کا کفو نہیں ہے۔

ایسے ہی لڑکا اپنے باپ دادا اور ماں کی ماں کی مالدار کی وجہ سے مہر معجل کے اعتبار سے ہم کفو ہوتا ہے نفقہ کا اعتبار نہیں اس لئے کہ رواج یہ ہے کہ باپ دادا اپنے لڑکے کا مہر برداشت کر لیتے ہیں نفقہ اپنے ذمہ لینے کو تیار نہیں ہوتے کذا فی الذخیرہ۔
مہر مثل سے کمی پر ولی کو حق اعتراض عورت اگر اپنے مہر مثل سے کم پر کسی مرد سے نکاح کر لے تو ولی عصبہ کو اس نکاح کا روک دینا جائز ہے تا آنکہ وہ اس کا مہر مثل پورا کر دے یا پھر قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کر دے، تاکہ عار باقی نہ رہے بلکہ وہ ختم ہو جائے۔

و لو طلقها الزوج قبل تفريق الولي قبل الدخول فلها نصف المسمى فلو فرق الولي بينهما قبل الدخول فلا مهر لها و ان بعده فلها المسمى و كذا لو مات احدهما قبل التفريق فليس للولي المطالبة بالاتمام لانتهاء النكاح بالموت جواهر الفتاوى امره بتزويج امرأة فزوجه امة جاز و قال لا يصح و هو استحسان ملتقى تبعا للهداية . و في شرح الطحاوي قولهما احسن للفتوى و اختاره ابو الليث و اقره المصنف.

بیوی کا مہر اور اگر شوہر عورت کو ولی کی تفریق اور خلوت سے پہلے طلاق دیدے گا تو عورت کو متعین مہر کا آدھا ملے گا، اور اگر خلوت و صحبت سے پہلے ہی ولی نے دونوں کے درمیان تفریق کرادی ہے، تو اس صورت میں عورت

کے لئے کچھ مہر نہیں ہے اور اگر دخول کے بعد تفریق کی گئی ہے، تو عورت کو پورا مہر معین لے گا۔
اسی طرح اگر میاں بیوی میں کوئی تفریق سے پہلے انتقال کر جائے گا تو اس صورت میں ولی کے لئے مہر مثل کے پورا کرنے کا مطالبہ باقی نہیں رہے گا اس لئے کہ موت سے نکاح اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔

وکیل کا کمتر سے نکاح کرنا جائز نہیں کسی نے ایک شخص کو اپنا وکیل بنایا کہ وہ اس کا کسی عورت سے نکاح کر دے، وکیل نے اپنے موکل کا نکاح بجائے آزاد عورت کے کسی

لوٹڈی سے کر دیا تو امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں **نکاح نافذ ہو گا اور صاحبین کہتے ہیں یہ نکاح سرے سے صحیح نہیں ہو گا**، کیونکہ وکیل بنانے کا منشا یہ تھا کہ اس کی عمدہ شادی کر دے یوں وہ خود کر سکتا تھا لہذا کم سے کم اس کے برابر سے تو کر دے کمتر سے کرنے کا کوئی مطلب نہیں، شرح طحاوی میں ہے فتویٰ دینا صاحبینؒ کے قول پر بہتر ہے اور فقیہ ابواللیث نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے، اور مصنف نے بھی اپنی شرح میں اسی قول کو برقرار رکھا ہے۔

واجمعوا الہ لو زوجہ بنتہ الصغیرۃ او مولیتہ لم یجز کما امرہ بمعینۃ او بحرۃ او امة
فخالف او امرتہ بتزویجہا و لم تعین فزوجہا غیر کفو لم یجز اتفاقا و لو زوجہ المامور
بنکاح امرأتین فی عقد و احد لا ینفذ للمخالفة و لہ ان یجیزہما او احدہما و لو فی
عقدین لزم الاول و توقف الثانی۔

وکیل کا اس طرح نکاح کرنا درست نہیں اس بات پر فقہاء کا اجماع ہے کہ اگر مذکورہ صورت میں وکیل

کردہ لوٹڈی سے کر دیا تو یہ جائز نہیں ہو گا، جیسے وہ نکاح جائز نہیں ہے کہ کسی نے کسی کو اپنا وکیل بنایا اور حکم دیا کہ فلاں متعین عورت سے اس کا نکاح کر دے یا کسی آزاد عورت سے نکاح کر دے، یا کسی لوٹڈی سے کر دے لیکن وکیل نے موکل کے حکم کی مخالفت کی۔ یا کسی عورت نے اپنے وکیل سے کہا کہ میرا نکاح کر دے اور کسی کو تعین نہیں کیا اور اس نے اس کا نکاح غیر کفو میں کر دیا تو یہ نکاح بھی جائز نہیں ہو گا۔

اسی طرح کسی کو وکیل بنایا تھا کہ کسی ایک عورت سے وہ اس کا نکاح کر دے وکیل نے موکل کا نکاح دو عورتوں سے ایک عقد میں کر دیا تو اس کا کیا ہوا نکاح نافذ نہیں ہو گا، اس لئے کہ اس نے موکل کے حکم کی مخالفت کی، یوں موکل کے لئے جائز ہے کہ وہ دونوں کو نافذ کر لے یا ایک کو کر لے اور اگر دو عورتوں سے نکاح دو عقد میں کیا گیا ہے تو پہلا نافذ ہو گا اور دوسرا موکل کی اجازت پر موقوف رہے گا۔

ولو امرہ بامراتین فی عقدۃ فزوجہ واحدة او ثنتین فی عقدتین جاز الا اذا قال لا تزوجنی
الامراتین فی عقدۃ او فی عقدتین لم تجز المخالفة و لا یتوقف الا یجاب علی قبول
غالب عن المجلس فی سائر العقود من نکاح و بیع و غیرہما بل یبطل الا یجاب و

لا تلحقه الاجازة اتفاقاً.

موکل کی مخالفت کی صورت اور کسی نے کسی کو وکیل بنایا کہ وہ اس کا نکاح دو عورتوں سے ایک عقد میں کر دے پس وکیل نے ایک عورت یا دو عورت سے دو عقد میں نکاح کر دیا تو یہ جائز ہے، لیکن اگر اس طرح کہا تھا کہ میرا نکاح صرف عورتوں سے ایک عقد میں کرنا اور بس، اور وکیل نے دو عقد میں دو عورتوں سے اس کا نکاح کیا تو یہ مخالفت اس کی جائز نہیں ہوئی۔

غائب کے قبول پر ایجاب کا موقوف ہونا جو شخص مجلس سے غائب ہے اس کے قبول پر ایجاب موقوف نہیں رہے گا، یہ حکم اُن تمام عقود کا ہے جن میں معاوضہ پایا جاتا ہے جیسے نکاح، بیع اور ان دونوں کے علاوہ جیسے صلح، اجارہ بلکہ یہ ایجاب باطل ہو جائے گا اور اس ایجاب کے ساتھ قبول ملحق نہیں ہو سکتا ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

و یتولی طرفی النکاح واحد بايجاب يقوم مقام القبول فی خمس صور کأن کان ولیاً او وکیلاً من الجانبین او اصیلاً من جانب و وکیلاً او ولیاً من آخر او ولیاً من جانب و کیلاً من آخر کزوجة بنتی من موکلی لیس ذلک الواحد بفضولی و لو من جانب و ان تکلم بکلامین علی الراجح اذ قبوله غیر معتبر شرعاً لما تقرر ان الایجاب لا یتوقف علی قبول غائب.

طرفین کا ذمہ دار ایک شخص نکاح کے طرفین (ایجاب و قبول) کا ایک شخص ذمہ دار ہو سکتا ہے، اس کا صرف ایک ایجاب کافی ہو گا وہی قبول کے بھی قائم مقام بن جائے گا ایجاب و قبول دونوں کا متولی ایک شخص ہو اس کی پانچ صورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ ایک شخص دونوں طرف کا ولی ہو، جیسے کوئی کہے کہ میں نے اپنی نواسی کا نکاح اپنے پوتے سے کر دیا، دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص دونوں طرف کا وکیل ہو اور وہ کہے کہ میں نے اپنے موکل کا نکاح اپنی موکلہ سے کر دیا، تیسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص ایک کی جانب سے اصیل ہو اور دوسری طرف سے وکیل ہو، اور اس طرح کہے کہ میں نے اپنی موکلہ کا نکاح اپنی ذات سے کر دیا، چوتھی صورت یہ ہے کہ ایک شخص ایک طرف سے اصیل ہو اور دوسرے کا ولی ہو اور وہ اس طرح کہے کہ میں نے اپنے چچا کی لڑکی نابالغہ کا نکاح اپنے آپ سے کر دیا، پانچویں صورت یہ ہے کہ ایک طرف سے ولی ہو اور دوسری جانب سے وکیل ہو جیسے اس طرح کہے کہ میں نے اپنی بیٹی کا نکاح اپنے موکل سے کر دیا۔

مگر شرط یہ ہے کہ یہ ایک شخص دونوں کا ذمہ دار بننے والا فضولی نہ ہو، نہ ایک جانب سے اور نہ دونوں جانب سے اگرچہ فضولی ایجاب و قبول دونوں کرے راجح قول یہی ہے یعنی اگر وہ اس طرح کہے کہ میں نے زید کا نکاح حامدہ سے کیا پھر کہے کہ میں نے حامدہ کی طرف سے قبول کیا، تو یہ درست نہیں ہوگا، کیونکہ فضولی کا قبول کرنا شرعاً معتبر نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ایجاب غائب کے قبول پر موقوف نہیں رہتا۔

و نکاح عبد و امة بغیر اذن السید موقوف علی الاجازة کنکاح الفضولی و سیجئی فی

البیوع توقف عقودہ کلہا ان لها مُجیز حالۃ العقد و الا تبطل و لابن الغم ان یزوج بنت عمہ الصغیرۃ فلو کبیرۃ فلا بد من الاستیذان حتی لو تزوجها بلا استیذان فسکت او الفصحۃ بالرضاء لا یجوز عندهما و قال ابو یوسف یجوز و کذا المولی المعتقد والحاکم والسلطان جوہرۃ یعنی بخالف الصغیرۃ کما مر فلیحرر من نفسه فیکون اصیلا من جانب ولیا من آخر کما للوکیل الذی وکلته ان یزوجها من نفسه فان له ذلك فیکون اصیلا من جانب وکیلا من آخر بخلاف ما لو وکلته بتزویجها من رجل فزوجها من نفسه لانها نصبتہ مزوجا لامتزوجا.

اجازت پر موقوف غلام اور لونڈی کا بغیر آقا کی اجازت نکاح کرنا آقا کی اجازت پر موقوف ہو گا جیسے فضولی کا نکاح کر دینا میاں بیوی کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے، فضولی اس کو کہتے ہیں جو بلا اجازت غیر کی طرف سے تصرف کرے، نہ اس کو ولایت حاصل ہونہ وکالت۔

فضولی کے عقود کا حکم کتاب البیوع میں عنقریب یہ بات آئے گی کہ فضولی کے تمام عقود و معاملات اگر بوقت عقد اجازت دینے والا پایا جاتا ہے تو وہ سب اجازت دینے والے کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اور اگر حالت عقد میں کوئی اجازت دینے والا موجود نہیں ہے تو وہ عقود تمام کے تمام باطل ہوں گے۔

چچا زاد بھائی کا بحیثیت ولی نکاح کرنا چچا کے لڑکے کیلئے اپنے چچا کی نابالغہ لڑکی کے ساتھ اپنا نکاح کرنا جائز ہے، لیکن اگر چچا کی لڑکی بالغہ ہے تو اس کی اجازت کے بغیر نکاح جائز نہیں ہو گا یہاں تک کہ اگر چچا کی بالغہ لڑکی سے اس کی اجازت کے بغیر نکاح کرے گا اور وہ چپ رہے گی یا بعد میں رضامندی کا اظہار کر دے گی تو بھی نکاح جائز نہیں ہو گا طرفین کا مذہب یہی ہے اور امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں جائز ہو گا۔

بالغہ سے اجازت اسی طرح آزاد کرنے والے مولیٰ کو جو اپنی آزاد کردہ لونڈی کا نکاح کر رہا ہے اور سلطان وقت کو جو بالغہ کا نکاح کر رہا ہے بالغہ سے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے، بغیر اجازت ان دونوں کا کیا ہوا نکاح جائز نہیں ہے، بخلاف نابالغہ کے کہ اس میں وہ اپنی ولایت سے نکاح کر سکتے ہیں مگر خود اپنا نکاح اس نابالغہ سے کرنا قاضی و سلطان کو جائز نہیں ہے۔

البتہ چچا کے لڑکے کے لئے چچا کی نابالغہ لڑکی کے ساتھ اپنا نکاح کرنا درست ہے، ایک جانب سے وہ اصیل ہو گا اور دوسری جانب سے ولی، جس طرح عورت کے وکیل کے لئے جائز ہے کہ وہ اُس موکلہ کا نکاح ضرور اپنے ساتھ کر لے جس نے اس کو وکیل بنادیا ہے کہ وہ اس کا نکاح اپنے ساتھ کر دے، اپنی طرف سے یہ اصیل ہو گا اور عورت کی طرف سے وکیل ہو گا۔

وکیل کا خلاف ورزی کرنا اس کے خلاف یہ صورت ہے کہ ایک عورت نے اس کو وکیل بنایا تھا کہ وہ اس کا کسی مرد سے نکاح کر دے اور اس نے اس عورت کا نکاح اپنے ساتھ کر لیا تو یہ جائز نہیں ہو گا، اسلئے کہ عورت نے اس کو نکاح کر دینے والا مقرر کیا تھا نکاح کرنے والا متعین نہیں کیا تھا۔

او وکلتہ ان يتصرف فی امرها او قالت له زوج نفسي ممن شئت لم يصح تزويجها من نفسه كما فی الخانية والاصل ان الوكيل معرفة بالخطاب فلا يدخل تحت النکرة ولو اجاز من له الاجازة نکاح الفضولی بعد موته صح لان الشرط قيام المعقود له واحد العاقدین فقط بخلاف اجازة بيعه فانه يشترط قيام اربعة اشياء كما سيجی فروع الفضولی قبل الاجازة لا يملك نقض النکاح بخلاف البيع يشترط للزوم عقد الوكيل موافقته فی المهر المسمى و حکم رسول کوکیل

ویکیل کا اپنی ذات سے موکلہ کی شادی کرنا یا عورت نے کسی کو وکیل بنایا کہ وہ اس کے معاملہ میں اس کے حکم سے تصرف کرے، یا اس وکیل سے کہا تو جس شخص سے چاہے میرا نکاح کر دے، اس صورت میں اس وکیل کو عورت کا نکاح اپنی ذات سے کرنا صحیح نہیں ہوگا، جیسا کہ خانہ

میں ہے اور جائز نہ ہونے کا اس باب میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ وکیل عورت کے خطاب کی وجہ سے معین ہو گیا اور عورت نے شوہر کو معین نہیں کیا، اور قاعدہ یہ ہے کہ معین غیر معین میں داخل نہیں ہوتا ہے، لہذا وہ خود مکہرہ کے تحت داخل نہیں ہوگا۔

نکاح فضولی کے بعد فضولی کی موت جس کو اجازت دینے کا حق حاصل ہے اگر اس نے فضولی کی موت کے بعد اس کے کئے ہوئے نکاح کی اجازت دیدی، تو نکاح صحیح ہو جائے گا

اس لئے کہ نکاح کے صحیح ہونے میں اجازت کے وقت شرط یہ ہے کہ جس کے لئے نکاح کا انعقاد ہوا ہے وہ قائم رہے، اور دو عاقدوں میں سے صرف ایک ایک عاقد (فضولی) کی موت نکاح کے صحیح ہونے کے لئے مضر نہیں ہے، کیونکہ دوسرا عاقد موجود ہے بخلاف فضولی کی بیع کی اجازت دینے کے فضولی کی موت کے بعد، کہ یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس وقت چار چیزوں کی موجودگی شرط ہے جس کی تفصیل آرہی ہے جو چیز پختی جارہی ہے وہ موجود ہو، دونوں معاملہ کرنے والے موجود ہوں اور قیمت پائی جائے۔

فضولی اجازت سے پہلے فضولی نے جو نکاح کیا ہے اس کو وہ اجازت سے پہلے توڑنے کا مالک نہیں ہوتا ہے، البتہ بیع کو اجازت سے پہلے توڑ سکتا ہے۔

ویکیل کا موکل کی خلاف ورزی وکیل کے عقد کے لازم ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ وکیل اس مہر میں موکل کے موافق ہو جو اس نے متعین کر رکھے ہیں، اگر مہر موکل کے

مہر کے موافق نہیں ہے تو موکل کو قبول کرنے اور قبول نہ کرنے دونوں کا اختیار ہوگا۔

پیام لے جانے والے کا حکم اور پیام لیجانے والے کا حکم مثل وکیل کے حکم کے ہے مثلاً مرد نے کسی شخص کو عورت کے پاس نکاح کا پیغام لے کر بھیجا اور عورت نے گواہوں کے سامنے

اسے قبول کر لیا تو نکاح درست ہوگا بشرطیکہ اس نے جو مہر متعین کیا ہے اس میں مخالفت نہ کی ہو۔

بسم الله الرحمن الرحيم

باب المهر

ومن اسمائه الصداق والصدقة والنحلة والعطية والعقر و في استيلاء الجوهرة العقر في الحرائر مهر المثل و في الاماء عشر قيمة البكر و نصف عشر قيمة الشب اقله عشرة دراهم لحديث البيهقي وغيره لا مهر اقل من عشرة دراهم و رواية الاقل تحمل على المعجل فضة وزن سبعة مثاقيل كما في الزكوة مضروبة كانت اولاً ول دينا او عرضاً قيمته عشرة وقت العقد اما في ضمانها بطلاق قبل الوطى فيوم القبض.

مہر کا بیان

نکاح کے ارکان اور اس کی شرطوں کو بیان کرنے کے بعد مہر کے احکام کی تفصیل بیان کر رہے ہیں، مہر کے کئی نام ہیں، اسے صداق بھی کہتے ہیں اور صدقہ، نحلہ، عطیہ اور عقریہ بھی، جو ہر نیرہ میں ہے کہ آزاد عورتوں میں عقر مہر مثل کو کہتے ہیں، اور لونڈیوں میں باکرہ کی قیمت کے دسویں حصہ کو، اور شبہ کے بیسویں حصہ کو عقر کہتے ہیں۔

مہر کی کم از کم مقدار مہر کی مقدار کم از کم دس درہم ہے، جیسا کہ بیہقی وغیرہ کی حدیث میں صراحت ہے کہ دس درہم سے کم مہر نہیں ہے اور یہ حدیث کثرت طرق کی وجہ سے لائق حجت ہے اور اس سے کم والی روایت مہر متعل پر محمول ہے مثلاً جن روایتوں میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوہے کی انگوٹھی ہو تو وہی دید و بیا دو کپ ستویا کھجور دیدو، تو ان سب کی مراد یہ ہے کہ مہر متعل میں کچھ نہ کچھ دیدیا جائے، کیونکہ عرب میں دستور تھا کہ بیوی کے پاس جانے سے پہلے کچھ دیدیا کرتے تھے، یہ مطلب نہیں ہے کہ کھجور، ستویا انگوٹھی کے سوا کچھ اور مہر نہیں تھا، کل مہر یہی تھا۔

دس درہم کا وزن چاندی کے دس درہم، جو کم از کم مہر کی مقدار بتائی گئی ہے، اس کا وزن سات مثقال کے برابر ہوتا ہے جس کی تفصیل کتاب الزکوة میں گذر چکی ہے، سات مثقال برابر ساڑھے اکتیس ماشہ کے ہوتے ہیں، اس طرح دس درہم کا وزن تین تولہ ڈیڑھ ماشہ ہوا، لہذا تین تولہ ڈیڑھ ماشہ چاندی کی جو قیمت بازار میں ہو وہ کم سے کم مہر کی مقدار ٹھہرے گی، ہر زمانہ میں اس کی قیمت بازار کی لگائی جائے۔

قیمت لگانے میں قبضہ کے دن کا اعتبار یہ درہم ڈھلے ہوئے ہوں یا ڈھلے ہوئے نہ ہوں، اور خواہ وہ کسی پر

قرض ہوں، پیاٹنے کا اس کے پاس کوئی سامان ہو جس کی قیمت بوقت نکاح دس درہم ہوتی ہو، لہذا اگر نکاح ہو جانے کے بعد اس کی قیمت کم ہو جائے تو اس کا مضائقہ نہیں، لیکن اگر کوئی اتنی قیمت کی جنس کا طلاق کے سلسلہ میں ضامن ہو، اور وطی سے پہلے، تو اس صورت میں قیمت کے ہاپ میں قبضہ کرنے کے دن کا اہتمام ہوگا۔

مثلاً ایک عورت کا نکاح ایک کپڑے پر ہوا جس کی قیمت دس درہم تھی، لیکن عورت نے جس دن اس کپڑے پر قبضہ کیا تھا اس دن کپڑے کی قیمت بیس درہم ہو گئی تھی، اب شوہر نے اس عورت کو وطی سے پہلے طلاق دیدی، تو شوہر پر قاعدہ کے اہتمام سے نصف مہر کا دینا واجب ہوا، اور جو کپڑا مہر میں تھا وہ ضائع ہو گیا، لہذا شوہر اپنی مطلقہ کو اس صورت میں بیس کا آدھا دس درہم دے گا کیونکہ عورت نے جس دن کپڑے پر قبضہ کیا تھا اس دن اس کی قیمت بیس درہم تھی۔

وتجب العشرة ان سماها او دولها و يجب الاكثر منها ان سمى الاكثر و يتأكد عند وطی او خلوة صحت من الزوج او موت احدهما تزوج ثانيا في العدة او ازالة بکارتها بنحو حجر بخلاف ازالتها بدفعة فانه يجب النصف بطلاق قبل وطی و لو الدفع من اجنبی فعلى الاجنبی ایضا نصف مهر مثلها ان طلقت قبل الدخول والا فكله نهر بحثا و يجب نصفه بطلاق قبل وطی او خلوة فلو كان نکحها على ما قيمته خمسة كان لها نصفه درهمان و نصف وعاد النصف الى ملك الزوج بمجرد الطلاق اذا لم يكن مسلما لها و ان كان مسلما لها لم يبطل ملكها منه بل توقف عوده الى ملكه على القضاء او الرضاء فلهذا لا نفاذ لعتقه ای الزوج عبد المهر بعد طلاقها قبله ای قبل القضاء ونحوه لعدم ملكه قبله و نفذ تصرف المرأة قبله في الكل لبقاء ملكها و عليها نصف قيمة الاصل يوم القبض لان زيادة المهر المنفصلة تتنصف قبل القبض لا بعده.

دس سے کم کی صورت اگر کسی نے نکاح کے وقت مہر دس درہم متعین کیا یا اس سے کم تو اس صورت میں اس پر دس درہم واجب ہوگا اس سے کم نہیں۔ اور اگر دس درہم سے زیادہ متعین کیا ہے تو جتنا متعین کیا ہے وہی شوہر کے ذمہ واجب ہوگا، اور زیادہ مقدار کی کوئی حد نہیں ہے جس قدر چاہے زیادہ مہر مقرر کر سکتا ہے (گو بہتر یہ ہے کہ مہر کم ہو)

پورا مہر کب لازم ہوتا ہے پورا مہر اس وقت لازم اور موکد ہوتا ہے جب شوہر وطی کر لے یا بیوی کے ساتھ خلوت صحیحہ کر لے، یا میاں بیوی میں کوئی وفات پا جائے یا عدت کے اندر دوبارہ نکاح کرے، اور اس کے بعد قبل وطی طلاق دے۔

اور عورت کی بکارت کے زائل ہونے سے بھی مہر واجب ہوتا ہے خواہ پتھر وغیرہ سے ہو لیکن اگر ڈھکیلنے سے ازالہ بکارت ہوا ہے اور اس نے وطی سے پہلے طلاق دیدی ہے تو پھر نصف ہی مہر واجب ہوگا پورا واجب نہیں ہوگا اور اگر یہ ڈھکیلنا کسی اجنبی کی طرف سے ہوا ہو اور اس کی وجہ سے اس کی بکارت زائل ہوئی ہو اور شوہر نے وطی سے پہلے طلاق دیدی ہو تو

نصف مہر مثل اجنبی پر واجب ہوگا، اور اگر دخول پہلے بعد طلاق ہوئی ہوگی تو پورا مہر لازم ہوگا۔

وطی سے پہلے طلاق اگر کوئی اپنی بیوی کو وطی یا خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دیدے تو نصف مہر واجب ہوتا ہے سوا اگر کسی نے کسی سے ایسی چیز پر نکاح کیا جس کی قیمت پانچ درہم تھی اب اگر اس بیوی کو اس نے

وطی یا خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دیدی ہے تو وہ چیز آدمی عورت کو ملے گی اور ڈھائی درہم بھی ملیں گے، آدمی چیز اس لئے ملے گی کہ خلوت سے پہلے طلاق دی ہے، ڈھائی درہم کی یہ چیز ہوئی ڈھائی درہم اوپر سے ملیں گے دونوں مل کر پانچ درہم ہو گئے جو آدھا ہے دس درہم کا گویا کم سے کم مقدار مہر کا نصف ملا۔

طلاق اور مہر طلاق دینے کے ساتھ آدھا مہر شوہر کی ملکیت میں آجائے گا جب کہ اس نے مہر بیوی کے حوالہ نہیں کیا ہے، اور اگر پورا مہر بیوی کو دے چکا ہے تو عورت کی ملکیت وطی سے پہلے کل مہر سے باطل نہیں ہوگی۔

بلکہ آدھے مہر کا شوہر کی ملکیت میں آنا قضائے قاضی یا عورت کی رضامندی پر موقوف ہوگا، اسی وجہ سے مہر کے غلام کو شوہر کا آزاد کرنا عورت کو دینے کے بعد نافذ نہیں ہے جب تک قضائے قاضی یا بیوی کی رضامندی نہ پائی جائے۔ کیونکہ شوہر قاضی کے فیصلہ یا بیوی کی رضامندی سے پہلے اس کا مالک نہیں ہوتا ہے، گویا جب شوہر کی ملکیت قاضی کے فیصلہ اور بیوی کی رضامندی پر موقوف ہے تو اس سے پہلے اس کا آزاد کرنا درست نہیں ہوگا۔

البتہ قضائے قاضی سے پہلے کل مہر میں عورت کا تصرف نافذ ہوگا، کیونکہ عورت کی ملکیت باقی رہتی ہے لہذا جس غلام پر عورت نے مہر کی وجہ سے قبضہ کیا ہے، طلاق ہونے کے بعد بھی اگر وہ اس کو آزاد کر دے، تو یہ آزاد کرنا اس پر نافذ ہوگا۔

قبضہ کرنے کے دن اصل کی جو قیمت تھی، عورت پر اس کا آدھا واجب ہوگا، کیونکہ مہر پر الگ سے جو زیادتی ہوئی ہے اس کی تنصیف اس وقت ہوتی ہے جب مہر پر قبضہ کرنے سے پہلے یہ زیادتی ہوئی ہو، قبضہ کرنے کے بعد جو زیادتی ہوتی ہے اس کی تنصیف نہیں ہوا کرتی ہے، مثلاً عورت کو مہر میں ایک لونڈی ملی، عورت نے اس لونڈی پر قبضہ کر لیا، جب لونڈی عورت کے قبضہ میں آگئی تو اس کو بچہ پیدا ہوا، شوہر نے اس عورت کو وطی سے پہلے طلاق دیدی، تو اب عورت صرف لونڈی کی قیمت کا آدھا واپس کرے گی، بچہ پورا کا پورا عورت کا ہوگا۔ کیونکہ بچہ جو زیادہ ہوا ہے یہ لونڈی سے الگ شئی ہے، اور یہ قبضہ کرنے کے بعد پیدا ہوا ہے۔

ووجب مہر المثل فی الشغار و هو ان يزوجه بنته او اخته علی ان يزوجه الآخر بنته او اخته مثلاً معاوضة بالعقدین و هو منہی عنه لخلوه عن المہر فاوجبنا فیہ مہر المثل فلم یبق شغارا و فی خدمة زوج حر سنة للامہار لحرۃ او امة لان فیہ قلب الموضوع کذا قالو و مفاده صحة تزوجها علی ان یخدم سیدھا او ولیھا لقصة شعیب مع موسیٰ علیہما السلام کصحته علی خدمة عبده او امة او عبدالغیر برضا مولاه او حر آخر برضاہ و فی تعلیم القرآن للنص بالابتغاء بالمال و بآء زوجتك بما معك من القرآن للسببية او للتعلیل لكن فی النہر ینبغی ان یصح علی قول المتأخرین و لها خدمته لو کان الزوج عبدا ما ذونا

فی ذلک اما الحر فخدمته لها حرام لما فيه من الاهانة والاذلال و کذا استخدامہ نہر عن البدائع.

مہر اور نکاح شغار نکاح شغار کی صورت میں مہر مثل واجب ہوتا ہے، شغار یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح دوسرے مرد سے اس شرط پر کرے کہ وہ دوسرا مرد اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح اس سے کر دے۔ تاکہ ایک عقد دوسرے کا بدلہ ہو جائے اور دونوں میں سے کسی میں مہر کا نام نہ لیا جائے ایسا نکاح جس میں مہر نہ ہو ممنوع ہے، لیکن نکاح ہو جاتا ہے فقہاء نے ایسے نکاح میں مہر مثل واجب قرار دیا ہے، اس طرح کوئی نکاح مہر سے خالی نہ ہوگا۔

مہر کے بدلے بیوی کی خدمت اگر مہر میں یہ طے ہوا کہ شوہر مہر کے بدلے آزاد یا لونڈی بیوی کی ایک سال خدمت کرے گا تو اس صورت میں بھی نکاح ہو جائے گا اور شوہر پر مہر مثل واجب ہوگا۔ خدمت واجب نہیں ہوگی، کیونکہ یہ موضوع کے بالکل الٹا ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ عورت شوہر کی خدمت کرتی ہے نہ کہ شوہر بیوی کی، قاضی خاں میں ہے کہ مہر کے بدلے شوہر سے خدمت لینا حرام ہے، کیونکہ اس میں شوہر کی ذلت ہے۔ فائدہ یہ ہے کہ مہر مثل کے وجوب سے نکاح درست ہو جائے گا اگر کوئی اس شرط پر نکاح کرے گا کہ شوہر اس کے ولی یا آقا کی خدمت کرے گا اس دلیل پر کہ شعیب علیہ السلام نے اپنی صاحبزادی کا نکاح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اسی طرح کیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام آٹھ یا دس برس بکریاں چرائیں گے جس طرح وہ نکاح صحیح ہوتا ہے جس میں کہا گیا ہو کہ مہر یہ ہوگا کہ شوہر کا غلام یا اس کی لونڈی بیوی کی خدمت کرے گی، یا شوہر کے غیر کا غلام اپنے آقا کی رضامندی سے عورت کی خدمت کرے گا یا کوئی اور آزاد مہر میں خدمت کرے گا۔

تعلیم قرآن کی صورت میں مہر اگر کسی نے مہر میں تعلیم القرآن مقرر کیا ہے تو اس صورت میں بھی مہر مثل واجب ہوگا، نص قرآنی کا تقاضا یہی ہے کیونکہ ارشاد ربانی ہے اَنْ تَتَّقُوا بِأَمْوَالِكُمْ کہ نکاح مال کے عوض طلب کرو، اور تعلیم قرآن مال نہیں ہے، لہذا مہر مثل واجب ہوگا۔

حدیث میں جو آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا اِزْوَاجُكَ بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ میں تیرا نکاح اس کے بدلہ میں کرتا ہوں جو قرآن تیرے ساتھ ہے، اس کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم قرآن مہر ہو سکتی ہے اس کا جواب شارح یہ دے رہے ہیں کہ اس میں باء سبب اور تعلیل کے لئے ہے، عوض کے لئے نہیں ہے یعنی تم سے نکاح اس وجہ سے کر رہا ہوں کہ تم کو قرآن یاد ہے۔

متاخرین کے قول کی بنیاد پر مناسب یہ ہے کہ کہا جائے کہ تعلیم قرآن مہر ہو سکتا ہے کیونکہ متاخرین نے تعلیم قرآن پر اجرت لینا درست قرار دیا ہے، جس کی اجرت لینا جائز ہے اس کا مہر ہونا بھی جائز ہونا چاہئے، چنانچہ فتح القدیر میں مفتی بہ قول نقل کیا ہے کہ تعلیم قرآن کا مہر قرار دینا درست ہے۔

غلام شوہر کا بیوی کی خدمت کرنا لیکن اگر شوہر غلام ہو اور اس کے آقا نے خدمت کرنے کی اجازت دی ہو، اور وہ اپنے آقا کی اجازت سے کسی آزاد عورت سے نکاح کرے اور اس کا مہر بیوی کی خدمت مقرر ہو تو نکاح درست ہے کیونکہ غلام شوہر کے لئے آزاد بیوی کی خدمت کرنا باعث ذلت نہیں۔

و كذا يجب مهر المثل فيما اذا لم يسم مهرا او نفى ان وطى الزوج او مات احدهما اذا لم بتراضيا على شئ يصلح مهر الا فذاك الشئ هو الواجب او سمى خمراً او خنزيراً او هذا الخل و هو خمراً و هذا العبد و هو حر لتعذر التسليم او دابة او ثوباً او دار او لم يبين جنسها لفحش الجهالة و تجب متعة لمفوضة هي من زوجت بلا مهر طلقت قبل الوطى و هي درع و خمار و ملحفة لا تزيد على نصف المهر المثل لو الزوج غنيا و لا تنقص عن خمسة دراهم لو فقيرا و تعتبر المتعة بحالها كالنفقة به يفتى.

بے مهر نکاح اسی طرح جب نکاح کیا گیا اور اس میں مہر کا نام نہیں لیا گیا یا مہر کی نفی کی گئی تو اس صورت میں بھی مہر مثل واجب قرار پائے گا، یہ اس صورت میں ہے جب شوہر نے وطی کی ہو یا ان میاں بیوی میں سے کوئی مر گیا ہو، اور دونوں کسی مہر بننے کے لائق چیز کے مہر بنانے پر راضی نہ ہوئے ہوں، اور اگر دونوں کسی مہر بننے کے لائق چیز کے مہر بنانے پر راضی ہو گئے ہوں تو پھر وہی چیز مہر قرار پائے گی۔

مہر مثل کے وجوب کی صورت اسی طرح اگر کسی نے نکاح میں مہر کی جگہ شراب یا خنزیر کا نام لیا تو اس صورت میں بھی مہر مثل واجب ہوگا، کیونکہ شراب اور خنزیر مسلمان کے حق میں مال نہیں ہے، یا نکاح میں مہر کے لئے ایک برتن کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ یہ سرکہ مہر ہے، حالانکہ اس برتن میں شراب تھی، یا ایک شخص کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ غلام مہر ہے حالانکہ وہ آزاد شخص تھا تو ان صورتوں میں بھی مہر مثل واجب ہوگا۔ کیونکہ آزاد کا سپرد کرنا معذور اور دشوار ہے اسی طرح شراب اور سور کا بھی۔

یا مہر میں جانور کا نام لیا یا کپڑے کا یا گھر کا، اور اس کی جنس بیان نہیں کی کہ جانور میں کون جانور، اور کپڑے میں کون سا کپڑا، اور کیسا گھر، تو ایسا مہر جہالت فاحشہ ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہے لہذا ان صورتوں میں مہر مثل واجب ہوگا۔

بلا مہر نکاح اور متعہ جس عورت کا نکاح بلا مہر کے ہوا ہو اور اس کو اس کے شوہر نے وطی سے پہلے طلاق دیدی ہو، تو اس کے لئے متعہ واجب ہوگا متعہ سے مراد تین کپڑے ہیں ایک قمیص دوسرے اوڑھنی، تیسرے چادر جو سر سے قدم تک ہو، لیکن ان تینوں کپڑوں کی قیمت مہر مثل کے نصف سے زیادہ نہ ہونی چاہئے، اگر شوہر مالدار ہے، اور اگر فقیر و غریب ہے تو ان تینوں کی قیمت پانچ درہم سے کم نہیں ہونی چاہئے، متعہ والے کپڑوں میں میاں بیوی دونوں کے حالات کا اعتبار ہوگا جیسے بیوی کا نفقہ دونوں کے حالات کے اعتبار سے طے ہوتا ہے اسی پر فتویٰ دیا گیا ہے (بحر الرائق میں ہے کہ اگر دونوں محتاج ہیں تو متوسط سوتی کپڑے دیئے جائیں گے اور اگر دونوں مالدار ہیں تو متوسط ریشمی کپڑے دیئے جائیں اور اگر ایک مالدار اور دوسرا محتاج ہے تو متوسط کپڑا دیا جائے گا)

و تستحب المتعة لمن سواها ای المفوضة الا من سمى لها مهر او طلقت قبل وطى فلا تستحب لها بل للموطورة سمى لها مهرا و لا فالمطلقات اربع و مافرض بتراضيهما او بفرض قاض مهر المثل بعد العقد الخالى عن المهر او زيد على ما سمى فانها تلزمه

بشرط قبولها فی المجلس او قبول و لی الصغيرة و معرفة قدرها و بقاء الزوجية على الظاهر نهر و فی الكافي جدد النکاح بزيادة الف لزمه الالفان على الظاهر نهر لو وهبته مهرها ثم اقر بكذا من المهر و قبلت صح و يحمل على الزيادة و فی البرازية الا شبه انه لا يصح بلا قصد الزيادة.

متعہ کا استحباب مفوضہ کے علاوہ جن عورتوں کا مہر مقرر ہو، ان کو متعہ کے تینوں کپڑے دینے مستحب ہیں، لیکن جس کا مہر مقرر تھا اور اس کو وطی سے پہلے طلاق دی گئی ہے تو اس کے واسطے متعہ مستحب نہیں ہے پس متعہ اس عورت کے واسطے مستحب ہے جس کا مہر مقرر ہوا نہ ہو لیکن اس کو وطی کے بعد طلاق دی گئی ہو اس طرح مطلقہ چار قسم کی ہوں گی۔

(۱) ایک وہ عورت جس کے ساتھ وطی نہ ہوئی ہو اور نہ اس کا مہر مقرر ہوا ہو اور طلاق دیدی گئی ہو، اس کو متعہ کے تینوں کپڑے دینے واجب ہیں۔

(۲) دوسری وہ عورت مطلقہ جس کا مہر متعین تھا اور قبل وطی طلاق دیدی گئی ہو اس کو متعہ دینا مستحب نہیں ہے۔

(۳) تیسری وہ مطلقہ عورت ہے جس کے ساتھ وطی ہو چکی ہو اور مہر متعین نہ ہو۔

(۴) چوتھی وہ مطلقہ (طلاق دی ہوئی عورت) جس کے ساتھ وطی کی گئی ہو اور اس کا مہر متعین رہا ہو تو ان اخیر والی

دونوں کو متعہ دینا مستحب ہے۔

مہر قضائے قاضی سے جو مہر میاں بیوی کی رضامندی سے مقرر ہوا، یا ایسے نکاح میں جو مہر سے خالی تھا بعد میں قاضی کے فیصلہ سے مہر مثل طے ہوا۔ یا مہر متعین پر کچھ بڑھایا گیا، عورت کے مجلس میں قبول کرنے سے وہ زیادتی لازم ہو جاتی ہے اور اگر لڑکی نابالغ تھی اور اس کے ولی نے قبول کیا تو بھی لازم ہے، جب کہ وہ زیادتی کی مقدار جانتا ہو اور یہ کہ رشتہ نکاح باقی ہے (لہذا اگر شوہر اجمالی طور پر کہے کہ مہر زیادہ کر دیا اور مقدار نہ بیان کرے یا طلاق ہائے بعد مہر میں اضافہ کیا تو یہ صورتیں جائز نہیں ہیں)

کافی نامی کتاب میں ہے کہ شوہر نے ایک ہزار کے اضافہ کے ساتھ نکاح کی تجدید کی تو ظاہر قول کی بناء پر اس پر دو ہزار لازم ہوں گے (ایک ہزار پہلے نکاح کا اور ایک ہزار دوسرے نکاح کا) اور خانیہ میں ہے کہ اگر بیوی نے شوہر کو مہر بہہ کر دیا پھر شوہر نے اتنے ہی مہر کا اقرار کیا اور عورت نے اسے قبول کر لیا تو یہ صحیح ہے اور یہ مہر کے زیادہ کر دینے پر محمول ہوگا، اور بزاز یہ میں ہے کہ حق کے زیادہ مشابہ یہ ہے کہ بغیر زیادتی کے قصد کا اقرار درست نہیں ہے۔

لا ینصف لاختصاص التصفیف بالمفروض فی العقد بالنص بل تجب المتعة فی الاول و نصف الاصل فی الثانی و صح حطها لکله او بعضه عنه قبل اول و یرتد بالرد کما فی البحر والخلوۃ مبتدأ خبره قوله الآتی کالوطی بلا مانع حسی کمرض لاحدهما یمنع الوطی. وطبعی کوجود ثالث عاقل ذکره ابن الکمال وجعله فی الاسرار من الحسی و

علیه فلیس للطبعی مثال مستقل و شرعی کا حرام لفرض او نفل .

بعد عقد مہر کا تعین یا اس میں اضافہ جو مہر بعد عقد طے ہوا ہے یا بعد میں مہر متعین پر زیادہ ہوا ہے اس کی تنصیف نہیں ہوگی، اگر دہلی سے پہلے طلاق ہو گئی ہے، اس لئے کہ تنصیف اس مہر کے لئے خاص ہے جو بوقت عقد طے پایا ہو کیونکہ ارشاد ربانی ہے يَنْصِفُ مَا قَوَضْتُمْ تم نے جو مقرر کر رکھا ہے اس کا آدھا یعنی بوقت عقد، بعد کا اضافہ مراد نہیں ہے۔

مہر کا معاف کرنا عورت کے لئے کل مہر یا مہر کے بعض حصہ کا معاف کر دینا درست ہے، شوہر اسے قبول کرے یا نہ کرے دونوں صورتوں میں البتہ اگر شوہر بیوی کی طرف سے مہر کی معافی کو رد کر دے کہ میں اسے تسلیم نہیں کرتا تو اس سے رد ہو جائے گا اور معاف نہیں ہوگا، (یہ شرط ضرور ہے کہ عورت کا یہ معاف کرنا اس کے مرض الوفا میں نہ ہو)

خلوت صحیحہ بحکم وطی خلوت صحیحہ وطی کے مانند ہے، جب کہ کوئی حسی شرعی اور طبعی مانع نہ ہو، حسی مانع وہ ہے جو حواس سے معلوم ہو، جیسے میاں بیوی کا اس طرح بیمار ہونا جو وطی کے لئے مانع ہو، اور مانع طبعی یہ ہے کہ میاں بیوی کے درمیان اس وقت کوئی تیسرا عاقل شخص موجود ہو، ابن کمال نے اسی طرح اسے ذکر کیا ہے، اور اسرار نامی کتاب میں تیسرے عاقل شخص کے ہونے کو مانع حسی میں شمار کیا ہے، اس تقدیر پر مانع طبعی کی کوئی مستقل مثال نہیں ہو سکی، مانع شرعی جیسے حج فرض یا حج نفل کا احرام ہونا۔

وَمِنْ الْحَسَى رَتَقَ بَفَتْحْنِ التَّلَاعِمِ وَ قَرْنَ بِالْكَوْنِ عَظْمٌ وَ عَقْلٌ بَفَتْحْنِ غَدَةِ صَغَرٍ وَ لَوْ
بِزَوْجٍ لَا يَطَاقُ مَعَهُ الْجَمَاعُ وَ بَلَا وَ جُودٌ ثَالِثٌ مَعَهُمَا وَ لَوْ نَائِمًا أَوْ أَعْمَى إِلَّا أَنْ يَكُونَ
الثَّالِثُ صَغِيرًا أَوْ يَعْقِلُ وَ بَانَ لَا يَعْبُرُ عَمَّا يَكُونُ بَيْنَهُمَا أَوْ مَجْنُونًا أَوْ مَغْمًى عَلَيْهِ لَكِنْ فِي
الْبَزَازِيَةِ أَنْ فِي اللَّيْلِ صَحَتْ لَا فِي النَّهَارِ وَ كَذَا الْأَعْمَى فِي الْأَصْحِ أَوْ جَارِيَةِ أَحَدِهِمَا فَلَا
تَمْنَعُ بِهِ يَفْتَى مَبْتَغًى وَالْكَلْبُ يَمْنَعُ أَنْ كَانَ عَقُورًا مُطْلَقًا وَ فِي الْفَتْحِ وَ عِنْدِي أَنَّهُ كَلْبُهُ
لَا يَمْنَعُ مُطْلَقًا أَوْ كَانَ لِلزَّوْجَةِ وَ إِلَّا يَكُنْ عَقُورًا كَانَ لَهُ لَا يَمْنَعُ وَ بَقِيَ عَدَمُ صِلَاحِيَةِ الْمَكَانِ
كَمَسْجِدٍ وَ طَرِيقٍ وَ حَمَامٍ وَ صَحْرَاءٍ وَ سَطْحٍ وَ بَيْتٍ بِأَبْهٍ مَفْتُوحٍ وَ مَا إِذَا لَمْ يَعْرِفْهَا .

مانع حسی مانع حسی میں رتق ہے یعنی شرمگاہ کا اس طرح بند ہو جانا کہ اس میں مرد کا عضو خاص کا داخل کرنا ممکن نہ ہو، اور اسی طرح مانع حسی میں سے قرن ہے، یعنی شرمگاہ میں ایسی ہڈی کا پلایا جانا جو دخول کے لئے مانع ہو، اور مانع حسی میں غفل بھی ہے یعنی عورت کی شرمگاہ میں غدہ ہونا اور مانع حسی سے ہی شوہر کا نابالغ ہونا ہے کہ شوہر اس عمر کا ہو جو جماع کی قدرت نہ رکھتا ہو۔

خلوت کی مزید شرط جو خلوت وطی کے مانند ہے اس میں شرط یہ بھی ہے کہ کوئی تیسرا شخص میاں بیوی کے ساتھ نہ ہو، خواہ وہ تیسرا سوتا ہو یا اندھا ہی کیوں نہ ہو، لیکن اگر وہ تیسرا نابالغ بچہ ہے جو ان میاں بیوی

کے درمیان ہونے والی چیز کو بیان کرنے پر قادر نہ ہو، یا وہ تیسرا یا گھل یا بے ہوش ہو تو مانع خلوت نہیں ہے لیکن بڑا زیہ میں ہے کہ اگر خلوت رات میں ہو اور دیوانہ یا بے ہوش پاس ہو تو خلوت صحیح ہے لیکن ان میں ان کے رچے ہوئے خلوت صحیح نہیں ہے اور یہی حکم اندھے کا ہے، یا تیسرا شخص اونڈی ہو ان دونوں میں سے کسی کی بھی ملکیت ہو تو یہ مانع خلوت نہیں فتویٰ اسی پر ہے۔

لیکن بعض علماء نے اونڈی کی موجودگی کو مانع قرار دیا ہے اور اسی کو درایت و درایت کے موافق قرار دیا ہے کہ اونڈی کے رہتے ہوئے بیوی جماع پر تیار نہیں ہوتی، اور امام صاحب اور مسلمانین کا قول اسی کو قرار دیا ہے واللہ اعلم

کاٹ کھانے والا کتا کاٹ کھانے والے کتے کا ہونا مانع خلوت ہے، خواہ وہ کتا شوہر کا ہو یا بیوی کا، رات ہو یا دن، اور فتح القدیر میں ہے کہ میرے نزدیک شوہر کا کتا مطلقاً مانع خلوت نہیں ہے، کاٹ کھانے والا ہو یا نہ ہو، اس واسطے کہ مالک کو نہیں کاٹتا، ہاں عورت کا کتا ہو تو وہ مانع خلوت ہوگا، لیکن اگر کتا کاٹ کھانے والا نہیں ہے یا کائے والا ہو مگر شوہر کا ہو تو ایسا کتا خلوت کے لئے مانع نہیں ہے۔

خلوت کی جگہ کا مناسب ہونا مانع حسی میں باقی ایک صورت رہ تھی کہ وہ جگہ وطنی کے مانع نہ ہو، جیسے مسجد، راستہ، بیابان، چھت یا پردہ یا کوٹھری جس کا دروازہ کھلا ہوا ہو، اس لئے کہ یہ جگہیں مامون نہیں ہوتی ہیں آنے والے آتے رہتے ہیں اور جب کہ شوہر بیوی کو پہچانتا نہ ہو، یہ بھی مانع خلوت ہے۔

وصوم التطوع والمنذور والكفارات والقضاء غير مانع لصحتها في الاصح اذ لا كفارة بالافساد ومفاده انه لو اكل ناسيا فامسك فخلا بها ان تصح وكذا كل ما اسقط الكفارة نهر بل المانع صوم رمضان اداء و صلوة الفرض فقط كالوطني فيما يجبي ولو كان الزوج مجبوبا او عينا او خصيا او خنثى ان ظهر حاله والا فنكاحه موقوف وما في البحر والاشباه ليس على ظاهره كما بسطه في النهر وفيه عن شرح الوهبانية أن العنة قد تكون لمرض او ضعف خلقه او كبر سن في ثبوت النسب ولو من المجبوب وفي تأكيد المهر المسمى ومهر المثل بلا تسمية والنفقة والسكنى.

روزے جو خلوت کے لئے مانع بنتے ہیں اور جو نہیں بنتے نفلی روزہ، نذر کا روزہ، اور کفارات اور قضا خلوت صحیحہ کے لئے مانع

نہیں ہیں قول اصح یہی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان روزوں کے توڑنے میں کفارہ نہیں ہے اور اس کا مفاد یہ ہے کہ اگر ایسے روزہ دار نے بھول کر کھالیا، پھر اس کے بعد دن بھر کھالیا یا نہیں، پھر عورت سے خلوت کی تو یہ خلوت صحیح ہوگی، اس وجہ سے کہ اس میں کفارہ نہیں، اسی طرح جو روزہ بھی کفارہ کو ساقط کرے، وہ مانع خلوت نہیں ہے۔

خلوت صحیحہ کے لئے مانع صرف ادا کرنے رمضان کا روزہ ہے اور فرض نماز ہے، اور خلوت صحیحہ کے جو موانع (روکنے والے) مذکور ہوئے اگر ان میں سے کوئی مانع نہ ہو تو چند احکام میں خلوت وطنی کی طرح ہے، جس کی تفصیل آئندہ آرہی ہے،

اگرچہ شوہر نامرد ہو یا خصی ہو یا خنثی بشرطیکہ خلوت سے پہلے خنثی کا حال معلوم ہو گیا ہو، یعنی اس کا مرد ہونا ثابت ہو گیا ہو، تب اس کی خلوت وطی کے مانند ہوگی، اور اگر یہ معلوم نہ ہوا ہو کہ خنثی مرد ہے یا عورت، تو اس کا نکاح موقوف رہے گا، جب تک حال ظاہر نہ ہو جائے ایسے خنثی کی خلوت وطی کے مانند نہیں ہوگی، خنثی کا جو مسئلہ بحر الرائق اور اشباہ میں ہے وہ اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہے اس کی تفصیل نہر الفائق میں ہے۔

خلوت بحکم وطی ثبوت نسبت اور تکمیل مہر میں اور نہر الفائق میں شرح وہبانیہ سے منقول ہے کہ نامردی کبھی بیماری یا پیدائشی کمزوری یا درازی عمر سے

بھی ہوتی ہے خلوت صحیحہ وطی کے حکم میں نسب کے ثابت ہونے میں بھی ہے، اگرچہ خلوت مقطوع الذکر والخصیتین سے ہو، اور اسی طرح خلوت صحیحہ مہر متعین کے موکد کرنے میں بھی وطی کے مانند ہے، اور جب نکاح بلا مہر ہو تو مہر مثل کے واجب ہونے میں یعنی جس طرح وطی کرنے سے مہر متعین پورا لازم ہو جاتا ہے اور جب بلا مہر نکاح ہو تو مہر مثل لازم ہو جاتا ہے اسی طرح یہ لزوم خلوت صحیحہ سے بھی ہو جاتا ہے، اور نفقہ اور سکنی کے لازم ہونے میں بھی خلوت وطی کے مانند ہے، یعنی خلوت کے بعد طلاق دے گا تو شوہر پر عدت کا نفقہ اور سکنی واجب ہوگا۔

والعدة و حرمة نکاح اختها و اربع سواھا فی عدتها و حرمة نکاح الامة و مراعات وقت الطلاق فی حقھا و کذا فی وقوع طلاق بائن آخر علی المختار لا تکون کالوطی فی حق بقية الاحکام بالغسل.

خلوت سے عدت وغیرہ کا وجوب جس طرح وطی سے عدت واجب ہوتی ہے خلوت صحیحہ سے بھی عدت واجب ہوتی ہے، اسی طرح بیوی کی بہن اور اس کے سوا چار عورتوں سے نکاح کے حرام ہونے میں بھی خلوت وطی کی طرح ہے، یعنی نکاح کیا پھر بیوی سے خلوت صحیحہ ہوئی، پھر طلاق دی تو اس مطلقہ کی عدت میں نہ اس کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے کہ وہ حرام ہے، اسی طرح اس کے سوا چار عورتوں سے اس کی عدت میں نکاح کرنا حرام ہے۔

اسی طرح جب آزاد عورت کو بعد نکاح خلوت کر کے طلاق دی ہے تو اس کی عدت میں لونڈی سے نکاح کرنا حرام ہے۔ جس طرح وطی کے بعد طلاق دینے سے عدت میں خود اس سے نکاح کرنا حرام ہے۔

خلوت سے احکام پر اثر بعد خلوت صحیحہ بھی طلاق کے وقت کی رعایت عورت کے حق میں رکھنی چاہئے یعنی جس طرح بعد وطی طلاق کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ زمانہ طہر میں طلاق دے اسی طرح خلوت صحیحہ کے بعد بھی زمانہ طہر میں طلاق دینی چاہئے، اسی طرح خلوت صحیحہ مثل وطی دوسری طلاق بائن پڑنے میں بھی ہے، قول مختار یہی ہے، یعنی خلوت کے بعد ایک طلاق دی، پھر عدت کے اندر دوسری طلاق بائن دی تو یہ دوسری طلاق بھی واقع ہوگی اور اس طرح پہلی طلاق بھی گو وہ صریح تھی بائن کے حکم میں ہو جائے گی۔

بقیہ احکام میں خلوت صحیحہ وطی کے مانند نہیں ہے جیسے غسل، کہ وطی سے میاں بیوی پر غسل واجب ہوتا ہے مگر صرف خلوت صحیحہ سے دونوں پر یا کسی پر غسل واجب نہیں ہوتا ہے۔

جہاں خلوت بحکم وطی نہیں احسان (شادی شدہ ہونے) کے ثبوت میں خلوت وطی کے مانند نہیں ہے یعنی وطی سے احسان (شادی شدہ ہونا) ثابت ہوتا ہے، لیکن صرف خلوت سے نہیں ثابت ہوتا ہے، محض (شادی شدہ) زنا کرے تو وہ سنگسار کیا جائے گا، لیکن صرف خلوت ہوئی اور وطی نہیں ہوئی ہے تو زنا کرنے سے وہ سنگسار نہیں ہوگا۔

وحرمة البنات وحلها للاول والرجعة والميراث و تزويجها كالأبكار على المختار وغير ذلك كما نظمه صاحب النهر و خلوة الزوج مثل الوطى فى صور وغيره بهذا العقد تحصيل: تكميل مهر و اعداد كذا نسب، انفاق سكنى و منع الاخت مقبول و اربع و كذا قالوا الاماء و لقد، راعوا زمان فراق فيه ترحيل، و اوقعوا فيه تطليقا اذا لحقا، و قيل لا والصواب الاول القيل، اما المعابر فالاحسان يا املے، و رجعة و كذا التورث معقول سقوط وطى و احلال لها و كذا تحريم بنت نكاح البكر امذول كذلك الفى والتكفير ما فسدت عبادة و كذا بالغسل تكميل.

بیٹیوں کی حرمت میں بھی خلوت وطی کے مانند نہیں ہے یعنی مرد جس عورت سے وطی کرے گا اس عورت کی بیٹی مرد پر حرام ہوگی، لیکن مرد جس عورت کے ساتھ خلوت بلا وطی کرے گا اس کی بیٹی مرد پر حرام نہیں ہوگی۔ عورت کے پہلے شوہر کے لئے حلال ہونے میں خلوت وطی کے مانند نہیں ہے، یعنی جس عورت کو شوہر اول نے تین طلاق دی، اس نے دوسرے مرد سے بعد عدت شادی کی، اور اس دوسرے شوہر نے بھی وطی کرنے کے بعد طلاق دیدے یا مرگیا تو اس سے پہلے شوہر کے لئے نکاح جائز ہوگا، لیکن اگر دوسرے شوہر نے صرف خلوت کی تھی اور وطی نہیں کی تھی، تو اس کے مرنے یا طلاق دینے سے عورت پہلے شوہر کے لئے جائز نہیں ہوگی۔

خلوت اور مسئلہ رجعت رجعت میں بھی خلوت وطی کے حکم نہیں ہے یعنی وطی کرنے کے بعد طلاق دینے میں رجعت کرنا درست ہے لیکن خلوت کے بعد طلاق دینے میں رجعت درست نہیں ہے، اس لئے کہ صرف خلوت کے بعد جو طلاق ہوتی ہے وہ رجعی نہیں ہوتی، بلکہ بائن ہو جاتی ہے کیونکہ غیر مدخولہ کو طلاق ہوتی ہے۔

خلوت اور مسئلہ میراث میراث کے حق میں بھی خلوت وطی کے مانند نہیں ہے، یعنی اگر وطی کے بعد طلاق ہوئی اور عدت میں شوہر مر گیا، تو عورت وارث قرار پائے گی، لیکن اگر خلوت کے بعد طلاق ہوئی اور عدت میں شوہر وفات پا گیا تو عورت وارث نہیں ہوگی۔

جس عورت کے ساتھ صرف خلوت صحیحہ ہوئی وطی نہیں ہوئی اسکی شادی باکرہ عورتوں کے مثل ہے قول مختار یہی ہے یعنی جب باکرہ عورت کو اسکے شوہر نے خلوت کے بعد طلاق دیدی تو اس کا نکاح ثانی باکرہ عورتوں کی طرح ہوگا اور ان کے علاوہ دوسرے احکام میں جن میں خلوت وطی کے مانند نہیں ہے نہر الفائق میں اس کو صاحب نہر نے نظم کر دیا ہے، ترجمہ یہ ہے۔

مسائل جن میں خلوت وطی کے حکم میں ہے شوہر کا بیوی کے ساتھ خلوت کرنا چند صورتوں میں وطی کی طرح ہے اور چند صورتوں میں وطی کے مغائر

ہے، اور اس نظم سے جو موتیوں کی لڑی ہے خلوت کے احکام حاصل ہوتے ہیں، خلوت وطی کے حکم میں ہے تنمیل مہر میں وجوب عدت میں، ثبوت نسب میں، نفقہ دینے میں، سکنی میں، اور اس کی بہن کے ساتھ نکاح حرام ہونے میں، یہ قول علماء کے نزدیک مقبول ہے مردود نہیں، اور چار عورتوں کے ساتھ اس کی عدت میں نکاح حرام ہونے میں، اسی طرح علماء نے لونڈیوں کے متعلق کہا ہے، اور طلاق دینے میں طہر کی رعایت کے اندر۔

اور علماء نے طلاق کے بعد دوسری طلاق واقع کی ہے جب کہ وہ پہلی طلاق سے لاحق ہو اور بعضوں نے کہا کہ وہ دوسری طلاق واقع نہیں ہوتی ہے لیکن ان میں درست پہلا قول ہے کہ طلاق واقع ہوتی ہے۔

مسائل جن میں خلوت وطی کے حکم میں نہیں لیکن وہ احکام جن میں خلوت وطی کے حکم میں نہیں ہے بلکہ مغائر ہے پہلا ان میں احسان ہے اور پھر

رجعت ہے اور اسی طرح وراثت بھی ہے اور ایک دفعہ شوہر کے وطی کرنے کے بعد وطی کے مطالبہ کا ساقط ہونا کیونکہ فقط خلوت ہوئی ہے تو وطی کے مطالبہ کا حق باقی رہتا ہے اور بیوی کا حلال کرنا یعنی اگر خلوت کے بعد طلاق دی، تو دوسرے شوہر کے صرف خلوت سے یہ پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی، اور اس کے وطی کرنے سے حلال ہو جائے گی اور اسی طرح بیٹی کا حلال ہونا یعنی اگر بیوی سے صرف خلوت ہوئی اور اسے چھو وغیرہ نہیں اور طلاق دیدی تو اس عورت کی لڑکی شوہر پر حرام نہیں ہوگی، بخلاف وطی کے کہ اس سے حرام ہو جاتی ہے اور جس عورت سے صرف خلوت ہوئی وطی نہیں ہوئی ہے، نکاح ثانی میں وہ باکرہ کے حکم میں ہے اسی طرح ایلاء سے رجوع کرنا یعنی شوہر نے قسم کھائی کہ وہ چار ماہ تک بیوی سے وطی نہیں کریگا اور قسم پوری کر دی، تو بیوی مطلقہ بائنہ ہو جائے گی، اور اگر اس مدت میں وطی کر لی تو وہ رجعت کے حکم میں ہوگا خلوت کا یہ حکم نہیں ہے۔ اسی طرح روزہ دار پر خلوت سے کفارہ واجب نہیں ہوتا ہے اور وطی سے کفارہ واجب ہوتا ہے، اسی طرح بیوی کے ساتھ صرف خلوت سے نہ حج فاسد ہوتا ہے نہ روزہ، اور نہ اعتکاف، بخلاف وطی کے کہ اس سے یہ سب فاسد ہو جاتے ہیں اسی طرح خلوت سے غسل واجب نہیں ہوتا لیکن وطی سے واجب ہوتا ہے، اتنے مسائل ہیں جن میں خلوت وطی کے مانند نہیں ہے۔

و لو افترقا فقلت بعد الدخول و قال الزوج قبل الدخول فالقول لها لانكارها سقوط نصف المهر و ان انكر الوطى و لو لم تمكنه فى الخلو فان بكرا صحت والا لان البكر انها توطاء کرھا کما بحثه الطرسوسى و اقره المصنف.

میاں بیوی میں اختلاف کی صورت اگر میاں بیوی میں جدائی ہو گئی اس کے بعد بیوی نے کہا کہ دخول کے بعد مجھے شوہر نے طلاق دی ہے اور شوہر نے کہا کہ دخول سے

پہلے طلاق دی ہے تو اس صورت میں بیوی کی بات مانی جائے گی اس لئے کہ عورت آدمی کے مہر کے ساقط ہونے کی گویا منکر ہے، لہذا حلف کے ساتھ اسی کا قول مانا جائے گا اور پورا مہر پائے گی اور اگر عورت وطی کا انکار کرے اور شوہر اقرار تو اس صورت میں بھی عورت کا ہی قول مانا جائے گا۔

خلوت صحیحہ

عورت نے خلوت میں شوہر کو اپنے اوپر جماع کی قدرت نہیں دی، تو دیکھا جائے گا کہ اگر عورت اس کے بعد بھی باکرہ ہی ہے تو خلوت صحیحہ ہوگی، اور اگر اس کی بکارت نہیں ہے زائل ہو چکی ہے، تو خلوت صحیحہ نہیں ہوگی، اس لئے کہ باکرہ کے ساتھ وطی کے ساتھ وطی دباؤ سے ہوتا ہے، طرطوسی نے یہی تفصیل کی ہے اور مصنف نے اسی کو برقرار رکھا ہے۔

ولو قال ان خلوت بك فانت طالق فخلا بها طلقت باننا لوجود الشرط و وجب نصف المهر و لا عدة عليها بزازية و تجب العدة في الكل ای كل انواع الخلوة و لو فاسدة احتياطاً ای استحساناً لتوهم الشغل و قيل قائله القدوری و اختاره التمرتاشی و قاضی خان ان كان المانع شرعياً كصوم تجب العدة و ان كان حسیاً كصفر و مرض مدنف لا تجب والمذهب الاول لانه نص محمد قاله المصنف و فی المجتبى الموت ایضا كالوطی فی حق العدة والمهر فقط حتی لو ماتت الام قبل دخوله بها حلت بنتها.

شوہر نے بیوی سے کہا اگر میں تیرے ساتھ خلوت کروں تو تجھ کو طلاق ہے پھر اس نے اس کے ساتھ خلوت کی، تو اس کی بیوی پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی کیونکہ شرط پائی گئی، اور شوہر پر نصف مہر واجب ہوگا لیکن اس پر عدت نہیں ہوگی کذا فی المزایہ، جب عدت نہیں ہوئی تو نفقہ، سکنی اور لباس بھی نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ سب عدت سے متعلق ہیں۔ خلوت کی تمام قسموں میں احتیاطاً عدت واجب ہوتی ہے خواہ خلوت فاسدہ ہی کیوں نہ ہو، یعنی استحسان کا تقاضا ہے کیونکہ اس کا وہم پایا جاتا ہے کہ عورت کا رحم مرد کے نطفہ کے ساتھ مشغول ہو گیا ہو۔

معلوم خلوت صحیحہ اور فاسدہ دونوں میں عدت واجب ہے، اور کہا گیا ہے کہ اس قول کا قائل قدوری ہے تمرتاشی اور قاضی نے بھی اس کو پسند کیا ہے کہ اگر خلوت صحیحہ کا مانع شرعی ہے جیسے روزہ تو عدت واجب ہوگی اور اگر خلوت کا مانع حقیقی ہے جیسے کم سن ہونا یا دائمی بیماری جس نے قوت بالکل زائل کر دی ہے تو عدت واجب نہیں ہوگی، مذہب مختار اول قول ہے یعنی ہر صورت میں عدت واجب ہے۔ خلوت صحیح ہو یا نہ ہو۔

مجتبى میں ہے کہ موت بھی مہر اور عدت کے حق میں وطی کے مانند ہے حتیٰ کہ اگر ماں دخول سے پہلے مر گئی تو ماں کے شوہر پر اس کی بیٹی حلال ہوگی۔

قبضت الف المهر فوهبه له و طلقت قبل وطی رجع علیها بنصفه لعدم تعیین النقود فی العقود و ان لم تقبضه او قبضت نصفه فوهبه الكل فی الصورة الاولى او ما بقى وهو النصف فی الثانية او وهبت عرض المهر كثوب معين او فی الذمة قبل القبض او بعده لا رجوع لحصول المقصود.

بیوی نے مہر کے برابر ہم پر قبضہ کیا۔ پھر اس نے وہ ہزار اپنے شوہر کو ہبہ کر دیا، لیکن ابھی وطی نہیں ہوئی تھی کہ اس کے شوہر نے قبل وطی اسے طلاق دیدی، تو اس مسئلہ مہر اور قبل وطی طلاق

صورت میں شوہر اپنی اس بیوی سے ہزار کا آدھا پانچ سو واپس لے گا، باقی بیوی نے جو شوہر کو ہزار بہہ کیا تھا اس کا اس میں اعتبار نہ ہوگا۔ اس لئے کہ وہ اس کا فعل تھا، اس نے تو پورا لیا تھا لہذا وہ آدھا واپس کرے گی، اور نقدی معاملات میں تعین نہیں ہوتا ہے کہ کہا جائے جو ہزار دیا تھا بعینہ وہی اس نے شوہر کو دیدیا تھا۔

اور اگر بیوی نے مہر پر قبضہ نہیں کیا یا قبضہ کیا تو نصف پر، پھر نہ قبضہ کرنے کی صورت میں کل شوہر کو بہہ کر دیا نصف پر قبضہ کرنے کی صورت میں اسی نصف کو بہہ کر دیا، یا مہر نقد کے بجائے جنس کی صورت میں تھا، اور بیوی نے شوہر کو وہ جنس بہہ کر دی جیسے کوئی معین کپڑا تھا یا وہ کپڑا تھا جو کسی کے ذمہ بصورت دین (قرض) تھا، بیوی نے اسی کو بہہ کر دیا۔ خواہ اس جنس پر قبضہ کرنے کے بعد بہہ کیا، یا قبضہ کرنے سے پہلے، پھر اس عورت کو طلاق ہو گئی اور وطی سے پہلے ہو گئی، تو ان صورتوں میں سے کسی صورت میں شوہر بیوی سے وہ رقم واپس نہیں لے گا، اس لئے کہ شوہر کا جو مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا یعنی اس کو اس کا حق مل گیا۔

نکحها بالف علی ان لا یخرجها من البلد او لا یتزوج علیها او نکحها علی الف ان اقام بها و علی الفین ان اخرجها فان وفی بما شرطه فی الصورة الاولى و اقام بها فی الثانية فلها الالف لرضاها بها فھنا صورتان الاولى تسمیة المھر مع ذکر شرط ینفعھا والثانية تسمیة المھر علی تقدیر و غیره علی تقدیر والا یوف و لم یقم فمھر المثل لعقد رضاھا بفوات النفع ولکن لا یزاد المھر فی المسئلة الاخيرة علی الفین ولا ینقص عن الف لاتفاقھما علی ذلك.

مہر کی کمی زیادتی مشروط ایک شخص نے کسی عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ وہ اسے شہر سے باہر نہیں لے جائے گا، یا اس شرط پر کہ اس کے رہتے ہوئے وہ دوسری عورت سے شادی نہیں کرے گا۔ یا اس شرط پر نکاح کیا کہ اس نے عورت کے شہر میں عورت کو رکھا تو ایک ہزار مہر اور اگر باہر لے گیا تو دو ہزار مہر، لہذا اگر اس نے جو شرط کی تھی وہ پوری کی، یعنی ہزار والی شرط میں شہر میں رکھا یا دوسرا نکاح نہیں کیا یا دوسری صورت میں عورت کے شہر میں مقیم رہا تو اس صورت میں عورت کو ہزار درہم ملیں گے، کیونکہ عورت مہر معین پر راضی تھی۔ یہاں دو صورتیں ہیں ایک مہر کا معین ہونا ایسی شرط کے ساتھ جو عورت کے لئے فائدہ بخش ہے اور دوسری صورت یہ کہ مہر ایک صورت میں کم (ایک ہزار) مقرر کیا اور دوسری صورت میں زیادہ یعنی دو ہزار۔

مہر مثل کا وجوب اور اگر پہلی صورت میں شرط اس نے پوری نہیں کی اور دوسری صورت میں شہر میں مقیم نہیں رہا تو شوہر پر مہر مثل واجب ہوگا کیونکہ عورت نفع کے ختم ہو جانے کے بعد اس پر راضی نہیں تھی، لیکن دوسری صورت میں مہر مثل دو ہزار سے زیادہ نہیں ہوگا اور نہ ایک ہزار سے کم ہوگا، اس لئے کہ میاں بیوی دونوں اس پر راضی تھے، جب کہا گیا تھا کہ اگر شہر کے باہر لے جائے گا تو مہر دو ہزار ہوگا بیوی نے رضامندی کا اظہار کیا تھا، تو اب دو ہزار سے زیادہ کیسے ملے گا۔ اب اگر پانچ ہزار مہر مثل تھا تو بھی دو ہی ہزار ملیں گے اور اگر مہر مثل پانچ سو تھا تو ایک ہزار سے کم نہیں دیے

جائیں گے، اس لئے کہ اس پر مرد راضی ہو چکا تھا کہ شہر میں رہنے کی صورت میں ہزار اور نکلنے پر دو ہزار۔ تو اب نکلنے کی صورت میں ایک ہزار سے کم کیسے مہر ملے گا۔

و لو طلقها قبل الدخول تنصف المسمى في المسئلتين لسقوط الشرط قالا الشرطان صحيحان بخلاف ما اذا تزوجها على الف ان كانت قبیحة و علی الفین ان كانت جمیلة فانه یصح الشرطان اتفاقاً فی الاصح لقلة الجهالة بخلاف ما لورد في المهر بین القلة و الكثرة للشبهة و البکارة فانها ان ثبیا لزمه الاقل و الا فمهر المثل لا یزاد علی الاکثر و لا ینقص عن الاقل فتح و لو شرط البکارة فوجدھا ثبیا لزمه الكل درر و رجحه فی البزازیة و او تزوجها علی هذا العبد او علی هذا الالف او الالفین او علی هذا العبد او علی هذا العبد او علی احد هذین و احدهما او کس حکم القاضی مهر المثل فان مثل الرفع و فوقه فلها الرفع و ان مثل الاوکس او دونه فلها الاوکس و الا فمهر المثل.

اور اگر شوہر نے بیوی کو دخول سے پہلے طلاق دی ہے تو دونوں مسئلوں میں آدھا مہر معین دیا جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ دخول سے پہلے طلاق دینے میں شرطیں ساقط ہو گئیں اور صاحبین نے کہا کہ دونوں شرطیں صحیح ہیں لہذا اگر شہر میں رکھا ہے تو عورت کو ایک ہزار ملے گا اور اگر شہر سے باہر رکھا ہے تو دو ہزار ملے گا۔

اگر کسی نے اس شرط پر نکاح کیا کہ اگر عورت بد صورت ہے تو مہر ایک ہزار، اور اگر حسین و جمیل ہے تو مہر دو ہزار، تو یہ دونوں شرطیں درست ہیں، امام صاحب کے نزدیک بھی صاحبین کے نزدیک بھی قول اصح یہی ہے، کیونکہ خوبصورتی بد صورتی میں زیادہ جہالت نہیں ہوتی، بڑی آسانی سے یہ فیصلہ ہو سکتا ہے۔

اگر مہر کے کم اور زیادہ ہونے کو کسی شرط پر موقوف کیا جیسے شبہ اور باکرہ ہونے مثلاً **شبہ اور باکرہ ہونے پر مہر** کہا کہ شبہ ہوئی تو مہر ایک ہزار اور باکرہ ہوئی تو دو ہزار، لہذا اگر وہ شبہ ثابت ہوئی تو ایک ہزار مہر قرار پائے گا جو کمتر ہے اور باکرہ ہوگی تو مہر مثل لازم ہوگا جو دو ہزار سے زیادہ نہ ہوگا اور نہ وہ ایک ہزار سے کم ہوگا کذا فی الفتح، اور اگر باکرہ ہونے کی شرط تھی اور پائی گئی وہ شبہ تو کل مہر لازم ہوگا۔ اس لئے کہ مہر بیوی سے لذت اندوز ہونے کے لئے مشروع ہے نہ کہ بکارت کے لئے البتہ یہ شرط فاسد ٹھہری، چونکہ شرط فاسد سے نکاح نہیں فاسد ہو تا بلکہ خود شرط باطل قرار پاتی ہے۔

اور اگر مہر میں دو چیز مختلف قیمت والی کا نام لیا خواہ وہ ایک جنس کی ہوں خواہ مختلف جنس کی، جیسے اس غلام پر نکاح کیا یا اس ہزار درہم پر یا دو ہزار پر، یا نکاح کیا اس غلام پر یا اس غلام پر یا یوں کہا کہ ان دو میں سے کسی پر، اور ان دو چیزوں میں سے ایک کی قیمت کم ہے اور دوسرے کی زیادہ، تو اس صورت میں قاضی مہر مثل کا فیصلہ کرے گا۔ لہذا اگر مہر مثل زیادہ قیمت والی کے برابر یا اس سے بھی زیادہ ہو تو عورت کو زیادہ قیمت والی چیز ملے

گی اور اگر مہر کم قیمت والی کے برابر ہے یا اس سے بھی کم تو عورت کو کم قیمت والی چیز ملے گی، اور اگر مہر مثل بیش قیمت والی سے کم ہو اور کم قیمت والی سے زیادہ تو عورت کو مہر مثل ملے گا۔

وَفِي الطَّلَاقِ قَبْلَ الدَّخُولِ تَحْكُمُ مَتْعَةُ الْمَثَلِ لَانْهَ الْأَصْلُ حَقُّ لَوْ كَانَ نَصْفَ الْأَوْ كَسَ أَقْلُ مِنَ الْمَتْعَةِ وَجَبَتْ الْمَتْعَةُ فَتَحَ وَ لَوْ تَزَوَّجَهَا عَلَى فَرَسٍ أَوْ عَبْدٍ أَوْ ثَوْبٍ هَرَوِيٍّ أَوْ فَرَّاشٍ بَيْتٍ أَوْ عَدَدٍ مَعْلُومٍ مِنْ نَحْوِ أَهْلِ فَالْوَجِبُ فِي كُلِّ جَنْسٍ لَهُ وَسْطُ الْوَسْطِ أَوْ قِيَمَتُهُ وَ كُلُّ مَالٍ يَجْزِي السَّلْمَ فِيهِ فَالْخِيَارُ لِلزَّوْجِ وَالْأَمْرُ لِلْمَرْأَةِ.

دخول سے پہلے طلاق اور متعہ اسی مسئلہ میں اگر دخول سے پہلے طلاق ہو گئی ہے تو اس کے لئے متعہ مثل کا حکم کیا جائے گا، اس لئے کہ اصل وہی ہے۔ لہذا اگر کم قیمت والی چیز کا نصف متعہ مثل سے کم ہے تو متعہ مثل واجب ہو گا۔ اور اگر نکاح کیا گھوڑے کے مہر ہونے پر یا غلام پر یا ہراتی کپڑے پر یا گھر کے فرمیش پر یا اونٹ وغیرہ کے عدد معلوم پر، تو اس صورت میں متوسط درجہ کی جنس کا متوسط واجب ہو گا یا اس کی قیمت واجب ہو گی۔ مرد کو اختیار ہے کہ وہ متوسط درجہ کی جنس مہر میں دے یا اس کی قیمت دے۔

جس چیز میں بیع سلم جائز نہیں ہے اس میں شوہر کو اختیار ہے خواہ وہ چیز دے خواہ اس کی قیمت دے اور جس چیز میں بیع سلم جائز ہے اس میں عورت کو اختیار ہے خواہ وہ چیز لے خواہ اس کی قیمت لے۔

وَكُلُّ الْحَكْمِ وَهُوَ لَزُومُ الْوَسْطِ فِي كُلِّ حَيَوَانٍ ذَكَرٍ جَنْسِهِ هُوَ عِنْدَ الْفُقَهَاءِ الْمَقُولُ عَلَى كَثِيرِينَ مُخْتَلِفِينَ فِي الْأَحْكَامِ دُونَ لَوْعِهِ هُوَ الْمَقُولُ عَلَى كَثِيرِينَ مُتَّفِقِينَ فِيهَا بِخِلَافِ مَجْهُولِ الْجَنْسِ كَثُوبٌ وَدَابَّةٌ لِأَنَّهُ لَا وَسْطَ لَهُ وَ وَسْطُ الْعَبِيدِ فِي زَمَانِنَا الْحَبَشِيُّ

مہر میں حیوان اور مجہول الجنس ایسا ہی حکم ہر اس حیوان کے مہر ہونے میں ہے جس کی جنس ذکر کی گئی ہو اور نوع بیان نہ کی گئی ہو یعنی اس صورت میں متوسط درجہ کا حیوان لازم ہو گا، جنس فقہاء کی اصطلاح میں اس کو کہتے ہیں جو بہت سے افراد پر صادق آئے جن کے احکام مختلف ہوں، جیسے انسان کہ یہ مرد و عورت دونوں پر صادق آتے ہیں اور دونوں کے احکام الگ الگ ہیں، اور نوع اس کو کہتے ہیں جو بہت سے ایسے افراد پر صادق آئے جن سب کے احکام متفق ہوں۔

لیکن جو چیز مجہول الجنس ہو جیسے کپڑا اور چوپایہ اگر ان میں سے کوئی مہر میں ہو تو اس جنس کا متوسط مراد نہ ہو گا، اس لئے کہ اس میں متوسط نہیں ہے، مجہول الجنس وہ ہے جس کے احکام کثرت کے ساتھ اختلاف رکھتے ہوں، جس طرح کپڑے میں بعض کا استعمال جائز ہے اور بعض کا استعمال جائز نہیں، پھر قیمت کا اعتبار سے بھی بڑا فرق ہوتا ہے مثلاً سوئی کپڑا اور ریشمی کپڑا۔ یہی حال جانور میں ہے بعض حلال ہے، بعض حرام کوئی سواری کے لائق ہوتا ہے کوئی نہیں ہوتا، اس لئے کہ اس صورت میں مہر مثل واجب ہو گا۔

اور غلاموں کے اندر متوسط ہمارے زمانہ میں حبشی غلام ہے، بہر حال متوسط ہر دور میں رواج کے اعتبار سے ہو گا۔

وان امهرها العبدین والحال ان احدهما حر فمهرها العبد عند الامام ان ساوی اقله ای عشرة دراهم والاكمل لها العشرة لان وجوب المسمى و ان قل يمنع مهر المثل و عند الثانی لها قيمة الحر لو عبداً و رجحه الکمال کما لو استحق احدهما و يجب مهر المثل فی نکاح فاسد و هو الذی فقد شرطاً من شرائط الصحة کشهود بالوطی فی القبل لا بغيره کالخلوة لحرمة وطیها.

مہر میں غلام و آزاد اور اگر شوہر نے بیوی کا مہر دو غلام کے مقرر کیا، حالانکہ ایک ان دونوں میں آزاد تھا تو عورت کا مہر اس صورت میں امام صاحب کے نزدیک وہی ایک غلام ہوگا اگر اس کی قیمت اقل مہر دس درہم کے برابر ہے اور اگر اس غلام کی قیمت دس درہم سے کم ہے تو دس درہم پورا کیا جائے گا، کیونکہ اگر وہ مہر جو مقرر کیا گیا ہے دس درہم سے کم ہے تو وہ مہر مثل کے لئے مانع بن جائے گا۔ اور امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ عورت غلام لے گی اور آزاد کی قیمت لے گی، اگر اس کو غلام فرض کر لیا جائے تو کیا قیمت ہوگی وہی قیمت لگائی جائے گی، اسی قول کو کمال نے ترجیح دی ہے، جس طرح اگر ان دو غلاموں میں سے ایک دوسرے کا ثابت ہو جائے تو کیا ہوتا ہے اس کی قیمت دی جاتی ہے۔

نکاح فاسد میں مہر مثل نکاح فاسد میں وطی کرنے سے مہر مثل واجب ہوتا ہے، نکاح فاسد وہ ہے جس میں صحت نکاح کی شرطوں میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے، جیسے نکاح میں گواہ نہ ہوں، یعنی اگر بغیر گواہ کے ایجاب قبول ہوا ہے تو یہ نکاح صحیح نہیں ہوگا فاسد ہوگا۔

نکاح فاسد میں اگر وطی عورت کی شرط گاہ میں پائی جائے گی تو مہر مثل واجب ہوگا، اگر وطی فی القبل نہیں پائی گئی ہے تو مہر مثل واجب نہیں ہوگا، مثلاً اگر نکاح فاسد میں صرف خلوت صحیحہ پائی گئی ہے وطی نہیں پائی گئی ہے تو مہر مثل واجب نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ نکاح فاسد میں عورت سے وطی کرنا حرام ہے اور اس صورت میں مہر مثل ہوتا ہے۔

ولم یزد مهر المثل علی المسمى لرضاهما بالخط و لو کان دون المسمى لزم مهر المثل لفساد التسمية بفساد العقد و لو لم یسم او جهل لزم بالغاً ما بلغ و یثبت لكل واحد منها فسخه و لو بغير محضر من صاحبه دخل بها اولا و فی الاصح خروجاً عن المعصية فلا ینافی وجوبه بل يجب علی القاضی التفريق بينهما و تجب العدة بعد الوطی لا الخلوة للطلاق لا للموت من وقت التفريق او متاركة الزوج و ان لم تعلم المرأة بالمتاركة فی الاصح و یثبت النسب احتیاطاً بلا دعوة و تعتبر مدته و هی ستة اشهر من الوطی فان كانت منه الی الوضع اقل مدة الحمل یعنی ستة اشهر فاكثر یثبت النسب و الا بان ولدته لاقل من ستة اشهر لا یثبت هذا قول محمد و به یفتی.

مہر معین اور مہر مثل جس قدر مہر معین ہے مہر مثل اس سے زیادہ نہیں کیا جائے گا، کیونکہ عورت اتنے پر راضی تھی لیکن اگر مہر مثل مہر معین سے کم ہے تو اس صورت میں مہر مثل لازم آئے گا۔ کیونکہ عقد کے فاسد ہو جانے

کی وجہ سے مہرین بھی فاسد ہو گیا تھا اور نکاح فاسد میں مہر کا نام ہی نہیں لیا، یا مہر ہوا لیکن مقدار ظاہر نہ ہوئی مجہول رہی تو اس صورت میں بھی مہر مثل ہی لازم ہوگا، خواہ وہ کتنا ہی کیوں نہ ہو، کم ہو یا زیادہ۔ اور نکاح فاسد کے فسخ کرنے کا دونوں یعنی مرد و عورت میں سے ہر ایک کو حق حاصل ہوگا اگرچہ دوسرا فریق حاضر اور موجود نہ ہو، عورت سے اس نے وطی کی ہو یا نہ کی ہو، تاکہ وہ سب گناہ سے نکل آئیں، اس لئے کہ عقد فاسد کا ارتکاب اور پھر اس پر قائم رہنا حرام ہے، لہذا فسخ کی ملکیت اور وجوب فسخ میں منافات نہیں، بلکہ قاضی کا فرق ہے کہ وہ تفریق کر دے، اور ان دونوں کو علیحدہ کر دے (مرد و عورت اگر فسخ نہ کریں تو یہ فریضہ قاضی صاحب ضرور ادا کریں)

نکاح فاسد میں عدت

نکاح فاسد میں وطی کے بعد عدت واجب ہے صرف خلوت صحیحہ کے بعد واجب نہیں ہے، یہ طلاق کی عدت ہوگی موت کی عدت نہیں ہوگی یعنی نکاح فاسد میں اگر شوہر نے وطی کے بعد فسخ کیا ہے یا وہ مر گیا تو عورت پر طلاق کی عدت واجب ہوگی یعنی تین حیض یا تین مہینے یا وضع حمل جیسی صورت ہو، شوہر کے مرنے سے اس نکاح میں عدت و فوات واجب نہیں ہوتی ہے جو چار مہینے دس دن ہے۔

یہ عدت اس وقت سے شروع ہوگی جب سے شوہر نے بیوی سے علیحدگی اختیار کر لی ہے اور اسے چھوڑ دیا ہے یا قاضی نے تفریق کر دی ہے خواہ عورت کو چھوڑنے اور علیحدہ کرنے کا علم نہ ہو اس صح قول یہی ہے۔

نسب کا ثبوت

بلا دعویٰ کے ہی نسب احتیاطاً ثابت ہوگا یعنی شوہر دعویٰ کرے یا نہ کرے نسب ثابت ہوگا، اور نسب کی مدت کا اعتبار ہوگا یعنی وطی سے چھ مہینے بعد۔

اگر بچہ پیدا ہونے کے وقت سے پیدائش تک حمل کی کتر مدت چھ مہینے ہو یا اس سے زیادہ نسب ثابت ہوگا اور اگر ایسا نہیں ہے بلکہ وطی کے بعد چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہو گیا ہے تو پھر نسب ثابت نہیں ہوگا، امام محمد کا قول یہی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

و قال ابتداء المدة من وقت العقد كالصحيح رجحه في النهر بانه احوط ذكر من التصرفات الفاسدة احدى و عشرين و نظم منها العشرة التي في الخلاصة فقال و فاسد من العقود عشرا، جارة و حكم هذا الاجر، وجوب ادنى مثل او مسمى، او كله مع فقدك المسمى، والواجب الاكثر في الكتابة، من الذى سماه او من قيمة، و فى نسخ المثل ان يكن دخل و خارج البذر لمالك اجل، والصلح والرهن لكل نقضه امانة و كالصحيح حكمه ثم الهبة مضمونة يوم قبض، و صح بيعه لعبد اقترض، مضاربه و حكمه الامانة والمثل فى البيع والا القيمة.

تصرفات فاسدہ

امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ ثبوت نسب کی مدت عقد کے وقت سے ہوگی جس طرح نکاح صحیح میں وقت عقد سے ہوتا ہے، نہر الفائق میں اسی قول کو ترجیح دی گئی ہے، انہوں نے کہا ہے کہ احتیاط اسی میں ہے اور نہر الفائق میں تصرفات فاسدہ اکیس ذکر کئے گئے ہیں اور ان صورتوں میں سے اس کو نظم کر دیا ہے جو خلاصہ میں مذکور ہے، نظم کا ترجمہ یہ ہے۔

عقود فاسدہ دس ہیں، ان میں سے ایک اجارہ فاسدہ ہے اور اس کا حکم اجرت کا واجب ہونا ہے اگر اجرت معین ہو گئی ہے تو کمتر اجرت واجب ہوگی اگر متعین اجرت سے اجرت مثل کم ہے تو اجرت مثل واجب ہوگی اور اگر متعین اجرت کم ہے تو یہی واجب ہوگی اور اجرت متعین نہ ہو تو پوری اجرت مثل واجب ہوگی اور کتاب فاسدہ میں جو متعین اور قیمت سے زیادہ ہے وہ واجب ہوگا اور نکاح فاسد میں مہر مثل واجب ہے اگر وطی ہو چکی ہو، اور مزارعت فاسدہ میں جو چیز کھیت میں پیدا ہوئی ہے وہ بیج کے مالک کی ہے اگر بیج مالک زمین کا ہے تو کام کرنے والے کو اجرت مثل ملے گی اور اگر بیج کام کرنے والے کا ہے تو زمین والے کو زمین کی اجرت ملے گی، اور صلح فاسد اور رہن فاسد میں عاقدین میں سے ہر ایک کو اس کے توڑ دینے کا حق ہے، اور صلح کا بدل مصالح کے ہاتھ میں امانت ہے، اسی طرح رہن مرہن کے ہاتھ میں امانت ہے یا یہ کہ صلح فاسد کا مثل صلح صحیح کے حکم میں ہے، اور رہن فاسد کا حکم مثل رہن صحیح کے ہے۔ اور رہن فاسد میں رہن کی جانے والی چیز کا ضمان اس شخص پر ہے جس کے لئے رہن کیا گیا ہے اور ضمان اس دن کا ہوگا، جس دن اس پر قبضہ کیا ہے۔

اور قرض فاسد میں مالک قرض لینے والا ہوتا ہے لہذا قرض لینے والے کو اس کا بیچنا جائز ہے، اور مضارب بت فاسد میں مضارب بت کا مال مضارب کے ہاتھ میں امانت ہوتا ہے اور بیع فاسد میں اگر مشلی چیز ہے تو اس کا ضمان خریدار پر ہے اور اگر قیمت والی چیز ہے تو قیمت کا ضمان ہوگا۔ ہر ایک کی تفصیل اپنی اپنی جگہ آئے گی۔

والحرۃ مہر مثلها الشرعی مہر مثلها اللغوی اے مہر امراة تماثلها من قوم ایہا لامہا ان لم تکن من قومہ کنت عمہ و فی الخلاصۃ و یعتبر باخواتها و عمااتھا فان لم تکن لبنت الشقیقۃ و بنت العم التھی و مفادہ اعتبار الترتیب فلیحفظ و تعتبر المماثلۃ فی الاوصاف و قت العقد سناً و جمالاً و ما لا و بلداً و عصراً و عقلاً و دیناً و بکارۃ و ثوبۃ و عفة و علماً و ادباً و کمال خلق و عدم ولد و یعتبر حال الزوج ایضاً ذکرہ الکمال و قال و مہر الامة بقدر الرغبة فیہا و یشرط فیہ ای فی ثبوت مہر المثل لما ذکر اخبار رجلین او رجل و امرأتین و لفظ الشہادۃ فان لم یوجد شہود عدل فالقول للزوج بيمينہ و ما فی المحيط من ان للقاضی فرض المہر حملہ فی النہر علی ما اذا رضا بذلك فان لم یوجد من قبیلۃ ایہا فمن الاجانب ای فمن قبیلۃ تماثل قبیلۃ ایہا فان لم یوجد فالقول له ای للزوج فی ذلك بيمينہ کما مر۔

مہر مثل شرعی آزاد عورت کا مہر مثل شرعی وہ ہے جو اس کے برابر والی عورت کا مہر ہے، شرط یہ ہے کہ وہ عورت برابر والی اس کے باپ کے نسل سے ہو، اس کے ماں کی نسل سے نہ ہو، اگر اس کی ماں اس کے باپ کے قوم سے نہیں ہے، اور اگر ماں بھی باپ کی قوم سے ہو جیسے اس کے چچا کی لڑکی تو اس صورت میں ماں کی قوم کا ہی اعتبار ہوگا، اس لئے کہ دونوں ایک ہی خاندان سے ہوئے، لیکن ما حاصل یہی ہوا کہ اس برابر والی عورت کا باپ کے خاندان سے ہونا ضروری ہے، اور خلاصہ نامی کتاب میں ہے کہ مہر مثل میں اولاً اس کی بہنوں اور پھوپھیوں کا اعتبار ہوگا، اگر یہ سب نہ ہوں تو سگی بھانجیوں اور چچا کی لڑکیوں کا اعتبار ہوگا، جس کا ما حاصل یہ ہے کہ باپ کے خاندان میں بھی ترتیب ہے پہلے جو سب سے قریب تر ہے پھر جو اس کے بعد قریب تر ہے۔

مماثلت کن چیزوں میں

مماثلت (برابری) میں ان اوصاف مذکورہ کے اندر عقد کے وقت کا اعتبار ہوگا۔ عمر میں خوبصورتی میں، مالداری میں، ایک شہر کے رہنے میں، ہم عصر ہونے میں، عقل میں، تقویٰ میں، باکرہ اور ثیبہ ہونے میں، میاں کد امی میں، علم و ادب میں، کمال خلق میں، اور اولاد کے نہ ہونے میں۔

مماثلت میں شوہر کی حالت کا بھی اعتبار ہوگا، یعنی جس عورت کے مہر کا اعتبار کیا ہے اس میں یہ بھی دیکھا جائے گا کہ اس کے شوہر اور اس کے شوہر کی مالی حالت میں کیا مماثلت ہے اسے صاحب فتح القدر نے ذکر کیا ہے، اور لونڈی کا مہر مثل اس لونڈی میں خواہش رکھنے کی ہمت کے برابر ہے کہ اس کا دوسرا چاہنے والا کس قدر مہر دے سکتا تھا، لونڈی میں اس کے باپ کے خاندان کی عورت کا اعتبار نہیں ہے۔

مہر مثل میں نصاب شہادت

مہر مثل کے ثبوت میں ان اوصاف کے اندر جو ذکر کئے گئے۔ دو عادل مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت معتبر ہوگی اور یہ بھی شرط ہے کہ گواہی کے الفاظ سے وہ اس کو ادا کرے اور اگر عادل گواہ نہ پائے جائیں تو پھر مہر مثل کے اندازہ میں شوہر کا قول اس کے قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اور محیط میں جو یہ مذکور ہے کہ گواہ نہ ہونے کے وقت قاضی مہر کا اندازہ لگائے تو اس قول کو اس پر محمول کیا ہے کہ جب میاں بیوی دونوں قاضی کے اندازہ پر راضی ہوں۔

اجنبی خاندان کا اعتبار

اگر باپ کے خاندان کی عورت میں یہ سب اوصاف نہ پائے جائیں تو پھر اجنبی قوم کے مہر کا اعتبار ہوگا یعنی وہ اجنبی خاندان جو اس کے باپ کے خاندان کے مساوی ہو پھر اگر کسی اجنبی قوم میں بھی باپ کے قوم کی مماثلت نہ پائی جائے تو مہر مثل میں شوہر کا قول معتبر ہوگا، مگر قسم کے ساتھ جیسا کہ ابھی اوپر گذرا۔

وصح ضمان الولی مہرہا ولو المرأة صغيرة ولو عاقد الا انه سفیر لكن بشرط صحة فلو فی مرض موتہ و هو وارثہ لم یصح والاصح من الثلث و قبول المرأة او غیرہا فی مجلس الضمان و تطالب ایاشات من زوجها البالغ او الولی الضامن فان ادى رجوع علی الزوج ان امر کما هو حکم الکفالة ولا یطالب الاب بمہر ابنه الصغير الفقير اما الغنی فیتطالب ابوہ بالدفع من مال ابنه لامن مال نفسه اذا زوجہ امرأة الا اذا ضمنہ علی المعتمد کما فی النفقة فانه لا یواخذ بها الا ضمن ولا رجوع للاب الا اذا اشہد علی الرجوع عند الاداء.

ولی کی ضمانت

عورت کے مہر کی ضمانت ولی کو لینا درست ہے، گو عورت نابالغہ ہو، اور گو ولی نکاح کا منعقد کرنے والا ہو، اس لئے کہ نکاح کا منعقد کرنے والا ولی سفیر محض ہوتا ہے اس پر نکاح کے حقوق عاید نہیں ہوتے ہیں البتہ یہ شرط ہے کہ ولی اس وقت حالت صحت میں ہو لیکن اگر ولی مرض الموت میں تھا اور وہ اس کے واسطے ضامن ہوا ہے وہ ولی کا وارث تھا تو پھر اس کا ضامن ہونا درست نہیں ہے لیکن اگر وہ اس ولی کا وارث نہیں ہے تو پھر اس کی ضمانت درست ہوگی، اور اس کے تہائی مال سے مہر ادا کیا جائے گا اور دوسری شرط ولی کے ضمان کے صحیح ہونے کی یہ ہے کہ عورت یا اس کے علاوہ دوسرا مجلس ضمان میں اس کو قبول کرے، یعنی اگر وہ بالغہ ہے تو عورت خود قبول کرے اور اگر نابالغہ

ہے تو اس کا ولی قبول کرے۔

حق مطالبہ عورت اپنی مہر ان میں سے جس سے چاہے مطالبہ کر سکتی ہے یعنی بالغ شوہر سے بھی اور جو ولی ضامن ہوا اس سے بھی اب یہ ولی خواہ عورت کا ہو یا شوہر کا ہو، اور اگر شوہر بالغ نہیں ہے تو مطالبہ بہر صورت ولی ضامن سے ہوگا، شوہر سے نہیں ہوگا، اگر ولی ضامن نے اپنے پاس سے مہر ادا کر دیا ہے اور شوہر کے کہنے سے دیا ہے تو وہ اپنی رقم شوہر سے وصول کرے گا، کیونکہ اسی نے اس کو ضامن بنایا تھا اور ضامن کا حکم ایسا ہی ہے البتہ اگر شوہر نے ولی کو ضامن نہیں بنایا تھا اس نے بطور خود دیدیا تھا تو اس کو شوہر سے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔

اگر شوہر نابالغ اور محتاج ہے تو اس کے مہر کا مطالبہ اس کے باپ سے نہیں ہوگا، لیکن اگر وہ نابالغ شوہر مالدار ہے تو اس کے باپ سے ہاں طور اسکے مہر کا مطالبہ ہوگا، کہ اس سے کہا جائے گا کہ وہ اپنے بیٹے کے مال سے ادا کر دے نہ کہ اپنے مال سے۔ جب باپ نے اپنے نابالغ محتاج بیٹے کا نکاح کسی عورت کے ساتھ کر دیا ہو تو صرف نکاح کرنے کی وجہ سے اس کے مہر کا مطالبہ اس کے باپ سے نہیں کیا جائے گا۔ البتہ جب باپ نے اس بیٹے کے مہر کی ضمانت لی ہو تو باپ سے اس کا مطالبہ ہوگا معتد قول یہی ہے جیسا کہ فقہ کا باپ سے مطالبہ نہیں ہوتا ہے مگر اُس وقت ہوتا ہے جب کہ باپ نے ضمانت لی ہو۔ جب باپ نے اپنے نابالغ بیٹے کا مہر ادا کر دیا ہو خواہ بیٹا محتاج ہو یا مالدار تو باپ کو یہ حق نہیں رہتا کہ وہ اپنی یہ رقم بیٹے سے واپس لے، لیکن اگر باپ نے دیتے وقت گواہ بنالیا ہو کہ میں یہ رقم بیٹے سے واپس لے لوں گا تو اس صورت میں وہ لے سکتا ہے۔

ولھا منعه من الوطی و دواعیه شرح مجمع والسفر بها ولو بعد و طی او خلوة رضیتھما لان کل وطاة معقود علیھا فتسليم البعض لا یوجب التسليم الباقي لاخذ ما بین تعجیلہ من المهر کله او بعضه او اخذ قدر ما یعجل لمثلھا عرفا به یفتی لان المعروف کالمشروط ان لم یؤجل او یعجل کله فکما شرط لان الصریح یفوق الدلالة الا اذا جہل الاجل جہالة فاحشة فیجب حالا غایة الا التاجیل لطلاق او موت فیصح للعرف بزازیة و عن الثانی لھا منعه ان اجله کله و به یفتی استحساناً و لو الجیة و فی النهر لو تزوجھا علی مائة علی حکم الحلول علی ان یعجل اربعین لھا منعه حتی تقبضه۔

مہر معجل کی وصولی کیلئے عورت کو حق عورت اپنے مہر معجل کی وصولی کے لئے اپنے شوہر کو و طی کرنے اور و طی کے دوائی بوس و کنار سے روک سکتی ہے، اسی طرح اس کے ساتھ سفر کرنے سے انکار کر سکتی ہے اگرچہ اس نے ایسا اس و طی اور خلوت کے بعد کیا ہو جو اس کی رضامندی ہو چکی تھی، اس لئے کہ ہر و طی مہر کے ساتھ بندھی ہوئی ہے، لہذا بعض کے حوالہ کرنے سے باقی کا حوالہ کرنا لازم نہیں ہوتا ہے، یہ و طی وغیرہ سے روکنا مہر معجل کے کل کی وجہ سے ہو یا بعض کی وجہ سے یا اس مہر کے لینے کے لئے روک سکتی ہے جو اس جیسی عورت کو عرف میں جلد دیئے جانے کا رواج ہو، فتویٰ اسی پر ہے اس کی وجہ یہ ہے رواج شدہ چیز مشروط کے درجہ میں ہوتی ہے اگر کل مہر کی ادائیگی کی مدت مقرر نہیں کی گئی ہو یا جلد دینے کا تذکرہ نہ کیا گیا ہو تو رواج کا اعتبار ہوگا۔ اگر اگر کل مہر کی ادائیگی کی مدت طے پا چکی ہے تو دیا ہی کرنا چاہئے جیسا دونوں نے شرط کیا ہے، یعنی اگر مہر مؤجل ہے تو عورت اس کی وجہ سے شوہر کو و طی

وغیرہ سے نہیں روک سکتی ہے، اور اگر معجل ہے تو روک سکتی ہے، کیونکہ صراحت دلالت پر مقدم ہے۔

مہر مؤجل کا حکم

مہر مؤجل میں عورت کو روکنے کا حق نہیں ہے، لیکن اُس وقت ہے جب کہ مدت قطعاً مجہول ہو، جس کو جہالت فاشہ سے تعبیر کرتے ہیں، کیونکہ ایسی صورت میں مہر کی ادائیگی فوراً واجب ہوتی ہے، لیکن اگر اس کی مدت موت یا طلاق تک مقرر ہو تو یہ درست ہے گو اس میں جہالت فاشہ پائی جاتی ہے کیونکہ موت اور طلاق کا کوئی وقت مقرر نہیں ہوتا ہے، مگر یہ صحیح کے مروج ہونے کی وجہ سے درست ہے، کذا فی البرازیۃ۔ ہندوستان کے اکثر خطہ میں مہر کے سلسلہ میں یہی رواج ہے کہ اس کی آخری مدت موت یا طلاق ہوتی ہے۔

امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر کل مہر کی مدت مقرر ہو گئی ہے تو بھی عورت کو وطی سے روکنے کا حق ہوتا ہے استحسان کی وجہ سے اسی قول پر فتویٰ بھی ہے یعنی جب شوہر نے مہر کے لئے ایک مدت مقرر کر دی ہے تو گویا شوہر نے اس وقت تک اپنے فائدہ اٹھانے کے حق کو ساقط کرنے پر رضامندی ظاہر کر دی ہے، کیونکہ مہر فائدہ اٹھانے کا بدلہ ہے، مختصر یہ کہ بعض کا فتویٰ یہ ہے کہ مہر مؤجل میں روکنا جائز نہیں اور بعض روکنا جائز کہتے ہیں۔

نہر الفائق میں لکھا ہے کہ اگر کسی نے کسی عورت سے سودر ہم پر نکاح کیا اس شرط کے ساتھ کہ وہ چالیس درہم فوری ادا کرے گا تو اس صورت میں عورت کو باقی کے لینے کے لئے شوہر کو وطی سے روکنا درست ہوگا۔

ولہا النفقة بعد المنع ولہا السفر والخروج من بیت زوجها للحاجة و لہا زیارة اہلہا بلا اذنہ مالم تقبضہ ای المعجل فلا تخرج الا لحق لہا او علیہا او لزیارة ابویہا کل جمعة مرة او المحارم کل سنة او لکونہا قابلة او غاسلة لا فیما عدا ذلك و ان اذن کانا عاصیین والمعتمد جواز الحمام بلا تزین اشباہ و سیجی فی النفقة .

وطی سے روکنے کے باوجود عورت کو حق نفقہ حاصل ہوتا ہے (بشرطیکہ مطالبہ سے پہلے عورت کی رضامندی سے خلوت ہو چکی ہو، یا شوہر بیوی سے وطی کر چکا ہو)

روکنے کے زمانہ کا نفقہ

بیوی کے مخصوص حقوق

عورت کے لئے سفر کرنا اور شوہر کے گھر سے نکلنا جائز ہے، جب اس کی اسے ضرورت ہو، بے ضرورت البتہ نکلنا جائز نہیں ہوگا اور عورت کے لئے اپنے گھر والوں اور قرابت داروں سے شوہر کی اجازت کے بغیر ملنا جلنا بھی جائز ہے جب تک اس نے اپنا مہر معجل نہیں پایا ہے، لیکن جب وہ مہر معجل پا چکی ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ شوہر کے گھر سے نہ نکلے، البتہ اگر کسی پر اس کا کوئی حق باقی ہے تو اس کے لینے کے لئے وہ نکل سکتی ہے، یا اس پر کسی کا حق ہے تو ادا کرنے کے لئے نکل سکتی ہے، خواہ شوہر کی اجازت ہو یا نہ ہو۔

اسی طرح عورت کو حق ہے کہ وہ اپنے والدین کی ملاقات کے لئے ہفتہ میں ایک بار جاسکتی ہے، محارم سے ملنے کے لئے سال میں ایک مرتبہ، گو شوہر روکنا ہو، اسی طرح عورت اس وقت بھی نکل سکتی ہے جب کہ وہ بچہ پیدا کرنے والی دانی ہو یا مردہ کو غسل دینے والی ہو، لیکن ان صورتوں کے علاوہ میں شوہر کو نکلنے سے روکنے کا حق ہے اور عورت کے لئے بھی ان کے سوا میں نکلنا جائز نہیں ہے، ان کے علاوہ میں اگر شوہر نکلنے کی اجازت دیگا، تو شوہر اور بیوی (نکلنے کی صورت میں) دونوں گنہ گار ہوں گے۔ معتمد قول یہ ہے کہ عورت کا بغیر آرائش و خوشبو کے حمام میں غسل خانہ میں جانا درست ہے۔ نکلنے سے متعلق مسائل

عنقریب باب نفقہ میں آئیں گے۔ ابن ہمام نے لکھا ہے جن مواقع میں عورت کا شوہر کے گھر سے نکلنا جائز ہے وہاں یہ شرط ہے کہ عورت بن سنور کر اور عطر لگا کر نہ نکلے، بلکہ اس حال میں نکلے کہ مردوں کی نگاہ اس کی طرف خود بخود نہ اٹھے۔

ویسافر بها بعد اداء کله مؤجلا او معجلا اذا کان مامونا علیها و الا یؤد کله اولم یکن مامونا لا یسافر بها، و به یفتی کما فی شروح المجمع و اختاره فی ملتقى الا بحر و مجمع الفتاویٰ و اعتمده المصنف و به افتی شیخنا الرملی لکنه فی النهر والذی علیہ العمل فی دیارنا انه لا یسافر بها جبراً علیها و جزم به البزازی و غیره فی المختار علیہ الفتویٰ و فی الفصول یفتی بما یقع عنده من المصلحة و یقلها فیما دون مدته ای السفر من المصر الی القرية و بالعکس و من قرية الی قرية لانه لیس بقرية و قیده فی التاتار خانیه بقرية یمکنه الرجوع قبل اللیل الی وطنه و اطلقه فی الکافی و علیہ الفتویٰ.

کل مہر ادا کر دینے کے بعد خواہ وہ متجمل یا مؤجل، شوہر اپنی بیوی کو اپنے ساتھ سفر میں تین منزل یا زیادہ کی دوری پر لے جاسکتا ہے جب کہ عورت کو اپنے شوہر سے اطمینان ہو کہ وہ ایذا نہیں پہونچائے گا، اور اگر شوہر نے کل مہر ادا نہیں کیا ہے یا وہ قابل اطمینان نہیں ہے تو وہ بیوی کو سفر میں نہیں لے جاسکتا ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے، جیسا کہ مجمع کی شرحوں میں ہے اور اسی کو متقی الابحر اور مجمع الفتاویٰ میں پسند کیا ہے اور مصنف نے بھی اپنی شرح میں اسی قول پر اعتماد کیا ہے اور اسی پر ہمارے استاذ خیر الدین نے فتویٰ دیا ہے۔

نہر الفائق نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہمارے دیار مصر میں عمل یہ ہے کہ عورت کو سفر میں زبردستی نہ لیجائے خوشی سے لے جائے تو لیجائے ورنہ نہیں، بزازی نے اسی قول پر یقین کیا ہے اور مختار میں اسی پر فتویٰ ہے، اور فصول میں یہ ہے کہ مفتی اپنی صوابدید کے مطابق مصلحت دیکھ کر فتویٰ دے۔

اگر وہ جگہ مدت سفر سے کم ہے تو شوہر وہاں بیوی کو لے جاسکتا ہے خواہ گاؤں سے شہر میں لے جائے یا شہر سے گاؤں میں، یا ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں میں لے جائے، کیونکہ اتنی دور جانا سفر میں داخل نہیں ہے، اور فتاویٰ تاتار خانہ میں یہ قید لگائی ہے کہ اس قدر مسافت پر لے جانا درست ہے جہاں سے رات تک واپسی ممکن ہو یا رات آنے سے پہلے وہ اپنے وطن واپس آسکتا ہو۔ اور کافی میں یہ قید بیان نہیں کی ہے۔

و ان اختلفا فی المہر ففی اصلہ حلف منکر التسمیة فان نکل ثبتت و ان حلف یجب مہر المثل و فی المہر یحلف اجماعاً و ان اختلفا فی قدرہ حال قیام النکاح فالقول لمن شہد له مہر المثل بیمنہ و ای اقام بینة قبلت سواء شہد مہر المثل (اولہا) و ان اقام البینة فبینتها مقدمة ان شہد له مہر المثل و بینة مقدمة ان شہد مہر المثل لها لان البینات لاثبات خلاف الظاہر و ان کان مہر المثل بینہما تحالفا فان خلفا او برہنا نضی بہ و ان برہن احدهما قبل برہانہ لانه نور دعواه.

مہر میں اختلاف کے وقت حکم

مہر میں اگر میاں بیوی کے اندر اختلاف ہو جائے اگر یہ اختلاف اصل مہر میں ہو جائے کہ ایک کہے مہر معین ہوا تھا دوسرا کہے کہ مہر معین نہیں ہوا تھا اور دونوں میں سے کسی کے پاس گواہ نہ ہوں تو انکار کرنے والے سے قسم لی جائے، اگر وہ انکار کرے تو قسم سے دعویٰ ثابت ہو جائے گا، اور اگر انکار کرنے والے نے حلف لے لیا ہے تو پھر اس صورت میں مہر مثل واجب ہوگا۔ لیکن اگر مدعی عورت ہے تو مہر مثل اس کے دعویٰ سے زیادہ نہیں دیا جائے گا، باب مہر میں اس بات پر اتفاق ہے کہ انکار کرنے والے پر قسم ہے۔

اور اگر نکاح کے قائم رہتے ہوئے مہر کی مقدار میں دونوں کے اندر اختلاف ہوا ہے تو اس صورت میں اس کا قول قائل اعتماد ہوگا جس کی گواہی مہر مثل دے گا، مگر قسم کے ساتھ، یعنی مہر مثل جس کے قول کے برابر ہوگا اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ مقدار کے اندر اختلاف کی صورت میں جو اپنے گواہ اور ثبوت پیش کرے گا اس کو مانا جائے گا اس صورت میں مہر مثل کو سامنے نہیں رکھا جائے گا اور نہیں دیکھا جائے گا کہ اس کے مطابق کس کا قول ہے۔

اور اگر دونوں گواہ پیش کریں تو اس صورت میں عورت کے گواہ مقدم ہوں گے جب مہر مثل مرد کے دعویٰ کے مطابق ہے اور اگر مہر مثل عورت کے دعویٰ کے مطابق ہے تو مرد کے گواہ۔ مرد ہوں گے، کیونکہ گواہ ظاہر کے خلاف کو ثابت کرنے کے لئے پیش ہوتے ہیں اور ظاہر کے خلاف اس کا دعویٰ ہوگا جو مہر مثل کے مطابق نہ ہو۔

اور اگر مہر مثل دونوں کے درمیان ہو تو دونوں سے قسم لی جائے گی، اگر دونوں قسم کھالیں گے یا دونوں گواہ پیش کریں گے تو قاضی مہر مثل کا فیصلہ کرے گا، اور اگر دونوں میں کوئی ایک گواہ لایا ہے تو اس کے گواہ کو مانا جائے گا کیونکہ گواہ کے ذریعہ اس نے اپنے دعویٰ کو روشن کر دیا ہے۔

و فی الطلاق قبل الوطی حکم متعة المثل لو المسمى دینا و ان عبر بمسئلة العبد
والجارية فلها المتعة بلا تحکیم الا ان یرضی الزوج بنصف الجارية و ای اقام بینة قبلت
فان اقاما فبینتها ولی ان شهدت له المتعة و بینته ان شهدت لها و ان كانت المتعة بینهما
تحالفا و ان حلفا و جب متعة المثل و موت احدهما کحیوتہما فی الحکم اصلاً و قدراً
لعدم سقوطه بموت احدهما و بعد موتہما لفی القدر القول لورثته و فی الاختلاف فی
اصلہ القول لمنکر التسمية لم یقض بشئ مالم یرهن علی التسمية.

مہر میں اختلاف بعد طلاق

اگر میاں بیوی میں اختلاف قبل و طلاق کے بعد ہوا ہے، تو متعہ مثل کے مطابق فیصلہ ہوگا، بشرطیکہ مہر مسمی دین ہو، جیسے درہم اور دینار اور اگر مہر مسمی عین ہو یعنی مسلی اور قمی ہو جیسے لوٹری اور غلام میں اختلاف کہ شوہر کہتا ہے مہر میں غلام تھا اور بیوی کہتی ہے مہر میں لوٹری تھی، تو بیوی کو بلا تحکیم متعہ مثل ملے گا، لیکن اگر شوہر نصف لوٹری پر راضی ہو جائے تو متعہ مثل کی ضرورت نہیں ہوگی، اور دونوں میں جو گواہ پیش کرے گا مانا جائے گا، اور اگر دونوں گواہ پیش کریں تو اگر متعہ کے مطابق ہے تو عورت کے گواہ کو اولیت حاصل ہوگی اور اگر متعہ عورت کے مطابق ہے تو مرد کے گواہ کو اولیت حاصل ہوگی، اس لئے کہ گواہ ظاہر کو ثابت کرتے ہیں، اور اگر متعہ دونوں کے عین ہیں تو اس صورت میں دونوں سے قسم لی جائے گی اور جب دونوں حلف لے لیں گے تو اس صورت میں

محل واجب ہوگا۔

اور دونوں میں سے کسی کا مرنا حکم میں ان دونوں کے زندہ ہونے کے برابر ہے، خواہ اختلاف اصل مہر میں ہو یا مقدار میں کیونکہ کسی ایک کے مرنے سے مہر محل ساقط نہیں ہوتا ہے، اور دونوں کے مرجانے کے بعد اختلاف ہو تو مہر کی مقدار کے اختلاف میں شوہر کے وارثوں کا قول معتبر ہوگا، لیکن قسم کے ساتھ، اور اصل مہر میں اختلاف کی صورت میں جو تسمیہ (مہر متعین) کا منکر ہے اس کا قول معتبر ہوگا، یعنی شوہر کے وارثوں کا قول کیونکہ اگر عورت کے وارث تسمیہ مہر کا انکار کریں تو ان کا حق ثابت ہوتا ہے۔

میاں بیوی دونوں کے مرنے کے بعد اگر اصل تسمیہ مہر میں اختلاف ہو تو کچھ فیصلہ نہیں کیا جائے گا جب تک گواہوں کے ذریعہ ثابت نہ ہو جائے۔

وَقَالَا يَقْضَى بِمَهْرِ الْمَثَلِ كَحَالِ حَيَوَةٍ وَبِهِ يَفْتَى وَهَذَا كُلُّهُ إِذَا لَمْ تَسْلَمْ نَفْسُهَا فَإِنْ سَلِمَتْ وَوَقَعَ الْاِخْتِلَافُ فِي الْحَالَيْنِ الْحَيَوَةِ وَبَعْدَهَا لَا يَحْكُمُ بِمَهْرِ الْمَثَلِ لِأَنَّهَا لَا تَسْلَمُ نَفْسُهَا إِلَّا بَعْدَ تَعْجِيلِ شَيْءٍ عَادَةً بَلْ يُقَالُ لَهَا لَا بَدَّ أَنْ تَقْرَى بِمَا تَعْجَلْتَ وَالْأَقْضَى عَلَيْكَ بِالتَّعَارُفِ تَعْجِيلُهُ ثُمَّ يَعْمَلُ فِي الْبَاقِي كَمَا ذَكَرْنَا وَهَذَا إِذَا أَوْعَى الزَّوْجُ إِیْصَالَ شَيْءٍ إِلَيْهَا بِحَرٍّ وَلَوْ بَعَثَ إِلَى امْرَأَتِهِ شَيْئاً وَلَمْ يَذْكُرْ جِهَةً عِنْدَ الدَّفْعِ غَيْرَ جِهَةِ الْمَهْرِ كَقَوْلِهِ لَشَمْعٍ أَوْ حَنَاءٍ ثُمَّ قَالَ إِنَّهُ مِنَ الْمَهْرِ لَمْ يَقْبَلْ لِقَبْضِهِ لَوْ قَوَّعَهُ هَدِيَّةً فَلَا يَنْقَلِبُ مَهْرًا فَقَالَتْ هُوَ أَيْ الْمَبْعُوثُ هَدِيَّةً وَقَالَ هُوَ مِنَ الْمَهْرِ أَوْ مِنَ الْكَسْوَةِ أَوْ عَارِيَةً فَالْقَوْلُ لَهُ بِيَمِينِهِ وَالْبَيِّنَةُ لَهَا فَإِنْ حَلَفَ وَالْمَبْعُوثُ قَائِمٌ فَلَهَا أَنْ تَرُدَّهُ أَوْ تَرْجِعَ بِبَاقِي الْمَهْرِ ذَكَرَهُ ابْنُ الْكَمَالِ وَلَوْ عَرَضَتْهُ ثُمَّ ادَّعَاهُ عَارِيَةً فَلَهَا أَنْ تَسْتَرِدَّ الْعَرَضَ مِنْ جَنْسِهِ. ^۱

صاحبین کا کہنا ہے کہ دونوں کی موت کے بعد بھی مہر محل کا حکم ہوگا جس طرح زندہ ہونے کی صورت میں ہوتا ہے اور فتویٰ اسی قول پر ہے۔

جب مہر مؤجل ہو یہ ساری صورتیں اس وقت ہیں جب کہ بیوی نے خود کو بخوشی شوہر کے حوالہ نہ کیا ہو، لیکن اگر بیوی نے خود کو سپرد کر دیا ہے اور پھر زندگی یا بعد موت میں اختلاف ہوا ہے تو مہر محل پر فیصلہ نہیں ہوگا، اس لئے کہ رواج یہ ہے کہ جب تک عورت کچھ مہر معجل شوہر سے وصول نہ کر لے سپرد نہیں ہوتی یہ اس صورت میں ہے جہاں فوری دینے کا رواج ہے، اور جہاں مہر کی مدت موت یا طلاق ہو تو وہاں عورت کا اپنے کو سپرد کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہیں، بلکہ عورت یا اس کے وارثوں سے کہا جائے گا کہ تم کو یقینی طور پر مہر معجل کے پانے کا اقرار کرنا ہوگا، ورنہ ہم تم پر تعجل متعارف کا حکم کریں گے، پھر باقی پر عمل کیا جائے گا، یہ اس صورت میں ہوگا جب شوہر نے عورت کو کچھ دینے کا دعویٰ کیا ہو اور اگر وہ کچھ دینے کا مدعی نہ ہوگا تو پھر تعجل متعارف پر فیصلہ نہیں ہوگا۔

ہدیہ جو بیوی کو دیا اگر شوہر نے اپنی بیوی کو کچھ بھیجا خواہ نقد خواہ جنس اور دیتے وقت کوئی ایسی بات نہیں ذکر کی جو مہر

کے مغائر ہے۔ یعنی نہ یہ کہا کہ یہ مہر ہے اور نہ یہ بتلایا کہ مہر کے علاوہ کچھ اور ہے، جیسے یہ کہا ہو تاکہ اسے شمع یا مہندی میں خرچ کرو، پھر شوہر نے بعد میں صراحت کر کے کہا کہ وہ مہر میں بھیجا تھا تو اس کا یہ قول قابل اعتبار نہیں ہوگا، اس لئے کہ وہ چیز ہدیہ قرار پا چکی ہے لہذا وہ مہر میں شمار نہیں ہو سکتی ہے۔

بھیجی چیز میں اختلاف کی صورت شوہر نے کوئی چیز بیوی کو بھیجی اس وقت کچھ صراحت نہیں کی، بعد میں بیوی نے کہا کہ وہ بھیجی ہوئی چیز ہدیہ تھی اور شوہر نے کہا کہ نہیں وہ مہر کی رقم میں داخل تھی۔ یا لباس کے لئے تھی، یا عاریت تھی، تو اس صورت میں شوہر کی بات مانی جائے گی مگر اس کے قسم کے ساتھ۔ اور اگر دونوں ثبوت پیش کریں گے تو عورت کے ثبوت کو ترجیح دی جائے گی، اگر وہ بھیجی ہوئی چیز عورت کے پاس موجود ہو اور شوہر مہر کے حق میں قسم کھائے تو عورت کو اختیار ہے کہ وہ اس کو واپس کر دے اور اپنا باقی شوہر سے وصول کرے، ابن کمال نے اس کو بیان کیا ہے۔

شوہر نے بیوی کو ہدیہ بھیجا پھر عورت نے بھی اسکے عوض شوہر کو ہدیہ بھیجا دونوں ملے پھر مرد نے اسکو علیحدہ کر دیا پھر شوہر نے دعویٰ کیا کہ وہ عاریت ہے تو عورت کیلئے جائز ہے کہ عوض میں دی ہوئی چیز اسکے جنس کے بدلہ میں واپس لے لے۔

فی غیر المہیا للآکل کثیاب و شاة حية و سمن و عسل و ما یبقی شہرا الی زادہ والقول لہا بيمينہا فی المہیا لہ کنخز ولحم مشوی لان الظاہر یکذبہ و لذا قال الفقیہ المختار الہ یصدق لہما لا یجب علیہ کخف و ملاءة لا فیما یجب کخمار و درع یعنی مالہ یدع الہ کسوة لان الظاہر معہ خطب بنت رجل و بعث الیہا اشیاء و لم یزوجہا ابوہا لہا بعث للمہر یسترد عنہ قائما فقط و ان تعیر بالاستعمال او قیمته ہالکا لانہ معاوضۃ ولم تتم فہماز الاسترداد و کذا استرد ما بعث ہدیۃ و هو قائم دون الہالک و المستہلک لان فیہ معنی الہبۃ۔

چیزوں کا اعتبار اختلاف کی صورت میں شوہر کا قول ان چیزوں میں قابل اعتبار قرار پائے گا جو کھانے کے واسطے بنائی گئی ہو جیسے کپڑے زندہ بکری، گھی شہد اور ایسی چیز جو ایک ماہ باقی رہ سکے اور سڑے گلے نہیں، اور جو چیزیں کھانے کے لئے تیار کئی گئی ہوں جیسے روٹی بھنا ہوا گوشت تو ان میں عورت کا قول اس کے قسم کے ساتھ مانا جائے گا۔ کیونکہ یہ چیزیں ایسی ہیں جو شوہر کو اس کے کہنے میں جھٹلاتی ہیں کہ مہر کے حساب میں دیا تھا۔ وجہ یہ ہے کہ یہ چیزیں کوئی مہر میں نہیں دیا کرتا ہے۔

اسی وجہ سے فقیہ ابواللیث نے کہا ہے کہ شوہر کی تصدیق ایسی چیزوں میں ہوگی جو شوہر پر واجب نہیں ہیں جیسے موزہ، چادر، ان چیزوں میں تصدیق نہیں ہوگی جو شوہر کے ذمہ واجب ہیں جیسے اوڑھنی، قمیص، جب تک شوہر نے یہ دعویٰ نہ کیا ہو کہ قمیص اور اوڑھنی پوشاک میں دیا ہے، اگر شوہر نے پوشاک کا دعویٰ کیا اور بیوی نے کہا ہدیہ ہے تو اس صورت میں شوہر کی بات مانی جائے گی اس لئے کہ ظاہر حال شوہر کے ساتھ ہے۔

منگنی میں بھیجی جانے والی چیزیں ایک شخص نے کسی شخص کی لڑکی سے منگنی کی اور شوہر نے اس کے پاس چند

چیزیں بھیجیں، بعد میں ترکے پنے اس عورت کا نکاح اس لڑکے سے نہیں کیا تو جو چیزیں اس نے مہر کے واسطے بھیجی تھیں اگر وہ موجود ہوں تو وہ صرف اس چیز کو واپس لے گا نہ کہ اس کی قیمت، اگرچہ وہ چیز استعمال کی وجہ سے متغیر ہو چکی ہو، اور وہ چیز موجود نہ ہو تو اس کی قیمت واپس لے گا کیونکہ یہ بدلہ تھا جو مکمل نہیں ہوا لہذا قیمت واپس دے گی۔

اسی طرح وہ چیز بھی واپس۔ مگر جو اس کو بطور تحفہ بھیجا تھا اگر وہ موجود ہو، لیکن اگر وہ چیز خراب ہو چکی ہو اور سڑ گئی ہو تو وہ واپس نہیں لے گا خود بخود خراب ہوئی ہو یا کسی کے فعل کی وجہ سے بگڑی ہو، جیسے مٹھائی تھی یا میوہ تھا وہ خراب ہو گیا، خراب ہونے کے بعد اس لئے واپس نہیں ہو گا کہ تحفہ میں بہہ کا معنی بھی پلایا جاتا ہے اور جب وہ قابل استعمال ہو گئی تو اس کا واپس لینا کیسے درست ہو گا۔

و لو ادعت انه ای المبعوث من المهر و قال هو و دبعة فان كان من جنس المهر فالقول لها و ان كان من خلافه فالقول له بشهادة الظاهر انفق رجل على معتدة بغير بشرط ان يتزوجها بعد عدتها ان تزوجته لارجوع مطلقاً و ان ابت فله الرجوع ان كان دفع لها و ان اكلت معه فلا مطلقاً بحر عن العمادية و فيه عن المتبني جهزا بنته بجهاز و سلمها ذلك لیس له الا رداد منها ولا لورثته بعده ان سلمها ذلك فی صحته بل تختص به و به یفتی و کذا لو اشتراه لها فی صفرها و لو الجبة.

عورت نے دعویٰ کیا کہ جو چیز بھیجی گئی تھی وہ مہر میں تھی اور شوہر نے کہا کہ وہ بطور امانت تھی تو دیکھا جائے گا اگر وہ بھیجی ہوئی چیز مہر کی جنس ہے تو عورت کی بات قابل تسلیم ہوگی جیسے وہ روپیہ اور اشرافی وغیرہ، اور اگر وہ مہر کی جنس سے نہیں ہے بلکہ اس کے مخالف ہے جیسے مہر میں روپیہ مقرر ہوا تھا اور شوہر نے کپڑا بھیجا تو اس صورت میں شوہر کی بات مانی جائے گی کیونکہ دونوں صورتوں میں دونوں کی گواہی ظاہر حال پیش کر رہا ہے۔

۱۔ شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی تھی وہ عدت میں تھی کہ دوسرے نے یہ شرط کر کے کہ وہ معتدہ عورت بعد عدت اس سے شادی کرے گی اس عورت پر کچھ خرچ کیا تھا، اب اگر وہ عورت اس سے نکاح کرے گی تو اس کی واپس کا سوال پیدا نہیں ہوتا، لیکن اگر عورت نے نکاح سے انکار کر دیا ہے تو اس مرد کو حق ہے کہ جو اس نے خرچ کیا تھا اور دیا تھا وہ اس سے واپس لے لے، اور اگر مرد کے ساتھ کھاپی رہی تھی تو پھر مرد واپس نہیں لے سکتا ہے خواہ اس نے نکاح کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

جہیز کا سامان واپس نہیں لے سکتا بحر الرائق میں یہ نقل کیا ہے کہ کسی باپ نے اپنی بیٹی کو جہیز دیا اور وہ اس کے قبضہ میں رہی یا تو باپ کو بیٹی سے اس جہیز کے واپس لینے کا حق ہوتی نہیں

رہتا ہے، اور نہ باپ کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں کو یہ حق حاصل ہوتا ہے اگر باپ نے اپنی صحت کے زمانہ میں دیا تھا تو وہ چیز مخصوص طور پر بیٹی کی ملکیت قرار پائے گی لہذا اسی پر ہے۔

اسی طرح وہ چیز بھی واپس نہیں ہو سکتی جسے باپ نے اپنی بیٹی کے لئے اس کی نانہالی کے زمانہ میں بطور جہیز فریاد کیا تھا۔

والحيلة ان يشهد عند التسليم اليها انه انما سلمه عارية والاحوط ان يشتريه منها ثم تبرئه
 درر اخذ اهل المرأة شيئا عند التسليم فللزواج ان يسترده نه رشوة جهاز ابنته ثم ادعى
 ان ما دفعه لها عارية وقالت هو تملك او قال الزوج ذلك بعد موتها ليرث منه وقال
 الاب وورثته بعد موته عارية فالمعتمد ان القول للزوج و لها اذا كان العرف مستمرا ان
 الاب يدفع مثله جهاز الا عارية و ما ان كان مشتركا كمصر والشام فالقول للاب كما لو
 كان اكثر مما يجهز به مثلها والام كالأب في تجهيزها و كذا ولى الصغيرة شرح وهبانية
 استحسن في النهر تبعا لقاضى خان ان الاب ان كان من الاشراف لم يقبل قوله انه عارية

جہیز کی واپسی کی صورت واپس لینے کا حیلہ یہ کہ باپ جس وقت بیٹی کو جہیز دے اس وقت گواہ بتادے کہ
 میں یہ اسے عاریتاً دے رہا ہوں اور اس باب میں زیادہ احتیاط یہ ہے کہ وہ چیز باپ بیٹی

سے خریدے پھر بیٹی باپ کو قیمت معاف کر دے۔

شوہر سے لی ہوئی رقم لڑکی والوں نے جس وقت لڑکی کو شوہر کے یہاں بھیجا اس وقت شوہر سے کچھ لے لیا تو شوہر
 کو حق ہے کہ وہ اپنی اس رقم کو واپس لے لے، کیونکہ اس وقت وہ شوہر کے حکم میں تھی۔

سامان جہیز میں اختلاف ایک باپ نے اپنی بیٹی کو جہیز دیا، بعد میں اس نے دعویٰ کیا کہ میں نے عاریتاً دیا تھا اور بیٹی
 کہتی ہے کہ مالک بتا دیا تھا شوہر نے بھی بیوی کے مرنے کے بعد تملیک کا ہی دعویٰ کیا

تاکہ وہ اس طرح اس کا وارث ہو جائے اور باپ یا باپ کے وارثوں نے لڑکی کے مرنے کے بعد کہا کہ وہ عاریتاً دیا گیا تھا تو قابل
 اعتماد قول اس باب میں یہ ہے کہ شوہر اور لڑکی کی باہمی قابل تسلیم ہوگی جب داغی طو پہ وہاں کا یہ رواج ہے کہ باپ اپنی بیٹی کو
 جہیز میں اس قدر مال دیا کرتا ہے اور یہ دینا تملیک کا ہونا کہ عاریتاً۔

اور اگر دہا کا رواج مشترک ہو کہ بعض باپ سامان بطور جہیز دیتے اور بعض باپ عاریتاً جیسا کہ مصر میں اور شام
 میں رواج ہے تو اس صورت میں باپ کا مالک مانی جائے گی چنانچہ اگر وہ جہیز اس سے بہت زیادہ ہو جتنا عام طور پر باپ اپنی بیٹی
 بیٹی کو وہاں جہیز دیا کرتا ہے تو زیادہ دالے حصہ میں باپ کا قول قابل اعتبار ہوگا۔

سامان جہیز میں ماں کا حق بیٹی کے جہیز میں ماں کا وہی مقام ہے جو اس کے باپ کا ہے اور یہی حکم تہا طہ کے ولی کا
 ہے یعنی اگر ماں یا دلی نے جو جہیز لڑکی کو دیا ہے تو وہ واپس نہیں ہوگا، لیکن اگر ماں اور ولی

دعویٰ کرے کہ ہم نے عاریتاً دیا تھا تو اس صورت میں باپ کا حکم بیان کیا گیا اسی طرح کا حکم ماں اور ولی کے دعویٰ کے باب میں
 بھی ہے، اور نہر الفائق میں قاضی خاں کی بیڑی میں مستحسن اس کو قرار دیا ہے اگر باپ اشراف میں ہے تو اس کی عاریت والی
 بات مانی نہیں جائے گی۔

ولو دفعت في تجهيزها لابنتها اشياء من امتعة الاب بحضرته و علمه و كان ساكتا و
 زلت الى الزوج فليس للاب ان يسترد ذلك من ابنته لجريان العرف به و كذا لو انفلت

الام فی جهازها ما هو معتاد و الاب ساکت لا تضمن الام و هما من المسائل السبع والثلاثین بل الثمان و الاربعین علی ما فی زواهر الجواهر التی السکوت فیها کا لنطق فروع مسائل ملحقة لو زفت الیه بلا جهاز یلیق به فله مطالبة الاب بالنقد قنیه زاد فی البحر عن المبتغی الا اذا سکت طویلاً فلا خصومة له لکن فی النهر عن البزازیة الصحیح انه لا یرجع علی الاب بشی لان المال فی النکاح غیر مقصود.

باپ کا سامان بیٹی کے جہیز میں بیٹی کے جہیز میں اگر ماں نے اس کے باپ کے سامانوں میں کچھ سامان باپ کی موجودگی میں اور اس کے علم میں لا کر دیدیا۔ اور باپ دیتے وقت خاموش رہا اور بیٹی کو اس کے شوہر کے گھر پہنچا دیا گیا۔ تو اس کے باپ کو یہ حق نہیں رہتا ہے کہ اپنے سامانوں کو جہیز سے واپس لے لے، کیونکہ رواج یہی ہے کہ باپ جہیز کا سامان بیٹی کی ماں کے سپرد کر دیا کرتا ہے کہ وہ لڑکی کو دیدے۔

اسی طرح اگر کسی ماں نے اپنی بیٹی کے جہیز میں اتنا دیا جتنا وہاں کا رواج تھا اور باپ خاموش رہا تو اس صورت میں ماں پر کوئی ضمان نہیں ہے اور یہ دونوں مسئلے ان سینتیس یا اڑتالیس میں سے ہیں جن میں چپ رہنا بولنے کے حکم میں ہے۔

نقدی کا مطالبہ اگر لڑکی کو بغیر اس جہیز کے شوہر کے پاس بھیج دیا گیا ہے جو عام طور پر اس کے لائق تھا، تو شوہر کو اتنے کے لڑکی کے باپ کے نقد سے واپسی کے مطالبہ کا حق ہے، یہ دراصل اس صورت حال کے ساتھ مخصوص ہے جہاں رواج یہ ہو کہ لڑکی کا دلی شوہر سے کچھ نقد نکاح کے شان کے لئے وصول کرتا ہو، اس نقد سے کچھ سامان لڑکے کے لئے تیار کیا جاتا ہو اور کچھ سامان لڑکی کے لئے، اب نقد لینے کے بعد جو سامان اس نقد سے لڑکے کے لئے تیار ہوتا ہے وہ لڑکے کو نہ ملا ہو تو لڑکا وہ نقد واپس لینے کا مطالبہ کر سکتا ہے، لیکن بحر الرائق میں یہ بھی بعض کتاب سے زیادہ کیا ہے کہ اگر شوہر بہت دنوں چپ رہا تو پھر اس کو مطالبہ کا حق ہاتی نہیں رہتا ہے کیونکہ زیادہ دنوں تک غموشی رضامندی کی دلیل ہے، مہر الفائق میں بعض کتابوں کے حوالے سے یہ درج ہے کہ صحیح یہ ہے کہ شوہر لڑکی کے باپ سے کچھ واپس کرنے کا مطالبہ نہ کرے اس لئے کہ نکاح میں مال مقصود نہیں ہوا کرتا ہے۔

نکح ذمی او مستان ذمیة او حربیة حریة ثمة بمیة او بلا مہر بان سکتا عنه او نفیاء و الحال أن ذا جائز عندهم فوطئت او طلقت قبله او مات عنها فلا مہر لها و لو اسلما و ترا
فعا الینا لانا امرنا بترکهم و ما یدینون و ثبت بقیة احکام النکاح فی حقهم کالمسلمین
من وجوب النفقة فی النکاح و وقوع الطلاق و نحوهما کعدة و نسب و خيار بلوغ و
توارث بنکاح صحیح و حرمة مطلقة ثلثا و نکاح محارم و ان نکحها بخمر او خنزیر
عین ای مشار الیه ثم اسلما او اسلم احدهما قبل القبض فلها ذلك فتخلل الخمر و تسب

الخنزیر و لو طلقها قبل الدخول فلها نصفه و لها فی غیر عین قيمة الخمر و مهر المثل فی الخنزیر اذا اخذ قيمة قیمی کاخذ عینه

کافرہ کے مہر میں خنزیر و شراب کوئی ذمی مستامن ذمیہ سے نکاح کرے یا کوئی حربی حربیہ عورت سے نکاح کرے اور یہ دار الحرب میں ہو، اور مہر مردار جانور کو مقرر کرے یا بلا مہر کے نکاح کرے یا ان دونوں کے نکاح میں مہر کا کوئی تذکرہ سرے سے نہیں آئے یا صراحت کے ساتھ مہر کی نفی کر دے اور ایسا کرنا ان کے مذہب میں جائز ہو، پھر اس نکاح کے بعد ذمیہ یا حربیہ سے وطی ہوئی یا وطی سے پہلے طلاق ہو گئی یا شوہر بیوی کو چھوڑ کر مر گیا، تو ان تمام صورتوں میں ان عورتوں کو کچھ مہر نہیں ملے گا، اور نہ حصہ ملے گا، گو وہ دونوں میاں بیوی مسلمان ہو گئے ہوں، اور انہوں نے مسلمان قاضی کے پاس مقدمہ کیا ہو پھر بھی مہر نہیں ملے گا، کیونکہ ہم مسلمان حکمرانوں کو حکم ہے کہ ذمیوں کو ان کے دین پر باقی رہنے دیا جائے، اسلامی احکام ان پر جاری نہ کئے جائیں، اور یہی وجہ ہے کہ اسلامی حکومت میں ان ذمیوں کو سود کھانے اور شراب پینے سے روکنے کی اجازت نہیں ہے۔

مہر کے علاوہ احکام کا نفاذ مہر کے علاوہ بقیہ اور احکام نکاح ان ذمیوں کے لئے ثابت ہوں گے، جس طرح مسلمانوں کے حق میں ہوتے ہیں، جیسے نکاح میں وجوب نفقہ کا مسئلہ ہے یا طلاق کے واقع ہونے کا مسئلہ ہے، یا ان کے جیسے اور احکام ہیں مثلاً عدت، خیار بلوغ، نسب اور نکاح صحیح میں وارث ہونا، مطلقہ ثلاثہ کا حرام ہونا، مہارم کے ساتھ نکاح حرام ہونا، لیکن یہ احکام اس وقت ان میں جاری ہوں گے جب وہ بھی ان کا باہم اعتقاد رکھتے ہوں اور مقدمہ ہمارے قاضی کے سامنے پیش کریں۔ کذا فی الطحاوی۔

اور اگر کسی ذمی نے کسی ذمیہ عورت سے شراب معین یا خنزیر معین پر نکاح کیا یعنی ان کو اشارہ کر کے متعین کر دیا ہو پھر وہ دونوں مسلمان ہو گئے یا مہر پر قبضہ سے پہلے ان دونوں میں سے کوئی ایک مسلمان ہو گیا تو عورت کو مہر میں وہی متعین چیز یعنی شراب اور سور ملے گا، اب وہ اس شراب کو سرکہ بنا کر کام میں لا سکتی ہے البتہ خنزیر کو چھوڑ دے گی، اور اگر بیوی کو دخول سے پہلے طلاق دی ہے تو اس مہر میں متعین چیزوں کا آدھا ملے گا یعنی آدھی شراب اور آدھا سور۔

اور اگر مہر میں معین شراب اور معین سور نہیں تھا، بلکہ مطلقاً یہ چیزیں تھیں تو شراب کی صورت میں شراب کی قیمت ملے گی اور سور کی صورت میں مہر مثل ملے گا، سور کی قیمت اس لئے نہیں ملے گی کہ قیمت والی چیز کی قیمت لینا ایسا ہی ہے جیسے بعینہ اس ہی کا لینا، تو سور کی قیمت لینا سور لینے کے حکم میں ہوگا، جو نجس عین ہے اور مسلمان کے لئے حرام۔

لرؤع الوطی فی دار الاسلام لا یخلو عن حد او مهر الا فی مسئلتین صبی نکح بلا اذن و طاوعتہ و بائع امة قبل تسلیم و یسقط من الثمن ما قابل البکارۃ والا فلا تدافعت جاریۃ مع اخرى فازالت بکارتها لزمها مهر المثل لاب الصغیرۃ المطالبۃ بالمهر و للزوج المطالبۃ بتسلیمها ان تحملت الرجل قال البزازی لا یعتبر السن فلو سلمها فہربت لم یلزمہ طلبہا۔

فروع (شارح کی طرف سے اضافہ شدہ مسائل)

حد یا مہر دارالاسلام میں ملک یمن کے علاوہ اس صورت میں کوئی وطنی دو چیزوں میں سے ایک سے خالی نہیں ہوگی یا اس پر وطنی کی وجہ سے حد ہوگی، یا مہر عائد ہوگا، البتہ دو مسئلے ایسے ہیں کہ ان میں وطنی کے اندر نہ حد ہے نہ مہر، ایک مسئلہ یہ ہے کہ کسی نابالغ لڑکے نے کسی بالغہ عورت سے بلا اجازت ولی نکاح کیا اور عورت نے وطنی میں نابالغ کی اطاعت کی تو اس میں نہ حد ہوگی اور نہ مہر ہوگا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ لونڈی کے بیچنے والے نے لونڈی کو حوالہ کرنے سے پہلے اس کے ساتھ وطنی کر لی تو اس صورت میں بھی وطنی کرنے والے پر نہ حد ہوگی اور نہ مہر ہوگا، البتہ اس لونڈی کی قیمت میں سے ازالہ بکارت کی مقدار کم ہو جائے گی اس لئے کہ اس کی بکارت بیچنے والے نے زائل کر دی ہے، اور اگر وہ باکرہ نہیں تھی تو قیمت میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

بکارت زائل کرنے کا بدلہ ایک لڑکی نے دوسری لڑکی کو دھکا دیا، اور ڈھکیلا، پس اس طرح اس نے اس کی بکارت زائل کر دی، تو اس صورت میں ڈھکیلنے والی لڑکی پر مہر مثل عائد ہوگا۔

نابالغہ شوہر کے حوالہ کب ہوگی نابالغہ لڑکی کے باپ کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اس کے شوہر سے مہر کا مطالبہ کرے، اگرچہ شوہر بیوی سے لذت اندوز ابھی نہ دہا ہو، اور اس کے شوہر کو حق ہے کہ وہ اپنی نابالغہ بیوی کے سپرد کئے جانے کا مطالبہ کرے بشرطیکہ وہ لڑکی مرد کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتی ہو، بزازی کا کہنا ہے کہ لڑکی میں سن (عمر) کا کوئی اعتبار نہیں، یعنی اگر شوہر اور لڑکی کے باپ میں اختلاف ہو، شوہر کہتا ہو کہ لڑکی مرد کو برداشت کر سکتی ہے اور لڑکی کا باپ کہتا ہے کہ لڑکی میں مرد کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے، تو اس وقت یہاں لڑکی کی عمر کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ قاضی عورتوں کو دکھائے گا کہ یہ لڑکی اس قابل ہے یا نہیں، اگر عورتیں بتائیں گی کہ مرد کا تحمل کر سکتی ہے، تو شوہر کے حوالہ کر دی جائے گی اور اگر وہ بتائیں کہ اس لائق نہیں ہے تو شوہر کے حوالہ نہیں کی جائے گی۔ اگر لڑکی کے باپ نے اپنی اس لڑکی کو اس کے شوہر کے حوالہ کر دیا، لیکن وہ لڑکی شوہر کے پاس سے بھاگ گئی، تو شوہر پر اس لڑکی کی تلاش لازم نہیں ہے، کیونکہ آزاد عورت کے گم ہو جانے کی وجہ سے ضمان نہیں عاید ہوتا ہے۔

معدع امرأة و اخذها حبس الى ان ياتي بها او يعلم موتها المهر مهر. السرور و قيل العلانية المؤجل الى الطلاق يتعجل بالرجعي و لا يتاجل بمراجعتها و لو وهبت المهر على ان يتزوجها فابى فالمهر باق لكحها اولاً و لو وهبت لا حد و و كلتها بقبضه صح و لو احوالت به انساناً ثم وهبت للزوج لم تصح و هذه حيلة من يريد ان يهب و لا تصح.

عورت بھگانے والے کی سزا کسی نے عورت کو دھوکہ دیا اور اس کو نکال لے گیا تو اس صورت میں اس شخص کو قید کر دیا جائے گا جب تک وہ اس عورت کو نہ لے آئے یا اس عورت کا

مر جانا معلوم نہ ہو جائے۔

مکہ مہر مہر وہی معتبر ہوتا ہے جو پوشیدگی کا مہر ہو، اور ایک قول یہ ہے کہ وہ مہر معتبر ہے جو ظاہر کا مہر ہے، یعنی کسی نے ایک

عورت سے نکاح کیا اور پوشیدہ طور پر ایک ہزار مہر مقرر کیا، اور پھر لوگوں کو دکھلانے کے لئے مجمع میں دو ہزار مہر مقرر کیا تو اس صورت میں پوشیدہ مہر کا اعتبار ہوگا، ظاہر مہر کا اعتبار نہیں ہوگا۔

جو مہر طلاق تک مؤجل ہو وہ طلاق رجعی دینے سے معجل ہو جاتا ہے، اور رجعت کرنے سے وہ مہر معجل دوبارہ مؤجل نہیں ہوتا ہے عورت نے اس شرط پر مہر بخش دیا کہ مرد اس کے ساتھ نکاح کرے، مرد نے اس بخش دینے کو قبول نہیں کیا تو وہ مہر اس کے ذمہ باقی رہا، خواہ اس نے عورت سے نکاح کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

اس مسئلہ کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ ایک شخص نے اپنی مطلقہ عورت سے کہا کہ میں تجھ سے نکاح اس وقت تک نہیں کروں گا جب تک تو اپنا مہر معاف نہ کر دے، عورت نے بشرط نکاح مہر معاف کر دیا، پھر مرد نے انکار کیا، تو مہر باقی رہا۔ اگر کسی عورت نے اپنا مہر کسی اور کو ہبہ کر دیا اور اسی کو مہر لینے پر وکیل بنادیا، تو یہ صحیح ہے، اور اگر عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ میرا مہر فلاں شخص کو دیدو اور شوہر نے اس کو قبول کر لیا، پھر عورت نے وہی مہر شوہر کو ہبہ کر دیا تو اس کا یہ ہبہ کرنا صحیح نہیں ہوگا کیونکہ وہ پہلے دوسرے کے حوالہ کر چکی ہے۔

بَابُ نِكَاحِ الرِّقِيقِ

هو المملوك كلاً او بعضاً والقن المملوك كلاً توقف نكاح قن و امة و مكاتب و مدبر و ام ولد على اجازة المولى فان اجاز نفذ و ان رد بطل فلا مهر مالم يدخل فيطالب بمهر المثل بعد عتقه ثم المراد بالمولى من له ولاية تزويج الامة كاب وجد و قاض و وصى و مكاتب و مفاوض و متول و اما العبد فلا يملك تزويجه الا من يملك اعتاقه درر فان نكحوا بالاذن فالمهر والنفقة عليهم اى على القن وغيره لوجود سبب الوجود منه و يسقطان بموتهم لفوات محل الاستيفاء و بيع قن فيهما لا يباع غيره كمدبر بل يسعى و لو مات مولاه لزمه جملة ان قدر نهر و قنية لكنه يباع فى النفقة مراراً ان تجددت و فى المهر مرة و يطالب بالباقي بعد عتقه الا اذا باعه منها خانية

(غلام کے نکاح کا بیان)

غلام کا نکاح رقیق اس غلام کو کہتے ہیں جو پورے طور پر غلام ہو یا اس کا کچھ حصہ غلام ہو، اور قن اس غلام کو کہتے ہیں جو پورا غلام ہو، پورے طور پر جو غلام ہو اس کا نکاح اسی طرح لونڈی اور مکاتب و مدبر اور ام ولد کا نکاح آقا کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے اگر اس نے جائز رکھا جائز ہو گا اور اگر رد کر دیا تو باطل ہو جائے گا۔

مکاتب، اس غلام کو کہتے ہیں جس کو مالک نے کہا کہ تو اتنے روپے کمالا، تو تو آزاد ہے، اور مدبر وہ غلام ہے جس سے مالک نے کہا تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے، اور ام ولد، وہ لونڈی ہے جو مالک کے تصرف میں رہے اور مالک نے اس سے لڑکا پیدا کیا ہو۔

مالک کی اجازت کے بغیر غلام وغیرہ جو نکاح کرے گا اس میں اس وقت تک مہر لازم نہیں ہوتا ہے جب تک وہ بیوی سے وطی نہ کر لے، اور وطی کے بعد بیوی کی طرف سے مہر مثل کا مطالبہ ہو گا مگر اس کے آزاد ہونے کے بعد پہلے نہیں۔ مولیٰ سے مراد وہ شخص ہے جس کو لونڈی کے نکاح کر دینے کا اختیار ہو، جیسے لونڈی کا باپ، دادا، قاضی، وصی، مکاتب، مفادض اور متولی، چنانچہ باپ اپنی نابالغ بیٹی کی لونڈی کا نکاح کر سکتا ہے، اسی طرح دادا قاضی اور وصی وغیرہ بھی، لیکن ان کو اس کا اختیار نہیں ہے کہ اس کے ساتھ اپنے غلام کا نکاح کر دیں، اسی طرح مکاتب کو اپنی لونڈی کے نکاح کا اور مفادض کو شرکت کی لونڈی کے نکاح کا اور متولی کو بیت المال کی لونڈی کے نکاح کا اختیار ہے۔

غلام کا نکاح کون کر سکتا ہے غلام کے نکاح کا مالک صرف وہ شخص ہو گا جو اس کے آزاد کرنے کا حق رکھتا ہے، غلام کا باپ، غلام کے نکاح کا حقدار نہیں ہے۔ اگر غلام وغیرہ اپنے آقا کی اجازت سے نکاح کریں گے تو ان کی بیویوں کا مہر اور نفقہ خود ان غلام وغیرہ پر لازم ہو گا کیونکہ نفقہ مہر کے واجب ہونے کے سبب خود بھی ہیں، اور جب یہ غلام وغیرہ مرجائیں گے، تو ان کی موت کی وجہ سے مہر اور نفقہ ساقط ہو جائیں گے، کیونکہ ان کی موت کے بعد مہر اور نفقہ لینے کا مقام باقی نہ رہا۔

شوہر کی فروختگی مہر و نفقہ میں بیوی کے مہر اور نفقہ میں ان غلاموں کا بیچ دینا جائز ہے تاکہ اس کی قیمت سے مہر اور نفقہ ادا کیا جائے، پورے طور پر جو غلام ہے اس کے سوا دوسرا جیسے مدبر اور مکاتب وغیرہ بیچا نہیں جائے گا، بلکہ ان سے محنت مزدوری کرا کے مہر اور نفقہ کا انتظام کیا جائے گا۔

اگر مدبر کا آقا مر جائے تو بشرط قدرت مدبر پر مہر لازم ہو گا اور اگر قدرت نہ ہو تو تا قدرت انتظار کیا جائے گا، قن (پورا غلام) اپنی بیوی کے نفقہ میں بار بار بیچا جائے گا لیکن مہر کے سلسلہ میں صرف ایک بار بیچا جائے گا اور اسکے باوجود مہر باقی رہ جائے تو اس کے آزاد ہونے کے بعد اس سے اس کا مطالبہ کیا جائے گا، البتہ اس صورت میں باقی مہر کا مطالبہ نہیں ہے جب اس کے

مالک نے خود اس کی بیوی کے ہاتھ اس کو بیچ دیا ہو۔

و لو زوج المولی امته من عبده لا يجب المهر فی الاصح و لو الجیه قال البزازی بل یسقط و محل الخلاف اذا لم تكن الامة ماذونة مديونة فان كانت بیع ایضا لانه یثبت لها ثم ینتقل للمولی نهر فلو باعه سیده بعد ما زوجه امرأة فالمهر برقبته یدور معه این ما دار کدین الاستهلاک لكن للمرأة فسخ البیع لو المهر علیه لانه دین فكانت كالغرماء منح و قوله لعبده طلقها رجعية اجازة للنکاح الموقوف لا طلقها او فارقتها لانه یستعمل للمتاركة حتى لو اجازته بعد ذلك لا ینفذ بخلاف الفضولی و اذنه لعبده فی النکاح ینتظم جائزه و فاسده فیباع العبد لمهر من نکحها فاسداً بعد اذنه فوطیها خلافا لهما و لو نوى المولی الصحيح فقط تقید به کما لو نص علیه و لو نص على الفاسد صح و صح الصحيح ایضاً نهر.

لو نڈی کا نکاح اگر آقا نے اپنی لونڈی کا نکاح اپنے غلام سے کر دیا تو اس صورت میں مہر واجب نہیں ہوگا، صحیح تر قول یہی ہے اور بزازی نے کہا کہ مہر واجب تو ہوگا لیکن ساقط ہو جائے گا، اور یہ اختلافی شکل اس وقت سامنے آئے گی جب لونڈی قرضدار نہ ہو اور نہ اس کو اجازت ہو، غلام نے کسی عورت سے شادی کر لی، اس کے بعد اس کے آقا نے اس کو بیچ دیا، تو اس کی بیوی کا مہر اس غلام کی گردن پر رہے گا جہاں وہ جائے گا وہی ذمہ دار رہے گا، گو وہ دس مرتبہ بکے، اور دس مالک کے پاس اس کا رہنا ہو، جیسے غلام اگر کسی شخص کا مال ضائع کر دے تو وہ دین اسی غلام کی گردن پر رہے گا، خواہ وہ کہیں بک کر جائے، لیکن اگر عورت کا مہر غلام پر باقی ہے تو اس غلام کی بیوی آقا کی بیع کو فسخ کر سکتی ہے، کیونکہ مہر بھی شوہر پر بطور دین کے ہی ہے اور عورت بطور قرض خواہ کے، جیسے وہ غلام جس کو اجازت حاصل ہو اور اس کا آقا اس کو بیچنا چاہے، تو اس کے قرض خواہوں کو اختیار ہے کہ آقا کی بیع کو جائز رکھیں اور اس کی قیمت اپنے قرض میں وصول کریں، اور چاہیں بیع کو فسخ کر لیں۔

طلاق رجعی کا حکم آقا کا اپنے غلام سے یہ کہنا کہ ”تم اپنی بیوی کو طلاق رجعی دیدو“ دراصل یہ نکاح موقوف اس کی طرف سے اجازت ہے، اس لئے کہ طلاق رجعی بغیر نکاح صحیح نہیں ہو سکتی ہے، اور آقا کا اپنے غلام سے یہ کہنا کہ ”تم طلاق دیدو“ یا یہ کہنا کہ ”اس کو چھوڑ دو“ نکاح موقوف کی اجازت نہیں ہوگی، اس لئے کہ طلاق اور فراق کا لفظ چھوڑ دینے میں بھی استعمال ہوتا ہے، یعنی یہ دونوں الفاظ اجازت کے لئے بھی بولے جاتے ہیں اور تردید کے لئے بھی، چنانچہ آقا اگر ان الفاظ کے بولنے کے بعد اپنے غلام کے نکاح کی اجازت دے گا تو بھی نکاح نافذ نہیں ہوگا۔ اس کے برعکس فضولی کا معاملہ ہے یعنی اگر فضولی شخص نے کسی مرد کا کسی عورت سے نکاح کر دیا اور جب اس مرد کو اس نکاح کی خبر پہنچی تو اس نے کہا کہ اس کو طلاق دیدو، تو یہ جملہ نکاح کی اجازت سمجھی جائے گی کیونکہ شوہر کو طلاق دینے کا اختیار ہے وہ طلاق کا حکم دے سکتا ہے اور طلاق بغیر نکاح کے نہیں ہوئی، باقی آقا کو غلام کی بیوی کو طلاق دینے کا اختیار نہیں ہے۔

آقا کو غلام کی اجازت اور آقا کا اپنے غلام کو نکاح کی اجازت دینا نکاح جائز و فاسد دونوں کو شامل ہے لہذا غلام کو

اس عورت کے مہر میں فروخت کیا جائے گا جس سے اس نے مولیٰ کی اجازت سے نکاح فاسد کیا پھر اس سے وطی کی، لیکن یہ صاحبین کا کہنا ہے کہ یہ درست ہے کہ آقا نے نکاح کی اجازت دی تھی، مگر یہ اجازت نکاح فاسد کو شامل نہیں ہوگی یہ صرف صحیح کو شامل ہوگی لہذا غلام مہر میں نہیں بیچا جائے گا بلکہ جب وہ آزاد ہوگا تو اس پر مہر لازم ہوگا۔

اگر آقا نے اپنے غلام کو نکاح کی اجازت دی اور فقط صحیح نکاح کی نیت کی، تو اس کی یہ اجازت صرف نکاح صحیح کو شامل ہوگی، اور اسی کے لئے مخصوص ہوگی چنانچہ اگر وہ اس کا سراحت کر دے تو یہ صرف صحیح نکاح کو شامل ہوگی اور اگر صراحت میں نکاح فاسد کو لے لیا ہے تو نکاح فاسد کرنا بھی درست ہوگا اور نکاح صحیح کرنا بھی۔

و لو نکحها ثانيا صحيحاً او نکح اخرى بعدها صحيحاً توقف على الاجازة لانتفاء الاذن بمرة وان نوى مرار و لو مرتين صح لانهما كل نکاح العبد ر كذا التوكيل بالنکاح بخلاف التوكيل به فانه لا يتناول الفاسد فلا ينتهى به به يفتى والوكيل بنکاح فاسد لا يملك الصحيح بخلاف البيع ابن ملك و فى الاشباه من قاعدة الاصل فى الكلام الحقيقة الاذن فى النکاح والبيع والتوكيل بالبيع يتناول الفاسد و بالنکاح لا واليمين على نکاح و صلوة و صوم و حج و بيع ان كانت على الماضى يتناول و ان على المستقبل لا.

غلام کا نکاح آقا کی اجازت پر آقا نے اپنے غلام کو مطلقاً نکاح کی اجازت دی، اس کے بعد غلام نے پہلے نکاح فاسد کیا، پھر دوبارہ اس سے نکاح صحیح کیا یا نکاح فاسد کے بعد کسی دوسری عورت سے نکاح صحیح کیا۔ تو یہ ”نکاح صحیح“ آقا کی اجازت پر موقوف ہوگا، اس واسطے کہ اس کی اجازت ایک مرتبہ ایک نکاح کر دینے پر ختم ہو چکی ہے، اگرچہ آقا نے چند مرتبہ نکاح کی نیت کی ہو، تو بھی نکاح ثانی اجازت پر موقوف ہوگا، اور اگر آقا نے اپنی اجازت میں دوبارہ دو عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی نیت کی، تو یہ دوبارہ کی نیت بھی صحیح ہوگی اور غلام کو دوسری عورت سے نکاح کرنا صحیح ہوگا اور اس سے زیادہ کی غلام کو اجازت بھی نہیں۔

اسی طرح نکاح میں وکیل بتاتا ہے کہ اگر کوئی کسی کو نکاح کرنے کا وکیل بنائے گا تو اس وکیل کو صرف ایک نکاح کرنے کا اختیار ہوگا دوسرے نکاح کا اختیار حاصل نہ ہوگا، البتہ آقا کی اجازت صحیح و فاسد دونوں کو شامل ہوتی ہے لیکن وکیل نکاح کی وکالت صرف نکاح صحیح کو شامل ہوگی فاسد نکاح کی وکالت حاصل نہیں ہوگی، اور اگر وکیل نکاح فاسد کر دے گا تو وہ نکاح نافذ نہیں ہوگا اور نکاح فاسد کرنے سے اس کی وکالت بھی منقطع نہیں ہوگی، اور دوبارہ اگر نکاح صحیح کر دے گا تو وہ نافذ ہو جائے گا۔ اسی طرح جس کو نکاح فاسد کا وکیل بتایا گیا ہے وہ نکاح صحیح کا وکیل نہیں ہوگا اس کے برعکس صحیح کا وکیل ہے کہ اگر اس کو صحیح فاسد کا وکیل بتایا گیا ہے تو وہ صحیح کا بھی وکیل ہوگا۔

اجازت کا دائرہ اور اشباہ میں جہاں یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ ہر کلام میں معنی حقیقی ہے نہ کی معنی مجازی وہاں انہوں نے کہا ہے کہ نکاح اور بیع کی اجازت میں اور بیع کی وکالت میں فاسد بھی شامل ہے اور نکاح کی وکالت میں فاسد شامل نہیں ہے۔

اگر کسی نے نکاح یا نمازی یا بیع پر قسم کھائی اگر ماضی کے صیغہ کے ساتھ ہے گزشتہ زمانہ سے متعلق تو یہ قسم فاسد کو بھی

شامل ہوگی اور اگر صیغہ مستقبل کے ساتھ زمانہ آئندہ سے متعلق قسم کھائی تو فاسد کو شامل نہیں ہوگی، یعنی اگر کہا بخدا میں نے نکاح نہیں کیا تو یہ قسم صحیح اور فاسد دونوں کو شامل ہوگی اور اگر کہا بخدا میں نکاح نہیں کروں گا تو یہ قسم صرف نکاح صحیح کو شامل ہوگی، فاسد کو شامل نہیں ہوگی اگر نکاح صحیح کرے گا تو حائث ہوگا اور اس پر کفارہ آئے گا اور نکاح فاسد کرے گا تو وہ حائث نہیں ہوگا اور قسم کا کفارہ نہیں آئے گا اس طرح نماز، روزہ اور بیع میں بھی سمجھ لیا جائے۔

لو زوج عبداً له ماذونا مديونا صح وسأوت المرأة الغرماء ه في مهر مثلها والاقل والزائد عليه تطالب به بعد استيفاء الغرماء كذنين الصحة مع دين المرض الا اذا باعه منها كما مر و لو زوج بنته بمكاتبة ثم مات لا يفسد النكاح لانها لم تملك المكاتب بموت ايها الا اذا عجز فرد في الرق فحينئذ يفسد للتنافي.

قرضدار غلام کو نکاح کی اجازت اگر کسی آقا نے اپنے غلام کا نکاح کیا جو ماذون اور قرضدار تھا تو یہ نکاح صحیح ہوگا اور اس غلام کی بیوی اپنے مہر مثل اور جو مہر اس سے کم ہے اسکے پانے میں دوسرے قرض خواہوں کے برابر ہوگی یعنی جس طرح اس غلام کی کمائی سے دوسرے قرض خواہ حصے لیں گے ویسا ہی یہ عورت بھی پائے گی اور جو مہر مہر مثل سے زیادہ ہوگا قرض خواہوں کے قرض ادا ہو جانے کے بعد وہ اس کا شوہر سے مطالبہ کرے گی۔ جس طرح کسی شخص پر دو قرض ہوں ایک زمانہ صحت کا اور دوسرا زمانہ بیماری کا، تو پہلے زمانہ صحت کا قرض ادا کیا جائے گا پھر اگر کچھ مال بچ رہے گا تو بیماری کے زمانہ کا قرض ادا ہوگا۔

ہاں اگر آقا اس غلام کو اس کی بیوی کے ہاتھ بیچ دے گا، تو باقی مہر کا مطالبہ اس غلام شوہر پر باقی نہیں رہے گا، اس کی صورت یہ ہے کہ ایک آقا نے اپنے قرضدار غلام کا ایک عورت سے ہزار روپیہ مہر پر نکاح کر دیا اور غلام پر پہلا قرض بھی ایک ہزار روپیہ تھا، پھر آقا نے اس غلام کو اسی عورت کے ہاتھ جو اس کی بیوی ہے دو ہزار روپے میں فروخت کر دیا تو وہ دو ہزار پہلے قرض خواہ اور عورت اپنے اپنے حصہ کے مطابق لے لیں گے یعنی ایک ہزار پہلے قرض والے لیں گے اور ایک ہزار بیوی مہر کا لے لگی اس کے بعد عورت کا جو باقی رہے وہ ساقط ہو جائے گا۔

لڑکی کی شادی مکاتب غلام سے اگر کسی آقا نے اپنی لڑکی کی شادی اپنے مکاتب غلام سے کر دی اس کے بعد آقا مر گیا تو اس صورت میں نکاح فاسد نہیں ہوگا کیونکہ اس کی بیٹی اپنے باپ کے مرجانے سے مکاتب غلام کی مالک نہیں ہوئی، البتہ جب وہ مکاتب غلام بدل کتابت کے روپے ادا کرنے سے عاجز ہو جائے گا اور پھر غلام بتایا جائے گا تو نکاح فاسد ہو جائے گا کیونکہ زوجیت اور ملکیت دونوں جمع نہیں ہو سکتیں۔

زوج امته او ام ولدہ لا تجب علیہ بیتوتتها و ان شرطها فی العقد اما لو شرط الحر حرية اولادها فيه صح و عتق کل من ولدته فی هذا النکاح لان قبول المولی الشرط والتزویج علی اعتبارہ هو معنی تعلیق الحرية بالولادة فیصح فتح و مفاده انه لو باعها او مات عنها قبل الوضع فلا حرية و لو ادعی الزوج الشرط ولا بینة له حلف المولی نهر لكن لا نفقة

و لا سکنی الا بها بان يدفعها الیه و لا یستخدمها و یتخدم المولی و یتطاء الزوج ان ظفر بها فارغة عن خدمة المولی و یکفی فی تسلیمها قوله متى ظفرت بها و طیتها نهر فان بواها ثم رجع عنها صح رجوعه لبقاء حقه و سقطت النفقة.

لو نڈی کی شادی آقا نے اپنی لونڈی کا یا اپنی ام ولد کا نکاح کر دیا تو اس کی وجہ سے آقا پر واجب نہیں ہے کہ لونڈی کو اس کے شوہر کے گھر شب باشی کے لئے بھیجے، گو اس نے کاح میں شب باشی کی شرط بھی کیوں نہ کر لی ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ آقا کا حق شوہر کے حق سے مقدم ہے، باقی اس سے پیدا ہونے والی اولاد کی آزادی کی اگر شرط کر لی گئی ہے تو اولاد آزاد ہوگی اور یہ شرط صحیح ہوگی اور اس نکاح سے پیدا ہونے والے سارے بچے آزاد ہوں گے، کیونکہ جب آقا نے اس کی یہ شرط مان لی اور نکاح کر دیا تو یہ آزادی کی تعلیق ہوئی، گویا لونڈی سے کہا کہ اس نکاح سے تم جو بچے جنوگی وہ سب آزاد ہیں، یہ تعلیق درست ہے باقی شب باشی میں تعلیق کا معنی نہیں ہوتا ہے۔

لو نڈی کے بچے کی آزادی اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر آقا نے اس لونڈی کو بیچ دیا یا وہ اس کو چھوڑ کر مر گیا، اور یہ بچے کے پیدا ہونے سے پہلے ہوا تو اس کی اولاد کی آزادی ثابت نہیں ہوگی، اس لئے کہ جب تک تعلیق کرنے والا زندہ ہوتا ہے اس وقت تک تعلیق صحیح ہوتی ہے اور اگر لونڈی کے شوہر نے دعویٰ کیا کہ اولاد کے آزاد ہونے کی شرط ہوئی ہے لیکن اس کے پاس گواہ اور ثبوت نہیں ہے، تو اس صورت میں آقا کو حلف دیا جائے گا۔

لو نڈی کا نفقہ لیکن لونڈی کا نفقہ اور سکنی اس کے شوہر پر شب باشی کے بغیر نہیں ہوتا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ آقا لونڈی کو اس کے شوہر کے حوالہ کر دے اور اس سے خدمت نہ لے، اگر ایسا نہیں ہوا تو لونڈی آقا کی خدمت کرے گی اور جس وقت وہ اپنے آقا کی خدمت سے فارغ ہوگی شوہر موقع پا کر اس سے وطی کرے گا، اور اس کے لئے آقا کا یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ جب تم اپنی بیوی کو دیکھو کہ وہ کام نہیں کر رہی ہے تو اس کے ساتھ ہم بستر ہو لیا کرو۔ آقا نے شب باشی کی اجازت دی پھر اس سے رجوع کر لیا تو اس کا یہ رجوع کرنا صحیح ہوگا، اس لئے مولیٰ کا حق باقی رہتا ہے، لیکن شوہر سے نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

و لو خدمته ای السید بعد البیتوتہ بلا استخدامہ او استخدامہا نہاراً و اعادھا لبت زوجہا لیلاً لا تسقط لبقاء البیتوتہ ولہ ای المولی السفر بها ای بامته و ان ابی الزوج ظہیریۃ ولہ اجبار قنہ و امتہ و لو ام ولدہ.

شب باشی کی آقا نے اجازت دیدی تھی اس کے باوجود مولیٰ کی خواہش کے بغیر خدمت کی، یا مولیٰ نے کہا تھا کہ دن میں وہ خدمت کیا کرے اور رات میں شوہر کے گھر رہے، تو اس صورت میں شوہر سے نفقہ ساقط نہیں ہوگا، کیونکہ شب باشی کا معاملہ شوہر کے ساتھ باقی ہے۔

آقا کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی شادی شدہ لونڈی کو اپنے ساتھ سفر میں لے جائے، اگرچہ اس کا شوہر اس سے انکار ہی کیوں نہ کرے۔

مولیٰ کو اپنے غلام اور لونڈی (خواہ وہ ام والد ہی کیوں نہ ہو) اس کے نکاح میں جبر کا بھی اختیار ہے کہ جبر ڈال کر اس کا

نکاح کرادے وہ زور زبردستی سے نکاح کرا سکتا ہے۔

و لا يلزمه الاستبراء بل يندب فلو ولدت لاقل من نصف حول فهو من المولى والنكاح فاسد بحر من الاستيلاد و ثبوت النسب على النكاح و إن لم يرضيا لا مكاتبه و مكاتبه بل يتوقف على اجازتهما و لو صغيرين الحاقا بالبالغ فلو اديا و عتقا عاد موقوفا على اجازة المولى لا على اجازتهما لعدم اهليتهما ان لم يكن عصبه غيره و لو عجزا توقف نكاح المكاتب على رضى المولى ثانياً لعود مؤن النكاح عليه و بطل نكاح المكاتبه لانه طو حل بات على موقوف فابطله والدليل يعمل العجائب و بحث الكمال هنا غير صائب

لوٹڈی کے لئے استبراء مولیٰ پر استبراء (رحم کے خالی ہونے کی معلومات) لازم نہیں ہے، بلکہ مستحب ہے یعنی جو لوٹڈی مولیٰ کے تصرف میں تھی اس نے اس کا نکاح کر دیا تو مولیٰ کے لئے ضروری نہیں ہے کہ پہلے تین حیض گزروا کر شوہر کے سپرد کرے لہذا اگر اس کو چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہو گا تو اس کا نسب مولیٰ سے قائم ہو گا، اور نکاح کو فاسد قرار دیا جائے گا، بحر الرائق کے باب الاستيلاد اور ثبوت النسب میں ایسا ہی مذکور ہے۔

لوٹڈی اور غلام کی شادی مولیٰ کو اپنی لوٹڈی اور غلام کے نکاح کے معاملہ میں اُن پر جبر ڈالنے کا اختیار ہے، خواہ وہ دونوں راضی ہوں یا راضی نہ ہوں، لیکن مکاتب غلام اور مکاتب لوٹڈی پر جبر کا اختیار نہیں ہے، ان دونوں کا نکاح ان کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے، خواہ دونوں نابالغ ہی کیوں نہ ہوں، مکاتبیت کی وجہ سے یہ دونوں جبر کے مسئلہ میں بالغ کے درجہ میں ہو جاتے ہیں، لہذا مولیٰ کو ان نابالغ پر بھی جبر کا اختیار نہیں ہو گا۔

اگر مکاتب غلام اور لوٹڈی نے نکاح ہو جانے کے بعد کتابت کا مال ادا کر دیا تو وہ شرعاً آزاد ہو گئے، اب آزادی کے بعد نکاح نابالغ غلام لوٹڈی کی اجازت پر موقوف نہیں ہو گا، کیونکہ یہ اس کے اہل نہیں، اگر ان کا کوئی عصبہ نہ ہو گا تو ان کا سابق نکاح مولیٰ کی اجازت پر موقوف ہو گا، کیونکہ جب کوئی عصبہ نہ ہو تو خود آزاد کرنے والا عصبہ قرار پاتا ہے۔

مکاتبہ کا نکاح اگر یہ دنوں بدل کتابت ادا کرنے پر قادر نہ ہوئے تو ان کا نکاح پھر مولیٰ کی اجازت پر ہی موقوف ہو گا کیونکہ یہ پورے طور پر غلام ہو گئے اور جو ایسا غلام لوٹڈی ہو، اس کا مالک مولیٰ ہی ہوتا ہے، اور اس وقت پہلا نکاح بوجہ عاجزی باطل ہو جائے گا، اور دلیل سے عجیب و غریب امور ثابت ہوتے ہیں، چنانچہ ابن الہمام کی بحث یہاں درست نہیں ہے۔

مسئلہ یہ تھا کہ ایک لوٹڈی مکاتبہ (جس کو کتابت حاصل تھی) کا نکاح مولیٰ نے اس کے بغیر مرضی کر دیا تھا وہ نکاح مکاتبہ کی اجازت پر موقوف تھا لیکن جب وہ مال کتابت کی ادائیگی سے عاجز ہو گئی تو اس کی غلامی عود کر آئی اور مولیٰ کے لئے جائز ہو گیا کہ وہ اس کے ساتھ وطی کرے، اس حلال ہونے یا اس نکاح کو جو موقوف تھا مگر نافذ نہ ہوا تھا باطل کر دیا۔ اس پر ابن الہمام کا اعتراض یہ ہے کہ جب مکاتب صغیر آزاد ہو گیا، تو پھر مولیٰ کی اجازت پر اس کو موقوف ماننا معقول نہیں معلوم ہوتا ہے، کیونکہ آزاد ہو جانے کے بعد مولیٰ کی ولایت باقی کہار ہی، جواب کا حاصل یہ ہے کہ آزادی کے بعد مولیٰ کو حق ولا حاصل ہوتا ہے، یہ ولایت جدیدہ ہے پہلی ولایت ملکیت والی باقی نہیں رہی۔

و لو قتل المولى امته قبل الوطى ولو خطأ فتح و هو مكلف فلو صبيا لم يسقط على الراجح سقط المهر لمنعه المبدل كحرة ارتدت و لو صغيرة لا لو فعلت ذلك القتل امرأة و لو امة على الصحيح خانية بنفسها او قتلها وارثها او ارتدت الامة او قبلت ابن زوجها كما رجحه في النهر اذ لا تفويت من المولى او فعله بعده اى الوطى لتقرره و لو فعله بعده او مكاتبته او مازونته المدبونة لم يسقط اتفاقاً.

مہر کا ساقط ہونا شادی شدہ لونڈی کو مولیٰ نے خلوت صحیحہ سے پہلے قتل کر دیا خواہ غلطی و خطا سے ایسا ہوا، اور مولیٰ عاقل بالغ ہے، تو لونڈی کے شوہر سے مہر ساقط ہو جائے گا کیونکہ اس طرح مولیٰ نے اس کے شوہر کو فائدہ اٹھانے سے روک دیا اور مہر اس فائدہ اٹھانے کا ہی بدلہ تھا، جیسے آزاد عورت شادی شدہ وطی سے پہلے جب مرتد ہو جائے تو اس کا مہر ساقط ہو جاتا ہے، اگرچہ وہ لونڈی نابالغہ ہی کیوں نہ ہو کیونکہ جدائی عورت کی طرف سے پائی گئی۔ لیکن اگر قتل کرنے والا آقا نابالغ ہو تو پھر لونڈی کے شوہر سے مہر ساقط نہ ہوگا، راجح قول مصنف نے اسی کو قرار دیا ہے، اگر خود عورت نے قتل کیا ہے گو وہ عورت لونڈی ہو یا اس عورت کے وارث نے قتل کیا، تو شوہر سے مہر ساقط نہیں ہوگا، یا لونڈی مرتد ہو گئی یا اس نے اپنے شوہر کے لڑکے کا بوسہ لے لیا تو بھی مہر ساقط نہیں ہوگا اس لئے کہ اس وقت مولیٰ کی طرف سے کوتاہی نہیں پائی گئی۔

اسی طرح اگر شادی شدہ لونڈی کو مولیٰ نے قتل کیا مگر وطی کے بعد تو اس صورت میں مہر ساقط نہیں ہوگا، کیونکہ وطی کی وجہ سے مہر ثابت ہو گیا۔ اور اگر مولیٰ اپنے غلام کو قتل کر دے یا اپنی مکاتبہ کو یا لڑکی کو جس کو اجازت دے رکھی تھی اور وہ قرضدار تھی، تو مہر ساقط نہیں ہوگا اس میں سب کا اتفاق ہے۔

والاذن فی العزل و هو الانزال خارج الفرج لمولى الامة لاسلها لان الولد حقه و هو يفيد التقيد بالبالغة و كذا الحرة نهر و يعزل عن الحرة و كذا المكاتبه نهر بحثا باذنها لكن فى الخانية انه يباح فى زماننا لفساده قال الكمال فليعتبر عذر امسقطا لاذنها و قالوا يباح اسقاط الولد قبل اربعة اشهر و لو بلا اذد الزوج و عن امته بغير اذنها بلا كراهة فان ظهر بها حمل حل نفیه و ان لم يعد قبل بول.

عزل کی حیثیت عزل کہتے ہیں شوہر وطی کرے اور جب انزال کا وقت آئے تو منی کے قطرات کو عورت کی شرمگاہ میں گرانے کے بجائے باہر لا کر گرائے، اور یہ اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ بچہ پیدا نہ ہو، شادی شدہ لونڈی کا شوہر جب عزل کرنا چاہے گا تو وہ اس کی اجازت اس کے مولیٰ سے لے گا، خود لونڈی سے نہیں لے گا، اس لئے کہ لڑکا جو لونڈی سے پیدا ہوتا ہے وہ مولیٰ کا حق ہوتا ہے اور وہی اس کا مالک ہوتا ہے، چنانچہ اس مسئلہ کا تعلق بالغہ لونڈی سے ہونا بالغہ کو حمل نہیں ہوتا، اس لئے عزل کے سلسلہ میں اجازت کی ضرورت نہیں پڑے گی، لہذا آزاد عورت کے باب میں بھی بالغہ ہونے کی قید لگانی چاہئے۔

آزاد عورت اور اسی طرح مکاتبہ لونڈی سے عزل ان کی اجازت سے ان کے شوہر کریں گے، نہر الفائق میں ایسا ہی ہے، لیکن خانہ میں یہ ہے کہ ہمارے زمانہ میں آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر بھی عزل مباح ہے، کیونکہ اس زمانہ میں فساد عام ہے، گویا جب زمانہ فساد کا ہو تو عورت کی اجازت کے بغیر بھی جائز ہوگا۔

اسقاط حمل

فقہاء کہتے ہیں کہ اگر حمل پر چار ماہ نہیں گزرا ہے تو اس سے پہلے پہلے حمل ساقط کرنا مباح ہے، گو شوہر سے اجازت حاصل نہ کی ہو، یہاں کوئی قید ذکر نہیں کی گئی ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ بغیر ضرورت کے اسقاط حمل جائز نہیں ہے (خانہ کے باب الکربہ میں ہے کہ میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ اسقاط حمل مطلقاً مباح ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی حاجی جو حالت احرام میں ہو اگر وہ شکار کا انڈا توڑ دے گا، تو اس پر ضمان عاید کیا جاتا ہے، کیونکہ پرند اسی انڈے سے جنم لیتا ہے، جب ایسی بات ہے تو آدمی کے بیج کا جو تیاری کے قریب آچکا ہے بغیر عذر ضائع کرنا کیسے جائز ہوگا، اور بلا عذر ایسا کرنے والا کیونکر گناہگار نہ ہوگا)

عزل کے باوجود حمل

اپنی لونڈی سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنا جائز ہے، اور اس میں کوئی کراہیت نہیں ہے، لہذا اگر کسی نے لونڈی سے عزل کیا اور اس کے باوجود اس کو حمل ظاہر ہوا تو اسکے آقا کے لئے یہ جائز ہے کہ کہہ دے میرا نطفہ نہیں ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ عزل کے بعد اور پیشاب سے پہلے پھر اس وقت اس نے وطن نہ کی ہو دوسری شرط یہ ہے کہ لونڈی گھر سے باہر آتی جاتی ہو، اگر پردہ نشین ہے تو حمل کی نفی جائز نہیں ہے اس لئے کہ ہو سکتا ہے عزل کے وقت منی کے کچھ قطرات اندر گر گئے ہوں، تیسری شرط یہ ہے کہ اس کو ظن غالب ہو کہ واقعی وہ حمل اس کے نطفہ سے نہیں ہے۔

و خیرت امته و لو ام ولد و مکاتبہ و لو حکما کمتعقة بعض عتقت تحت حرا و عبد و لو کان النکاح برضاها دفعا لزیادة الملك علیها بطلقة ثالثة فان اختارت نفسها فلا مهر لها او زوجها فالمهر لسیدها و لو صغيرة تأخر لبلوغها و لیس لها خيار بلوغ فی الاصح او کانت الامه عند النکاح حرة ثم صارت امه بان یرتد و لحقا بدار الحرب ثم سبیا فاعتقت خیرت عند الثانی خلافا للثالث مبسوط والجهل بهذا الخيار خيار العتق عذر فلو لم تعلم به حتی ارتد و لحقا فعلمت ففسخت صح الا اذا قضی بالحاق و لیس هذا بحکم بل فتویٰ کافی۔

خيار عتق

لونڈی کی شادی چاہے آزاد سے ہو چاہے غلام سے اور گواہی رضا مندی سے ہوئی ہو، جب اسکو آزادی حاصل ہو جائے گی تو اس کو آزادی کے بعد زمانہ غلامی کے نکاح کے باقی رکھنے اور ختم کرنے کا اختیار ہے، خواہ وہ لونڈی مکاتبہ یا ام ولد ہی کیوں نہ ہو، پوری مکاتبہ ہو یا حکماً مکاتبہ ہو، کہ پوری آزاد نہ ہو، بلکہ کچھ حصہ آزاد ہو چکا ہو اور کچھ غلام ہو۔ اور یہ نکاح باقی رکھنے اور ختم کرنے کا اختیار آزادی کے بعد لونڈی کو اس لئے دیا گیا ہے، کہ پہلے وہ دو طلاق سے بالکلیہ علیحدہ ہو سکتی تھی اور اب وہ تین طلاق سے ختم ہوگی۔ اس لئے اس کو اختیار دیا گیا ہے۔

حق مہر اگر آزاد ہونے کے بعد لونڈی نے نکاح توڑ لیا، تو اگر وطی نہ ہوئی ہو تو اس کو کچھ مہر نہیں ملے گا اس لئے کہ جدائی خود اس کی طرف سے پائی گئی، اور اگر وطی ہو چکی تھی تو اس کا مہر اس کے مولیٰ کو ملے گا، جس نے آزاد کیا، اور جس کی ملکیت کے زمانہ میں شادی ہوئی تھی، اور اگر اس نے نکاح نہیں توڑا اور پہلے شوہر کو باقی رکھا، تو دونوں صورتوں میں مہر مولیٰ کو ملے گا، خواہ وطی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

اور آزاد لونڈی آزاد ہونے کے وقت نابالغہ تھی، تو اس کا اختیار نکاح توڑنے اور رکھنے کا اس کے بالغ ہونے تک موخر رہے گا کیونکہ نابالغی کے فیصلہ کا اعتبار نہیں ہوگا، اور صحیح ترمذیہ یہ ہے کہ اس کو اختیار بلوغ حاصل نہیں ہوگا۔
 لونڈی کو نکاح رکھنے نہ رکھنے کا اختیار اس وقت بھی ہوگا کہ جس وقت اس کا نکاح ہوا تھا اور وہ آزاد تھی، پھر وہ لونڈی ہو گئی، اور اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ میاں بیوی آزاد تھے، کہ دونوں مرتد ہو گئے اور دارالحرب میں جا بے پھر وہاں سے قید ہو کر دارالاسلام میں لائے گئے، اس کے بعد آزادی حاصل ہوئی۔

خیار عتق کا معلوم نہ ہونا آزاد ہونے کے بعد نکاح کے سلسلہ میں عورت کو جو اختیار حاصل ہوتا ہے، اگر کسی عورت کو یہ مسئلہ معلوم نہ ہو تو یہ عذر قابل تسلیم ہے، کیونکہ لونڈی مولیٰ کی خدمت میں مشغول رہتی ہے، مسئلہ سمجھنے کا موقع اسے حاصل نہیں ہوتا ہے البتہ خیار بلوغ یعنی بالغ ہونے کے بعد جو اختیار حاصل ہوتا ہے اس کا نہ جاننا عذر شمار نہیں ہوتا ہے۔

لونڈی کو اختیار حاصل ہونے کا مسئلہ معلوم نہیں تھا، آزاد ہونے کے بعد دونوں میاں بیوی مرتد ہو گئے اور دارالحرب سے جا ملے، پھر گرفتار ہو کر یا مسلمان ہو کر وہاں سے دارالاسلام میں آئے، اب اس کو ”خیار عتق“ کا مسئلہ معلوم ہوا اس کے جاننے کے بعد اس لونڈی نے نکاح فسخ کیا تو اتنی مدت گزر جانے کے باوجود یہ نکاح توڑنا اس کے لئے درست ہوگا، کیونکہ نہ جاننے کا عذر تھا۔ لیکن جب قاضی نے حکم دیا ہو کہ یہ کفار سے مل گئے تو پھر اس فیصلے کے بعد نکاح فسخ کرنا درست نہ ہوگا۔

ولا یعوق علی القضاء ولا یبطل بسکوت ولا یثبت لغلाम و یقتصر علی مجلس کخیار
مخیرة بخلاف خیار البلوغ فی الكل فالبیة نکح عبد بلا اذن لعتق او باعه فاجاز المشتري
نفذ لزوال المانع و کذا حکم الامة و لا خیار لها لکون النفوذ بعد العتق فلم تتحقق زیادة
الملک و کذا لو اقترنا بان زوجها لفضولی و اعتقها لفضولی و اجازهما المولی و کذا
مدبرة عتقت بموته و کذا ام الولد ان دخل بها الزوج و الا لم ینفذ لان عدتها من المولی
تمنع نفاذ النکاح فلو وطی الزوج الامة قبله ای العتق فالمر المسمى له ای المولی و
بعده فلها لمقابلته بمنفعة ملکها.

خیار عتق میں قضائے قاضی کی ضرورت نہیں خیار عتق قاضی کے حکم پر موقوف نہیں ہوتا ہے اور نہ خاموش رہنے سے وہ باطل ہوتا ہے البتہ نابالغ غلام کے لئے خیار عتق ثابت نہیں ہے، یعنی نابالغ غلام آزاد ہوگا، تو اس کو خیار عتق حاصل نہیں ہوگا یہ اختیار غلام کا بعد آزاد ہونے

کے مجلس علم پر موقوف ہے چنانچہ عورت کو جس مجلس میں اپنی آزادی کا علم ہوا اور اس نے اپنا اختیار آزادی استعمال نہیں کیا تو اس کا اختیار باطل ہو گیا، جس طرح وہ عورت جس کو اس کے شوہر نے طلاق دے لینے کا اختیار دیا اور عورت کو علم ہوا، اور اس مجلس میں اختیار استعمال نہیں کیا، تو اس کا اختیار باطل ہو گیا۔ اس کے برعکس خیار بلوغ کا مسئلہ ہے اولاً قضائے قاضی پر موقوف ہے اور دوسرے یہ کہ سکوت سے یہ اختیار باطل ہو جاتا ہے اور یہ آخر مجلس تک مسمد نہیں ہوتا ہے، اور اس باب میں مسئلہ نہ جاننا عذر نہیں ہوتا ہے۔

بلا اجازت نکاح

کسی غلام نے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا پھر وہ آزاد ہو گیا، یا آقا نے اسے بچ ڈالا، خریدار نے اس کے اس نکاح کو نافذ کر دیا تو نکاح جائز ہو جائے گا، کیونکہ جو مانع نکاح تھا وہ جاتا رہا، اور آزاد ہونے کے بعد مولیٰ کا کوئی حق باقی نہیں رہا لہذا اس کی اجازت کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

لوٹڈی کا بھی یہی حکم ہے یعنی وہ بھی مولیٰ کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں کر سکتی ہے، لیکن اگر بلا اجازت کر لیا، اور آزاد ہو گئی تو وہ نکاح سابق نافذ ہو جائے گا، اس صورت میں لوٹڈی کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا، کیونکہ نکاح کا نفاذ آزادی کے بعد ہوا ہے، پہلے نہیں، تو ملک کی زیادتی کہ دو طلاق سے تین کی ملکیت حاصل ہو جائے ثابت نہیں ہوئی۔

فسخ نکاح کا اختیار

اسی طرح لوٹڈی کو اس نکاح کے فسخ کرنے کا اختیار نہیں، جس کو آزادی اور اجازت نکاح ساتھ ساتھ حاصل ہوئی ہو اس کی صورت یہ ہو کہ ایک فضولی شخص نے اس کا نکاح کر دیا اور دوسرے فضولی نے اس کو آزاد کر دیا اور مولیٰ نے نکاح اور آزادی دونوں کو جائز رکھا اسی طرح اس مدبرہ لوٹڈی کو بھی فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہے، جس نے اپنا نکاح مولیٰ کی اجازت کے بغیر کیا اور مولیٰ کے مر جانے سے وہ آزاد ہو گئی۔

اسی طرح اس ام ولد کو بھی فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہے، جس نے اپنا نکاح مولیٰ کی بلا اجازت کیا، پھر وہ آزاد ہوئی اگر اس کے ساتھ اس کا شوہر ہم بستر ہو گیا ہے تو نکاح نافذ ہو گیا، اور اگر آزادی سے پہلے جماع نہیں کیا تھا، تو اس کا نکاح نافذ نہیں ہوگا، کیونکہ اگر مولیٰ کے مرنے سے آزاد ہوئی ہے تو اس کی عدت اس کے نفاذ کے لئے مانع ہو جائے گی، اور اگر آزادی سے پہلے اس کا شوہر اس کے ساتھ وطی کر چکا ہے تو اب مولیٰ کی عدت ختم ہو گئی۔

حق مہر

اب اگر آزادی سے پہلے لوٹڈی کے شوہر نے اس کے ساتھ وطی کی ہے تو مہر معین کا حق مولیٰ کو حاصل ہوگا اور آزاد ہو جانے کے بعد وطی کی ہے تو مہر کی مالک عورت ہوگی کیونکہ مہر دراصل وطی کا بدلہ ہے، اس لئے آزادی کے بعد وطی سے مہر کی مالک عورت ہوگی آقا نہیں ہوگا۔

و من وطی قنہ ابنہ فولدت فلو لم تلد لزم عقربا و ارتکب محرماً ولا یحد فاذلہ فادعاه
الاب و هو حر مسلم عاقل ثبت نسبہ بشرط بقاء ملک ابنہ من وقت الوطی الی الدعوة و
بیعہا لآخرہ مثلاً لا یضر نہر بحثا فصارت ام ولده لاستناد الملك لوقت العلوق و علیہ
قیمتہا و لو فقیراً لقصور حاجة بقاء نسلہ عن بقاء نفسه و لذا یحل له عند الحاجة الطعام لا
الوطی و یجبر علی نفقة ابیہ لا علی دفع جاریة التسریہ لا عقربا و قيمة ولدها مالہ تکن
مشرکة فتجب حصۃ الشریک و هذا اذا ادعاه وحده فلو مع الابن فان شریکین قدم الاب

والا فالابن و لو ادعی ولد ام ولده المنفی او مدبرته او مکاتبته شرط تصدیق الابن.

بیٹے کی لونڈی کا استعمال کسی باپ نے اپنے بیٹے کی لونڈی سے وطی کی، جس سے وہ حاملہ ہو گئی اور بچہ جنا، پھر باپ نے اس لونڈی کے بچہ کا دعویٰ کیا، اور حال یہ ہے کہ وہ باپ آزاد اور مسلمان عاقل و بالغ ہے، تو اس سے اس بچہ کا نسب ثابت ہوگا، بشرطیکہ اس کے لڑکے کی ملکیت وطی سے لے کر دعویٰ تک باقی رہی ہو اور وہ لونڈی اس کے باپ کی ام ولد ہو جائے گی، کیونکہ بیٹے کا مال باپ کا مال کہلاتا ہے اور باپ پر اس لونڈی کی قیمت واجب ہوگی اور اگر باپ نے وطی کی اور لونڈی کو بچہ نہیں ہوا، تو وطی کرنے والے باپ پر مہر مثل لازم ہوگا، اور باپ حرام کا مرتکب کہا جائے گا اور اگر کوئی اس کو زنا کی تمہت لگائے گا تو تمہت لگانے والے پر حد قذف جاری نہیں ہوگی۔

اگر اس لونڈی کو مالک نے اپنے بھائی کے ہاتھ بیچ دیا، تو اس سے کچھ نقصان نہیں، اس لئے کہ باپ کے دونوں بیٹے اس کے لئے برابر ہیں، باپ کا حق بیٹے پر بہت ہے، اسی واسطے باپ کے لئے بوقت ضرورت بیٹے کا کھانا کھانا جائز ہے، لیکن بیٹے کی لونڈی سے وطی جائز نہیں ہے۔ چنانچہ لونڈی کے باپ کے حوالہ کرنے پر جبر کا حکم نہیں کیا جائے گا، لیکن باپ کھانے کا محتاج ہو تو بیٹے پر اس کے لئے جبر کرنا درست ہے اور اسے مجبور کیا جائے گا کہ وہ باپ کا نان نفقہ برداشت کرے۔

ایک سوال کا جواب سوال یہ ہے کہ جب مجبوری کے وقت بیٹے پر باپ کے نفقہ کے لئے جبر کی اجازت ہے تو آخر بقائے نسل اور منی کی حفاظت کے لئے جب باپ نے پریشانی دور کرنے کے لئے بیٹے کی لونڈی سے وطی کر لی تو باپ پر لونڈی کی قیمت واجب کیوں قرار دی گئی؟

جواب کا حاصل یہ ہے کہ کھانے میں جان کی حفاظت ہے، اور منی کی حفاظت میں نسل کی بقا ہے اور جان کی حفاظت بقائے نسل پر مقدم ہے، دونوں برابر نہیں ہیں، اس لئے وطی کرنے پر لونڈی کی قیمت واجب قرار دی گئی، لیکن کھانا کھالینے پر قیمت واجب قرار نہیں دی گئی۔ ایک میں لذت نفس ہے اور دوسرے میں جان کا بچانا ہے۔

باپ پر وطی کرنے اور بچہ پیدا ہونے کی وجہ سے لونڈی کی قیمت واجب ہے، اس کا مہر مثل اور اس کے بچہ کی قیمت باپ کے ذمہ واجب نہیں ہے، شرط یہ ہے کہ لونڈی خالص لڑکے کی ہو، کوئی اس میں دوسرا شریک نہ ہو، اور اگر دوسرا اس لونڈی میں شریک ہوگا، تو اس کے حصہ کے مطابق مہر مثل واجب ہوگا۔

بچہ کا نسب پہلے مسئلہ میں جو یہ کہا کہ وطی کے بعد باپ نے دعویٰ کیا ہو کہ پیدا ہونے والا بچہ میرے نطفہ سے ہے، اگر یہ دعویٰ تنہا باپ کا ہے، تو اس کی صورت گزر چکی، لیکن اگر باپ کے دعویٰ کے ساتھ بیٹا بھی دعویٰ کرے تو، اگر لونڈی خالص بیٹے کی ہے تب تو بیٹے کا دعویٰ مقدم ہوگا، اور اگر اس لونڈی میں باپ بیٹے دونوں شریک ہوں تو باپ کا دعویٰ مقدم ہوگا۔

اپنے بیٹے کی ام ولد کے سلسلہ میں اگر باپ نے یہ دعویٰ کیا کہ ام ولد کا لڑکا میرا ہے، یا اس کے مدبر یا مکاتبہ لونڈی کا بچہ میرا ہے اور اس کا لڑکا ان بچوں کی خود سے نفی کر چکا تھا تو اس کے باپ سے ان بچوں کا نسب اس وقت ثابت ہوگا، جب بیٹا تصدیق کرے گا، ثبوت نسب کی وجہ یہ ہوگی کہ ممکن ہے باپ نے اس کے ساتھ نکاح کر لیا ہو، خواہ نکاح صحیح، خواہ نکاح فاسد، یا اشتباہ سے وطی کر لینا ہو لیکن اگر بیٹے نے اپنے ام ولد کے بچہ کی نفی نہیں کی تو پھر باپ سے اس کا نسب ثابت نہیں ہو سکے گا۔

وجد صحيح كاب بعد زوال و لايتہ بموت و کفر و جنون و رق ليه ای فی الحکم
المذکور لا یكون کلاب قبلہ ای قبل الزوال المذکور و یشرط ثبوت ولايتہ من
الوطی الی الدعوة ولو تزوجها و لو فاسداً أبوه و لو بالولاية فولدت لم تصر ام ولده
لتولده من نکاح و یجب المهر لا القيمة و ولدها حر لملك اخیه له و من الحیل ان یملك
امته لطفله ثم یتزوجها و لو وطی جاریة امراته او والده او جده فولدت و ادعاه لا یثبت
النسب الا بتصدیق المولی فلو کذبه ثم ملک الجاریة وقتا ما ثبت النسب و سیجی فی
الاستیلاء.

باپ کی جگہ دادا باپ کی ولایت جب اس کی موت کے بعد، یا کافر ہو جانے یا مجنون ہونے یا غلام ہو جانے کے بعد ختم ہو جائے تو، اس کی جگہ دادا ہو جاتا ہے، یعنی اگر دادا پوتے کی لونڈی کے بچہ کا دعویٰ کرے، تو پوتے کی تصدیق کے بعد دعویٰ صحیح ہوگا، باپ کی ولایت کے ہوتے ہوئے دادا باپ کی جگہ نہیں ہوگا۔

دادا کا دعویٰ نسب اس وقت ثابت ہوگا، جب دادا کی ولایت وطی کے وقت سے لے کر دعوائے نسب تک رہی ہو۔

باپ کا نکاح بیٹے کی لونڈی سے اگر باپ نے اپنے بیٹے کی لونڈی سے نکاح کیا، گو نکاح فاسد ہو، اور گو باپ نے نکاح بولایت کیا ہو، اس صورت میں کہ بیٹے کو کسی وجہ سے حق ولایت

نہیں حاصل تھی، جیسے مجنون وغیرہ ہو گیا تھا، اب اگر لونڈی کو بچہ ہوا تو اس کے باپ کی ام ولد نہیں ہوگی، اس لئے کہ بچہ بواسطہ نکاح پیدا ہوا ہے۔ اور باپ پر مہر مثل یا متعین مہر واجب ہوگا، لونڈی کی قیمت واجب نہیں ہوگی، اور لونڈی کا بچہ آزاد ہوگا، کیونکہ اس بچہ کا بھائی اس کا مالک ہوا ہے اس قرابت کی وجہ سے آزاد ہو گیا۔

ام ولد نہ ہونے دینے کا حیلہ جو شخص لونڈی سے وطی کرنا چاہے مگر اسی کے ساتھ یہ بھی چاہے کہ لڑکا پیدا ہونے سے وہ لونڈی ام ولد نہ بن جائے تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ اپنی لونڈی کو اپنے

لڑکے کی ملکیت میں کر دے، خواہ بذریعہ بیع، خواہ بذریعہ ہبہ، پھر اس لونڈی سے نکاح کرے، اب جب بچہ پیدا ہوگا، تو یہ لونڈی باپ کی ام ولد نہیں بنے گی، اور بچہ بوجہ قرابت آزاد ہوگا۔

باپ دادا یا بیوی کی لونڈی سے وطی اگر کسی نے اپنی بیوی کی لونڈی سے وطی کی، یا اپنے باپ کی، لونڈی سے وطی کی، یا اپنے دادا کی لونڈی سے وطی کی پھر اس کو بچہ ہوا، اور وطی کرنے

والے نے نسب کا دعویٰ کیا تو نسب ثابت نہیں ہوگا، مگر اس وقت جب لونڈی کا مالک اس کی تصدیق کر دے گا، اور اگر مالک نے اس کی تکذیب کر دی البتہ اگر مدعی لونڈی کا مالک ہو گیا اپنی زندگی میں کسی وقت بھی، تو نسب ثابت ہوگا اور بچہ آزاد ہوگا، یہ مسئلہ آئندہ تفصیل سے آئے گا۔

حرۃ متزوجة برقیق قالت لمولی زوجها الحر المکلف اعتقه عنی بالف او زادت و رطل
من خبر اذا الفاسد هنا کالصحيح ففعل فسد النکاح لتقديم الملك اقتضاء کانه قال بعته

منك او اعتقته عنك لكن لو قال كذلك وقع العتق عن المأمور لعدم القبول كما في الحواشي السعدية و مفاده انه لو قال قبلت وقع عن الامر و الولاء لها و لزمها الالف و سقط المهر و يقع العتق عن كفارتها ان نوته عنها و لو لم تقل بالالف لا يفسد لعدم الملك والولاء له لانه المعتق.

آزاد بیوی کا اپنے غلام شوہر کو خریدنا غلام کی آزاد بیوی نے اپنے شوہر کے مولیٰ سے جو خود آزاد و مکلف تھا، کہا اس کو میری طرف سے ہزار روپیہ یا کچھ زیادہ پر آزاد کر دے، اس کے مولیٰ نے آزاد کر دیا، تو نکاح فاسد ہو جائے گا، اس لئے کہ جب وہ بیوی کی طرف سے آزاد ہوا تو گویا پہلے اس کی بیوی اس کی مالک ہو گئی پھر اس کی طرف سے وہ آزاد ہوا۔ مالک ہوتے ہی اس کا نکاح فاسد ہو گیا۔

ایجاب کے بعد قبول کی شرط لیکن اگر غلام کے مولیٰ نے صراحتاً اس طرح کہا کہ میں نے اس کو تیرے ہاتھ بیچا یا تیری طرف سے اس کو آزاد کیا، تو آزادی مولیٰ کی طرف سے ہوگی، کیونکہ حکم دینے والے کی طرف سے قبول نہیں پایا گیا، گویا صرف ایجاب ہوا، قبول نہیں پایا گیا اس لئے بیع کامل نہیں ہوئی پہلے مسئلہ میں ضمایع منعقد ہو گئی تھی، گویا ضمنی میں قبول کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، اور صراحتاً میں قبول کرنا ضروری ہوتا ہے، اگر بیچنے کے بعد حکم دینے والے نے کہا کہ میں نے قبول کیا، تو بیع مکمل ہو جائے گی، اور آزادی اسی کی طرف سے ہوگی۔

حق ولاء اور اس غلام کی ولاء اس کی آزاد بیوی کو حاصل ہوگی، جس نے آزاد کر دیا ہے، اور اس کو لازم ہوگا کہ اس غلام کے مولیٰ کو ہزار روپیہ ادا کر دے، اور مولیٰ پر جو مہر تھا وہ ساقط ہو جائے گا۔ ولاء یہ ہے کہ اگر آزاد ہونے والے غلام کے مرنے کے بعد اس کا کوئی وارث نہیں ہوگا تو آزاد کرنے والا اس کا وارث قرار پائے گا۔ آزادی عورت کے کفارہ میں ہو سکتی ہے اگر وہ اپنے کفارہ میں آزاد کرنے کی نیت کرے گی۔

اگر آزاد بیوی نے اس طرح نہیں کہا، کہ اس کو ہزار روپیہ کے بدلہ آزاد کرو۔ بلکہ صرف یہ کہا کہ آزاد کر دو، تو پھر اس کا نکاح فاسد نہ ہوگا۔ کیونکہ اس وقت بیوی اپنے غلام شوہر کی مالک نہیں ہوگی اور اس وقت حق ولاء مولیٰ کو حاصل رہے گا۔ اور آزادی اسی کی طرف سے ہوگی۔

باب نکاح الکافر

يشمل المشرک والکتابی و هنا ثلاثة اصول الاول ان کل نکاح صحيح بين المسلمين فهو صحيح بين اهل الکفر خلافاً لمالك و يردہ قوله تعالى (و امراته حمالة الحطب، و قوله عليه الصلوة والسلام ولدت من نکاح لا من سفاح والثاني ان کل نکاح حرم بين المسلمين لفقد شرطه كعدم شهود يجوز في حقهم اذا اعتقدوه عند الامام و يقرون عليه

بعد الاسلام والثالث ان كل نكاح حرم لحرمة المحل كمحارم يقع جائزاً و قال مشائخ العراق لا بل فاسد والاول اصح و عليه فتجب النفقة و بحد قاذفه واجمعوا على انهم لا يتوارثون لان الارث ثبت بالنص على خلاف القياس في النكاح الصحيح مطلقاً فيقتصر عليه ابن ملك اسلم المتزوجان بلا سماع شهود او في عدة كافر معتقدين ذلك اقرا عليه لانا امرنا بتركهم و ما يعتقدون.

کافروں کے نکاح کا بیان

(۱) کافر مشرک اور کتابی دونوں کو شامل ہے، کافروں کے نکاح کے سلسلہ میں تین بنیادی قاعدے ہیں پہلا قاعدہ یہ ہے کہ جو نکاح مسلمانوں میں ہاہم درست ہے وہ کافروں کے درمیان بھی درست ہے، البتہ امام مالکؒ یہ کہتے ہیں کافروں کا نکاح صحیح نہیں ہوتا ہے، لیکن امام مالکؒ کے اس قول کا رد قرآن کی اس آیت سے ہوتا ہے جس میں ابولہب کی بیوی کو بیوی کہا گیا ہے وَأَمْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ، اسی طرح اس حدیث نبوی سے بھی ہوتا ہے کہ آپ نے فرمایا وَلِدْتُ مِنْ نِكَاحٍ لَا مِنْ سِفَاحٍ میں نکاح سے پیدا ہو، زنا سے پیدا نہیں ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام سے پہلے جو نکاح ہوتا تھا اسے نکاح مانا گیا ہے، دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ نکاح جو مسلمانوں میں ہاہم شرط کے نہ پائے جانے سے حرام ہے جیسے جب گواہ نہ ہوں، یہ سارے نکاح کافروں کے حق میں جائز ہیں جب کہ وہ اس کے درست ہونے کا اعتقاد رکھتے ہوں، امام اعظم کا مسلک یہی ہے چنانچہ اگر کافر جوڑا مسلمان ہو جائے تو ان دونوں کو اسلام قبول کرنے کے بعد اسی پہلے نکاح پر باقی رکھا جائے گا جدید نکاح کی ضرورت نہیں ہوگی، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں ان لوگوں کو جو دونوں میاں بیوی مسلمان ہوئے پہلے نکاح پر ہی باقی رکھا، دوبارہ نکاح نہیں کیا، اور نہ اس کی تلقین فرمائی کہ تمہارا پہلے کس طرح نکاح ہوا تھا، تیسرا قاعدہ یہ ہے کہ وہ نکاح جو مسلمانوں میں محل کی حرمت کی وجہ سے حرام ہے جیسے محارم سے نکاح، یہ سارے نکاح کافروں کے جائز ہوں گے اور مشائخ عراق کہتے ہیں درست قرار نہیں دیئے جائیں گے بلکہ وہ فاسد ہوں گے ان میں پہلا قول صحت نکاح والا صحیح ہے، اور اسی قول کی بنیاد پر عورت کا نفقہ واجب ہو گا اور جو تہمت لگائے گا اس پر حد جاری ہوگی۔

کافروں کی وراثت فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کافر نکاح کے راستہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے ہیں کیونکہ زوجین کی وراثت نکاح صحیح میں نص سے ثابت ہوئی ہے جو خلاف قیاس ہے لہذا اسی پر منحصر رہے گی، عام نہیں ہوگی (البتہ کافر نسب کی راہ سے ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، مثلاً ایک کافر نے اپنی بہن سے نکاح کیا اور مر گیا تو عورت نکاح کی وجہ سے زوجہ کی وراثت نہیں ہوگی لیکن بہن ہونے کی وجہ سے وارث ہوگی)

کس نکاح پر باقی رکھا جائے گا دو میاں بیوی جو کافر تھے مسلمان ہوئے اور ان دونوں کا نکاح اس طرح ہوا تھا

کہ نکاح میں گواہ نہیں تھے۔ جنہوں نے ایجاب و قبول سنا ہو، یا عورت اپنے پہلے شوہر کی عدت میں تھی اور اسی حال میں اس کا نکاح ہو گیا تھا اور یہ ایسے نکاح کے درست ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے تو ان کو اس نکاح پر اسلام کے بعد برقرار رکھا جائیگا۔ کیونکہ ہمیں یہی حکم ہے کہ ان کو ان کے معتقدات پر چھوڑ دیں اور باقی رہنے دیں۔

و لو كانا ای المتزوجان اللذان اسلما محرمين او اسلم احد المحرمين او ترافعا اليها وهما على الكفر فرق القاضي او الذي حكما بينهما لعدم المحلية و بمرافعة احدهما لا يفرق ببقاء حق الآخر بخلاف اسلامه لان الاسلام يعلو ولا يعلى عليه الا اذا طلقها ثلثا و طلبت التفريق فانه يفرق بينهما اجماعاً كما لو خالعهما ثم اقام معها من غير عقد او تزوج كتابية في عدة مسلم او تزوجها قبل زوج آخر و قد طلقها ثلثا فانه في هذه الثلاثة يفرق من غير مرافعة بحر عن المحيط خلافا للزيلعي والحاوي من اشتراط المرافعة و اذا اسلم احد الزوجين المجوسيين او امرأة الكتابي عرض الاسلام على الآخر فان اسلم فيها و الا بان ابي و سكت فرق بينهما و لو كان الزوج صبيا مميزا اتفاقا على الاصح و الصبية كالصبى فيما ذكر والاصل ان كل من صح منه الاسلام اذا اتى به صح منه الالباء اذا عرض عليه و ينتظر عقل اى تميز غير المميز و لو كان مجنونا لا ينتظر لعدم نهايته بل يعرض الاسلام على ابويه فايهما اسلم تبعه فيبقى النكاح فان لم يكن له اب نصب القاضي. و حيا فيفزع عليه بالفرقة باقاني عن البهمني عن روضة العلماء للزاهدي.

تفریق کب ہوگی اگر دو کافر مسلمان ہونے والوں میں دونوں محرم ہوں یا دو محرموں میں سے ایک مسلمان ہو یا دونوں نے اپنا مقدمہ مسلمان قاضی کے پاس دائر کیا اس طرح کہ وہ دونوں کفر پر قائم ہوں تو قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کر دے گا اور حکم اگر ہے تو وہ، کیونکہ یہ محل نکاح نہیں ہے لیکن دونوں میں سے صرف ایک مقدمہ لائے تو تفریق نہیں کرائی جائے گی، کیونکہ دوسرے کا حق باقی رہا، البتہ ایک مسلمان ہو چکا ہے تو پھر تفریق کرادی جائیگی اسلئے کہ اسلام بلند ہے پست نہیں ہو سکتا ہے۔

مگر جب مرد نے اپنی عورت کو تین طلاق دی ہو اور عورت تفریق چاہتی ہو تو اس وقت ایک کی نالش سے تفریق کرادی جائے گی اس پر سمجھوں کا اتفاق ہے۔ اس لئے کہ تین طلاق سے نکاح بالکلیہ ختم ہو جاتا ہے جیسے مرد نے عورت سے خلع کیا پھر اس کے ساتھ قیام کیا اور بغیر عقد کے ایسا کیا، یا کافر نے کتابیہ سے نکاح کیا کسی مسلمان کی عدت میں، یا کسی نے عورت سے دوسرے شوہر کے پہلے نکاح کیا حالانکہ وہ اس کو تین طلاقیں دے چکا تھا تو تین صورتوں میں بغیر نالش تفریق کر دی جائے گی، کذا فی البحر عن المحيط خلافا عن الزیلعی، زیلعی وغیرہ کہتے ہیں جب نالش ہوگی تب تفریق کی جائے گی، بغیر نالش تفریق نہیں ہوگی۔

دو کافر میاں بیوی میں ایک کا مسلمان ہونا

دو مجوسی میاں بیوی میں سے ایک مسلمان ہو جائے یا کسی کتابی مرد کی بیوی مسلمان ہو جائے تو اس صورت میں دوسرے پر اسلام پیش کیا جائے گا اگر اس دوسرے نے اسلام قبول کر لیا تو بہت خوب ہوا کہ نکاح باقی رہ گیا، اور اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا، یا خاموش رہا، تو دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی، اگرچہ شوہر نابالغ سمجھ دار ہو، تو بھی انکار سے تفریق ہوگی، اس میں کسی کا اختلاف نہیں، سمجھ دار کا مطلب یہ ہے کہ وہ دین اور مذہب کو سمجھتا ہو، بعض نے سات سال عمر اس کے لئے لکھی ہے، مذکورہ احکام میں بچی بچہ کی طرح ہے یعنی اگر کتابی شوہر مسلمان ہو جائے گا اور اس کی بیوی سمجھ دار نابالغ ہے تو اس سے بھی مسلمان ہونے کو کہا جائے گا اور اگر وہ مسلمان ہو گئی تو نکاح باقی رکھا جائے گا اور مسلمان نہ ہوئی تو تفریق ہو جائے گی اور بنیادی قاعدہ یہ ہے کہ جس کا مسلمان ہونا درست ہے اس کا اسلام لانے سے انکار بھی معتبر مانا جائے گا۔ اور وہ نابالغ لڑکا یا لڑکی جس کو تمیز مذہب کی نہیں ہے، اس کے لئے حکم یہ ہے کہ اسکے تمیز کا انتظار کیا جائے گا، لیکن اگر شوہر پاگل ہے تو اس کے جنون کے اچھے ہونے کا انتظار نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ اس کی کوئی حد مقرر نہیں ہے، بلکہ ان کے ماں باپ پر اسلام پیش کیا جائے گا ان میں سے اگر کوئی مسلمان ہو جائے گا تو وہ لڑکا اسی کے تابع قرار دے کر مسلمان تسلیم کر لیا جائے گا اور اس طرح نکاح میاں بیوی کے درمیان باقی رہ جائے گا۔ اگر اس کے ماں باپ نہ ہوں تو قاضی اس کی طرف ایک وصی کو مقرر کرے گا پھر اس پر تفریق کا حکم ہوگا۔

و لو اسلم الزوج و هی مجوسية فتہودت او تنصرت بقى نکاحها کما لو کانت فی الابتداء كذلك لانها کتابية مالا و التفریق بینہما طلاق ینقص العدد لو ابی لا لو ابت لان الطلاق لا یكون من النساء و اباء المميز و احد ابوی المجنون طلاق فی الاصح و هی من اغرب المسائل حیث یقع الطلاق من صغیر و مجنون زلیعی و فیہ نظر اذا الطلاق من القاضی و هو علیہما لا منہما فلیسا باہل للایقاع بل للوقوع کما لو ورث قریبہ و لو قال ان جنت فانت طالق فجئن لم یقع بخلاف ان دخلت الدار فدخلها مجنوناً وقع۔

شوہر مسلمان ہو گیا اور اس کی بیوی مجوسی تھی وہ یہودیہ ہو گئی یا نصرانی ہو گئی تو اس کا نکاح باقی رہ جائے گا جیسے اگر پہلے سے مسلمان کی بیوی یہودی یا نصرانی ہو تو یہ نکاح جائز رہتا ہے اور باقی رہتا ہے، اسی طرح جب مجوسیہ یہودیہ یا نصرانیہ ہو گئی تو انجام کے اعتبار سے اہل کتاب ہو گئی۔ اور کتابیہ سے نکاح جائز ہوتا ہے۔

ان دونوں کے درمیان تفریق طلاق بائن کے حکم میں ہے جو طلاق کے عدد کو کم کر ڈالتا ہے کیونکہ بعد تفریق اگر شادی کرے گا تو تین طلاق کا مالک نہیں ہوگا بلکہ دو ہی کا مالک ہوگا۔ تفریق طلاق کے حکم میں اس وقت ہے جب شوہر اسلام سے انکار کرے، لیکن اگر عورت انکار کرے تو یہ طلاق کے حکم میں نہیں ہے، اس لئے عورتوں کی جانب سے طلاق نہیں ہوا کرتی ہے۔

نابالغ باتمیز شوہر کا انکار اور پاگل شوہر کے ماں باپ کا اسلام کے قبول کرنے سے انکار طلاق کے حکم میں ہے۔ صحیح تر قول یہی ہے اور یہ عجیب و غریب مسائل میں ہے کہ طلاق نابالغ اور مجنون کی طرف سے واقع ہوا یہ نسب میں ہے اور شارح کا کہنا ہے کہ یہ طلاق دراصل قاضی کی طرف سے ہوئی، طلاق اُن دونوں کی طرف سے ڈالی جاتی ہے ان کے اختیار سے نہیں ہوتی اس لئے یہ دونوں طلاق دینے کے اہل قرار نہیں پائے۔ بلکہ طلاق پڑ جانے کے اہل ہیں اس لئے اسے عجیب و غریب مسائل میں شمار کرنا درست نہیں ہے، جیسے یہ نابالغ اور مجنون اگر اپنے قرابت دار کے وارث ہو گئے تو وہ اس کی وجہ سے آزاد ہو جائے گا، تو یہ آزادی دراصل شارع کی طرف سے حاصل ہوئی نہ کہ صغیر و مجنون کی طرف سے۔

طلاق معلق اگر کسی عاقل بالغ نے اپنی بیوی سے اس طرح کہا کہ اگر میں پاگل ہو جاؤں تو تجھ کو طلاق ہے، پھر وہ پاگل ہو گیا تو طلاق واقع نہیں ہوگی، اس لئے کہ طلاق شرط کے پائے جانے کے بعد واقع ہوتی ہے یہاں شرط جنون کی تھی اور جب وہ مجنون ہوا تو مکلف باقی نہیں رہا اس کے خلاف اگر اس نے کہا اگر میں گھر میں داخل ہوں تو تجھ کو طلاق ہے اور گھر میں حالت جنون میں داخل ہوا تو طلاق واقع ہو جائے گی، اس لئے کہ طلاق داخل ہونے پر معلق ہے اور یہ پایا گیا تو طلاق واقع ہوئی واقع کی نہیں گئی۔

و لو اسلم احدهما ای احد المجوسین او امرأة الکتابی ثمه ای فی دار الحرب و ملحق بها کالبحر الملح لم تبین حتی تحيض ثلثا او تمضی ثلثة اشهر قبل اسلام الآخر اقامة لشرط الفرقه مقام السبب و لیست بعدة لدخول غیر المدخول بها و لو اسلم زوج الکتابیة و لو مالا کما مر فهی له و المرأة تبین بتباین الدارین حقيقة و حکماً لا بالسبی فلو خرج احدهما الینا مسلماً او ذمیاً او اسلم او صار فاذمة فی دارنا او اخرج صبیاً و ادخل فی دارنا بانت بتبائن الدار اذ اهل الحرب کالموتی و لا نکاح بین حی و میت و ان سبیاً و اخرجنا الینا معاً ذمین او مسلمین او ثم اسلما او صار اذمین لا تبین لعدم التبائن حتی لو کانت المسیبة منکوحة مسلم او ذمی لم تبین و لو نکحها ثمه ثم خرج قبلها بانت و ان خرجت قبله لا و ما فی الفتح عن المحيط تحریف نهر و من هاجرت الینا مسلمة او ذمیة حائلاً بانت بلا عدة فیحل تزوجها اما الحامل فمتی تضع علی الاظهر لا للعدة بل لشغل الرحم بحق الغیر۔

عدت کب گزارے گی اگر دار الحرب میں یا جو دار الحرب سے ملحق ہے میاں بیوی میں سے جو مجوسی تھے کوئی ایک مسلمان ہو گیا یا کسی اہل کتاب کی بیوی مسلمان ہو گئی تو عورت اس وقت تک جدا نہ ہوگی

جب تک دوسرے کے اسلام لانے سے پہلے اس کو تین حیض نہ آجائے۔ یا تین مہینے نہ گزر جائیں تاکہ فرقت کی شرط سبب کے قائم مقام ہو جائے؛ قاعدہ میں ایک میاں بیوی میں سے جب مسلمان ہو گیا تو دوسرے پر اسلام پیش ہونا چاہئے اور چونکہ دار الحرب میں پیش نہیں کیا جاسکتا ہے اس لئے تین حیض یا تین ماہ کی مدت درمیان میں رکھی یہ مدت قائم مقام اسلام پیش کرنے کے مان لی جائے گی اس حیض اور تین مہینے کو عدت نہیں کہا جائے گا کیوں کہ یہ حکم مدخولہ اور غیر مدخولہ دونوں کے لئے

ہیں، اور یہ مسلم ہے کہ غیر مدخولہ پر عدت نہیں ہے۔

کتابیہ کا شوہر جب مسلمان ہو جائے اگر کسی کتابیہ عورت کا شوہر مسلمان ہو گیا تو وہ عورت اسی کی باقی رہے گی، کیونکہ کتابیہ سے مسلمان کا نکاح درست ہے کافرہ عورت

اپنے شوہر سے دار کے تبائن سے جدا ہو جاتی ہے خواہ یہ تبائن دارین حقیقی ہو خواہ حکمی، مثلاً شوہر دارالاسلام میں ہو اور بیوی دارالحرب میں تو دونوں میں جدائی ہو جائے گی اور تبائن حکمی یہ ہے کہ دارالحرب کا باشندہ دارالاسلام میں بس جانے کے ارادہ سے آئے، واپسی کا قصد نہ ہو، تو اس صورت میں بھی دونوں میں جدائی ہو جائے گی لیکن اگر وہ دارالاسلام میں امان لے کر واپسی کے ارادہ سے آیا ہے تو جدائی نہیں ہوگی۔

اگر دونوں میاں بیوی سے کوئی دارالاسلام میں آگیا خواہ مسلمان ہو کر، خواہ ذمی بن کر، یا وہ اسلام لے آیا، یا ذمی بن گیا، یا دارالحرب سے قید کر کے لایا گیا اور دارالاسلام میں داخل کیا گیا تو اس صورت میں بھی عورت اپنے شوہر سے چھوٹ جائیگی کیونکہ دار کا اختلاف ہو گیا، اسلئے کہ حربی مردہ کے حکم میں ہے اور یہ طے ہے کہ زندہ اور مردہ کے درمیان نکاح نہیں ہوا کرتا ہے۔

تبائن دار کی بحث کافر میاں بیوی دونوں ساتھ ہی گرفتار ہوئے اور دونوں ساتھ ساتھ دارالاسلام میں آئے ذمی بن کر یا مسلمان ہو کر یا دونوں ایمان لے کر آئے اور مسلمان ہو گئے یا امان لے کر آئے اور دونوں ذمی بن گئے تو اس صورت میں دونوں میں جدائی نہیں ہوگی، اس لئے کہ تبائن دارین نہیں پایا گیا، یہاں تک کہ اگر قیدی عورت مسلمان کی منکوحہ ہو یا ذمی کی، تو ان میں جدائی نہیں ہوگی، اس میں کسی سے کوئی برائی یا اختلاف دارین نہیں رہا۔

اگر کسی مسلمان نے دارالحرب میں کسی کتابیہ سے نکاح کیا، اور عورت سے پہلے وہاں سے نکل آیا تو عورت اس سے چھوٹ جائے گی اور اگر عورت پہلے نکل آئی تو جدائی نہیں ہوگی اور جو محیط سے فتح القدر میں منقول ہے وہ تحریف ہے۔ جو عورت مسلمان ہو کر دارالحرب سے دارالاسلام میں آگئی یا ذمیہ بن کر آئی، جب کہ وہ حاملہ نہیں ہے تو وہ اپنے شوہر سے بلا عدت جدا ہو جائے گی لہذا اس سے نکاح کرنا درست ہو گا اور اگر ہجرت کر کے آنے والی حاملہ ہے تو اس وقت اس سے نکاح درست ہو گا جب اس کو بچہ پیدا ہو جائے گا اور یہ انتظار برائے عدت نہیں ہے بلکہ اس لئے ہے کہ اس کی بچہ دانی خالی نہیں ہے، غیر کے حق سے متعلق ہے۔

وارتداد احدهما ای الزوجین فسخ فلا ینقص عددا عاجل بلا قضاء فللموطوءة و لو حکما کل مہرہا لتاکدہ بہ و لغيرہا النصف لو مسمی و المتعة و لو ارتد و علیہ نفقة العدة و لا شی من المہر و النفقة سوی السکنی بہ یفتی لو ارتدت لمجئ الفرقہ منها قبل تاکدہ و لو ماتت فی العدة ورثہا زوجها المسلم استحسناناً و صرحوا بتعزیرہا خمسة و سبعین و تجبر علی الاسلام و علی تجدید النکاح زجراً لہا بمہر یسیر کدینار و علیہ الفتوی و لو الجبة

میاں بیوی میں سے کسی کا مرتد ہونا مسلمان میاں بیوی میں سے کسی ایک کا مرتد ہو جانا فوری طور پر نکاح کا فسخ ہو جاتا ہے جس میں قضاے قاضی کی بھی ضرورت نہیں ہے اور

چونکہ یہ فسخ کے حکم میں ہے لہذا اطلاق کا عدد کم نہ ہو گا، اگر کوئی چند بار مرتد ہو اور پھر بار مسلمان ہو اور ہر مرتبہ جدید نکاح

کیا تو اس صورت میں عورت حلال ہوگی، حلالہ کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

لہذا جس عورت کے ساتھ وطی ہو چکی ہے اگرچہ وہ وطی حکماً ہو جیسے خلوت صحیحہ کا پایا جانا، تو اس صورت میں عورت کل مہر واجب ہوگا کیونکہ وطی حقیقی اور وطی حکمی سے مہر موکد ہو جاتا ہے، مرتد خواہ مرد ہو، خواہ عورت ہوئی ہو، اور اگر وطی نہیں پائی گئی نہ حقیقی نہ حکمی تو مہر متعین ہونے کی صورت میں شوہر پر نصف مہر واجب ہوگا، اور اگر مہر متعین نہیں ہوا تھا تو حصہ یعنی پوشاک کی تعداد ہوگی، اور مرد مرتد ہوا ہے تو اس صورت میں مرد پر عدت کا نفقہ بھی واجب ہوگا، اور اگر عورت مدخلہ نہیں ہے تو اس پر نہ عدت واجب ہوگی اور نہ نفقہ، اور عورت مرتدہ ہوئی تو مرد پر نہ مہر واجب ہوگا اور نہ نفقہ، البتہ رہنے کا مکان عدت کا مکان عدت بھر دینا ہوگا، اسی پر فتویٰ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جدائی عورت کی طرف سے پائی گئی، اور مہر جس سے پختہ اور مضبوط ہوتا ہے یعنی وطی و پائی نہیں گئی، اور اگر وہ مرتدہ عورت اس زمانہ میں فوت ہو جائے گی تو اس کا وارث اس کا مسلمان شوہر ہوگا دلیل استحسان کا تقاضا یہی ہے۔

مرتدہ کی سزا

فقہاء نے لکھا ہے مرتدہ عورت کو پچھتر کوڑے سزا کے طور پر لگائے جائیں گے، یہ امام ابو یوسف کا مذہب ہے فتویٰ اسی پر ہے، بطور زجر اس مرتدہ عورت کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اسلام قبول کرے اور پھر اسی شوہر سے جدید نکاح کرے، مگر مہر معمولی رکھا جائے گا، اسی پر فتویٰ ہے یعنی عورت پسند کرے یا نہ کرے دونوں صورتوں میں، البتہ اگر مرد نکاح نہ کرنا چاہے تو اس کو اس عورت سے نکاح پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے، اس صورت میں عورت کا دوسرے مرد سے نکاح کر دیا جائے گا۔

و ا فتی مشانخ بلخ بعدم الفرقۃ بردتھا زجرا و تیسیرا لا سیما الی تقع فی المکفر ثم تنکر قال فی النہر والافتاء بهذا اولی من الافتاء بما فی النوادر لکن قال المصنف و من تصفح احوال نساء زماننا و ما یقع منہن من موجبات الردۃ مکررا فی کل یوم لم یتوقف فی الافتاء بروایۃ النوادر اقول و قد بسطت فی القنیۃ والمجتبی والفتح والبحر و حاصلها الہا بالردۃ تسترق و تكون فیاء للمسلمین عند ابی حنیفۃ و یشتریہا الزوج من الامام او یصرفہا الیہ لو مصرفا و لو استولی علیہا الزوج بعد الردۃ ملکھا و لہ بیعھا مالہم تکن ولدت منہ فتكون کام الولد نقل المصنف فی کتاب الغصب ان عمر رضی اللہ عنہ ہجم علی نائحۃ فضربھا بالدرۃ حتی سقط خمارھا فقیل لہ یا امیر المومنین قد سقط خمارھا فقال انہا لاحرمۃ لہا و من هنا قال الفقیہ ابوبکر البلخی حین مر بنساء علی شط نہر کاشفات الرؤس والذراع فقیل لہ کیف تمر فقال لا حرمۃ لہن انما الشک فی ایمانہن کانہن حربیات و بقی النکاح ان ارتدا معا بان لم یعلم السبق فیجعل کالفرقی ثم اسلما کذلک استحسنانا و لشد ان اسلم احدهما قبل الآخر ولا مہر قبل الدخول والمتاخر ہی ولو هو فنصفہ و معنہ .

عورت کے مرتد ہونے کا اثر مشائخ کا کہنا ہے کہ عورت کے مرتد ہونے سے جدائی واقع نہیں ہوگی، کیونکہ یہ بھی اس کی ایک سزا ہے اور تاکہ وہ شوہر کے خلاف کوئی حیلہ اختیار نہ کر سکے، اور مخلوق پر آسانی کا بھی یہی تقاضا ہے، بالخصوص وہ عورت جو موجبات کفر کا ارتکاب کرے پھر منکر ہو جائے۔ نہر الفائق میں لکھا ہے کہ اس روایت پر فتویٰ دینا نوادر پر فتویٰ دینے سے بہتر ہے۔

مصنف نے اپنی شرح مخ الغفار میں لکھا ہے کہ جو لوگ ہمارے زمانہ کی عورتوں کے حالات پر گہری نظر رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ عورتوں سے کس طرح بار بار تداو لے کلمات کا ارتکاب پایا جاتا ہے تو وہ نوادر کی روایت پر فتویٰ دینے میں تردد کے شکار نہیں ہوں گے۔

شارح فرماتے ہیں کہ میرا کہنا یہ ہے کہ نوادر کی روایتیں قنویہ وغیرہ میں بہت مبسوط و مشرح ہیں یعنی فتاویٰ قنویہ، مجتبیٰ، فتح القدیر اور بحر الرائق میں یہ بہت مفصل بیان کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت کو مرتد ہونے کی وجہ سے لونڈی بنادیا جاتا ہے اور وہ مسلمانوں کے لئے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غنیمت بن جاتی ہے، اور اگر وہ غنیمت کا مصرف نہ ہوگی تو شوہر اس کو امام سے خرید لے گا اور اگر مال غنیمت کا مصرف ہے تو شوہر اس کو اپنے مصرف میں لائے، اور اگر تداو ل کے بعد شوہر اس پر مسلط ہو تو وہ اس کا مالک ہوگا، اور اس کے لئے اس کا بیچنا درست ہوگا، لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ شوہر سے اس کو کوئی بچہ پیدا نہ ہوا ہو، اور اگر بچہ ہو چکا ہے تو وہ ام ولد کے مثل ہو جائے گی۔

نافرمان عورت کی حرمت باقی نہیں رہتی مصنف نے کتاب النصب میں نقل کیا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ نوحہ اور ماتم کر رہی ہے آپ نے اس کو دڑے لگائے اس دڑے لگانے میں اس کے سر سے کپڑا گر گیا، لوگوں نے عرض کیا امیر المومنین اس کے سر کا کپڑا گر گیا ہے (اور یہ ظاہر ہے کہ عورت کے سر کا کھلنا جائز نہیں ہے) آپ نے جواب میں فرمایا اس کی اس وقت کوئی عزت و حرمت نہیں ہے اسلئے کہ یہ خدا کی نافرمانی میں مبتلا تھی۔

یہیں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ ابو بکر بلخی ایک ایسے نہر کے کنارے سے گذرے جہاں عورتیں سر اور ہاتھوں کو کھولے ہوئے تھیں لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آپ ایسی جگہ سے کیسے گذرے جہاں عورتیں برہنہ سر اور برہنہ ہاتھ تھیں تو اس کے جواب میں فقیہ موصوف نے کہا کہ اس صورت میں ان کی شرعاً کوئی عزت و حرمت نہیں، ان کے ایمان میں بھی شک ہے گویا وہ حربی عورتوں کے مثل ہیں اور حربی عورتیں لونڈیوں کے حکم میں ہوتی ہیں جن کے لئے سر چھپانا اور ہاتھوں کا ڈھکنا واجب نہیں ہے۔

دونوں میاں بیوی کا مرتد ہونا اس صورت میں البتہ نکاح باقی رہے گا جب میاں بیوی دونوں ساتھ ساتھ مرتد ہوں اور معلوم نہ ہو سکے کہ کون پہلے ہو اور کون بعد تو وہ دو ساتھ ڈوبنے والے

کے حکم میں ہوں گے، اور کوئی کسی کا وارث قرار نہیں دیا جائے گا اور یہ نکاح باقی رہنا بطور استحسان ہے، قیاس کا تقاضا نہیں ہے۔ لیکن اگر ان میں سے ایک دوسرے سے پہلے مسلمان ہوگا تو نکاح فاسد ہو جائے گا اور یہ اگر خلوت سے پہلے ہوا ہے تو مہر واجب نہیں ہوگا اگر عورت نے بعد میں اسلام قبول کیا ہے۔ اور بعد میں مرد مسلمان ہوا ہے تو نصف مہر واجب ہوگا، اگر مہر نکاح میں مقرر ہوا تھا، لیکن اگر نکاح میں مہر مقرر ہی نہیں ہوا تھا تو پھر متعہ واجب ہوگا، اور اگر خلوت کے بعد تداو ل اور پھر

اسلام پایا گیا ہے تو جتنا مہر مقرر تھا وہ واجب ہوگا۔

والولد يتبع خیر الابوين دیناً ان اتخذت الدار و لو حکما بان کان الصغیر فی دارنا والاب
ثمہ بخلاف العکس والمجوسی و مثله کوثنی و سائر اهل الشریک شر من الکتابی
والنصرانی شر من الیہودی فی الدارین لانه لا ذبیحة له بل یحرق کمجوسی و فی الآخرة
اشد عذاباً و فی جامع الفصولین لو قال النصرانیة خیر من الیہودیة والمجوسیة کفر
لآبائہ الخیر لما قبح بالقطعی لکن ورد فی السنة ان المجوسی اسعد حالة من المعتزلة
لآبائہ المجوسی خالقین فقط وهؤلاء خالقاً لا عدد له بزایة و نهر.

اولاد کو والدین میں سے اسکے تابع قرار دیا جائے گا جو دین
اولاد، ماں باپ میں مسلمان کے تابع ہوگی کے اعتبار سے بہتر ہو، یعنی اگر باپ مسلمان ہے تو اس کے

تابع ہوگا اور اگر ماں مسلمان ہے تو اس کے تابع ہوگا بشرطیکہ ملک متحد ہو، اگرچہ ایسا حکماً ہو اس طرح کہ لڑکا ہمارے ملک
(دارالاسلام) میں ہو، اور اس کی ماں ذمیہ ہو اور باپ نے دارالحرب میں اسلام قبول کیا ہو، تو گویا بظاہر اختلاف دارین ہے مگر
اس کے باپ کے اسلام قبول کر لینے سے حکماً وہ دارالاسلام میں داخل سمجھا جائے گا لیکن اگر اس کے برعکس ہو کہ لڑکا
دارالحرب میں ہو اور باپ دارالاسلام میں مسلمان ہو تو اس صورت میں لڑکا اسلام میں باپ کا تابع نہیں ہوگا، کیونکہ دار
(ملک) کا اختلاف پایا گیا، حقیقتاً بھی اور حکماً بھی۔

مجوسی اور اسی کی طرح جیسے بت پرست اور دوسرے اہل شرک جن کا دین آسمانی نہیں
کافروں کی تقسیم و درجات ہے وہ کتابی سے بدتر شمار ہوں گے کیونکہ اہل کتاب کا دین ان کے دعویٰ کے مطابق
آسمانی ہے گو حقیقتاً ایسا نہیں ہے اور اسی وجہ سے ان کا ذبیحہ حلال قرار دیا گیا ہے لیکن مجوسی کا ذبیحہ حلال نہیں ہے تو اگر مجوسی اور
کتابی سے مل کر لڑکا پیدا ہوا ہے تو وہ کتابی شمار ہوگا۔

اسی طرح نصرانی یہودی سے بدتر ہے دارالاسلام میں بھی اور دارالحرب میں بھی، کیونکہ نصرانی جانور کو ذبح نہیں کرتے
بلکہ گلا گھونٹ ڈالتے ہیں جیسے مجوسی کرتے ہیں، لیکن یہودی ذبح کرتے ہیں اور آخرت میں نصرانی کیلئے سخت تر عذاب آیا ہے۔
جامع الفصولین میں ہے کہ اگر کوئی اس طرح کہے گا کہ نصرانیت یہودیت اور مجوسیت سے بہتر ہے تو وہ بہتری کو ثابت
کرنے کی وجہ سے کافر ہو جائے گا، کیونکہ دلیل قطعی میں صراحت ہے کہ تمام ایمان میں بہتر صرف دین اسلام ہے، نہ خیر
نصرانیت میں ہے نہ یہودیت میں نہ مجوسیت میں، لیکن حدیث میں آیا ہے کہ مجوسی معتزلہ سے اچھے حال میں ہیں کیونکہ مجوسی
صرف دو خالق کو ثابت کرتے ہیں اور معتزلہ بہت سے خالقوں کو ثابت کرتے ہیں کذا فی البرازیہ، معتزلہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ
تعالیٰ خالق شر نہیں ہے بلکہ اس کے خالق بندے ہیں، تو اس طرح بہت سے خالق ٹھہرے، اور مجوسی ایک خیر کا خالق مانتے
ہیں۔ اور ایک شر کا، پہلے کو یزدان کہتے ہیں اور دوسرے کو اہرمن۔

و لو تمجس ابو صغیرة نصرانیة تحت مسلم بانت بلا مهر و لو کان قد ماتت الام نصرانیة مثلاً و کذا عکسہ لم تبین لتناهی التبعية بموت احدهما ذمیا او مسلماً او مرتدا فلم تبطل بکفر الآخر و فی المحيط لو ارتدا لم تبین مالم يلحقا و لو بلغت عاقلة مسلمة ثم جنت فارتدا لم تبین مطلقاً مسلم تحتہ نصرانیة فتمجسا و تنصرا بانت ولا یصح ان ینکح مرتد او مرتدة احدا من الناس مطلقاً اسلم الکافر و تحتہ خمس نسوة فصاعداً او اختان او ام و بنتها بطل نکاحهن ان تزوجهن بعقد واحد فان رتب فالآخر باطل و خیره محمد والشافعی عملاً بحديث فیروز قلنا کان تخیره فی التزوج بعد الفرقة بلغت المسلمة المنکوحة و لم تصف الاسلام بانت ولا مهر قبل الدخول و ینبغی ان یدکر الله تعالیٰ بجمیع صفاته عندها و تقر بذلك و تمامه فی الکافی.

نابالغہ کے باپ کا اثر مسلمان کی بیوی نابالغہ نصرانیہ کا باپ اگر مجوسی ہو گیا، تو نصرانیہ بلا مہر بائن ہو جائے گی، کیونکہ یہ نصرانیہ دین میں باپ کے تابع ہوگی، تو حکماً یہ بھی مجوسی قرار پائی، تو اس طرح اس کا نکاح باطل قرار پائے گا اور اگر اس کی ماں نصرانیہ مرچکی ہو اور اس کا باپ مجوسی ہو جائے یا اس کے برعکس نابالغہ نصرانیہ کا باپ نصرانی ہونے کی حالت میں مرچکا ہو اور اس کی ماں مجوسیہ ہو جائے تو اس صورت میں وہ مسلمان شوہر سے جدا نہیں ہوگی کیونکہ تابع ہونے کی بات والدین میں سے ایک کے مرنے سے ختم ہو چکی ہے خواہ مسلمان ہو کر ہو یا مذہب ہو کر، اس صورت میں دوسرے کے کافر ہونے سے نکاح نہیں ٹوٹے گا، اور محیط میں یہ ہے کہ نابالغہ کے ماں باپ دونوں مرتد ہو گئے لیکن جب تک یہ دونوں اس کو لے کر دارالحرب میں نہ چلے جائیں اس کے ساتھ مسلمان کا نکاح باقی رہے گا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مرتد پر مسلمان ہونے کے لئے جبر کیا جائے گا جب تک وہ دارالاسلام میں موجود ہے، اس لئے نکاح پر اس کا اثر نہیں پڑے گا۔ اگر نابالغہ کتابیہ جو مسلمان کے نکاح میں تھی وہ عاقلہ بالغہ ہو کر مسلمان ہوئی پھر پاگل ہو گئی، اس کے بعد اس کے ماں باپ مرتد ہو گئے تو اس صورت میں وہ اپنے شوہر سے جدا نہیں ہوگی، خواہ اس کے والدین دارالحرب جا چکے ہوں خواہ نہ گئے ہوں، چونکہ وہ خود بوقت بلوغ مسلمان ہوئی ہے اس لئے والدین کے تابع قرار نہیں دی جائے گی، ایک مسلمان کی بیوی نصرانی تھی، یہ دونوں مجوسی ہو گئے یا نصرانی بن گئے تو اس صورت میں نکاح ٹوٹ جائے گا، اور عورت جدا ہو جائے گی۔

مرتد سے نکاح جائز نہیں مرتد مرد اور مرتدہ عورت سے کسی کا نکاح کرنا درست نہیں ہے خواہ نکاح کرنے والا مسلمان ہو خواہ کافر ہو، خواہ مرتد کسی کے لئے بھی ایسا کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ مستحق قتل ہے اس کو مہلت اس لئے دی جاتی ہے کہ شاید وہ پھر مسلمان ہو جائے۔

ایک کافر مسلمان ہوا جس کے پانچ بیویاں ہیں یا اس سے زیادہ ہیں یا اس کے نکاح میں دو حقیقی بہنیں ہوں، یا اس کے نکاح میں ماں بیٹی دونوں ہوں تو ان کا نکاح اس وقت باطل قرار دیا جائے گا جب ایک عقد میں نکاح ہوا تھا اور اگر یکے بعد دیگرے نکاح کیا تھا تو پہلی کا درست ہو گا اور بعد والی کا باطل و ناجائز، پہلی صورت میں چار کا جائز، پانچویں کا باطل، دوسری صورت میں پہلے

جس بہن سے نکاح ہوا تھا وہ جائز دوسری سے باطل، تیسری صورت میں بھی جس سے پہلے کیا تھا جائز دوسری سے باطل اور امام شافعیؒ اور امام محمدؒ اس کو اختیار دیتے ہیں کہ ان میں چار کو رکھ لے پانچویں کو علیحدہ کر دے، دو بہنوں میں ایک کو رکھ لے دوسری کو علیحدہ کر دے اسی طرح تیسری صورت میں کسی ایک کو رکھ لے دوسری کو علیحدہ کر دے، فحاک بن فیروز کی حدیث ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فیروز دیلمی سے فرمایا کہ ان عورتوں میں چار کو پسند کر لو۔

امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کے جواب میں ہم کہیں گے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس کا اختیار دیا تھا کہ ان میں سے کسی چار سے نکاح کر لے کیونکہ سابق نکاح باطل ہو چکا ہے۔

مسلمان منکوحہ عورت بالغ ہوئی اور اسلام کے ارکان بیان نہ کر سکی تو وہ شوہر سے جدا ہو جائے گی اور اگر خلوت نہیں ہوئی ہے تو مہر بھی نہیں ملے گا اور مرد پر فرض ہو گا کہ وہ عورت کے سامنے اللہ تعالیٰ کی تمام صفات بیان کرے اور اس سے اس کا اقرار کرائے، اگر کر لے تو نکاح قائم رہے گا۔

باب القسم

بفتح القاف القسمۃ و بالكسر النصیب يجب و ظاهر الآية انه فرض ان يعدل ای ان لا يجوز فيه ای فی القسم بالتسوية فی البيتوتة و فی الملبوس و الماکول و الصحبة لا فی المجامعة کالمجة بل يستحب و يسقط حقها بمرة و يجب ديانة احيانا و لا يبلغ مدة الايلاء الا برضاها و يؤمر المتعبد بصحبته احيانا و قدرة الطحاوی بیوم و ليلة من کل اربع لحررة و سبع لامة و لو تضررت من كثرة جماعة لم تجز الزيادة على قدر طاقتها والرای فی تعیین المقدار للقاضی فقضى بما یظن طاقتها نهر بحثا بلا فرق بین فعل و خصی عنین و محبوب و مریض و صحیح و صبی دخل بامراته و بالغ لم یدخل بحر بحثا و اقرة المصنف و مریضة و صحیحة و حائض و ذات نفاس و مجنونة لا تخاف و رتقاء و قرناء و صغيرة یمكن وطیها و محرمة و مظاهر و مولیٰ منها و مقابلاتهن و کذا مطلقة رجعية ان قصد رجعتها والا لا بحر.

بیویوں میں مساوات کا قائم رکھنا

قسم قاف کے زیر کے ساتھ قسمت و تقسیم کے معنی میں آتا ہے اور قاف کے زیر کے ساتھ حصہ کے معنی میں۔ یہاں بیویوں میں مساوات رکھنے کا معنی پایا جاتا ہے، بیویوں کے ساتھ عدل و مساوات واجب ہے اور آیت قرآنی سے معلوم ہوتا ہے

کہ یہ عدل مساوات فرض ہے، یعنی یہ کہ بیویوں کے ساتھ ان کے شوہر ظلم و جور نہ رکھیں، ان کے ساتھ رات گزارنے، اس کو پہنانے، کھلانے اور محبت و سلوک کرنے میں شوہر کو مساوات کا برتاؤ کرنا چاہئے البتہ جمع کے اندر مساوات نہیں ہے جیسے قلبی محبت کے اندر مساوات ممکن نہیں، کیونکہ وطی نشا طبعی پر موقوف ہے اور محبت آدمی کے اختیار میں نہیں ہے۔

بیوی کے ساتھ وطی جماع مرد پر واجب نہیں مستحب ہے، ایک دفعہ بھی شوہر نے بیوی کے ساتھ جماع کر لیا ہے تو قضاء عورت کا حق ساقط ہو جاتا ہے، البتہ دیانۃ بیوی کے ساتھ جماع کرنا کبھی کبھی شوہر پر

واجب ہے، ایلاء کی مدت تک (جو چار ماہ ہے) جماع کا ترک نہیں پایا جانا چاہئے، ہاں خود بیوی کی رضامندی سے ایسا ہو تو مضائقہ نہیں، عبادت گزار کو حکم دیا جائے گا کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ کبھی کبھی جماع بھی کیا کرے، اسی طرح ہر مشغول کو قاضی حکم دے گا کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ کبھی کبھی ضرور ہمبستر ہو، اس کی کوئی خاص مدت مقرر نہیں ہے، امام طحاوی نے آزاد عورت کے لئے ہر چار دن میں ایک رات صحبت (جماع) کے لئے مقرر کی ہے، اور لونڈی کے لئے ہفتہ میں ایک رات۔

اگر کثرت جماع سے عورت کو نقصان پہنچتا ہو تو عورت کی طاقت سے زیادہ جماع کرنے کی اجازت نہیں ہے، قاضی کو اختیار دیا گیا ہے کہ عورت کی صحت و قوی دیکھ کر جماع کی مقدار مقرر کر دے تاکہ دونوں میاں بیوی کے حقوق ادا ہوں۔

شوہر پر بیویوں کے پاس رہنے کی تقسیم رات واجب ہے، خواہ شوہر صحیح و تندرست جمع پر قادر ہو یا شوہر خصی، عنین، محبوب اور مرلیض ہو یا وہ ایسا نابالغ ہو جو عورت کے پاس جا چکا ہو، ہر صورت میں تقسیم واجب ہے، تاکہ انس و محبت پیدا ہو، یا ایسا بالغ جو ابھی عورت سے ہم بستر نہ وہا ہو، اس کے لئے بھی، جو شوہر جماع پر قادر نہ ہو گا وہ کم از کم انس و محبت کا برتاؤ اور دل دہی تو کر سکے گا۔

تقسیم شب میں مساوات تقسیم شب میں مساوات ضروری ہے، اس کی کوئی تمیز اس میں نہیں ہے کہ عورت بیمار ہے یا تندرست، حیض و نفاس والی ہے یا ایسی کم عقل پاگل ہے جس سے نقصان کا

اندیشہ نہ ہو، اسی طرح اس میں بھی تمیز نہیں ہے کہ وہ رتقاء یعنی ایسی عورت ہے جس کی شرمگاہ بند ہے، یا اس کی شرمگاہ میں ہڈی ابھر آئی ہے اور جماع کرنا ناممکن ہو، اور اس نابالغہ میں بھی تمیز نہیں کی جائے گی جس کے ساتھ وطی کی جاسکتی ہو، یا وہ محرمہ یعنی حالت احرام میں ہو، یا ایسی بیوی ہے جس کے ساتھ ظہار کیا ہے یا جس کے ساتھ ایلاء کیا ہے، یا ان کے مقابلے والی ہوں، یعنی حالت احرام میں نہ ہوں، یا اس سے ظہار یا ایلاء نہ کیا گیا ہو، اسی طرح وہ عورت جس کو طلاق رجعی دے چکا، اور رجعت کا ارادہ رکھتا ہو، البتہ اگر رجوع کا ارادہ نہ ہو تو باری اور تقسیم شب میں اس کو رکھا نہیں جائیگا، خلاصہ یہ ہے کہ ان تمام منکوحہ عورتوں کے ساتھ شب کی تقسیم میں عدل و مساوات کا معاملہ کرنا شوہر پر واجب ہے، کسی کو نظر انداز کرنا جائز نہیں ہے۔

و لو اقام عند واحدة شہرا فی غیر سفر ثم خاصتہ الاخری فی ذلک یؤمر بالعدل بینہما فی

المستقبل و ہدر ما مضی و ان اثم بہ لان القسمة تکون بعد الطلب و ان عاد الی الجور بعد

نہی القاضی ایاہ عزز بغیر حبس کما فی جوہرۃ لتقویۃ الحق و هذا اذا لم یقل انما فعلت

ذلک لان خيار الدور الی فحینئذ یقضی القاضی بقدرہ نہر بحثا و البکر و الثیب و الجدیۃ

والقدیمة و المسلمة و الکتابیۃ سواء لا طلاق الایہ و للامۃ و المکاتبۃ و ام الولد و المدبرۃ

والمبعضة نصف ما للحررة ای من البیتوتة والسكنی معها اما النفقة فبحالهما.

گذشتہ ایام کا عوض سفر میں نہ ہونے کے باوجود اگر شوہر نے ایک بیوی کے ساتھ ایک ماہ رات گزاری، اس کی وجہ سے دوسری بیوی شوہر سے اس بات پر برسرِ پیکار ہوئی تو شوہر کو حکم دیا جائے گا کہ آئندہ وہ ایسا نہ کرے بلکہ دونوں میں برابر برابری مقرر کرے، جو گذر چکا اس کا عوض نہیں ہے، گو شوہر اس گذشتہ نالضامی کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔ اس لئے کہ تقسیم بیوی کے طلب کے بعد ہوتی ہے ابتدا میں طلب اس کی طرف سے نہیں پائی گئی تھی، اس لئے گذشتہ دنوں کا عوض نہیں حاصل ہوگا۔

عدم مساوات کی سزا قاضی کے منع کرنے کے باوجود اگر شوہر ظلم کرے اور مساوات نہ برتے، ایک کے پاس زیادہ رہے اور دوسری کے پاس کم، تو اس کو سزا دی جائے گی، قید نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس نے ایک کا حق کھویا، اور ممنوع شرعی کا مرتکب ہوا، یہ سزا اُس وقت ہوگی جب کہ شوہر نے یہ نہ کہا ہو کہ میں نے ایسا اس وجہ سے کیا کہ مجھ کو باری لگانے پر اختیار تھا، اور دوسری بیوی کے پاس بھی اتنے ہی دن رہوں گا، اس وقت قاضی حکم دے گا کہ جتنے دن پہلی بیوی کے پاس رہ چکا ہے اتنے دن دوسری بیوی کے پاس بھی رات گزارے۔

آیت چونکہ مطلق ہے اس لئے اس باب میں باکرہ ہو کہ شیبہ، نئی ہو یا پرانی، مسلمان ہو یا کتابیہ سب برابر ہیں، سب کے ساتھ عدل و مساوات ضروری ہے۔ ہاں اگر عورت لونڈی ہو، مکاتبہ ہو، ام ولد ہو یا مدبرہ آزاد عورت کے مقابلہ میں ان کے لئے باری آدھا ہوگی، یعنی آزاد عورت کے پاس اگر دو رات رہے گا، تو لونڈی کے پاس ایک رات، صرف شبِ باشی میں یہ فرق ہوگا، نفقہ میں یہ بات نہیں ہوگی، نفقہ میاں بیوی کے حالات کے مطابق ہر ایک کا برابر ہوگا۔

ولا قسم فی السفر دفعا للخرج فله السفر بمن شاء منهن والقراة احب تطیبا لقلوبهن و لو ترکت قسمتها بالكسر ای نوبتها لضررتها صح و لها الرجوع فی ذلك فی المستقبل لانه ما وجب فما سقط و لو جعلته لمعنیة هل له جعله لغيرها ذکر الشافعی لا و فی البحر بحثا نعم و نازعه فی النهر.

سفر میں شوہر کو اختیار البتہ شوہر جب سفر میں جائے گا تو باری اور تقسیم شب میں مساوات کی بات باقی نہیں رہے گی، تاکہ خرج واقع نہ ہونے پائے، شوہر کو اختیار ہے کہ بیویوں میں سے جس کو چاہے اپنے ساتھ میں لے جائے۔ اور اگر قرعہ اندازی کر کے لے جائے تو یہ سب سے بہتر ہے کہ بیویوں میں سے کسی کو نہ اذیت ہوگی اور نہ شکایت، سب کے دل مطمئن رہیں گے، کہ شوہر کی طرف سے زیادتی نہیں پائی گئی۔

باری کا ہبہ اگر چند بیویوں میں سے کوئی اپنی باری اپنی سوکن کے لئے دیدے تو یہ درست ہے، گو مستقبل کے اندر بعد میں وہ رجوع کر سکتی ہے، یعنی پہلے دی تھی بعد میں اپنی باری خود لے لے، کیونکہ مستقبل میں حق واجب نہیں ہوتا ہے، لہذا اس کے ساقط کرنے سے وہ ساقط بھی نہیں ہوگا۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی بیوی اپنی باری کسی خاص سوکن کو دیدے تو کیا شوہر کو اختیار ہوگا کہ وہ اس باری کو اس کے سوا دوسری بیوی کے لئے کر دے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ شوہر ایسا نہیں کر سکتا ہے اور بحر الرائق میں بحث کے بعد لکھا ہے

کہ شوہر کو اس کا اختیار ہوگا۔ نہر الفائق نے اس کے خلاف لکھا ہے۔

و یقیم عند کل واحدة منهن يوماً و ليلة لكن انما تلزمه التسوية في الليل حتى لو جاء
للاولى بعد الغروب و للثانية بعد العشاء فقد ترك القسم و لا يجا معها في غير نوبتها
وكذا لا يدخل عليها بالليل الا لعيادتها و لو اشتد ففي الجوهرة لا بأس ان يقيم عندها
حتى تشفى او تموت انتهى اذا لم يكن عندها من يونسها ولو مرض هو في بيته دعا كلا
في نوبتها لانه لو كان صحيحا و اراد ذلك ينبغي ان يقبل منه نهر و ان شاء ثلثا اي ثلثة
ايام و لياليها و لا يقيم عند احدهما اكثر الا باذن الاخرى خلاصة و زاد في الخانية
والرأى في البداءة في القسم اليه و كذا في مقدار الدور هداية و تبين و قيده في الفتح
بحثا بمدة الايلاء او جمعة و عممه في البحر فنظر فيه في النهر قال المصنف و ظاهر
بحثهما انهما لم يطلعا على ما في الخلاصة من التقييد بثلثة ايام كما عولنا عليه في
المختصر والله اعلم.

رات میں مساوات ضروری

ہاری بیویوں میں اس طرح تقسیم ہوگی کہ اپنی بیویوں میں سے شوہر ہر ایک کے پاس ایک دن ایک رات رہے، اور تقسیم میں برابری شوہر کے لئے رات میں لازم ہے۔ چنانچہ اگر کسی شوہر نے ایسا کیا کہ مغرب کے بعد ایک کے پاس گیا، اور عشاء کے بعد دوسری کے پاس تو پھر مساوات باقی نہیں رہی، ما حصل یہ ہے کہ رات میں کسی کے ساتھ کمی بیشی نہ کرے، دن میں یہ پابندی نہیں ہے۔ اگر کسی کے پاس دن میں پانچ گھنٹے رہا اور کسی کے پاس ایک گھنٹہ تو اس میں مضائقہ نہیں۔

عورت سے اس کی باری کے سوا دن میں جماع نہ کرے، گو اس کی نوبت دن میں آئے، اس کی بھی اجازت نہیں ہے، اسی طرح رات میں اس کی باری کے سوا دوسری کے پاس نہ جائے، البتہ جب کوئی دوسری بیوی سخت بیمار ہو، تو اس کی عیادت کے لئے جاسکتا ہے اور اس میں بھی مضائقہ نہیں ہے کہ جب تک اس کو آرام نہ ہو اس کے پاس ٹھہرا رہے، یا موت واقع ہو جائے لیکن اس قدر اس کے پاس اس وقت تک ٹھہرنا چاہئے جب اس کے پاس کوئی مونس و غم خوار نہ ہو۔

اگر خود شوہر بیمار ہو تو اس کو حق ہے کہ ہر عورت کو اس کی باری میں گھر کے اندر بلائے، کیونکہ حالت تندرستی میں بھی اس کو اس کا حق ہے کہ ہر ایک کو اپنے پاس بلا سکتا ہے۔

شوہر کا اختیار

ہاری میں جس طرح ایک ایک رات کی باری مقرر کر سکتا ہے اسی طرح اس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ ہر ایک کے لئے تین دن تین رات کی باری مقرر کرے، لیکن کسی کے پاس دوسری سے زیادہ قیام نہیں کرنا چاہئے، ہاں اگر دوسری اجازت دیدے تو ایسا کر سکتا ہے، ابتداء کس بیوی سے کرے، اس کا اختیار شوہر کو ہے اسی طرح کتنے دن کی باری مقرر کرے، اس کا اختیار بھی شوہر کو ہی ہے۔

اختیار کے حدود فتح القدیر میں لکھا ہے کہ شوہر کے ہاتھ میں اختیار کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ایک ایک سال کی باری بھی مقرر کر سکتا ہے، بلکہ انھوں نے بحث کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ باری مدت ایلاء سے بڑھنی نہیں چاہئے، بلکہ کہتے ہیں ایک ایک ہفتہ سے زیادہ نہ ہو، چار ماہ کی باری بھی ٹھیک نہیں ہے، ایک ہفتہ سے زیادہ کی باری نقصان دہ ہے، بعضوں نے مطلق رکھا ہے، مگر بیویوں کی رضامندی کی شرط لگائی ہے، اس بات میں پہلی روایت تین تین دن والی مناسب معلوم ہوتی ہے۔

فروع لو كان عمله ليلا كالبحارس ذكر الشافعية انه يقسم نهاراً و هو حسن و حقه عليها ان تطيعه في كل مباح يامر بها و له معناها من العزل و من اكل ما يتاذى من رانحته بل و من الحناء و البقش ان تاذى برانحته نهر و تمامه فيما علقته على الملتقى.

رات میں کام کرنے والا شوہر اگر شوہر رات میں کام کرتا ہو، جیسے رات میں چوکیداری اور پہرہ داری کا کام، اور اس کے کئی بیویاں ہوں تو شوافع ذکر کرتے ہیں کہ ایسا شخص بیویوں کی باری دن میں مقرر کرے، شارح کہتے ہیں کہ شوافع کا یہ قول بہتر اور مناسب ہے۔

بیوی پر اطاعت شوہر کا بیوی پر یہ حق ہے کہ بیوی اپنے شوہر کی ہر مباح چیز میں فرمانبرداری کرے، یعنی جس مباح کام کا شوہر حکم دے اُسے بیوی بجالائے، لیکن جب امر مباح میں شوہر حکم دیدے گا تو حکم کے بعد بیوی پر اس کا بجالانا واجب ہوگا۔

باپ کا حق اگر کسی کی بیوی آرائش کرنا چھوڑ دے یا نماز نہ پڑھے، یا طہارت کا خیال نہ رکھے یا شوہر و طہی کے لئے بلائے اور بیوی نہ آئے، تو ان باتوں میں نافرمانی پر شوہر بیوی کو مار سکتا ہے، لیکن اگر بیوی کا باپ معذور اور خدمت کے لئے مجبور ہے اور شوہر اس کو منع کرے کہ وہ باپ کے پاس نہ جائے تو اس صورت میں بیوی کے لئے جائز ہے کہ شوہر کے حکم کے خلاف باپ کی خدمت کے لئے جائے۔ اس کا باپ خواہ مسلمان ہو خواہ غیر مسلم۔

شوہر کی رعایت مرد کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی کو سوت کا تنے سے منع کرے، کیونکہ اس کا نفقہ بذمہ شوہر ہے، اور اسی طرح مرد کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ اپنی بیوی کو ہر اُس چیز کے کھانے سے روک دے، جس کی بدبو تکلیف دہ ہوتی ہے، جیسے کچی پیاز، کچا لہسن، مولیٰ، حقہ، بلکہ اگر شوہر کو مہندی اور نقش و نگار سے نفرت ہو اور اس کی بدبو تکلیف دہ ہو تو وہ اپنی بیوی کو مہندی لگانے اور نقش کاری سے بھی منع کر سکتا ہے۔

نکاح کے احکام میں سے ایک حکم اچھی معاشرت بھی ہے کہ شوہر بیوی کے ساتھ ایسا سلوک کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہو بات چیت میں بھی اور کام کاج میں بھی، مرد کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کے جائز جذبات کا پورا لحاظ و پاس رکھے، کہ وہ اس کے ساتھ برابر کا درجہ رکھتی ہے۔

مکتبہ فیض القرآن دیوبند ضلع سہارنپور (یوپی)